مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نام نہاد

اسلامی بینکاری

اکابرینِ اُمت کے فتاویٰ و تحقیق کی روشنی میں

پاکستان، ہندوستان، افغانستان، بنگلادیش اور ساؤتھ افریقہ کے علماء
کے متفقہ فتاویٰ پر مشتمل نام نہاد اسلامی بینکاری پر انسائیکلوپیڈیا

سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ
شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی محمد زر ولی خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

الجامعۃ العربیۃ احسن العلوم
گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی پاکستان
www.ahsanululoom.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام	مروجہ جہاد اسلامی جہاد یا دہشتگردی؟ اکابرین امت کے فتاویٰ کی روشنی میں
ناشر	جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی
سن اشاعت	۱۴۳۳ھ ہجری بمطابق ۲۰۱۲ عیسوی (جنوری)

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بانی ومہتمم جامعہ عربیہ احسن العلوم

اس کتاب کی تیاری میں حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس میں قرآن کریم کی آیات میں کوئی غلطی نہ ہو اور نیز احادیث مبارکہ اور دیگر فقہی عبارات میں غلطی واقع نہ ہو پھر بھی اگر قارئین میں سے کسی کو اس کی نشاندہی ہو تو اللہ رب کریم اعلیٰ درجات اور جنتوں سے سرفراز کرتے ہوئے ادارے کو مطلع فرمائیں۔ ادارہ اس سلسلے میں ان کا شکر گزار رہے گا اور آئندہ ایڈیشن میں ان کی تصحیح کر دی جائے گی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کتاب ہذا کا نام

نام نہاد اسلامی بینکاری متفقہ فتویٰ کے آئینہ میں

ماہنامہ الاحسن کی "خصوصی اشاعت"

الجامعة العربية احسن العلوم

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کاپی رائٹ ایکٹ آف پاکستان

کاپی رائٹ ایکٹ آف پاکستان کے تحت اس کتاب کے کاپی رائٹ ایکٹ کے حقوق جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کے پاس محفوظ ہیں۔ اس لئے اس کتاب کو بغیر اجازت کے چھاپنا یا اس کے کسی حصہ کا چھاپنا اس قانون کے تحت جرم تصور کیا جائے گا۔

جامعہ عربیہ احسن العلوم (کراچی)
www.ahsanululoom.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احسن الترتیب

اداریہ

[illegible]	مدیر اعلیٰ کے قلم سے	۷

احسن الخطبات

خطاب جمعہ	شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی محمد زر ولی خان مدظلہ	۱۸

مضامین

[illegible]	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ	۳۲
[illegible]	مولانا [illegible] صاحب رحمہ اللہ	۳۵
[illegible]	مولانا [illegible] صاحب رحمہ اللہ	۴۱
[illegible]	مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہ	۴۶
[illegible]	[illegible]	۴۹
[illegible]	ڈاکٹر [illegible] صدیقی صاحب	۵۳
[illegible]	مولانا [illegible] صاحب	۵۸
[illegible]	مولانا [illegible] صاحب	۶۳
[illegible]	مولانا مفتی سمیع اللہ صاحب	۶۸

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مقالات متعلقہ اسلامی بینکاری

علماء کرام کی بابت مروجہ اسلامی بینکاری	رپورٹ : محمد اسماعیل مغل	۸۳
مروجہ اسلامی بینکاری تحقیق کی نظر میں	جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی	۱۰۵
دعوتی حوالہ سے مروجہ اسلامی بینکاری	مولانا مفتی محمد حسن صاحب گورمانی	۲۹۳
مروجہ اسلامی بینکاری ایک استفتاء	مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب مدظلہ	۳۰۰
مجلس تحقیق علماء کے تائیدی دستخطات	دارالعلوم تعلیم الاسلام ...	۳۲۵
مروجہ اسلامی بینکاری کی کتب کا جائزہ	شعبہ دارالتصنیف جامعہ عربیہ احسن العلوم	۳۵۰
مروجہ اسلامی بینکاری ایک منصفانہ علمی جائزہ	مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب	۳۷۸
(۱) مروجہ اسلامی بینکاری		۵۱۴
(۲) تحریک مروجہ اسلامی بینکاری کا جائزہ		۵۶۹
(۳) جامعۃ الرشید ... کتاب پر تبصرہ		۵۸۳
(۴) مفتی ... کی کتاب ... اسلامی بینکاری پر تبصرہ		۶۰۳
...		۶۱۶
تحقیق (...)		۶۱۷

مقالات - مسئلہ تصویر

تصویر کے ... پر تحقیقی مقالہ	مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب	۶۲۳
التصویر ... التصویر	مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب	۶۷۹
... تصویر ...		۶۹۲

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

معارف و محاسن

مدیر اعلیٰ کے قلم سے

جب سے اسلامی سلطنتیں ختم ہو گئیں اور اسلام کو عظیم سانحہ 1921ء میں پیش آیا جب سلطنت عثمانیہ کی بساط چوکی نیلام ہو گئی۔ اندلس (Spain) کے واقعات ظہور پذیر ہوئے تو دنیائے عرب کے اندر مختلف ملکوں کی حکومت ان کا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ لیکن بلاشبہ ہندوستان پر سات 700 سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی، سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ (۴۲۱ھ) سے لے کر سلطان محی الدین اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ (۱۱۱۸ھ) تک۔ کسی اردو شاعر نے ہندوؤں کو خطاب کر کے کیا خوب کہا ہے

تم سات سو سال اپنی غلامی میں رہے ہو
کیا یاد تمہیں ہند کی تاریخ دلا دوں

ان تمام اسلامی ادوار میں مذہب اسلام کو، اسلامی شعائر، دین و ملت کی برتری مسلّم رہی ہے، پورے عالم کی بات جانے دیجیے ...

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

حضرت اقدس شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی غیرت ایمان اور کرامت ایمان دیکھ کر زنجیر عدل اور دیگر تفصیلی احکامات ملک کے نظم و نسق کے لئے نہ صرف قبول کیں بلکہ عملاً ان کو جاری فرمایا۔ جس کی تفصیل حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کے مکتوبات میں موجود ہے۔

اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد جیسے جیسے انگریز کے پنجے مضبوط ہوتے رہے اور اس فتنے اور مکر سے ملک ہند کے ساتھ تعلیم ہند جس کا آخر حصہ بلکہ اسلامی ادوار کے اندر پورا کا پورا اسلام کے تحت ہو رہا تھا۔ کے جو تعلیم تھی اس کو نہ صرف ہو بہو ختم نہیں کیا بلکہ اس کے متبادل انگریزی نظام موثر اور مؤقر بنانے کے لئے ہر طاقت صرف کی، انہوں نے اپنے تعلیمی نظام کے ذریعے یہاں کی اسلامی روایات کو جس کا اہم حصہ اسلامی نظام تعلیم تھا ختم کیا۔ چنانچہ حضرت مجدد صاحب کی تحریک ہی کے نتیجہ میں ولی اللّٰہی خاندان کی خدمات حدیث کے روشن ثمرات کے طور پر ہندوستان کے طول و عرض میں دینی مدارس قائم ہوئے جس کی نتیجۂ دینی اور علمی ترقی اور عروج پر مشتمل ایک الف ثانی ادارہ دار العلوم دیوبند وجود میں آیا۔

بقول شاعر

قصہ کوتاہ کرد و نہ شد جو سحر بیدار بود

چنانچہ دارالعلوم دیوبند نے علوم اسلامیہ کے پڑھانے میں سلف صالحین کی یاد تازہ کر دی۔ علوم و فنون کے طالب دور دور سے آئے اور یہاں سے فارغ ہو کر علماء و فضلاء پیدا ہوئے جنہوں نے کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس کی، طریقت اور شریعت کی ترویج اور دینی فکر اور شریعت سے اس کے منافات کو ایک تمغۂ توافق اور تہذیب سے نہیں کیا۔ حضرت سید سلیمان ندوی حکیم الامت رحمہ اللہ کے حالات میں فرماتے ہیں:

"ان کی زبان شریعت و طریقت کی وحدت کی ترجمان تھی، ان کے قلم نے ایک مدت کی بحث و تکرار کے بعد ہم کو خوش کیا تھا اور ان کے فیض سے تقریباً نصف صدی تک اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اپنی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و صحبت سے ایک عالم کو مستفید بنا رکھا تھا اور تصنیفات نے اپنی تحریر و تقریر سے حقائق ایمانی، دقائق فقہی، اسرار احسانی اور رموز

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حضرت سیدی کو بے حد افسوس ہوا تھا۔" (یادِ رفتگان ص ۱۵۳)

اسی طرح نہ ختم ہونے والے مجاہدین اور استقلال و جہاد کو ہمیشہ کے لئے قائم رکھنے کے لئے ایک سیاسی اور جہادی تحریک کی داغ بیل ڈالی کہ 1857 میں مجاہدین اور جہاد کو جو خمیازہ بھگتنا پڑا یا سید احمد شہید رحمہ اللہ کی تحریک آزادی کو جو شکست بالاکوٹ کے پہاڑوں میں ہوا اس کا تدارک ہوا۔

دینی تعلیم و تدریس کے میدان میں دارالعلوم دیوبند کی خدمات آفاق میں مسلّم ہیں۔ تزکیہ نفس میں شریعت و طریقت یکجا ہو کر ہمہ جہت رنگ اور ہمہ مشرب ہوئے۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں اور تحقیق و دعوت کے میدان میں تمام شعبوں میں اسلام کو ہر گوشے تک پہنچانے میں وہ روحانی ذرائع اور وہ تکوینی مصالح کارفرما ہوئے جو ایک عظیم ادارہ وقت میں تھے جس طرح آج پورے عالم میں دینی مدارس، جامعات اور تبلیغی مراکز دارالعلوم دیوبند کے مختلف اطراف میں دعوت و جہاد کے موجزن سرچشمے اور جہاں جہاں بھی جہاد و تبلیغ کے آثار نظر آ رہے ہیں انہی علمی و عملی رنگ و روپ میں دنیا کے عام معاصر دینی زیور سے آراستہ ہو کر پیغام توحید و سنت کو آگے بڑھاتے ہوئے پورے عالم میں نظر آتے ہیں۔

میدان کارزار سیاست میں مجدد صاحب رحمہ اللہ کے پیغام، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز کی تحریکِ حریت اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ کے جہد مسلسل والے آزادی ہند کے نتیجے میں ہندوستان انگریز سے متحدہ ہندوستان ہندو مسلم اتحاد اور قربانیوں کی وجہ سے تو آزاد ہوا مگر بدقسمتی سے پاکستان انگریزی تعلیم یافتہ طبقے، انگریز کے وفادار جاگیرداروں کی سازشوں کے نتیجے میں انگریز کے ظلم و استعمار سے نکل کر ان کے ہاتھ آیا جو وقت کے ساتھ رہنے سے یہ قوم ظلم اور بدعت کے ارتکاب میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے رفقاء نے وعدہ کیا کہ اسلامی نظام کے نفاذ اور تحفظ کی جدوجہد کرنے کا وعدہ پورا کریں گے تو پاکستان اپنے معرض وجود کو اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنے مختلف ادوار میں اس کے بجائے بلکہ پورے عالم کو سبق دینے کے آئینے میں خوشگوار منظر دکھا سکتا تھا مگر قسمت کی ایسی ہی ہے۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

علمائے حق خصوصاً علمائے دیوبند جن کی سرشت میں مجدد صاحب رحمہ اللہ کی چاشنی اور شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی خدمت حدیث کے اثرات روز روشن کی طرح مسلّم ہے، انہوں نے سابقہ تعلیم اور تمدن کو مغربیت کے تسلط سے پاک کرنے کے لئے اس پر آشوب دور میں مدارس قائم فرمائے اور دینیات کے طرز پر تعلیم و تربیت کی کوشش کی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوئے، تزکیہ اور اصلاح کے باطنی میں بھی آگے بڑھتے گئے، جہاد کے لئے بھی قرآن و سنت پر مشتمل چودہ سو سالہ امانت ایمان اور عقائد صحیحہ پر مشتمل کامیاب تعلیم و تربیت فرمائی مگر گذشتہ ادوار میں جو تعبیر شرک کے ساتھ خلط ہوئی تو توحید کے تحفظ میں بڑا اثر پیدا کرنے کی کوشش کی جس کے لئے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی "تقویۃ الایمان" اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی چھوٹی بڑی پوری ادھوری عربی فارسی اور اردو کتب نیز فن میں حسب ضرورت اور مصلحت ایک اندازے کے مطابق 1365 کتابوں نے مشرکانہ تحریکات اور بدعات کی تحریکات کا بھرپور مقابلہ کیا۔

لیکن امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ جن کا مقام احادیث اور اسانید کی روشنی میں محدثین اور فقہاء کا رونا رکھا ہے آپ کے اس مقام اور مسلم محدثانہ اور مجتہدانہ تحقیقات کے علاوہ زندگیوں کی یادداشتوں اور ان کے بارے میں رجال اور تاریخ کی کتابوں میں جو تفصیلات درج تھیں وہ ان کے لئے عجیب تھی وہ مسلمات کی طرح مان لئے گئے۔

سلطنت ہند

(اردو تحقیقی کام کے پیش نظر مزید تحریر کا مختصر امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ)

ایک مختصر تحقیقی تحریک کے تسلط نے اسلامی نظام اور اس کے مسلمات عقائد و

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اقوال یا تحلیل و تحریم کے معاملات کو نظر انداز کر دیا چنانچہ جائز تجارت و زراعت کی جگہ بینکاری کا نظام مسلط کر دیا گیا یہ اس اعتبار سے تو ایک ضرورت تھی کہ لوگوں کے اموال عام دسترس سے محفوظ ہو جائیں مگر ربا اور سود کے عنصر نے جو بینک کی اصل روح ہے اور بینکنگ کے تصور میں ان کی ترقیات کا اصل محور ہے وہ غیر محسوس اور ایک حقیقت کی شکل میں بینک کے تمام معاملات میں شامل رہا ہے۔

علماء نے ہر زمانہ اور ہر دور میں ناجائز کا مقابلہ کیا ہے، چنانچہ انہوں نے بینک کی سودی (سودی) معاملات کو حرام اور سود خوری پر سخت فتویٰ دیا کہ وہ ناجائز اور ایمان و عاقبت کے لئے مہلک اور تباہ کن ہے۔

قرآن کریم، سنت نبویہ اور فقہ اسلام اور چاروں مذاہب کے اتفاق اور امت مسلمہ کا اجماع اس کے حق میں حجت قاطعہ اور دلیل محکم کے طور پر موجود ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

"یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط" (سورۃ بقرہ آیت ۲۷۶)

اللہ تعالیٰ سود کو مٹا دیں گے اور خیرات یعنی جائز لین دین کو جاری رکھیں گے

اسی طرح جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

"یاتی علی الناس زمان لا یبالی المرء بما اخذ المال امن الحلال ام من الحرام"

(بخاری ج ا پارہ ۸ ص ۲۷۹)

کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ مال جمع کریں گے اور وہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ یہ مال حلال ہے یا حرام ہے۔

زمانے کے گزرنے کے ساتھ انسانوں کی ضروریات کے سامنے آنے اور مسلمانوں کے مال اور دولت کے تحفظ کی اہم ضرورت پیش آنے کے لئے مختلف بینک قائم ہوئے اور فقہی اور مروجہ مسلمات کی روشنی میں ایک متبادل نظام دینے کے لئے علماء اور فقہاء امت ہمیشہ فکرمند رہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

چنانچہ فقیہ الامت میدانِ سیاست کے شہسوار اور حدیث و فقہ اور تفسیر کے سپہ سالار مفتی اعظم اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ، شارح بخاری و ترمذی محدث العالم استاذ گرامی قدر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ جیسے متبحر فقیہ، محدث اور عالمی شخصیت کے حامل بھی مختلف زاویوں سے مختلف ابحاث میں مشغول رہے۔ اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے سابق استاد اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے علم و فقہ کے شناور دینی ہستیاں ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ لوگوں کے اموال جامد ہونے کے بجائے کسی جائز کاروبار میں صرف ہوں اور سود کی لعنت سے بھی محفوظ رہیں۔

مگر چونکہ حکومت اسی رخ میں نہ تھی اور نظام اموال بزرگانِ دین کی دسترس سے باہر ہوتا اور عوام الناس پر ان کا زور نہ چلنے کے سبب اور مسئلہ کے ہر مرحلے پر مشکل اور دشوار ہونے کی وجہ سے بظاہر یہ سوچ و فکر علمی مباحث اور دینی شہ پاروں اور سود کی حرمت کے مواعظ کے تحفظ اور دینی تفکر کے علاوہ کسی عملی انداز میں جامۂ حقیقت کا روپ نہ دکھا سکے۔

ایسے بزرگوں کے تصانیف دیکھ کر بلکہ ان کے علوم کی معتمد شخصیات سے استفادہ کرنے والے بعض علماء کرام نے اس فکر و سوچ کو آگے بڑھانے کے لئے اور ایک ایسا نظام لانے کے لئے جس میں تجارت اور مالی لین دین کے ذریعے سود اور ربا سے خالی ہو کر یا سود اور ربا کے نظام کے مقابلے میں جائز حلال اور قابل قبول نظام لانے کی کوشش کی گئی، یہ ایک بہترین کوشش تھی اور بہت ہی کامیاب کوشش تھی جس سے مسلمانوں کا مال اور بچت ایمانداری کے ساتھ سود سے بچانے کا ایک خوشنما طریقہ اور تجربۂ قریب کے مطالعہ کرنے کے بعد اور بعض اہل علم حضرات علم و تقویٰ سے اجتناب کر کے یہ متبادل نظام سود سے پاک ہے ان کے بعض حضرات کے خیال میں یہ مروجہ غیر سودی اور مقدس غیر ربوی نظام کے قریب کا نقشہ مرتب کر چکی کا بینکنگ پیش کیا گیا، یہ ہی تھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور اہل الرائے، حدیث، تفسیر اور اصول اسلام کے اساتذہ کرام نے اس کا گہرا مطالعہ کیا تو تجزیہ ہوا کہ جسے غیر سودی یا سود سے پاک وغیرہ کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

طریقوں سے متبادل نظام کیا جاتا ہے اور لوگ اسے اسلامی بینکاری سمجھ کر اس کے ساتھ سود کے بجائے اسلامی قرار دے کر معاملہ کرنے لگے ہیں یہ نظام بھی سابقہ بینکنگ سودی اور ربوی نظام ہی کی ایک قسم ہے اور جس طرح عوام وخواص دونوں اس کی روشنی میں اسے غیر سودی یا اسلام کے قریب متبادل نظام کہا گیا تھا اس کے بجائے برائے نام کچھ تبدیلی ہوئی اور یہ نظام سادہ لوح مسلمانوں کو بعض اہل علم کے نام اور مقام پر دھوکہ دے کر اسے اسلامی یا غیر سودی یا متبادل نظام کہہ کر ان کے گلے سے اتارا گیا۔

یہ بھی ملک اور بیرون ملک علماء دین میں اس کے خلاف ایک تلاطم برپا ہوا اور بہت سارے علماء فقہاء اور مفتیان بہ حیثیت تھے اور اسی میدان کے ماہرین اور دانشوروں نے غیر سودی یا اسلامی بینکاری یا متبادل بینکاری نظام کو یکسر حرام قرار دیا اور یہ نظام سابقہ بینکاری کے چہرے کا دوسرا رخ یا اس کے لئے اسلام پسندی کا جواز کرنے کا ایک ذریعہ قرار دے کر اس کی تغلیط ہی فرمائی۔

چمن میں پھول تو کھلیں گے کہاں سے
اگر ہم خار ہی بوتے رہیں گے

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

محرک تحریر

دو سال قبل ماہ ذی الحجہ میں راقم کا اپنے بعض دوستوں کے ہمراہ دوسری بار بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا۔ مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ سے ملاقات ہوئی اور تحریر سے واضح ہے بعض حضرات نے معلوم کرنے پر پوچھا کہ جدید تجارتی اوقاف اور سابقہ نام نہاد اسلامی بینکاری کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ حضرت مولانا نے ان کی بہت ساری گفتگو کے جواب میں یہ عرض کیا کہ جس بینکاری کے تعلق سے ملک اور بیرون پاکستان میں علماء دین ان کے سامنے آئے اور ان پر یہ فتویٰ صادر ہوا اس کی تحریر ہے اور وہ تحریر فتاویٰ کی صورت میں بھی ہے۔ حضرت ان کے یہاں کے ایک فاضل اور رفیق مفتی صاحب نے بتلایا کہ جو فتویٰ علماء کی طرف سے جامعہ کے بعض علماء کی طرف سے شائع ہو چکا ہے اس پر اس عاجز نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:

اس مجلس میں مزید غور و فکر سے معذرت کرلی۔ ان کا کہنا تھا کہ ہماری بینکاری کا تعلق پاکستانی بینکاری سے نہیں ہے اور نہیں ہمیں کسی حکومت نے اسلامی طرز حیات کی بینکاری اسلامی اہداف کے مطابق چلانے کی اجازت دی ہے اور ہم شرعی اور فقہی تقاضوں کے مطابق بینکاری کے مروجہ طریقے سے ہٹ کر ایک نئے طریقے پر اسلامی بینکاری کرتے ہیں۔ مگر اس سلسلے میں نہ تو ان کے پاس کوئی تحریر تھی، نہ ہی اس سلسلے میں کوئی دستاویز تھی اور نہ ہی کسی حکومت اور پارلیمنٹ کا کوئی فیصلہ اس لئے یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ علماء کو بالخصوص اور عوام کو بالعموم اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وقتی مالی فوائد کے لئے کہیں ایمان اور خاتمہ خطرہ میں نہ پڑ جائے۔

چنانچہ ملک بھر کے علماء اور فقہاء کا ایک نمائندہ اجتماع صدر الوفاق مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم بانی و مہتمم جامعہ فاروقیہ جو متبادل نظام لانے والوں کے بڑوں کے بھی استاد اعظم ہیں کی صدارت میں کراچی کے یہاں جامعہ فاروقیہ میں ہوا اور اس میں بیک آواز فیصلہ کیا گیا کہ متبادل نظام غیر شرعی ہے اور شریعت کی رو سے غیر اسلامی ہے اور نہ اس کا ارتکاب اسلام کے نام پر جائز ہے اور بیوع کی فقہی اقسام اور فقہی کے حیلے اور ''کفالہ'' اور ''مضاربہ'' ''مشارکہ'' ''تولیہ'' اور ''مرابحہ'' وغیرہ فقہی اصطلاحات جو فقہی کتب میں موجود ہیں ان کی تشہیر کرکے اور خالص سودی بینکاری کو بغیر کسی تبدیلی یا ترمیمات کے ان کتب کے عنوانات میں اسلامی بینکاری کے نام سے متعارف کرایا گیا۔

دینی علوم اور معاملات کا شعور رکھنے والے علماء اور اہل بصیرت میں اتفاق رائے رکھنے والے اصحاب علم حضرات کے لئے یہ بات واضح ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کمال معرفت عطا فرمائی تھی انہوں نے شروع سے ہی اس نظام کو غلط اور ناجائز بتایا تھا اور اس کے کارپردازوں کو بھی اس پر دوبارہ غور و فکر کی دعوت دی تھی اور ہر صورت میں اس سے اتفاق کا اظہار کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔

لہٰذا اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو عام مجلسوں کے نظام یا مال کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر غور کے لئے کتب اور محققین کے متفقہ فتاویٰ درج ذیل ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بنوری ٹاؤن میں ہونے والے دستخط والا کاغذ یہاں لگے گا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب کہ جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن نے اس سے پہلے متبادل نظام کے بارے میں ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے۔ جب کہ دیگر محققین صاحبان نے مختلف مقالے میں متبادل نظام کی ناکامی اور غیر اسلامی ہونے اور سودی نظام کے ایک پہلو ہونے پر شائع فرمائے ہیں۔

چنانچہ ضرورت تھی کہ مختلف ادارے اپنے اجتماعوں میں، منبر و محراب وعظ و نصیحت میں عوام اور خواص کو آگاہ کریں کہ متبادل نظام کے نام سے جو غیر اسلامی حرکات کی گئیں وہ نہ تو اسلامی ہیں نہ سود سے پاک ہیں اور نہ جائز نظام کے کسی حد تک قریب ہیں۔ بلکہ سابقہ ربوی سودی نظام کی دھوکہ دہی پر مشتمل سازش اور حیلہ فریب کی ایک گھناؤنی شکل ہے۔

اس سلسلے میں چند گزارشات بھی پیش خدمت ہیں:

(۱) علماء کرام نے متفقہ شرعی فتویٰ دیا ہے اور مستند شرعی نصوص کے تحت کر دیا گیا۔

(۲) عام لوگوں کے ایمان و اعمال کے تحفظ میں لوگوں کے سب علماء کے ذمہ دار ہیں۔

(۳) علماء کرام نے جمہور کی حرمت والا نظام سے بھی حرام اور ناجائز کا متبادل تلاش کرنا ہرگز ہرگز منصب شرعی نہیں

(۴) جن مختلف علماء کو بینکاری کے کاروبار میں ان پر بالمشافہ اور بالکل واضح کر دیا گیا کہ ان سے اس سلسلے میں شرعی اور فقہی غلطی سرزد ہوئی ہے۔

(۵) انہوں نے خود بھی تحریر اور تقریر میں نام نہاد اسلامی بینکاری پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔

(۶) بلکہ بعض اوقات میں ان کی جو تحقیق تھی انہوں نے پیچھے ہٹنے اور اس سے توبہ تائب ہونے کا عندیہ دیا تھا۔

(۷) اب وہ کہیں بھی تحریر و تقریر کے لئے آمادہ نہیں ہیں ان کے علاوہ دیگر اداروں کا اطمینان ہے۔

(۸) تحقیق کی بات ہے کہ نام نہاد اسلامی بینکاری جاری کرنے سے پہلے علم شرعی کے تمام تقاضے پورے نہ کیے گئے تھے۔

(۹) یہ کہنا بے جا ہے کہ انہیں اظہار رائے کا موقع نہیں دیا گیا کیونکہ کوتاہی ان کی طرف سے ہوئی ہے اور کتاب و سنت ہی مکمل کرنے والا ہی نظام ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۱۰) کیونکہ ان کی تحریرات اور مقالے ۔۔۔ وغیرہ اور ان پارے میں تبرات اور بے باکی، دریدہ دہنی کی حد تک پہنچی ہے اس لئے تحریراً ان کی تشفی جواب الجواب کی فضاء پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

یہ ان اجراف جمعیت کے لئے ہیں اور کس جوابات ہیں۔ "فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ"

"إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ" (سورۃ ق آیت ۳۷)

چنانچہ "ماہنامہ الاحسن" جو ملک کا معتبر رسالہ ہے، تحفظ دین کے لئے ہمیشہ کمر بستہ رہا ہے اس کے مدیر ۔۔۔ نے خصوصی ۔۔۔ کے فاضل ۔۔۔ اور "ماہنامہ الاحسن" کے نائب مدیر عزیزم محمد ۔۔۔ مفتی ۔۔۔ الحنفی نے "دیوبندیوں اور اہلحدیث کی تفصیل تحقیق کی روشنی میں" "ماہنامہ الاحسن" کا خصوصی نمبر شائع کر دیا جو ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے اور جو ان شاء اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک ۔۔۔ ہر طرف سے ۔۔۔ کے ۔۔۔ شائع کئے جاتے ہیں ان سے بچنے اور ان کی اصلاح اور ہدایت کے لئے ایک مستقل سامانِ رشد و ہدایت ہے۔

مذکورہ خصوصی نمبر ۔۔۔ منصۂ شہود پر آیا ۔۔۔ ختم ہو گیا اب جا کے نئے سرے سے اس کا دوسرا ایڈیشن ۔۔۔ صفحات پر مشتمل ہے شائع کیا جا رہا ہے عزیزم مولانا مفتی ۔۔۔ الحنفی نے بھی نئے سرے سے اس کی اشاعت کے لئے حوالوں اور ۔۔۔ کو بھی یکجا کرنے کی کوشش کی خدا کرے کہ یہ تحقیقی تحریر "ماہنامہ الاحسن" ۔۔۔ اہلحدیث ۔۔۔" کے طرف ۔۔۔ قارئین کے ۔۔۔ کے طور پر قابل قبول اور ۔۔۔ ہو۔

"وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ" (فاطر آیت ۱۷)

ان کی تصنیفات کے اٹھی ہاتھ پر ۔۔۔ قبول

پھول ۔۔۔ سے بیچے ہیں ان کے دامن کے لئے

"وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ" (احزاب آیت ۴)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب دامت برکاتہم

احسن الخطبات

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا محمدا عبده ورسوله ارسله الله تعالى الى كافة الخلق بين يدي الساعة بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا صلى الله تعالى عليه وآله واصحابه وبارك وسلم اما بعد

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۷۸، ۲۷۹)

قصہ یہ [illegible] کہ ایک بہت بڑا مسئلہ کہ ہمارے جنرل صاحب کی شکل میں موجود تھا وہ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے حل ہو گیا [illegible] صاحب کے [illegible] سے حل ہوا اب اللہ کرے کہ اس سے زیادہ وہ بلا اور مصیبت [illegible] بھی [illegible] ہے [illegible] آیا تھا کہ ملک بھر میں [illegible] پوری [illegible] ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سود کاروباری ترقی روک دیتا ہے

سود کو قرض دینے والے یہاں کاروباری رونق ہے اور بہت ضروری ہے۔ مگر جتنے بھی ہیں وہ سود کے قائل ہیں کہ تھوڑے سے پیسوں سے زیادہ فائدہ ہو جائے اور جن کے پاس پیسے نہیں ہیں وہ ہمیشہ تنگ ہوتے رہیں اور جن کے پاس مال ہے وہ بہت زیادہ ہو جائے۔ سود کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ شریعت جو کہ انبیاء کی تعلیمات کا نچوڑ ہوتی ہیں وہ ہمیشہ انسانیت کا مفاد چاہتی ہے۔ وہ یہ چاہتی ہے کہ کاروبار ہو، تجارت ہو لیکن اس میں کسی پر ظلم اور استحصال نہ ہو۔

سود ختم کرنے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ غریب کا کاروبار ترقی کرے گا کسی وقت یاقوت اور سونے کا کاروباری بن سکتا ہے۔ سود کی وجہ سے یہ بھی ہوتا ہے کہ کمزور قسم کا آدمی بڑی کاروبار سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ کبھی بادشاہ بھکاری بن گئے ہیں اور بھکاری سلطنت پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے: "وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ" یعنی ہم احسان کرتے ہیں کہ کمزوروں کو "وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً" یعنی پیشوا بنا دیتے ہیں "وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ" (سورۃ قصص آیت ۵) یعنی زمین کے خزانوں کا ان کو وارث کرتے ہیں۔ اس کی ایک حکمت یہ ہے کہ مالداران ہمیشہ ڈرتے رہیں کہ ہم پر بھی افلاس آ سکتا ہے۔

"وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا" (سورۃ نساء آیت ۹)

جو لوگ یتیموں کے نگران اور کفیل ہیں وہ یہ خیال رکھیں کہ قرآن کہتا ہے کہ ان کے بھی بچے یتیم ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ بھی سوچیں کہ ان کے بچے یتیم ہو جائیں گے۔

یہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ لوگوں پر حالات کیسے تبدیل ہوتے ہیں اور کیسے کیسے پریشان ہوتے ہیں۔ مالداران سوچیں کہ ہم پر کتنی مصیبت آ سکتی ہے اور ہم کچھ نہیں کر سکیں۔ اس ڈر سے شاید وہ اللہ کے حکم کو قبول کریں گے۔ کیونکہ دنیا سے پہنچ کر اللہ ہی کا کام ہے اور غریب مسکین یتیم کمزور طبقہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جو اس قدر جہالت میں ہے کہ کبھی اللہ راضی ہو تو ہماری قسمت جاگ اٹھے گی۔

قرآن مجید نے اس لئے کہا کہ " ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوٓا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَوٰا " کافر لوگ کہتے ہیں سودا بھی اسی طرح جائز کاروبار ہے کوئی فرق نہیں، دونوں ایک چیز ہیں ایسی غلط بات کفار کرتے تھے " وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوٰا " (سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵) کاروبار حلال ہے اور سود حرام ہے۔ اب بھی بہت سے لوگ کفار کی چال میں پھنسے ہوئے ہیں۔

اسلامی بینکاری یا سود کی پرورش

ہمارے ملک میں ہمارے بزرگوں نے بڑی کوششیں کی کہ یہاں بھی کسی طرح اسلامی نظام آئے اور اس میں سے ایک اہم جز یہ بھی تھا کہ سود کو بینکوں سے نکالا جائے اور لوگوں کے سروں سے یہ لعنت اتاری جائے اس کے لئے معیشت کے کئی اصولوں کو اپنایا تھا اور اقتصاد کے کئی طریقوں سے قاعدے ملک میں لاگو کرنے تھے وہ اس وقت کے امیر بن جاتے ہیں اس کے وقت میں ان پر تحصیل کا کام نہیں کر سکتے۔

جس وقت جب پیش ہوتے تھے تو انہوں نے ایسی کوشش کی تھی اور اس کوشش کے نتیجہ میں اگر وہ تحقیق کر لیتے تو سود کو ختم کر دیا جاتا اور سود خوروں کو دھچکا لگ جاتا لیکن آگے چل کر ان کے جو لوگ سامنے آئے اس سے پتہ چلا کہ وہ سود کو ختم نہیں کر سکتے تھے بلکہ بڑے سود خوروں کے کہنے پر صرف ریاست کو ایک قسم کی ڈھیل دیتے تھے اس وقت کے ایک جاہلی حکمران نے بظاہر جان اور حکومت بچانے کے لئے کچھ لوگوں کو آگے چل کر کچھ مخلص ہیں اور بڑے علماء اور مفتی حضرات نے اسلامی بینکاری کے نام سے بعض مخصوص قسم کے حیلوں میں ان کو کہا ہے کہ تمہیں یہ قاعدہ جائز ہے اور اسلامی بینک نے ہمیں اجازت دی ہے کہ آپ اپنے پیسوں کے ساتھ غیر سودی معاملہ کر سکتے ہیں۔

جو لوگ ہمارے یہاں اس قاعدے سے جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں انہیں نے ان پر واضح کیا تھا اور ہمیں وقتاً فوقتاً وہ کر دیتی اور فکر کرتے تھے کہ یہ سب کچھ نہیں ہو جاتا اس سے ہمیں اور زیادہ نقصان ہو جائے گا۔

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَوٰا وَيُرْبِي الصَّدَقَٰتِ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تحقیق سے پہلے علماء کرام بھی اس پر اطمینان ظاہر کرتے ہوں۔ بعد میں جب ملک بھر کے علماء اس مسئلے میں غور و فکر کیا تو پتہ چلا کہ پورے پاکستان میں چار ہزار کے قریب ایسے بڑے فقہاء اور علماء ہیں جن میں سے چار سو اس مسئلے کے نظام میں حکم شرعی صادر کر سکتے ہیں اور انہوں نے ان تمام نام نہاد اسلامی بینک کے مجموعہ معاملات پر مختلف اوقات میں واضح کیا کہ یہ نظام آپ کا بینکوں کے مقابلے میں اور لوگوں کو سود سے بچانے کے لئے اپنے مقصد اور ہدف پر متفق نہیں ہوا۔ جن عوامل کو آپ نے کار فرما بتا کر ان کے حل ہوتے پر اس کو قیمتی صورت بتایا ان عوامل کو دیکھنے کے بعد پتہ چلا یہ بدستور سودی ہے اور جن وجوہات سے آپ نے اس کو سود سے قریب بتایا ان وجوہات کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کرنے کے بعد پتہ چلا کہ یہ بدستور غیر اسلامی ہے۔ گویا وہ تحقیق اس مسئلے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

نام نہاد اسلامی بینکاری کے وجود میں آنے کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں

اس کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ اولاً تو ہمیں دین و شریعت و اخلاق کے اعتبار سے اس بات کی اجازت بھی نہیں کہ ہم کسی کی نیت پر شک کریں کہ ان کا ارادہ کیا تھا اور ان کا مقصد کیا واقعی لوگوں کو سود سے بچانا تھا یا اپنے آپ کو یا اپنے حواریوں کو بینکوں کے ذریعے چند سالوں میں بہت بڑی رقم سے مالا مال کرنا تھا۔ ہمیں تو یہی فکر لگی رہتی ہے کہ سود کی جو صورت ہے وہ دیکھنے کے بعد ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہم پھر بھی شریعت کے احکام کے مطابق حسن ظن سے کام لیتے ہوئے ان کو معذور کرتے ہیں اور اس فتنے کو واضح کرتے ہیں اور ہم یہی کہتے ہیں کہ وہ اس مسئلے میں مجتہد و محقق تھے مجتہد سے غلطی ہو سکتی ہے اور انہوں نے بنا نیک نیتی لوگوں کو سودی نظام سے بچانے کے لئے ہی کوشش کی تھی جو کسی وجہ سے ثابت نہیں ہو سکی اور بدستور یہ نظام سودی ہی ثابت ہوا۔

پھر بھی اس کی افادیت میں کوئی شک نہیں کہ ملک بھر میں متفقہ طور پر ان کی تحقیقات میں عصر حاضر کے اسفار میں، شریعت کے نفاذ کی نسبت سے جو حضرات سرگرداں ہیں اور اس کے لئے وہ جس موقع پر بھی مجھے علماء ملے ہیں تو ان سے میں نے ذاتی طور پر بات کی ہے، اور تحقیق سے بڑے بڑے علماء نے اسلامی بینکاری کو ناجائز کہا ہے کیونکہ یہ سودی ہے اور انہوں نے اسے بالکل سود ہی بتایا جن کے انہیں اپنی تحقیق کے مطابق بتایا کہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ان وجوہات سے یہ ہرگز اسلامی نہیں ہے۔ جب اس پر بھی وہ نہ مانے تو پھر میں نے یہ دیکھنا شروع کیا کہ آخر میں کس سے بحث کر رہا ہوں یہ اس کے اہل بھی ہیں یا نہیں۔

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ سے ملاقات اور اس کا فائدہ

چنانچہ آخر میں میں نے پورے پاکستان کے علماء کے بڑے خود ان بزرگوں کے بھی استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ جو پاکستان میں مسلک دیوبند کے بڑے اکابر اور فقہاء اور محدثین میں سے ہیں (اللہ تعالیٰ مولانا کی عمر شریف میں برکت دے اور ان کا ادارہ اور ان کے زیر نگرانی چلنے والی شرعی تنظیم وفاق المدارس کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کے فتنوں اور شرارتوں سے بچائے رکھے اور اسلام اور دین کی اور خاص کر علماء دیوبند کی تحقیقی خدمت جو حضرت سے ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ اسے قائم و دائم رکھے) ان سے میں نے ملاقات کی اور دعا کی درخواست کی۔ وہ بہت بڑے بزرگ عالم ہیں اور ان باتوں کی طرف بڑی مشکل سے متوجہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے۔ ایک بار تو مجھ سے فرما بھی دیا کہ

”ارے میاں یہ سب مسائل ہیں، ایک آپ کو نظر آیا ان کے پیچھے پڑ گئے ہو“۔

پھر میں نے کئی اور دوسرے موقعوں پر ان کی خدمت میں گزارش کی کہ لوگ ان چکروں میں جا کے گمراہ ہو رہے ہیں، وہ غلط سمجھتے ہیں اور اس کو ثواب سمجھتے ہیں اور یہ مودودی کا حال ہے۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ یہ جماعت کے بارے میں لوگوں کو صحیح بتانے کا مسئلہ ہے آپ مجھے رہنمائی دیں اور علماء متقدمین کو اس مسئلہ میں لکھتے رہے ہیں۔

ایک موقع ایسا آیا جب کہ خود حضرت نے ہندوستان کا سفر کیا تھا ہندوستان میں ایک شرعی کونسل بنی ہے ان کے بڑے بزرگ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی تھے جنہوں نے مسند حمیدی اور مصنف عبدالرزاق کی جلدوں پر تحقیق کی ہے یہ جس کے بارے میں امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اس وقت کے ... میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے۔ ان کے بعد ان کے ایک شاگرد مولانا مجاہد الاسلام جو کہ اسلامی فقہ اکیڈمی کے صدر تھے اور وہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے دوست تھے جن کو وہ انتقال کر گئے اور ان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے حضرت بنوری تو ایک وہ شخص اس قسم کے ماہرین رہ گئے، انہوں نے مولانا سے مجلس میں کہا کہ آپ کے ہوتے ہوئے پاکستان میں ایک حرام اور ناجائز نظام کو اسلامی کہا جاتا ہے اور انہوں نے اپنی کچھ گذارشات حضرت کو پیش کیں۔

حضرت والا جب ہندوستان سے تشریف لائے تو عجلت کے ساتھ مجھے طلب کیا کہ جلدی کراچی پہنچ گیا حضرت نے مجھے ان کی تحریرات دیں کہ یہ پڑھ لو اور پھر فرمایا جو بات آپ عرصے سے کہہ رہے تھے اس سلسلے میں ہندوستان کے علماء بھی فکرمند ہیں اور اس کے لئے کوئی نظام ترتیب دینا پڑے گا۔ مجھے بھی بہت خوشی ہوئی اور یہ اطمینان قلب ہوا کہ ایک بڑے بزرگ اور بہت سارے علماء کے بڑے کو اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کی طرف متوجہ فرمایا میں نے کہا اس مسئلے کو ہم دیکھ چکے ہیں اور جس نظام کو غیر سودی اسلامی بینکاری کہا گیا ہے اس کا اسلام سے ایک فیصد بھی تعلق نہیں ہے پھر میں نے وہی بات کہی کہ جس طرح حضرت والا اور ہمارا ایمان ہے کہ مرزائیوں کے تمام دعوؤں کے باوجود وہ اسلام کی ایک فیصد تعبیر بھی نہیں، اسی طرح کا معاملہ ہے مرزائیت کے تمام اصطلاحات اور جملہ تحقیقات اور مقالے اور جتنے مسلک اور مذہب ان کے پیچھے ہیں وہ اسلام ہی کے خلاف سازش ہیں۔ یہ میں نے اس لئے ذکر کیا کہ یہ مسئلہ واضح ہے میں نے یہ عرض کیا یہ بات واضح ہے کہ کراچی سے تیمرگرہ تک جہاں کہیں اسلامی بینکاری کے نام سے کھاتہ کھلا ہے وہ غیر اسلامی ہے۔ حضرت نے فرمایا: یہ بات ٹھیک ہے اور اس پر کام کی ضرورت ہے۔

جو کچھ وہ بڑے علماء ہیں انہوں نے ملک بھر کے بڑے علماء اور مفتیوں کو جن کو کام کرنے کا سلیقہ بھی ہے اور صلاحیت بھی ہے اور ان کے پاس مواد بھی ہے ان کو حکم دے دیا کہ اس مسئلے پر دونوں پہلوؤں کو سمجھ کر کسی کی رعایت اور نرمی اور سختی کے بغیر تحقیق کرنا اصل رضائے الٰہی کے لئے یہ کام ضروری ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری کے سلسلے میں نشستوں کا انعقاد

اس سلسلے میں دو نشستیں ہوئی تھیں ان کی روداد یہ ہے۔ ایک نشست تو حضرت مولانا سلیم اللہ خان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

صاحب مدظلہ نے اپنی مختصر سی تحریر میں جو یہ عرض کیا تھا کہ آٹھ بڑے مفتی تھے ان میں مجھ جیسے چھوٹے مفتی کو بھی سب سے مؤخر اور واقعی بے حیثیت طور پر بلایا اور ساتھ بٹھایا۔ دوسری طرف سے اس نظام کے جدید ماہرین پاکستان میں بھی، باہر ملکوں میں بھی وہ ان بینکوں کے ایڈوائزر اور واقعی معیشت میں اور اقتصادیات میں بہت بڑی صلاحیت رکھنے والے حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے، دین کے فیض کو جاری رکھے اور جو کچھ بھی غلطیاں ہیں اللہ تعالیٰ معاف فرمائے) ان کو بلایا اور ساتھ بٹھایا اور پھر مولانا نے کہا کہ ایک عرصہ دراز سے ہم فکر مند رہے ہیں کہ جس بینکاری کو اسلامی کہا گیا ہے وہ بینکنگ ہے اور بینکاری یہ ہے جو سودی نظام کا حصہ ہے اور اس کی اسلام سے مطابقت نہ ہو سکی ہمیں فکر یہ لگی رہتی ہے کہ بینکوں میں آپ کا نام لکھا ہوا ہے، بعض جگہ آپ کی اولاد اور شاگرد دیسکوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ ان بینکوں کا تعارف کراتے ہیں، یہ باتیں ٹھیک نہیں ہیں، یہ کیا ہو رہا ہے ہم بھی ہیں۔ پھر حضرت سے کہا کہ ہم متفقہ تحریر اس بینکاری کے خلاف شائع کرتے ہیں۔ آپ انتظار کریں اور جو گذارشات اس وقت ضروری ہوتی تھیں ان کی خدمت میں کی گئیں اور وہ بڑے ادب و احترام سے سنتے رہے، فکر مند ہو گئے بہت پریشان ہو گئے اور فرمایا یہ چیز تو ٹھیک نہیں ہے اور آپ نے مجھے فیصلے سنا دیئے۔ حضرت نے کہا مجھے یہ سب فیصلے ہو چکے ہیں مجھ سے بھی حضرت اتنے دور چلے جاتے ہیں کہ واپس آ نہیں سکتے اگر وہ واپس ہی آ سکتے ہیں تو یہ آپ کی ہمت و عقل سے ہے ان کو رد کرنا ضروری ہے اور جو ہم پر اعتماد کریں ان کو بینکوں سے روکنا ضروری ہے۔

یہ کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ پھر اس کے بعد پاکستان بھر کے فقہاء اور اصحاب فتویٰ کی حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی زیر صدارت ان کے ادارہ جامعہ فاروقیہ جو شاہ فیصل کالونی کراچی کا مشہور ادارہ ہے میں مجلس ہوئی۔ پہلے مجھ سے [illegible] حضرت کا بار بار حکم رہا تھا کہ آپ اس میں ضرور شرکت کریں، جب میں وہاں پہنچا ان کے بعد ہی حضرت مولانا نے بات شروع فرمائی۔ بڑی خوشی کی بات یہ ہوئی کہ تمام حضرات کو جس بات کے لئے فکر مند کیا گیا تھا ان سب نے دین اور فقہ کی روشنی میں تحقیق کی ان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجلس جو تین گھنٹے پر مشتمل تھی، تحمید اور صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ کراچی کے بھی تمام مفتی اور علماء موجود تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمام نے ایک ہی تحریر تیار کی تھی کہ موجودہ بینکاری جس کو آج کل اسلامی بینکاری کہا جاتا ہے اس میں بھی تحقیق ہو گئی ہے اور یہ اسلامی نہیں ہے لہٰذا اس کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے جیسے کہ دوسرے بینکوں کے کھاتے ہیں اسی طرح یہ بھی انہی میں سے ایک کھاتا ہے اور جیسے وہ تمام سودی ہیں اسی طرح یہ بھی سودی ہے اور تمام مسلمانوں کو اس بات کی ہدایت کی جاتی ہے کہ اس نام نہاد اسلامی بینکاری سے پرہیز کریں اور گناہ سے بچیں۔

ٹیلیویژن پر آنا اور تصویر کشی کی اسلام میں کوئی اجازت نہیں

پھر یہ چلا کہ بعض حضرات کی طرف سے ٹیلیویژن پر آنا عام سی روش بن گئی ہے اور اس کا جواز انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ آج کل ہمارے یہاں حالات بہت خراب ہیں اور اہل باطل بہت زیادہ زہر پھیلا رہے ہیں، اگر ہم اسی صورت میں آگے نہیں آئے تو حالات اور بھی خراب ہو جائیں گے، اس کی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے کہ کوئی یوں کہے کہ اہل باطل نے ڈھول بجانا اور رقص کرنا شروع کر دیا ہے اور اگر اب ہم بھی ایسے ڈھول بجانے والے اور رقص میدان میں نہ لائیں تو ہم اہل باطل کے مقابلے میں پیچھے رہ جائیں گے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اس مسئلہ میں بھی یہی ارشاد فرمایا کہ یہ بھی تصویر ہی ہے اور حرام اور ناجائز ہے۔

پھر اس مسئلہ میں ایک چیز کی بات آئی کہ جدید موجودہ دور میں جو تصویریں لی جاتی ہیں اور جو چینلوں میں چلتی ہیں ان کی بنیاد پر [illegible] مختلف صورتیں ہیں یہ تصویر نہیں ہے بلکہ عکس یا ارتسام ہے۔ اس سلسلے میں ایک فریق کو بہت حیرت بھی ہوئی، علماء دین نے ان دونوں مسئلوں کو ایک ساتھ ملا دیا کہ اسلامی بینکاری غلط حرام اور ناجائز ہے اسی طرح ٹی وی اور مختلف چینلوں پر علماء کا اس طرح آنا [illegible] اور اس کو جائز کہنا غلط حرام اور ناجائز ہے کسی قسم کی بھی ڈیجیٹل یا کسی اور طرح کی تصویر گناہ ہے۔

اس کے ذیل میں ایک اور بات یہ ہوئی کہ ضرورت کے تحت [illegible] ہے جیسے شناختی کارڈ یا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاسپورٹ میں تصویر ضروری ہیں اور بعض جگہ نوکری کے لئے، یہ عوام اور مسلمانوں کی مجبوری ہے اس کو کراہیت کے ساتھ برداشت کر سکتے ہیں لیکن اپنی رضا و خوشی سے خوشی خوشی دل اور ہوش وحواس کے ساتھ ہم ان تصویر کے رنگین بیجز، پیالوں کو پسند کرنے والے ہیں، ٹی وی کی چینلوں پر آنے لگیں اور ٹی وی، وی سی آر کے بحثیں تو بند کریں اس کے لئے جو جوابات بعض بزرگوں کی طرف سے پیش کی گئیں وہ بھی بینکاری کی طرح سے معقول وجوہات ثابت ہوئیں اور تصویر، ٹیلی ویژن اور وی سی آر میں موادر ہونا بدستور جائز اور درست کر دیا گیا۔

چنانچہ اس سلسلے میں ایک مسودہ کتابی شکل میں تقریباً ۴۰ صفحے کا جس میں سب دلائل ہیں اور قرآن وحدیث اور فقہ سے بعض بعض بزرگوں سے ملا کر شاید ۴۰۰ صفحات سے زیادہ ہو گئے ہیں سب واقعہ پیش کیا اور تجویز رکھنے کے لئے اس کی آٹھ صفحات میں تلخیص کی گئی اور نچوڑ نکالا گیا اور وہ ان حلقے اور دیگر مسلمانوں کو خدمت رہنے کے لئے اس کو کتابی شکل میں چھاپا گیا ہے۔

بینکاری کے سلسلے میں ایک واقعہ

مشہور قصہ ہے کہ یہ بینکاری جس زمانے میں نئی نئی تھی، باہر ملکوں میں زیادہ تھی اس زمانے میں یہ کہانی تقریباً کی گئی جو دوران میں انگریزوں کی حکومت تھی اور یہاں بھی کچھ بینک قائم ہوئے مالدار لوگ اپنی رقمیں اس میں رکھنے لگے تھے اور پھر اس کا فائدہ کھاتے تھے۔

تو کسی نے کفایت اللہ مفتی اعظم ہند نے یہ فتویٰ دیا کہ یہ جو بینکوں میں آپ رقم رکھتے ہیں پھر اس کا فائدہ لیتے ہیں یہ سود ہے اور بینک جس کے اندر بہت اور حساب کرتی کوئی فریضہ وضعت کا پروگرام نہیں کرتا اور اس کا وہ پیسہ ہے اس وقت بھی کچھ روشن خیال تھے روشن خیالی جب بڑھ جاتی ہے تو اپنے لوگ بھی روشن خیال ہو کر بے حس ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس دوران حضرت اقدس امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے حدیث کے استاذ تھے اور لاہور آئے ہوئے تھے یہاں کے ساتھ ہوئے ہیں کے لئے علامہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھکے ہوئے تھے سفر کی وجہ سے اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

لیٹے ہوئے تھے لگ رہا تھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس زمانہ میں ایک نیک مخلص مسلمان تھے سالک صاحب جو ہجرت کر کے آئے تھے بہت سے علماء کو بھی جانتے تھے تو سالک صاحب نے کہا کہ بینکاری کے بغیر دنیا کا کام نہیں چل سکتا اور بینکوں کے اندر جو نظام ہے اس کو مصر کے علماء نے کہا ہے کہ یہ سود نہیں ہے، پاکستان کے شیخ الاسلام جو بعد میں شیخ الاسلام ہوئے اس وقت پاکستان نہیں تھا مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جو قرآن کے مفسر بھی ہیں حدیث کے بڑے استاذ ہیں اور امراء و حکام وقت کے بادشاہ ہیں امام العصر مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان جیسا عالم دیوبند میں کوئی تھا تو مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حضرت نے جواب دیا سالک صاحب سود تو سود ہے مصر میں کیسے جائز ہوگا اور مصری علماء سخت غلطی پر ہیں انہوں نے قمار بازی کے متعلق بھی فتویٰ دیا ہے انہوں نے لڑکیوں کے لئے لیا اس کا فتویٰ لکھا ہے اور انہوں نے عیسائیوں کی عورتوں کو [illegible] لوگوں کے [illegible] کے ساتھ بغیر اہل کتاب ہوئے نکاح کی اجازت دی ہوئی ہے [illegible] مسائل میں ان سے غلطی ہوگئی ہے ان میں ایک غلطی یہ بھی ہے تو کیا مصر کی اندھا دھند تقلید شروع کر دیں [illegible] اعتراض اور جواب [illegible] اعتراض اگر بینکاری ناجائز ہے اور بینکوں کے فائدے ہم نہیں لے سکے تو بہت نقصان ہوگا [illegible] کے محتاج ہو جائیں گے مولانا نے کہا ہم تو ان کے محتاج ہیں نہ ہم میں سے کوئی مرا ہے [illegible] کوئی [illegible] نہیں [illegible] اسلام اجازت نہ دے مجال نہیں کہ ہم اس کو جائز کہیں [illegible] جب یہ [illegible] تو حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو لیٹے ہوئے تھے [illegible] وہ اٹھ بیٹھے انہوں نے کہا سالک صاحب آپ کو بینکوں کے سلسلے میں کچھ شرعی معلومات کی ضرورت تھی اور آپ کا حق تھا جواب پورے دلائل اور قوت علم کے ساتھ مولانا شبیر احمد نے سمجھا دیا [illegible] کسی مسلمان کو حرام سمجھنے کے لئے یہ کافی ہے کہ حرام ہے اس سے زیادہ معلومات کی ضرورت نہیں [illegible] دیر سے [illegible] مولانا آپ کو سمجھا رہے ہیں لیکن آپ مان نہیں رہے [illegible] آگے [illegible] جہنم جانے کا [illegible] اگر کسی کو جہنم جانے کا شوق ہے تو وہ خود اپنے [illegible] ہم مولویوں کو اپنے ساتھ [illegible] ہم کسی کے دوزخ کے پل [illegible] کے لئے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو کہتے ہیں یہ ایک روشن ضمیر اور وقت کے مجدد امام الحدیث والفقہ کا ارشاد تھا۔ مالک صاحب فوراً پیروں میں گر گئے معافی مانگنے لگے اور کہا کہ حضرت مجھے بات سمجھ میں آگئی حضرت شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اگر ان باتوں سے مسلمان ہوگیا تو اللہ تعالیٰ جنت نصیب فرمائیں گے اگر اب بھی آپ بضد ہیں ہمیں تو معلوم نہیں ہے تو مولانا انور شاہ صاحب نے فرمایا تو پھر آپ اپنے پیروں سے چل کر جہنم جائیں گے اور مولانا شبیر احمد عثمانی کو ... مولانا محمد سعید کو کہیں اپنا پیر بنانے کے چکر میں ہیں۔

حضرت مولانا حکیم اللہ خان صاحب مدظلہ کی دینی کرامت

پیچھلی کے حلقے میں ہم نے کوئی کام سرانجام نہیں دیا ہے نہ اور علماء نے بلکہ کارنامہ تو استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا حکیم اللہ خان صاحب بارک اللہ فی حیاتہم العظیمہ کا ہے کہ اس پیرانہ سالی میں آپ جو بیس کشت پر پورے ملک کے علماء سے مشاورت کر کے اس مسئلہ کو حل کیا، جب کہ دوسرا فریق پیچھے میں پیچھے رہے جو بہت قریب ہے متفق ہیں اور اللہ والے اور علماء رسیدہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ ... کو شکار رہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو گناہوں سے بچانے کے لئے ... سے تحقیق ہوگی یا اگر ان کو بھی اللہ جل جلالہ نے حق کی طرف آنے کی توفیق دی اور انہوں نے بھی حق کو قبول فرمایا تو ان کے ... علوم ... کا ثبوت ... ہوگا ورنہ

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (سورۃ کافرون آخری آیت)

اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہے مسلمانوں کو رزق حلال نصیب فرمائے۔ ... جناب سے یہ حضرت مولانا مدظلہ کی دینی کرامت ہے کہ انہوں نے اپنے دور میں اس مسئلہ کو حل کیا۔

اسلام میں حلال کی بہت ترغیب دی گئی ہے

حلال کمانا ضروری ہے ایک آدمی دنیا میں کتنا ہی علم رکھتا ہو ... ہیں، آسمانوں میں زمین میں ... سے کوئی ... مخلوقات میں ... اگر کوئی ایمان لاتا ہے تو نبیوں سے پیچھے ہیں، اگر تقویٰ کرتا ہے تو نبیوں سے پیچھے ہیں، اگر قبر کو جنت کا باغ بناتا ہے تو نبی کی سنت پر چلیں، اگر حشر کے میدان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہمیں بھی یہ بڑا مقام (تقویٰ و قربت) کے سامنے رسوائی سے بچنا ہے تو نبی کے جھنڈے کے نیچے آنا ہوگا۔ اس کے علاوہ بھی ہے نبی اور رسول بہت بڑے مقام کے ہیں لیکن قرآن ایک مقام پر ایک بات کر رہا ہے کہ یہی لوگ "یٰاَیُّہَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ" اے پیغمبر حلال کمایا کریں "وَاعْمَلُوْا صَالِحًا" اور نیک اعمال کرو "اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ" (سورہ مومنون آیت ۵۱) نیک اعمال کرو پیغمبر حلال خوری کے بغیر اعمال بھی سب فضول ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں جب نبیوں کیلئے اتنی سخت تنبیہ آئی ہے تو ہم اور آپ کس درجہ میں ہیں جو بے شمار غلطیوں اور خطاؤں کے شکار کس گنتی میں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے محفوظ رکھے۔

جناب نبی کریم ﷺ کی کمال احتیاط

ہمارے پیغمبر کو دیکھیں کہ بھوک لگی ہے اور کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے اچانک بستر پر ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی تو فرمایا کہ یہ نہیں کھا سکتا "لا اتکلن من الصدقۃ" کہیں زکوۃ میں سے نہ ہو۔ کھجور کتنی چھوٹی سی چیز ہے ہمارے اسلامی بینک والے کہتے ہیں یہ بڑی بیماری سے تو بہتر ہے کیونکہ اس میں تھوڑا سود ہے ... حرام ہوتا ہے تھوڑا ہو یا زیادہ بھی تھوڑا ہے اور اگر چھوٹے ... تعلیم بھی علماء نے منظور کر لی اور اس ارشاد کو بھی فتوی دے کر ... کہہ دیا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ جو حضرت ﷺ کا نواسہ ہے اور کیا نواسہ ہے ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان ابنی ھذا سید" (جامع ترمذی ج۲ ص۲۱۸)

میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے جھگڑے اللہ تعالیٰ ختم کرے گا۔

حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں کو فرمایا

"قال قال رسول اللہ ﷺ الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ"

(جامع ترمذی ج۲ ص۲۱۸)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ ہوشیں جنت کے پھل مجھے یہاں دے گئے ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بچپنے میں کھجور اٹھائی اور منہ میں ڈال لی تو آپ ﷺ نے ان کے منہ میں انگلیاں دیں اور نکلوائی اور فرمایا "لا تحل لنا الصدقة" کہیں زکوٰۃ کی کھجور نہ دے دی جائے میری آل اولاد کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۰۲)

سادات کا زکوٰۃ لینا کسی حال میں جائز نہیں

آج کل ہمارے ہاں قسم کے سادات نکل آئے ہیں ایک طرف تو خود کو سید کہتے ہیں اور دوسری طرف زکوٰۃ خود بھی لیتے پھرتے ہیں

شرم تم کو مگر نہیں آتی

آنحضرت ﷺ کا ایک آزاد کردہ غلام تھا ابو رافع، جب اسلام کی فتوحات ہوئیں اور دور دراز تک مشرقی ... اسلام ہوئے۔ ان کی طرف سے وفود آتے تھے کہ حضرت فصلیں تیار ہیں مویشیاں گن لی گئی ہیں سونا اور چاندی وزن کیا گیا ہے اگر خدمت اقدس سے کوئی محصل آئے اور جمع کرے تو ہمیں آسانی ہوگی۔ آپ ﷺ نے یہ انتظام کیا اس دوران آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی کا چچا اس کے باپ کی طرح ہوتا ہے جیسے باپ کے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۷)

ایک موقع پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا تو حضرت خالد بن ولید کو حضرت ﷺ نے ٹوکا اور فرمایا کیوں حضرت سے جھگڑتے ہو ان کو تنگ کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔

اس کے بعد ابو رافع (رضی اللہ عنہ) آئے اور کہا کہ حضرت ﷺ نے آزاد کر دیا ہے اور میری شادی بھی ہو گئی ہے اور مجھے ولیمہ بھی کرنا ہو گا تو اس میں بڑا خرچ ہو گا اب حضرت ﷺ اس وقت لوگوں کو زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے مقرر کر رہے ہیں تو آپ بھی ان میں شریک ہو کر اس جماعت کے ایک رکن بن جائیں جب زکوٰۃ جمع ہو جائے گی تو آپ کو بھی اس میں سے حصہ مل جائے گا اس سے اپنی شادی اور ولیمہ کی ضرورت پوری کر لینا یہ بہت صاف ستھرا معاملہ تھا حضرت ابو رافع کے ساتھ بڑا احسان تھا تو ابو رافع

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے گزارش کی تو آپ ﷺ نے حضرت عباس کو بلوایا۔ آپ ﷺ کا کیا خیال ہے حضرت یہ ایک منشی ہے ہمارے یہاں کو آپ ﷺ ضروری سمجھتے ہیں آپ ﷺ چاہتے تھے کہ آمدہ کوئی تحقیق نہ کر سکے تو آپ ﷺ نے ابو رافع کو کہا تم کیا چاہتے ہو اس نے کہا حضرت آپ کی عنایت سے غلامی سے آزاد ہوں اور آزاد ہوں اور آپ کی اللہ نے مدد فرمائی اور فتوحات وغیرہ پورے جہاں سے زکوٰۃ جمع ہوتی ہے میں زکوٰۃ میں سے خدمت کے عوض میں جب میں کام کروں مجھے بھی مل جائے تو میری شادی اور میرے گھر کا خرچ چل سکے گا اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”یا ابا رافع انت مولانا“ آپ ہمارے خدمت گار ہیں یعنی آزاد کردہ غلام کو کہتے ہیں انت مولانا آپ ہمارے ہیں ”ومولی القوم من انفسھم“ محمد ﷺ کا غلام بھی محمد ﷺ کے خاندان کا فرد ہوتا ہے یہ زکوٰۃ جس طرح میرے لئے اور میری اولاد کے لئے حرام ہے تیرے لئے بھی حرام ہے اس زکوٰۃ میں سے آپ نہیں لے سکتے ہیں۔

(ترمذی ج ١ ص ١٣٢)

پیغمبر کی یہ اعلیٰ تعلیمات ہیں اور وہ اخلاق ہیں جو کہ امت کو تلقین کئے گئے ہیں۔ آج وہی امت مختلف حیلوں اور بہانوں سے سود اور دیگر حرام چیزوں کو حلال کرنے کی درپے ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور اپنے نبی کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیشہ حق پر قائم رہنے میں ان کو مدد فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سود کے نقصانات

اخلاقی نقصانات

سود کے حرام ہونے کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ وہ تمام اخلاقی قدروں کو پامال کر کے خود غرضی، بے حسی، سنگدلی، زر پرستی اور بخیلی کی صفات پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے جو کہ ہمدردی، رحم، محبت و مودت، باہمی تعاون اور بھائی چارہ کی بنیاد پر قائم ہو، تمام انسان مل جل کر زندگی گزاریں، ایک دوسرے کی ضرورت میں کام آئیں، غریبوں اور ناداروں کی امداد کریں، دوسرے کے نفع کو اپنا نفع اور دوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھیں۔ فراخدلی اور سخاوت کو اپنا شعار بنائیں اور اجتماعی مفاد کو اپنے لئے مفید سمجھیں۔ انسانوں میں یہ تمام صفات پیدا کر کے اسلام انہیں انسانیت اور شرافت کے اس اعلیٰ مقام تک پہنچا دیتا ہے جہاں سے انہیں اشرف المخلوقات کا خطاب عطا ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف سود (جو خود غرضی اور بے حسی کا نتیجہ ہے) انسانی ذہنیت کو تبدیل کر دیتا ہے اس میں ان اخلاقی اوصاف کی بجائے بخیلی اور قرض دینے والے سود خور کو صرف اپنے نفع کی پرواہ ہوتی ہے، اسے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ مقروض کو تجارت میں نفع ہوا یا نقصان؟ نفع ہوا تو کتنا نفع ہوا؟ اور کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد؟ وہ مسلسل اپنے روپے کا طے شدہ منافع وصول کرتا رہتا ہے۔ اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ مقروض کو جتنا ہو سکے دیر تک قرض رہے تاکہ سود کی رقم بڑھے۔ جب تک سود ادا نہ کرے اس کا سود بڑھتا اور چڑھتا رہتا ہے اسے مدیون کے نقصان کا کوئی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی قبول نہیں ہوتا کیونکہ مجھے نقصان کی ہر شکل میں اس کا حق کھٹکا رہتا ہے۔ یہ چیز خود غرضی کو اس قدر بڑھا دیتی ہے کہ ایک سرمایہ دار کسی حاجت مند کو قرض دیتے ہوئے بھی اپنی رقم کو بلا سود لگانے پر راضی نہیں ہوتا۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ میں یہ رقم اس کو کیوں نہ دوں کہ گھر بیٹھے ایک معین نفع مجھے حاصل ہوتا رہے۔ اس خیال کے پیچھے اگر ایک شخص کے گھر میں ایک بے گور و کفن لاش پڑی ہے یا اس کا کوئی عزیز دم توڑ رہا ہے وہ بھی اس کے پاس آ کر اس سے قرض مانگے تو وہ یا تو انکار کر دیگا یا تمام اخلاقی قدروں کو بالائے طاق رکھ کر اس سے بھی سود کا مطالبہ کرے گا۔ یہ سود خور بالعموم حرام کھاتے کھاتے قساوت قلب کی یہ صفت اس وجہ رنگ لاتی ہے کہ اس وقت آپ کے دل میں جو رحم اور ہمدردی کا جذبہ کام نہیں آتے۔ سود خور دولت مند کو اپنی دولت سے اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ اس لئے اس وقت آپ کو اس سے یہ شکایت ہوتی بھی نہیں چاہیے کہ سود خور ایسا کیوں نہیں کرتا؟ اس کے پاس تو زبان حال یہ جواب ہے کہ

تو درونِ قعر دریا تختہ بندم کردۂ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

ہم جب لوگ دیکھتے ہیں کہ فلاں شخص ہر مہینے اتنا نفع بخش ہے کہ اس سے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر بھی ایک معین نفع حاصل ہوتا ہے تو ان میں زر اندوزی کا جذبہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا ہے اور وہ پیسہ بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور بسا اوقات وہ ایسی حرص کے نتیجے میں ناجائز ذرائع سے روپیہ کمانے کی فکر کرتے ہیں اور جب کچھ نہیں تو یہ چیز ان میں کنجوسی تو ضرور ہی پیدا کر دیتی ہے اور اس مرحلہ پر زر اندوزی کے جذبے ان میں روز افزوں ہوتی ہے۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے زیادہ روپیہ جمع کر لوں۔ سود خوری یہ وراثت میں بغض اور عداوت کو جنم دیتی ہے۔ بھائی سے بھائی کی لڑائی ہوتی ہے، دوست دوست سے جھگڑتا ہے باپ کو بیٹے سے اور بیٹے کو باپ کے نقصان کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ جس شخص کے ساتھ ان کے مفاد نہیں ملتے ان کے دشمن ہو جاتی ہے۔

یہ شخص تو ایسے لوگ نہیں ہیں۔ آپ اپنے گردوپیش پر نظر ڈال کر دیکھئے کہ کیا آج یہ سب کچھ نہیں ہو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہو سکے؟ آپ کو جواب آسانی سے مل جائے گا اور اگر آپ نے انصاف سے کام لیا تو آپ پر یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ "سود" ہی کے شجرہ خبیثہ کے پھل پھول ہیں اور اگر ہمیں ان تمام ناگزیدیوں کو دور کرنا ہے تو ہمیں ہمت کر کے اسی شجرہ خبیثہ پر کلہاڑا چلانا پڑے گا اور اگر ہم اصلاح و تبلیغ کے صرف زبانی طریقے اختیار کرتے رہے تو ہماری مثال اس آدمی سے مختلف نہ ہوگی جو بدن پر جا بجا نکلی ہوئی پھنسیوں کا علاج صرف پاؤڈر چھڑک کر کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح اس شخص کو کبھی شفاء حاصل نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ بیماری کی اصل جڑ کو پکڑ کر اسے ختم نہ کر دے، اسی طرح ہم بھی اپنے معاشرے کو اس وقت تک صحت مند نہیں بنا سکتے جب تک کہ سود کی لعنت سے چھٹکارا نہ پالیں۔

سود اور اقتصادی نقصانات

اس کے بعد معاشی نقصانات پر بھی نظر ڈال لیجئے۔ معاشیات میں بصیرت رکھنے والوں کو پوشیدہ نہیں کہ تجارت، صنعت، زراعت اور تمام کاروباروں کی معاشی بہتری یہ چاہتی ہے کہ جتنے لوگ کسی بھی کاروبار میں کسی بھی حیثیت سے شریک ہوں وہ سب کے سب اپنے مشترکہ کاروبار کے فروغ سے پوری پوری دلچسپی رکھتے ہوں، ان کی دلچسپی یہ ہو کہ ہمارا کاروبار بڑھے اور پھلے پھولے، کاروبار کے نقصان کو وہ اپنا ہی نقصان تصور کریں تاکہ ہر خطرے کے موقع پر اس سے دفعیہ کے لئے اجتماعی کوشش کریں اور کاروبار کے فروغ کو وہ اپنا ہی فروغ خیال کریں تاکہ اسے پروان چڑھانے میں ان کی پوری پوری طاقت صرف ہو۔

اس نقطۂ نظر سے عام معاشی مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ کاروبار میں صرف سرمایہ کی حیثیت سے شریک ہوں وہ بھی کاروبار کے نفع اور نقصان سے پوری پوری دلچسپی رکھیں، لیکن سودی کاروبار میں اس حیثیت کی کوئی رعایت نہیں بلکہ بسا اوقات معاملہ اس کے بالکل برخلاف رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے بھی واضح کر چکے ہیں کہ سود خور سرمایہ دار کو صرف اپنے نفع سے سروکار رہتا ہے، آگے اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ کاروبار ترقی پر ہے یا تنزلی پر؟ اس میں نفع ہو رہا ہے یا نقصان؟ وہ مسلسل اپنے روپے ہوئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

روپیہ پر سود وصول کرتا رہتا ہے اور بسا اوقات اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کاروبار کو جتنا ہو سکے دیر میں نفع بخش ہو تاکہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا اپنا نفع بڑھتا رہے۔ اسی بنا پر اگر کاروبار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو تاجر اپنی پوری محنت اور کوشش اس کے بچانے پر صرف کر یگا لیکن سرمایہ دار اس وقت تک اس سے مستفید ہوتا رہتا ہے جب تک کاروبار کے بالکل ہی دیوالیہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اس غلط طریق کار نے سرمایہ اور محنت کے درمیان ہمدردانہ رفاقت کی بجائے ایک سو فیصد خود غرضی کا تعلق قائم کر دیا ہے جس کے نتیجہ میں بہت سے نقصانات جنم لیتے ہیں۔ ان میں سے چند نمایاں ترین یہ ہیں:

(۱) سرمایہ کا بیشتر حصہ محض اس وجہ سے کام میں نہیں لگتا کہ اس کا مالک شرح سود کے بڑھنے کا انتظار کرتا ہے، باوجودیکہ اس کے بہت سے مصارف موجود ہوتے ہیں اور بے شمار آدمی کسی کاروبار کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے نہ صرف تجارت اور صنعت کو بھی بڑا نقصان پہنچتا ہے اور عام قوم کی معاشی حالت بھی گر جاتی ہے۔

(۲) چونکہ سرمایہ دار کو صرف شرح سود کا لالچ ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے سرمایہ کو کاروبار کی واقعی ضرورت و مصلحت کے اعتبار سے نہیں لگاتا بلکہ وہ محض اپنے اغراض کو سامنے رکھ کر سرمایہ کو روکنے یا لگانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس صورت میں اگر سرمایہ دار کے سامنے دو صورتیں ہوں کہ یا تو وہ اپنا سرمایہ کسی فلم کمپنی میں لگائے یا بے خانماں لوگوں کے لئے مکانات تعمیر کرانے پر دے اور اسے فلم کمپنی کی صورت میں زیادہ نفع کی امید ہو تو وہ یقیناً فلم کمپنی میں سرمایہ لگائے گا۔ بے خانماں افراد کی اسے کوئی پرواہ نہ ہوگی، ظاہر ہے کہ یہ ذہنیت معاشی اعتبار سے کس قدر خطرناک ہے؟ اس پر معترضین اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس نقصان کی وجہ سود نہیں، انفرادی ملکیت ہے، جب تک سرمایہ انفرادی ملکیت ہے اس وقت تک سرمایہ دار اپنے ہی مفاد کو پیش نظر رکھ کر اسے روکتا اور لگاتا رہیگا۔

ہمیں معترضین کی اس عجیب سی بات پر بڑی حیرت ہوتی ہے جب وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ خرابی انفرادی ملکیت کی ہے۔ ایک بڑی اہم حقیقت کو نظر انداز کر جاتے ہیں، صرف "انفرادی ملکیت" اس کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سبب بھی "بے لگام اور خود غرض انفرادی ملکیت" اس کا سبب ضرور ہے، جو ملکیت کسی قسم کی قید اور پابندی برداشت نہ کرتی ہو وہی سرمایہ کے بہاؤ کا رخ ذاتی مفاد کی جانب پھیر دیتی ہے۔ لیکن ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھئے کہ اس "بے لگام اور خود غرض انفرادی ملکیت" کا سبب کیا ہے۔

آپ ذرا انصاف سے غور کریں گے تو صاف پتہ چل جائے گا کہ اس کا سبب بے سود اور سرمایہ داری نظام (سود) ہی ہے جو انسان میں خود غرضی پیدا کرتا ہے جس کی بنا پر وہ اپنی املاک کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کر دیتا ہے اور ہر وقت ذاتی منافع کے تصورات میں رہتا ہے، کسی بھلائی اور بہبود کے کام میں پیسہ لگانے کا تو خیال بھی اسے نہیں آتا۔ اب حقیقت کی صحیح ترتیب اس طرح ہوگی کہ سرمایہ کا ذاتی مفاد کے پابند ہو جانا خود غرض انفرادی ملکیت سے پیدا ہوتا ہے اور اسی قسم کی انفرادی ملکیت کا سبب سود اور سرمایہ داری نظام ہے۔ گویا یہ تمام خرابیوں کا اصل سبب سود اور سرمایہ داری نظام ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ "ذاتی مفاد پر سرمایہ کا رکنا اور بحران سود سے نہیں بلکہ انفرادی ملکیت سے ہوتا ہے۔" اگر واقعی یہ خرابی (یعنی سرمایہ کا ذاتی مفاد کے پابند ہو جانا) کا ازالہ منظور ہے تو اس کے لئے سب سے پہلے سود اور سرمایہ داری نظام ہی کو ختم کرنا ہوگا کیونکہ جب تک یہ نہ ہوگا ملکیت میں وہی خود غرضی اور بے لگامی باقی رہے گی جو خرابی کا اصل سبب ہے۔ اس خرابی کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سودی اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت کو ختم کر کے اسلامی نظام معیشت کو بروئے کار لایا جائے۔ جس میں سود، قمار اور سٹے کی ممانعت اور زکوٰۃ، عشر، صدقات، خیرات اور میراث کے احکام اس قسم کی خود غرضانہ ذہنیت پیدا ہی نہیں ہونے دیتے۔ اسلامی اخلاقی تعلیمات کو عام کیا جائے اور لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کیا جائے جو انہیں تعاون اور ہمدردی اور رفاہ عامہ کے کاموں میں سرگرم بنائے۔ سود اور سرمایہ داری نظام جو خود غرض انفرادی ملکیت کے سرچشمے ہیں، ان کی حمایت کرتے ہوئے صرف یہ کہہ کر فارغ ہو جانا کہ "ان خرابیوں کا اصل سبب انفرادی ملکیت ہے" اس مسئلے کا حل کیسے ہو سکتا ہے؟

(۳) سود خور چونکہ سود کے طریقے پر کاروباری آدمی سے شرکت کا معاملہ طے نہیں کرتا کہ اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں :

کے نفع اور نقصان میں برابر کا شریک ہو اس لئے وہ یہ اندازہ لگاتا ہے کہ اس کا کاروبار میں تاجر کو کتنا نفع ہوگا جس کی نسبت سے وہ اپنی شرح سود متعین کرتا ہے اور عام طور سے وہ اس کے منافع کا اندازہ لگانے میں مبالغہ ہی سے کام لیتا ہے۔

دوسری طرف قرض لینے والا اپنے نفع اور نقصان دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر بات کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کاروباری شخص کو نفع کی امید ہوتی ہے تو وہ سرمایہ دار سے قرض لینے آتا ہے سرمایہ دار معاملے کو بھانپ کر سود کی شرح اس حد تک بڑھاتا چلا جاتا ہے کہ بالآخر اس شرح پر قرض لینا اپنے لئے بالکل بیکار سمجھتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں کاروباری شخص سے سرمایہ کا کام میں لگنا بند ہو جاتا ہے اور وہ بیکار پڑا رہ جاتا ہے پھر جب کساد بازاری اپنی آخری حد پر پہنچ جاتی ہے اور سرمایہ دار کو خود اپنی ہلاکت نظر آنے لگتی ہے تو وہ شرح سود گھٹانا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ کاروباری آدمیوں کو اس پر نفع کی امید ہو جاتی ہے، پھر بازار میں سرمایہ آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہی وہ "کاروباری چکر" ہے جس سے ساری سرمایہ دارانہ دنیا پریشان ہے غور کیا جائے تو اس کا سبب یہی تجارتی سود ہے۔

(۳) پھر جس وقت بڑی بڑی تجارتی اور صنعتی کمپنیوں کے لئے سرمایہ بطور قرض لیا جاتا ہے اور اس پر بھی ایک خاص شرح کے مطابق سود مقرر کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے قرض عام طور پر دس، بیس یا تیس سال کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں اور تمام مدت کے لئے ایک ہی شرح سود مقرر ہوتی ہے۔ اس وقت اس بات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ آئندہ بازار کے نرخ میں کیا اتار چڑھاؤ پیدا ہوگا اور ظاہر ہے کہ جب تک قرض کے پاس علم غیب نہ ہو اس وقت تک وہ یہ بات نہیں جان سکتے۔

فرض کریں کہ ۱۹۲۲ء میں ایک شخص نے تیس سال کے لئے سات فیصد شرح سود پر ایک بھاری رقم بطور قرض لی ہے اور اس سے کوئی بڑا کام شروع کرتا ہے۔ اب وہ مجبور ہے کہ ۱۹۵۲ء تک باقاعدگی کے ساتھ اسی طے شدہ شرح کے مطابق سود ادا کرتا رہے گا لیکن اگر ۱۹۴۲ء تک پہنچتے پہنچتے قیمتیں گر کر موجودہ شرح سے نصف رہ جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ شخص جب تک موجودہ حالات کی بہ نسبت دوگنا مال نہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیچے ہوئے اس رقم کو سود پر دے کر کما سکتا ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ اس ارزانی کے دور میں یا تو اس قسم کے قرض ادا کرنے والے دیوالیے نکل جائیں گے یا وہ اس مصیبت سے بچنے کے لئے معاشی نظام کو خراب کرنے والی ناجائز حرکات میں سے کوئی حرکت کریں گے۔

اس معاملے پر غور کرنے سے ہر انصاف پسند اور معقول آدمی پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مختلف زمانوں کی تجارتی حالتوں میں جو نفع ہوتے ہیں ان کے درمیان ما بعد کا ایک متعین یا یکساں نفع نہ تو قرین انصاف ہی ہے اور نہ ہی معاشی اصولوں کے لحاظ سے اسے درست کہا جا سکتا ہے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی تجارتی شخص یہ معاہدہ کرے کہ وہ آئندہ بیس یا تیس سال تک خریدار کو ایک ہی متعین وقت پر اشیا فراہم کرتے رہیں گے۔ جب یہ معاملہ صحیح نہیں تو آخر سود خور دولت مند میں وہ کیا خصوصیت ہے جس کی بنا پر اس کے لئے یہ صحیح سمجھا جائے کہ وہ پہلے سے کوئی متعین نفع طے کر لے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حضرت مولانا عبدالغفور عباسی رحمہ اللہ تعالیٰ

سود کی لعنت

سود لینے اور دینے پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، کیونکہ یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے، لیکن افسوس کہ آج کل یہ وبا عام ہو گئی ہے۔

سود کے بارے میں وعیدیں

لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا و موکلہ و کاتبہ و شاہدیہ وقال ہم سواء

(مشکوٰۃ کتاب البیوع)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور کھلانے والے پر (یعنی لینے دینے والے) پر اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا کہ گناہ میں سب برابر ہیں۔

سود کا گناہ اپنی ماں کے ساتھ زنا

سود کو اگر (ستر) بہتر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کے ادنیٰ ترین حصہ کا اتنا (بڑا) گناہ ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۰۲)

سود کے ایک درہم کا گناہ

"درھم ربوا یاکلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ و ثلاثین زنیۃ"

(مشکوٰۃ کتاب البیوع)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود کا ایک درہم جو علم کے باوجود کھائے (۳۶) چھتیس مرتبہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے۔

سود کی کثرت

بین یدی الساعة یظہر الربا والزنا والخمر (الترغیب والترہیب ج۳ ص۳۰۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت کی آمد سے پہلے سود، زنا اور شراب عام ہو جائیں گے۔

یعنی ان گناہوں کا ارتکاب اس قدر عام ہو جائے گا کہ معاشرے میں ان کو گناہ ہی نہ سمجھا جاتا ہو گا بلکہ یہ معمولی باتیں سمجھے جاتے ہوں۔ اگر عقیدہ اور نیت کے اعتبار سے نہیں تو عمل اور صورت کے اعتبار سے ہی سہی۔

سود کے اثرات سے کوئی شخص محفوظ نہیں رہیگا

"لیأتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربا فان لم یاکلہ اصابہ من بخارہ"
(مشکوۃ کتاب البیوع)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کوئی بھی شخص سود (اور سودی کاروبار میں شرکت) سے محفوظ نہیں رہے گا۔ اگر خود نہیں کھائے گا (اور نہ کھلائے گا تو کھانے کھلانے کے وبال سے بھی نہیں بچے گا) تو کم از کم سود کا غبار ضرور اس تک پہنچے گا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مولانا محمد طاسین صاحب رحمہ اللہ
مجلس علمی کراچی

اسلام اور سرمایہ داری ! دونوں میں بنیادی فرق

تحریک بیمہ کو یہ مطلب قرار دے دیا جائے تو عقلی طور پر صرف اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب یہ تحریک صحیح ہو کہ سود بھی دولت کو پیدا کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں باتیں منطقاً ایک ساتھ صحیح نہیں ہو سکتیں کہ سود کو بھی صحیح مان لیا جائے اور سرمائے کو پیدائش دولت کا عامل بھی، بلکہ ایک کو صحیح ماننے سے دوسرے کا غلط ہونا خود بخود لازم ہو جاتا ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ سرمائے کو پیدائش دولت کا عامل تسلیم کرتے ہیں وہ نفس سود کو ناجائز نہیں سمجھتے بلکہ خصوصی طور پر اس کو جائز قرار دیتے ہیں باقی سود کے متعلق اگر کبھی کوئی بحث کرتے ہیں تو صرف اس پہلو سے کہ اس کی مقدار اور اس کی شرح کتنی ہونی چاہئے۔ نفس سود کے جواز وعدم سے بحث نہیں کرتے اس لئے کہ سرمائے کو پیدائش دولت کا عامل تسلیم کرنے کے بعد تجارتی قسم کے قرضوں پر سود کا جواز خود بخود معلوم ہو جاتا ہے اس صورت میں عقلی دلائل اور عدل وانصاف کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ بطور حق کے دولت سازی کے معاوضہ میں جو منافع حاصل ہو وہ محنت اور سرمایہ دونوں کے درمیان تقسیم ہو اس وجہ سے کہ اس کو جس طرح محنت نے پیدا کیا ہے اسی طرح سرمائے نے بھی پیدا کیا ہے گویا اس صورت میں سرمایہ دار کیلئے یہ بالکل جائز ہو جاتا ہے کہ وہ قرض کی مدت ومقدار کے لحاظ سے اپنے اصل سرمائے کے ساتھ کچھ زیادہ بھی وصول کرے جس کو اصطلاح میں سود کہا جاتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حاصل یہ ہے کہ چونکہ تحریم ربا کی صحت کے لئے عقلاً یہ ضروری ہے کہ سرمائے کے عامل پیدائش ہونے کا نظریہ غلط اور باطل ہو، نیز قرآن و حدیث کی جن نصوص سے بطور عبارۃ النص کے ربا اور سود کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے انہی نصوص سے بطور اقتضاء النص کے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سرمایہ پیدائش دولت کا عامل نہیں ہے اور جو اس کو پیدائش دولت سمجھتا ہے وہ غلط اور باطل ہے۔

تیسری وجہ جس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک سرمائے کے عامل پیدائش دولت ہونے کا نظریہ باطل ہے وہ یہ کہ اس نظریہ کو تسلیم کر لینے کی صورت میں معاشی عدل و ظلم کا کوئی ایک متعین اور معقول معیار قائم نہیں ہو سکتا جس پر جانچ کر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ معاشی معاملات کی یہ شکلیں عدل کے مطابق ہیں اور یہ ظلم کے مطابق، بلکہ اس صورت میں مختلف اور متضاد معیار قائم ہوتے ہیں جن کے مطابق معاملے کی ایک ہی شکل عدل کا مصداق بھی بن سکتی ہے اور ظلم کا مصداق بھی، اسی طرح ایک ہی معاشی قانون جو کل تک عادلانہ سمجھا جاتا تھا آج ظالمانہ قرار پا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ معاشیات کے دائرہ میں عدل و انصاف کا تصور اپنے مفہوم و مصداق کے لحاظ سے ایک کھلونا سا بن کر رہ جاتا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ معاشرہ ہمیشہ خلفشار اور بے اطمینانی میں مبتلا رہتا ہے اور کبھی اس کو پائیدار امن و اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔

اس اجمال کی کسی قدر تفصیل یہ ہے کہ سرمائے کو پیدائش دولت کا عامل تسلیم کرنے کی صورت میں معاشی عدل کی تعیین کا معاملہ جس درجہ پیچیدہ ہو جاتا ہے وہ اس طرح کہ اب کوئی ایسا حتمی و عقلی معیار دریافت نہیں ہو سکتا جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ کسی کاروبار میں بطور منافع جو دولت حاصل ہوتی ہے اس کے پیدا کرنے میں محنت کا کتنا حصہ ہے اور سرمائے کا کتنا حصہ، اور یہ پورے وثوق و یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا کوئی معیار کبھی دریافت نہ ہو سکے گا اس لئے کہ جو چیز بجائے خود سرے سے غلط و باطل ہو اس کیلئے کسی صحیح معیار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ جب تک یہی معلوم نہ ہو کہ دولت کا کتنا حصہ محنت سے پیدا ہوتا ہے اور کتنا حصہ سرمائے سے اس وقت تک یہ تعیین نہیں ہو سکتا کہ پیدا شدہ دولت میں محنت کش کا حق کتنا ہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور سرمایہ دار کا حق کتنا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا حق وہی ہو سکتا ہے جو ایک کی محنت اور دوسرے کے سرمائے نے پیدا کیا ہو اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب کمیت اور مقدار کے لحاظ سے فریقین کے حق کا ہی تعین نہ ہو تو پھر ان کے درمیان عدل کا تعین کیسے ہو سکتا ہے اس لئے کہ عدل کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ ہر حقدار کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ملے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ جب ہر ایک کا حق اور مقدار کے لحاظ سے متعین ہو۔

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا جو لوگ اس کو مانتے ہیں کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی دولت کو پیدا کرتا ہے وہ تعین حق کو معاملہ پر چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محنت کش اور سرمایہ دار جس تناسب سے بھی آپس میں معاملہ طے کر لیں وہی ہر ایک کا حق اور اس کی پابندی ضروری ہے مثلاً اگر وہ یہ طے کر لیں کہ پیدا ہونے والی دولت میں سے ہر ایک کا حصہ [illegible] ہوگا یعنی [illegible] تو یہ بھی درست اور یہ طے کر لیں کہ اس کا ایک حصہ [illegible] اور دوسرے کا [illegible] یا ایک کا [illegible] اور دوسرے کا [illegible] ہو تو قانون کی نظر میں یہ بھی جائز و درست اور صحیح ہوگا غرض جس طرح بھی طے کر لیں نظام سرمایہ داری اس کو جائز قرار دیتا اور اس کی پابندی دونوں پر لازم ٹھہراتا ہے اور اس کے تحفظ کی ذمہ داری حکومت پر ڈالتا ہے۔

لیکن اس نظام میں عملاً جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ کہ تعین حق کا معاملہ محنت کش اور سرمایہ دار دونوں کی آزاد مرضی سے نہیں بلکہ صرف سرمایہ دار کی مرضی سے طے پاتا ہے وہ جو کچھ طے کرتا ہے محنت کش اپنی مجبوری اور بے بسی کی وجہ سے اس کو مان لیتا ہے کیونکہ سرمایہ دار مستغنی اور بے نیاز اور محنت کش محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے اور سرمایہ دار اپنی مخصوص ذہنیت کی بنا پر ہمیشہ یہ کوشش کرتا ہے کہ خود زیادہ سے زیادہ لے اور محنت کش کو کم سے کم دے چنانچہ یہی ہوتا ہے جو معاملہ طے پاتا ہے محنت کش اس پر زیادہ عرصہ قائم بھی نہیں رہ سکتا کیونکہ ضروریات اسے مجبور کر دیتی ہیں کہ مقررہ حق میں اضافے کا مطالبہ کرے لہٰذا وہ مطالبہ کرتا ہے اور اس کو منوانے کے لئے ہڑتال وغیرہ سے کام لیتا ہے سرمایہ دار کو جب چھٹکارے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو مجبوراً مطالبہ مان لیتا ہے اور پہلے جو حق مقرر تھا اس میں کچھ اضافہ کر دیتا ہے مثلاً

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

چنانچہ محنت کش کو جو پہلے دس فیصد منافع ملتا تھا اب بیس فیصد ملنے لگتا ہے گویا پہلے معاہدہ کے مطابق عدل یہ ہو جاتا ہے کہ بیس فیصد محنت کش کو اور اسی فیصد سرمایہ دار کو ملے، چنانچہ کچھ عرصے کے بعد جب پھر محنت کش اپنے حقوق کی جنگ میں مزید اضافے کی خاطر اسٹرائیک وغیرہ پر اتر آتا ہے تو نقصانات سے بچنے کیلئے سرمایہ دار محنت کش کے مطالبے پر آمادہ ہو جاتا ہے چنانچہ بعض دفعہ انکے لئے حکومت کی کوشش سے مصالحتی کمیشن مقرر کیا جاتا ہے جو یہ فیصلہ دیتا ہے کہ محنت کش کو چالیس فیصد اور سرمایہ دار کو ساٹھ فیصد منافع ملنا چاہئے اور اس پر وقتی طور پر دونوں فریق رضامند ہو جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب عدل یہ ہے کہ پیدا شدہ دولت میں سے چالیس فیصد محنت کش کو اور ساٹھ فیصد سرمایہ دار کو ملے اس طرح سرمایہ دار اور محنت کش کے مابین نزاع و کشمکش کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور حق و عدل کے معیار بھی برابر بدلتے رہتے ہیں پہلے جو عدل تھا اور وہ ظلم ہو چکا تھا اب عدل بن جاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ معاشی قوانین میں بھی برابر تبدیلی ہوتی چلی جاتی ہے اس کشمکش و تغیر پذیری کی وجہ سے معاشرے کو کسی مرحلہ پر بھی پائیدار سکون و اطمینان میسر نہیں آتا۔

اسلام چونکہ یہ چاہتا ہے کہ معاشرے میں پائیدار اور مسلسل امن و اطمینان کی خوشگوار فضا قائم ہو تاکہ ہر شخص کو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور پھلنے پھولنے کا بھرپور موقع ملے اور انسانیت تعمیر و ترقی کی منزلوں کو تیزی سے طے کرتے ہوئے کامیابی کے ساتھ سر کرتی ہوئی آگے بڑھتی رہے اور اپنے ارتقائی مدارج کو حسن و خوبی کے ساتھ طے کر کے خلافت الٰہی کو پورا کر سکے لہٰذا اس نے اپنے دین کے مقاصد و غایات کو سامنے رکھتے ہوئے حق و عدل کا ایک ایسا اصولی معیار مقرر کیا ہے جو نہ زمان و مکان کی تبدیلیوں سے بدلتا اور نہ حالات کے تغیرات سے متغیر ہوتا ہے کیونکہ وہ انسانی فطرت اور انسانی فوز و فلاح کے اس تصور پر مبنی ہے اس میں کبھی کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا وہ تصور جس طرح آج سے ہزاروں سال پہلے کے کسی وحشی اور غیر متمدن انسان پر صادق آتا تھا اسی طرح آج کے انسان پر بھی یکساں صادق آتا ہے جو تہذیب و تمدن کے اعلیٰ معیار پر پہنچا ہوا ہے حق و عدل کے اس اصولی معیار کے مطابق اس نے کچھ امور و معاملات کو جائز اور حلال اور کچھ کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے لیکن ان کا یہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام ہونا عارضی اور وقتی نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلکہ مستقل اور دائمی ہے، مطلب یہ کہ جن امور و معاملات کو اس نے جائز و حلال ٹھہرایا ہے وہ کبھی اور کسی حال میں ناجائز و حرام نہیں ہو سکتے اور جن کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے وہ خواہ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں کبھی جائز و حلال نہیں ہو سکتے بلکہ ہمیشہ ناجائز و حرام ہی رہتے ہیں۔

یہاں یہ واضح رہے کہ اسلام اضطراری حالت میں جو ایک صریح حرام کو چند شرائط و قیود کے ساتھ اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مضطر کیلئے وہ حرام کا حرام ہی رہتا ہے لیکن پیشِ نظر وہ خوشی کے ساتھ اور رغبت و شوق کے جذبے سے نہیں بلکہ مجبوری کے تحت اور اطاعت کے جذبہ سے اختیار کیا جاتا ہے لہٰذا اس پر کوئی گناہ و مواخذہ نہیں اور غور سے دیکھا جائے تو اس کا فلسفہ بھی یہ ہوتا ہے کہ جو زندگی کو بچانے کیلئے ضروری اور ناگزیر ہو تو اسی کو اختیار کر لیا جائے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مبلغ اسلام حضرت مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہ
(آڈیو سی ڈی سے لی گئی تحریر)

سود کی بنیاد سراسر ظلم و ستم پر ہے

سود سراسر ظلم و ستم کی بنیاد پر ہے مجھے ڈاکٹر صاحب کی زبانی ہی پتہ چلا کہ گلی گلی میں لوگ سود پہ پیسے دیتے ہیں ہمارے ملک کے کتنے کئی جب سیاست دان ذہن ہے معذرت کے ساتھ ہمارے اخبار کہہ رہے ہیں کہ پیپلز پارٹی نے یہ کر دیا مسلم لیگ نے یہ کر دیا فلاں نے یہ کر دیا نہیں ہم سب مجرم ہیں مجرم سب کے جتنا گناہ عوام نے اس ملک کو تباہ کیا ہے حکمران تو چند ہیں ان کی بگاڑ سے عوام بھی بگڑتے ہوئے حکمران تھے بھی اللہ کی رحمتیں اور فتوحات کے دروازے کھلے ہوئے تھے جو عوام بھی بگڑے ہوئے حکمران تھے جس ان کے ہوتے ہوئے بھی فتوحات کے دروازے کھلے ہوئے تھے کیونکہ عوام الناس سب اللہ سے ڈرنے والے تھے اور سب اللہ کے فرمانبردار تھے آج ہمارے کروڑوں انسانوں میں اس قدر فراوانی پھیل چکی ہے جو حکمرانوں کو کہا جاتا ہے کہ ظلم ہے جس کو ایسا محفوظ رکھنا چاہیے کہ گھر گھر میں حرام مال کو حلال کیا جاتا ہے۔

حضور نبی (ﷺ) سے پوچھا گیا یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کو پتہ ہے کہ کب آئے گی پوچھا حال تو کوئی نشانی بتا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب سود کو حلال کیا جائے گا تو قیامت آ جائے گی۔

خدا گواہ ہے جب ان کو سامنے دیکھتا ہوں ان کے آنسو جو گرتے ہیں اس دھرتی پر گرتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ہیں کہ تجارت میں برکت کیسے ہو گی۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوں کہ گلی گلی میں لوگ سود کے پیچھے دوڑ رہے ہیں تو جب پورا معاشرہ اللہ تعالیٰ سے اعلان جنگ کر چکا ہو تو پھر برکت کہاں رہ جاتی ہے کون سی عقلمندی کی بات ہے جب اللہ کہہ رہا ہے "فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ" (بقرہ ۲۷۸) یا سود چھوڑ دو یا پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے آخری حج میں سود کا خاتمہ کر دیا تھا جس پر عمل ہوا۔ سود کی حرمت تو پہلے آچکی تھی سود ختم ہو سب سے پہلے میرے چچا عباس کا سود ختم ہوا ان پر اپنا ایک قرضہ تھا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے نبی نے میرا سود ختم کیا تھا اس کے بعد اصل بھی ختم کرتا ہوں اصل ختم کیا اس سخاوت قربانی پر اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کو 132 ہجری سے لے کر 656 ہجری تک یعنی 520 برس سال ان کی اولاد کو حکومت دی اور حکومت ملی۔ لکھتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مال کی قربانی پر اللہ نے عباس کی اولاد کو حکومت عطا فرمائی تو اسی طرح سوچیں کہ "وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ" کا صرف مطلب یہ ہی نہیں ہے کہ "وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ" زکوٰۃ کا حکم آیا ہے قرآن کریم میں 30 جگہ "آتُوا الزَّكَاةَ" 9 دفعہ اور "إِيتَاءِ الزَّكَاةِ" ایک دفعہ اس کے علاوہ ہے "مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ" "وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً" (رعد آیت ۲۲) کہ جو خرچ کرتے ہیں جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں زیادہ دیا ہے تو اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور یہ خرچ کرنا اللہ کے لئے اس میں بھی برکت ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا "سَبَقَ دِرْهَمٌ مِائَةَ أَلْفِ دِرْهَمٍ" ایک درہم اللہ کے نام پر خرچ کرنے کا اجر ایک لاکھ درہم سے زیادہ ہو گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ کیسے ہو گیا "كَيْفَ يَسْبِقُ دِرْهَمٌ مِائَةَ أَلْفٍ" تو آپ نے کہا کہ ایک آدمی کے پاس دو درہم تھے اور ایک دوسرا آدمی تھا لاکھوں تھے دو درہم والے نے ایک درہم اللہ کے نام پر صدقہ کر دیا اور لاکھوں والے نے ایک لاکھ صدقہ کیا دو درہم والے نے اپنے مال کا آدھا حصہ اللہ کے نام پر دے دیا اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیکن بولنے والے نے اپنا مال جو کچھ خرچ اللہ کے نام پر دیا جب یہ ترازو میں تلے گا تو ایک درہم کا وزن ایک احد سے بھی زیادہ ہو جائے گا۔

میرے بھائیو! سب سے بڑی اللہ کی پکڑ، سب سے بڑا اللہ کا عذاب دو آدمیوں پر آنے والا ہے ایک جو دھوکہ دینے والا اور دوسرا قتل کرنے والا۔ ہم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ ظلم ہو گیا قتل ہو گیا کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ یہ جو سود کے اوپر چل رہے ہیں ان کے بارے میں بھی سوچا ہے؟ پیچھے رکو تو دھوکے کی ہر ایک کوشش کرتا ہے مگر ہم کبھی نہیں نے ان کو کوشش کی ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر رہے ہیں، ہماری فوج ہمیں کیسے بچا سکے گی، ہماری ایجنسیاں ہمیں کس طرح امن دیں گی جب ہم نے اللہ تعالیٰ سے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا ہوا ہے، سب سے بڑے تاجروں نے بینکوں کو آباد کیا ہوا ہے اور ان پر ان کا رونا کیا کوئی روئے بینکوں سے بچی تو غریب بینکوں میں سودی کاروبار میں پیسے رکھے ہوتے ہیں کہ ہمارے پیسے بڑھ رہے ہیں غریب بڑھ رہے ہیں سو اللہ معاف فرمائے۔ حضور ﷺ اللہ کیا کہہ رہا ہے وہ کہہ رہا ہے کہ سود چھوڑ دو ورنہ میں اور میرا رسول تم سے جنگ کریں گے۔ یا خدا! جس کے پاس چار پیسے زیادہ ہوتے ہیں وہ بینک بنا کر بیٹھ جاتا ہے۔ بینک میں رکھتا ہے اور سب کا ایک ہی نعرہ ہوتا ہے کہ سود کے بغیر، ورنہ تجارت کیسے چلے گی یا اللہ کو راضی کر کے تجارت چلے گی، دھوکہ چھوڑ دو تجارت چلے گی، جھوٹ چھوڑ دو تجارت چلے گی، لالچ چھوڑ دو تجارت چلے گی، چھوڑ دو تجارت چلے گی۔ سچا کون ہے اللہ یا تمہاری تجارت، سچا کون اللہ کا قرآن یا تمہاری تجارت، سچا کون اللہ کا نبی یا تمہاری تجارت۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

صاحبزادہ مولانا محمد انور شاہ
فرزند رشید شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی محمد زر ولی خان مدظلہ

سود ! احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

سود کے ہر قسم کے کاروبار سے اجتناب کرو اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ

"سود کے ہر قسم کے کاروبار سے اجتناب کرو اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ" (سورۃ بقرہ) اللہ رب العزت کا یہ وہ حکم ہے جو ابدی شان ہے اور رہتی دنیا تک آنے والے انسانوں کے لئے ایک دستور عمل ہے۔ اسی کی روشنی میں جناب نبی کریم ﷺ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ یاتی علی الناس زمان لا یبالی المرء ما اخذ منہ امن الحلال ام من الحرام (بخاری ج۱ ص۲۶۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو یہ فکر نہیں ہوگی کہ وہ جو مال کما رہا ہے (یا کھا رہا ہے) وہ حلال ہے یا حرام۔

(۲) عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ رایت اللیلۃ رجلین اتیانی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فاخرجاني الى ارض مقدسة فانطلقنا حتى اتينا على نهر من دم فيه رجل قائم وعلى وسط النهر رجل بين يديه حجارة فاقبل الرجل الذي في النهر فاذا اراد الرجل ان يخرج رمى الرجل بحجر في فيه فرده حيث كان فجعل كلما جاء ليخرج رمى في فيه بحجر فيرجع كما كان فقلت ما هذا فقال الذي رأيته في النهر آكل الربو (بخاری ج۱ ص۲۸۰)

ترجمہ : آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک رات دو آدمی میرے پاس آئے اور مجھے مقدس زمین (اقصیٰ) کی طرف لے گئے ہم چلے گئے یہاں تک کہ ایک خون کی نہر کے پاس پہنچے جس کے کنارے ایک آدمی کھڑا ہوا تھا اور اس کے سامنے پتھر پڑے ہوئے ہیں وہ شخص جو نہر میں تھا جب بھی یہ شخص باہر نکلنا چاہتا تھا تو دوسرا آدمی جو کنارے پر تھا پتھر سے سر پر مارتا اور اس کو اپنی جگہ واپس کرتا یوں ہر مرتبہ جب نکلتا اس کو پتھر سے سر پر مارتا، میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے فرشتوں نے کہا کہ یہ نہر کے اندر جو شخص ہے سود خور ہے۔

(۳) عن جابر رضي الله عنه قال لعن رسول الله ﷺ آكل الربو وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء (مسلم ج۲ ص۲۷)

ترجمہ : حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، لکھنے والے پر اور سود کے گواہ بننے والے پر اور فرمایا کہ سب برابر کے شریک ہیں۔

(۴) عن ابي هريرة رضي الله عنه ذكر رسول الله ﷺ الرجل يطيل السفر اشعث اغبر يمد يديه الى السماء يارب يارب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام فانى يستجاب لذلك

ترجمہ : آپ ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر کیا کہ لمبا سفر کر کے آیا ہو پراگندہ بال، غبار آلود جسم، اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلائے ہوئے ہو اور کہتا ہوگا اے میرے رب، اے میرے رب، اس کا کھانا حرام ہو، پینا حرام ہو، لباس حرام کا ہو اور اس کی پرورش بھی حرام کی ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی۔

(۵) عن ابي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال ليأتين على الناس زمان لا يبقى

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

احد الا اكل الربا فان لم يأكله اصابه من بخاره قال ابن عيسى اصابه من غباره (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۱۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو سود نہیں کھائے گا اور اگر سود نہیں کھا رہا ہوگا تو اس کو دھواں (اثر مراد ہے) اس تک ضرور پہنچے گا۔

(۹) اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر بن راشد عن يحيى بن ابى كثير عن رجل من الانصار قال قال رسول الله ﷺ الربا احد وسبعون او قال ثلاثة وسبعون حوبا ادناها مثل اتيان الرجل امه واربى الربا استطالة الرجل فى عرض اخيه المسلم

(مصنف عبد الرزاق ج ۸ ص ۳۱۴)

ترجمہ: ایک انصاری صحابی نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ سود کھانا اکہتر (۷۱) یا تہتر (۷۳) گناہوں پر مشتمل ہے ان میں سے کم تر گناہ یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے اور سب سے بڑا سود یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے مال یا جائیداد میں سے ناحق کچھ لے کر اپنا مال بڑھا لے۔

(۱۰) عن ابى حرة الرقاشى عن عمه كنت آخذا بزمام ناقة رسول الله ﷺ فى اوسط ايام التشريق اذود الناس عنه فقال الا ان كل ربا فى الجاهلية موضوع الا وان الله قضى ان اول ربا موضوع ربا عباس بن عبد المطلب لكم رؤوس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون

(سنن الدارمی ج ۲ ص [illegible] بذیل کتاب البیوع ج ۲ ص ۴۲۰)

ترجمہ: حضرت ابو حرہ رقاشی روایت کرتے ہیں اپنے چچا سے وہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے ایام تشریق کے درمیان کے دنوں میں تھا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے خطاب ہو کر فرمایا کہ جتنا بھی دور جاہلیت کا سود ہے وہ سب ختم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور سب سے پہلے تو وہ میں ختم کر رہا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

معاف ہوا اور سب سے پہلا سود عباس بن عبد المطلب کا ہے تم لوگوں پر صرف اصل مال ہے (جو تمہیں واپس کرنا ہے) اس میں تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

(۸) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اتیت لیلۃ اسری بی علی قوم بطونہم کالبیوت فیہا الحیات تجری من خارج بطونہم فقلت من ہؤلاء یا جبرئیل؟ قال ہؤلاء اکلۃ الربا (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۷)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معراج کی رات میرا گزر ایک قوم پر ہوا ان کے پیٹ کمروں کی مانند بڑے تھے ان میں سانپ تھے (حرکت کرتے ہوئے) جو پیٹوں کے باہر سے نظر آ رہے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے کہا یہ لوگ سود کھانے والے ہیں۔

(۹) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الربا سبعون جزء ایسرہا ان ینکح الرجل امہ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سود کے ۷۰ شعبے ہیں ان میں سب سے ہلکا درجہ یہ ہے کہ (سود کھانے والا) آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح (وطی) کرے۔

(۱۰) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال درہم ربا اشد عند اللہ من ستۃ و ثلاثین زنیۃ ومن نبت لحمہ من سحت فالنار اولی بہ (کنز العمال ج ۴ ص ۱۰۲)

ترجمہ: عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سود کا ایک درہم ۳۶ مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے اور جو کوئی اپنے (جسم کے) گوشت کی پرورش اس سے کرے تو وہ دوزخ کی آگ کا مستحق ہے۔

(۱۱) وروی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ انہ قال ان الربا وان کثر فان عاقبتہ الی قل (تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۳۶۲)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا سود اگرچہ (مال میں اضافہ) زیادہ ہو لیکن اس کا انجام (مال کی) قلت ہے۔

(۲۰) عن عوف بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ایاک والذنوب التی لاتغفر، الغلول فمن غل شیئا اتی بہ یوم القیامۃ، وآکل الربا فمن اکل الربا بعث یوم القیامۃ مجنونا یتخبط (تفسیر روح المعانی ج ۳ ص ۱۷ ذیل الآیۃ بقرہ ۲۷۵)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بچو ان گناہوں سے جو معاف نہیں ہوتے ہیں (ایک) چوری ہے، جس نے بھی کوئی چیز چرائی قیامت کے دن اس کو سامنے لایا جائے گا اور سود کھانے والا جس نے بھی سود کھایا وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا پاگل بدحواس۔

(۲۱) عن ابی عبد اللہ الحسین رضی اللہ عنہ قال درھم الربا اعظم عند اللہ تعالی من سبعین زنیۃ کلھا بذات محرم فی بیت اللہ الحرام (تفسیر روح المعانی ج ۳ ص ۷۱ ذیل الآیۃ بقرہ ۲۷۶)

ترجمہ: حضرت ابی عبداللہ الحسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سود کا ایک درہم اللہ تعالی کے نزدیک اتنا برا ہے جیسے کوئی ستر بار زنا کرے اور وہ بھی اپنی کسی محرم کے ساتھ بیت اللہ شریف میں۔

(۲۲) اخرج ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال من کان مقیما علی الربا لا ینزع عنہ فحق علی امام المسلمین ان یستتیبہ فان نزع والا ضرب عنقہ (تفسیر روح المعانی ج ۳ ص ۷۵ ذیل الآیۃ بقرہ ۲۷۹)

ترجمہ: ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی سود پر ڈٹا ہوا ہو اور اس سے باز نہیں آتا تو مسلمانوں کے امیر کو حق ہے کہ اس کو توبہ کرائے اور اگر وہ پھر بھی (سود سے) نہ رکے تو اس کی گردن مار دے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ماہر معاشیات : ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی
روزنامہ جنگ (کالم: معیشت کی جھلکیاں)
۲۷ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۵ اگست ۲۰۱۲ء بروز بدھ

اسلامی بینکاری ! کتنی اسلامی ؟

سورۃ البقرہ کی آیتوں ۲۷۵ تا ۲۷۹ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں سود کی ہر شکل قطعی ممنوع ہے جو ہر صورت میں ظلم ہے کیونکہ یہ ظلم اور استحصال کا سبب بنتا ہے۔

اسلامی تعلیمات سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سودی نظام کے متبادل کے طور پر اسلامی بینکاری کا جو بھی نظام وضع کیا جائے

اول اس نظام میں سود کا شائبہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔

دوم اس نظام سے سودی نظام بینکاری سے ہونے والے ہر قسم کے ظلم، ناانصافی اور استحصال کا ازالہ ہو جانا چاہیے۔

سوم اس نظام کے نفاذ سے اسلامی نظام معیشت کے حصول میں نہ صرف معاونت ہونی چاہیے بلکہ تمام … کا … ملنا چاہیے۔

گزشتہ برسوں کے تجربات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلامی بینکاری کے عملی نفاذ سے … یہ مقاصد حاصل نہیں ہو رہے بلکہ اسلامی بینکوں کی آمدنی رپورٹوں سے ظاہر ہے کہ … حاصل کرنے کے ضمن میں بھی نمایاں تضادات موجود ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسٹیٹ بینک کے احکامات کے تحت پاکستان میں یکم جنوری ۲۰۰۲ء سے سودی بینک اور اسلامی بینکاری کے شعبے کے تحت کام کرنے والے بینک ساتھ ساتھ کام کر رہے ہیں چنانچہ سودی نظام کو ملک میں دوام بھی مل گیا ہے۔ بینکاری کا یہ متوازی نظام قطعی غیر اسلامی ہے۔ وہ قابل احترام علماء جو مروجہ اسلامی نظام بینکاری کی پشت پر ہیں انھوں نے تاحال کسی طور پر اس معاملے میں قطعی خاموشی اختیار کی ہوئی ہے اور وہ یہ تحریری یقین دہانی بھی کر رہے ہیں کہ یہ متوازی نظام بینکاری غیر اسلامی ہے۔ اس طرح وہ بھی سودی نظام بینکاری کو دوام دینے اور دوام بخشنے میں عملاً معاونت کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بیشتر اسلامی بینک نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر کھولے گئے کھاتوں پر اپنے کھاتے داروں کو بچت منافع میں حقیقی معنوں میں شریک نہ کر کے شریعت کی خلاف ورزی کر رہے ہیں بلکہ ان کا استحصال بھی کر رہے ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک بھی ضروری ہے کہ اگر آنے والی ناانصافی کو ختم کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش کرے بھی تو وہ ناکام رہے گی کیونکہ ان سے فنانسنگ (قرضوں) کی جانے والی شرح منافع بڑھانی پڑے گی جس کے لئے سرمایہ لینے والے [illegible] تیار نہیں ہوں گے کیونکہ انہیں سودی بینکوں سے کم شرح سود پر قرضہ دستیاب ہے۔ واضح رہے کہ اسلامی بینک بچت کھاتے داروں کو اسٹیٹ بینک کے احکامات کے تحت ۱ فیصد سالانہ شرح منافع دے رہے ہیں جبکہ ملک میں افراط زر کی شرح تقریباً ۱۰ فیصد سالانہ ہے یعنی ۹ فیصد حقیقی منفی شرح منافع ہوا جو کہ استحصال کے زمرے میں آتا ہے۔ اب سے چند برس قبل تک علماء حضرات کا موقف تھا کہ اسلامی بینکاری کی اصل بنیاد نفع و نقصان کی تقسیم پر قائم ہوگی اور اسلامی بینکوں کو مختصر کر دیا رضا کار مضاربہ پیش [illegible] جبکہ تب عبوری دور کے لئے بوقت ضرورت کچھ دوسرے طریقے مثلاً مرابحہ وغیرہ اختیار کئے جا سکتے ہیں تاہم اس کی طور پر عبوری دور کا لفظ اب عملاً حذف کر دیا گیا ہے۔ اسلامی بینکاری مضاربہ کے تحت [illegible] (قرضوں) کا ۸۰ فیصد فراہم کر رہے ہیں جبکہ پاکستان میں اسلامی بینک ۹۰ فیصد فنانسنگ مرابحہ اور اجارہ وغیرہ کے تحت کر رہے ہیں جہاں حتمی نتیجہ سودی نظام سے مختلف نہیں ہوتا۔ اسلامی بینک سرمایہ لینے والی پارٹی کے کاروبار میں ہونے والے نقصان کی ادھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوران قرض جمع کرتے اور بینک سے طے شدہ شرح منافع وصول کر لیتے ہیں۔ سود پر مبنی معیشت کے ماحول میں اسلامی بینکاری کے تحت فنانسنگ کے طریقوں کو قابل عمل بنانے کے لئے علماء حضرات بہت زیادہ لچک کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ اسلامی بینکاری میں حیلہ (بہانے بازی) کے تصور کو پروان چڑھا دیا گیا ہے۔ اسلامی بینکاری کے ضمن میں علماء کی منظوری سے بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں لائی جا چکی ہیں اور شریعہ کے مقاصد پس پشت جا چکے ہیں۔ پاکستان میں سودی بینکوں میں اسلامی بینکاری کے ضمن میں کچھ اہم فیصلے ان سودی بینکوں کی منشاء پوری کرتی ہے۔

جنرل مشرف پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والی سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بینچ نے ۲۴ جون ۲۰۰۲ء کو سپریم کورٹ کے ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء اور وفاقی شرعی عدالت کے ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کے سود کو حرام قرار دینے کے فیصلوں کو کالعدم کر کے مقدمہ از سر نو سماعت کے لئے وفاقی شرعی عدالت کو بھیج دیا جہاں گزشتہ ۱۳۲ ماہ گزرنے کے باوجود مقدمے کی سماعت شروع ہی نہیں ہوئی۔ اسلامی نظریاتی کونسل، مذہبی جماعتوں اور علماء نے اس پر کوئی احتجاج یا مہم نہیں کی۔ پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والے جج تو کیفر کردار تک پہنچ چکے ہیں مگر ان کا دیا ہوا فیصلہ جو کہ ایک عرصہ سے (۱۰ برس کا عرصہ گزرنے کے باوجود) برقرار ہے۔ ان حالات میں یہ معاملہ نوعیت کو دیکھتے ہیں۔ پاکستان میں ۹۰ فیصد کھاتے سودی بینکوں کے پاس ہیں جبکہ صرف ۱۰ فیصد کھاتے اسلامی بینکوں کے پاس ہیں۔ سپریم کورٹ کی جانب سے ڈھائی برس سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود قصور کی عدالتی اور اسٹیٹ بینک کے مرکز ۲۹ مئی اور ۱۵ اپریل ۲۰۰۲ء کے ضمن میں فیصلہ نہ کرنے سے ان قرضوں کی وصولی کا امکان تقریباً ختم ہو گیا ہے جس سے کئی سو ارب روپے کا جھٹکا لگے گا۔ حکومت، سودی اور اسلامی بینک اور جج صاحبان بھی اس معاملے پر خاموش ہیں۔ یہی نہیں ۱۰ اگست ۲۰۱۲ء کو اسٹیٹ بینک نے اپنی خود مختاری سے دستبردار ہو کر وزارت خزانہ کے ایک ذیلی ادارے کا روپ اپنایا اور پالیسی ریٹ کو ۱۲ فیصد سے کم کر کے ۱۰ فیصد کر دیا جس سے حکومت کو ملکی قرضوں پر سود کی ادائیگی کی مد میں کئی ارب روپے سالانہ کی بچت حاصل ہو گی مگر اس کے نتیجے میں سودی اور اسلامی بینک اور بچت کنندگان معیادی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کھاتے داروں اور بینکوں کو دی جانے والی شرح منافع میں کمی کا اعلان کر دیں گے۔ شرح سود میں کمی کے بجائے اسٹیٹ بینک کو جنوری اپریل میں ۵۰ پوائنٹس کمی کا اعلان کرنا چاہیے تھا۔ تاکہ بینکوں کے کھاتے داروں کو دی جانے والی شرح میں ۵۰ پوائنٹس اضافہ اور قرضوں پر مارک اپ کی شرح میں کمی ممکن ہوتی۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ چند علماء جو مروجہ اسلامی نظام بینکاری کی پشت پر ہیں فتویٰ جاری کریں کہ موجودہ نظام مروجہ اسلامی بینکاری غیر اسلامی ہے اور اگر سودی نظام کے تحت چھ ماہ بعد ڈپازٹس لینے اور ان کی تجدید کرنے پر پابندی نہ لگائی گئی تو وہ مروجہ اسلامی نظام بینکاری کی حمایت واپس لے لیں گے۔ موجودہ اسلامی نظام بینکاری کو شریعت کی روح کے مطابق لانے کے لئے ان جید علماء سے جنہوں نے ۲۸ اگست ۲۰۰۸ء کو متفقہ فتویٰ جاری کیا تھا کہ مروجہ اسلامی نظام بینکاری غیر اسلامی ہے اور اسلامی ذہن رکھنے والے بینکاری کے ماہرین کی مشاورت سے بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں اس نظام میں لانا ہوں گی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اوریا مقبول جان

روزنامہ دنیا : (کالم حرف راز)

۲۱ اگست ۲۰۱۳ء

مشہور تجزیہ نگار و کالم نگار اوریا مقبول جان صاحب نے یکے بعد دیگرے دو مضامین سود کی حرمت اور مروجہ بینکاری جسے اسلامی بینکاری کا نام دیا گیا ہے سے متعلق تحریر کیے ہیں دونوں مضامین روزنامہ دنیا میں شائع ہوئے ہیں مضمون کی افادیت اور تحقیق دیکھتے ہوئے ضروری جانا گیا کہ دونوں مضامین بطور ضمیمہ شامل اشاعت کیے جائیں تاکہ قارئین کرام کو اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ صرف علماء کرام ہی نہیں بلکہ عوام الناس میں بھی سوجھ بوجھ رکھنے والے اور عام فہم افراد اسلامی بینکاری کے حیلوں کو سمجھتے ہوئے اس کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ (محمد عادل غنی)

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

گزشتہ چند دہائیوں سے سود کی معیشت پر چلنے والے ترقی یافتہ ممالک پر جب 2008ء میں معاشی بحران کا طوفان برپا ہوا، معیشتوں کی چولیں ہل گئیں، زمین بوس ہونے لگیں، ابھی صرف پراپرٹی کے شعبے میں لوگوں کی زندگی بھر کی جمع پونجیاں برباد ہوئی تھیں کہ اس کا خوف امریکہ اور یورپ کی معیشتوں پر چھا گیا۔ لوگوں کو اپنے بینکوں سے اعتبار اٹھ گیا۔ اسٹاک ایکسچینج کے حصص بے قیمت ہونے لگے اور آخر میں لوگوں نے کرنسی کے نوٹوں کو ردی کے کاغذ سمجھتے ہوئے اپنی بچت سونے اور چاندی کی صورت میں محفوظ کرنی شروع کر دی۔ بینکوں کو اپنی دکانوں کے مستقل بند ہونے اور حکومتوں کو معاشی طور پر تباہ ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تو انہوں نے سب سے پہلے سود کو معطل کر دیا اور ابھی تک دنیا کے اکثر ترقی یافتہ ممالک میں سود کی شرح صفر یا ایک فیصد کے لگ بھگ ہے جو بینک اپنے اخراجات کے طور پر وصول کیا جاتا ہے۔ لیکن دوسرا قدم

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو یہ ہوا جو توقع کی جا رہی تھی، تمام بینکوں نے اسلامی بینکنگ کے نام پر کھڑکیاں کھول دیں۔ بڑے بڑے سود خور بینک بھی اس کی افادیت کا ورد دینے لگے، اس کے نفع و نقصان میں شراکت کو عیاں کرنے لگے یوں بینکوں کے سودی کھاتوں سے بیزار ہو کر لوگوں نے اپنی رقوم ایسے کھاتوں میں منتقل کرنا شروع کر دیں جنہیں یہ لوگ اسلامی کہتے تھے، یہاں تک کہ دنیا بھر میں تیس فیصد سے زیادہ رقوم ان کھاتوں میں جمع ہو گئیں جن میں سے بیشتر مسلمانوں کی تھیں۔

اسلامک بینکنگ اور اس کا تصور تقریباً چار دہائیاں پرانا ہے اور معاشی ماہرین یہودیوں کے ایجاد کردہ اور سود خوروں کے وضع کردہ بینکنگ کے نظام پر بدعت سے اسلام کا غلاف چڑھانے کی انتھک کوشش کرتے رہے ہیں لیکن پاکستان میں اس کی ترقی اور عروج سپریم کورٹ کے اس تاریخی فیصلے کے بعد ہوا جو محمود صدیقی جج کے دور میں نے سنایا عدالت عظمیٰ نے تمام بینکوں کے مروجہ طریق کار کو حرام قرار دیتے ہوئے 30 جون 2001 تک سودی بینکاری ختم کرنے کے لئے کہا۔ سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ نواز شریف حکومت کی اس اپیل پر کیا تھا جو انہوں نے اپنے پہلے دور اقتدار میں شریعت کورٹ کے فیصلے کے خلاف کی تھی اور جس میں سودی نظام کو جاری رکھنے کی درخواست کی تھی۔ پاکستان کو اللہ کی عدالت میں سرخرو کرنے والے یہ جج تھے جسٹس وجیہہ الدین احمد جنہیں اسی پارٹی کے ارکان پارلیمنٹ نے صدارت کے لئے [illegible] جب [illegible] پارٹی [illegible] سے آگے [illegible] کرتا۔ اس فیصلے کے بعد بینکوں نے اس کاروبار کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کا کام تیزی سے شروع ہوا۔ متقیان کرام سودی معیشت دان اور بینکاری کے ماہرین سر جوڑ کر بیٹھے کہ کس طرح دو سو سال پرانے اس مروجہ سودی بینکنگ کے نظام کو تحریف یا اسلام کے سہارا [illegible] ترتیب جوں کا توں رہا، چیک بک وہی [illegible] سودی [illegible] بینک اور روپے کا معاملہ...... ہاں البتہ یہ بتایا گیا کہ ہم آپ کی رقم کو کسی ایسے کاروبار میں لگائیں گے جس میں سود کا عمل دخل نہ ہو [illegible] فقہی تدوین اور اجتہاد سے مضاربہ، مشارکہ، مرابحہ اور اجارہ جیسے تصورات بینکنگ کی روزمرہ زندگی میں متعارف ہوئے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لوگوں کو ایک گونہ اطمینان ہوتا ہے کہ چلو اب ہم حرام تو نہیں کھائیں گے نہ ہماری رقوم حرام جگہ خرچ ہوں گی۔ اس وقت ملک میں پانچ خالص اسلامی بینک کام کر رہے ہیں اور 14 کمرشل بینکوں نے اسلامی بینکاری کی کھڑکیاں کھول رکھی ہیں۔ اسلامی بینکاری اور نفع و نقصان کی شراکت پر کھاتے داری کو دیکھنے کی ذمہ داری اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی ہے۔ بینکوں کے جمع کرائے گئے اعداد و شمار دیکھیں تو آپ کے پاؤں تلے سے زمین نکل جائے۔ سادہ لوگ ان اسلامی بینکوں پر اس وجہ سے بھروسہ کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مجلس شرعی (بورڈ) بنا رکھا ہے۔

اسٹیٹ بینک کی رپورٹ کے مطابق مارچ 2013 تک اسلامی بینکاری والے کمرشل بینکوں نے جو رپورٹ مرکزی بینک میں جمع کروائی ہیں ان میں اسلامی بینکاری کی کوئی علیحدہ تقسیم موجود نہیں۔ یعنی بھری اور خرید و فروخت ایک جگہ جمع ہے۔ ہم حسن ظن رکھتے ہیں کہ انہوں نے اندرونی طور پر یہ حساب کتاب علیحدہ رکھا ہوگا لیکن جو اعداد و شمار انہوں نے مجھے خوف میں مبتلا کیا وہ ہر اس شخص کے لئے پریشان کن ہیں جو سچے دل سے سود سے پاک بینکاری چاہتا ہے۔ مارچ 2013 تک پوری اسلامی بینکنگ انڈسٹری کے اثاثے تقریباً 847 ارب تھے جن میں کھاتوں کی رقم 704 ارب تھی۔ اس رقم میں انہوں نے 666 ارب روپے اپنی مختلف سکیموں میں لگائے یعنی Invest کئے۔ ان میں باقی اسکیموں کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتا کہ یہ ایک لمبی بحث ہے لیکن ان تمام بینکوں نے تقریباً 308 ارب روپے یعنی اپنی کل کھاتے داری کا 44 فیصد فیڈرل گورنمنٹ سیکورٹیز میں لگایا یعنی حکومت پاکستان کو قرض دیا۔

یہ حکومت جو گذشتہ کئی سالوں سے خسارے کا بجٹ پیش کر رہی ہے اسے دی گئی رقم پر منافع کیسے ممکن ہے؟ ان بینکوں کے سودی معاملات سے مختلف دکھانے کے لئے "اجارہ سکوک" کے نام سے مجہول مجموعہ بنایا۔ ایک طریقہ کار وضع کیا گیا۔ "سکوک" ایسے سرٹیفکیٹ کو کہتے ہیں جو کسی ناقابل انتقال (Tangibles) اثاثے کی ملکیت کے بدلہ جاری ہوتے ہیں۔ دیکھئے حکومت کراچی کی ایم موٹروے یا کسی اور پروجیکٹ کے لئے قرض لینا چاہتی ہے جس کا مطلب اسلامی بینک کے ساتھ کرتی ہے جسے "اجارہ" کہا جاتا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے اس قرض کو اسلامی طریقہ تجارت میں ڈھالنے کے لئے ایک ملٹی SPV یعنی (Special purpose vehicle) بنائی جاتی ہے جو اس حکومتی ادارے کی ایک کاغذی کمپنی ہوتی ہے۔ وہ اس پراجیکٹ کی کنسلٹنٹ سے وظائف وغیرہ کرواتی ہے پھر وہ اس پراجیکٹ کی قیمت کے برابر سکوک شیئرز یا بانڈز جاری کرتی ہے جنہیں یہ تمام اسلامی بینک خریدتے ہیں اور منافع کماتے ہیں ۔ اس کی مثال جنوری 2008 میں جاری ہونے والے 8 ارب کے واپڈا سکوک بانڈز ہیں جنہیں ایک کاغذی کمپنی "واپڈا فرسٹ سکوک کمپنی" نے جاری کیا جو منگلا ڈیم کی توسیع کے لئے جاری کئے گئے ۔ ان بانڈز پر سود کا ایک شاندار تجزیہ اس طرح کیا گیا کہ ان کی ادائیگی چھ ماہ کے KIBOR ریٹ جمع 35 Basis پوائنٹ کے ساتھ کی گئی ہے۔ یہ بات عوام کے لئے بتاتا چلوں کہ KIBOR کا مطلب ہے Karachi inter bank open market rate یعنی کراچی انٹر بینک اوپن مارکیٹ ریٹ کی طرح کا نظام ہے جس سے بینک اپنی شرح سود متعین کرتے ہیں اور جیسا کہ تمام حضرات جانتے ہیں کہ یہ دنیا میں سود کو ناپنے کا پیمانہ ہے کہ کس طرح سود پر بینک دوسرے بینکوں سے لین دین کر سکتے ہیں۔ یہ روزانہ کے حساب سے تبدیل ہوتا ہے۔ ان تمام سکوک بانڈز یا سرٹیفکیٹس پر حکومت ان کو منافع دے رہی ہے وہ KIBOR اور LIBOR کے حساب سے ہے۔

کیونکہ کاروبار اور کوئی تجارت ایسی نہیں جس میں نفع و نقصان سود کو حلال کرنے کا ایک راستہ ہے۔ اس قسم سرمایہ کو حکومت یا کمپنیوں کی ضمانت حاصل ہے۔ کوئی بتا سکتا ہے کہ جو ڈیم یا کسی اور منصوبے میں کتنا نفع اور کتنا نقصان ہوا۔ ساری حکومت نقصان میں ہے۔ لیکن سکوک بانڈز پر KIBOR اور LIBOR کی شرح سے منافع کی ادائیگی ہو رہی ہے۔ اس منافع اور شراکت کا کھاتہ بنا کر سادہ لوح لوگوں کو اسلامی منافع دیئے جا رہے ہیں کیا حکومت کو پیسے دے کر ایک فکس منافع لینا نفع و نقصان کا کاروبار رہ جاتا ہے؟ یاد رہے جن شخصوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے افراد نے اللہ کے حکم کی ایک تدبیر کر کے ساتھ خلاف ورزی اور تبدیلی کی اللہ نے حکم دیا تھا کہ ہفتے کے دن کاروبار نہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

شکار کو مچھلی ... کی خاطر انہوں نے دریا کے اندر حوض بنا دیئے اور ان حوضوں میں جال لگا دیئے مچھلیاں ہفتے کے دن آتیں اور حوضوں میں پھنس جاتیں وہ انہیں پڑا رہنے دیتے اور اتوار کے دن نکال لیتے اور ساتھ تازہ شکار بھی کر لیتے ... یہ طریقہ ایسا تھا جس نے اللہ کے غضب کو دعوت دی اور حکم ہوا کہ" چنانچہ وہ ذلیل و خوار بندر بن گئے۔

سوال پوچھنا یہ ہے کہ ایسا کیوں کیا ہے مجھے حیرت ان مفتیان کرام پر ہے جو شلوار ٹخنے سے نیچے نہیں جانے دیتے داڑھی کی لمبائی کم ہونے پر فسق کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں اور جن کے ہوتے ہوئے یہ سب حیلے ... ہو رہے ہیں ... کہ ہم ایک راستہ نکال رہے ہیں اللہ کے ہاں حق اور باطل میں کوئی ... نہیں ... آپ خود کو، اپنے دوستوں کو ... بلکہ پوری قوم کو مطمئن کر سکتا ہو ... روز حشر اللہ کے سامنے ... جا سکے گا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کالم نگار : اوریا مقبول جان
روزنامہ دنیا، کالم : حرف راز
۴ نومبر ۲۰۰۳ء

کون ہے ؟ کوئی ہے ؟ کوئی تو ہو !

یونانی دیومالا کے مطابق ایک کردار سسی فس کو دیوتاؤں نے یہ سزا دی تھی کہ وہ ایک بھاری پتھر اٹھا کر پہاڑ کی چوٹی تک لے جائے اور وہاں پر کھڑا ہو جائے۔ وہ پتھر لڑھک جاتا اور سسی فس اس کو پھر سے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچانے کے لیے پھر سے اسی مشقت سے گزرتا اور یہ سلسلہ جاری رہتا۔ اس لاحاصل محنت کے عمل پر دنیا بھر کی زبانوں میں ضرب الامثال اور محاورے موجود ہیں جن میں انگریزی زبان کا محاورہ Reinventing the wheel اپنے اندر سارے معانی کا سمندر سموئے ہوئے ہے۔ اس کا لفظی مطلب ہے "پہیے کو دوبارہ ایجاد کرنا" پہیہ انسان کی سب سے قدیم ایجاد سمجھا جاتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر دنیا کی تمام مشینی ترقی نے ترقی کی منزلیں طے کیں۔ رتھ سے لے کر عام سے چھکڑے سے بڑی بڑی ملوں کی مشینری تک میں پہیے کی کارفرمائیاں موجود ہوتی ہیں۔ یہ محاورہ کسی کیے ہوئے کام کو دوبارہ کرنے کے بارے میں کہا جاتا ہے یہ یا تو اس سے پہلے کہ اس کام کو بہتر طریقے سے کیا جائے یا یہ وہ عمل ہے جو وقت کو ضائع کرنے میں کیا جاتا ہے یا پھر ایک مخصوص مقصد کے ساتھ کسی قوم کو عمل سے روکنے کے لیے پہلے لوگوں کو اس میں مصروف کیا جاتا ہے اور پھر جب وہ اس کام کے مکمل کرنے کے قریب ہو جاتے ہیں اور جب ان کی آنکھوں میں کامیابی کے ستارے چمکنے لگتے ہیں تو صرف ایک جھٹکے سے ساری عمارت گرا دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اب اسے دوبارہ سے تعمیر کرو۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سود حقیقی کی بدترین شکل ہے اور اگر اسے عملی شکل میں دیکھنا ہو تو حکومت پاکستان کی دو روش ایک مثال کی حیثیت رکھتی ہے جو اس نے سود کے خاتمے کے لیے گزشتہ 68 سال سے اختیار کر رکھی ہے۔ ملک کے بانی اور بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح نے یکم جولائی 1948ء کو سٹیٹ بینک کے افتتاح پر سود کے خلاف جو واضح موقف اختیار کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

" I shall watch with keenness the work of your research organization in evolving banking practices compatiable with Islamic Ideas of Social and Economic Life " .

"میں اشتیاق اور دلچسپی سے ذاتی طور پر آپ کے تحقیق کے ادارے کے کام کا جائزہ لوں گا جس کو جدید ایسے بینکاری نظام کو ترتیب دینے میں سرانجام دے گا جو اسلام کے معاشرتی اور معاشی اصولوں کے مطابق ہو"

وہ قائد اعظم کا آخری خطاب تھا اور یوں لگتا ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کا خطاب تھا جو مغرب کے سودی نظام اور سرمایہ دارانہ معیشت کو بھی سمجھتا ہے اور اسلام کے معاشی نظام کے برکات سے بھی واقف ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قائد اعظم نے جس طرح مغرب کے معاشی نظام کو تنقید کا نشانہ بنایا وہ ایک سچے اور راسخ العقیدہ مسلمان کا منصب ہے۔ اگر ان کی گفتگو کی جائے تو آپ کو جدت پسند، دنیا پرست اور فرسودہ سوچ کا حامل بنا دیا جاتا ہے۔ حکومت نے قائد اعظم کو ان کے حکم کو نظر انداز کرنے کی جدوجہد میں لگی رہی اور اس حکم کو سرد خانے کی نذر کر دیا۔

سود سے محبت کرنے والی بیوروکریسی اور سیاسی قیادت نے یہ کام تحقیق کے ادارے کے سپرد کرکے تحقیق کی چادر اوڑھا دی ہے۔

کئی سال بعد 1969ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنے اجلاس میں بینک کے سود کو حرام قرار دیا۔ سود خواہ کسی بھی شکل میں ہو اسے حرام قرار دے دیا۔ اس کے بعد

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

1973ء میں جب جمہوری حکومت کا قیام عمل میں آیا تو آئین ترتیب دیا گیا اور اس کے آرٹیکل 37 نے حکومت پر یہ ذمہ داری عائد کی کہ وہ جلد از جلد سود کو ختم کرے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے پانچ سال خاموشی سے گزر گئے۔ جنرل ضیاء الحق نے 29 ستمبر 1977ء کو اسلامی نظریاتی کونسل کو یہ ذمہ داری سونپی کہ کوئی متبادل نظام ترتیب دے جو اسلام کے اصولوں پر مبنی ہو 25 جون 1980ء کو انھوں نے ایک جامع متبادل نظام ترتیب دے کر رپورٹ حکومت کو پیش کر دی۔ خاموشی پھر بھی قائم رہی۔ 1981ء میں شریعت کورٹ بنا دی گئی لیکن ساتھ ہی اس عالم میں کہ اس پر دس سال کے لئے مالیاتی معاملات زیر غور لانے پر پابندی لگا دی گئی۔ دس سال ختم ہوئے تو لوگ شریعت کورٹ چلے گئے اور 14 نومبر 1991ء کو اس نے طویل بحث کے بعد بینک کے سود کو حرام قرار دے دیا۔ اس کے بعد کی کہانی عدالتی جدوجہد کی کہانی ہے ایک طرف حکومت ہے جو سود کو جاری رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے اور دوسری جانب وہ چند پاگل اور دیوانے ہیں جو عدالت میں اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے مطابق جنگ لڑ رہے ہیں۔ 23 دسمبر 1999ء کو ملک کی اعلیٰ ترین عدالت نے تاریخی فیصلہ دے کر بینک کے سود اور دیگر متعلقہ کاروبار وغیرہ کو حرام قرار دے دیا۔ 24 جون 2002ء کو سپریم کورٹ نے نظر ثانی کی اپیل کی سماعت کی اور شریعت کورٹ کو از سر نو سماعت کے لئے کہہ دیا۔ پرویز مشرف اور آصف زرداری کی بارہ سال آخری عدالت میں ان فائلوں پر گرد پڑی رہی۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ گرد جھاڑ کر ان تمام افراد کو نوٹس دیئے گئے ہیں جو 1991ء سے اس سود کے خلاف جنگ میں حصہ لے رہے تھے۔ ان میں مرحوم عبدالودود خان صاحب کو بھی نوٹس بھیجا گیا ہے جو مرتے دم تک یہ جدوجہد کرتے رہے اور آخر میں اپنا تمام متاع جو چند کاغذات اور نوٹس تھے، مجھے سونپ گئے۔ اب دوبارہ سے بحث کا آغاز ہوگا، پھر سے معاشیات کی کتابیں کھلیں گی، بھول بھلیاں بنائی جائیں گی اور کئی سال اس میں بیت جائیں گے۔ اس مضمون کا اختتام ان چودہ سوالوں سے ہوتا ہے جو ان تمام افراد کو دیئے گئے جو اس مقدمے میں شریک ہیں۔ ان تمام سوالوں پر ایک طویل بحث کئی سال پہلے سپریم کورٹ میں ہو چکی ہے اور سپریم کورٹ نے 1999ء کے فیصلے میں ان کا جواب بھی دے دیا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ سوال اس قوم کے سامنے ہے اور ساتھ یہ سوال بھی کہ کیا سود کی جنگ ان چند دیوانوں کی ذاتی جنگ ہے یا ان کا کوئی ذاتی مقصد ہے وہ کونسا جنون ہے کہ جس کے لئے یہ دیوانہ وار عدالتوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور یہ سوال کہ کیا یہ آئین پاکستان کے تحت اس حکومت کی ذمہ داری ہے جسے اٹھارہ کروڑ عوام نے منتخب کیا ہے سوال یہ حل کیجئے۔

(۱) قرآن مجید کی روشنی میں "ربا" کی مستند تعریف کیا ہے کیا ربا سود (USURY) انٹرسٹ میں کوئی فرق ہے کیا ربا کا اطلاق اس انٹرسٹ پر بھی ہوتا ہے جو بینک اور مالیاتی ادارے تجارتی اور پیداواری مقاصد کے لئے دیئے گئے قرضوں پر وصول کرتے ہیں۔

(۲) قرض کی تعریف کیا ہے کیا قرض اور ادھار (Loan) مترادف اصطلاحات ہیں قرآن کریم میں قرض کن معنوں میں استعمال ہوا ہے؟

(۳) کیا وہ ربا جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے اس کا تعلق بینکوں کے سود پر ہے؟

(۴) یہ تحقیق کیا ہے کہ موجودہ زمانے کے بینکوں پر اس کا اطلاق کیسے ہو؟

(۵) ربا کی حرمت کی علت کیا ہے اور مختلف علماء کی قرآن وسنت کے حوالے سے تعبیر کیا ہے اور اس کے متعلق ان کی مختلف تشریحات کیا ہیں؟

(۶) آئین پاکستان کے تحت شرعی عدالت قرآن وسنت کے مطابق کسی قانون کو اسلامی یا غیر اسلامی قرار دیتی ہے قرآن وسنت کے صریح احکام کی موجودگی میں علماء کی رائے کی اہمیت کیا ہے؟

(۷) کیا سود کی حرمت کا اطلاق غیر مسلم شہریوں پر بھی ہوتا ہے اور کیا غیر مسلم حکومتوں سے لئے گئے قرضوں پر بھی اس کا اطلاق ہوگا؟

(۸) قرض کے معاملے میں کرنسی کی قیمت کم ہونے (افراط زر یا انڈکسیشن) کے معاملے میں جائز و ناجائز کے متعلق علماء کی رائے کیا ہے؟

(۹) قرآن مجید نے "رأس اموالکم" کی تعریف میں اگر کرنسی نوٹ کی قیمت کم ہو جائے اور وہ اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کمی کو پورا کرنے کے لئے اصل رقم سے زیادہ ادا کرے تو کیا وہ ربا ہوگا؟

(۱۰) کیا متبادل بیع مرابحہ وغیرہ اسلامی متبادل ہیں؟

(۱۱) اسلامی تحریکوں کے مقاصد کیا ہیں؟

(۱۲) بینک کرنسی جو حکومت کے ذریعہ متعین کرتا ہے کیا وہ شریعت کے مطابق ہے؟ اور

(۱۳) اگر سود ختم کر دیا جائے تو ماضی میں بیرونی ممالک سے جو قرض لئے ہیں جن میں غیر مسلم ممالک بھی شامل ہیں ان کے بارے میں کیا طریقہ کار ہوگا؟

یہ تمام سوالات 1999ء کے گیارہ سو صفحات کے فیصلے میں تفصیل سے زیر بحث لائے جا چکے ہیں اور ان پر فیصلہ بھی دیا جا چکا ہے لیکن اب 5 نومبر 2013 کو وفاقی شرعی عدالت میں ان پر بحث کا آغاز ہو چکا ہے جبکہ میں آپ کے سامنے ایک سوال چھوڑے جا رہا ہوں۔

وہ لوگ جو ملکی آئین سے وفاداری پر حلف اٹھاتے ہیں پر حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جو ناجائز بھی ہے اور بے دریغ سود کو رواج دے رہے ہیں کیا قیامت کے دن اللہ کے اس سوال کا جواب دے سکیں گے کہ میں اور میرے رسول سود کے خلاف جنگ کا اعلان کر چکے تھے اور تم ایک آواز بھی بلند نہ کر سکے بس خاموشی کو عذر بنا کر ہمارے سوال کا کیا جواب ہوگا؟

وہ تمام علماء، سیاسی جماعتیں جو اسلام اور آئین کی بالادستی پر تحریکیں چلاتی ہیں، جلسے جلوس نکالتی ہیں اور کہتی ہیں ہم ایک جنگ لڑ رہے ہیں، کیا ان کے نزدیک اللہ کی شروع کی گئی جنگ میں کوئی بھی نہیں کہ ان کے ماتھے پر پسینہ آجائے، ان کے دل بے چین ہو جائیں، ان کی تنظیمیں اس جنگ کے حق میں جہاد کرنے کو نکل پڑیں، یہ جو ادارہ حاصل ہے کوئی آخرت پر یقین ہو تو اس کا حاصل تو عظیم تر ہے، کوئی ہے جو اپنی قوم کے لئے اللہ کے لئے دشمنی اور اللہ کے لئے دوستی کا اعلان کرے۔

کون ہے؟ کوئی ہے؟ کوئی تو ہو!

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

خطابِ لاہور پر ایک نظر

مولانا مفتی سمیع اللہ صاحب مدظلہ العالی
رفیق شعبہ افتاء جامعہ فاروقیہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی
آلہ الطیبین الطاہرین ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین : اما بعد

"مروجہ اسلامی بینکاری" سے متعلق جب لوگوں نے علماء کرام سے اس کے صحیح یا غلط ہونے کے متعلق استفسارات کرنا شروع کئے تو ایک عرصہ تک جواب میں یہ کہا جاتا رہا کہ جو حضرات اس شعبہ سے منسلک ہیں ان سے پوچھ لیا جائے، اس قدر جواب سے سائلین خاموش تو ہو جاتے، لیکن مطمئن نہیں ہوتے تھے، پھر جب علماء کرام نے "مروجہ بینکاری" کا جائزہ لینا شروع کیا تو ان کے سامنے بہت ساری ایسی باتیں آئیں جن کو وہ شریعت کے مطابق نہیں سمجھتے تھے، چونکہ اس بینکاری کو معروف علمی شخصیت کی سرپرستی حاصل تھی اور ہے، جن کی علمی جلالت، زہد اور تقویٰ مسلم ہے اس لئے علمائے کرام نے اپنی رائے کو مجمل پیش کر کے نجی مجالس میں تحفظات اور تنقید سے گریز کیا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس بینکاری کے غیر شرعی امور اس طرح کھل کے عوام کے سامنے واضح ہونے لگے، اور اس سلسلے میں بکثرت لوگوں کا رجوع علماء کی طرف ہونے لگا تو اس صورت حال نے ارباب افتاء کو اس بات کو مجبور کر دیا کہ وہ تحقیق کریں اور اپنی متفقہ شرعی رائے قائم کریں جس پر سب حضرات کے ساتھ اتفاق کر لیں، ملک کے چھوٹے بڑے تمام دار الافتاء، علماء و عوام الناس اس کو شدت سے محسوس کرنے لگے، انفرادی اور جزوی طور پر مجالس ہوتی رہیں، اور ایک محدود حد تک بعض حضرات نے اپنی رائے بھی پیش کی، لیکن اس سے تشویش اور اضطراب میں اضافہ ہوتا رہا،

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہت سے علمائے کرام متفقہ موقف نہ ہونے کی وجہ سے کوئی بڑا قدم اٹھانے سے گریز کرتے رہے۔

ابتدائی کوشش

ہمارے دار الافتاء کے حضرات نے تقریباً ڈیڑھ سال قبل ایک مفصل استفتاء اور دار الافتاء کے ایک محقق کی تحریر جو تقریباً تین صفحات پر مشتمل تھی، اور موضوع سے متعلق دوسری تحریرات ملک کے بڑے بڑے دار الافتاؤں کو ارسال کیں، خیال یہ تھا کہ ان حضرات کی طرف سے جو جواب آئے گا اس کو عوام الناس کے سامنے پیش کیا جائے گا لیکن بعض اہل افتاء سے رابطے اور بار بار کی یاد دہانی کے باوجود صرف دو جواب موصول ہوئے، جب اس طرح مسئلہ حل نہیں ہوا، یہ طے کیا کہ ملک کے کبار اہل فتویٰ کو جمع کر کے اس تحریر کا جائزہ لیا جائے اور عوام الناس کے سامنے پیش کیا جائے، اس لئے ملک بھر کے معتمد اہل فتویٰ کو دعوت دی گئی جنہوں نے قبول فرمائی (فجزاهم الله عنا وعن سائر المسلمين احسن الجزاء)۔

مختصر یہ کہ ملک کے طول و عرض سے معتمد و معتبر علمائے کرام اور مفتیان عظام کو جمع کیا گیا، پھر تحریرات ان کو دی گئیں، اور ان کو پڑھنے کا وقت دے دیا گیا اور پھر مجلس نے متفقہ طور پر ایک تحریر فتویٰ کی شکل میں تیار کی جس پر تمام حضرات نے دستخط فرمائے اور یوں ایک متفقہ فتویٰ عوام الناس کے سامنے آ گیا اور اس طرح ایک اہم ضرورت پوری ہو گئی۔

متفقہ فتویٰ کے بعد

جب ملک کے معتمد علمائے کرام کی طرف سے ایک متفقہ فتویٰ منظر عام پر آیا تو چاہئے تو یہ تھا کہ مروجہ اسلامی بینکاری کو تحفظ دینے والے حضرات اپنی رائے کو حتمی نہ سمجھتے اور عوام الناس کے سامنے اس کو واضح کیا جاتا کہ ملک کے نامور علمائے کرام اور ارباب فتویٰ نے اس رائے کی تردید کی ہے اس لئے احتیاطاً یہ مناسب ہے کہ اس (مجوزین حضرات کی) رائے پر عمل نہ کیا جائے، اس لئے کہ یہاں دونوں طرف ایک بڑا اختلاف ہے کہ بینکوں کے نظام کو اسلامی کہنے والے حضرات جواز کے قائل ہیں جبکہ دوسرے حضرات منع کرتے ہیں وہ ناجائز اور حرام کہتے ہیں اور یہ بات کسی قدر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

عمل پر فتویٰ دینا مشتبہ ہے کیونکہ حلت اور حرمت میں اختلاف کے وقت حرمت کو ترجیح ہوتی ہے اور خاص کر جب ملک کے مرجع اکثر علماء و مفتیانِ کرام متفقہ طور پر ناجائز کہہ رہے ہوں اور ایسے موقعوں پر اکابرین کا عمل ہمارے سامنے ہونا چاہیے۔

ملک کے معتبر علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کی جانب سے جب یہ فتویٰ منظر عام پر آیا تو اس کو غیر موثر اور غیر حقیقت کرنے کے لئے عجیب و غریب کوششیں کی گئیں بہت ساری ایسی باتیں کی گئیں جو نہایت ہی غیر موزوں اور بے بنیاد تھیں، بعض حضرات نے تو اپنی تقریروں میں اس فتویٰ پر اشکالات کئے، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے لاہور میں ایک مفصل خطاب فرمایا، جس میں انہوں نے اس فتویٰ اور مروجہ اسلامی بینکاری کے نام سے شائع ہونے والی تحریر پر جو تبصرہ فرمایا ہے، زیرِ نظر تحریر میں اس سے متعلق چند اہم اشکالات جو موضوع سے متعلق ہیں کچھ وضاحتیں پیش کی جاتی ہیں۔

فتویٰ سے متعلق چند باتیں

فتویٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا ہے "چنانچہ جو فتویٰ شائع ہوا ہے اس میں کوئی دلیل نہیں تھی اور دینی علوم جاننے والوں کی جو بنیاد ہوتی ہے وہ بیان نہیں کی گئی تھی۔" (ص ۳۰)

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ جہاں تک عوام اور کمیٹی کی طرف سے جو متفقہ قرار داد اور فتویٰ صادر ہوتے ہیں ان میں اختصار اور سہولت کے پیش نظر دلائل کو ذکر نہیں کیا جاتا، علماء کرام کے کئی متفقہ فتوے ہیں جن میں دلائل کو ذکر نہیں کیا گیا اس حوالے سے ہم تنہا نہیں بلکہ بہت سارے حنفیہ اور شیخین ہمارے ساتھ ہیں۔

[illegible]

[illegible]

اور علمائے کرام اور مفتیان کرام کے سامنے جو باتیں پیش کی جاتی ہیں ان میں تو دلائل کا ذکر نہیں ہوتا اکابر حضرات کے کئی متفقہ فتاویٰ ہیں جن میں دلائل کا ذکر نہیں کیا گیا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان کو دلائل کی بنیاد پر صادر نہیں کیا گیا اور تقریباً مختلف مسائل پر حضرت مفتی ... امام ... ان کا ذکر کئے بغیر ممکن ہوتا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور جب ملک کے نامور علماء کرام کی تصدیقات کے ساتھ متفقہ فتویٰ جاری ہوا تو اس کے متعلق یہ خیال کہ یہ علماء کی رائے ہے اور مجمع عام میں اس بات کی تشہیر کوئی محمود عمل نہیں قرار پائے گا، اس لئے کہ وہ علمائے کرام اور مفتیان عظام فتویٰ کی اہمیت کو خوب جانتے ہیں وہ یہ جانتے ہیں کہ فتویٰ رائے نہیں بلکہ حکم شرعی ہوتا ہے۔

علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ کا یہ فرمان ان کے سامنے ہے:

"إنما هو موقع عن الله تبارك وتعالى"

(ادب المفتی والمستفتی لابن الصلاح) ص ۷۲ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ"

امام محمد بن المنکدر رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے کوئی مفتی کیسے غافل ہو سکتا ہے

"إن العالم بين الله وبين خلقه فلينظر كيف يدخل بينهم" (بحوالہ بالا ص ۷۷)

امام سحنون رحمہ اللہ کا فرمان ہے

"أشقى الناس من باع آخرته بدنياه وأشقى منه من باع آخرته بدنيا غيره، قال فتفكرت فيمن باع آخرته بدنيا غيره فوجدته المفتي يأتيه الرجل وقد حنث في امرأته ورقيقه فيقول له، لا شيء عليك فيذهب الحانث بامرأته ورقيقه وقد باع المفتي دينه بدنيا هذا" (بحوالہ بالا ص ۸۱)

علامہ شاطبی رحمہ اللہ موافقات میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"وعلى الجملة فالمفتي مخبر عن الله تعالى كالنبي ونافذ امره في الأمة بمنشور الخلافة كالنبي ولذا سموا" أولي الأمر" وقرنت طاعتهم طاعة الله وطاعة الرسول في قوله تعالى" يايها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم" (الموافقات للشاطبی ج ۴ ص ۲۴۴-۲۴۵)

اس لئے یہ کہنا کہ یہ فتویٰ کسی غیر ذمہ دار نے جاری کیا گیا ہے پورے ملک کے علماء و مفتیان عظام کی شان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی ایک نامناسب بات ہے، مروجہ عمومی اجتماعات میں یہ کہنا اور پھر اس کی اشاعت کرنا اس سے عوام الناس میں بے چینی پیدا ہوتی ہے۔

تجزیہ و تحقیق

”مروجہ اسلامی بینکاری“ کے نام سے منظر عام پر لائی جانے والی کتاب جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کے رفقاء نے تحریر فرمائی ہے، جو سابقہ تحریرات اور تحقیقات کا خلاصہ ہے، اس میں موقف اور مضبوط دلائل کے ساتھ مروجہ اسلامی بینکاری کو غیر شرعی قرار دیا گیا ہے، بہت وضاحت اور عمدگی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، اس پر تجزیہ میں جو تبصرہ کیا گیا ہے وہ تعریف، تنقید اور اعتراف پر مشتمل ہے۔

تعریف

”یہ تحریر کسی بہت اچھے صاحب قلم کی لکھی ہوئی ہے، ان کی مضمون نگاری کا سلیقہ بہت اعلیٰ قسم کا ہے، خصوصاً اس میں بہت پختگی کے ساتھ یہ کیا ہے کہ شروع تحریر کا کافی بڑا حصہ یعنی تقریباً ڈھائی سو صفحات کی تحریر، علماء کی تعریف و توصیف پر مشتمل ہے، جو علماء اور ان کے لئے ایسے ادب اور تعظیم کا انداز اختیار کیا گیا ہے کہ بعض جگہ احتیاط کی حدیں بھی عبور ہو گئی ہیں، بہت زیادہ عبارت آرائی کی ہے“ (ص ۳۲)

تنقید

تجزیہ نگار نے شروع میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ”علماء نے مختلف تحریروں میں ”اسلامی بینکاری“ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں بعض نے ضرورت و حاجت کے تحت مختلف معاملات کو جائز قرار دیا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے مگر ان ضرورت و حاجت کے قاعدہ فقہیہ میں اس پر یہ کہنا درست ہے کہ بینکاروں نے عمل کو ان قواعد کا پابند نہیں رکھا ....“ (ص ۳۳)

ساتھ ہی یہ کہ تجزیہ نگار نے بینکاروں کے عمل میں شرعی احکام کے درست ہونے کا اعتراف کیا ہے عمل سے متعلق حقائق پیش کیا جاتا ہے۔

موقف کے مقام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں قسم کی تحریریں موجود ہیں جن بنیادوں پر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بینکاری کو حلال کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے وہ درست نہیں "مصطلحات شرعیہ" کو تو استعمال کیا گیا ہے لیکن ان کے شرعی مقتضیات کو پورا نہیں کیا گیا ہے۔

اور یہی بنیادی اشکال ہے اگر ان بنیادوں کی درستگی مان بھی لیا جائے تو اس پر عمل مدار رہا اس لئے کہ شریعہ بورڈ کی حیثیت مشیر کی ہے اور اس سے آگے اس کا تعلق نہیں اس کے پاس قوت تنفیذ ہے نہ ہی انتظامی امور میں کوئی دخل ہے۔

چنانچہ ایک شریعہ بورڈ ممبر کا اعتراف ہے: "میرا کوئی انتظامی نوعیت اور ملکیت کا تعلق نہیں، صرف ان شرعی مسائل کے حل میں شریعہ بورڈ میں ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی نگرانی بھی کرتا ہوں" (ص ۳۰)

ایک اور ممبر لکھتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ "ہم شریعہ بورڈ کا کوئی رکن بینک کا نہ مالک ہے نہ بینک کا حصہ دار ہے اور نہ بینک کے انتظامی معاملات اور عملے کے تقرر سے ہمارا کوئی تعلق؟ ہمارا کام تجارتی عقود معاملات کے بارے میں یہ دیکھنے کی حد تک محدود ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہیں یا نہیں اس کے باوجود بحیثیت مجموعی بینک کی انتظامیہ کو متنبہ کرتا رہا ہوں، جس کا کچھ اثر ظاہر بھی ہوا ہے لیکن یہ خرابی بہرحال ابھی تک موجود ہے اور اس کے ازالے کی حتی الوسع کوشش بھی ہو رہی ہے" (ص ۷۶)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ عملے کی کمی و بیشی پر اعتراض نہیں بلکہ عملے میں تو بے پردہ خواتین ہیں جو گاہکوں کو متوجہ کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

"خواتین کی بے پردگی کے سلسلے میں بھی شریعہ بورڈ کی طرف سے انتظامیہ کو متنبہ بھی کیا جا رہا ہے اور حتی الوسع کوشش بھی لیکن اس کے باوجود انتظامیہ یہ کہتی رہی کہ عورت کی جگہ مرد کو ملازم رکھ لیتی مگر یہ خرابی بہرحال اب تک موجود ہے"

سوال یہ ہے کہ عقود و معاملات کو سرانجام دینے والی انتظامیہ ہی ہے یا کوئی اور جبکہ یہاں محض شریعہ بورڈ تجویز پیش کرتے ہیں جبکہ ان کا ذکر نہیں تو عقود اور معاملات کو شریعت کے مطابق کرنے میں کیسے کامیاب ہوں گے؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

شرعی طریقے پر عمل نہ کرنے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک متفق علیہ حرام کام یعنی انعامات بغیر کسی تحقیق کے اسلامی بینک کے بورڈ کے تحت ہو رہا ہے، حالانکہ اس میں دنیاوی کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ یہ انتظامیہ جہاں حرام کام میں دنیاوی فائدہ ہو اس کو کیسے چھوڑے گی؟ انسان ظاہر کو دیکھ کر پوشیدہ امور پر استدلال کرتا ہے اگرچہ منطقی اور عقلی لحاظ سے اس میں تلازم نہ ہو، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ''من اهم اموركم عندي الصلاة فمن ضيعها فهو اضيع لغيرها'' اگرچہ یہاں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جو نماز نہ پڑھتا ہو وہ خائن بھی ہوگا اور ظالم بھی ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ انتظامیہ کی غیر شرعی ذہنیت سے معاملات اور عقود پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن کیا اسلامی بینکاری کرنے والے اور شریعہ بورڈ کی نگرانی میں کام کرنے والے بینک کو یہ زیب دیتا ہے؟

تنقید ۲

''معاشی اصطلاحات واقعے کے مطابق نہیں''

یہ تنقید جناب ڈاکٹر ارشد زمان صاحب اور شیخ الحدیث رئیس دارالافتاء جامعہ اشرفیہ حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب کی تحریر کے حوالے سے کی گئی ہے جہاں تک ڈاکٹر ارشد زمان صاحب کا تعلق ہے تو وہ پوری امت کے بجائے اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے عقیدت مندوں میں سے ہیں اور حضرت سے ان کے گہرے تعلقات ہیں چنانچہ ''معاشیات و تجارت'' کے مقدمہ میں حضرت فرماتے ہیں کہ

''چونکہ معاشیات و تجارت میرا اختصاصی موضوع نہیں اس لئے میں نے اپنے دو محترم دوستوں سے درخواست کی کہ وہ اس کی مراجعت کے لئے وقت نکالیں کہ وہ ان موضوعات کے ماہر ہیں تاکہ اگر میں کہیں غلطی کروں تو اس کی اصلاح کر دیں، ان حضرات نے ازراہ عنایت اپنا قیمتی وقت فارغ کیا، ان میں سے ایک جناب ڈاکٹر ارشد زمان صاحب ہیں جو مدت سے ملک کے ممتاز ماہرین معاشیات میں سے ہیں اور عرصہ دراز تک ہمارے دارالعلوم کراچی میں چیف اکاؤنٹنٹ کے منصب پر فائز رہے ہیں وہ ماشاء اللہ پورے کورس میں جو حضرت کی تقریر کی ریکارڈنگ جاری رہا، بیٹھیں مجلس میں موجود رہے اور متعدد مواقع پر انہوں نے حاضرین کو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

متعلقہ ربا و عشر وغیرہ بینکاری کے مختلف نظاموں کے تعارف اور مالیات عامہ کے موضوعات پر انہوں نے بہت مفید کام بھی کیا ہے (جدید معیشت و تجارت ص ۷)

ان تحریر کردہ اشکالات وغیرہ اس وقت زیر بحث نہیں البتہ اتنی بات ہے کہ کچھ عرصہ پہلے ڈاکٹر صاحب میزان بینک کا اکاؤنٹ کھولنے کے بعد جامعہ فاروقیہ کے دارالافتاء میں تشریف لائے اور ان سے مختصر نشست ہوئی جس میں انہوں نے کہا کہ آپ حضرات مجھے بتائیں کہ اکاؤنٹ تو میں نے کھلوا دیا ہے یہ شرکت ہے یا مضاربت ہے کیا ہے؟ دیکھئے کوئی پتہ نہیں دوسرے روایتی بینکوں کی طرح یہاں بھی فارم پر کیا اور کس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اکاؤنٹ کھلوانے والے اور عام شرکت و مضاربت کے تصرفات کے متعلق ہیں جبکہ یہ عام اکاؤنٹ ہولڈر تو ان کی تفاریق سے دوبارہ پڑ رہے ہیں۔

جہاں تک فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم کی تحریر کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ انہوں نے اپنی تحریر میں ان کے اشکالات کی بنیاد کسی اطلاع پر نہیں رکھی ہے بلکہ بینک سے منسلک حضرات کی تحریرات کو بنیاد بنایا ہے یہ مختصر تحریر ایسے وقیع علمی فقہی اشکالات پر مشتمل ہے جو ذہن کو سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

کسی بات سے قطع نظر یہ کہ ڈاکٹر محمد زمان کی بعض باتوں سے حضرت مفتی صاحب کی تائید ہوتی ہے یہاں اس تحریر میں اٹھائے گئے اشکالات کا حاصل اور خلاصہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ تحریر محض قیاس آرائی یا محض اعتراضات پر مبنی ہے یا ایسے حقائق پر جو ان حضرات کی کتابوں میں مرقوم و مسطور ہیں۔

(۱) شرکت و مضاربت میں جو کچھ اسلامی بینکاری نظام میں حقیقی نفع کی تعیین ناممکن ہے۔

(۲) شرکت و مضاربت کی وجہ سے تمام قیود کا التزام کرنے سے بھی لازم نہیں ہوتے ہیں۔

(۳) جس شخص کی عملاً مضاربت کا کوئی ثبوت نہیں یہاں اس کو مضارب و شریک ٹھہرایا جاتا ہے۔

(۴) جس کو وقت اکاؤنٹ کھولنے کی رضامندی کے درمیان سے شرعاً ایجاب و قبول کا تحقق نہیں ہوتا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۵) جرمانہ کی صورت سے اضافی رقم لینا ہے کسی عنوان سے لی جا رہی ہو مسئلہ کا حل نہیں بلکہ شریعت نے اس کا حل خود بتایا ہے جس کو اپنایا جائے "اگر تنگ دست ہے تو مہلت دی جائے اگر مالدار ہے تو عدالتی کاروائی کی جائے یا جو صورت ہے تو زجری اقدامات کیے جائیں۔

(۶) اس نظام میں جہاں مذہب غیر کو اختیار کیا ہے وہاں افتاء بمذہب الغیر کی شرائط مفقود ہیں۔

(۷) اجارہ منتہیہ بالتملیک صفقۃ فی صفقۃ یا المعروف کالمشروط کی وجہ سے جائز نہیں اور دیگر مفاسد اس پر مستزاد ہیں۔

(۸) اکثر تمویلات مضاربت و مشارکت جیسی ہیں ان کو آج کل جس مروجہ طریقے سے غلط اور رواج جائز نہیں۔

(۹) خرید کردہ سامان میں بھی قبضہ میں تحقیق ہے کہ اس کا کاروبار جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بہت سارے علماء ان کو اشیاء کے حقیقی حصص ہونا تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ ہونا چاہئے اسٹاک مارکیٹ کی منڈی نے اس حقیقت کے بارے میں کوئی شک نہیں چھوڑا کہ اشیاء کی قیمتیں آسمان تک پہنچی ہیں اور وہ حصص جو اشیاء کی نمائندگی کرتے ہیں محض کاغذ ہیں۔

پوچھے گئے سوالات میں سے آخری یہ ہے کہ حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب کی تحریر سے متعلق یہ کہنا کہ "وہ بعض جگہ متضاد ہے" ایسے ہیں کہ ان کو غلط اطلاع دی گئی ہے درست نہیں۔

تحریر موصوف یہ فرماتے ہیں:

جناب ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب سوال: ڈاکٹر صاحب نے ایک دفعہ ایک استفتاء بھیجا تھا مجھ سے فون کر کے انہوں نے کہا کہ میزان بینک کے کاغذات کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے کچھ اشکالات ہوئے ہیں، وضاحت آپ سے معلوم کرنے کے لئے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے معلوم ہے کہ آپ بہت مصروف ہیں آپ مجھے بھیج دیں میں ان کے سپرد کر دیتا ہوں، میں نے ان کے سپرد کر دیا اب تو میرا حافظہ بہت کمزور ہو گیا مجھے یاد بھی نہیں رہا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ تو ان کے سپرد کر دیا انہوں نے ان کے ساتھ کچھ نشستیں بھی کیں ان نشستوں کے نتیجے میں جو رپورٹ تیار ہوئی وہ میں نے ان کے "مولانا عمران اشرف" کے حوالہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کر دی تھی اس کے بعد مجھ کو کئی قریبیوں تک ان کی ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں ان کا یہ تاثر رہا کہ معاملہ حل ہو گیا بات ختم ہو گئی ۔۔۔۔ یعنی تحریری جواب واقعتہً نہیں ہوا تھا تو وہ کہیں سے ان کو مل گیا تھا اس کی بنیاد پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جو معاملات ہم نے بیان کیے ہیں غلط ہیں ۔ (ص ۳۲)

اگر اس تحریر کو شروع سے لے کر آخر تک دیکھ لیا جائے تو اس سے صاف معلوم ہوگا کہ معاملات کو قطعی طور پر دیکھے بغیر فیصلہ صرف ڈاکٹر صاحب کے سوال کو بنیاد بنا کر نہیں کیا ہے بلکہ دوسرے بہت سارے ذہنی تحفظات اور خدشات کے حوالے سے بعد میں جزئیات کو بنیاد بنا کر یہ فیصلہ کیا گیا ہے اس فیصلے کی بنیاد صرف ایک تحریر تھی جبکہ اس کی بنیاد اصل میں مروجہ غیر سودی بینک کی اساس اور رہنمائی کی حیثیت رکھنے والی کتابوں کا باریک بینی سے جائزہ اور حضرت صاحب سے مسلسل مراجعت نہ ہونا بلکہ مختلف مفتیان کرام نے اپنے اپنے فیصلے کے لئے صرف ایک سوال کو ہی بنیاد بنا رکھے ہیں ۔

تحریر نمبر ۳

مولانا احسان کلیم زید مجدہم کی توضیحی تقاریر

کچھ عرصہ پہلے جامعۃ الرشید کے حضرات نے کراچی کے علماء اتحاد کے لئے تقریروں کے ایک ایسے سلسلہ کا اہتمام کیا تھا جس میں اسلامی بینکاری کے مروجہ طریقوں کی وضاحت کی جائے ، ہمارے دار العلوم کے ایک استاد مولانا احسان کلیم صاحب نے توضیحی تقریروں کا یہ سلسلہ شاید دو ڈھائی ماہ تک جاری رکھا جس میں مولانا مفتی عبد المجید دین پوری صاحب، مولانا مفتی انعام الحق صاحب بھی اہتمام سے شریک ہوتے تھے اسی وقت جامعۃ الرشید کے منتظمین اور خود مولانا احسان کلیم صاحب نے یہ وضاحت کی کہ اس سلسلے کی تکمیل کے بعد ان میں سے جن امور پر فقہی اشکالات ہوں انہیں مرتب کر لیا جائے اور پھر ایک نشست مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ رکھ لی جائے جس میں ان اشکالات پر گفتگو ہو جائے مفتی عبد الواحد صاحب نے بھی تحریری پیغام بھی بھیجا اور بندہ نے بخوشی ایسی نشست میں شرکت کا ارادہ ظاہر کیا تھا بھی بعد میں اشکالات مرتب کیے گئے اور ساتھیوں کی نشست کا اہتمام ہوا جس کا تاثر ہوا:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حسان کلیم صاحب نے بیان کیا کہ تحقیق کی تو مذکورہ اشکالات باقی نہیں رہے۔

تحریر بھی محفوظ نہیں :

یہ بات تو درست ہے کہ حضرت مولانا حسان کلیم صاحب زید مجدہم کی توضیحی تقریروں کی مجالس میں بعض افراد نے بھرپور شرکت کی، تفصیل سامنے آنے پر جب اشکالات کا سیلاب امنڈ آیا تو حضرت مولانا حسان کلیم صاحب زید مجدہم نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو ایک طرف کر دیا کہ "میں صرف ناقل ہوں اور بس" اپنے حضرت مولانا مفتی ابو لبابہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے مداخلت فرماتے ہوئے یہ اعلان فرمایا کہ ان مجالس کو جاری رہنے دیں ان کی ویڈیو ریکارڈنگ ہو رہی ہے، یہ سلسلہ مکمل ہونے پر تفصیلی جواب سے جو اشکالات ہیں ان پر گفتگو ہوگی۔

یہ سلسلہ ختم ہونے پر جب ان حضرات سے کیسٹیں یا سی ڈیز کا مطالبہ کیا گیا تو فرمانے لگے کہ ان کو کاپی نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس دوران کے باوجود وہ تحریر ملی نہ کیسٹیں حتیٰ کہ ان سطور کی تحریر کے وقت حضرت مولانا مفتی رشید احمد رحمہ اللہ کے جانشین ابو الحسن القادری اور مولانا [illegible] کے مرتب اول جامعۃ الرشید کے مدیر حضرت مولانا [illegible] آپ آئے تو ان کی کئی بار کے مطالبہ کے باوجود کیسٹیں یا سی ڈیز حاصل نہ ہو سکیں۔

نفع کی تعیین

سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ فقہ کا اصول ہے کہ شرکت کا ہو یا مضاربت کا عقد کرتے وقت نفع کے تناسب کی تعیین تو ہم ضروری ہے اور موجودہ بینک کے نظام میں یہ تعیین ممکن نہیں کیونکہ اس وقت اصحاب اموال مجہول ہیں کہ تقسیم ربح کے وقت کتنے ہوں گے، اور جب مقسوم علیہم مجہول ہو گئے تو تناسب کا حصہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ تقسیم ربح کا قاعدہ بھی اس لئے ایسا رکھا گیا ہے اور اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تقسیم ایک علم ہے کہ ہم نے بعض ایسی ہی باتیں ہیں تو اس میں کیا اشکال ہے، اگر صرف یہ ایک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

طریقہ تقسیم ہوتا تب تو یہ صورت درست ہوتی، یہاں مبیع کا تعین بھی اسی طریقے سے ہو رہا ہے، اور ابتداء سے لے کر اب تک مبیع مجہول ہے اور جہالت مبیع کی وجہ سے مضاربت باتفاق فقہائے کرام فاسد ہو جاتی ہے۔

اکاؤنٹ ہولڈر اپنا اکاؤنٹ ختم کر کے جا رہا ہوتا ہے تو پیسہ پورے کس پر اسے نفع دیا جاتا ہے یہ حساب کر کے کہ اس کا کتنا سرمایہ ہے اور کتنے عرصے تک رہا ہے اس حساب سے نفع دے کر اسے فارغ کیا جاتا ہے جب اس طریقے پر منتقل ہوا کہ یہ وقتی ہوتی ہے جو بینکوں کی طرح کا معاملہ ہے تو پھر اس کی عجیب فقہی توجیہ بیان کی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ اس کی تخریج یوں کی کہ جب کوئی شخص بینک سے ساری رقم نکال کر جا رہا ہے تو اپنا حصہ وہ دوسرے شرکاء کو بیچ کر جا رہا ہے چنانچہ اس کے اس شراکت یا مضاربت میں موجود حصے کی جو قیمت ہے، اس کو وہ قیمت ادا کی جاتی ہے، لہٰذا جو یہ حصہ بیچ کر جا رہا ہے اس حصہ کی تعیین کے لئے باہمی رضامندی سے تعین ہوتا ہے طے کیا جا سکتا ہے۔ ([illegible])

یہاں بیع کی تخریج بھی کی جاتی ہیں، مثلاً کبھی مبیع معدوم ہے اور کبھی مبیع مجہول بھی ہوتی ہے اور اس کی جہالت بھی فاحشہ ہے مثلاً دس آدمیوں کے دس لاکھ روپے بینک کے پاس ہیں اور بینک نے مال تیار کرنے کے لئے آرڈر دیا ہے، ابھی تک وہ مال تیار نہیں ہوا اور نہ ہی اس پر کام شروع کیا ہے اور اس سے ایک اکاؤنٹ ہولڈر اپنا اکاؤنٹ ختم کر کے جا رہا ہے اب اس کا حصہ بینک نفع کے ساتھ کیسے خرید سکتا ہے یا جب سے معاملہ کیا ہے ابھی بینک نے ابھی تک اس پر قبضہ نہیں کیا تو اس غیر مقبوض مال میں تصرف کیسے کر سکتا ہے؟ خریدنے کی وجہ سے بینک اس مال کا مالک بن گیا ہے جس کا اکاؤنٹ ہولڈر مالک تھا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کیا اس حصہ کے خریدنے کی وجہ سے نفع اس بینک کا حصہ ہو جائیگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو بینک اس خریداری پر کیسے تیار ہوا اور اگر نفع کا حقدار ہو جاتا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ یہ کس بنیاد پر ہو جاتا ہے شرکت ملک کی بنیاد پر یا عقد کی بنیاد پر؟ اگر شرکت ملک کی بنیاد پر ہے تو اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس شرکت کو یہ حضرات شرکت ملک تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کو شرکت عقد کہتے ہیں اور عقد کی بنیاد اس لئے نہیں کر سکتے کہ پہلے ایک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو اب یہ تصور ہوا ہے اب مال کے بڑھنے سے اس کتاب میں اضافہ نہیں کر سکتے، اس اضافہ کی وجہ سے سابق عقد ختم ہو جاتا ہے بلکہ اس کی تجدید نہیں کی جاتی اور یکطرفہ تجدید معتبر نہیں۔

حاصل یہ کہ شرکت ختم کر کے جانے والے کو اصل رقم سے زائد رقم کے لئے یونٹ کی قیمت متعین کرنا … تجدید … عدم … کی وجہ سے ناجائز ہے۔

شخص قانونی

شخص قانونی کے لئے جب شخص حقیقی والے احکام ثابت کئے گئے اور اس کے لئے مختلف نظائر پیش کئے گئے تو ہمارے اعتراضات کے جواب میں یہ کہا گیا کہ "آپ اگر شخص قانونی کا تصور تسلیم نہ کریں تو ان تمام … (بینک، کمپنی) کو فرض کر لیں کہ وہ مضارب ہیں" (ص ۵۵)

اس پر سوال یہ کہ مضاربت کا ایک اہم شرط ہے جس کے انعقاد کے لئے ایجاب و قبول شرط ہے رب المال کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مضارب کون ہے بینک ہے یا اکاؤنٹ بینک یا بورڈ آف ڈائریکٹران یا اس کے علاوہ کوئی شخص، کسی کو مضارب قرار دینے سے عقد مضاربت صحیح نہیں ہو سکتا ہے۔ عقد کے وقت رب المال کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں عقد مضاربت کس کے ساتھ کر رہا ہوں۔

ایک صاحب شخص قانونی کو ثابت کرنے کے لئے اس طرح سے استدلال کرتے ہیں کہ

"اگر ہم نے شخص قانونی تسلیم نہ کیا اور اس بنیاد پر اس کے معاملات کو ناجائز کہا جائے تو کمپنیوں کے … ہو جائیں گے"

جیسا کہ … اگر … ہو جائے تو کیا اس کی وجہ سے جائز کہا جائے گا، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ … سود … تو اس کا یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ سود کو جائز قرار دیا جائے کیونکہ اس میں ساری کمپنیاں ملوث ہیں اور سب کمپنیوں کو حرام کہنا پڑے گا، بینک اور دوسرے کمپنیوں … ہو جاتی ہیں۔

… یہ ہے کہ … کمپنیاں … آپ کو … کام نہیں کرتی، جبکہ بینک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنے کو اسلامی بینک کہتے ہیں اسلامی بن کر کام کرتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ کمیٹیوں سے لوگوں کے معاملات اس نوعیت کے نہیں جس طرح بینکوں سے ہیں اور اگر یہ فرض کریں ان میں یہ تمام باتیں موجود ہوں تو ان کو ناجائز کہنے میں کیا تامل ہوگا۔

خروج عن المذہب کی بحث

انہوں نے تصدیق کے بارے میں کہا گیا کہ یہ خروج عن المذہب نہیں "خروج عن المذہب" اس کو کہتے ہیں کہ اپنے مذہب میں کوئی مسئلہ صریح ہو کہ یہ ناجائز ہے اور ہم اس مذہب کو چھوڑ کر مالکی یا شافعی سے مسئلہ لیں جبکہ ہمارے ہاں اس کو ناجائز کہا گیا ہو یہ "خروج عن المذہب" ہے اس کے لئے شرائط بھی ہیں اور شرائط کے ساتھ خروج عن المذہب ہو بھی سکتا ہے ایسا نہیں ہے کہ اس کا دروازہ بالکل بند ہے بلکہ شرائط کے ساتھ حاجت عامہ کے تحت دوسرے مذہب کا قول لیا بھی جا سکتا ہے (اسلامی بینکاری ص ۳۶)

تبصرہ: ایک مسئلہ اگر حنفی مسلک میں موجود نہیں تو جیسا کہ تحریر ہے اس صورت میں علامہ شامی کہتے ہیں جب حنفی مسلک میں کسی مسئلہ کی تصریح نہ ملے تو کہاں جائے؟ امام مالک کے پاس، مالکی فقہ میں تلاش کرو ایک مسئلہ دوسرے مسلک میں ہے دوسری جگہ ہے اس کے لینے میں خروج عن المذہب نہیں ہے اس قاعدے کی روشنی میں اجرت علی التصدیق کا مسئلہ خروج عن المذہب ہے یا نہیں اس کو بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔

فقہ حنفی میں یہ بات بہت صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ عقد بیع اور عقد اجارہ میں ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور جس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو اس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے اور اگر یہ شرط عقد سے پہلے یا بعد میں ہو تو بھی "المعروف کالمشروط" کی بنا پر عقد میں شامل ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ اگر بینک کو بھی اجازت دی جائے کہ ایک تیسری پارٹی کے ذریعے تصدیق کرائے تو کیا ایک عام ادارہ کو بھی اس کی اجازت ہوگی جبکہ بینک ایک منظم ادارہ ہے اس کے ساتھ دھوکہ بھی کم ہوتا ہے جبکہ ایک عام ادارہ اس سے زیادہ محتاج ہوتا ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ بینک اپنے لئے یہ ضابطہ پسند نہیں کرتا مثلاً بینک نے اگر کسی کو کار دی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیتا ہو تو معاملہ ایجاب و قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے اور وہ وعدہ وہ پورا نہ کر سکا جس سے اس آدمی کا نقصان ہو تو بینک اس بات کا پابند نہیں ہوتا، اگر وہ بروقت گاہک کو سامان فراہم نہ کر سکا تو وہ بینک فنڈ میں رقم جمع کرے گا، بلکہ یہاں تو معاملہ اس طرح ہے کہ اگر گاہک کسی وجہ سے لینے سے انکار کرے تو بینک اس مال کو مارکیٹ میں بیچتا ہے جتنا نقصان ہو جائے گاہک سے وصول کرتا ہے اس کے برعکس اگر بینک کی غفلت یا کوتاہی کی وجہ سے مال بروقت نہ پہنچ سکے یا قرض میں وہ چیز ان کو نہ دیا تو گاہک بینک سے اس نقصان کا مطالبہ نہیں کر سکتا، اس کی شرعاً کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ترتیب و پیشکش: محمد ہمایوں مغل

علماء کنونشن بابت نام نہاد اسلامی بینکاری

جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال 2 کراچی

۲۸ جون ۲۰۰۸ء بروز جمعہ جب آفتاب دنیا اپنی تمام ضو فشانیوں کو سمیٹتا ہوا مغرب کی طرف غروب ہونے جا رہا تھا تب جامعہ عربیہ احسن العلوم کی مسجد پر علوم نبوت کے آفتاب و ماہتاب طلوع ہونا شروع ہو گئے تھے اور وقتاً فوقتاً ان حضرات کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔

ان میں سب سے پہلے تشریف لانے والے جامعہ اشرفیہ لاہور کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب مدظلہ تھے جن کے استقبال کے لئے حضرت الشیخ رئیس الجامعہ دامت برکاتہم بذات خود تشریف لے گئے تھے۔ ان کے بعد جامعہ خلفاء راشدین ماری پور کے مہتمم حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب مدظلہ، شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے صدر دارالافتاء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ، جامعہ معارف اسلامیہ گلشن کے شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ شیخ صاحب مدظلہ، جامعہ فاروقیہ کے استاذ الحدیث حضرت مولانا منظور احمد مینگل صاحب مدظلہ اور مولانا مفتی کفیل احمد صاحب مدظلہ کوئٹہ سے تشریف لانے والوں میں حضرت مولانا مفتی محمد روزی خان صاحب مدظلہ اور مولانا مفتی محمد حسین صاحب مدظلہ، جامعہ اشرفیہ سکھر سے مولانا مفتی عبدالغفار صاحب دامت برکاتہم کے علاوہ بھی کئی علماء کرام و مفتیان عظام ان اجلاس میں مختلف شہروں سے شرکت کے لئے جامعہ عربیہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

احسن العلوم کراچی میں موجود تھے۔

صبح دس بجے تھے جب صدر وفاق استاذ العلماء بقیۃ السلف الصالحین شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب بارک اللہ فی حیاتہ جامعہ میں تشریف لائے۔ حضرت انتہائی خوش وخرم دکھائی دے رہے تھے۔ سب سے پہلے علماء کرام جامعہ کے وسیع وعریض کانفرنس ہال میں حضرت الشیخ رئیس الجامعہ کی معیت میں تشریف فرما تھے۔ حضرت صدر وفاق مدظلہ جب ہال میں داخل ہوئے تو تمام علماء کرام نے حضرت کا والہانہ استقبال کیا اور حضرت والا حضرت الشیخ مدظلہ کے برابر والی نشست پر تشریف فرما ہوئے۔ اب پورے ہال کی مصنوعی روشنی ان وارثان نبوت کے نورانی چہروں کی روشنی میں مدھم سی پڑ گئی تھی اور پورا ہال حقیقی روشنیوں سے منور ہو گیا تھا۔

تاریخ کے اوراق کو جب بھی ہم پلٹ کر دیکھتے ہیں تو جا بجا ہمیں ایسے حالات مل جاتے ہیں جہاں امت کو کوئی مصنوعی روشنی ملی اور جہاں جہاں ایسا ہوا وہاں علوم نبوت کے رکھوالوں نے اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہوئے عام مسلمانوں کو سیدھا راستہ بتانے اور سادہ لوح لوگوں کو اندھیروں سے علوم نبوت کی روشنی کے ذریعے نکال کر روشنی کے لئے دلیل کا کام انجام دیتے ہیں۔ آج بھی یہ علماء اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے موجودہ دور کا سب سے بڑا فتنہ "نام نہاد اسلامی بینکاری" کے نقصانات سے عام مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے جمع تھے۔

چند لمحوں کے بعد تلاوت کلام پاک سے باقاعدہ اجلاس کا آغاز ہوا۔ تلاوت کلام پاک کی سعادت جامعہ کے استاد مولوی حافظ محمد انور شاہ صاحب نے حاصل کی اور موقع کی مناسبت کو دیکھتے ہوئے قرآن کریم میں سے ان آیات کا انتخاب کیا

"وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ" (الصافات ۱۷۱)

تلاوت کے بعد ابتدائی کلمات کے طور پر حضرت الشیخ رئیس الجامعۃ العربیۃ احسن العلوم دامت برکاتہم العالیہ نے مختصر خطبہ مسنونہ سے مجلس کا آغاز کیا اور فرمایا کہ:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب مدظلہ
بانی و مہتمم جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس ذات پاک نے دین حق اور مسلک حق کے ساتھ وابستگی نصیب فرمائی، دین حق اور مسلک حق کا یہی حق ہے کہ جس دین اور جس رجحان کو صحیح سمجھا جائے بر وقت اس کی تائید اور حمایت کی جائے اور پھر ایک غلطی (جو نا اتفاقی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئی ہے) اسے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے جاری ادارہ فرمائی، اس نام نہاد بینکاری کے خلاف اظہار حق سے جنہیں یہ مجوزین ہوئے ہیں وہ مولانا کے ساتھ اور بورڈ ہیں ان سے امت کو کم از کم یہ فائدہ تو ہوا ہے کہ لوگوں کو یہ اندازہ ہو گیا کہ علماء کرام کی اکثریت اور ایک بڑی جماعت اس نام نہاد بینکاری سے مطمئن نہیں ہے بعض مسائل میں علماء میں اختلاف پیش آتے ہیں اور دونوں طرف علماء ہوں اور علماء اہل حق ہوں تو کچھ مدت کے بعد بھی اس کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے اور ان کا حل بھی ضروری ہے۔

ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ لوگوں کا نقصان ہو رہا ہے آپس کے تصادم اور تنازعہ سے۔ میں نے کہا یہ تصادم نہیں بلکہ حلال و حرام کا مسئلہ ہے؟ آپ مجھے یہ بتائیں کہ جب لوگوں کا نقصان ہو رہا ہو اس کے لئے حرام کو حلال کر دیا جائے ایسا کوئی جزئیہ چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں کہیں بھی کسی نے لکھا ہو؟ ہمارے اکابر کا اس میں اتفاق رہا ہے کہ ہر صورت میں حرام سے احتراز کیا جائے اور اس سے بچا جائے کیونکہ ہر حلال چیز کا حصول ضروری نہیں ہے جبکہ ہر حرام چیز سے بچنا فرض عین ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ جو ہمارے اکابر علماء میں سے ہیں جو جامعات کے ہیں، رسائل اور اخبارات میں ان کی تحریریں آتی ہیں، امت کے فائدہ کی ہیں اور ان کا یہ حق ہے کہ ان کا تعارف کرایا جائے اور ان کی تحریرات سے فائدہ اٹھا کر اس طریقہ کار کو چھوڑنا ہمارا اصول ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صدر وفاق المدارس حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا عبد

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجید ڈاکٹر عثمانی صاحب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے حضرت رئیس الجامعہ نے فرمایا کہ میں آپ کا اور سب حضرات کا شکر گزار ہوں کہ جامعہ احسن العلوم میں تشریف لا کر اس عاجز کو شرف بخشا، بعض حضرات نے تو مختصر اور تھوڑے سے وقت میں بڑی بشاشت قلب کے ساتھ میری دعوت قبول فرمائی، بالخصوص رئیس الفقہاء و المحدثین حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب مدظلہ اور میرے دوست اور خواجہ تاش مولانا مفتی گل حسن صاحب اور مفتی روزی خان صاحب دور دراز کا سفر کر کے تشریف لائے ہیں میں ان کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں، ان کے علاوہ اور جتنے بھی علماء کرام، مفتیان عظام جو کہ شہر کے مختلف مدارس سے تشریف لائے ہیں لائق تحسین ہیں۔

حضرت الشیخ مدظلہ کے ابتدائی کلمات کے بعد حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب مدظلہ نے اپنا بیان شروع کیا:

حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم

صدر دار الافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

اکابر علماء کرام تشریف فرما ہیں ان کے سامنے بولنا مناسب نہیں لیکن ان کے حکم کی تعمیل میں چند باتیں عرض کرتا ہوں، اسلامی بینکاری کا مسئلہ کئی سالوں سے چل رہا ہے نام نہاد اسلامی بینکاری ہے، اس پر جو کام ہوا ہے تحقیقی علمی اور مفتیانہ فتویٰ کی صورت میں جامعہ بنوری ٹاؤن سے کتاب شائع ہو چکی ہے اور حضرت مفتی صاحب نے بھی اپنا رسالہ "الاحسن خصوصی نمبر" بھی شائع کروایا، اس سے دو سال پہلے میرا فتویٰ جو چھپ کر آپ کے سامنے آیا ہے دل میں خواہش تھی کہ بڑے حضرات اس میدان میں آ جائیں اور آخر میں الحمد للہ بحوث کا سلسلہ جاری رہے یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے جامعہ میں علماء کی مجلس منعقد کرنے کا مشورہ دیا۔

حضرت نے مروجہ بینکوں کو گندگی پر مکھی بیٹھنے کا نام رکھ دیا ہے تو وہ کھانے کی چیز نہیں بنے گی مکھی بیٹھنے سے گندگی پاک نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت اقدس یادگار اسلاف مولانا سلیم اللہ خان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

صاحب مدظلہ کو اسی وقت حضرت نے اپنے ادارے میں میٹنگ بلائی، صدر وفاق کی سربراہی میں اجلاس کا ہونا بڑی برکت والی بات ہے پھر متفقہ فتویٰ جاری ہوا تو مختلف باتیں ہونے لگیں میں نے ان کا وہ فتویٰ بھی دیکھا اور یہ افسوس ہوا کہ اس میں انہوں نے مجھے بھی نشانہ بنایا ہے اور جا بجا میرا نام بھی لیا ہے۔

جب یہ صورت حال پیش آئی تو میں نے اپنے بیٹے کو میزان بینک کے تمام کاغذات اور دیگر تفصیلات حاصل کرنے کے لئے کہا اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ بعض جگہ ہم سے بھی کوئی غلطی ہوئی ہو تو میں نے اپنے بیٹے کو اس کام پر لگایا۔ کیونکہ ان کا دعویٰ اسلامی بینک کا ہے اور بڑے لوگوں کا دعویٰ ہے اس لئے فوری نتیجہ پر پہنچنا مناسب نہیں ہے یعنی معلومات پر خاموش رہنا بھی مناسب نہیں ہے، اسی میں ایک یہ اعتراض بھی سامنے آیا کہ ہم مفتی محمد تقی صاحب سے اس مسئلے میں ملنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور نہ ان کی کوئی بات سمجھنے اور نہ مذاکرے کے لئے تیار ہیں، یہ ایک فضول بات ہے جو ان کی طرف سے پھیلائی گئی ہے، میں تو ہر وقت اس مسئلے میں ملنے کے لئے تیار تھا اور ہوں اور رہوں گا، مفتی محب اللہ ہیں (گرنو غلو الے) میرے پوچھا گیا کہ آپ ملاقات میں بات نہیں چاہتے ہیں جو کہ مسئلہ حل ہو، میں نے کہا کہ میں تو اس مسئلہ میں فریق بن چکا ہوں اب بات کیسے ہوں گی؟ اور آپ بھی تو پہلے سے ہی فریق کا کردار ادا کر چکے ہیں رسالہ بھی لکھ چکے ہیں اور بہت بھی تقسیم کر چکے ہیں آپ کیسے ثالثی کی بات کرتے ہیں، مجھ سے کہا کہ ملاقات کرتے ہیں میں نے کہا کہ وہ ملاقات نہیں کریں گے اور میں نے یہ بات بار بار کہی پھر وہ ملاقات نہیں ہوئی۔ میں نے ابھی اسی بات پر میں بھی لکھتا ہے کہ میری طرف سے آج بھی اجازت ہے اور آئندہ بھی کہ مولانا مفتی تقی صاحب جب بھی بلوانا چاہے میں تیار ہوں چاہے وہ دن ہو یا رات، انہیں ہمارے مسئلے میں کوئی شبہ نہیں ہے تو ہم کیوں ملاقات سے انحراف کریں گے۔

اس کے بعد (مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب) لاہور تشریف لائے مولانا عبد الرحمن اشرفی صاحب کے سامنے مولانا نے تحفۃً بیان کیا کہ ہم کیسے کہتے ہیں کہ یہ (بینکاری) پوری مکمل طور پر اسلامی ہے مگر اسلامی نظام کی طرف ایک قدم ہے۔ میں نے مولانا عبد الرحمن اشرفی صاحب سے کہا کہ یہ معاملات ہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں تھا تو مولانا عبدالرحمن سے جو اختلافی فیصلہ ہوا ہے اور پوری وضاحت ہونا ضروری ہے، جیسے کہ ایک مٹکے پانی میں اگر ایک قطرہ پیشاب ڈال دیا جائے تو پاک ہوگیا یا ناپاک؟ مولانا عبدالرحمن صاحب نے کہا کہ شاید امام مالک رحمۃ اللہ کے فرمان پر عمل پیرا ہوتے ہیں کہ ''الماء طہور لاینجسہ شیء'' تو جواب میں میں نے کہا کہ پھر یہ اعلان کردیں تو بات صاف ہوجائے گی۔ مفتی تقی صاحب خود پیچھے ہٹ جائیں کہ یہ مسئلہ [illegible] ان کی سرپرستی نہیں کرسکتا۔ بہر حال ان ساری باتوں کے باوجود ہم ملنا چاہتے ہیں اور بات کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن واضح ہے کہ بات فقہی بنیاد پر ہوگی۔ سیاسی بنیاد پر نہیں کہ کچھ لو کچھ دو۔ اگر ان کا موقف صحیح ہے تو وہ صحیح کریں گے اور اگر ہم غلط ہیں تو ہم رجوع کریں گے۔

عجیب بات ہے کہ حضرات [illegible] کرتے ہیں کہ مصالحت کرنا چاہیے۔ بے دینی پر کیسے مصالحت ہوسکتی ہے۔ اور [illegible] آیت کہ ''واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا'' کمال ہے غلط مسئلے پر مصالحت کیسے ہوسکتی ہے۔ حبل اللہ (اللہ کی رسی) سے مراد اللہ کا دین ہے یعنی دین پر اتحاد کرو کیونکہ اتحاد دین پر ہوتا ہے یہ نہیں کہ بے دینی کو برداشت کریں اور [illegible] بے دینی برداشت کریں۔

پہلے سود کو مشارکت اور اب پاک تجارت کے نام سے بیمہ کو بھی جائز کیا ہے اس کو پہلے خود ہی ناجائز کہتے تھے۔ یہ ایک [illegible] مصیبت ہے اور یہ اس لئے کہ سارے بینک [illegible] ہوچکے ہیں اپنی بے دینی کو مزید تقویت دینے کے لئے ایک اور [illegible] کو ''تکافل'' کا نام دیا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ جب تک متبادل صورت نہ ہوا ہی بینکوں کو چلائیں گے [illegible] بیمہ کو برداشت کریں گے۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ اس وقت تک سود کا حق برداشت کریں گے جب تک [illegible] یہ [illegible] ہے کہ [illegible] کون سی مجبوری پیش آئی ہے اور اتنا بڑا کون سا مسئلہ ہے کہ جس کی وجہ سے آپ حرام کو حلال قرار دیتے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ملک وملت کے لئے نقصان دہ ہے۔

دبئی کے [illegible] کے بارے میں امریکہ پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے انہیں فارغ کردیا، لوگوں نے [illegible] سے [illegible] ملک کو [illegible] چھوڑ کر [illegible] وطن واپس آگیا۔ وہاں اقتصادی حالات دگرگوں ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

معیشت کا بیڑہ غرق کیا ہے ہماری دنیا جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب نام نہاد اسلامی بینکاری نے ہی ملک کو معاشی طور پر تباہ کر دیا ہے میرا ایک کاروباری دوست وہاں ہے اس نے مجھے مکمل تفصیل اس سلسلے میں بتائی ہے۔ جب لوگوں کو یہ کہا گیا کہ یہ سب جائز ہے تو لوگوں نے اس کا فائدہ اٹھایا۔ آج وہاں کے حالات آپ سب لوگ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔

اس کے علاوہ جو سود دیتے ہیں کاروبار کے لئے یہ بڑے بینکوں میں جمع کرتے ہیں گویا تناسب بڑھا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کاروبار میں آپ ہم پر مکمل اعتماد کریں گے۔ عجیب بات ہے جو رب المال کو کچھ بھی نہیں بتاتا وہ مضاربت پر پورا اعتماد کرے گا یہی سب سے بڑی خرابی ہے۔ اپنے توثیقی کاغذات چھپاتے ہیں۔ اگر یہ اسلام ہے تو اسلام کوئی نہیں چھپاتا اسلام کھلا دین ہے۔ لاہور کے علاقہ فیصل میں بینک ہے مجھ سے ہوا میں دوران سے ان کے کاغذات کی تفصیل مانگیں کہ آپ کے قواعد و ضوابط جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کیا ہیں۔ آپ کسی بھی بینک سے آپ حضرات خود منگوا لیں کبھی بھی نہیں دیں گے۔ کیوں جی؟ اسلامی نظام چھپانے کے لئے تو نہیں ہوتا۔ بینک کے قواعد و ضوابط کیوں نہیں دیتے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ سب دھوکہ اور فریب ہے اور کچھ نہیں سود کو اسلام کے نام سے رواج مل رہا ہے۔ یہ قابل افسوس بات ہے۔

مجھ سے کسی نے کہا کہ میں اب بھی مطمئن نہیں ہوں اس فتویٰ کے بارے میں جو آپ لوگوں نے مروجہ بینکاری کو ناجائز کہا ہے تو میں نے اس سے کہا کہ تم اگر تم اتنا تو دیکھ لو کہ 25 کے قریب شہروں کے مقتدر مفتیوں سے فتویٰ لیا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے تو یہ مشتبہ ہو گیا۔ جب ایک چیز مشتبہ ہو گئی تو ان علماء کے کہنے سے وہ جو کہ یہ جائز ہے ان کو چاہئے تھا کہ اس سے برأت کا اعلان کرتے، ایک مشتبہ کے پیچھے کیوں پڑے۔ منتظمین ان کو چاہئے تھا کہ فوراً اعلان کر دیتے کہ ہم اس مشتبہ چیز سے بچ کر رہتے ہیں، کیونکہ حدیث کے مطابق سے بچنا مشتبہ ہے جب ایک چیز مشتبہ ہے تو ایک سو اور حقیقی عالم دین کو اس مشتبہ بات سے پرہیز کرنا ہے۔ "مذکر کہ یہ تحقیق دکھانا مقصود ہے"۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں تو کہتا ہوں کہ یہ اچھا اقدام ہے کہ اس مسئلے کو زور و شور سے بڑھائیں تاکہ اسلام کے نام پر سود کی جو شکلیں رائج ہیں ان کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ یہ میرے خیالات ہیں میں اپنی بات پر ختم کرتا ہوں آپ سب حضرات بھی اس عزم کے ساتھ آگے بڑھ جائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اس کے بعد جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے صدر دار الافتاء حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوری صاحب شہید نے خطاب فرمایا (جس وقت یہ تحریر لکھی گئی اس وقت حضرت والا حیات تھے)

حضرت مولانا مفتی عبدالمجید صاحب دین پوری مدظلہ

صدر دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بعد حمد و صلوٰۃ! حضرات علمائے کرام اس سے قبل ہمارا اجتماع ہوا تھا اس میں متفقہ طور پر ایک تحریر تیار ہوئی تھی جس میں … اور اتفاق کے بعد کتابی شکل میں وہ کتاب منظر عام پر آئی۔ اگرچہ اس تحریر سے پہلے بھی ہمارا فتویٰ عدم جواز کا تھا جو ہمارے بنوری ٹاؤن کے دار الافتاء کی طرف سے فتاویٰ کی شکل میں لوگوں کے سوالات کے جواب میں شائع ہوا۔ اس پہلے والے اجتماع میں جو جامعہ فاروقیہ میں منعقد ہوا تھا اس میں وضاحت ہوگئی اور سب پر عدم جواز واضح ہو گیا۔ ان کی طرف سے جو اس سلسلے میں جواب دیا گیا اس میں بھی علمی طور پر … کوئی … نہیں دیا گیا، ہماری طرف سے اس کا بھی جواب دیا گیا ہے جس میں … مزید وضاحت کی ہے … ہمارے نزدیک اس کام کو سنبھالنے کے لئے جن جن حضرات نے بھی مختلف موضوعات پر کام کیا ہے اور اپنی تجاویز دی ہیں اس کے لئے ایک کمیٹی بنائی جائے جو ان کو جمع کرے اور پھر اس کو مکمل طور پر کسی ادارے کی نگرانی میں متفقہ طور پر شائع کیا جائے تاکہ لوگوں کے درمیان جو یہ غلط بات مشہور ہو گئی ہے کہ ان کے پاس کوئی حل نہیں ہے وہ ختم ہو جائے۔ اگرچہ ہم نے وہ کتاب جو دار العلوم سے جواباً شائع ہوئی ہے دیکھی ہے اس میں ہماری طرف سے کئے گئے کسی بھی علمی اشکال کا کوئی بھی جواب نہیں دیا گیا ہے بلکہ ایک جواب کی رسم پوری کی گئی ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجھے دو تین سال قبل سعودی عرب میں اسلامی فقہ پر ایک ورکشاپ تھی اس میں شرکت کا موقع ملا، اسلامک بینک کے مشہور مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھ سے کہا کہ اسلامی بینک کے بارے میں یہ تاثر کہ اس کی پشت پر کھڑے ہونے والے مولانا تقی صاحب ہیں یہ بات ٹھیک نہیں ہے، عالمی سطح پر صرف ان پر مدار نہیں ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ پاکستان کے اندر یہ تمام انہی کی مرہون منت ہے اور انہی کو اس کا بڑا مانا جاتا ہے۔

(حضرت مفتی صاحب نے مزید کہا کہ) انہوں نے اب یہ طریقہ کار شروع کیا ہے کہ اشتہارات دیتے ہیں کہ اجارہ، مشترکہ (اسلامی بینکاری) اور محض (عام بینکاری) کا طریقہ بھی ان کا ٹھیک نہیں ہے۔ اس کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے، میرا مشورہ یہی ہے کہ اس معاملے میں مختلف مباحث کو تقسیم کر لیا جائے پھر مختلف اداروں میں شائع کیا جائے تو یہ بات مؤثر بھی ہوگی اور اس کی اہمیت بھی بڑھ جائے گی۔

اس کے بعد جامعہ فاروقیہ کے استاذ الحدیث مولانا منظور مینگل صاحب کو ان کے خیالات کا اظہار کرنے کی دعوت دی گئی۔

مولانا منظور احمد مینگل صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

تمام علماء کے سامنے تجویزات ہیں اور اس سلسلے میں جو کتاب چھپ چکی ہے اس سے بھی بہت فائدہ ہوا ہے، سوچنے کی بات ہے کہ اس سے پہلے بھی مولانا تقی صاحب نے بے شمار کتب لکھی ہیں ہم نے ان کے جوابات بھی نہیں دیے، لیکن اس مسئلے پر ہمیں کیا ضرورت تھی قلم اٹھانے کی اگر یہ صرف معاملہ علمی ہوتا ہے کہ امت کا اس کا تعلق حضور ﷺ سے رہا ہے۔ جب علماء نے غور و فکر کی تو بات صاف ہو گئی کہ حقیقی اسلامی نظام سے ہی کوئی معاملہ نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس بینک والے مسئلے سے پہلے ایک اور مسئلے کے حوالے سے سوچا جائے اس سلسلے میں جو اس سے قبل بھی جاری کیا تھا، اب سے پہلے بھی علماء بلائے گئے تھے اس میں حضرت مہد الحدیث جامعہ کے شیخ مولانا حضرت عبداللہ رشید بھی موجود تھے۔ اجلاس تین روز تک جاری رہا ہم

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے اس پر اعتراضات بھی کئے تھے اس کے علاوہ حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب رحمہ اللہ خیر المدارس ملتان والے بھی موجود تھے وہاں ان کے اصولوں سے اتفاق نہیں ہو سکا تھا اور مفتی عبد الستار صاحب نے تو یہ قصہ اس مجلس کا بائیکاٹ کیا تھا اور بہت ناراضگی کا اظہار کیا تھا، وہاں تین دن تک گفتگو رہی تھی اور اس پر جو مسودہ تھا ہم نے بھی اعتراضات کئے تھے۔ حضرت مولانا تقی صاحب نے اس وقت ہمیں اطمینان دلایا اور ہم سے وعدہ بھی کیا تھا کہ آپ لوگ بے فکر رہیں اس سلسلے میں ہماری کوئی بھی کتاب نہیں چھپے گی، لیکن بعد میں پتہ چلا یہ وعدہ محض خانہ پوری کے لئے علماء کو بلایا تھا لوگوں کو یہ دکھاتے ہیں کہ ہم نے ان حضرات کو بلایا تھا اور ان کی تو بات نہیں مانی حاصل یہ ہے کہ فیصلہ پہلے ہی سے اپنی رائے کے مطابق کر لیا ہوتا ہے۔ تو جس تصویر والے معاملے میں بھی اسی طرح بلایا گیا، ہم دونوں کو بھی بلایا گیا تھا ایک متفق مسئلہ میں کہ آپ شاذ قول سے جواز کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ "الاختلاف یوجب التخفیف" یہی حال بینک کے معاملے میں بھی ہوا کہ ہم سب کو بلایا گیا اور وہاں ان مسائل پر گفتگو بھی ہوئی ہم نے کہا کہ حضرت مولانا ایک ایک صورت مسئلہ بتاتے جائیں اور اس پر کلام ہوتا جائے جو درست ہے وہ تو تسلیم کر لیں گے اور جو درست نہیں اس کو رد کیا جائے گا اور مولانا مفتی محمد تقی صاحب نے مولانا حسان کریم صاحب کو اس پر مقرر کیا کہ وہ اس کی تفصیل پیش کریں، انہوں نے صاف صاف ہمیں یہ بات کہی کہ میں صرف صورت مسئلہ بتا سکتا ہوں جو کچھ ہو رہا ہے بینک الاسلامی میں اس کا طریقہ یہ ہے البرکہ میں یہ ہے یا المیزان بینک میں یہاں کے کام ہو رہے ہیں اس کی تفصیل اور صورت مسئلہ بتا رہا ہوں باقی جو شرعی پہلو ہے اس پر کیا اعتراضات ہیں کیا جوابات ہیں اور شرعی پہلو سے وہ کیا ہے اور ان کے کیا جوابات ہیں میں ان کا کوئی ذمہ دار نہیں ہوں اور نہ ہی میں اس میں آپ حضرات کو کوئی چیز پیش کر سکتا ہوں۔

مولانا مفتی محمد تقی صاحب سے فرمایا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ دار العلوم کے حضرات بالخصوص مولانا مفتی محمد تقی صاحب جو تحقیق کر رہے ہیں وہ اس بات پر راضی کیا جائے یا اگر فتویٰ دیا جائے تو ان سے کہا جائے کہ ہم اس مسئلہ کو کتنا سمجھتے ہیں، سب حضرات کی مجلس ختم ہو گئی لیکن مولانا تقی صاحب اس پر راضی نہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم نے بعد میں کہا گیا کہ آپ حضرات کے جو اعتراضات ہیں اور جو اشکالات ہیں وہ لکھ کر ہمیں بھجوا دیں تو ہم نے کہا کہ جو آپ نے کارروائی کی ہے جن میٹنگوں میں اور کمیٹیوں میں وہ سارا کا سارا ہمیں دے دیں پھر ہم اپنے اعتراضات بھی لکھ دیں گے۔ آج تک وہ مطلوبہ چیزیں ہمیں نہیں ملی۔ یہ باتیں سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ یہ حوالہ بھی دیا ہے مسلم کمرشل بینک وغیرہ ہیں ان اداروں کی طرف نسبت کی گئی ہیں اور یہ کہا گیا کہ اب کوئی ایسا ادارہ نہیں ہے کہ اتفاقی مسئلہ ہے جو طے ہو چکا ہے اس پر ہمیں کیا کارروائی کرنی ہے۔

حضرت والا نے ایک بڑی اہم بات کی طرف توجہ دلائی اور وہ یہ کہ

”میں سمجھتا ہوں کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک مجلس ایسی مقرر کر لی جائے جس میں یہ ضروری ہو کہ مولانا تقی صاحب کو اس پر متوجہ کیا جائے“۔

ایک وقت مولانا منظور مینگل صاحب نے یہ بتایا کہ کچھ حضرات جیسے مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ کہتے ہیں کہ جو حضرات علماء کرام عدم جواز کہتے ہیں آخر وہ متبادل پیش کیوں نہیں کرتے ہیں جب قرآن کریم نے خود کہا ہے کہ ”وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا“ ربا کا متبادل بیع کو پیش کیا ہے تو متبادل آپ کہاں سے لاتے ہیں آپ نے بھی مضاربہ مشارکہ وغیرہ۔ یہ عوام کو سمجھایا جائے کہ بھئی اصل جو حضرت مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے پیش کیا مضاربہ مشارکہ وغیرہ اسی میں متفقین علماء کا اتفاق ہے کہ جو مضاربہ مشارکہ ہے بینک اس کے مطابق کام نہیں کر رہا ہے اور جو بینک میں ہو رہا ہے وہ مضاربہ مشارکہ ہے نہیں۔ سارا مسئلہ یہ ہے ”[illegible]“ تو آپ یہ بھی کہیں مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ بھی اسی کے مصداق ہیں۔

مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب مدظلہ

جامعہ خلفائے راشدین، ڈیفنس کراچی

حضرت والا نے شیخ کتاب کی ابتداء میں حضرت العصر شارح الترمذی حضرت مولانا بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا کہ حضرت فرماتے تھے ”آج کل جدید مسائل پر غور و فکر کرنے کا طریقہ کی بجائے ذکر کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوئے اور انفرادی رائے آتی اپنے پاس رکھے" پھر فرمایا کہ اس سلسلے میں دو ماہ پہلے میری حضرت مولانا محمد تقی صاحب مد ظلہ سے ملاقات ہوئی تھی اور میں نے حضرت سے اسی قول پر بات کی کہ حضرت آپ تو خود علماء ہیں کے ساتھ وقت گزار چکے ہیں آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں، دوسری بات میں نے ان سے یہ کی کہ علماء آپ سے بات کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ دار العلوم والے بحث ومباحثے کے لئے تیار تو ہوتے ہیں مگر صحیح حل نہیں نکالتے ہیں جو ان کو کرنا ہوتا ہے پھر میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنے مسلک کے بارے میں اپنے اصول وضوابط لکھ کر مجھے دے دیں میں دو علماء کے پاس لے جاؤں گا اور بیٹھ کر اس مسئلہ کو حل کیا جائے گا تو مولانا محمد تقی صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے ہم وہ اصول مرتب کر کے آپ کو دے دیں گے پھر میں حضرت شیخ الحدیث حضرت صدیق کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو بتایا تو انہوں نے بھی اس پر اطمینان ظاہر کیا کہ ایسا ہو جائے تو اچھا ہے لیکن تقریباً تین ماہ تک میں انتظار میں رہا اور پھر ان سے ملاقات کی اور ان کے اصول وضوابط کے بارے میں پوچھا تو مولانا تقی صاحب نے شیخ سعدی کا شعر سنایا کہ "جنگ ختم ہونے کے بعد جو مکا یاد آئے تو اپنے ہی منہ پر مار لو" اور کہا کہ اب تو میری کتاب آ رہی ہے تو میں نے کہا کہ ٹھیک ہے تو یہ تو طے ہو گیا کہ ہم گفتگو کے لئے تیار نہیں ہیں یہ بالکل غلط اور بے جا بات ہے ہم تو ہر وقت تیار ہیں ان کو راضی کیا جائے کہ وہ اس مسئلہ میں ہم سے گفتگو کر لیں تا کہ معاملہ ایک طرف ہو جائے۔

ہم علماء پر عام طور پر یہ ذمہ داری ہے کہ اس سلسلے میں اپنی استطاعت کے مطابق کام کریں، ایسے علاقائی اجتماعات کئے جائیں جن میں مذکورہ اشکال صورتوں پر بحث کی جائے اور اس کو پھر عوام میں عام کیا جائے عوام کو ملائیت کی جہالت کا پتہ نہیں ہے جب ان کے سامنے صحیح طریقے سے مسئلہ واضح کیا جائے گا اور ان کو بھی سمجھایا جائے گا کہ یہ بہت فتنہ ہو گا۔

تمام احباب سے بھی اس سلسلے میں گزارش کی جاتی ہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی اس کی بھرپور مخالفت ضروری ہے جس علاقوں میں بھی اور دوسری علاقوں میں بھی اور اس تحریک کو عام کرنا چاہئے اور کوشش

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہونی چاہئے کہ نصاب کورس کی شکل میں دو تین ماہ کا مختصر پڑھایا جائے۔

حضرت نے مزید فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ اس سلسلے میں اسلامی بینکاری کے عدم جواز کے کورس مختصر کئے جائیں جیسے کہ مولانا امین اوکاڑوی مرحوم مختلف فرقوں کے کورس پڑھایا کرتے تھے اس سے بھی بہت فائدہ ہوگا یا اس کے علاوہ ملک بھر کے جتنے بھی بڑے مدارس ہیں ان میں اس مسئلے کو دورے کی چھوٹ پر پڑھانا چاہئے اور اس کی مکمل وضاحت کرنی چاہئے کہ اس بینکاری کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اس کے علاوہ تخصص کے درجے میں بھی بینکاری کا عدم جواز پڑھانا چاہئے تاکہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائیں۔

اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب نے حسن ابدال کے ایک مدرسے میں بینکاری کے کورس پڑھانے کی بات کی اور اس میں موجودہ اسلامی بینکاری کے عدم جواز پر روشنی ڈالی۔ اجلاس میں موجود تمام علماء نے اس بات پر زور دیا کہ ملک کے مختلف علاقوں میں اس طرح کے کورسز ہونے چاہئے اور لوگ تیار کرنے چاہئے جو اس موجودہ اسلامی بینکاری سے لوگوں کو روکیں۔

مولانا مفتی محمد روزی خان صاحب مدظلہ

مدرسہ [illegible] کوئٹہ

الحمد للہ بینکاری کے سلسلے میں علماء کی بڑی کارکردگی ہمارے سامنے آگئی ہے میری مختصر عرض یہ ہے کہ کچھ وقت میں اس بات کا فیصلہ کیا گیا تھا کہ ایسے اقدامات کئے جائیں گے کہ اس نام نہاد بینکاری کا سد باب کیا جا سکے اس پر بھی عمل ہونا ضروری ہے اس سلسلے میں میری گزارش یہ ہے کہ ہمارا عوام سے رابطہ کم ہے جبکہ ہونا یہ چاہیے کہ ہم عوام کے دلوں میں اس بات کو باور کرائیں کہ یہ بینکاری خلاف اسلام ہے اور اس میں پیسے جمع کروانا جائز نہیں ہے جب عوام کی بات سمجھ میں آجائے گی تو عوام خود پیسے جمع کروانا چھوڑ دیں گے تو ان کے یہ بینک اپنے آپ ہی ختم ہو جائیں گے مجھے میرے خیال سے ان علماء کو سمجھانے کی بجائے عوام کو سمجھانا چاہئے کیونکہ علماء تو جب خود ہو آئے تھے اس کو کوئی بھی نہیں منوا سکتا۔

اس سلسلے میں مختلف اوقات میں پمفلٹ چھپوا کر عوام میں تقسیم کرنے ہوں گے، مہینے کے چار

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مشوروں میں سے ایک یہ ہے کہ ان تمام نام نہاد بینکاری کے رد میں پڑھایا جائے، ان کی کتب کے جوابات بھی دیے جائیں، بقدر استطاعت اور بقدر ہمت اس کا عدم جواز چھاپا جائے، ہر اعتبار سے ان کا تعاقب کرنا ہوگا تحریری بھی اور تقریری بھی، اخبارات میں بھی اشتہارات دیے جائیں جیسے وہ دیتے ہیں کہ "خالص اسلامی بینک" ہمیں بھی اشتہارات دینے چاہئیں کہ "خالص غیر اسلامی بینک اور سودی نظام"

مولانا مفتی محمد گل حسن صاحب مدظلہ

[illegible]

حضرت والا نے دو چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ "ہمیں چاہئے کہ ان تمام نام نہاد اسلامی بینکاری کو ہر صورت بند کیا جائے اور جو بھی کتب اس کے حق میں لکھی گئی ہیں ان کا جواب دیا جائے" باقی حضرت والا نے فرمایا کہ "حضرات اکابر علماء کرام جو بھی کام لگانا چاہیں ہم تیار ہیں اور اس سے ہمارا وقت بھی قیمتی بن جائے گا۔"

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ شیخ صاحب مدظلہ

مہتمم جامعہ اسلامیہ کلفٹن

آنجناب نے اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح کیا کہ

سب سے پہلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں ایسے علاقے ہیں جہاں بینکوں کے بڑے مراکز ہیں، بحمد اللہ ہمارے علماء کرام نے جو تحقیقی فتویٰ جاری کیا ہے، نام نہاد اسلامی بینکاری شائع کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بینکوں کی آمدنی میں کمی ہو رہی ہے، بہت سے لوگ ان بینکوں سے اپنی رقوم نکال رہے ہیں، ہماری تحقیق کے مطابق ہمارے فتویٰ کا بڑا فائدہ ہوا ہے، اس سلسلے میں اگلا ایک قدم یہ بھی بڑھانا ہوگا کہ ہمیں عوام اور دیگر حضرات کو پریس کانفرنس کے ذریعے اس کے بارے میں آگاہ کرنا ہوگا، اس سلسلے میں ایک مشترکہ پریس کانفرنس کا انعقاد ہو جس میں ان کی تبدیل کردہ باتوں کے بارے میں وضاحت کی جائے جو کہ وہ اپنی کتابوں میں خود ان اسلامی بینکوں کے بارے میں خدشات ظاہر کر چکے ہیں اور اخبارات اور مختلف

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دعا کی ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی بھی اس کی عام اشاعت کرنی ہوگی اور بھی جو اقدامات اس سلسلے کے ہیں ان کو کرنا ہوگا۔ حضرت مولانا تقی صاحب خود اپنی کتابوں میں اس بات کو تسلیم کرچکے ہیں کہ یہ نظام مکمل اسلامی نہیں ہے اور یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے۔

مرابحہ کے سلسلے میں بھی انہوں نے اپنی ہی کتاب میں اس کو غلط قرار دیا ہے

خود فرماتے ہیں کہ جب یہ قسمیں ہیں تو ہم اس کو

(۱) بیع پر محمول کریں : یہ بھی غلط ہے یہ بیع نہیں ہو سکتی

(۲) قرض حسنہ پر محمول کریں : خود فرماتے ہیں کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا

(۳) صرف تعریف پر محمول کریں : تو فرمایا کہ تعریف پر تو جب ہی محمول ہو سکتا ہے جب شخص قانونی ہو اور شخص قانونی کا تو کوئی وجود ہے ہی نہیں۔ یہ تمام باتیں وہ اپنی ہی کتاب میں لکھ چکے ہیں بعد میں نہ جانے کیوں ان کے تائید ہوگئے ہیں۔ میں نے خود مفتی تقی صاحب کو فون کرکے کہا کہ یہ غلط راستہ کیوں اختیار کیا جارہا ہے یہ کیا ہو رہا ہے تو انہوں نے فون پر بات کرنے سے انکار کردیا۔ ہم نے کہا کہ ہم حاضر ہیں جب کہیں جہاں کہیں پہ بھی سمجھا دیں ہم ہماری بات سن لیں لیکن وہ اس پر بھی راضی نہیں ہوئے۔

جہاں تک بات متبادل کی ہے تو ہم نے دس برس پہلے ہی متبادل پیش کیا تھا اور اب بھی کرتے ہیں بھی جو حضرات ان متبادل کو صرف وہم استعمال کرتے ہیں اور اس کی آڑ میں کرتے وہی ہیں جو ان کو کرنا ہوتا ہے مرابحہ کے سلسلے میں بھی ہوتا ہے تحقیق ہے اگر کوئی بات غلط ہوا ہو تو ہمیں چاہئے کہ ہم خوب کھل کر اسے بیان کریں اور میڈیا پر بھی اس بات کو دیکھا گیا کیونکہ میڈیا پر اب تک عدم جواز بیان نہیں ہوا ہے جب یہ ہوگا تو دنیا کو پتہ چل جائے گا کہ ہم کوئی ذمہ دار تھوڑی ہیں ہم نے تو متبادل کی نشاندہی کردی ہے اور خوب کردی اب بھی جس کا فقدان ہے کہ یہ چلتا ہے جو وہ چلے اور بڑھتا چلا جائے۔

مزید مفتی حبیب اللہ شیخ صاحب نے حضرت الشیخ رحمہ جامعہ احسن العلوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سلسلے میں ان کی ملاقات کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے مسلسل روایت پہنچی ہے کہ حضرت تقریباً

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہر جگہ میں مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بینکاری غیر اسلامی ہے، غلط ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

اس کے بعد شیخ الحدیث حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ نے فرمایا کہ یہ ایک بہت ضروری کام ہے کہ تمام مفتیان کرام ایک جگہ اس مسئلہ پر ضرور بیٹھ جائیں، جس طرح ہم بدعات کا رد کرتے ہیں، باطل کا رد کرتے ہیں اور منکرین الحدیث اور منکرات کا رد کرتے ہیں تو اس نام نہاد بینکاری کا بھی مکمل رد کرنا چاہئے کیونکہ یہ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ بن گیا ہے اور وقت پر فتنہ کا علاج اور اس کا رد کرنا علماء کرام کے فرائض منصبی میں سے ہے۔ دوسری بات یہ بھی بہت مفید ہے کہ جیسے مفتی احمد ممتاز نے اس کا حسن ابدال میں کام شروع کیا ہے اس طرح کے کام ملک بھر میں منعقد ہونے چاہئے اور لوگوں کو اس مسئلے سے بھرپور طریقے سے آگاہ کرنا چاہئے۔

مزید حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب نے فرمایا کہ ہمیں اپنے طلبہ کو بھی اس پر تیار کرنا چاہئے اور یہ مسئلہ ان کو نہ صرف تحقیق کرنی چاہئے، چنانچہ میں نے ترمذی کے گھنٹے میں طلبہ کو اس کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کیا اس کا بہت فائدہ ہوا۔ اسی طرح ان کو متبادل کا بھی سمجھایا جائے کہ یہ مشارکہ مضاربہ، شرکت وغیرہ متبادل ہے لیکن آپ نے اس کو مسخ کر دیا ہے۔ مفتی سیف اللہ صاحب اکوڑہ خٹک کے صدر مفتی ہیں ان سے کسی نے پوچھا کہ اس کا متبادل نظام کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس متبادل نظام "ہدایہ آخرین" ہے آپ ہمیں کوئی راستہ تو دے کہ ہم آپ کو یہ سمجھائیں کہ اسلامی بینکاری ان اصولوں پر عمل کر سکتی ہے۔

اس کے بعد حسن ابدال جامعہ شافعی الاسلام سے تشریف لائے ہوئے مولانا مفتی تاج الدین ربانی صاحب نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ

مولانا مفتی تاج الدین ربانی صاحب

جامعہ شافعی الاسلام حسن ابدال

الحمد للہ مجھے بڑی خوشی ہے کہ ان شیوخ اور اکابر علماء کے سامنے موقع ملا، میں چند گزارشات عرض کرتا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوں اور ہو رہی گے تو اس سے وہاں مفتی محمود الحق صاحب کا جامعہ ہے جامعہ معارف القرآن وہاں مفتی احمد ممتاز صاحب کو بلایا گیا تھا اور اسی عنوان پر بیان ہوا تھا وہاں پر وہ قریب قریب تخصص میں چھوٹے چھوٹے اور دونوں جگہ جامعۃ الرشید کا نصاب پڑھایا جا رہا ہے اور ان کے نصاب میں یا اسلامی بینکاری کی کتب ہیں تو جب عدم جواز کا فتویٰ آیا تو ہم نے کہا کہ ہم کوئی بھی رائے قائم نہیں کریں گے تو جب بنوری ٹاؤن کی کتاب آئی تو ہم نے سوچا کہ اب دونوں پڑھائی جائیں گی۔ اس سلسلے میں پی ایچ ڈی نے دونوں طرف بٹھا کر سوال و جواب کی نشست قائم کی تو دونوں بار وہ حضرات ہی غالب آئے۔

مجھے چاہئے کہ ہم اپنے نصاب میں اسلامی بینکنگ کے عدم جواز کے کورسز کروا دیں کیونکہ یہ معاملہ حلال و حرام کا ہے اور بہت نازک مسئلہ ہے۔ مفتی احمد ممتاز صاحب بینکنگ کا مختصر کورس حسن ابدال میں کرواتے ہیں اس میں انہوں نے جو سوالات تیار کئے ہیں میرے خیال میں اگر ان پر بحث کی جائے اور دونوں طرف سے بات کو دیکھے جائیں تو اس کا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے۔

مولانا مفتی سمیع اللہ صاحب مدظلہ

دارالعلوم [illegible] کراچی

حضرت والا نے اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح کیا

"کہنا تو بہت کچھ ہے سامنے آ ہی گئی ہیں میں صرف دو تین عرض کروں گا ایک مولانا تقی صاحب کی کتاب کے حوالے سے اور دوسری انہوں نے جو لاہور میں خطاب فرمایا اس کے حوالے سے تو گزارش یہ ہے کہ جو دونوں جگہ بیان میں گفتگو تھی خلاف واقعہ تھی جس کے شاہد ہم میں سے اکثر ساتھی ہیں جو یہاں موجود ہیں مفتی صاحب نے جامعۃ الرشید کی بات انہوں نے پیش کی وہ بھی خلاف واقعہ تھی۔ اسی طرح فلاں کے بارے میں جو ذکر انہوں نے کتاب میں کیا ہے وہ بھی خلاف واقعہ ہے۔ اسی طرح ان کے خطاب لاہور کا جواب بھی ہم مرتب کر کے تقسیم کر چکے ہیں۔ بنوری ٹاؤن کے فتویٰ کا انہوں نے جو رد کیا ہے اس کا بھی ہم نے جواب دیا ہے اس میں مولانا تقی صاحب کی کتاب پر بھی چیدہ چیدہ اختلافات

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تحفظ ان پر بھی ہم نے کام کیا ہے اور وہ بھی تیار ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ حضرات کی طرف سے جامعہ قاسمیہ کے دارالافتاء پر جو بھی ذمہ داری ہوگی ہم اس کے لئے تیار ہیں۔

آخر میں صدر مجلس وصدر وفاق نے ختام مجلس کے طور پر اپنے گراں قدر ارشادات گرامی سے نوازا جو حسب ذیل ہے

صدر وفاق شیخ الحدیث فقیہ العصر حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

بانی و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

میں اس سلسلے میں آپ تمام حضرات کا مشکور ہوں اور بعض وعدہ کرتا ہوں باقی فتویٰ کے اعتبار سے تمام مفتی حضرات اور حکم کے بعد دارالافتاؤں نے بھی اپنی آراء کا اظہار کر دیا ہے میں ان سب کی تحریر کی حمایت کرتا ہوں اور ان کی اس کاوش کو بھی سراہتا ہوں۔

مزید حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

میں بھی چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر نائیک کی کتاب کا جواب چونکہ انہوں نے لکھا تھا، اس لئے یہ تحفظ بھی نائیک پر ہی لازم ہے کہ ان کی کتاب کا جواب دیں مزید اداروں سے بھی جوابات دیے جائیں گے اور کتب بھی لکھی جائیں گی لیکن اولاً ضروری ہے کہ خود ہی نائیک سے جواب آئے اور یہ بات بھی ہو اس لئے کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مفتی عبدالمجید صاحب کا ان مسائل میں جتنا درک ہے اور جتنا ان کا مطالعہ ان مسائل میں ہے وہ اور کسی کا نہیں ہے اور میں انہی کو اس کا اہل سمجھتا ہوں کہ وہ اس کا جواب لکھیں۔

حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ:

اس مسئلہ میں اس لئے بھی فتویٰ دینے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی ڈرنے کی ضرورت ہے کہ ہم سے کچھ لوگ بھی ان کی شخصیت سے مرعوب ہیں اور دارالعلوم کی اہمیت کے پیش نظر بھی مرعوبیت کا شکار ہیں جو لوگ ... جیسے جھول ہوتا ہے جب آپ اس کو جاتے ہیں تو آواز دور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تک جو بات ہے قدرت سے وہ کبھی خالی ہوتا ہے میرا یہ ذاتی تجربہ ہے میں دس سال دارالعلوم کراچی میں رہا ہوں کوئی دوسری بات کا تجربہ نہیں ہے ان کی باتوں اور موقف پر قوت نہ ہی اب ہے اور نہ ہی پہلے ہوتی تھی میں سب کچھ دیکھ چکا ہوں اور سب کچھ خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ الحمدللہ ہمارا موقف واضح ہے اور ملک بھر کے مفتی حضرات اور دارالافتاء ہمارے ساتھ ہیں ان شاء اللہ جامعہ فاروقیہ سے بھی مستقل طور پر مروجہ اسلامی بینکاری کے رد میں کتاب تیار کی جارہی ہے جو کہ تفصیلی طرز تحقیق میں ہے اور عنقریب سامنے آجائے گی۔ میں نے اس سلسلہ میں مولانا منظور مینگل اور مفتی کفیل کو ہدایات دے رکھی ہیں اور وہ اس پر کام بھی کر چکے ہیں باقی جہاں تک پریس کانفرنس کا تعلق ہے وہ بھی ہونی چاہیے اور ضرور ہونی چاہیے۔

حضرت والا نے اس تجویز کو بھی سراہتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

ملک کے مختلف طرف جیسے فیصل آباد میں، لاہور میں، پشاور میں اور اسی طرح سے دوسرے شہروں میں بھی اس بینکاری کے بارے میں کورس بھی منعقد ہونے چاہییں تاکہ تمام مسلمانوں میں یہ مسئلہ عام ہو جائے کہ یہ بینکاری جسے اسلامی بینکاری کہا گیا ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تو سودی بینکاری ہے وہ اقدام ہے اسی طرح پریس کانفرنس کا اقدام بھی ایک اچھا اقدام ہے۔

مجلس کے آخر میں تمام تجاویز پر نظر ثانی کی گئی اور تمام شرکاء مجلس نے ان تجاویز پر مکمل درآمد کا یقین دلایا۔ مجلس یہ اقدامات عصر تک جاری رہی اور آخر میں حضرت صدر وفاق مدظلہ نے دعا فرمائی۔

خلاصۂ کلام

علماء کی مشاورت مروجہ اسلامی بینکاری میں علماء کرام اور مفتیان عظام نے اپنی اپنی آراء کا تجزیہ کیا اور بہت ساری باتیں بھی سامنے آگئیں اور بہت سارے اہم فیصلے ہوئے جن کو ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں تاکہ مجلس کا نتیجہ اور تجزیہ سب کے سامنے آجائے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۱) مختصر طور پر اس بات پر فیصلہ کیا گیا کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب کا جو مفصل جواب تحریر کیا گیا ہے اس کو بلا تاخیر منصۂ شہود پر لایا جائے گا۔

(۲) مروجہ اسلامی بینکاری کے سلسلے میں ملک بھر کے مختلف مدارس میں ورکشاپ قائم کی جائیں گی اور تحریری مقالہ پیش کیا جائے گا۔

(۳) مدارس دینیہ کے حضرات اپنے اپنے درجات میں اپنے طلباء کو اس مسئلہ سے آگاہ فرمائیں گے اور باقاعدہ اس کے لئے اوقات متعین کئے جائیں گے۔

(۴) ملک بھر کے مدارس کے سالانہ جلسوں میں اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا جائے اور اس سلسلے میں تمام رسالوں میں یہ متفقہ فتویٰ چھاپے جائیں گے۔

(۵) مروجہ اسلامی بینکاری کے سلسلے میں علماء کرام اپنے منبر و محراب سے مہینے میں ایک جمعہ مکمل طور پر اس کے عدم جواز کے سلسلے میں وقف فرمائیں گے۔

(۶) ایک وسیع قسم کی پریس کانفرنس کا انعقاد کیا جائے گا جس میں اس بینکاری کو جائز کہنے والوں کے حوالہ جات کے تضادات واضح کئے جائیں گے کیونکہ انہوں نے خود ہی اپنی مختلف تحریرات میں اس نظام کے بارے میں جو تحفظات کا اظہار کیا ہے اور عملاً ان کے قائل نہیں رہتے ہیں، اس بات سے عوام کو مکمل طور پر آگاہ کیا جائے گا۔

(۷) اس متفقہ فتوے کو بڑے پیمانے پر اس سلسلے میں چھپوا کر عوام میں تقسیم کئے جائیں گے تاکہ جو سادہ لوح عوام ہیں ان کو اس سلسلے میں آگہی ہو جائے۔

(۸) وکلاء و محققین حضرات کو اس سلسلے میں تیار کیا جائے گا کہ وہ مروجہ اسلامی بینکاری کے عدم جواز کے تحقیقی پہلو سامنے لائیں اور اشکالات کا جواب دیں۔

(۹) ملک بھر میں علماء کرام کے علاوہ اخبارات و رسائل میں اشتہارات کا سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ عوام کو پتہ چل سکے کہ یہ بینکاری اسلامی نہیں ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۱۰) انہی علماء و مفتی حضرات نے بھی اس سلسلے میں مواد جمع کیا ہے اور مزید کام کیا ہے وہ سب اسے اپنے اپنے طور پر اپنے اداروں سے کتابی شکل میں چھپائیں گے۔

"تلک عشرۃ کاملۃ"

ایک اہم اعلان

ہم سودی بینکوں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ "اسلامی نظام" کی اصطلاحات ہمیں بتائیں جو کہ آپ نے کس وجہ سے صحیح ناموں رکھی گئی ہیں، کیونکہ اسلام میں کوئی بھی چیز دھوکہ اور ملمع سازی نہیں۔ چنانچہ جب آپ اسلامی بینک ہونے کے دعویدار ہیں تو آپ کی ہر چیز کی طرح صاف اور شفاف ہونی چاہیے۔ ہمارا مطالبہ یہ بھی ان چیزوں کو سامنے رکھیں ورنہ لازماً "دال میں کچھ کالا ہے"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مروجہ اسلامی بینکاری

تجزیاتی مطالعہ، شرعی جائزہ، فقہی نقد و تبصرہ

از جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

مروجہ اسلامی بینکاری کے سلسلے میں منعقد ہونے والے متعدد نشستوں کے بعد پاکستان کے تمام علماء حضرات اور مفتیان کرام کی باہمی مشاورت کی روشنی میں تیار ہونے والا مسودہ جس پر کل پاکستان کے مفتی حضرات اور علماء کرام کے دستخط موجود ہیں، قارئین کرام کے سامنے پیش خدمت ہے۔

حضرت الشیخ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے حکم پر اصل مجموعہ کو جوں کا توں بغیر کسی ترمیم اور تبدیلی کے ہم ماہنامہ الاحسن کے صفحات کی زینت بنانے میں خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے یہ مسودہ کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے لیکن ہم افادۂ عام کے لئے تاکہ پاکستان کے کونے کونے میں پیغام پہنچ جائے اسے ماہنامہ الاحسن میں شائع کر رہے ہیں۔

جس وقت سے مروجہ اسلامی بینکاری وجود میں آئی اسی وقت سے حضرت الشیخ نے اس (فتنہ) کو اپنی بصیرت کی نگاہوں سے بھانپ لیا تھا اور اسی وقت سے ہی کہ آپ اس میں لگے ہوئے تھے اگرچہ اس کی تصنیف سے ہو گئی ہو۔

مدتے در مثنوی تاخیر شد فرصتے باید کہ تا خون شیر شد

محمد ہمایوں مغل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

اما بعد : فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

"واحل اللہ البیع وحرم الربوا" (سورۃ البقرۃ آیت ۲٧۵)

وعنہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لا ترتکبوا ما ارتکبت الیہود فتستحلوا محارم اللہ بادنی الحیل (اعلام الموقعین ۳/۱٦۰ طبع دار الکتب بیروت، ابطال الحیل لابن بطۃ ص ۴٧ بحوالہ موسوعۃ اطراف الحدیث ٧/۱۰۰ ط دار الفکر بیروت)

سود اور بیع کا تقابل :

حق تعالیٰ شانہ نے "ربو" کو حرام قرار دیا اور دین کے جائز متبادل بلکہ نعم البدل کے طور پر "بیع" کو حلال قرار دیا۔ "بیع" دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان باہمی رضامندی سے خرید و فروخت کا نام ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو فروخت کرنے والے دو یا دو سے زیادہ افراد ہوں، اسی طرح خریدنے والے بھی متعدد ہو سکتے ہیں (یعنی اسلام میں بیع و شراء کے اندر فریقین دو فرد اور دو جماعتیں بھی ہو سکتی ہیں) جسے مشترکہ کاروباری طبقے (Joint commercial enterprises) سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مشترکہ کاروباری طبقے کی شریعت میں دو شکلیں بیان کی گئی ہیں،

"ایک "شرکت" اور دوسری "مضاربت""

مشترکہ کاروبار کی شکلیں اور مروجہ اسلامی بینکاری:

مروجہ اسلامی بینکاری میں مشترکہ کاروبار کی شکلیں اور اصطلاحیں رواجی بینکوں نے بھی متعارف کروائی ہیں اور انہیں خوب منافع بخش بھی ثابت کیا جا رہا ہے، یہاں تک کہ تجارتی بازار پر بھی بینک کا اثر و رسوخ اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بینک کی حیثیت عملاً سودی ہی ہے۔

یہ درست ہے کہ اسلامی بینک خالص سودی بنیادوں پر کام کرتا ہے۔ ہمارا معاشرہ اندرونِ طبقہ اور تاجر پیشہ مسلمان بھی کی وجہ سے اضطراری یا مجبوری میں سودی بینک کے ساتھ معاملات کر رہے ہیں، ایسے لوگوں کو سودی معاملات سے نجات دلانے یا سود سے متبادل نظام مہیا کرنے کے لئے اگر "شرکت اور مضاربت" کی بنیاد پر اسلامی بینکاری کے قیام کی کوشش کی جائے تو کیا یہ ممکن ہے یا نہیں؟

جہاں تک صحیح اسلامی بنیادوں پر اسلامی بینکاری کے قیام کے لئے نیک جذبات اور کوششوں کا تعلق ہے، ان کے محمود و مطلوب اور قابلِ ستائش ہونے میں ذرہ بھر شبہ نہیں کیا جا سکتا، بالخصوص جب کہ ان کوششوں کے پیچھے ہمارے ہی جیسے اہلِ علم اور اصحابِ تقویٰ و فتویٰ کی رہنمائی ہو، البتہ جہاں تک "شرکت اور مضاربت" کی بنیاد پر اسلامی بینکاری کے قیام کے امکانات کا تعلق ہے، اس پہلو سے کلام کی گنجائش ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ یہ ہم اس بات پر سب متفق ہیں کہ مروجہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی "بینکنگ" میں "شرکت و مضاربت" کی بنیاد پر کسی تمویلی نظام کی تشکیل و ترویج ممکن نہ تھی، مشکل اور دشوار ضرور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری نظام کو صرف اپنی حقیقی اور شرعی بنیادوں (مشارکہ و مضاربہ) پر قائم کرنے کی بجائے "مرابحہ، اجارہ" کے نام سے دو ایسے حیلوں کو بھی مروجہ اسلامی بینکاری کی تمویلی بنیادوں میں شامل کر دیا جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے قطعاً اصل اسلامی تمویلی طریقے نہیں تھے۔

لیکن "مرابحہ" نام ہے معروف بیع کا اور "اجارہ" نام ہے معلوم و متعین اُجرت پر "اجارہ" اور "مرابحہ" کو اس لئے اختیار کیا گیا کہ "بینکنگ" کے مطابق ان میں سہولت ہے، اور غرض یہ ہے کہ صارف جو سودی بینک کو سود (ربا) کی مد میں جو رقم ادا کرتا تھی، "اسلامی بینک" کو "مرابحہ" کے نتیجے کے ذریعہ اسلامی بینک کے "نفع" (Profit) کے نام سے ادا کرے، اور سودی بینک "لیزنگ" (Leasing) کے نام پر اپنے گاہک کو جو خدمات (Services) مہیا کرتا ہے اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"لیزنگ" کو سودی قرض کی جگہ ذریعہ آمدن بنایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ گہری مناسبت ومشابہت رکھنے والا ذریعہ یہ معاہدہ مضاربہ (معاہدہ اجارہ) ہے۔ لہذا روایتی بینک کے "لیزنگ سسٹم" کی جگہ "اسلامی بینک" کو اجارہ کا حیلہ دیا جائے تاکہ وہ اپنے گاہک کو وہ سہولیات فراہم کر سکے جو روایتی بینک اپنے "لیزر" کو دے رہا ہے اور اس میں منافع بھی کما رہا ہے۔ ان دو حیلوں کی اولین افادیت یہ ہوگی کہ اسلامی بینک بینکنگ کی دوڑ میں شامل ہو سکے گا اور جوں ہی اسلامی بینک اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے گا وہ ان عارضی حیلوں (Ordinary Leagal device) سے بھی جان چھڑا لے گا اور صرف اپنی اصل بنیادوں "شرکت ومضاربت" پر کام کرنے لگے گا۔

مروجہ اسلامی بینکوں کی کارکردگی

مگر ہمارے اسلامی بینکوں کی اب تک کی کارکردگی کا اگر منصفانہ تجزیہ کیا جائے تو وہ اپنی اصل شرعی بنیادوں کی طرف قدم بڑھانے کی بجائے ان عارضی حیلوں پر انحصار کیے ہوئے ہیں بلکہ اصل تمویلی طریقہ (Mode of Financing) ہی اجارہ و مرابحہ کے حیلے کو بنایا ہوا ہے۔ یہ صرف ہمارے بینکاروں کا تصور نہیں بلکہ ہمارے محقق نوجوان اسلامی بینکار ان سے بڑھ کر ان حیلوں کو اسلامی بینکاری کی حقیقی اور اصلی بنیادیں بنانے کے لیے انتھک کوشش فرما رہے ہیں۔ اگر ہم مرابحہ اور اجارہ کو اسلامی بینکاری کی حقیقی بنیادیں تسلیم کر لیں (العیاذ باللہ) تو ان ساتھیوں کی تاویلوں اور دعاوی کو حق اور بجا تسلیم کرنا ہوگا، مروجہ اسلامی بینکوں کے قابلِ عمل کی رعایت کرتے ہوئے مروجہ اسلامی بینکوں کو اسلامی بینک کہہ دینے میں حرج نہیں بلکہ یہ انصاف اور دیانت کا تقاضا ہوگا۔

مروجہ اسلامی بینکاری اور علماء کرام:

جیسا کہ مروجہ اسلامی بینکوں نے مستقل تمویلی طریقہ (Mode of Financenig) اور ذریعہ تجارت "اجارہ و مرابحہ" کے حیلوں کو بنا رکھا ہے، جو روایتی بینک کے سودی طریقہ کار کی افادیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے اختیار کیا گیا تھا، حیلوں کے فرق اور ناموں کے تغیر "روایتی بینک" اور "اسلامی

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

چنانچہ ان کے درمیان واضح فرق معلوم نہ ہوسکنے کی وجہ سے عوام اور خواص کی کثیر تعداد اندرون ملک و بیرون ملک بے حد تشویش اور اضطراب میں مبتلا ہے، بالخصوص علماء حق سے وابستہ طبقہ بے حد پریشانی سے دوچار ہے۔ اس طبقہ کی پریشانی میں اس وقت مزید اضافہ ہوجاتا ہے جب وہ اپنے کسی بھی معتمد دارالافتاء سے استفسار کرتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کا کیا حکم ہے؟ ان بینکوں میں رقم لگانا اور نفع خوری جائز ہے یا ناجائز ہے؟ جو ہوتے ہیں کہ جن بزرگوں اور کچھ دینی اداروں سے لگا ہے یہ تشویش کن جواب ملتا ہے کہ ہمیں اس نظام کے موافق شرع ہونے پر اطمینان نہیں ہے۔ ایسے مستفتی کو دو قسم کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک یہ کہ اپنے ہی مسلک کے اہل علم کی رائے میں اتنا تفاوت اور بُعد کیوں ہے؟ دوسرے یہ کہ جن بینکوں اور معاملات کو اختیار کرتے ہوئے عوام اس لئے گھبراتے ہیں کہ انہیں ظاہری صورتحال سے ناجائز ہونے کا شبہ ہوتا ہے، آخر کیا وجہ ہے کہ چند علماء کرام انہیں بلاتردد جائز فرما رہے ہیں؟ ان علماء کو ان معاملات کے جائز ہونے میں یہ شبہات یا وہ شبہ کیوں نہیں فرماتے؟

علماء حق کے بعض عقیدت مند لوگ اس تشویش اور پریشانی کے عالم میں اپنے ان علماء کرام سے بھی ناراضگی اور شکایت کا پرزور انداز میں اظہار کرنے لگے ہیں جو علماء کرام اسلامی بینکاری پر اپنا موقف صرف "عدم اطمینان" کے الفاظ کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔ ان لوگوں کا یہ شکوہ اور اظہار ناراضگی اس لئے بھی ہوا کہ ایسے موقف کے بیان میں عدم اطمینان کے لفظ پر اکتفا کرنے سے دو طرح کی خرابیاں پیدا ہورہی تھیں۔

ایک یہ کہ بینک کے طرف داروں کی طرف سے کھلے عام یہ تاثر دیا جارہا تھا کہ جو حضرات اسلامی بینکاری پر عدم اطمینان کا اظہار کررہے ہیں انہیں حقیقت حال کا ادراک ہی نہیں، حالانکہ ان (عدم اطمینان) سے مقصود اپنا مضبوط موقف دیانت و مصلحت دونوں پر مبنی تھا، جس کی تفصیل آخر میں اس سوال کے جواب میں آئے گی۔

دوسری خرابی یہ پیدا ہورہی تھی کہ جو اہل علم اسلامی بینکاری سے منسلک نہیں ہیں اور وہ عدم اطمینان کی وجہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سے مروجہ اسلامی بینکوں کے بارے میں مصلحت و حکمت کے تحت خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ بینکار طبقہ ان کی خاموشی کو اپنے حق میں خاموش تائید سمجھتا اور باور کراتا تھا، جس سے یہ تاثر عام کرنے میں مدد حاصل کی جارہی تھی کہ مروجہ اسلامی بینکاری بالکلیہ اور بالاتفاق شریعت کے مطابق ہے، حالانکہ اسلامی بینکوں پر تنقید کرنے والے اور عدم اطمینان کا موقف رکھنے والے ہمارے علماء سب اس پر متفق ہیں کہ "شریعت فقہ" الگ چیز ہے اور "حیلہ" الگ چیز ہیں، حیلے عین شریعت ہرگز نہیں ہیں، اگر کوئی حیلہ شرعی شروط و آداب پر پورا اترتا ہو تو وہ حرام سے بچنے کے لیے یا حلال تک پہنچنے کے لیے ایک "پل" کا کام دیتا ہے۔ پل کو بھی کسی نے منزل نہیں کہا اور نہ ہی کوئی پل پر ڈیرے ڈالے، بہر حال یہ بحث اپنے مقام پر آگے آئے گی۔

مروجہ اسلامی بینکاری اور جمہور علماء کا موقف

یہاں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ عدم اطمینان کا موقف رکھنے والے اکابر اہل علم کے محتاط رویے کی وجہ سے عام مسلمان مروجہ اسلامی بینکوں میں پائی جانے والی خرابیوں اور قباحتوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا اور مسلمانوں کا ایک عام طبقہ اس کا معتقد بن چکا، اس اختلافی موقف کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہو رہا تھا، ایسی صورتحال میں عدم اطمینان والے علماء کرام پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ اپنے علم و اپنے موقف اور اپنی رائے کا اظہار کریں۔ باقی جو حضرات ان کی رائے کے مخالف ہیں، رہے وہ جنہوں نے دوسرے بعض اہل علم کی پیروی کی ہے، وہ ان کا اپنا عذر ہے، وہ اپنی تحقیق کے لیے آزاد ہیں۔

مروجہ اسلامی بینکاری پر عدم اطمینان کا موقف رکھنے والے حضرات اس سلسلہ میں متفکر ہوئے اور اپنے اس موقف کے اظہار کے لیے اور عامۃ المسلمین کی پریشانی اور اضطراب کے ازالے کی خاطر ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ بمطابق ۲۵ مئی ۲۰۰۸ء بروز اتوار جامع مسجد "جامعہ فاروقیہ" کراچی میں ارباب فقہ و فتویٰ کا ایک اجتماع ہوا۔

یہ اجتماع شیخ الحدیث حضرت مولانا ... الحمد ... صدر اتحاد العلماء ... وفاق المدارس العربیہ پاکستان و شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی دعوت اور تحریک پر انہی کی زیر صدارت

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

متفقہ طور پر اس اجتماع میں یہ طے پایا کہ مروجہ اسلامی بینکاری کی وجہ سے پیدا شدہ صورتحال کا ادراک کیا جائے اور اس سلسلہ میں عدم اطمینان والے علماء کرام کے موقف کا عوام کے سامنے مناسب اور معقول انداز میں اظہار اور اعلان کر دیا جائے اور ساتھ یہ وضاحت بھی کر دی جائے کہ اس اعلان و اظہار سے کسی کی توہین اور تنقیص یا مخالفت اور مخاصمت ہرگز نہ سمجھی جائے، بلکہ یہ اظہار ایک شرعی مسئلے سے متعلق اپنی رائے کا اظہار ہے جسے شرعی فریضہ کے طور پر حسب ضرورت عام کیا جا رہا ہے۔

اس اظہار رائے کے طریقہ کار اور وقت کے حوالے سے تفصیلی مشاورت ہوتی رہی اور متعدد مجالس بھی منعقد ہوتی رہیں، جن میں حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہم کی سرپرستی اور روحانی توجہات شامل حال رہیں۔ بالآخر یہ طے پایا کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے طریق ہائے تمویل (Modes of Financing) پر عدم اطمینان کی رائے رکھنے والے حضرات علماء کرام کے موقف کو تحریری شکل میں لاتے ہوئے عدم اطمینان کی وجوہات بھی تفصیلی وضاحت کے ساتھ پیش کر دی جائیں۔

ظاہر ہے کہ اس تحریر کی تکمیل کے لئے کچھ وقت اور مہلت کی ضرورت بھی تھی، چنانچہ شرکاء مجلس علماء کرام نے مجوزہ تحریر کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہم سے کچھ وقت اور مہلت حاصل کرلی، یہ وقت طلب کام تھا، بالخصوص آج کے دور میں خواہ مخواہ دیر ہو ہی جاتی ہے، بحمد اللہ تعالیٰ مرتب مبارک تصنیف آپ کے ہاتھوں میں ہے جو ہمارے سے زیادہ آپ کے لئے باعث اطمینان ہے، اور منتظمین کے منتظم حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی دن رات کی انتھک اور مسلسل سرپرستی اور توجہات، بلکہ روحانی تصرفات کے ذریعہ یہ وقت طلب کام بہت تھوڑی مدت میں ہو کر مطبوعہ صورت میں سامنے آ رہا ہے۔

ہمیں اپنی کوشش کے اس ثمرے پر جہاں فرحت و مسرت ہو رہی ہے وہیں افسوس اور رنجیدگی بھی محسوس کر رہے ہیں کہ ہم اپنے بھرپور اخلاص و للہیت کے باوصف اپنے موقف کا اظہار اور اعلان ایک ایسے موقع پر کر رہے ہیں، جہاں علماء دشمن و دشمنان اسلام علماء دین کے خلاف منہ کھولے کھڑا ہے کہ اگر یہ اعلان اور اظہار کے لئے موزوں وقت نہ تھا اور ضرورت و دین کا فوری داعیہ کار فرما نہ ہوتا تو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تجدید محض ذہنی سے کام لیتے ہوئے کسی اور مناسب وقت کا انتظار کر لیا جاتا، مگر امت مسلمہ اپنے علماء دین اور مستند مفتیانِ کرام کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہوتی جا رہی ہے، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اپنے موقف کا واضح اعلان بھی تحریر کر دیا جائے، اور حلال و حرام کے اختلافی نقطہ ہائے نظر کی موجودگی میں عوام الناس کو ”عمل“ کے لئے راستہ بھی بتا دیا جائے کہ عوام الناس کی مرضی ہے جس نقطہ نظر کی پیروی کریں اور جس سے پہلو تہی کریں، بہرحال ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے، اب ہم پر ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری میں ”مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم“ کا کردار اور معتقدین:

ہمارے ملک میں اسلامی بینکوں کا تعارف، شہرت اور ترویج چونکہ ہمارے مخدوم و مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی وساطت سے ہوئی ہے، بلاشبہ اگر مروجہ اسلامی بینکاری کو مولانا مدظلہم کی شخصیت کا سہارا نہ ملتا تو کم از کم پاکستان میں اس کے پاؤں ہرگز نہ جم سکتے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں لیا جا سکتا کہ پورے نظام کے صحیح یا غلط ہونے کے ذمہ دار بھی مولانا ہی ہیں۔ بالخصوص اس نظام میں جو بھی خرابی نظر آئے اس کا ذمہ دار مولانا کو ٹھہرانا عقل، دیانت اور شریعت کے موافق نہیں، اور کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ مولانا مدظلہم کو اس نظام کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے بدکلامی، بدزبانی اور دریدہ دہنی کی نوبت بھی آ رہی ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا مدظلہم اس نظام کو صحیح سمجھ رہے ہیں مگر ہمارے نزدیک اب تک کے ذمہ دار نہیں، مولانا کا اس نظام میں جتنا حصہ ہے اگر اس حد تک ان سے بات کرنے کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے بات کی جائے تو بجا ہے، اگر اس حد سے بڑھ کر انہیں ذمہ دار ٹھہرایا جائے یا ان کے متعلق زبان طعن دراز کی جائے تو یہ بے ادبی ہی نہیں ”سلب ایمان“ کا باعث ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

ہماری معلومات اور تحقیقات کے مطابق موجودہ بینکاری نظام کی عملی تطبیق کے حوالے سے حضرت مولانا مدظلہم کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہیں فرماتے بلکہ حسب موقع اپنے عدم اطمینان کا اظہار بھی فرماتے رہتے ہیں، جیسا کہ آگے مولانا کے اپنے مقام پر آئے گا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

البتہ مولانا کا عصری اسلامی بیداری میں جو حصہ اور کردار ہے وہ آپ کی فراہم کردہ فکری بنیادیں ہیں، جبکہ مسلکی اور فقہی معاملات میں ہمارا مؤاخذہ مولانا مودودی پر عائد ہوتا ہے۔ آپ کے ناقدین اگر ان بنیادوں پر فکری بحث و مباحثہ کرنا چاہیں تو تنقید و تحقیق کے اخلاقی و شرعی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے تنقید کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ بسا اوقات شرعاً ضروری بھی ہوتی ہے۔ مگر اب تک ہم نے جو دیکھا ہے مولانا کے ناقدین تین قسم کے لوگ ہیں:

ناقدین کی پہلی قسم:

بعض جدید تعلیم یافتہ حضرات جو مغربی فلسفہ سے اتنے مرعوب ہیں کہ انہیں دنیا کے ہر خطے میں دین کی بنیادوں میں مغربی فلسفے کا رنگ نظر آتا ہے۔ مغربی فلسفے کے دنیا پر گہرے اثرات سے انہیں کوئی انکار نہیں۔ ہمیں اپنے ان حضرات سے گزارش ہے کہ ہم آپ کے اخلاص، تدین اور اسلام پسندی پر شک نہیں کرتے۔ اگر آپ مولانا پر تنقید کرتے ہوئے انہیں اسلام کے بارے میں اپنے جیسا مخلص، دیانتدار اور اسلام پسند تسلیم کرتے ہوئے گفتگو فرماتے تو آپ کا اخلاص اور دیانتداری کھل کر سامنے آتی اور ادب و تہذیب کی رعایت کرتے ہوئے "بسا اوقات" کے طور پر ادب و احترام کا جتنا حصہ کسی اور مستشرقین مغربی کو دیا ہے اتنا حصہ مولانا مودودی کے لیے بھی مختص فرما دیتے تو شاید آپ کی بھی آراء قابل غور تنقید بلکہ تحقیق کی جاتی، تجزیہ اور تنقید پر عمل کی جاتی اور کوئی فائدہ بھی ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ان بھائیوں کی تنقید علمی نہیں بلکہ فکری و نظریاتی نوعیت کی ہے جبکہ مولانا مودودی پر زیادہ تر مسلکی اور فقہی بنیادوں کے حوالے سے عائد ہوتی ہے۔ فکری تنقید ایک علمی نوعیت کی تنقید ہے۔

اس لئے ہم آپ ایسے ساتھیوں کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا مودودی پر تنقید آپ کا حق ہے مگر اس سے پہلے اگر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید کا رسالہ "تنقید اور حق تنقید" پڑھ لیا جائے تو امید ہے کہ دینی حمیت کے تحت تنقید کرنے والے بھائیوں کو بہت ہی زیادہ فائدہ ہوگا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور ازراہ خیر خواہی یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ مولانا مدظلہم کے ایمان وتقویٰ، علم وعمل اور اخلاص وللہیت کی گواہی دینے والے آپ کے ناقدین سے ہزار ہا گنا زیادہ ہیں، اس لئے ہم مولانا مدظلہم کو اللہ تعالیٰ کا "ولی" سمجھتے ہیں، جو لوگ آپ پر تنقید کرتے ہوئے آپ کے مقام اور مرتبہ کا پاس نہیں رکھ پاتے، ان سے مولانا مدظلہم بھی ناراض ہیں اور ہم ان کی اس روش کی مذمت کرتے ہیں، ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ "قال النبی ﷺ من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب"

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، حدیث ۶۱۳۷، ط: دمشق)

ناقدین کی دوسری قسم:

مولانا مدظلہم پر تنقید کرنے والوں کی دوسری قسم بعض علماء کرام ہیں جن کی تنقید کا محور مولانا مدظلہم کی فراہم کردہ تحقیقی بنیادیں ہی ہوتی ہیں، مگر ان کی تنقید کے دو پہلو قسم سے خالی نہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے مروجہ اسلامی بینکاری کے تحت تحقیقی نظام کی خرابیوں کا ذمہ دار بھی مولانا کو ٹھہرایا۔ دوسرے یہ کہ وہ مولانا پر تنقید کرتے ہوئے ان کے مقام اور مرتبہ سے قطع نظر خود اپنی عالمانہ شان کا پاس بھی نہیں رکھ سکے، ایسی طرز تحریر اختیار کی اور انداز بیان ایسا اختیار کر لیا گیا کہ اختلافی نقطہ نظر کی حقیقت کو بغض وعناد سے ممتاز کرنا مشکل ہو گیا، ایسے لوگوں کو بھی طرز تنقید اور انداز تحریر وبیان پر ضرور نظر ثانی کرنی چاہیے۔

ناقدین کی تیسری قسم:

مولانا مدظلہم پر تنقید کرنے والے حضرات کی تیسری قسم آپ کے معاصر اربابِ فقہ وفتاویٰ کی جماعت ہے، اس جماعت میں آپ کے بعض اساتذہ کرام بھی شامل ہیں، بلکہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم اس وقت اس جماعت کے سرخیل، محرک اول اور روح رواں ہیں، ملک کے تمام معتمد اور معتبر دار الافتاؤں کے مفتیانِ کرام اس جماعت میں شامل ہیں۔ یہ حضرات مولانا مدظلہم کے مقام اور مرتبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ادب واحترام کے دائرے میں رہ کر مروجہ اسلامی بینکاری پر تنقید کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مولانا مدظلہم کا اخلاص وللہیت ان کے مقام ومرتبہ کی طرح

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

معلوم ہے انہوں نے جو قیمتی بنیادیں اسلامی بینکاری کیلئے وضع فرمائی ہیں وہ ہر قسم کے مادی مفاد سے بالاتر ہو کر محض فرمائی ہیں، وہ اسلام، اہل اسلام اور وطن عزیز کی سچی سچی محبت میں ڈوب کر تیار فرمائی ہیں۔ مولانا مدظلہم یہ سچی خواہش اپنے اندر لیے ہوئے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اسلامی معاشرہ سودی آلائشوں سے پاک صاف ہو جائے۔ یقیناً یہ سوچ، فکر اور جد وجہد قابل ملامت نہیں بلکہ قابل ستائش ہے۔ مولانا کی یہ کوشش ان کی طرف سے ہم سب حضرات کی طرف سے "فرض کفایہ" کہنا چاہیے نہ یہ کہ مولانا کو اس طرح مطعون کیا جائے کہ گویا وہ سرمایہ دارانہ سودی نظام میں اسلامی بینکاری کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ہم ان کو ہمیشہ ایسی سوچ سے بالاتر ہی تصور کرتے ہیں۔

ب۔ یہ بھی لوگوں پر کھلا راز ہے کہ حسن ظن کرتے ہوئے مولانا مدظلہم نے اسلامی بینکاری کی بنیادیں فراہم کی ہیں اب عملی کارکردگی سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ وہ حضرات ہماری توقعات پر پورا اترنے میں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکے بلکہ غیر سنجیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "مرابحہ و اجارہ" جیسے وقتی حیلوں سے "مشارکہ، مضاربہ" جیسی حقیقی بنیادوں کی طرف کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہو سکی اور یہ لوگ اپنے خود ساختہ اور مصنوعی طریقہ کار کو تحفظ دینے کیلئے مولانا کے نام اور فتویٰ کو بطور ڈھال کے پیش کر رہے ہیں۔

اسی طرح مولانا مدظلہم کے اقتصادی و بینکاری افکار کی ترجمانی و تشریح کا کردار کرنے والے بعض حضرات جو اسلامی بینکوں کے عہدوں پر ہیں مولانا مدظلہم سے زیادہ عام بینکاروں کا رنگ روپ غالب ہے جو معاملہ ہے کہ یہ لوگ ان بینکوں کے تنخواہ دار ملازم بھی ہوں اور بڑی بڑی تنخواہیں وصول کرتے ہوں ایسے تنخواہ دار ملازمین سے بینکوں کے مستند شریعہ بورڈ اور تجزیوں کی توقع رکھنا ہمیں مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی باتوں کو ہم مولانا مدظلہم کی ترجمانی کہیں، یا انہیں بھی مولانا جیسے احترام کا مستحق سمجھیں یہ ہمارے نزدیک قطعاً درست نہیں ہے۔

الغرض ان مذکورہ حضرات کے ہر قول و عمل کو نہ تو ہم بالکلیہ شریعت کے موافق سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان کے ہر قول و عمل کی ذمہ داری مولانا مدظلہم کے سر تھوپنا جائز سمجھتے ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

۷۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ادام اللہ ظلہم کے علم، تقویٰ، تدین اور دیانت کا اعتراف کرتے ہوئے اسلامی بینکاری کے لئے ان کی تجویز کردہ فقہی بنیادوں اور ان بنیادوں کی تشریح اور تحقیق پر بحث ومباحثہ اور مناقشہ کی بہر حال گنجائش ہے۔ آپ کی تجویز کردہ فقہی بنیادوں اور طرزِ استدلال پر اعتراض اور ان سے اختلاف کرنا آپ کی توہین یا تنقیص کے حکم میں ہرگز نہیں آتا، بلکہ یہ اختلاف دینی اور اصولی ہونے کی بنا پر شرعاً محمود ومطلوب بھی ہے اور یہ ایسا اختلاف رائے ہے جس کی مثالوں سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اس کی سب سے واضح مثال خود ”فقہ حنفی“ ہے جو بہت اظہار رائے کی آئینہ دار ہے، جہاں چھوٹے اپنے بڑوں سے اصولی اختلاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ہمعصر بھی باہم ایک دوسرے سے علمی اختلاف کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کہیں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک طرف اور سارے تلامذہ دوسری طرف، کہیں شیخین ایک طرف اور دیگر حضرات دوسری طرف اور کبھی یہ بھی کہ امام صاحب کی ایک رائے اور ہر ہر شاگرد کی الگ الگ رائے۔

موجودہ علماء کے مجوزہ فتویٰ کو بھی مولانا صاحب موصوف کے آپ سے اختلاف کا اسی تناظر میں دیکھنا سمجھنا چاہیے۔

مروجہ اسلامی بینکاری کا شرعی حکم:

اب اس اختلاف میں صحیح کیا ہے؟

چنانچہ ہم اپنی تحقیق اور تتبع کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی کے نقطۂ نظر اور اسلامی بینکاری کے متعلق ان کی نیک توقعات سے اختلاف کی کوئی گنجائش ہے تو شریعت اسلامیہ اور فقہ اسلامی کے اصول عامہ سے اس گنجائش کا واضح ثبوت ملتا ہے، جس سے ان سے اختلاف کرنے والے ان کے اکابر اور معاصر اہل علم کا نقطۂ نظر ان کے مقابلہ میں شریعت اسلامیہ اور فقہ اسلامی کے اصول عامہ سے قریب تر معلوم ہوتا ہے اس لئے یہ نقطۂ نظر راجح اور اقرب الی الصواب ہے۔ چنانچہ یہ نتیجہ کہا جا سکتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کا ادنیٰ حکم جس سے کسی عالم دین اور صاحب تقویٰ کو اختلاف نہیں ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ اہل علم، اصحاب تقویٰ وطہارت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور سنت کے خلاف سمجھتے تو شرعاً مروجہ اسلامی بینکاری سے اجتناب کا راستہ متعین ہے، اور عوام الناس کے دین و ایمان اور عزت و جان کی عافیت بھی اسی میں ہے کہ وہ مروجہ اسلامی بینکوں کے (علی الاقل) مشکوک طریقوں سے بچیں اور محتاط ہو جائیں۔ قرآن و حدیث کی واضح نصوص مسلمانوں سے یہی تقاضا کرتی ہیں۔

مروجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں ہم اپنے اس تجزیے کی تکمیل حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کے ان الفاظ پر پیش کرتے ہیں جو انہوں نے "غیر سودی کاؤنٹرز" کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمائے تھے:

"اس تجزیے سے یہ بات واضح ہوئی کہ فی الحال ان غیر سودی کاؤنٹروں کا کاروبار جائز اور ناجائز معاملات سے مخلوط ہے اور اس کا کچھ حصہ مشتبہ ہے لہٰذا جب تک ان خامیوں کی اصلاح نہ ہو اس سے حاصل ہونے والے منافع کو قطعی طور پر حلال نہیں کہا جا سکتا ہے اور مسلمانوں کو ایسے کاروبار میں حصہ لینا درست نہیں"

(فقہی مقالات جلد ۲، صفحہ ۲۴۲، طبع میمن اسلامک پبلشرز)

اس مقالے کی تفصیل اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

وضاحت:

واضح رہے کہ اس مقالے کی تحریر میں بوجہ کسی خاص بینک یا بینکاری نظام کی جزئیات کو ہم نے موضوع بحث نہیں بنایا۔ جزئیات کو مستقلاً موضوع بنانے کے علاوہ شاید ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ جزئیات بدلتے رہتے ہیں جن سے بحث کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے ہم نے جزئیات کے بجائے مروجہ اسلامی بینکاری کے ڈھانچے کی بنیادوں کو موضوع بحث بنایا ہے۔

اب مروجہ اسلامی بینکاری کو طریقۂ تمویل اور دوسرے پہلوؤں سے کیا گیا ہے جن کو اعتماد کے ساتھ اسلامی بینکاری کی بنیاد کے طور پر سمجھتے ہوئے کوئی حکم لگایا جا سکے؟ ہمارے خیال کے مطابق اس سوال کا معتبر ترین جواب اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی کی تحریریں ہیں جو کہ اسلامی بینکاری کے ثبوت کیلئے واحد ثبوت ہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ثبوت اور حوالے کے طور پر لکھی ہیں۔ اس لئے آپ کی تحریرات یہ موضوع بحث کے محور، ماخذ اور بنیاد کے طور پر نقل کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے بعض تحریریں بھی پیش کی گئی ہیں اور ہر تحریر کا حوالہ بھی تقریباً دیا گیا ہے۔

چونکہ [illegible] کے احوال و نتیجے کے بابت زیادہ تر انحصار بھی حضرت مولانا [illegible] کی تحریرات اعلان کے ارشادات پر کیا گیا ہے کیونکہ ان کی شہادت "شہادۃ اہل من اہلہ" کا درجہ رکھتی ہے اس لئے [illegible] کے بارے ہم اپنے پیش کردہ ثبوت اور حوالہ جات سے متعلق جزم کے ساتھ صحت کا دعویٰ کر سکتے ہیں مگر [illegible] دوسری تحریروں کے [illegible] کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ کسی مقام پر بھرپور احتیاط کے باوجود کوئی لغزش در آنا [illegible] ممکن ہے۔ اہل علم و نظر کی طرف سے ایسی لغزشوں کی نشاندہی کیلئے ہم ہمہ تن منتظر رہیں گے۔

اعتذار:

ہماری تحریر [illegible] یہی کوشش رہی کہ بے جا طور پر کسی ادارے یا فرد کا نام اس کے مقام احترام سے ہٹ کر تحریر نہ ہونے پائے۔ پھر بھی اگر ہماری گفتگو یا طرز تخاطب یا انداز بیان کے ضمن میں کسی بھی ہمارے مسلمان بھائی کی دل شکنی ہوئی ہو [illegible] اس مقام کا پاس نہ رکھ سکے ہوں۔ جس کا وہ ہم سے گمان رکھتے تھے تو ہم ایسے بھائیوں سے [illegible] کے ساتھ معافی کے خواستگار رہیں اور ان کی [illegible] کے متعلق ہم حسن ظن کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ وہ ہماری [illegible] دیکھیں گے۔

ہمارا مقصد [illegible] کسی کے خلاف [illegible] نہیں ہے اور نہ کسی باعزت انسان کی توہین و تنقیص ہے ہمارا مقصد [illegible] کے مطابق صرف اور صرف اظہار حق ہے اور بس!

واللہ علی ما نقول وکیل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ وصحبہ اجمعین : اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ، بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ قال تعالیٰ :

"وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵)

وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۸)

بینک اور اسلام

Bank & Islam

بینک کا بنیادی تصور

"بینک سے مراد ایسا مالیاتی ادارہ ہے، جہاں محنت و عمل کے واسطے کے بغیر "زر" کے ذریعے "زر" کی پیداوار کا تصور کیا جاتا ہے، جو مغربی سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کی ایجاد ہے۔ اس ادارہ میں سرمایہ کی پیداوار کا حصول ہوتا ہے جس میں نقصان و خسارہ کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا اور سرمایہ کو ایک گردش میں رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے جس سے سرمایہ میں افزونی ہوتی رہتی ہے اور سرمایہ دار اس سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ اس گردش سے صرف سرمایہ دار ہی مستفید ہوتے ہیں، اس کے نتیجے کے طور پر سرمایہ چند سرمایہ داروں کے درمیان گھومتا رہتا ہے، عام معاشرہ "سرمایہ" کی اس گردش سے باہر رہتا ہے، جس کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تمام ہوا شدہ ... کے استحصال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ "بینک" اپنے اس بنیادی تصور کے اعتبار سے سود پر "اکل اموال بالباطل" (دوسروں کا مال ناحق کھانے) اور "دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ" (حشر آیت ۷) (دولت صرف مالداروں کے درمیان گردش کرے) کی واضح ترین مثال ہے۔ اس لئے "بینک" کے بنیادی تصور کے خلاف ہونے کے ساتھ شریعت کی رو سے کسی قسم کا جواز نہیں ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس "بینکاری نظام" کے چلانے والے شاطر ذہنیت نے اپنی عیاری و مہارت سے بیچ دیا ہے کہ یہ نظام "سرمایہ دارانہ نظام" کے ضمن میں پوری دنیا کے اندر جال بن کر پھیل چکا ہے اور ہر ملک کیلئے ایسی مجبوری بن چکا ہے۔ چنانچہ کوئی بھی حکومت ہو، وہ بینکاری مغربی تصور کے مطابق طرز مغرب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے اداروں (اسٹیٹ بینک) "مرکزی" اور "قومی بینک" بنانے کیلئے مجبور رہتی ہوئی ہے۔ بینک سے دنیا کی مجبوری اس حد تک ہے۔ بینکاری کو دنیا کی مجبوری بنانے کیلئے مزید یہ حربہ بھی اختیار کیا گیا کہ "بینک" صرف "تجارتی" کے ضمن دین میں واسطہ کی حد تک محدود نہیں رہے گا بلکہ ترسیل و تحقیق زر اور برآمدات و درآمدات میں بھی لازمی واسطہ بنے گا۔ چنانچہ بینک کے واسطے کے بغیر درآمدات و برآمدات کا عمل ممکن ہی نہیں رہ سکتا۔ اگر کوئی حکومت یا کمپنی بیرون ملک سے کچھ منگوانا چاہے، یا اپنی اشیاء فروخت کرکے بھیجنا چاہے تو اسے بینکوں کا سہارا لینا پڑے گا۔

الغرض بینکاری نظام کو دنیا کے انسانیت کے گلے میں ایسی ہی مجبوری بنادیا گیا ہے جس سے دنیا کا نکلنا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔ اس پر مستزاد یہ ستم بھی ہے کہ سودی بینکاری کو جن سانچوں میں ڈھالا گیا ہے وہاں اسلامی تصور و ضوابط کیلئے کوئی جگہ، کوئی گوشہ اور کوئی راہ باقی نہیں چھوڑا گیا۔

مغربی جمہوری تصور نے مسلمانوں کے تصور خلافت کے عملی نفاذ کے راستے میں جس طرح ہر قسم کی رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں، بالکل اسی طرح "مغربی بینکاری نظام" کے ذریعہ اسلام کے "معاشی تصوراتی نظام" کے عملی نفاذ کے تمام راستوں کو مسدود کرنے کیلئے بھی اپنی تمام تر صلاحیتوں اور کوششیں صرف کر رکھی ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب ایسی گھمبیر صورتحال میں مجبوری و بے بسی اور پریشانی کے بھنور میں پڑا ہوا امت مسلمہ کہاں جائے؟ کیا کرے؟

یہی وجہ ہے امت مسلمہ کے جمہور علماء کرام کی رائے اور تعامل یہی رہا کہ مروجہ سیاسی و اقتصادی نظام مسلمانوں پر مسلط شدہ نظام ہے اس سے چھٹکارے کی بظاہر ممکنہ صورت جب تک سامنے نہیں ہے تو شریعت و سنت کے احکام و آداب کی رعایت کرتے ہوئے اور جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے نظریہ امتیاز پر کاربند رہتے ہوئے بقدر ضرورت اس نظام کے ساتھ چلتے رہیں اور بلا ضرورت شدیدہ اس نظام کی تقویت و ترقی میں حصہ دار نہ بنیں۔

بینکاری کا اسلامی تصور:

دور حاضر کے گزشتہ چند عشروں سے امت مسلمہ کے بعض علماء شریعت نے امت مسلمہ کو اس مخمصے سے نکالنے کیلئے متبادل راہ تجویز کرنے کی کوشش کی اور "مروجہ اسلامی بینکاری" کا نظام متعارف کروایا کہ جس میں معاشرے کے تمام افراد کیلئے شرکت کے مواقع یکساں طور پر میسر ہوں اور معاشی سرگرمی معاشرے کو استحصال سے بچایا جائے۔ "مغربی بینکاری نظام" کی بنیاد و اہم ستون "سود" ہے اسلام نے اس کو متبادل "بیع" کی صورت میں پیش فرمایا اور "بیع" کو استحصال کا ذریعہ بننے سے بچانے کیلئے "نہی عن الغرر" (دھوکہ دہی کی ممانعت) اور "کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ" (تاکہ دولت صرف تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے) کا پاس بھی رکھا۔

سود چونکہ استحصال کا ذریعہ "بیع شرکی" کا نظام ہے اس لئے ہمارے ان علماء شریعت نے اسلامی بینکاری کی بنیاد "بینک" کے مغربی و اصطلاحی تصور کے مطابق قرض کے لین دین کی بجائے "بیع" کی بعض صورتوں پر رکھی۔ یوں اصطلاحی اسلامی بینک نے اپنی حقیقت کے اعتبار سے بینک کی بجائے مشترکہ سرمایہ کاری کی ایک Joint Stock Company کا روپ دھار لیا، یا اس سے اپنے نام کے اعتبار سے بینک اور اپنے کام کے اعتبار سے "تجارتی کمپنی" کا حکم رکھتے ہیں۔ (جدید معیشت و تجارت، ص: ۱۱۵)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اسلامی بینکاری" اپنے اس بظاہر صحیح اور نیک مقصد کے تحت ابتدائی طور پر بعض عرب ممالک میں متعارف ہوئی تھی، جسے ہمارے دور میں خالص یہودیانہ تعبیر نہ ہوگی، جس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں، سر فہرست جو وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ اس نظام کا آغاز اور تعارف چونکہ عرب علماء کرام کے واسطے سے ہوا تھا اس لئے علماء کرام کے یہاں وقت سے تحقیق نظر ان کے بارے میں برصغیر کے علماء اور ان پر اعتماد کرنے والے عوام کو حصول زیادہ اعتماد واطمینان کا موقع نہیں تھا، جس کی بنیادی وجہ ان عرب علماء کرام کے فکر وعمل کی آزادی ہے، لیکن کچھ عرصہ پہلے ہی سے برصغیر کے علماء کرام جب مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے عرب علماء کرام کے فکر وعمل سے واقف ہوئے تو ہمارے عوام اور بعض خواص نے نہ صرف یہ کہ مروجہ اسلامی بینکاری کو قبول کرنا شروع کیا، بلکہ اس کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ دار بنتے گئے۔

مروجہ اسلامی بینکاری اور مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہم:

پاکستان کے علمی حلقوں میں سے مولانا مدظلہم کی وہ معروف شخصیت جن کے علم وعمل، تدین وتقویٰ اور معاملہ فہمی پر پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی اعتماد واطمینان کا اظہار کیا جاتا رہا ہے، ان کا رجحان اس طرف ہوا کہ عالمی سودی بینکاری نظام کے ظلمت کدے میں اندھیرے کو کوستے رہنے سے بہتر یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا چراغ روشن کر دیا جائے۔ بہ الفاظ دیگر: (شمع صغیر خیر من ان تلعن الظلام کثیرا)

چنانچہ موصوف اس طرف متوجہ ہوئے اور اس نظام کا بغور جائزہ لینے لگے اور اس نظام کو فقہ اسلامی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرنے لگے اور انہوں نے فقہ اسلامی کی روشنی میں مروجہ اسلامی بینکاری کیلئے چند بنیادیں تجویز فرمائیں اور ان کی عملی صورتیں بھی واضح فرمائیں، فقہ اسلامی کی تحقیق جدید کی ضرورت بھی ہے اور یہ بھی کہ تجدید کا رجحان علماء حق کی طرف سے غرض کفایہ ادا کرنے کا مستحق بھی ہے۔ اس پر علماء کو بھی غور وفکر کرنا چاہئے تھا، کیونکہ امت مسلمہ کو سودی نظام سے چھٹکارا دلانے کی اشد ضرورت تھی۔

حضرت نے جن بنیادوں کی تجویز اخلاص اور للہیت کے ساتھ اسلامی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سو حضرت نے سودی آلائشوں سے پاک کرنے کیلئے جو نظام متعارف کروایا تھا وہ امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان تھا۔ اس نظام میں پیدا شدہ خرابیوں پر حضرت کو ملامت کرنا ویسا ہی خلاف حزم ہوگا، کیونکہ حضرت نے جس اخلاص سے جو نظام متعارف کروایا اس اخلاص کو ناپنے کیلئے کوئی ترازو قائم نہیں ہو سکتا، پھر انہوں نے اس نظام میں جہاں جو خرابی دیکھی اس کی نشاندہی بھی فرما دی۔ اس لئے حضرت کم از کم اس نظام کی خرابیوں سے بری الذمہ متصور ہوتے ہیں۔

حضرت مروجہ اسلامی بینکاری سے متعلق مولانا عثمانی مدظلہم کا بنیادی فکر و فلسفہ اور سوچ و جذبہ بالکل صحیح اور قابل تحسین ہے اور یہ بھی بجا ہے کہ آپ کا تجویز کردہ نظام چند خامیوں کے باوجود سودی نظام سے خلاصی کیلئے ایک کوشش ہے جسے چند تسامحات کے باوجود مجبوری دور کیلئے قبول کر لیا گیا تھا اور اس میں بہتری کیلئے کوشاں رہنے کا عزم حضرت مولانا مدظلہم اور ان کی جماعت کے حضرات علمائے کرام کیلئے تسلی اور اطمینان کا باعث بنا اور یہ توقعات کی جانے لگیں کہ یہ نظام رفتہ رفتہ عالمی سودی نظام سے مسلمانوں کو چھٹکارا دلا سکے گا۔

دیگر علمائے کرام اور مروجہ اسلامی بینکاری

مولانا مدظلہم کی بنیادی فکر اور جذبے اور عزم سے اتفاق کرنے کے باوجود دیگر علمائے کرام اور مروجہ اسلامی بینکاری کے کامل تجزیئے اور مطالعے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ "مروجہ اسلامی بینکاری" سودی بینکاری کا متبادل نہیں بلکہ سودی نظام کا تبدیل شدہ نام ہے۔ جس کی دو بنیادی وجہیں ہیں:

پہلی وجہ یہ کہ اسلامی بینکاری کے لئے جو اصلی اسلامی بنیادیں فراہم کی گئی تھیں، اسلامی بینک عملی طور پر ان بنیادوں پر قائم ہونے کے بجائے نام بدلے اور روایتی بینکوں سے ممتاز نہیں ہو سکے اور نہ ان فرضی تجارت عقود بنیادی لیکن ان کے برخلاف روایتی بینکوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان پروڈکٹس کو Product کے مشابہ پروڈکٹس اسلامی لبادے میں متعارف کروانے کو ہی مشن بنا لیا گیا۔

دوسری وجہ یہ کہ جو نقشہ پیش کیا گیا تھا وہ نظام بھی اسلام کے بنیادی اقتصادی اصولوں سے پوری

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

عرف عام تسلیم نہیں ہے۔

اس لئے علماء کرام کا یہ طبقہ مروجہ اسلامی بینکاری پر اب عدم اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔ عدم اطمینان کی وجوہات کی تفصیل اگلے صفحوں میں آرہی ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری نظام میں لفظی و فکری تسامحات:

ہم آئندہ سطور میں یہ عرض کریں گے کہ مروجہ اسلامی بینکوں میں اسلامی نام سے لے کر فقہی اصطلاحات اور ان کے استعمالات اور بینکوں کے کام اور نظام کار میں جا بجا لفظی، اصولی اور فقہی تسامحات ہوئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

اسلامی بینک:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں کو "اسلامی بینک" کہنا درست ہے یا نہیں؟

چونکہ "اسلامی بینک" دو لفظوں کا مرکب ہے، "اسلامی" اور "بینک"۔

"بینک" چونکہ معاشی نظام کا اہم عنصر ہے، اس لئے بینک کی خصوصیات میں معاشیات Economics کے اصولوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا، معاشیات کے جو اصول روایتی بینکوں کے لئے ہیں ہمارے لئے بھی وہی قواعد ہوں گے، کوئی الگ سے اصول کی "تجربہ گاہ" ہمارے لئے مروجہ معاشی نظام میں نہیں ہے، بالخصوص جب کہ کسی ملک میں کسی بینک کا قیام جب ہی عمل میں آسکتا ہے جب "اسٹیٹ بینک" (مرکزی بینک) اپنی پالیسی کے تحت اسے اجازت دے اور ہمارے ملک کا مرکزی بینک اب اپنی پالیسی سازی میں آزاد نہیں بلکہ سودی آقاؤں کی تحریک کی وجہ سے "ورلڈ بینک" کا تابع ہے، "ورلڈ بینک" کے پس پردہ اصول و تشخص کی تحقیق کتنی سودی اور ملعون ہے؟ اسے ہر انسان جانتا ہے۔ الغرض بینک کا تعریف بینک کی رو سے مروجہ معاشی نظام کے مقاصد و اہداف کو ملحوظ رکھنا مجبوری ہے، مقصد کوئی بینک نہیں کہلا سکتا۔

اسی طرح "اسلامی بینک" میں لفظ "اسلامی" کا تقاضا یہ ہے کہ ان بینکوں میں اسلامی تشخص

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تبدیلیاں ہوں اور اسلامی نظام معیشت کے مقاصد و اہداف کی طرف پیش قدمی کے واضح آثار محسوس ہوں، مثلاً اسلام نے "سود" کو حرام قرار دیا ہے تاکہ معاشرے سے ظلم و ناانصافی، استحصال اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا سلسلہ بند ہو سکے، اگر مروجہ اسلامی بینکوں نے اسلام کے ان اہداف و مقاصد کی طرف کوئی پیش قدمی کی ہے تو وہ "اسلامی" کہلانے کے مستحق ہیں ورنہ نہیں۔

نیز مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادوں میں سودی بینکاری کے متبادل کے ساتھ "متوازی نظام" کی فکر بھی ہے جبکہ قرآن کریم اس نظریہ کی نفی کرتے ہوئے "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ" (البقرہ) کا حکم دیتا ہے، اس لئے اسلامی بینکاری کو متوازی نظام کے طور پر قبول کرتے ہوئے "اسلامی" کہنے میں مذکورہ آیت سے متصادم ہے۔

نیز مروجہ سودی بینکوں کو "اسلامی" کا لقب دینے میں ایک اور بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں کے حامی اور مخالف تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان بینکوں کے معاملات صد فیصد اسلامی ہرگز نہیں ہیں، بلکہ بعض معاملات فاسدہ Deffective Transaction بھی داخل ہیں۔ معاملات فاسدہ کو شریعت میں شامل کیا جا سکتا ہے؟ پھر ان بینکوں کو اسلامی اور شرعی کیسے کہا جا سکتا ہے؟ ایک طرف اسلام "ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً" (بقرہ ۲۰۸) کے ذریعہ اسلام کامل تک پہنچنے کا مطالبہ کرتا ہے، دوسری طرف مروجہ بینکوں کے معاملات قانون شریعت کے ایک باب "فقہ المعاملات" کی رو سے کہ صرف چند عقود (مثلاً مضاربہ، اجارہ، مرابحہ، سلم اور استصناع) پر قائم ہیں۔ یہ قیام بھی محض دعوؤں کی حد تک، جبکہ حقیقت اسلامی بینکوں کے مروجہ معاملات کا اصل مرابحہ و اجارہ میں سمٹ چکے ہیں۔ (جس کی کچھ تفصیل ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں) یعنی جو دائرہ اسلام کا چند جزئیات کو لے کر (وہ بھی قطع و برید اور خرابیوں کے ساتھ) اپنے آپ کو پورے اسلام کو "کامل" ظاہر کرنا، عملاً ایسا کرنا بدترین خیانت اور دھوکہ دہی ہو گا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کو مثال سے یوں سمجھا جائے کہ ماضی میں ہماری ایک سیاسی مذہبی جماعت نے ایک پرچم بنوایا جسے عقیدت مندوں نے اس بنا پر "پرچم نبوی" کہنا شروع کر دیا کہ اس پرچم کا رنگ اور طرز، نبی کریم ﷺ کے زیر استعمال رہنے والے ایک جھنڈے کی مشابہت ومتابعت میں منتخب فرمایا گیا تھا، اس جھنڈے کے متعلق عوام الناس میں افراط وتفریط کا اظہار ہونے لگے اور معاملہ بحث ومباحثہ اور تکرار تک جا پہنچا اور استفتاء وسوال کی نوبت بھی آگئی۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر جو مختصر اور جامع فتویٰ تحریر فرمایا تھا، اس کا حاصل یہی تھا کہ محض اشتراک رنگ کی وجہ سے اس پرچم کو پرچم نبوی کہنا درست نہیں ہے ورنہ قمیص نبوی کہنا بھی درست ہوگا، حالانکہ ایسا کوئی بھی نہیں کہتا۔ چنانچہ حضرت کا ارشاد ہے:

مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ سے لباس میں متابعت کی ـــــ مگر کبھی یہ نہیں سنا گیا کہ اشتراک رنگ کی وجہ سے کسی قمیص کو قمیص نبوی کہا ہو..... (ہاں) متابعت کی نیت پر ثواب ہے.... مگر اس (پرچم) کو پرچم نبوی کہہ کر دوسروں پر اپنا تفوق جتانے اور ان پر ... کا کوئی جواز نہیں ..... الخ

(جواہر الفقہ ج ۲ ص ۱۵۸ طبع دارالعلوم کراچی)

حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کے اس فتویٰ کی روشنی میں ہم اسلامی بینکاروں سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ محض اسلامی فقہ سے فقہ المعاملات کے چند معاملوں اور اصطلاحوں کو نرالی تراش خراش کے ساتھ استعمال کرنے کو بنام اسلام رکھ کر اسے اسلامی ادارہ کہنا اور دوسروں پر اپنا تفوق جتلانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

الغرض ہم جیسے سادہ لوح مسلمانوں کو "اسلامی بینک" کہنے کا کوئی جواز معلوم نہیں ہوتا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح ... بعض دیانتدار لوگ بھی رکھتے ہیں اور ... کو "اسلامی بینک" کہنے کی بجائے غیر سودی بینک کہنے لگے ہیں، ان لوگوں کے بقول ان بینکوں میں "ربا" کی نفی کر دی گئی ہے، لہٰذا یہ غیر سودی بینک کہلانے کے حقدار ہیں۔ مگر ان لوگوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے مجموعہ کہتا ہے کہ یہ لاعدمیت محض سود اور بیع کے درمیان جو حائل اور رکاوٹ آپ بتاتے ہیں وہ محض کاغذی رکاوٹ ہے جو بالکل بے حقیقت اور بے وقعت ہے، اس کی طرف کچھ اشارہ اوپر کر چکے ہیں اور کچھ آگے چل کر بھی ''ان شاء اللہ'' واضح ہوگا، یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مروجہ بینکوں کو غیر سودی بینک کا لقب دینا قطعی طور پر خلافِ واقعہ ہے۔

علاوہ ازیں ''مروجہ اسلامی بینکوں'' کو ''اسلامی'' کہنے میں ایک دشواری یہ بھی ہے کہ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا کہ ان بینکوں میں اختیار ہے کہ شریعہ بورڈ کے پیش نظر اسلامی تشخص کے خلاف جھلکیاں نظر آتی ہیں، ان کو شریعت کی ہدایات کا اطلاعات کی صحت وعدم صحت سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو، مگر یہ کہنا تو بالکل برحق ہے کہ اسلامی بینک سے کہلانے میں اسلامی تشخص کو اہمیت نہ دینا، اس کی پرواہ نہ کرنا، اسے محض دوسرے درجے کی چیز سمجھنا اسلام کے نام پر اسلام کے ساتھ بدترین ناانصافی، زیادتی اور ظلم ہے و تحریف شریعت و طریقت؟ آپ ہی فیصلہ فرمائیں!

یوں اگر آپ کسی امت کے طرز فکر و عمل کو جاننا چاہیں تو اس سلسلے میں ہم حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کا ایک ملفوظ آپ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں جو انہوں نے ''مسلم لیگ'' کی حمایت کرتے ہوئے پیش فرمایا تھا کہ مسلم لیگی حضرات ایک تو نماز جیسے فریضہ کی پابندی کریں گے اور دوسرے یہ کہ ان کی وضع قطع اسلامی ہونا ضروری ہے۔ جب لیگی حضرات نے آپ کی ان بنیادی شرطوں کو قبول نہ کیا تو اس پر آپ کی کیا رائے تھی، وہ بھی تاریخی کتابوں اور ریکارڈ پر موجود ہے۔

(بحوالہ ماہنامہ الخیر ملتان مئی ۲۰۰۸ء)

حالانکہ جس بینک کاری سے سوال ہو رہا ہے کہ وہ لیگ کے سلسلے میں آپ کا سہارا تو ہم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے افکار کا لیتے ہیں اور اس معاملہ میں ان کی ذرہ بھر پروا نہیں فرماتے، آخر کیوں؟ کیا یہ صریح دھوکا نہیں ہے؟

اس بناء پر بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''مروجہ اسلامی بینکوں'' میں اسلام کے حضرت کی وہی شرح

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے تو "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے رائج نظام میں اسلام اور جمہوریت کے عنصر کی شرکت ہے۔ اسلئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر ضرور ہوا، مگر ۶۰/ سال گزرنے کے باوجود پاکستان میں اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ نظر اندازی اور دھوکہ دہی کا معاملہ کیا جا رہا ہے۔ عین یہی معاملہ اسلامی بینکوں کے تعلق سے جمہوریت کے ساتھ ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

التجاء:

البتہ یہ ضرور عرض ہے کہ جس طرح حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہ کو تحریک پاکستان اور آپ کے مہیا کردہ مسائل و تجاویز اور دستاویزی اخلاص، للہیت اور صدق و صفائی سے بھرپور تھیں، ان میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ اسی طرح ہمارے حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے اخلاص، للہیت میں کلام اور آپ کے مہیا کردہ نظام کے فی الجملہ قابل نفاذ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر بڑا افسوس ہے کہ خانوادۂ عثمانی کے ان دونوں آفتاب و مہتاب کے ساتھ ان کے تعلق رکھنے والوں یا دیدہ و دانستہ نے دھوکہ دہی اور نا انصافی کا ایسا معاملہ روا رکھا جس کی سزا ابلیس وقت نہ جانے کب تک بھگتتے رہیں گے۔ حفظہم اللہ و ایانا من ذلک!

خلاصۂ بحث

ساری بحث کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینک اور اسلام کے بنیادی مزاج کے اختلاف کی وجہ سے دونوں کے تقاضے پورا کرنے سے قاصر ہیں، اس لئے یہ ادارے نہ بینک کہلانے کے حقدار ہیں نہ ہی اسلامی کہلانے کے مستحق ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکیں روایتی بینکوں سے الگ اپنا تشخص قائم کرنے کی صلاحیت و استعداد نہیں رکھتیں۔ اس وجہ سے روایتی و اسلامی بینکوں کے درمیان "اسلامی" کے لاحقے کے علاوہ کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ نتیجے کے اعتبار سے مروجہ اسلامی بینک، روایتی بینک سے بھی بڑھ کر خطرناک ہو سکتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مروجہ اسلامی بینکاری اور مغربی بینکاری طرز میں مماثلت:

مروجہ اسلامی بینکوں کو مغربی سرمایہ دارانہ بینکاری کے طرز پر چلانے سے اس نظریہ فکر کو تقویت مل رہی ہے کہ مغرب اور اسلام میں بنیادی نوعیت کی مماثلت پائی جا رہی ہے۔ بلکہ مختلف پروڈکٹس کی تیاری کی دوڑ میں روایتی بینکوں کی نقالی اور منافع اندوزی کے متنوع حربوں کی صورت میں یوں دکھایا جا رہا ہے کہ مغرب متقدی اور اسلام اس کا مقتدی ہے۔ مغرب بدن اصلی ہے اور اسلام اس کا لباس ہے جس سے مذکورہ صورت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

(الف) اہل مغرب اسلامی بینکاری و اسلامی معاشیات کو ہاتھوں ہاتھ اپنے ہاں فروغ دے رہے ہیں۔ روایتی بینک بھی اپنے یہاں ایک اسلامی کاؤنٹر (Islamic windows) کھول رہے ہیں۔ خود حضرت مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم کا بیان ہے کہ اسلامی طریقہ ہائے تمویل (Modes of Financing) اپنانے میں عظیم ارتقاء ہے اور "روایتی بینک" کے تحت بھی باقاعدہ یہ طریقے موجود ہیں، اور ان میں بے شمار غیر مسلم مغربی محققین کے مقالات بھی آرہے ہیں۔ (اسلام اور جدید معیشت ص: ۱۸۱)

سوال یہ ہے کہ اہل مغرب کو پورے اسلام میں سے فقط مروجہ طریق تمویل ہی کیوں اچھے لگے ہیں؟ کیا اسے اسلامی بینکاری کی کامیابی کی دلیل قرار دیا جائے کہ اسے مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم یورپ دلچسپی کے ساتھ اپنا رہا ہے یا پھر یہ سرمایہ دارانہ تصورات کی حامل بینکاری؟

حیرت کی بات یہ ہے کہ غیر مسلم ملک "سنگاپور" کراچی شہر جتنا ملک ہے اور "انڈونیشیا" مسلمانوں کا سب سے بڑا ملک ہے، جبکہ وہاں اسلامی بینکیں سنگاپور میں زیادہ اور انڈونیشیا میں کم ہیں۔

(ب) اسلامی بینکاری نے اپنے مغربی سرمایہ کاری فکر کے نتائج کو عملاً اسلامی معاشی نظام کے مقاصد شریعت سے دور ہونا اختیار کیا ہے، جس کی وضاحتیں حسب ذیل ہیں:

ا۔ اسلامی بینکوں کی ابتداء ہوئے کئی دہائیاں ہو گئیں تاہم یہ کیوں نہیں کھلتیں؟ اس پر یہ کہا جاتا ہے کہ بینک خیراتی اور رفاہی ادارے نہیں ہیں بلکہ تجارتی ادارے ہیں، جہاں تجارت کو فروغ دیا جاتا ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کام کرتے ہیں کے تحت اقتصادی ماہرین ان حضرات کو رد کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ آپ نے "ربح" کو کس بنیاد پر "حیل ہیں حیل" سے مستثنیٰ قرار دیا ہے؟ تجارتی ادارہ یا بینک ہونے کی بنا پر؟ ان کا کہنا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں کو تجارتی ادارہ کہنا غلط ہے، بلکہ یہ ادارے بینک ہی ہیں۔ اس پر اشکال و جواب کی کچھ وضاحت اس تحریر کے آخر میں سوالات و جوابات کے ضمن میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

بہرکیف اگر مروجہ اسلامی بینک پسماندہ لوگوں کی فلاح و بہبود کے جذبہ اور عزم میں سنجیدہ و مخلص ہوتے تو (مروجہ بینکاری کی صحت و عدم صحت سے قطع نظر) بنگلہ دیش کے ڈاکٹر یونس صاحب کی مثال بھی ان کے سامنے موجود تھی جنہوں نے محدود آمدنی والے اور قلیل سرمایہ والے لوگوں کی تھوڑی تھوڑی رقوم سے بینکاری متعارف کروائی جس کی پذیرائی کے علاوہ نیک نامی کا چرچا بھی عام ہے۔

• اسلامی بینک، سامان ضرورت کے بدلے میں سامان تعیش کے لیے بھی رقوم فراہم کرتی ہیں تاکہ ایسے طبقے معاشرے میں بلند معیار زندگی کے ساتھ وقت گزاریں۔ حالانکہ اس سے زیادہ اہم اور مفید یہ تھا کہ اسلامی بینک، اسلامی ہمدردی اور مکارم اخلاق کے تحت پسماندہ و دیہی علاقوں کے لوگوں کو روزگار کی فراہمی میں مدد دیتے مگر ہمارے مروجہ اسلامی بینکوں میں ایسا نہیں کیا گیا یہ طرز عمل اسلام سے زیادہ مغربی سرمایہ داری کے نظریے سے ہم آہنگ اور اسی کا ترجمان ہے نہ کہ مقاصد اسلام کا۔

(ج) اسلامی بینکوں کے سرمائے اسلامی ممالک کے تجارتی شہروں کی بجائے "سوئٹزرلینڈ" اور لندن میں کیوں لگتے ہیں؟ اس بات سے یہ خیال تقویت پکڑتا ہے کہ اسلامی بینکوں کے نام پر مغربی سرمایہ دار بہت مسلمانوں کی رقوم اپنی تحویل میں اور اپنے زیر اثر رکھنا چاہتے ہیں۔ جس طرح عربوں کا بچا ہوا سرمایہ (تیل کی آمدن) مغربی بینکوں میں جمع ہو رہے ہیں۔ اسی طرح دیگر ممالک کے مسلمانوں کا سرمایہ بھی مغربی سرمایہ داریت کے تحفظ سے علاوہ دور سے الگ نہیں رہنا چاہیے۔ واللہ اعلم

(د) ایک سروے کے مطابق مروجہ اسلامی بینکاری سے وابستہ اسی (۸۰) فیصد لوگ اسے غیر اسلامی سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ بینکوں کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ادارے بینک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کس بنیاد پر اسلامی بینک کہلاتے ہیں؟ وہ بیچارے تو متعلقہ فقہی اصطلاحات کے تلفظ و مفہوم کی ادائیگی پر بھی قادر نہیں ہوتے وہ آپ کے معاملات میں فقہی باریکیوں کی رعایت کیسے کریں گے؟ بلکہ اسلامی بینکوں کے فقہی مسائل سے ان کا صرف اتنا تعلق ہے کہ بینک کے معاملات سے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے تحقیقی اور دستخط کو ہر سوال کا پہلا اور آخری جواب قرار دیتے ہیں۔

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ اسلامی بینکوں کے حامی حضرات جو ان فاصلوں کے باوجود بینکاروں کی نیت و دیانت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے معاملات کو درست تسلیم کر لیتے ہیں مگر اپنے حلقے کے اہل علم کی تحقیق و فتوے میں کسی سے سوال کے روادار نہیں، بلکہ اپنے رویوں سے آج تک کسی کے اختلاف اور رائے کو قابل توجہ ہی نہیں سمجھا۔

یہاں بعض حضرات یہ عذر پیش فرماتے ہیں کہ "بینک" کے عملہ کا معاملات رائجہ کی تفصیلات اور ان کی حقیقت سے ناواقفیت سے اصل معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ عملہ تو محض واسطہ ہے، مگر بھی سمجھیں کہ اصل متعاقدین تو بینک (شخص قانونی) اور کھاتہ دار (Client) ہیں، بینک کے معاہدہ نامہ (Agreement) میں جو درج ہوتا ہے وہ کلائنٹ اپنی طلب سے کر جا رہا ہے۔ جب اصل متعاقدین معاملے سے واقف ہیں تو صحت عقد کیلئے یہ کافی ہے۔ اس عذر پر ملحوظ یہ ہے کہ اپنی رائے کو صحیح کہنے کی مجبوری کے تحت حامی حضرات حقیقی انسانوں کی بات کو ردی کی ٹوکری میں ڈال رہے ہیں اور ایک فرضی غیر حقیقی شخص کے قول کو حجت اور معمول بہ قرار دیتے ہیں، جبکہ "الاصطلاح خیر من الاصلاح" یعنی انسانوں کے لئے حقیقی انسانوں کیلئے شخص قانونی کی تمنا ہی ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

مغربی دنیا کی ہمسری کا جذبہ!

اس لئے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر ہماری قدامت پسندی اور تنگ نظری کو دنیوی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کہا جا سکتا ہے تو مغربی دنیا کی ہمسری وہم رکابی کے جذبات رکھنے والے روشن خیالوں کی کوششوں سے اسلام یا اہل اسلام کے وقار میں کوئی اضافہ نہیں ہوا بلکہ اسلام اور اہل اسلام دونوں کو مغرب کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیش خدمت کرنے کی جرأت حاصل ہو رہی ہے جو اسلام کے "اکمال و اتمام" اور اعتقادی حیثیت کے عقیدے پر بھی ہے کہ جو حرام کسی دلیل کفر کی بنیاد پر جائز ہو جائے وہ حرمت میں ان کی پیروی کو اسلامی کمال سمجھنا "لاتنکس اعدا" (تم دین کے بارے میں غلو نہ کرو) کی مخالفت ہوتی ہے۔ اس لئے ہم اپنے افسوس کا اعادہ کرتے ہیں کہ اسلامی بینکاری کے حامی اور دوسرے تمام علماء کے فتووں کے نتیجے میں مشتبہ ہی رہے۔ بینک چونکہ اسلام کے تابع نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اسلام کو بینک کا تابع بنا دیا۔ بینکار کا مسلمان ہونا مشکل تھا ہم نے مسلمان کا بینکار رہنا آسان بنا دیا جس کا حقیقی اور عملی نتیجہ یہ ہوا کہ جو مسلم بینکار سودی بینک کے معاملات کو ناجائز سمجھتے ہوئے انجام دیتے تھے وہ مسلم بینکار انہی جیسے معاملات کو اسلامی بینکاری کے نیچے جائز اور اسلامی سمجھ کر انجام دے رہے ہیں اور یہ سب کچھ علماء کے کندھے پر رکھ کر کیا جا رہا ہے۔ شریعت کی رو سے موخر الذکر مسلم بینکار پہلے مسلم بینکار سے زیادہ گنہگار اور مجرم ہے۔ اس لئے ہم اپنے مسلم بینکار بھائیوں کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ نے بینکنگ آرڈیننس کے تحت بینکنگ ہی کرنی ہے تو اولاً اس سے بچ سکیں تو بہتر ورنہ کم از کم اسے ناجائز سمجھتے ہوئے اور حرام سمجھتے ہوئے کریں۔ بالکل جائز، حلال اور غیر مشتبہ سمجھ کر حرام کے مرتکب ہرگز نہ بنیں۔ کیونکہ اس سے اسلام کا کوئی نقصان ہو یا نہ ہو آپ کے اپنے ایمان و اعمال کا تحفظ یقینی ہو رہا ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری پر عدم اطمینان کی وجوہات

پہلی وجہ

۱۔ اسلامی بینکوں سے عوامی شکایات

مروجہ اسلامی بینکوں کے بعض طرز عمل اور رویوں سے عدم اطمینان میں اضافہ ہوا۔ جو لوگ مروجہ اسلامی بینکاری سے وابستہ ہیں یا انہوں نے اکاؤنٹ کھلوائے یا اسلامی بینکوں کے ذریعے سرمایہ کاری کی ان لوگوں کی ایک تعداد اسلام سے ناواقف ہو کر غیر مطمئن رہی۔ ایسے تمام لوگوں کی شکایات کی قدر

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

مختصر یہ کہ مندرجہ ذیل وجوہ ہیں:

(الف) اسلامی بینکوں میں اور روایتی بینکوں میں لفظ "اسلامی" کے ساتھ والے حصے کے بجز کوئی فرق نہیں دیکھنے سے لگتا ہے کہ شرح منافع کے تمام امور میں روایتی و مروجہ اسلامی بینک یکساں ہیں۔ عمل میں "حقیقت یہ" ہے کہ "شرعی ایڈوائزر" کے پیچھے کسی قسم کا اسلامی "تخصص نظر" نہیں آتا۔ جس سے آنے والے "ایڈجسٹمنٹس" (کیا تبدیلیاں) کو اسلامی جواز نہیں ملتا۔

(ب) جہاں تک منافع کا تعلق ہے اس کیلئے اپنا مستقل معیار بنانے میں ان بینکوں نے جو حیلہ کوئی کوشش نہیں کی، بلکہ شرح منافع کے تعین کا معیار سودی بینکوں کی شرح سود ہی بنائے ہوئے ہیں۔ جس پر پیش کیا جانے والا "عذر لنگ" اس معیار کو ابتدائی طور پر اختیار کر لینے کی حد تک تو پیش کیا جا سکتا ہے مگر اسے باقاعدہ ضابطہ اور معمول بنانے کیلئے پیش کرنا عوام و خواص کے درمیان شکوک و شبہات میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

(ج) مروجہ اسلامی بینکاری کی سرمایہ کاری میں سرمایہ کا (Capital) "ارتکاز" اور کھاتہ داروں کا استحصال روایتی بینکوں کی بہ نسبت زیادہ دیکھا جاتا ہے۔ مثلاً روایتی بینکاری شرح سود کے تعین کیلئے "سیکورٹی ڈپازٹ" "Security Deposit" کو اصل قیمت کے بیس فیصد کے طور پر قبول کرتی ہے اور شرح سود اصل قرضہ کی بقیہ مقدار کے حساب سے لگاتی اور وصول کرتی ہے جس کے نتیجے میں کم سے کم Client کو دوسری صورت میں اتنی زیادہ تعین کرنی پڑتی ہے۔ جبکہ اسلامی بینک سیکورٹی ڈپازٹ کو اصل قیمت میں شامل نہیں کرتا کیونکہ سیکورٹی بینک کے پاس رہتی ہے جس مال سے استفادہ کرتا ہے اور شرح منافع کل قیمت کے حساب سے لگاتا ہے اور پورا وصول کرتا ہے جبکہ "سیکورٹی ڈپازٹ" سے استفادہ بھی کرتا رہتا ہے جس کے نتیجے میں اسلامی بینکوں کے کھاتہ داروں کو روایتی بینکوں کے کھاتہ داروں سے زیادہ ادا کرنی پڑتی ہے۔ ویسے بھی اسلامی بینکوں کے اس طرز عمل اور طریق کار سے عمومی تاثر یہی ملتا ہے کہ بینک کا سرمایہ دارانہ طرز کا مقصد روایتی بینکوں سے زیادہ مروجہ اسلامی بینکوں میں موجود ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ تمام پہلو ایک طرف ، بینک میں "شخص قانونی" "Juristic Person" کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے ، یہ تصور شرعی نقطہ نظر سے غلط اور استحصالی ہے ، کیونکہ یہ تصور "مالکین" (کھاتہ داروں) کے استحصال پر مبنی ہے ، اس تصور کا مقصد بحیثیت شخص بینک کو فائدہ پہنچانا ہے ، یعنی جب تک فائدہ ہوتا رہے بینک اور بینک والے اس کے حصہ دار بنے رہیں اور جب دیوالیہ ہو جائے تو بینک محدود ذمہ داری Limited Liability کا سہارا لیتے ہوئے بجز حقوق سے فارغ الذمہ ہو جائے۔

(و) بعض معاملات "معاہدے" Agreement کا حصہ نہیں ہوتے مگر "کلائنٹس" "Clientes" کو بتائے جاتے ہیں ، مثلاً مقررہ فیس جو صراحتہً مذکور نہیں ہے اور وصول کی جاتی ہے ، اسی طرح اگر کوئی کھاتہ دار Depositer رقم کا اخراج کرے تو کٹوتی بھی لی جاتی ہے جبکہ اس کا ایگریمنٹ میں کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ (بحوالہ تحریر ڈاکٹر رفعت زمان صاحب)

دوسری وجہ

مروجہ اسلامی بینکوں کے بعض ذمہ داران کا رویہ

اہل علم اور ارباب تحقیق نے مذکورہ نوعیت کی جو شبہات اور شکایتوں کو بنیاد بنانے کی بجائے براہ راست اسلامی بینکوں سے طریقہ کار اور معاملات کی تفصیل حاصل کرنے کیلئے مختلف طریقے اپنائے مگر "بینک" پراسپیکٹس "Prospectus" یا پالیسی چارٹ "Policy Chart" اور رائج معاملات کے ایگریمنٹ نہیں دیے گئے ، بلکہ بعض ایسے شرکاء کہ جن سے بار بار اصرار اور درخواست کی جاسکتی تھی ان سے جب درخواست کی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ یہ چیزیں بینک کی امانت ہیں اور ہمیں اس امانت کا پاس رکھنے کی تاکید کی گئی ہے ، ان چیزوں کا حصول مشکل ہے دریافت کرنے پر وجہ یہ معلوم ہوئی کہ پھر دوسرے بینک حضرات بنائے ہوئے ڈھانچے سے اس نظام کو چوری کر لیں گے اور ہمارے مقاصد و اہداف کس طرح حاصل ہو سکیں گے ، اس سے اسلامی بینکوں کو نقصان ہوگا ، تشویش و بحران میں کمی واقع ہوگی ، اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قسم کے اعتراضات کی معقولیت وغیر معقولیت سے قطع نظر اس نظام کے بارے میں شکوک وشبہات میں اضافہ تو یقیناً ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر آپ کا مقصد سرمایہ دار کے سرمایہ کا تحفظ نہیں بلکہ سودی نظام سے دنیا کو نجات دلانا ہے تو پھر اس کا نتیجہ میں عملی طور پر یہ دعویٰ کیا معنی دارد؟

تیسری وجہ

اقتصادی ماہرین کے متضاد تجزیے

مروجہ اسلامی بینکاری پر جب جمہور علماء حق کی طرف سے تنقیدات اور تحفظات کھل کر سامنے آنے لگے تو مروجہ اسلامی بینکوں سے وابستگان نے ہر تنقید اور تحفظ کو پہلے سے تیار شدہ ایک ہی جواب یک زبان ہو کر عوام وخواص کے درمیان عام کرنا شروع کر دیا کہ "یہ علماء" اس نظام کے بارے میں لاعلمی وجہالت کا شکار ہیں اس لئے معترضین کی بات قابل اعتناء ہی نہیں۔ حالانکہ ان کی تنقید کو صحیح وخیر خواہی پر محمول کیا جانا چاہئے تھا اور کم از کم انصاف یہ بھی معلوم ہونا چاہئے تھا کہ جس رائج نظام کیلئے آپ فقہ اسلامی کی ہیئت تبدیل کر رہے ہیں، یہ معترضین اس فقہ سے اتنے لاعلم اور جاہل بھی نہیں تھے کہ ان کی بات آپ کے سننے اور سوچنے کے قابل ہی نہ ہوتی۔ (اس عدم توجہی کا تجزیہ اگلے صفحات میں آ رہا ہے) (ان شاء اللہ)

جب سودی بینکاری سے عملی تجربہ تعلق رکھنے والے حضرات گرامی اپنے علماء دین کی تنقید اور تحفظات پہلے سے تیار تھے اس لئے اس کا جواب پہلے سے تیار رکھا ہوا تھا۔ لیکن سوء اتفاق کہ دینی جذبہ کی ہمدردی رکھنے والے بعض اقتصادی ماہرین بھی مروجہ اسلامی بینکوں کے حامیوں کے طور پر کھل کر سامنے آ گئے اور انہوں نے اپنی تنقیدات اسلامی بینکاری کے حامی حضرات کی خدمت میں بھیجیں اور دوسرے حضرات نے تو کھلے عام رسائل وجرائد میں بھی اس کے خلاف لکھنا شروع کر دیا اور انہوں نے واضح طور پر یہ لکھا کہ

"جو تمام حیلے اسلامی بینکاری کے نام پر علماء کرام نے وضع کئے ہیں، عملی طور پر معاملات بینک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(اور مزید) ان سے بہت دور ہے۔ مزید یہ کہ وہ ساری خامیاں جن کی نشاندہی حضرت مدظلہ (مولانا محمد تقی عثمانی صاحب) بھی کرتے رہے ہیں وہ سب "میزان بینک" کے معاملات میں موجود ہیں۔ یہ بات بینک کے (۱) بچت اکاؤنٹ، (۲) مرابحہ کے معاہدے اور (۳) اجارہ کے معاہدے کے تجزیہ سے بھی واضح ہیں۔" (انتہی بلفظہ) (بحوالہ تحریر ڈاکٹر ارشد زمان صاحب)

اسلامی بینکوں کے تجزیاتی جائزے کی خامیوں اور خرابیوں نیز حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی تجویز اصولوں پر مشتمل ایک استفتاء "مروجہ اسلامی بینکاری" کے حامی حضرات کی خدمت میں عرصہ سے بھیجا ہے، جس کا کوئی مثبت و تشفی جواب ملنے سے سوال کرنے والے دیندار و مخلص اقتصادیات دان ابھی محروم ہیں۔

دنیا میں بینکاری کے حامی ایک اور اقتصادی ماہر اور معروف بینکار مروجہ اسلامی بینکوں کے طریقہ عمل اور کارکردگی کے متعلق تجربے سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

"دنیا بھر میں اسلامی بینکوں کے جو رپورٹیں کرنے والے بینکوں میں ان شرائط (موصوف نے اسلامی بینکاری کو سودی بینکاری سے جدا کرنے کے لئے کچھ شرطیں بیان کی ہیں) سے انحراف کی مثالیں دیکھنے میں آتی رہتی ہیں، اطلاعات کے مطابق پاکستان میں بھی حالیہ "شرعی آڈٹ" (چیکنگ) میں شرعی حدود سے تجاوز کی مثالیں سامنے آئی ہیں، ان اطلاعات سے اسلامی بینکوں کے ساتھ کاروبار کرنے والے بے فکر و مضطرب ہیں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔" (تحریر ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی صاحب)

اب سوال یہ ہے کہ جس نظام کے لئے اتنا اہم کردہ فقہی بنیادوں کو ماہرین فقہ ناقص الحوکلی اور بے بنیاد قرار دے رہے ہیں اور دینی فکر کے حامل اقتصادی ماہرین بینکار حضرات کو اپنے میدان میں عملی مشاہدات کے باوجود اسلامی بینکنگ (Islamic Banking) اور سودی بینکاری (Conventional Banking) کے درمیان واضح فرق محسوس نہ ہو سکے تو ایک عامی دونوں میں کیسے فرق کر سکے گا اور اپنے تجربوں کے لئے مروجہ اسلامی بینکاری کو اسلامی اصولوں پر مبنی کیسے سمجھ سکے گا؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

علمائے کرام کے دلائل کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے کے بعد ان اقتصادی ماہرین کے تحفظات وخدشات کو کس کھاتے میں ڈالا جائے گا؟ کیا ہوتا ہے کہ ایسے بینکار حضرات کے اعتراضات کو فقہ اسلامی سے لاعلم ہونے کی وجہ سے رد کیا جاتا ہے۔

چوتھی وجہ

حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کا محتاط رویہ اور ان کے حقیقت پسندانہ جائزے

مروجہ اسلامی بینکاری سے متعلق عوام کی بے چینی، خواص کے تحفظات اور عدم اطمینان کی ایک بنیادی وجہ اسلامی بینکوں کے پیچھے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کا محتاط و ذمہ دارانہ رویہ ہے۔

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اگر مولانا مدظلہم اسلامی بینکوں کی پشت پر نہ ہوتے تو یہ بینک کم از کم پاکستان میں پذیرائی حاصل نہ کر سکتے، جو پذیرائی ملی ہے وہ صرف مولانا کی تائید وحمایت کی وجہ سے ملی ہے۔ مولانا کی نیت نیک تھی، نیک جذبات اور نیک توقعات کے باوجود شروع سے یہ محسوس فرما رہے تھے کہ سودی بینکاری کے متبادل جو "غیر سودی اسلامی بینکاری" (Riba Free Islamic Banking) کو متعارف کروایا گیا ہے یہ حقیقت میں ادھورا ہے۔ مولانا نے اسلامی معاشی نظام کی حقیقی شکل نہیں بلکہ عبوری دور کی ضرورت کے لئے ایک ایسا نظام ہے جسے "اسلامی متبادل" کہا جائے کہ مولانا مدظلہم کی تحریرات میں یہ بات واضح ہے کہ عبوری دور کے لئے وضع کردہ مروجہ بینکاری نظام، قابل اطمینان نہیں ہے، یہ بجائے خود کوئی مستقل نظام نہیں ہے۔ یعنی اسلامی بینکاری کی اصل بنیاد مشارکہ و مضاربہ ہے کے اصولوں پر ہونی چاہئے اور صرف عبوری دور تک اجارہ، مرابحہ وغیرہ کو عبوری حالات کے لئے ہی اختیار کیا جاتا رہے گا۔

مگر آپ کا جو تعلق اسلامی بینکاری کے ساتھ عرصہ دراز سے رہا ہے اس کی محتاط و ذمہ دارانہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

عبارت مجلس تحقیق درج ذیل ہے:

"ہم اس بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ فتویٰ صرف اس وقت جائز (یا درست) ہوگا جب تک بینک کی تجارت (تجارتی) اور طریقہ کار علماء کی نگرانی میں کیے جائیں اور مشارکہ و مضاربہ کے بارے میں قواعد میں پوری طرح سے عمل ہو، اگر ان قواعد کی عدم تعمیل کی صورت میں وہ "استثمار" شریعت کی رو سے جائز نہیں ہوگا، لہٰذا ہمارے کہنے پر دیندار لوگوں کو چاہیے کہ "دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی" سے رابطہ رکھیں اور وقتاً فوقتاً بینک کے بارے میں ان کی [illegible] شرعی حیثیت معلوم کرتے رہیں"۔

الجواب صحیح	کتبہ
محمد تقی عثمانی (مفتی دارالعلوم کراچی)	عصمت اللہ

تاریخ اجراء: ۱۳/۱۲/۱۴۲۰ھ

اسلامی بینکاری سے متعلق مولانا زاہد مدظلہم کے اس مدعیٰ کی وجہ سے متعدد بنیادی سوالات جنم لیتے ہیں:

(الف) مروجہ نظام بینکاری کی بنیاد مرابحہ اور اجارہ پر حیلہ سازی کے ذریعہ مجبوری دور (Over-Night Period) گزارنے کے لئے رکھی گئی تھی۔ سوال یہ ہے کہ یہ مجبوری دور کب ختم ہوگا؟ کیا ہم اسلامی بینکاری کو حقیقی شکل میں اسلامی اصولوں پر گامزن ہوتے دیکھ سکیں گے؟ مروجہ اسلامی بینکوں کے حامی بعض حضرات کے طرز عمل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مجبوری دور کی حیثیت بدلتی جا رہی ہے اب اسے مستقل سمجھتے ہیں، چنانچہ "مجبوری" اب ان حضرات کی تحریروں میں نظر نہیں آتا بلکہ "مرابحہ" اور "اجارہ" کو اسلامی بینکاری کی حقیقی بنیاد قرار دینے پر زور دیا جانے لگا ہے، اور اس کی تعمیل میں مستقل کتابیں اور رسالے لکھے جا رہے ہیں۔

حالانکہ اسلامی بینکوں کے حامی حضرات کی ذمہ داری تھی تو یہ شان تھی کہ وہ اسلامی بینکوں کو رفتہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

رفتہ رفتہ "مشارکہ" و "مضاربہ" کی بنیادوں کی طرف لے جانے کے لئے کردار ادا کرتے نہ یہ کہ وہ مجبوری دور کے علماء بھی بجائے عصر کے تقاضوں کو پیش نظر بنا کر بیٹھ جائیں۔ ان لوگوں کے اس طرز عمل سے یہی تاثر ابھرتا ہے کہ مروجہ بینکاری کی طرح یہ لوگ بھی اسلامی بینکوں کو ان کی حقیقی بنیادوں کی طرف لیجانے میں سنجیدہ اور مخلص نہیں ہیں۔ اگر مخلص ہیں تو اس طرز عمل کی کیا وجہ ہے؟۔

(ب) مذکورہ بالا فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ اگر "مشارکہ" و "مضاربہ" کے قاعدوں کے مطابق سرمایہ کاری نہ کی گئی تو اسلامی بینکوں کی سرمایہ کاری شریعت کی رو سے جائز نہ ہوگی۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں میں "مشارکہ" و "مضاربہ" کا عنصر کتنا ہے؟ شروع سے لے کر اب تک اس ضمن میں کتنی پیش رفت ہوئی ہے؟

اگر اسلامی بینکوں کی سرمایہ کاری میں مشارکہ و مضاربہ کے قاعدوں پر سختی سے عمل نہ ہو رہا ہو اور مشارکہ و مضاربہ کا عنصر نظر انداز کیا گیا ہو اور مشارکہ کی طرف پیش رفت کی قابل ذکر کوششیں موجود نہ ہوں تو کیا مذکورہ فتویٰ تب بھی مروجہ اسلامی بینکوں کو جواز کا سہارا دے سکے گا؟

ہمارا خیال یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں کے مجوزہ حضرات تو اس سوال کو بھی مرابحہ و اجارہ کے دلائل میں چھپانے کی کوشش کریں گے مگر دیانتدار اہل علم اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم جیسے اللہ سے ڈرنے والے دیانتدار اور متقی انسان اس کو جائز نہیں کہیں گے کیونکہ وہ اپنے تحقیقات بیشتر مضامین میں اسے غلط سمجھتے ہیں اور بعض دروس و ارشادات اور مجالس میں پوری دیانتداری کے ساتھ اس کا برملا اظہار بھی فرماتے رہتے ہیں کہ:

"اسلامی بینکاری نے بنیادی اقتصادی مقاصد کو پورا نہیں کیا ——— نفع مشارکہ کی طرف کسی قسم کی پیش رفت کی قابل ذکر کوششیں موجود نہیں ——— مرابحہ، اجارہ وغیرہ کا استعمال بھی روایتی معیارات KIBOR وغیرہ سے کرتے ہوئے کیا جا رہا ہے جس کا آخری نتیجہ مادی طور پر سودی معاملے سے مختلف نہیں ہوتا ——— بعض اسلامی بینکوں میں یہ محسوس کی گئی ہے کہ ان میں مرابحہ و اجارہ کو بھی ان کی شرائط مطلوبہ پوری کرنے کے مطابق نہیں کیا جاتا (اسلامی بینکاری کی بنیادیں، تحقیقات بینات جنوری ۲۰۰۹ء ۲۲۸)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس پر حضرت مولانا مدظلہم نے اپنی حقیقت پسندی، ناگواری اور مایوسی کا اظہار ایک موقع پر اس طرح کیا ہے:

”یہ ایک حیلہ نکالا گیا ہے اور اس کے حیلہ ہونے پر کوئی شبہ نہیں، اس لئے میں جہاں بھی وقیل بحث ہو وہاں اسی بات پر زور دینے کی کوشش کرتا ہوں کہ مرابحہ اور اجارہ کے معاملات کم کرو اور رفتہ رفتہ ”شرکت“ اور ”مضاربت“ کی طرف بڑھو اور جہاں ایسا نہیں کرتے وہاں سے میں رفتہ رفتہ الگ بھی ہو رہا ہوں، اس وجہ سے کہ یہ نہیں ہو گیا، ایک حیلہ کر لیا... اپنی ساری سرگرمیاں اسی پر رہیں یہ ٹھیک نہیں“۔ (بحوالہ ماہنامہ ”تعمیر افکار“ کراچی فروری ۲۰۰۲ء انٹرویو)

یہی خیالات حضرت نے ۲۴ جنوری ۲۰۰۹ء کو بیت المکرم مسجد گلشن اقبال میں ”ڈپلومہ کورس“ کے اختتام کے موقع پر ارشاد فرمائے ہیں۔

حضرت مدظلہم کے اس ذمہ دارانہ اور حقیقت پسندانہ رویے کے ضمن میں ان کے بعض اقارب و رفقاء جو مروجہ اسلامی بینکاری کے فروغ پر کمر بستہ ہیں، سے یہ سوال ہوتا ہے کہ ان کے رویے میں مولانا مدظلہ کی بصیرت کیوں مفقود ہے؟

(ج) اسلامی بینکوں کے شرعی بورڈ کی حیثیت (مذکورہ بالا فتویٰ) کے حوالے سے اہلِ علم، نوجوان اسلامی بینکاروں سے کا سوال یہ کرتے ہیں کہ مولانا مدظلہم کے حقیقت پسندانہ جائزوں، تجزیوں اور شکوؤں کی موجودگی میں بینکوں کے بورڈ میں موجود فتویٰ دینے والی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اسلامی بینکوں کی حیثیت بھی یقیناً مجموعی طور پر تو صرف حیلوں کی ہو گی؟

درست فتویٰ میں بھی حضرت مولانا سے روحانی نسبت سے تعلق، محبت اور عقیدت و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے ان کے محتاط، ذمہ دارانہ رویے اور حقیقت پسندانہ جائزوں کو سامنے رکھتے ہوئے دینی علمی شخصیتوں اور اداروں کو ان کا فتویٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔

(د) حضرت کے دیئے ہوئے نظام کی تشکیل اور تشریح کی ذمہ داری اٹھانے والے لوگوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے جس مجموعی ذمہ داری کا مظاہرہ کیا وہ اسلامی معاشرے اور اسلامی بینکوں میں شدید ابتری اور خرابی کا باعث بنا۔ یہ وہ طبقہ جس نے حضرت کے فراہم کردہ نظام کی عملی تطبیق کی ذمہ داری لی (بینکار حضرات)، دوسرا طبقہ جس نے آپ کے مرتب کردہ نظام کا شرعی منصب سنبھالا۔ پہلے طبقے نے حضرت کی ہدایات و ارشادات کی روشنی میں نظام چلانے کا جو وعدہ اور عزم ظاہر کیا تھا وہ اس پر پورا نہیں اترے بلکہ انہوں نے اسلامی بینکوں کو اپنے تصور وجود کا محور بنانے میں کردار ادا کیا ہے جس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ اسلامی بینکوں کو سودی بینکوں والا آخری متبادل بنا دیں گے۔

واضح رہے کہ سودی بینکاروں میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں، ہمارے ان بینکاروں کی یہ روش ہمارے مولانا زید مجدہم کے ساتھ ایک دھوکہ اور بے انصافی ہے جس کا اظہار مولانا مدظلہم مختلف مجالس میں کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔

مجھے معذرت سے یہ کہنے دیجئے کہ اسلامی بینکاری مولانا زید مجدہم کے خیالات و افکار سے مخالف سمت میں رواں دواں نظر آتی ہے۔ ہمارے خیال میں ان لوگوں کا اصل ہدف (جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ہے) یہ تھا کہ وہ اسلامی بینکوں کو ان کی حقیقی بنیادوں (مشارکہ و مضاربہ شرعیہ) کی طرف دھکیلنے میں مدد دیتے اور مجبوری کی صورت کے لئے تجویز کردہ حیلوں (Legal Devices) کے وقتی جواز اور دائمی ترویج کو وقت دینے کی بجائے مستقل بنیادی نظام پر حقیقی و تحقیقی اصطلاحات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے اور ان سے قابل عمل ہونے میں اپنی کوششیں صرف فرماتے مگر ان لوگوں کی توانائیوں کا مرکز اجارہ، مرابحہ وغیرہ بنا ہوا ہے۔ اس صورتحال میں ہم کیسے اطمینان کر لیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری اپنی حقیقی بنیادوں کی طرف بڑھتے ہوئے مروجہ سودی بینکاری کا متبادل بن سکتی ہے؟

این خیال است و محال است و جنون

یہاں پہنچ کر ہمارے لئے یہ سمجھنا انتہائی مشکل ہو رہا ہے کہ یہ طبقہ حضرت مولانا زید مجدہم کے اقدامات کے ساتھ کس حد تک مخلص ہے اور اسلامی بینکوں کو غیر سودی متبادل بنانے میں کتنا مخلص ہے؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

مروجہ اسلامی بینکاری کے غیر اسلامی ہونے پر اتمام حجت:

مروجہ اسلامی بینکاری کے جواز و صحت پر مشتمل حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا مقالہ و تحقیقی مواد اور ترتیب کے حقائق پیش نظر جائزے کے بعد تحفظات و خدشات کے بعد مروجہ اسلامی بینکوں کے طریقہ کار کو خالص اسلامی نہیں کہا جا سکتا۔ جو لوگ حضرت مولانا مدظلہم کے تقویٰ و علم پر اعتماد کرتے ہوئے اس نظام کا حصہ بنے تھے اور انہوں نے مروجہ اسلامی بینکاری کے ذریعہ سرمایہ کاری کی تھی، مولانا کی حقیقت پسندی پر مبنی صورت حال اور ان تحفظات کے بعد ان کے لئے اس نظام سے وابستہ رہنے کے لئے مولانا کو حجت بنانے کی گنجائش بھی باقی نہیں رہی ہے اور نہ مزید کسی شبہ و اشکال اور ابہام کی تنقیح کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

چونکہ مولانا نے مروجہ اسلامی بینکوں کو جن فقہی بنیادوں پر قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا ان بنیادوں پر شرعی و اصولی اشکالات و تحفظات سے بحث کی بھی چنداں حاجت و ضرورت تو نہیں رہی، کیونکہ حضرت مولانا کی عبارت ہی کافی ہے "فصاحب البیت ادری بما فیہ" بینکوں کو اسلامی کہنے کے لئے اگر مولانا حجت ہیں تو غیر اسلامی کہنے کے لئے بھی وہی حجت بن چکے ہیں۔

تاہم مزید وضاحت میں کچھ معروضات پیش کر دیتے ہیں تاکہ مروجہ اسلامی بینکاری سے وابستگان اور حمایتی حضرات پر حجت تمام ہو جائے کہ فقہ اسلامی کے کیسے مرتبہ "ربح" اور "ربوا" کی اصطلاحی تعریف کی رو کی وجہ سے اسلامی اصطلاحوں کے ساتھ "الحیل بالباطل" کے مروجہ طریقوں کی رو سے تمام ہو چکے، اگر کوئی پیچیدگی کے ساتھ بھی اصطلاحات کا سہارا لے کر فقہ اسلامی کی رو سے مروجہ اسلامی بینکوں کا حکم معلوم کرنا چاہتا ہے تو ہم شرعی تجزیہ کرتے ہیں جو حقائق جاننے والوں کے لئے اہل علم اور متخصصین کی خدمت میں مختصر جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

مروجہ اسلامی بینکاری میں استعمال شدہ اصطلاحات کا تجزیہ

چونکہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ "مروجہ اسلامی بینکاری" کا بنیادی ڈھانچہ کھڑا کرنے کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لئے چھ بنیادی ستونوں کا سہارا لیا گیا تھا

۱۔ مضاربہ ۲۔ مشارکہ ۳۔ مرابحہ

۴۔ اجارہ ۵۔ سلم ۶۔ استصناع

ان چھ مخصوص بیوع کے علاوہ ''مروجہ بینکاری نظام'' نے مروجہ اسلامی بینکوں کو ''خیراتی فنڈ'' (Charity Fund) میں ایک اہم ستون دینے کا التزام واہتمام بھی کیا ہے وہ ستون ''شخص قانونی'' (Juristic person) کے نام سے متعارف ہے۔ ''اسلامی بینکاری'' کا یہ ڈھانچہ سودی نظام کی غیر معتدل آمدنی کی بجائے مجموعی طور پر وقت مرابحہ، اجارہ، شرکت متناقصہ اور ''شخص قانونی'' جیسی غیر مرئی طاقت پر کھڑا ہے۔ چونکہ ہم یہ سابقہ مخصوص عقود (Transaction) اصطلاحی چونکہ مروجہ اسلامی بینکاری کے لئے استعمال ہوتے ہیں اس لئے ہم ان اصطلاحوں کے استعمال سے متعلق مختصراً یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ان اصطلاحوں کے استعمال میں اسلامی بینکوں کے حامی حضرات گرامی نے کس وضاحت سے کام لیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے:

مضاربہ و مشارکہ: (Mudharabah & Musharakah)

فقہی ابواب میں عام طور پر مضاربہ کے ساتھ ''شرکت'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے نہ کہ ''مشارکہ'' کا۔ ''مشارکہ'' کی اصطلاح زیادہ تر اس لئے وضع کی گئی ہے کیونکہ مروجہ مشترکہ کاروباری طبقے ''کمپنی'' کہلاتا ہے اور کمپنی ''شرکت'' کی کسی قسم کے تحت صحیح طور پر منطبق نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کمپنی کے مفہوم و مصداق کو قائم کرنے کے لئے ''مشارکہ'' کا لفظ زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس کا لغوی معنیٰ ہے ''باہمی اشتراک کا معاملہ'' کسی مخصوص نوعیت کے بجائے مشترک تجارتی عمل (Joint Trade Enterprise) کا مفہوم سمجھنے کے لئے ''شرکت'' کی بجائے ''مشارکہ'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک نئی صورت کے تحت ''مشارکہ'' کے ضمن میں شرکت متناقصہ (Diminishing Musharakah) کی اصطلاح بھی نکال ڈالی۔ جبکہ شرکت متناقصہ کی اصطلاح

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

شریعت میں بالکل مفقود ہے تھی۔ روایتی لیزنگ (Leasing) کو کسی اسلامی عقد سے مشابہت نہیں تھی اس لیے اسے اسلامی مذہبی نام دینے کے لیے مجبوری کے تحت شرکت متناقصہ کی اصطلاح متعارف کرائی گئی جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ یہ تمویلی صورت شرکت کے مقتضی عنصر کے باوجود مروجہ اسلامی بینکاری میں بہت اہم نتیجہ بخش تمویلی طریقہ کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔

مرابحہ مؤجلہ (Murabahah)

یہ بھی درحقیقت دو فقہی اصطلاحوں کا مجموعہ ہے۔ بیع کی دو الگ الگ قسمیں ہیں۔ ایک ہے "بیع مرابحہ" اور دوسری "بیع مؤجل" (البیوع الی الآجال) (Credit sale) دونوں الگ الگ قسم ہیں۔ بیع مرابحہ کسی مدت اور وقت کے ساتھ مقید نہیں ہوتی جبکہ بیع مؤجل طویل المدتی یا (Long Term) قلیل المدتی (Short Term) معاہدوں کے ساتھ ہونے والی بیع کہلاتی ہے۔ "بیع" کی ان دونوں قسموں کو جس مقصد کے لیے اکٹھا کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مروجہ بینکاری نظام میں سودی قرضہ جات اور "تقسیطی اجارہ" (Leasing) کو بیع کی شکل میں طریقہ کار سے بدل کر اسلامی بینک میں اسلامی اور فقہی نام سے جاری و ساری کیا جا سکے۔

سلم یا استصناع (Salam & Istisna)

سلم یا استصناع کی بیع کے حوالے سے ہمیں اپنے ان کرم فرماؤں سے نااتفاقی کا شکوہ ہے، کیونکہ انہوں نے ان دو فقہی اصطلاحوں کو اسلامی بینکاری کے معاہدوں میں شمار تو کیا مگر اسلامی بینکاری میں ان کا کردار معدوم یا کالعدم کے درجہ میں ہے۔ حالانکہ "مرابحہ مؤجلہ" کی طرح "سلم" سے بھی کئی کثیر الفوائد منافع حاصل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ "بیوع الی الآجال" عام طور پر معمولی سی احتیاط سے سود خوروں کے لئے سود کی پناہ گاہ اور سود کا ذریعہ بنا کرتی ہیں۔ (اصول ۲، ۵)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

شخصِ قانونی (Juristic Person) کی اصطلاح:

"شخصِ قانونی" کی تفصیل ہم ان شاء اللہ آگے کے صفحات میں قدرے تفصیل سے عرض کریں گے۔ یہاں پر صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ "شخصِ قانونی" کے غیر مرئی و فرضی وجود اور فقہ اسلامی میں غیر مانوس اصطلاح کو اسلامی بینکوں کی محدود ذمہ داری کو ثابت کرنے کے لئے بیت المال، وقف، ترکہ مستغرق بالدین، خلطۃ الشیوع وغیرہ جیسی نظیروں اور مثالوں سے محدود ذمہ داریوں (Limited Liabilities) وغیرہ جس طرح ثابت کئے گئے ہیں، ہمارا خیال ہے اس قیاس میں بے انتہا عمیق فرق اور بے پناہ علمی اشتباہ کی پیچیدگی موجود ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے برداشت کیا گیا کہ یہ ثابت ہو سکے کہ کسی غیر اسلامی قانون میں "شخصِ قانونی" کو جو تصور دیا گیا ہے اسے شرف و اسلام کیا جائے اور اسلامی بینکاری میں اس سے وہی خدمات (Services) لی جائیں جو خدمات وہ (شخص قانونی) سودی بینکوں میں انجام دے رہا ہے، تاکہ اسلامی بینک، بینکاری کی دوڑ میں کسی طور پر بھی روایتی بینک سے پیچھے نہ رہ جائے اور کسی قسم کے احساس کمتری کا شکار نہ ہو اور ترقی کے تمام مواقع سے محروم نہ رہ سکے۔

غور طلب بات:

ممکن ہے ہمارے محترم ارباب علم، روایتی بینکاری اور اسلامی بینکاری پر ہمارے عدمِ اطمینان کی طرح فقہی اصطلاحوں سے متعلق ہماری ان گزارشات کو بھی در خورِ اعتناء نہ سمجھیں اور یہ فرمائیں کہ فقہی اصطلاحات کوئی منصوص تعبیرات نہیں ہیں، یہ اصطلاحی ہیں اور ہمارا اعتراض فقہاء کرام ہی کی تقلید ہے اور "لا مشاحۃ فی الاصطلاح" کا اصول ہمیں اس سے منع نہیں کرتا، بلکہ جائز قرار دیتا ہے۔ بلاشبہ یہی بات ہے مگر غور طلب بات یہ ہے کہ بالخصوص آج کی دنیا کی مجبوری بن چکی ہے، بینک کے لئے ایک منظم و مرتب نظام بھی اس کا لازمہ ہے۔ چنانچہ بینک کے موجدین نے اپنی فکر و تصور کے مطابق اس نظام کی ترتیب و تشکیل کی اور اسے ایک نام (سانچے) دینے کے لئے "بینک" سے واضح طور پر تادیر بنیادی فکر و

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تصور کے مطابق فوائد و منافع حاصل ہوتے رہیں۔

اس نظام کی مثال کسی فیکٹری کے سانچوں کی ہے جنہیں مخصوص شکل و صورت والا سامان بنانے کے لئے تیار کیا گیا ہو، اگر اس سانچے میں ذرا بھی ترمیم کیا جائے تو مطلوبہ سامان مرغوبہ شکل و صورت کے مطابق حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس مروجہ بینکاری نظام کی مثال ایسی مشینری سے بھی دی جا سکتی ہے جس کے کارآمد رہنے کے لئے اس کے تمام پرزوں کا اپنی اپنی جگہ پر ہونا ضروری ہے، اگر کوئی پرزہ اپنی جگہ سے معمولی سا بھی ہٹ جائے یا نکل جائے تو یہ مشین اپنا کام چھوڑ دے گی یا صحیح طور پر کام نہیں سرانجام دے گی۔ اس لئے "سینٹرل بینک" کے نظام کو پوری دنیا میں سود پر بینکاری نظام چلانے کے لئے مجبوری تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس لئے بینکار حضرات اس نظام میں کسی قسم کے رد و بدل کے روادار نہیں، اگر کسی حد تک رضامند ہو بھی جائیں تو اپنی بنیادی تھیوری یا پالیسی سے ہٹ کر نہیں کی بجائے پوری سہولت کے ساتھ مثال کے طور پر ہم پاکستان میں کوئی بینک بنانے کے لئے "اسٹیٹ بینک" (مرکزی بینک) کی پالیسی کے پابند رہیں گے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مرکزی بینک بدقسمتی سے عالمی بینک کی پالیسی کا تابع بنا ہوا ہے۔

مروجہ بینکاری نظام، اسلامی قوت سے تمام کی فکر پر قائم ہے اور دنیا کا ۱/۴ حصہ اسلام کے پیروکار ہیں مگر "ورلڈ بینک" کا نظام اس کی پرواہ نہیں کرتا، یہاں تک کہ اسلام کے دو عظیم مراکز سعودی عرب اور پاکستان کے لئے بھی اپنے سانچوں میں کوئی ایسے ردوبدل کو قبول نہیں کہ یہ لوگ اپنی اسلامی فکر کے تحت عالمی بینکاری نظام سے علیحدہ کر کے کوئی دینی بینکاری نظام چلا سکیں۔

حق مخصوص:

مروجہ سودی نظام کے مقابلے میں یہ ہے کہ ہمارا اسلامی نظام اور اس کی فقہی اصطلاحات اتنی مظلوم اور لاوارث ہیں کہ کوئی بھی جدید معاشی بینکاری اصطلاحات کے بجائے ان کے ذخیرے سے کوئی اور وراثت نہیں اور یہ لوگ اسلامی اصطلاحات میں جب چاہیں جس طرح کی ترمیم کرتے ہیں اس میں کوئی معنی نہیں رہ جاتا یا سارے الفاظ میں یوں کہیں کہ بینکنگ کا نظام اسلام کے ... مشکل میں ہیں، اس لئے ہم فقہ اور اسلام کو بینکنگ کے تابع بنا لیتے ہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تاکہ غرر کے نظام میں اسلام کا موقف بھی سمجھ آجائے اور اسلام و مغرب کا تقابلی منظر پیش ہو سکے۔

فائدہ:

اسلامی بینکاری کے ضمن میں "غرر" کا بسا اوقات تذکرہ بھی آتا ہے، جہاں تک غرر کا تعلق ہے اگر اس کی مکمل تحقیق ہو جائے تو یہ اسلامی بینکاری کی صحت کے لئے "دافع اضمحلال" ہے، اسی خطرے کے پیش نظر ڈاکٹر عمران صاحب اس موضوع پر اچھا خاصا تحقیقی کام کر چکے ہیں اور انہوں نے سینکڑوں صفحات پر مشتمل ایک سے زائد مقالے بھی لکھے ہیں مگر افسوس کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی تحقیق میں "مروجہ اسلامی بینک" کے دفاع کا پہلو حسب عادت واضح نمایاں ہے۔

شخص قانونی اور اس کی فقہی حیثیت

تمہید:

"کمپنی" کی دو بنیادی خصوصیات "بینک" کا موثر ترین جزو بلکہ بنیادی ستون ہیں، جن کے بغیر "بینک" کا تصور ہی وجود پذیر نہیں ہو سکتا، ایک بنیادی خصوصیت "شخص قانونی" ہے، دوسری خصوصیت "شخص قانونی" کا لازمہ ہے یعنی محدود ذمہ داری۔ اگر کمپنی اور محدود ذمہ داری کا بنیادی تصور شریعت کے مطابق ٹھہرے تو کمپنی کے ذریعہ طریقہ تمویل (Mode of Financing) کی جزئیات کو جاننا ضروری ہوگا۔

کارپوریٹ لاء اتھارٹی (Cooperate Law Authority) کے اجازت نامہ کے ساتھ جو کمپنی وجود میں آجائے تو وہ کمپنی مروجہ قوانین کے مطابق ایک فرضی و اعتباری شخص قرار پاتا ہے۔ قانون کی رو سے یہ فرضی شخص بالکل حقیقی انسان کی طرح تصرفات و معاملات کی ادائیگی و ذمہ داری کا اہل تصور کیا جاتا ہے۔ البتہ قانون حقیقی اور اعتباری شخص کے درمیان یہ فرق کرتا ہے کہ حقیقی انسان کی ذمہ داریاں غیر محدود ہوتی ہیں جبکہ فرضی انسان یا شخص قانونی کی ذمہ داری محدود ہوگی، مثلاً نفع کی وراثت میں وہ حقیقی انسان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے متعلق ہو جاتا ہے، جو کمپنی کے معاملے میں اس کے برعکس ہوگا۔

کمپنی میں بھی ایسے ہی ہے۔ (شخص قانونی اور اس کی محدود ذمہ داری) شرعی اعتبار سے قابل غور اور باعث تجزیہ ہیں۔ یہ دونوں چیزیں ہی ایسی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کمپنی اور شرکت کے درمیان علاقہ تضاد بھی قائم رہتا ہے کیونکہ شریعت "شرکت" کے لئے الگ سے مستقل وجود کی قائل نہیں جبکہ مروجہ قانون "کمپنی" کے الگ وجود کو تسلیم کرتا ہے۔ نیز شرکت میں شرکاء کی ذمہ داریاں محدود نہیں ہوتیں جبکہ کمپنی میں "شخص قانونی" کی ذمہ داریاں محدود ہوتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ شرکت اور کمپنی کے اس جوہری فرق کو تسلیم کر لینے کے بعد قانونی شخص اور محدود ذمہ داری کا تصور اسلام کے مطابق ہے یا نہیں؟ بعض اکابر اہل علم یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ یہ اصطلاحیں خالص اسلامی نہیں بلکہ مغربی قانون کی ہیں، مگر شریعت میں اس سے ملتی جلتی بعض صورتیں پائی جاتی ہیں جن پر قیاس کرتے ہوئے شخص قانونی اور محدود ذمہ داری کے تصور کے درست ہونے کی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ یہ حضرات اہل علم اپنی رائے کے مطابق شخص قانونی کے تصور کے لئے چار شرعی اصطلاحیں پیش کرتے ہیں۔ ذیل میں ان اصطلاحوں سے طرز استدلال اور اس پر فقہی تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

شخص قانونی کی پہلی اور دوسری فقہی نظیر :

وقف اور بیت المال: ان حضرات اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ دونوں ادارے غیر شخصی ادارے ہیں ان کی حیثیت شخص معنوی کی ہے لیکن اس کے باوجود ان اداروں کی معنوی حیثیت انسان کی حسی حیثیت جیسے اوصاف کی نسبت رکھتی ہے، مثلاً ملکیت، خرید و فروخت اور حصول ڈگری جو خالص انسانی اوصاف ہیں، وہ اوصاف وقف اور بیت المال میں بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ وقف اور بیت المال دائن، مدیون، مدعی، مدعیٰ علیہ اور مالک بن سکتے ہیں۔ ان اداروں کی معنوی حیثیت کے باوصف یہ تصرفات تسلیم کئے جاتے ہیں، تو پھر کمپنی کی معنوی حیثیت کے لئے بھی اس قسم کے اوصاف کو تسلیم کر لینے کی گنجائش ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تجزیہ

ہمارے خیال میں کمپنی کی معنوی حیثیت کو وقف اور بیت المال کی معنوی حیثیت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور دونوں کے درمیان کئی وجوہ سے بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔

۱۔ وقف اور بیت المال کے لئے انسان کے مالکانہ تصرفات واوصاف کا ماننا خلاف قیاس ضرورت و حقیقت کے تحت ہوتا ہے، تاکہ حقوق عامہ اور خاصہ کا تحفظ ممکن بنایا جا سکے، خلاف قیاس اور غیر معقول امر صرف ضرورت ہی میں جائز ہوتا ہے، قیاس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کشف الاسرار میں ہے:

وان لا یکون حکمه معدولا به عن القیاس

(کشف الاسرار، باب شروط القیاس، ج ۳، ص ۳۲۲، ط: دار الکتب العلمیه بیروت لبنان)

۲۔ وقف اور بیت المال کے حقوق کے ساتھ شخصی حیثیت میں کسی کا مالکانہ تعلق قائم نہیں ہوتا صرف حق انتفاع ہوتا ہے، جبکہ کمپنی کے زیر استعمال اثاثے شرکاء کی ملکیت ہوتے ہیں۔ اس لئے وقف اور بیت المال میں حقوق کی نسبت کسی فرد کی بجائے ان اداروں کی طرف کی جاتی ہے، کیونکہ متعلقہ افراد کا ان اداروں کے ساتھ ملکیت والا تعلق نہیں ہوتا ورنہ حقوق کی نسبت ان ہی افراد کی طرف کی جاتی، جبکہ کمپنی میں ایسے افراد موجود ہوتے ہیں اس لئے کمپنی میں حقوق کی نسبت فرضی انسان کی بجائے حقیقی انسانوں ہی کی طرف ہوگی۔

۳۔ کمپنی جب ختم ہو جائے تو کمپنی کے اثاثے کمپنی کے شرکاء کی طرف حصص کے تناسب سے لوٹا دیے جاتے ہیں یعنی شخص قانونی مرحوم کے ترکہ کے وارث بھی حقیقی شرکاء ہوتے ہیں، جبکہ وقف اور بیت المال کے ختم ہونے کی صورت میں کسی فرد میں حصہ کا حق نہیں، اسی لئے واقف کا تصرف نہیں۔ شامی میں ہے:

ان المسجد لانه لم یبق علی ملک الواقف ولا انتقل الی ملک غیره، بل صار علی حکم ملک الله تعالی الذی لا ملک فیه لاحد سواه، والا فالکل ملک الله تعالی، واستحسن فی الفتح قول مالک رحمه الله تعالی انه حبس العین علی ملک الواقف فلا یزول عنه ملکه، لکن لا یباع ولا یورث ولا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یوجب مثل ام الولد والمدبر و حققه بما لا مزید علیه

قلت: الظاهر ان هذا مراد شمس الائمة السرخسي حيث عرفه بانه حبس المملوك عن التمليك من الغير، فان الحبس يفيد انه باق على ملكه كما كان وانه لا يباع ولا يوهب

(الدر المختار: ج۴ص ۳۳۸، ۳۳۹ط: سعید کراچی، و کذا فی رد المحتار: ج۴ص ۳۵۵، ۳۵۶ط: کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد او غیره ط: سعید کراچی پاکستان)

۲۔ وقف عام ہو اور موقوف علیہم غیر محصور ہوں تو متولی کو اختیار رہتا ہے کہ جس کو چاہے اور جتنا چاہے دے سکتا ہے، جبکہ شخص قانونی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ اگر واقف نے مخصوص فقراء کے لئے وقف کی تصریح کی ہو تو وقف بحکم وصیت ہوگا اور وصیت کی طرح نافذ ہوگا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ان كان الوقف على الفقراء قرابته و قريبه و هم لا يحصون او يحصون او احد الفريقين يحصون و الآخر لا يحصون ففي الوجه الاول للقيم ان يجعل نصف الغلة لفقراء قرابته و نصفها لفقراء القرية لم يعطي من كل فريق من شاء منهم و يفضل البعض كما يشاء، لان قصده الصدقة و في الصدقة الحكم كذلك، و في الوجه الثاني يصرف الغلة الى الفريقين بعدد هم و ليس له ان يفضل البعض على البعض، لان قصده الوصية و في الوصية الحكم كذلك، و في الثالث يجعل الغلة بين الفريقين اولا فيصرف الى الذين يحصون بعدد هم و الى الذين لا يحصون سهما واحدا لم يعطى هذا السهم من الذين لا يحصون من شاء و يفضل البعض في هذا السهم كما بينا ..... (الفتاوی الهندیة: ج۲ص ۴۱۰ الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الاوقاف، ط: رشیدیه کوئٹه)

۳۔ وقف اور بیت المال کے قیم اور متولی (ناظر یا نگران) کا تقرر ہوتا ہے، جبکہ کمپنی (شخص قانونی)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے ڈائریکٹر حضرات ان اصلاً حصہ دار اور کچھ حصہ دار ہوتے ہیں، اور ان کے عہدے اور تصرفات خالصۃً تجارتی و معاوضاتی ہوتے ہیں، کیونکہ کمپنی کے ڈائریکٹر حضرات دراصل اپنے ہی سرمائے سے کمپنی بناتے ہیں اور کاروبار کا آغاز کرتے ہیں، پھر دیگر لوگوں کو کمپنی میں حصہ دار بناتے ہیں اس طور پر ڈائریکٹر حضرات اپنی طرف سے اصیل اور باقی تمام حصص (Share holders) کی طرف سے وکیل (Agent) بن کر تصرف کرتے رہتے ہیں اور ان کو بالواسطہ اور بلاواسطہ فائدہ بھی ان کو باہم پہنچتا رہتا ہے۔ مختصر یہ کہ کمپنی کے غیر متحرک شرکاء (Sleeping Partner) سے اجرت بھی لیتے ہیں اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کمپنی (شخص قانونی) کے ساتھ اس کے ڈائریکٹران کا دوہرا اعتباری تعلق ہے، ایک شیئر ہولڈر کی حیثیت سے اور دوسرا کمپنی کے لاحصہ و نقصان اور غیر محدود نفع کے لازم سے

"كأن الشركة فيها تخرج وتدخل وفيهم تلقى وتجتلب"

۱۳۔ وقف اور بیت المال پر مقصود القرآنی و باقی انسانی ضرورتوں کی نگہبانی ہوتا ہے جبکہ "کمپنی" (شخص قانونی) شخصی تصور کے تحت محدود افراد کی ضرورتوں اور خواہشات کو پورا کرنے کا ذریعہ کمپنی ہے۔ شخص و شخصیت کے اس بنیادی تصور کے اعتبار سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ وقف اور بیت المال انسانیت کے احترام و تحفظ کے نظریہ پر قائم ہیں اور "کمپنی" انسانیت کی تذلیل و تحقیر پر ہیں اور یہ کمپنی کے نظریہ پر قائم ہے کیونکہ بیت المال اور وقف غیر موجود اور غیر متعین لوگوں کو بھی بحیثیت انسان رعایت کا مستحق سمجھتے ہیں مگر شخص قانونی کا تصور کمپنی سے وابستہ حقیقی انسانوں کو زندگی میں ان کو نظر انداز کرتے ہوئے غیر انسان بے جان ذہنی شخص کے تصرفات کو اہمیت دیتا ہے اس کو اختیار دیتا ہے گویا کہ شخص قانونی کا تصور سابق فاتح تصور کی طرح انسانوں کو بے شعور و غیر حقیقی جبریت کا مظہر و دست نگر بنا کر ان کو غلام بنانے کا تصور ہے۔

اگر یہ نظریہ مسلمانوں کی طرف سے پیش ہوا ہوتا تو عالمی دنیا مسئلہ غلامی کی طرح اسے بھی انسانی حقوق کے خلاف قرار دے کر اس کا خاتمہ کر دیتی مگر اب چونکہ یہ نظریہ مغربی ہے، ہم غیر مسلم شخص قانونی کے لئے مطابقت اسلامی تلاش کر رہے ہیں، عالمی دنیا "بین" کو چھوڑ کر اس کا مطالعہ و تعین کرے گی، اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیے ہم اب یہ شخص معنوی ہو کر اپنا کام جاری رکھ سکتے ہیں۔

شخص قانونی کی تیسری نظیر:

شخص قانونی کے تصور کی تائید میں پیش کردہ تیسری نظیر "ترکہ مستغرقہ بالدین" ہے۔
استدلال یوں کیا جاتا ہے کہ اگر میت کا سارا ترکہ دیون میں ڈوبا ہوا ہو تو ایسی صورت میں وارثین کا مدیون ہونا صحیح ہے نہ میت کا، بلکہ مدیون "ترکہ" ہوتا ہے جو "شخص قانونی" ہے۔

(جدید معیشت و تجارت ص ۹۸، مکتبہ دار العلوم کراچی پاکستان)

تبصرہ:

ہمارے خیال میں یہ استدلال متعدد وجوہ قابل رد ہے۔

(الف) "ترکہ" کو مدیون قرار دینا اور میت کو مدیون ہونے سے فارغ قرار دینا نصوص کے خلاف ہے، کیونکہ متعدد احادیث مبارکہ میں "دین" کی نسبت "میت" ہی کی طرف کی گئی ہے۔

هل عليه من دين؟ (بخاری ج ۱ ص ۳۰۶، قدیمی کراچی)

يغفر للشهيد كل ذنب الا الدين......

(مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ قدیمی کراچی)

نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه. (ترمذی ۱/۲۰۶)

لو ان رجلا قتل في سبيل الله ثم عاش ثم قتل في سبيل الله ثم عاش ثم قتل في سبيل الله ثم عاش وعليه دين ما دخل الجنة حتى يقضى عنه"

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۵ ط قاہرہ)

ان روایات سے صاف واضح ہے کہ مدیون تو میت ہی ہے گو کہ ترکہ باقی یا ناکافی ہو کسی بھی صورت میت کی بجائے "ترکہ" کو مدیون کہنا صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے۔

(ب) جہاں تک دیون کے ترکہ کے ساتھ متعلق ہونے کا تعلق ہے وہ اس لئے نہیں کہ ترکہ شخص قانونی ہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہو، موت کی وجہ سے ادائیگی اور وصولی دونوں معطل کرنے کا قائل ہے بلکہ اس نسبت کی دو وجوہات ہیں۔

ایک یہ کہ دیونِ میت کی ادائیگی واجب الاداء مالی حقوق میں سے ہے جو دیگر حقوق سے پہلے میت کے مال سے ادا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اگر دیون ترکہ کے برابر یا ترکہ سے زیادہ ہوں تو پھر میت کا کوئی وارث یا کوئی بھی تصرف یا وقف ترکہ سے متعلق ہی نہیں ہو سکتا، قرض اور دین کی یہ ترجیح نص سے ثابت ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ میت سے مطالبہ کی صورت باقی نہیں، اس لئے "مضرب" کا حق مطالبہ میت کی بجائے اس کے ترکہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اگر میت (شخص حقیقی انسان) زندہ ہوتا تو یہ مطالبات اور اس کے متعلقہ دیون کے مطالبات اس سے کئے جاتے۔ میت سے مطالبہ کی صورت کے ساقط ہونے سے یہ متعین نہیں ہوتا کہ وہ مدیون نہیں، بلکہ شخص جو کوئی مال ترکہ مدیون ہے، جس طرح حقیقی انسان مردہ ہی کیوں نہ ہو وہ ہمارے ہاں بہت سے زندہ حقیقی انسانوں اور بے شمار حقیقی شخص سے زیادہ قابل قدر اور قابل احترام ہے۔

(ب) بعینہ کچھ نے فرض کیا کہ میت ہی اصل مدیون ہے نہ کہ اس کا ترکہ، میت سے مطالبہ کا امکان ختم ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مدیون (میت) کا قرضہ یا کلیہ ساقط اور فارغ ہو گیا۔ یعنی میت سے مطالبہ کا حق ساقط ہونے سے حق وصولی کا ساقط سمجھنا غلطی ہے، جس طرح عدالت کی طرف سے رد دعویٰ سے حق ختم نہیں ہوتا کیونکہ تقادم زمان سے حق ساقط نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں بھی مطالبہ کا حق باقی نہ رہنے سے حق ساقط نہیں ہوتا ہے، اس بات کو ہم مزید وضاحت سے واضح کرتے ہیں:

ایک حقیقت یہ ہے کہ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "میت" کا دین کی وجہ سے اخروی مواخذہ ہوگا، موت کی وجہ سے میت قید دین سے آزاد ہو جاتا اور قید ختم ہو جاتی اور دین کا تصور اس کے حق میں مفید ہوتا تو دین کی ادائیگی کی وجہ سے آخرت میں مواخذہ نہ ہوتا، اس لئے مواخذہ اخروی میت کے مدیون ہونے کی دلیل ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ افلاس کی حالت میں وفات پانے والے مقروض کے قرض کی ادائیگی کی کوئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اور صورت مسئولہ میں یعنی کہ ورثاء عدم کے نزدیک یہ رقم "بیت المال" کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ بیت المال کے وصول ہونے کے بعد بھی اس شخص کو حکم میت کے ذمہ سے قرض کی وصولی ہے۔ مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

ثم قيل: الدائن الذي يحبس عن الجنة حتى يقع القصاص هو الذي صرف ما استدانه في سفه أو سرف وأما من استدانه في حق واجب كفاقة ولم يترك وفاء فإن الله تعالى لا يحبسه عن الجنة إن شاء الله تعالى لأن السلطان كان عليه أن يؤدي عنه فإذا لم يؤد عنه يقضي الله عنه بإرضاء خصمائه (مرقاۃ ج ۶ ص ۱۰۲)

تحریر شامل یہ ہے کہ قرض ورثاء کی ذمہ داری ادا یا ابراء سے ساقط ہو جاتی ہے۔ قسم ثواب محض کسی صورت میں مطالبہ کی ظاہری صورت ساقط ہوتی ہے، حق ساقط نہیں ہوتا۔

شرح مجلہ میں ہے:

لكن الصحيح هو أن التقرير وغيره فلا يسقط إلا بالأداء أو الإبراء

(شرح المجلة لسليم رستم باز: ج ۳ ص ۲۴)

شخص قانونی کی چوتھی نظیر:

"شخص قانونی" کی چوتھی نظیر "خلطة الشيوع" بیان فرماتے ہیں کہ "خلطة الشيوع" میں ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک زکوٰۃ افراد اور حصص کی بجائے مجموعہ پر آتی ہے۔ "معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں مجموعہ ہی "شخص قانونی" ہے۔

تبصرہ:

یہ نظیر اپنی اصل کے اعتبار سے محل نظر ہے اور شخص قانونی اور اس کے درمیان "بون بعید" ہے۔ ایک تبصرہ تو یہی ہے کہ خود حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے بھی اشارہ فرمایا ہے کہ:

"خلطة الشيوع" میں بھی ائمہ ثلاثہ کے ہاں مجموعہ پر زکوٰۃ ہوتی ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کی حقیقت پر زکوٰۃ نہیں ہوتی اور شخص کے نظام میں شخص پر الگ ٹیکس ہوتا ہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور شخص معنوی پر ایک شخص ہوتا ہے (جدید معیشت و تجارت ص:۸۲)

معلوم ہوا کہ مالی ذمہ داریوں کے اعتبار سے دونوں میں کوئی مناسبت نہیں بلکہ واضح فرق ہے۔

دوسری بات یہ کہ مجموعہ پر زکوۃ لازم ہونے کی اصل بنیاد کیا ہے؟ ہمارے ہاں زکوۃ مالی عبادات میں سے ہے اس لئے اس کی ادائیگی عبادت کے اہل اور مکلف لوگوں پر لازم ہوتی ہے، چنانچہ نابالغ کے مال پر زکوۃ نہیں ہے۔ جبکہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں زکوۃ واجبات مالیہ میں سے ہے، اس کا وجوب مال کی شرائط کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، فرد کی مکلف کی حیثیت کا دخل نہیں ہوتا اور مجموعہ مال میں فی الوقت بصورت خلطہ میں ایک مدار شرکت کی حصوں کے علاوہ انفرادی طور پر واقع ہے، اس لئے ائمہ ثلاثہ مجموعہ پر زکوۃ لازم قرار دیتے ہیں اور اس کی وجہ زکوۃ کے باب میں "الانفع للفقراء" کے اصول سے بھی ہوتی ہے۔ مالدار پر زکوۃ لازم کرنے میں فقراء کا فائدہ ہے جبکہ بعض صورتوں میں مالدار کا فائدہ ہے۔ مالدار کی بجائے فقیر کی رعایت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ "خلطۃ الشیوع" کی صورت میں مجموعہ پر زکوۃ کا لزوم ہو تو بھی مان بھی لیں تو بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ خلطۃ الشیوع کا مجموعہ فقہ حنفی کی رو سے "شخص قانونی" کے ڈھانچہ کے ثبوت کی دلیل نہیں بن سکتا، اس لئے ائمہ ثلاثہ کے قول کی طرف چلے گئے جبکہ یہاں کوئی داعیہ ضرورت بھی نہیں تھی، اس لئے اتباع مذہب الغیر کے لئے مقررہ اصول کی رو سے اس کی گنجائش نہیں۔

کمپنی کی محدود ذمہ داری (Limited Liability) کا تصور:

حضرت مولانا مدظلہم فرماتے ہیں کہ "شخص قانونی" کو تسلیم کر لینے کے بعد محدود ذمہ داری کو ماننا مشکل نہیں رہتا۔ حضرت کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ "شخص قانونی" کی حقیقت کے شرعاً ثابت ہونے کے بعد اگر فقہ میں کسی شخص کی محدود ذمہ داریوں کی نظیریں مل جاتی ہیں تو شخص قانونی کی محدود ذمہ داری کا تصور بھی درست تسلیم کرنا ضروری ہوگا، چنانچہ محدود ذمہ داری کے تصور میں تین نظائر پیش فرمائے گئے ہیں:

پہلی نظیر: وقف کی محدود ذمہ داری ہے:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

محدود ذمہ داری کی صحیح تعبیر:

مضاربت میں رب المال (Investor) کی ذمہ داری "راس المال" تک محدود ہوتی ہے، اگر مضارب (Working Partner) نے رب المال کی اجازت کے بغیر بہت زیادہ قرضے حاصل کئے ہوں تو صرف یہ ذمہ مضارب پر لازم ہوتا ہے، رب المال سے صرف اس کے سرمائے کی حد تک مطالبہ ہو سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔

تبصرہ:

سوال یہ اٹھتا ہے کہ رب المال کے محدود ذمہ داری کی وجہ کیا ہے؟ جواب اس کی یہ ہے کہ رب المال اور مضارب کا معاہدہ مالی مضاربت کے معاملے میں نفع کی بنیاد پر ہوتا ہے، اور مال تجارت سے متعلق بعض تصرفات کرنے کی اجازت اور بعض تصرفات سے منع کرنا جیسے منع الاستدانة، عادات التجار اور دلالت حال کی بنا پر متعین ہوتا ہے جو "المعروف کالمشروط" کی طرح ہوتا، اگر مضارب، رب المال کی شرائط کی خلاف ورزی کرتا ہے تو خلاف ورزی کا سارا خمیازہ تو مضارب ہی کو بھگتنا چاہیے نہ کہ رب المال کو، کیونکہ رب المال کی غلطی تو نہیں ہے۔ جیسی احتمالات یہ ہے کہ مضارب کی غلطی اور غفلت مال مضاربت کی حد سے تجاوز ہی سمجھے جو کے دیون بعینہ تجارت کو قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی پیش آمدہ نقصان کو بھی "مضاربت" کی بے مائیگی کے رب المال پر یہ بوجھ ڈالا جائے کہ وہ مال مضاربت سے زائد رب المال مضاربت بھی واجب کے دیون میں چلا جائے، رب المال کو مزید تنگ نہ کیا جائے، اس میں مضارب اور رب المال دونوں کی رعایت ہے، اس رعایت کو اگر محدود ذمہ داری کا نام دیا جائے تو بظاہر مشکل ہو بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اشخاص قانونی میں کمپنی اور بینک کی ایک حیثیت رب المال کی بجائے مضارب کی بھی ہوتی ہے، کیونکہ کمپنی لوگوں کے سرمایہ کو ذریعہ کاروبار بناتی ہے، یہاں پر اصولاً محدود ذمہ داری کی نسبت سرمایہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیون کی طرف ہوگی جو کہ رب المال ہیں نہ کہ سرمایہ کار (کمپنی وغیرہ) کی طرف، کمپنی کی ذمہ داری غیر محدود ہے کیونکہ کمپنی تو مضارب ہے، مضارب کی ذمہ داری بالکلیہ محدود نہیں ہوتی، اگر کمپنی پر بے تحاشہ قرضے چڑھ گئے تو سرمایہ دار یکطرف اپنے سرمایہ سے جبر کرنا پڑے گا۔ جبکہ مذکورہ تفصیل کی رو سے کمپنی اور اس کے مالکان پر لازم ہوگا کہ اپنی حیثیتوں کی وجہ سے لازم ہونے والے قرضے خود ادا کریں۔ لیکن کمپنی ایسا ہرگز نہیں کرتی کیونکہ محدود ذمہ داری کا سہارا ہی اس قسم کی ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے لیا ہے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ کمپنی کے محدود تصورات میں لینے اور دینے کے پیمانے مختلف ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ "رب المال" کی ذمہ داری کا محدود ہونا بجائے خود محدود امر ہے، کیونکہ "رب المال" کی ذمہ داری صرف اس صورت میں اپنے سرمایہ تک محدود ہوتی ہے، جب رب المال کی طرف سے مضارب کو قرضے لینے کی صراحتاً یا دلالۃً اجازت نہ ملی ہو جیسا کہ ہم نے کہا تاجروں کے یہاں غیر معروف ہو یعنی جس طریقے پر تجارت (مضاربت) کرنے والا مضارب، فضولی (خود مختار) ہونے کی بنا پر "رب المال" کو مکمل اور ذمہ دار بنانے کی بجائے غیر معروف تصرفات میں اصیل شمار ہوگا۔ اور تمام معاملات کا خود ہی جوابدہ ہوگا۔

چوتھی: اگر رب المال کی طرف سے مضارب کو صراحتاً یا دلالۃً مقدار کی قید سے آزاد قرضہ لینے کی اجازت حاصل ہو گئی ہو تو رب المال کی ذمہ داری اپنے سرمایہ کی مقدار تک محدود نہیں ہوگی۔

پانچویں بات یہ کہ زیر بحث ذمہ داری کے معاملے میں قرض اور دین (Loan & Debit) کے فرق کو مد نظر رکھنے کی وجہ سے خلط مبحث ہو گیا ہے۔ "قرض" چونکہ "مال مضاربت" اور رب المال کے حق میں بصورت عقد انتہائی بے فائدہ ہو سکتا ہے جبکہ "دین" مضاربت اور عام تجارت کا معمول ہے کیونکہ ہر تاجر ادھار سودے طے کرتا ہے، مضارب بھی ایسا کرنے پر مجبور ہوتا ہے، مضاربت کی وجہ سے جو "دیون" لازم آتے ہیں ان کا تعلق بہر حال رب المال سے ہوگا، خواہ وہ قیمت میں سرمایہ کی ذمہ داری رب المال پر عائد ہوگی۔ مثلاً رب المال نے مضارب کو ایک لاکھ روپیہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور مضارب نے پچاس ہزار کا سامان ادھار خرید لیا، پھر کسی قدرتی آفت سے یہ سارا مال اور نقدی ضائع ہو گئی سے پہلے ہی ہلاک ہو گئی تو رب المال مزید پچاس ہزار کا ضامن بھی ہوگا کیونکہ یہ پچاس ہزار قرض نہیں تھا بلکہ مال مضاربت سے متعلق دین تھا، مال مضاربت سے متعلق دین (یعنی مشتری کا ثمن) رب المال پر ہی لازم ہوتا ہے۔

لما في البدائع: لأن ثمن المشترى برأس المال في باب المضاربة مضمون على رب المال، بدليل أن المضارب لو اشترى برأس المال ثم هلك المشترى قبل التسليم، فإن المضارب يرجع إلى رب المال بمثله. فلو جوزنا الاستدانة على المضاربة لألزمناه زيادة ضمان لم يرض به، وهذا لا يجوز

(بدائع الصنائع ج۶ ص۹۵، ط: ایچ ایم سعید کراچی)

ويملك المضارب في المطلقة التي لم تقيد .... البيع ولو فاسداً بنقد و نسيئة متعارفة

(رد المحتار ج۵ ص۶۴۸، ۶۴۹ ط: سعید کراچی)

ولا يملك الإقراض والاستدانة وإن قيل له ذلك أي اعمل برأيك لأنهما ليسا من صنيع التجار فلم يدخلا في التعميم ما لم ينص المالك عليهما فيملكهما...

(ج۵ ص۶۵۰، ط: ایچ ایم سعید)

قوله والاستدانة: كما إذا اشترى سلعة بثمن دين وليس عنده من مال المضاربة شيء من جنس ذلك الثمن، فلو كان عنده من جنسه كان شراء على المضاربة ولم يكن من الاستدانة في شيء....

(رد المحتار ج۵ ص۶۵۰)

وفي البدائع: وأما القسم الذي ليس للمضارب أن يعمله ...

(ج۶ ص۹۰، ۹۱، ۹۵، ط: ایچ ایم سعید کراچی)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پانچویں بات:

خالص انصاف اور حقیقت پسندی کا سوال ہے کہ جس کمپنی اور ادارے کے دستور و منشور (Prospectus) میں صراحتاً لکھا ہو کہ کمپنی بالخصوص بینک اپنے کاروباری حلقے میں قرضہ جات لیا اور دیا کرے گی، اس صراحت کو نظر انداز کر کے "کمپنی" کے حصہ دار اور بینک کا ڈپازیٹر بننے والے کو یہ کہتے ہوئے کمپنی (شخص قانونی) کی محدود ذمہ داری کا قائل بنانا کہ مضاربت میں رب المال کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے کمپنی کی حیثیت، بے انصافی اور استحصالی سوچ کی غمازی کرتا ہے۔

اگر یہ فرض کیا جائے کہ کسی دستور میں یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ کمپنی کی ذمہ داری محدود ہوگی، کمپنی کا شیئرز خریدنے والا کمپنی پر یقین رکھتے ہوئے اور تسلیم کرتے ہوئے دستخط کرتا ہے۔ دستور کی یہ شق اگر قرض سے متعلق ہو تو اسے کمپنی مضاربت المال کی طرف سے قرض کی عدم اجازت پر محمول کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ شق اگر کمپنی ان دیون سے متعلق ہو جو اتفاقی قرض نہیں بلکہ مضاربت کے کاروباری معاملات کی وجہ سے لازم ہوتے ہوں تو مذکورہ شرط و عقد زیر نظر رہے اس کے بعض دستخط کے ساتھ منسوخ کیا صریح طور پر مقتضائے عقد کے منافی نہ ہوگا؟ کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو صرف اور صرف یکطرفہ طور پر کمپنی کے مفادات کے تحفظ پر مبنی ہے اور کمپنی جس مقصد کے تحت شخص قانونی (محدود ذمہ داری) کا سہارا لیتی ہے وہ بھی اہل علم و فکر پر قطعاً پوشیدہ نہیں، اہل علم یہ بھی جانتے ہیں کہ شرط فاسد عقد کو بھی فاسد کر دیتی ہے اس کے باوجود وہ شرط نامزد و تحمیل لی ہے سو قول اول کمپنی کی ہیں "شرعی" طور عقد جو کہ رہے تسلیم کروانے کو ہم کس بنیاد پر عین شریعت کہیں؟

اگر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے تو پھر کہ رب المال کی ذمہ داری محدود اور مضارب کی غیر محدود ہوتی ہے اب سوال یہ ہے کہ جن صورتوں میں "کمپنی" کی حیثیت "مضارب" کی متعین ہو، کیا وہاں پر کمپنی کے ذمہ داران غیر محدود ذمہ داری (Unlimited Liabilities) کا عقیدہ قبول کرتے ہیں۔ اگر نہیں کرتے تو واضح ہوگا کہ محدود ذمہ داری کا تصور ان الفاظ و معنی کے استحصال پر مبنی ہے۔ اگر غیر محدود ذمہ داری قبول کرتے ہیں تو کمپنی کو اصل قرض خواہوں کا سہارا لینا ہوگا جیسا کہ معمول ہے اور قرض خواہوں کے نام

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہونے پر علماء کے ہاں کمپنی کی کفالت و وکالت کا عنصر شرعاً ممنوع و مقبول نہیں ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مضاربت میں "رب المال" (Investor) کی حد تک سرمایہ کی حد تک غیر محدود ذمہ داری کو بنیاد بنا کر یہ تو شرعاً درست کہ مضاربت میں رب المال کی ذمہ داری مطلقاً محدود ہوتی ہے اور اس پر قیاس کرتے ہوئے کمپنی (شخص قانونی) (Juristic Person) کی ذمہ داری کی تحدید کا تصور بھی شرعاً درست ہے، کیونکہ فقہ اسلامی کے میزان میں یہ ترجیح مضبوط نہیں ہے۔

محدود ذمہ داری کی دوسری نظیر:

کمپنی کی محدود ذمہ داری کی دوسری نظیر "مفلس مقروض" ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر شخص حقیقی (انسان) جسے قاضی نے مفلس (دیوالیہ) قرار دیا تو اس کے قرض خواہ صرف اس کے موجودہ اثاثوں (Present Assets) سے ہی دین وصول کر سکتے ہیں، اس سے مزید کا فی الحال مطالبہ نہیں کر سکتے۔ اگر وہ مقروض اسی حالت میں مر جائے تو قرض خواہوں کے دیون کی ادائیگی "خراب الذمہ" کی وجہ سے واقعی حد تک اس کو باطل قرار دیا گیا ہے:

"معلوم ہوا کہ شخص حقیقی اگر مفلس ہو کر مر جائے تو اس کی ذمہ داری بالآخر محدود ہوتی ہے اور دیون کا ذمہ خراب ہو جاتا ہے۔ جب کمپنی کو بھی "شخص" مان لیا گیا ہے تو یہ بھی اگر دیوالیہ ہو کر تحلیل ہو جائے تو اس کی ذمہ داری بھی بالآخر محدود ہونی چاہیے اس لئے کہ کمپنی کا تحلیل ہو جانا اس "شخص قانونی" کی موت ہے۔" (جدید معیشت و تجارت ص ١٨٤ طبع: مکتبہ دارالعلوم کراچی پاکستان)

تبصرہ:

کمپنی کی دوسری مثال میں یہ مثال شرعاً محدود ذمہ داری کے تصور کی بنیاد نہیں بن سکتی، یہاں پر بھی دو مختلف مسئلے خلط ملط ہونے سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے، ایک مسئلہ مفلس شخص (دیوالیہ) کا حکم عدالتی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قوانین میں جو کہ قانونی گرفتاری بجا ہے بے اس لئے کہ اس کے گرفتار کرنے اور پابند سلاسل کرنے میں زجر و توبیخ کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ وہ مماطل ہے نہ کہ مفلس ہے یعنی تفلیس کے بعد قاضی کا مفلس پر حق حبس ختم ہو جاتا ہے۔

بعض اسکالرز کہتے ہیں کہ مفلس پر سے قاضی کے حق حبس کی طرح ارباب حقوق کے حقوق بھی ساقط ہو جاتے ہیں یعنی تفلیس کے بعد قرض خواہوں کو مطالبہ کا حق ہی نہیں ہے اور مدیون مفلس بھی بالکلیہ بری شمار ہو جاتا ہے۔

تحقیق کے متعلق پہلا موقف انتہائی نوعیت کا ہے اور دوسرا اسکالرز مدیون کی ذمہ داری سے قطعی تعلق رکھتا ہے اس سلسلہ میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ تفلیس کے بعد مدیون سے حق حبس کے ساتھ دیگر حقوق ساقط ہوتے ہیں نہ کہ مدیون ان حقوق سے شرعاً و دیانۃً و اخلاقاً بری الذمہ قرار پاتا ہے اس کے چند وجوہ درج ذیل ہیں:

ا۔ مفلس کو دیوالیہ قرار دینے کے باوجود قرض خواہ مدیون کا مسلسل پیچھا کرنے کا حق رکھتے ہیں، اگر دین کا حق ساقط ہو جاتا تو کسی پیچھا کرنے کا حق کیوں ہوتا؟

"قال في الفتح الوسائل: و بعد ما خلی القاضی سبیله فلصاحب الدین ان یلازمه فی الصحیح ... وله ان یلازمه بنفسه و اخوانه و ولده ممن احب"

(رد المحتار، مطلب في ملازمة المدين ج ۵ ص ۳۸۰ ط: ایچ ایم سعید کراچی)

۲۔ اگر مفلس دیوالیہ قرار دینے کی حالت میں فوت ہو جائے تو مطالبہ اور مال نہ ہونے کا امکان اور دنیاوی صورت ختم ہو جاتی ہے تو بھی وہ ارباب حقوق کے حقوق کی ذمہ داری سے فارغ اور بری الذمہ نہیں ہوتا بلکہ یہ ہے کہ بعض صورتوں میں یہ بوجھ مفلس کا بعض اہل علم کے ہاں آخرت میں اور بعض کے ہاں حکومت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

واما من استدانه فی حق واجب کفاقة ولم یترک وفاء فان الله تعالی لا یحبسه عن الجنة ان شاء الله تعالی لان السلطان کان علیه ان یؤدی عنه، فاذا لم یؤد عنه یقضی الله تعالی عنه بارضاء خصمائه ... الخ

(مرقاۃ المفاتیح ج ۶ ص ۱۰۲ ط: امدادیہ ملتان)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہاں پر مختصراً ایک سوال ہو سکتا ہے کہ کیا شخص قانونی کے سہارے قیام پذیر کوئی بینک اگر دیوالیہ ہو جائے تو حکومت اس کو دیوالیہ قرار دے کر اسٹیٹ بینک بھی فقہاء کی اس رائے کے مطابق اس مدیون مرحوم (بینک) کے ترکہ نہیں کے دیون کا ذمہ اٹھاتا ہے یا اس کی نگرانی صرف سیکورٹی ڈپازٹس رکھوانے پر مجبور کرنے کی حد تک ہے؟

۳۔ دیوالیہ شخص کے ایسے معاملات جو کسی وجہ سے حکومت کی جواب دہی میں داخل نہ ہوتے ہوں بلکہ قیود اس کی ذاتی مرضی پر چھوڑ دیئے گئے ہوں، ایسے دیون عنداللہ معاف نہیں ہوتے، مدیون ان کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوتا۔ آنحضرت ﷺ کا مدیون کی نماز جنازہ پڑھانے سے رک جانا اور دوسرا فقہ و اخروی کی شدید وعیدیں (تمام امور) اس امر پر صراحت کے ساتھ دال ہیں کہ مفلس سے صرف تقاضے کا حق نہیں ساقط ہوتا ہے نہ کہ مدیون کا ذمہ ساقط (فارغ) ہو جاتا ہے۔

حنفی اس رائے کی تائید ایک اور فقہی جزئیے سے بھی ہوتی ہے کہ "تقادم زمان" کی وجہ سے عدالت میں مدعی کا دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوتا۔ یعنی قاضی اس دعوے کی سماعت کا پابند نہ ہونے کی بنا پر اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ مگر حقدار مدعی کا حق مدعی علیہ سے دیانۃً ساقط اور کالعدم شمار نہیں ہوتا۔

"الحق لا یسقط بتقادم الزمان"

(... الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص ۱۹۱ ...)

معلوم ہوا کہ ... مطالبہ ... یہ ضروری ہے ... سے بری الذمہ ہونا الگ چیز ہے۔ اس تفصیل کی بنا پر ہم یہ بات پیش کرتے ہیں کہ مدیون مفلس کے حکم کی مختلف حیثیات سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کی ... مدیون کے ذمہ ... ہے جو شخص کے لیے بطور ... استعمال کرنا [illegible] نہیں ہے۔

محدود ذمہ داری (Limited Liabilities) کی تیسری نظیر:

شخص قانونی کی محدود ذمہ داری پر پیش کی جانے والی تیسری نظیر "عبد ماذون فی التجارۃ" (وہ غلام

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جیسے مالی سبب کے مولیٰ نے تجارت کی اجازت دے رکھی ہو کہ یہ عبد ماذون خود اور اس کے ہاتھ میں موجود تمام تر مال اس کے آقا کی ملکیت ہوتا ہے۔ اگر اس پر دیون واجب ہوں تو وہ غلام کی قیمت کی حد تک محدود ہوں گے۔ اس سے زیادہ کا نہ غلام سے مطالبہ ہو سکتا ہے اور نہ مولیٰ سے"۔

(جدید معیشت ص: ۸۳، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)

تبصرہ:

اس تعبیر کو بظاہر بہت دلچسپ قرار دیا گیا ہے مگر حقیقت میں یہ تعبیر بھی حد درجہ قابل غور ہے اور یہ استدلال کئی وجوہ سے محل نظر ہے:

۱۔ عبد ماذون غلام ہونے کے باوجود ایک عاقل بالغ با اختیار فاعل مختار اور متصرف ہے، اس کا حجر (تصرفی) محض شرعی ہے جبکہ کمپنی کی حقیقت محض معنوی ہے۔ معنویت کا حقیقت پر قیاس ہی درست نہیں، کیونکہ حقیقی کی تعریف اس شخصیت پر صادق نہیں آتی۔

۲۔ عبد ماذون کے قرضوں کی ذمہ داری "مولیٰ" پر نہ ہونے کی علت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ مولیٰ کی جانب سے اذن کا تعلق عبد ماذون کے عرف میں معمول کے مطابق معاملات سے ہے، یہاں معمول کی خلاف ورزی ایک انسان نے مرضی مولیٰ کے بغیر کی ہے اس کا ذمہ دار اسی کو ٹھہرانا چاہیے کیونکہ وہ اگرچہ غلام ہے لیکن تجارت کے تصرفات میں با اختیار ہے لہٰذا خلاف معمول تصرفات کی ذمہ داری اسی پر ہونی چاہیے۔ قرض کے بارے میں بھی یہی حکم ہے لہٰذا اس عبد ماذون (جو کہ ایک متصرف انسان ہے) کو دائنین کے دیون میں بیچ دیا جاتا ہے اور وہ قیمت قرض خواہوں میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کر دی جاتی ہے۔

لأن سبب هذا الدين التجارة وهي داخلة تحت الإذن، وتعلق الدين برقبته استيفاء حامل على معاملة (الهداية مع شرح فتح القدير ج ۹ ص ۳۴۲، دار احياء التراث العربي)

۳۔ کمپنی ہر گز حقیقت نہیں بلکہ شرکاء کا ایک اجتماعی نام ہے اس لئے وہ اس کا ذمہ دار نہ ہو بلکہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

استحقاق ہو تو جب چاہیں اسے بیچ کر اپنے قرضوں کی وصولیابی کا راستہ اختیار کریں گے۔

"وکل دین وجب علیه (ای العبد المأذون) بتجارة ...... یتعلق برقبته ...... یباع فیه ولهم استسعاؤه ایضا ..... الخ (در مختار)

(قوله یباع فیه) ولا یجوز بیعه الا برضا الغرماء او بامر القاضی لان للغرماء حق الاستسعاء لیصل الیهم کمال حقهم (رد المحتار ج ۶ ص ۱۹۳)

ترجمہ۔ اگر یہ غلام دیون کی ادائیگی واستیفاء کے لئے بیچ دیا گیا اور اس کا ثمن دائنین کے درمیان بقدر حصص تقسیم بھی ہو گیا، تب بھی آزاد ہو جانے کے بعد غرماء اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں اور اس کا پیچھا بھی کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ وہ دیون ہیں جو اس کے ذمہ میں تجارت میں اجازت یافتہ ہونے کی بنا پر پہلے سے واجب ہو چکے تھے۔

قوله ویقسم ثمنه بالحصص ...... وطولب المأذون بما بقی من الدین زائدا عن کسبه وثمنه بعد عتقه لتقرر الدین فی ذمته وعدم وفاء الرقبة (رد المحتار ج ۶ ص ۱۹۵، ۱۹۶، کذا فی الہدایہ والفتح)

غرماء کے حق مطالبہ کا آزادی کے بعد تک باقی رہنا ذمہ داریوں کی تحدید (Limitation) کی بجائے تعمیم (یا تجدید) کی دلیل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبد ماذون کے ذمہ کو جس طرح علی الاطلاق کمپنی کے ذمہ پر قیاس کیا جا رہا ہے، درحقیقت معاملہ اس سے مختلف ہے، اس لئے ہمارا کہنا یہ ہے کہ عبد ماذون کی آزادی کے بعد بھی محدود ذمہ داری کا تصور شرعی اصول سے ثابت نہیں، کیونکہ لفظ "محدود" کے ذریعہ محدود نہیں کیا جا سکتا۔

الف۔ عبد ماذون کی ذمہ داری کا اس کی اپنی مالیت تک محدود ہونا مطلقاً نہیں بلکہ صرف ان صورتوں میں ہے جب اس کے واجبات اس کی مالیت سے متجاوز ہوں اور اس کی آزادی کا امکان نہ ہو، ایسی صورت میں "مولیٰ" کی ملکیت میں رہتے ہوئے تمام (واجب الاداء) قرضوں کی ادائیگی کے لئے یہی متعین ہے، اس کی مالیت کو حصص کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، لہٰذا عبد ماذون کی محدود ذمہ داری کا یہ مطلب مطلقاً نہیں لیا جا سکتا کہ اس پر کبھی بھی مطالبہ نہیں ہو سکتا بلکہ صرف اس کی اپنی مالیت تک محدود ہوگی۔ حاشا و کلا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تفصیل کے لئے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

فصار ان الديون ثلاثة اوجه: دين يتعلق برقبته اتفاقا" وهو دين الاستهلاك، و دين لا يتعلق برقبته اتفاقا" وهو دين وجب بما هو ليس في معنى التجارة كالوطي والنكاح بغير اذن المولى، و دين مختلف فيه وهو دين بسبب التجارة و بما هو شبهها كالبيع والشراء والاجارة والاستئجار وضمان المغصوب والودائع والامانات اذا جحدها، وما يجب من العقر بوطء المشتراة بعد الاستحقاق لا ستنادة الى الشراء، فيلحق به كذا في الترشيح، كذا في المعادن.

(الفتاوى الهندية ج۵ ص۹۶، الباب الرابع في مسائل الديون التي تلحق المأذون)

فان كان في يد العبد مال حاضر يفي بديونه فانه يقضي ديونه من كسبه ولا يبيع المأذون بدينهم، وان لم يكن في يده مال حاضر الا ان له مالا غائبا يرجى قدومه او دين حال يرجى خروجه فانه لا يعجل القاضي في بيعه بل يتلوم و يؤخر البيع حتى يقدم المال او يخرج الدين ...... و اذا انقضت مدة التلوم على القولين جميعا ولم يقدم المال ولم يخرج الدين فان القاضي يبيع العبد بدينهم ..... ثم اذا باع القاضي العبد بحضرة المولى يقسم ثمنه بين الغرماء فبعد ذلك ينظر ان كان بالثمن وفاء بالديون كلها او في كل واحد منهم تمام حقه و يصرف الفضل الى المولى ان كان ثمة فضل، وان لم يكن بالثمن وفاء بالديون كلها يضرب كل غريم في الثمن بقدر حصته ولا سبيل لهم على العبد فيما بقي من دينهم حتى يعتق العبد كذا في الذخيرة.

فان اشترى العبد مولاه الذي باعه عليه القاضي للغرماء لم يتبعه الغرماء بشيء مما بقي من الدين قليل ولا كثير، و ان عاد العبد الى ملك من وجب الدين على العبد في ملكه. كذا في المغني.

(الفتاوى الهندية ج۵ ص۹۷، الباب الرابع في مسائل الديون التي تلحق المأذون)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

و كل دين وجب عليه بتجارة او بما هو في معناها ...... يتعلق برقبته ...... يباع فيه ويقسم ثمنه بالحصص .... (قوله يتعلق برقبته) لانه دين ظهر وجوبه في حق المولى ..... (قوله لان العبد خصم في اي في كسبه دون رقبته) ...... ثم انما يبدأ بالكسب و عند عدمه يستوفى من الرقبة

(شامی ج ۶ ص ۱۶۲، ۱۶۳، ایچ ایم سعید کراچی)

ولنا ان نقول: هذا دين العبد لكن ظهر وجوبه عند المولى و دين العبد اذا ظهر وجوبه عند المولى يقضى من رقبته التي هي مال المولى كدين الاستهلاك، او نقول: هذا دين المولى فيقضى من المال الذي عينه المولى لقضائه منه كالرهن، والمولى بالاذن عين الرقبة لقضاء الدين منها فيتعين بتعيين المولى

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۰۲، سعید کراچی)

واذا لحق المأذون دين يتعلق على رقبته وعلى جميع ما في يده

(الهندية ج ۵ ص ۱، مکتبہ حقانیہ پشاور)

لا خلاف في ان الدين يتعلق بكسب العبد لان المولى بالاذن بالتجارة عينه للاستيفاء او تعين شرعا نظرا للغرماء

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۰۳، ایچ ایم سعید کراچی)

فائدہ:

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یہ دیکھنا اور سمجھنا تو بہت آسان ہوا کہ "شخص قانونی" اور اس کی محدود ذمہ داری کے تصور کو ثابت کرنے کے لئے جو فقہی نظائر پیش فرمائے گئے ہیں اور ان سے جس طرح استدلال فرمایا گیا ہے اس میں فقہی اعتبار سے کئی ایسے سقم پائے جا رہے ہیں کہ جن کی موجودگی میں بیان کردہ نظائر سے "شخص قانونی" اور اس کی محدود ذمہ داری پر استدلال کی صحت انتہائی مشکل ہے اور اس وجہ [illegible] مولانا دامت برکاتہم کے علم عمیق اور [illegible] استنباط

کے شخص قانونی ہونے پر کوئی دلیل نہیں بنتی۔ ... کے سہارے اور دور کی تاویلات کے بغیر اگر کوئی اس نوعیت کا استدلال کرے تو کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرے تو یہ استدلال کی بجائے "تحکم محض" ہی کہا جائے گا۔

شخص قانونی کی اصل حقیقت اور مقصدیت:

شخص قانونی کی محدود ذمہ داری کے تصور کی بنیاد اور اصل حقیقت و مقصدیت کا خلاصہ یہ ہے کہ شخص حقیقی اپنی ذمہ داریوں کو شخص قانونی کے کھاتے میں ڈالنے کے لئے محدود ذمہ داریوں کے تصور کو اختیار کرتے ہیں، مجموعی بات یہ ہے کہ جب تک کمپنی کو مالی (نقد و کثیر) نفع ہوتا رہے تو اس نفع سے شخص قانونی اور اس کے اعضاء و جوارح مستفید ہوتے رہیں اور جب نقصان برداشت کرنے کی نوبت آئے تو شخص قانونی تخلیق ہو کر صورت کے عوض نکل کر ذمہ داری سے بری الذمہ بھی ہو جائے، اور جب تک کاروبار میں نفع ہوتا رہے تو شخص قانونی کے نام پر اس کے اعضاء و جوارح سے مستفید ہوتے رہیں اور نقصان ہونے لگے تو اس کی جواب دہی اپنے معنوی شخص کے کھاتے میں ڈال دی جائیں جو پہلے سے محدود ذمہ داری کو "تحفظ" دیے ہوئے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کمپنی تین چیزوں کا نام ہے: شخص قانونی، اعضاء و ارکان۔ شخص قانونی ایسا واسطہ ہے جو حقیقی شخص کے مال کو کمپنی کے اعضاء و ارکان تک منتقل کرنے کا ذریعہ ہے اور جب واجب الادا ذمہ داریاں ہوتے ہیں تو شخص قانونی اپنے اعضاء و ارکان کو تحفظ فراہم کرنے کا قانونی ذریعہ ہے۔ شخص قانونی کی مجموعی حیثیت اعتباری کا نام ہے۔ اگر آپ کمپنی مجموعہ کو ایک مستقل فرد کا درجہ دے کر شریعت کے مطابق سمجھتے ہیں تو پھر اس سوال کا کیا جواب ہوگا کہ اگر کسی مورث کے ورثاء کے حصے وراثت ہوں تو کیا ان کے بیٹے پیدا ہوں گے لیکن وہ آگے دو یا پانچ کی مجموعی حیثیت کو چھٹا وارث کہیں اور اگر قانون بھی اس سے ان کے لئے پیدا کرے تو کیا یہ درست ہوگی؟ بیٹے بیٹی کا ترکہ چھ حصوں میں تقسیم کرنا درست ہوگا یا یہ تقسیم پانچ حصوں میں ہونی چاہیے تھی؟ کیا وہ درست نہیں ہوگی؟ ہمارے خیال میں یہ ہے کہ امت مسلمہ کے علماء ایسی تقسیم کو درست قرار نہیں دیں گے کیونکہ اس تقسیم میں ایک فرضی شخص کا حصہ الگ کرنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سے تحقیق شدہ حس سے حقوق جو حصص میں کمی واقع ہو رہی ہے ان ورثاء میں سے ہر ایک پانچویں حصے کا حقدار ہے ان کے پانچویں حصے سے کم کرکے دینا "غصب"، "اکل بالباطل" اور ظلم ہونے کی بناء پر حرام ہے۔ جبکہ تحدید قانونی کا تصور ہمارے نزدیک اپنی حقیقت اور مقصدیت کے اعتبار سے شریعت اسلامیہ کے بالکل خلاف، متصادم اور معارض ہے اس کی مزید تفصیل اور حکم آگے ملاحظہ فرمائیں:

تحدید قانونی اور محدود ذمہ داری کا حکم:

تحدید قانونی اور محدود ذمہ داری کا تصور متعدد وجوہ سے غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر شرعی ہے:

ا۔ محدود ذمہ داری کا تصور تحدید قانونی اور اس کے اعضاء و جوارح کے لئے تو مفید ترین چیز ہے مگر دیگرین کے لئے یہ تصور بعض حالات میں نقصان دہ بھی ہے۔ ایسا کاروباری تصور جو بعض افراد کو بے تحاشہ فائدہ پہنچانے کے تصور پر قائم ہو جس سے دوسرے بعض انسانوں کی حق تلفی لازم آتی ہو، ان کا استحصال ہوتا ہو ایسا تصور انسانی و اخلاقی اقدار کی پامالی کے علاوہ شریعت اسلامیہ سے متصادم بھی ہے۔ احتکار، تلقی جلب اور بیع حاضر للبادی، تسعیر وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔

وكره احتكار قوت البشر في البلد يضر باهله ... الخ.

(الہدایہ ج ۴ ص ۳۶۸، ط: ایچ ایم سعید کراچی)

قال الشاه ولي الله المحدث:

النهي عن التسعير وقيل: قد غلا السعر فسعر لنا، فقال عليه السلام: "ان الله هو المسعر القابض الباسط الرزاق واني لا رجو ان القى الله وليس احد يطلبني بمظلمة" اقول: لما كان الحكم العدل بين المشترين واصحاب السلع الذي لا يتضرر به احدهما، او يكون تضررهما سواء في غاية الصعوبة تورع منه النبي صلى الله عليه وسلم لئلا يتخذه الامراء من بعده سنة، ومع ذلك فان روي منهم جور ظاهر لا يشك فيه الناس جاز تغييره فانه من الافساد في الارض"

(حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۱۰۶ ط: دار الکتب العلمیہ)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قال في الاشباه والنظائر:

تنبيه: يتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام، و هذا مقيد لقولهم: الضرر لا يزال بمثله و عليه فروع كثيرة ...... منها: بيع مال المديون المحبوس عند امتناعه لقضاء دينه دفعا للضرر عن الغرماء وهو المعتمد . و منها: التسعير عند تعدي ارباب الطعام في بيعه بغبن فاحش.

(الاشباہ والنظائر ص ۸۷، ۸۸ ط قدیمی)

۲۔ (کمپنی) "شخص قانونی" اور اس کے اعضاء کے درمیان "شرکت" کا تعلق بتایا جاتا ہے بعض نے شرکت عنان قرار دیا ہے بعض نے شرکت عقد، جبکہ دوسرے بعض نے ابتداءً شرکت ملک اور انتہاءً اجارہ قرار دیا ہے، الغرض "کمپنی" کو شرکت کے قریب لانے کے لئے اکابر کی کئی آراء سامنے آئی ہیں، کمپنی میں شرکت کی جو بھی صورت ہو بہر حال "کمپنی" کو شرکت سے جوڑا جاتا ہے۔ اگر ہم کمپنی کو شرکت تسلیم کرلیں تو شرکت کا تقاضا یہ ہے کہ کمپنی کے اکابر حضرات صرف کاروبار کے نفع تک محدود رہیں، حالانکہ وہ بھاری بھاری تنخواہیں اور بھتوں کی مد میں نفع تو ہم بھی وصول کرتے ہیں۔

فقہائے کرام کے صحیح و صریح ارشادات سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریک کا شریک کے لئے کام کرنا جائز نہیں ہے۔

قال في "الدر المختار": ولو استأجره لحمل طعام مشترك بينهما فلا اجر له لانه لا يعمل شيئا لشريكه الا ويقع بعضه لنفسه فلا يستحق الاجر......

(الدر المختار ج۶ ص۶۰، ط: ایچ ایم سعید کراچی)

وفي الشامية:

(قوله: فلا اجر له) اي لا المسمى ولا اجر المثل "زيلعي" لان الاجر يجب في الفاسدة اذا كان لها نظير من الاجارة الجائزة، وهذه لا نظير لها "اتقاني" وظاهر كلام قاضيخان في الجامع ان العقد باطل، لانه لا ينعقد العقد، تأمل.

(رد المحتار ج۶ ص۶۰ ط سعید کراچی)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

— قال محمد رحمه الله تعالى: كل شيء استأجره أحدهما من صاحبه مما يكون منه عمل فإنه لا يجوز، وإن عمل فلا أجر له مثل الدابة، وكل شيء ليس يكون منه العمل استأجره أحدهما من صاحبه فهو جائز مثل الجوالق وغيره، وقال أبو الليث رحمه الله تعالى: هذا خلاف رواية المبسوط فإنه قال في كتاب المضاربة: لو استأجر من صاحبه بيتا أو حانوتا لا يجب الأجر.

وذكر القدوري أن كل شيء لا يستحق به الأجرة إلا بإيقاع العمل في العين المشتركة، فإذا استأجر أحد الشريكين الآخر لم يجز مثل أن يستأجر لنقل الطعام بنفسه أو بغلامه أو بدابته أو لقصارة الثوب، وكل ما لا يستحق الأجرة بغير إيقاع العمل في المال المشترك فالإجارة جائزة مثل أن يستأجر منه دارا ليحرز فيها الطعام أو سفينة أو جوالقا ونحوها.

قال فخر الدين قاضيخان: الفتوى على ما ذكر في العيون والقدوري كذا في الذخيرة — (الفتاوى الهندية ج۴ ص۴۴۸ كتاب الإجارة، الباب الثامن عشر في الإجارة التي تجري بين الشريكين، ط: رشيدیہ کوئٹہ)

جب دین اور قرض کسی انسان کے ذمہ لازم ہو جائیں تو ان سے بری الذمہ ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ہیں یعنی ادا یا ابراء، تیسری کوئی صورت فقہاء نے ذکر نہیں کی، یہاں تک کہ دین خراب ہونے کی صورت میں بھی مطالبہ سے فرق تو پڑ جاتا ہے مطالبہ نہیں رہتا، ورنہ اصل حق تو باقی رہتا ہے۔

التعريفات: الدين الصحيح ... ما لا يسقط إلا بالأداء أو الإبراء
(التعريفات الفقهية ص: ۱۰۲، ۱۰۳)

چونکہ یہ بات طے ہے کہ دین یا قرض لازم ہو چکنے کے بعد شخص قانونی اور مجرد ذمہ داری کے تصور کے تحت ادا یا ابراء ہی ہیں (جس کا ذکر اوپر ہوا) سے ماورا کرنا "ابراء یا ادا" پر ایسا اضافہ ہے جس کی شرعی حیثیت اصولی طور پر واضح اور متعین نظر آنا بے حد مشکل ہے۔ یہاں پر یہ شبہ بھی پیش ہوتا ہے کہ شخص قانونی کے پاس جس کی ذمہ داری محدود ہو، دین کی عدم ادائیگی کی صورت میں قرض خواہ کی تصریح شدہ "ابراء" کی صورت میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سکتی ہے۔ کیونکہ ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ چونکہ اس میں تحریر شدہ محدود ذمہ داری فقہی اعتبار سے ایسی شرط فاسد ہے جس پر معاملہ موقوف نہیں اگر اختیار کریں تو عقد فاسد اور شرط ناقابل اعتبار ہوگی۔

۳۔ "شخص قانونی" کی حقیقت و عصریت جیسا کہ واضح ہوا کہ محدود ذمہ داری کا تصور در حقیقت منافع کے حصول میں تو غیر محدود اور نقصانات کی ذمہ داری میں محدود شرح کا ایک عہد و پیمان ہے جو شریعت کے مسلمہ و معروف اصولوں سے متصادم ہے۔

جیسے: "الخراج بالضمان" (الاشباہ والنظائر ص: ۱۳۷، ط: قدیمی) (جو آدمی کسی چیز کا ضمان برداشت کرتا ہے اس چیز کے منافع کا حقدار بھی ہوتا ہے) کے خلاف ہے، اسی طرح "**الغرم بالغنم**" (جو کسی چیز کا ضمان برداشت کرتا ہے وہ نفع کا حقدار بھی وہی ہے)۔ اس کے برعکس جو آدمی کسی چیز کے ضمان اور تاوان کا ذمہ دار نہ ہو تو وہ اس چیز کے منافع کا حق دار بھی نہیں ہوتا۔

۴۔ اس ساری تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ "شخص قانونی" کی معنوی حیثیت تسلیم کرتے ہوئے اسے حقیقی انسان والے تصرفات کا اہل سمجھنا اور معاملات میں شخص قانونی کو فریق کی حیثیت دیتے ہوئے جو معاملات کئے جائیں گے وہ عاقدین کی شرطیں پوری نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز اور خلاف شرع ہوں گے کیونکہ عاقدین کے لئے فقہاء نے یہ شرط ضروری لکھی ہے کہ وہ دونوں آزاد ہوں غلام نہ ہوں، ذوی العقول ہوں غیر ذوی العقول نہ ہوں، نفع و ضرر کی پہچان کرنے والے ہوں، عقد کرتے ہوئے دونوں بصیرت اور ثبوت سے واقف ہوں۔

قوله: شروط العاقدين: ويشترط في العاقدين كونهما حرين، عاقلين، يعرفان النفع والضرر، ويباشران العقد على بصيرة وتثبت ..... الخ

([illegible])

خلاصہ:

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جن معاملات میں شخص قانونی عقد کا فریق ہوگا، وہ عقد فاسد اور بے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ہوا جو کہ کسی حصہ کے فی نفسہ تین میں سے ایک فریق عاقد اور شخص کہلانے کا حقدار نہیں بلکہ انسان یا شخص تو درکنار "ہیولیٰ" کہلانے کا حقدار بھی نہیں کیونکہ "ہیولیٰ" تو کم از کم جسم اور صورت کے مجموعہ یعنی ایک عرض اور ایک جوہر سے مل کر بنتا ہے جبکہ شخص قانونی میں "شخص" اور قانون دونوں عرض ہیں کوئی ایک بھی جوہر نہیں اس لئے "ہیولیٰ" کی حیثیت "شخص قانونی" کی حقیقت سے زیادہ جاندار اور پائیدار ہے۔

الشخص: سواد الإنسان تراه من بعد ثم استعمل في ذاته قال الخطابي: ولا يسمى "شخصاً" إلا جسم مؤلف له. (المصباح المنير في غريب الشرح الكبير للرافعي، ص: ٣٠٦، ط: منشورات دار الهجرة، ايران)

(وهكذا في شمس العلوم ودواء كلام العرب من الكلوم ج ٦ ص ٣٣٧٩ ط: دار الفكر)

٢۔ ان تمام پہلوؤں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اگر ہم شخص قانونی اور اس کی محدود ذمہ داری کے تصور کو درست یا صحیح قرار دیں یا اس کی وجاہت تسلیم بھی کرلیں تب بھی فقہی اور متفقہ بینکار حضرات سے ایک بنیادی اختلاف باقی رہے گا، وہ یہ کہ شخص قانونی اور محدود ذمہ داری کے تصور کو جس طرح ان فقیہ حضرات نے حتمی حیثیت دے کر [illegible] تصور اور تعبیر غور و فکر پیش فرمایا تھا، اپنی زندہ دست عالمانہ و مجتہدانہ شان کے ساتھ جو محض اہل علم کے غور و فکر کے لئے پیش فرمایا تھا۔

چنانچہ ارشاد ہے:

"یہ دونوں تصورات (شخص قانونی اور محدود ذمہ داری) شرعی اعتبار سے خاص طور پر قابل غور اور بحث و تحقیق ہیں، ان امور کے بارے میں احقر اپنی ابحاث کی حد تک کا حاصل اہل علم کے غور و فکر کے لئے پیش کرتا ہے" (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۸۰)

ظاہر ہے کہ جس چیز کو حضرات مصنفین اپنی ذات کی حد تک اپنی تحقیق و تدقیق کے باوجود قابل غور اور بحث و تحقیق قرار دے رہے ہوں اور اپنی تحقیق کو اہل علم کے سامنے مزید غور و خوض کے لئے پیش فرما رہے ہوں، [illegible] ایسی چیز کو اہل علم کے تائیدی یا تردیدی فیصلے کے سامنے آنے سے قبل ہی حتمی اور قطعی قرار دینا انصاف سے بعید ہے، ضرورت ہے کہ اسے غور طلب تحقیق کو مستقل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو کیا ہمارے پاس کوئی انتظام ہے کہ ان کے لئے موجودہ مرکزی حکومت کے کسی کام میں لایا جا سکتا؟

آپ کا مخلص!

اللہ تعالیٰ ہمارے محترم بزرگوں پر رحم فرمائے کہ وہ حضرت مولانا مدظلہم کے اس قدر دانہ اور قابل قدر تحقیق کو ایسے بے قدر کر گئے کہ گویا ان میں خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ اگر اہل علم مولانا مدظلہم کے تحقیق فرمودہ مجموعے کی جانب متوجہ ہو جائیں تو مولانا مدظلہم کا قدر ہیں، دیانت داری کہتی اس تحقیق کو کالعدم قرار دے دینا مناسب نہیں کا پتہ ہوا پیدا ہو جائے گا۔

بہرکیف ہمارے ساتھ اس قسم کی ناانصافیوں کا سلسلہ پرانا ہے اور ان کے تحمل اور صبر وقت اللہ کی رضا تھی، ابھی صرف یہی ہے اس لئے ہم اس طرز عمل پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتے۔

البتہ یہ بات ہم ضرور عرض کریں گے کہ ہمارے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم اور ان کی بے نظیر خصوصیت دونوں میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نوراللہ مرقدہم کے حقیقی وارث اور صحیح جانشین ہیں۔

فجزاهم الله عنا و عن الامة الاسلامية احسن ما يجزي به عباده المحسنين في اعمالهم الخالصة لوجه الجليل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادوں کا فقہی جائزہ

چند بنیادی مسلمہ شرعی اصول:

مروجہ اسلامی بینکاری کی فقہی بنیادوں کی تحلیل و تجزیہ سے قبل چند مسلمہ اصولی باتیں ملحوظ خاطر رہیں تو فقہی بنیادوں کی بحث جزئیات و فروعات کی نذر ہونے کی بجائے اصول و کلیات کے محور و دائرہ میں رہ جائے گی اور شرعی نقطہ نظر سے معاملہ کی تفصیلات و جزئیات کی روک تھام ہو سکے گی اور مختصر وقت میں بآسانی اسلامی بینکاری کی فقہی بنیادوں کی صحت اور سقم کا اندازہ ہو سکے گا۔

پہلا اصل۔ عموم بلوی:

عموم بلویٰ حاجت شرعیہ کے قریب المعنی لفظ ہے جس کا مفہوم یہ ہے "شیوع الامر و انتشاره علمًا و عملًا مع الاضطرار إليه" جس کے متحقق و معتبر ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں:

۱۔ جس چیز پر عموم بلویٰ کے تحقق کا دعویٰ ہو وہ عام لوگوں میں اتنا رائج ہو رہا ہو کہ اس سے بچنا عسیر و دشوار امر معلوم ہو، اور وہ عمل ایسا ہو جس کو ثابت کرنے والی نص قطعی اور غیر محتمل نہ ہو، یعنی محتمل اور غیر صریح ہو۔

۲۔ یہ مقصد شریعت کے خلاف نہ ہو یا بالفرض مقصد شرعیہ سے متصادم ہو تو یہ تصادم محض ظاہری ہو۔

۳۔ کسی نص قطعی کو رد کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ مقصد و ارادہ تیسیر کا ہو۔

۴۔ اقتضائے حال پر عمل شریعت کے مقصد کے خلاف نہ ہو، مثلاً اجارہ کی اجرت و بیع لوگوں کی حاجت کی بناء پر ہے لیکن اگر نص ان کو باطل کرتی ہو جس سے شریعت نے منع کیا ہو۔ کسی بھی موقع پر حاجت معتبر ہو یا عموم بلویٰ کا تحقق کرنے کے لئے ان شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوسرا اصول: مسئلہ حیل و تخریج و تخصیص کا ضابطہ:

کسی معاملہ میں حیلہ سازی یا تخصیص یا حصول نکالنے کا طریقہ کار جائز بھی ہے اور ناجائز بھی ہے۔

حیلہ و تخریج رخصت سے مخصوص اور عزیمت کی تخریج و رد سے متعلق:

لہٰذا اس حدیث کا مصداق یہ ہے کہ: "لاترتکبوا ما ارتکبت الیہود فتستحلوا محارم اللہ بادنی الحیل"

ایسے حیلہ میں کسی کا حق باطل (یا ابطال حق) لازم آتا ہو وہ جائز نہیں۔ فقہاء نے حیلہ شفعہ کو جائز اور حیلہ اسقاط زکوٰۃ کو مکروہ کہا ہے جس کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔

(الف) زکوٰۃ فقراء کا حق ہے، یہ حیلہ ان کے حقوق کے اتلاف اور ضیاع پر منتج ہوتا ہے۔

(ب) زکوٰۃ مطالبہ شرعیہ ہے جبکہ حیلہ اسقاط مطالبہ شرعیہ سے اعراض و انحراف اور بخل و حرص کو مستلزم کرتا ہے۔

تکملہ فتح القدیر میں ہے:

ولا يكره حيلة اسقاط الشفعة والزكاة عند ابي يوسف، وبه يفتى في الشفعة، و بضده في الزكاة. اعلم ان حيلة اسقاطهما لا يكره عند ابي يوسف ويكره عند محمد و يفتى في الشفعة بقول ابي يوسف لانه منع عن وجوب الحق لا اسقاط للحق الثابت و كذا يفتى في الزكاة لكن هذا في غاية الشناعة لانه ايثار للبخل وقطع رزق الفقراء الذي قسمه الله تعالى في مال الاغنياء والانخراط في سلك الذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله، والاستبشار بما بشرهم الله تعالى. واقول: الشفعة انما شرعت لدفع ضرر الجوار فالمشتري ان كان ممن يتضرر به الجيران لا يحل اسقاطها وان كان رجلاً صالحاً ينتفع به الجيران والشفيع متعنت لا يحب جواره فحينئذ يحتال في اسقاطها (تکملہ فتح القدیر ج [illegible] ص [illegible])

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ح۔ ایسی ترجیح جس کے جواز کے لئے تحقیق اور تنقیح سے اجتناب لازم ہے ورنہ اتباع ہوی کی بناء پر حرام ہو گا۔

ط۔ رخصت پر عمل کرنے یا حیلہ اختیار کرنے کے لئے کسی دلیل شرعی کا اقتضاء ضروری ہے

والخلاصة انه لا يعمل بالرخصة ولا يفتى بها الا حيث يقتضي الدليل الشرعي لتلك الرخص . فافهم ولا تكن من الغافلين.

افادات الشيخ محمد تقي العثماني

(المصباح في رسم المفتي ج ۲ ص ۴۰۸)

ی۔ حیلہ اختیار کرنا تنگی اور عارضی ضروریات و حاجت کے تحت درست، اور اسے کسی عمل کے لئے مستقل بنیاد بنا لینا غلط ہے۔ بیعت کا مروجہ حیلہ اسقاط اس کی مثال ہے۔ جو مخصوص حالات اور مخصوص صورتوں کے لئے فقہائے کرام نے تجویز فرمایا تھا، اس حیلے کا مقصد خدا اور خلق خدا کو دھوکہ اور فریب دینا نہیں تھا مگر اسے لوگوں نے ایک مستقل رسم بنا لیا اور جس طرح اس کا رواج اور التزام ہو چلا ہے وہ بلا شبہ ناجائز اور بدعت ہے تفصیل جواہر الفقہ میں ہے۔ تفصیلی حکم کے لئے ملاحظہ ہو۔

(جواہر الفقہ ج ۱ ص ۲۵۰ تا ۲۸۹ مکتبہ دار العلوم کراچی)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں متعدد مقامات پر اس مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے کہ عارضی ضرورتوں اور مخصوص حالات کی وجہ سے جو جواز کے حکم والے معاملات کو مستقل رسم و رواج کی حالت کے طور پر اپنانا شرعاً مذموم ہے۔ اس کی بنیادی حکمت اور فلسفہ یہ بیان فرمایا ہے کہ حیلوں، رخصتوں اور عارضی حوائج کی وجہ سے دی گئی صورتوں کے جواز کو اگر عام کیا جائے یعنی عارضی بنیادوں پر دی گئی رخصتوں اور حیلوں کے سہارے آپ ایک دفعہ عوام الناس کو دے دیں تو پھر عوام الناس سے اس کو چھڑانا آپ کے بس کی بات نہیں ہوگی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حیلے اور وقتی رخصتیں شریعت کے اصل حکم کی جگہ لے لیں گی۔ اور اصل حکم کا تعطل لازم آئے گا اور آپ کی حیلہ سازیاں شریعت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسلام میں سختی سے منع کرنے کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔ چنانچہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ "بیوع منہی عنہا" کے ضمن میں قمار (جوا) کی حرمت اور اس کی حکمت و فلسفہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"اعلم ان الميسر سحت باطل ...... والقابل يستلذه ويدعوه قليله الى كثيره، ولا يدعه حرصه ان يقلع عنه، وعما قليل تكون الترة عليه، وفي الاعتياد بذلك افساد للاموال، ومناقشات طويلة، واهمال للارتفاقات المطلوبة، واعراض عن التعاون المبني عليه التمدن، والمعاينة تغنيك عن الخبر، هل رأيت من اهل القمار الا ما ذكرناه"

(حجة الله البالغة للدهلوي، من ابواب ابتغاء الرزق، البيوع المنهي عنها: ج٢ ص٤٣، ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفيه ايضاً:

"وكان الميسر والربا شائعين في العرب ...... وكان قليلهما يدعو الى كثيرهما، فلم يكن اصوب ولا احق من ان يراعى حكم القبح والفساد موفرا فينهى عنهما بالكلية"

(ج٢ ص٩٣ ايضا)

وفيه ايضا تحت عنوان الربا في النقدين والطعام وفي المعدات المدخر:

"واعلم ان مثل هذه الحكم انما يراد به ان لا يجري الرسم به ولا يعتاد تكسب ذلك الشيء، لا ان لا يفعل شيء منه اصلا، ولذلك قال عليه الصلاة والسلام: بيعوا التمر ببيع آخر ثم اشتروا به"

(ج٢ ص١٩٦ ايضا)

وقال تحت عنوان: "كراهية البيوع تدور على معان"

"فمنها جريان الرسم ببيعها واتخاذها تنويه بتلك المعاصي، وحمل الناس عليها وتقريب لهم منها، وفي تحريم بيعها واقتنائها اخمال لها وتقريب لهم من ان لا يباشروها... الخ"

(ج٢ ص١٩٥ ايضا)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فائدہ:

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے ان ارشادات کی تلخیص یوں کی جا سکتی ہے کہ:

۱۔ ۔۔۔۔ حیلہ کو مروجہ معاملات کا رسم بنالینا اور بطور عادت ذریعہ کسب بنالینا مقاصد شریعت کے منافی ہے۔

۲۔ ۔۔۔۔ جو معاملات کسی بھی درجے میں ناجائز ہوں ایسے معاملات میں حیلہ کی اجازت دے دینا کثیر کے تقاضوں کے لئے بھی تمہید ہوا کرتی ہے، معاشرہ یہود اس پر شاہد ہے۔

۳۔ ۔۔۔۔ اصل کی بجائے غیر اصل صورت کے رواج کی گنجائش دینے سے اصل احکام کا تعطل لازم آتا ہے اور غیر اصل احکام کی ترویج لازم آتی ہے، اس طرح کی گنجائش شریعت سے دوری اور خلاف شرع امور سے قریب کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اس لئے مخصوص حیلوں کو جائز قرار دینے کی بجائے ناجائز قرار دینا زیادہ اہم ہے تاکہ ان مروجہ مخصوص معاملات کی مروجہ بینکاری اور سادہ بینکاری کا فائدہ حاصل ہو، اس میں اس بات پر آمادگی و تحریک پیدا ہوتی ہے کہ لوگ ایسے معاملات سے اجتناب کریں۔ واللہ اعلم

تیسرا اصول۔ "شبہۃ الربا" بھی "ربا" کے حکم میں ہے:

"ربا کے باب میں فقہاء کی تصریحات موجود ہیں کہ شبہۃ الربا حقیقت ربا ہی کا حکم رکھتا ہے، البتہ شبہۃ شبہۃ الربا حقیقت ربا کے حکم سے باہر رہ جاتا ہے۔"

لہٰذا شبہۃ الربا سے بچتے ہوئے حقیقت الربا اور شبہۃ شبہۃ الربا کے درمیان باریک و لطیف فرق کو سمجھنا اور مقامی عرف کی رعایت ضروری ہے تاکہ شبہۃ شبہۃ الربا کا سہارا لے کر اپنی بات کو شرعی قرار دینے سے بچا جا سکے جب ربا کی تحقیق احوال و عبارات سے متعلق ہوں۔ تمام اقوال اور احتمالات عواقب و نتائج کو بھی "قیاساً سیکھو و رحمن اللہ" دیکھنا پڑتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

چوتھا اصل ۔ حلال و حرام کے تقابل میں ترجیحی پہلو:

فقہاء اصولیین فرماتے ہیں کہ جب کسی معاملے میں حلال و حرام کی دو متضاد آراء سامنے آجائیں تو احتیاطاً ترجیح حرمت والی رائے کو حاصل ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ کسی حلال اور مباح چیز کو احتیاطاً استعمال نہ کرنا اس سے کوئی دینی نقصان نہیں ہوتا اور خطرے کی بات نہیں، جبکہ کسی چیز کو حرام ہوتے ہوئے استعمال کرنا، اس کی حرمت سے غافل ہو کر یا نظر انداز کرتے ہوئے حلت کا عقیدہ تصور کر لینا دینی و ایمانی لحاظ سے زیادہ خطرے کی بات ہے۔ اس بناء پر فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جس مسئلہ میں آراء کے اعتبار سے حلال و حرام کا تقابل ہو تو اس مسئلے میں حرام والی رائے کو اختیار کرے اور اسی کی پیروی کرے۔ کیوں کہ طرفین کے دلائل قوت میں مساوی ہوں یا متفاوت، مسئلہ اسی حال میں مشتبہات میں داخل ہو چکا اور مشتبہ سے بچنا بھی شرعاً واجب ہے، کم از کم مستحب تو ضرور ہے۔

(تقریر ترمذی ص معاملات از شیخ محمد تقی العثمانی، ج ۱ ص ۳۳ ضمن اسلام کے معاشی نظام و مسائل جدید)

سیاتی بعض تفصیله فی موضع آخر ان شاء الله تعالی

پانچواں اصل ۔ معاملات فاسدہ کا حکم:

معاملات فاسدہ کے تعلق سے فقہاء کرام کی تصریحات سے دو بنیادی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(الف) معاملات فاسدہ اور ان کے اثرات قرآنی معاشیات کے بنیادی احترازی اصول یعنی "اکل بالباطل" کے تحت آتے ہیں کیونکہ معاملات فاسدہ کے رواج سے اسلامی معاشرے میں ظلم و استحصال کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

ونظيره ما تضمنته الآية من النهي عن أكل مال الغير قوله تعالى: "ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام" (سورة البقرة آیت ۱۸۸)

وقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيبة من نفسه"

وعلى أن النهي عن أكل مال الغير معقود بصفة وهو أن يأكله بالباطل وقد

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقتضی ذلک الحکم إبطال العقود الفاسدة كتمان البيوع الفاسدة.

(احکام القرآن، سورۃ النساء، باب التجارات، ذیل الآیۃ ج ۲ ص ۲۰۳،۲۰۴ / ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(ب) عقود فاسدہ کے حکم میں دوسری بات کا حاصل "انعقاد دون نفاذ" اور "نفاذ دون جواز" ہے۔ "انعقاد دون نفاذ" کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ فاسدہ مطلق طور پر منعقد تو ہو جائے گا، اس کی بنیاد تسلیم کر لی جائے گی لیکن اس کی نفاذ وحمایت اور افادیت ازالہ فساد پر موقوف رہے گی، کما هو حکم البيوع الفاسدة.

"نفاذ دون جواز" کا مطلب یہ ہے کہ عقد فاسد بسا اوقات اصل بنیاد اور ارکان بیع کی موجودگی کے نتیجے میں نفاذ و حیثیت تک پہنچ بھی جاتے ہیں تب بھی عدم جواز اور فساد کے عوارض و لواحق کی بدستور موجودگی اور امکانات کی وجہ سے عدم جواز کے اثرات ختم نہیں ہو جاتے، بلکہ کسی حد تک باقی رہتے ہیں۔ جیسے بیع مکروہ اور ... "بیع ..." ... ایسے معاملات بیع کے بنیادی اثاثے پورے ہونے کے ... صحت اور جواز کے ... (کما سیاتی بیانہ فی مقام آخر)

اس تصریح سے یہ بنیادی اصول نکلتا ہے کہ اگر ہم کسی فاسد معاملے کو حیلوں اور رخصتوں کے ذریعے انعقاد و نفاذ ... صحت کے مرحلہ تک پہنچا بھی دیں تب بھی اس عقد فاسد کے ... اثرات ... ختم نہیں ہوا کرتے۔ کسی فاسد معاملہ کو بیع قرار دیتے ہوئے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

چھٹا اصول - معاملات میں تصحیح عقد کا اصول:

اس اصول کا حاصل یہ ہے کہ "ما امکن تصحیح عقد یصحح" جس کی تعبیر "تصحیحاً لعقد" وغیرہ سے بھی کی جاتی ہے۔ فقہاء کرام کی اس تعبیر اور اصول کو بعض لوگ اس طرح سمجھتے ہیں کہ ہر فاسد معاملہ کو اسی طرح ... ڈھال دیا جائے تو ... عدم جواز کا سارا رنگ ... اتر جائے گا۔ جبکہ فقہاء

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ امام مالک رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، وہ ان حیلوں کو تحمل نہیں فرماتے، بلکہ ان کے اقوال سے یہ وضاحت بھی معلوم ہوتی ہے کہ اکثر تعامل کی بنیاد پر ایسی صورت میں "الاصل الصحۃ" کے پیش نظر صحیح عقد کے ضابطہ کو معمول بنانا مشکل ہوگا۔

لقولهم: اصل التصرفات: حملها على الصحة، الا ان يغلب الفساد،

وقال القرافي: والتصرف انما يحمل على الغالب" (الفروق ج ۳ ص ۴۳)

علاوہ ازیں مزید تحقیق کے لئے علامہ قرافی رحمہ اللہ کی ایک اور عبارت پیش خدمت ہے:

"تنبيه: قال اللخمي: اختلف في وجه المنع في بيوع الآجال، ابو الفرج: لانه اكثر معاملات اهل الربا، وقال ابن مسلمة: بل سدا لذرائع الربا، فعلى الاول من علم من عادته تعمد الفساد حمل عقده عليه والا مضى، فان اختلفت العادة منع الجميع وان كان من اهل الدين والفضل"

اسی طرح ہمارے ائمہ میں سے امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ نے سود خوروں کا حیلہ ہونے اور مقصد ہونے کی بنا پر "بیع عینہ" کو "اعظم في القلوب من الجبال اخترعه اكلة الربوا"[1] کہہ کر مکروہ تحریمی (ناجائز) قرار دیا، حالانکہ بیع عینہ کی بعض صورتیں انعقاد و نفاذ کے تقاضے بھی پورے کر رہی ہوتی ہیں۔

(۱) (تبیین الحقائق ۴/ ۱۶۳ باب الکفالۃ مطلب بیع العینہ ط ایچ ایم سعید کراچی۔ کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ باب بیع العروض ۲/ ۷۳۶ طبع دار المعارف النعمانیہ لاہور)

ان تصریحات سے یہ اصولی بات واضح ہوتی ہے کہ سود کے باب میں جو حیلے سود خوری کو اسلامی لبادہ فراہم کرنے کی غرض سے اختیار کئے جائیں اور ان حیلوں میں سود خوروں کے مفادات کو اسلام اور عقود شرعیہ کے نام سے تحفظ فراہم کیا جاتا ہو، ایسے حیلے "العقود باطلۃ" کے تقاضے پورے کرنے کے باوجود کراہت، گناہ اور واجب الترک ہونے سے محفوظ نہیں۔ اسی اصول کی بنا پر "ہنڈی" (Bill of Exchange) کے متعلق علامہ شامی کے موقف سے بھی ہوتی ہے کہ:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیع تو فی نفسہ جائز ہے لیکن چونکہ اس کا رواج اور کو سود دینے کا حیلہ بنایا جا سکتا ہے اس لئے قیمت مثل کے ساتھ جائز ہے قیمت مثل سے زائد پر جائز نہیں ورنہ سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا۔

(تقریر ترمذی ج ا ص ۱۳۶ حصہ معاملات)

تقریر ترمذی میں بیع العینہ کے بارے میں ارشاد ہے

"ان تمام باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ علماء کی بیان کردہ صورت میں اور سود کی مروجہ صورت میں بہت فرق ہے۔ فرق کے باوجود اس کی سود کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اس لئے میں اس صورت کو درست نہیں سمجھتا" (تقریر ترمذی ج ا ص ۲۳۶ حصہ معاملات)

ساتواں اصل۔ تاویل فاسد سے اجتناب:

شریعت میں بہت سی وجوہات وضروریات میں اصل حکم کو اپنے مورد اور محل سے پھیرنے کے لئے جو تاویل کی جاتی ہے وہ تاویل فاسد کے زمرے میں آتی ہے جس سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ چنانچہ "جمع الجوامع" میں تاویل کی تعریف و اقسام ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہے۔

قوله: والتأويل حمل الظاهر على المحتمل المرجوح، فإن حمل عليه لدليل فصحيح، أو لما يظن دليلا وليس بدليل في الواقع ففاسد، أو لا لشيء فلعب لا تأويل (جمع الجوامع للسبكي مع شرح المحلي، بحث الظاهر والمؤول ج ۱ ص ۳۰۷۔ ط: اصح المطابع بمبئی)

"ظاہر معنی کو ترک کر کے مرجوح معنی مراد لینے کو تاویل کہتے ہیں اگر کسی دلیل کی بناء پر ہو تو یہ تاویل درست ہے اور اگر محض دلیل کی بناء پر مرجوح معنی مراد لیا جائے تو فاسد اور اگر محض یا کسی دلیل کے بغیر ہو [illegible] کے ساتھ تاویل ہو تو یہ لعب ہے تاویل نہیں۔

([illegible] فیصل آباد)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

آٹھواں اصل۔ معاملات میں توسع اور افتاء بمذہب الغیر:

بعض حضرات علماء کرام کا ارشاد ہے کہ معاملات کے باب میں جس جس فقہی مسلک کے اندر یسر و سہولت کی بات مل رہی ہو صحیح حد کے لئے اسے لینے میں مضائقہ نہیں بلکہ توسع ہے اس پر حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے فتاویٰ سے کچھ مثالیں بھی پیش کی جاتی ہیں۔

جہاں تک آپ کے ارشاد کا تعلق ہے تو یقیناً فقہاء کرام کی تصریحات کے تناظر میں، بعض حضرات رحمہ اللہ جیسے بعض حضرات کے یہاں بھی یہ وسعت نکلتی ہے، آپ نے "افتاء بمذهب الغير" کی جو اجازت حضرت حکیم الامت نے فرمائی ہے اس کے لئے "حیلۂ ناجزہ" میں جو شرائط و ضوابط بیان فرمائی ہیں ان کا ملاحظہ و مطالعہ بھی کرنا ضروری تھا۔ تحریر بحث معاملات میں افتاء بمذہب الغیر کے وہ تقاضے پورے نہیں فرمائے گئے جن کا اہتمام حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا۔

اس لئے ہم حضرات علماء کرام کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ افتاء بمذہب الغیر کے لئے علماء اصولیین نے کچھ شرائط و قیود بھی لگائی ہیں، جن میں "افتاء بمذهب الغير" کی اجازت کے منافع اٹھانے والوں کو ان سے حقیقی شرائط کا بوجھ بھی برداشت کرنے کا عزم و حوصلہ ہونا چاہیے، ان شرائط میں سے ایک شرط درج ذیل ہے جسے حضرت مولانا ... کے افادات میں لکھا ہے، وہ یہ ہے کہ:

۱۔ مذہب غیر پر فتویٰ دینے والے مفتی کے لئے ضروری ہے کہ دیگر اصحاب فتویٰ کی آراء بھی حاصل کرے اس فتویٰ کو انفرادی حیثیت کی بجائے اجتماعی حیثیت میں دینا چاہیے۔ قولہم:

الثاني: أن يشاور المفتي بذلك غيره من أصحاب الفتوى

بحسب الحاجة، والأحسن أن لا يبادر بالإفتاء منفرداً عن غيره بل يجتهد

أن يضم معه لفتوى غيره من العلماء ليكون جماعياً لا انفرادياً ــــ الخ

(اصباح فی رسم المفتی ج ۲ ص ۲۰۹)

۲۔ مشاورہ میں اتفاق کی نوبت بھی آنی چاہیے، ورنہ "تلفیق باطل" شمار ہوگی، اتفاق علی التحقیق

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بجائے خود تو جائز ہو لیکن ہے، مگر یہ تلفیق "تودی الی اباحۃ الحرام" یعنی حرام کو مباح تک پہنچانے کا باعث بنے، یہ درحقیقت حرام تک پہنچانے کی ہے۔ (تفصیل کے لئے جواہر الفقہ ج۲ ص۳۴۶ ط: دار العلوم کراچی اور حیلہ ناجزہ فی حیلہ ... اور اصول الفقہ الاسلامی للزحیلی ج۲ ص۲۳، ۲۴، ۲۴۲)

۳۔ کسی مسئلہ میں محض "تتبع" کو ہدف بنا کر ائمہ مذاہب مختلفہ سے سہولتیں اچکنے کا عمل جائز نہیں ہے۔

قال الغزالی: لیس لاحد ان یاخذ بمذهب المخالف بالتشهي، ولیس للعامي ان ینتقي من المذاهب في کل مسألۃ أطیبها عنده فیتوسع ۔۔۔ الخ"

(اصول الفقہ الاسلامی ج۲ ص۱۱۵۰)

۴۔ تلفیق کی یہ صورت وہاں جائز ہے جس کا تعلق ضرورت اور مصلحت شرعیہ کے متحقق ہو جانے پر صرف معاملات و عادات میں ہو نہ کہ عبادات میں۔ (اصول الفقہ الاسلامی ج۲ ص۱۱۳۵)

۵۔ تلفیق و اقوال کا ایسا مجموعہ نہ ہو جس سے کوئی نئی حقیقت مرکبہ بن جائے۔ (المصباح ج۲ ص۹۸)

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علم و محقق حضرات اس اصول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے "تلفیق باطل" کی صورت کو نظر انداز کرتے ہیں۔

نواں اصول۔ مقصدیت و حقیقت کا لحاظ:

کسی چیز کی حقیقت بدل جانے سے اس کا نام بدل جائے یا نام اور ظاہری حقیقت دونوں بدل جائیں لیکن علت و مقصدیت وہی ہو تو اس چیز کا حکم تبدیل نہ ہوگا۔ "لان الحکم یدور مع العلۃ" ۔۔۔ "والامور بمقاصدها"

وفي الفتح: وفي هذا الحدیث وعید شدید علی من یتحیل في تحلیل ما یحرم بتغییر اسمه، وان الحکم یدور مع العلة، والعلة في تحریم الخمر الاسکار، فمهما وجد الاسکار وجد التحریم، ولو لم یستمر الاسم۔ قال ابن العربي: هو اصل في ان الاحکام انما تتعلق بمعاني الاسماء، لا بالقابها، رداً علی من

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حسبما علی اللفظ ...... الخ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۹ ط: رئاسة ادارة البحوث العلمیة)

مضاربہ و مشارکہ کی بنیاد پر بینکاری

کمپنی اور اصطلاحی شرکت:

دو یا دو سے زائد افراد کا کسی طے شدہ معاہدہ کے تحت کاروبار کرنا فقہی اصطلاح میں "شرکت یا مضاربت" کہلاتا ہے، اسی نوعیت کے کاروباری اتحاد و اشتراک کو جدید معاشی نظام میں "کمپنی" کہلاتا ہے، جس کے لئے تعریفی تعبیر یوں کی جاتی ہیں:

"عام لوگوں کی مختلف رقموں کو جمع کر کے ان سے اجتماعی فائدہ اٹھانا "کمپنی" کہلاتا ہے"۔ (جدید معیشت و تجارت ص:۱۱۰)

کاروباری اجتماعیت اور اشتراک کی حد تک بظاہر "کمپنی" اور فقہی اصطلاح "شرکت" میں کافی حد تک مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے، اس لئے بعض حضرات نے کمپنی اور شرکت کے درمیان گہرائی کے ساتھ فرق نہ ہونے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں کیا جبکہ بعض اکابر نے کمپنی کو شرکت کی ایک قسم شرکت عنان کی طرح قرار دے کر اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، جن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم بھی شامل ہیں جو کمپنی اور شرکت کے درمیان کئی وجوہ سے فرق کے قائل بھی ہیں، حضرت مولانا مدظلہم نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ:

> "کمپنی کی جو خصوصیات سامنے آئی ہیں، ان کے لحاظ سے کمپنی شرکت کی معروف اقسام سے کسی قسم میں بھی داخل نہیں، فقہاء نے شرکت کی جو چار اقسام ذکر کی ہیں اگر مضاربت کو بھی اس میں شامل کیا جائے تو پانچ قسمیں بن جاتی ہیں، کمپنی کا یہ نظام ان پانچوں میں سے کسی قسم میں بھی پوری طرح داخل نہیں"۔ (جدید معیشت و تجارت ص ۹۰)

الغرض "کمپنی" شرکت و مضاربت سے الگ چیز ہے جس کا ان دونوں سے جداگانہ تصور ہے،

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جس کی بنا پر کمپنی کو مستقل کاروباری شخص ماننے کے لیے ہم مجبور ہیں اس لیے یہ بات ذہن نشین رہے کہ کمپنی پر شرکت و مضاربت کے احکام منطبق کرنے کے بجائے، کمپنی کی اپنی جداگانہ مستقل حیثیت کا جائزہ لینا ضروری ہے ورنہ غلط بحث لازم آئے گی۔

بینک، کمپنی یا شرکت و مضاربت کا ادارہ؟

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ جس ادارے (بینک) کا شرعی حکم ہم معلوم کرنا چاہ رہے ہیں، وہ ادارہ کمپنی کی خصوصیات کا حامل ہے؟ یا شرکت و مضاربت کے طریقوں پر سرمایہ کاری کا پروگرام رکھتا ہے یا دونوں کی خصوصیات کا مجموعہ ہے یعنی جملہ خصائص کا حامل ہے پھر اس آخری احتمالی صورت میں یہ بات قابل غور ہوگی کہ یہ ادارہ (بینک) شرکت اور کمپنی کی جن جن منتخب خصوصیات پر مشتمل ہے۔ "دونوں قسموں" کی ان خصوصیات کی باہمی نسبت کیا ہے؟ باہم توافق ہے یا تضاد ہے، اگر نسبت توافق کی ہے تو فبہا ونعمت اگر شرکت و مضاربت اور کمپنی کی مخصوص خصوصیات میں تضاد کی نسبت ہو تو اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ یہ ادارہ نہ تو شرکت و مضاربت کے اصولوں پر قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی کمپنی کے اصول و قواعد کے مطابق خاطر خواہ کارکردگی دکھا سکتا ہے، بلکہ ایک نئی حقیقت مرکبہ کہلائے گا اور ہمیں اس حقیقت مرکبہ کا حکم جداگانہ معلوم کرنا ہوگا۔ پھر بھی اگر ہم یہ کہیں کہ بینک میں شرکت و مضاربت کا عنصر زیادہ نمایاں ہے یا کمپنی کا کردار محدود سا ہے (جیسے کہ ان حضرات کا دعویٰ ہے) تو اس صورت میں دیگر اصول و قواعد فقہیہ سے قطع نظر غالب کا اعتبار کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بینک کا نظام شرکت و مضاربہ پر قائم ہے اور شرکت و مضاربہ کے اصولوں پر مشتمل ہے۔

لیکن اگر تحقیق و تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بینک کا نظام شرکت و مضاربہ کی بجائے کمپنی کی بنیادی خصوصیات کا مظہر ہے، تو پھر بینک کا حکم وہی ہوگا جو کمپنی کا ہوگا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ بینک کا نظام شرکت و مضاربت کی بجائے کمپنی کے نظام سے زیادہ موافقت و مطابقت رکھتا ہے، بینک کے بانی حضرات بھی مروجہ بینکوں کو بینک کہنے کی بجائے جوائنٹ اسٹاک کمپنی کہنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

گئے ہیں۔

مضاربہ و شرکت کی بنیادوں پر بینکاری کے امکانات:

اسلام میں "سود" کا حقیقی متبادل چونکہ "بیع" ہے اور بیع کی اقسام میں سے مشترکہ کاروباری اسکیم (Joint Stock Scheme) "مضاربہ" اور "شرکت" کہلاتی ہے، اس لئے سود کے طبعی متبادل کے طور پر شرکت و مضاربہ کو اسلامی اصولوں کے مطابق رواج دینے کی تجویز اور تطبیق کے لئے ارباب فکر و نظر کی کوششوں میں سب سے پہلا سوال جو ان کوششوں کے سامنے آتا ہے وہ سوال وہی ہے جس کی طرف شروع میں اشارہ کیا گیا تھا کہ جہاں پر سرمایہ دارانہ نظام کے زیر اثر شریعت سے آزاد "بینکنگ کونسل" اور "اسٹیٹ بینک" کا "بینکاری نظام" پر کنٹرول ہو وہاں شرعی اصولوں کے مطابق شرکت و مضاربہ کے خالص شرعی طریقہ تجارت کو فروغ مل بھی سکتا ہے یا نہیں؟

مضاربہ، شرکت اور بینک کے مزاج میں بنیادی فرق:

بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ جہاں پر سرمایہ دارانہ نظام قائم اور رائج ہو وہاں "مضاربت" کا بینک سے حقیقی طور پر قائم ہونا ممکن ہے اور نہ ہی بینکاری کے ساتھ چل سکتا ہے کیونکہ بینکاری اسی سرمایہ دارانہ نظام کا ایک حصہ ہے جس میں دولت کی گردش چند ہاتھوں میں محدود ہو جاتی ہے۔ اور سرمایہ دارانہ نظام کا اسلام سے متصادم ہونا ظاہر ہے۔

ظاہر ہے کہ بینکنگ کونسل اور اسٹیٹ بینک جس کے سرمایہ دارانہ فکر پر کاربند ہونے اور سودی نظام کے حامی و علمبردار ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، ان اداروں کے ہوتے ہوئے ان ہی روایات سے ہٹ کر کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ کسی بھی بینک کو ایسی چھوٹ دے دیں گے کہ اپنے مفادات اور ترجیحات کو قطع نظر پشت ڈال کر ایسے طریقے کو تسلیم کریں گے جو ان کے مفادات سے متصادم ہو سکے، چنانچہ یہ مشاہدہ ہے کہ وہ صرف سودی طریقے ہی سے جڑے ہوئے (Financing modes) میں سے اجارہ، مرابحہ جیسے عقدوں کو تو اپنی ترتیب اور تشریح کے مطابق تسلیم کرتے ہوئے اسلامی بینکوں کو مرابحہ و اجارہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجبوت ... ہیں مگر مشارکہ و مضاربہ کی ترویج میں وہ ایسا تعاون کرنے میں قطعاً دلچسپی نہیں رکھتے۔
(حاشیہ الحقیقہ)

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شرکت و مضاربہ اور "بینک" کے مزاج میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ بینک کا مزاج یہ ہے کہ وہ اپنے کلائنٹ (Client) کو طے شدہ نفع کی یقین دہانی اور نقصان نہ ہونے کی ضمانت دیتا ہے، یہ جب ہی ممکن ہے کہ اکاؤنٹ کی رقم کو بینک کے ذمہ قرض کہیں اور اس پر ملنے والے طے شدہ یقینی نفع کو سود کہیں، جبکہ مضاربت میں نہ تو طے شدہ نفع کی یقین دہانی ممکن ہے اور نہ ہی کسی قسم کے نقصان کی کوئی ضمانت دی جا سکتی ہے، کیونکہ مضارب کے پاس راس المال (Capital) محض امانت ہوتا ہے، اس لئے اگر کوئی بینک مضاربت کی بنیاد پر قائم ہو تو وہ بینک نہ تو اپنے کھاتہ داروں کو اصل رقم کی واپسی کی ضمانت دے سکتا ہے اور نہ ہی اصل رقم پر مقررہ نفع دینے کی یقین دہانی کرا سکتا ہے۔ اس نوعیت کا بینک اپنے کھاتہ داروں کے لئے کسی قسم کی دلچسپی اور رغبت کا سامان اپنے اندر نہیں رکھتا۔ ایسے بینک کے سامنے صرف دو راستے ہیں، یا تو وہ بنیادی طور پر ایسی تدابیر اور حیلے اختیار کرے جن کے ذریعہ وہ اپنے کھاتہ دار کی دلچسپی و رغبت کے لئے یقینی نفع اور نقصان سے حفاظت کی ضمانت فراہم کر سکے، جبکہ یہ یقین دہانی اور ضمانت کا حصول سود یا اس کی کسی نہ کسی شکل کے بغیر ممکن نہیں، اگر ایسا ہوا تو یہ بینک مضاربت کی بنیاد پر قائم رہتے ہوئے بھی اپنی حقیقت اور نتیجہ کے اعتبار سے سودی بینک ہی کہلائے گا، چاہے اس کا نام کچھ بھی رکھ لیا جائے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ "شرعی ..." ...

چنانچہ یہی صورتحال پیش آئی اور ... ہے، اس راستے کا وزن روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے۔
(مجلہ ...)

شرکت و مضاربت کی بنیاد پر بینکاری کی ناکامی، توقعات اور تجزیہ:

اس رائے کے مقابلے میں دوسری رائے جس کی بنیادی فکر یہ ہے کہ ربوٰا اور قمار سے بچنا تو ... میں ... زندگی گزارنے سے بہتر یہ ہے کہ معمولی ... کا کچھ سا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تبدیلی بھی یقینی کر لیا جائے۔ اس رائے کی بنیادوں میں اخلاص و للہیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ رائے محض نیک توقعات، تمناؤں اور آرزوؤں پر قائم ہے، اصل مقصد کی طرف پیش قدمی کو محض آرزوؤں کا سہارا ہے۔

ویسے ہم بھی کسی حد تک اس رائے سے متفق ہیں اور ہماری بھی شدید دلی تمنا ہے کہ وطن عزیز میں صحیح اسلامی اصولوں پر مبنی اسلامی بینکاری نظام رائج ہو اور معاشرہ سودی آلائشوں سے پاک ہو، اس لئے ہم بھی اس رائے پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کرنا چاہتے، صرف دوسری رائے پر اپنا تبصرہ و تجزیہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں، تاکہ ہم یہ جان سکیں کہ اسلامی بینکاری اور اس کی بنیادوں کی طرف پیش رفت کے حوالے سے ہماری توقعات اور آرزوئیں کس حد تک اپنے اصل ہدف اور مقصد کی طرف بڑھتی ہیں؟ ذیل میں یہ تجزیہ پیش کرتے ہیں:

اسلامی بینکاری کی اصل بنیاد اور چند باتیں:

یہ جان کر کہ "شخص قانونی" (Juristic Person) کا اسلامی آئینی ختم ہونے کے بعد کسی اسلامی بینک میں اس کی موجودگی نہیں رہے گی، ہمارے خیال میں شریعت کی رو سے جائز ہے نہ اسے اسلامی بینکاری کی بنیاد تسلیم کرنے کی گنجائش ہے، اگر اصولاً دیکھا جائے تو "بینک" میں شخص قانونی کے ہوتے ہوئے بینک کا اسلامی وجود ہی نہیں رہتا، اسی بینک کے ناجائز ہونے کے لئے اس میں شخص قانونی جیسی صفت کا پایا جانا ہی کافی ہے، اسلامی بینکاری کی دیگر جزئیات سے بحث کی حاجت باقی نہیں رہتی، ہم مختصر چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی بات: مروجہ اسلامی بینکاری میں شرکت و مضاربت کا عنصر

سب سے پہلی بات "سود" کا صحیح اسلامی متبادل "بیع" ہے اور بیع کے بعد سے شرکت اور مضاربت کا طریقہ ہے، انہی بنیادوں پر اسلامی بینکاری کا جواز اور مشکلات ظاہر کئے جاتے ہیں اور نیک توقعات باندھی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صحیح اسلامی متبادل کا اسلامی بینکاری میں کتنا حصہ ہے؟ ہماری معلومات کے مطابق مروجہ اسلامی بینکاری میں شرکت و مضاربت کا عنصر ۱۵۔۲۰ فیصد سے آگے نہیں بڑھ سکا اور نہ ہی آگے بڑھانے کے لیے کوئی قابل ذکر کوشش ہو رہی ہے۔ ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم بھی اس کی وضاحت کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں:

"اسلامی بینکاری کے اس فلسفے کو اس وقت تک عملی حقیقت نہیں بنایا جا سکتا، جب تک کہ اسلامی بینک مشارکہ (جو کہ مضاربہ کو مشارکہ کی ایک قسم شمار کیا گیا ہے) کے استعمال کو وسعت نہ دیں، یہ صحیح ہے کہ مشارکہ کے استعمال میں کچھ عملی مشکلات ہیں، خصوصاً موجودہ ماحول میں جہاں اسلامی بینک تنہائی میں اور متعلقہ حکومتوں کے تعاون کے بغیر کام کر رہے ہیں" —

مگر یہ بھی ایک حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ اسلامی بینکوں کو تدریجی مراحل میں مشارکہ کی طرف بڑھنا ہوگا اگرچہ تھوڑی مشارکہ کو حجم بڑھانا ہو گا، بد قسمتی سے اسلامی بینکوں نے اسلامی بینکاری کے اس بنیادی تقاضے کو نظر انداز کیا ہوا ہے، مشارکہ کے استعمال کی طرف پیش رفت کی قابل ذکر کوششیں موجود نہیں ہیں حتی کہ محدود پیمانے اور منتخب بنیادوں پر بھی نہیں، اس صورتحال کا نتیجہ چند ناموافق عناصر کی صورت میں نکلا ہے۔

پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ اسلامی بینکاری کا بنیادی فلسفہ نظر انداز ہوتا نظر آتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مشارکہ کے استعمال کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے اسلامی بینک مرابحہ اور اجارہ کے استعمال پر مجبور ہوتے ہیں اور یہ استعمال بھی روایتی معیارات مثلاً (LIBOR) وغیرہ کے فریم ورک میں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آخری نتیجہ سودی معاملے سے مختلف نہیں ہوتا"۔

(اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ایک تعارف، مضمون: اسلامی بینکوں کی کارکردگی ایک حقیقت پسندانہ جائزہ، ص ۲۸۵ تا ۲۹۳، مکتبہ معارف القرآن کراچی)

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی نے مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنے اس موقف کا اعادہ اور شدید تشویش، اضطراب اور مایوسی کے ساتھ ۲۴ جنوری ۲۰۰۷ء کو ایک مجلس میں جو مجلس فقہ و بینکاری جامعہ دارالعلوم کراچی کے ذیلی شعبہ "المرکز الاقتصاد الاسلامی بیت المکرم گلشن اقبال کے زیر اہتمام "اسلامک بینکنگ سرٹیفکیٹ کورس" پروگرام کے افتتاح کی مناسبت سے منعقد ہوئی تھی حضرت مدظلہم اسلامی بینکاری اور اس کے فروغ میں قدم بڑھانے والے حضرات کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں جس کا خلاصہ اور مفہوم یہ ہے:

"شروع شروع میں جب میں نے کہا تھا کہ یہ (اجارہ میں اور مرابحہ میں) اس لئے کہ مجبوری ہے ابتدائی مرحلے میں ہم پہلے مرحلے میں حرمت سے بچ جائیں بجائے اس (مرابحہ اجارہ) پر اکتفاء کرنا یہ کسی کے ذہن میں بھی تھا نہ بینک کے ذہن میں کہ یہ اسلام کے بنیادی احکامات کو پورا کریں اور وعدہ یہ کہ "نفع و نقصان میں شرکت" (Profit and loss Sharing) کی طرف رفتہ رفتہ پیش قدمی ہوگی، لیکن افسوس یہ کہ موجودہ "اسلامک فنانسنگ" اس پر قانع ہوکر بیٹھ گئی کہ یہی اسلامی طریقہ ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ بعض حضرات اس سے پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ بعض ان حضرات کی پیروی بھی کی جا رہی، جب میں یہ کہتا ہوں کہ مرابحہ اجارہ پر قناعت کر لی گئی ان کی جگہ مشارکہ اور ... وہ سمجھتے ہیں کہ جائز بھی کہتے ہو اور دوسری طرف کہتے ہو کہ تبدیل کرو ہے ہیں"

حضرت مدظلہم کے یہ ارشادات ارشادات کی ویڈیو کیسٹ اور سی ڈی میں موجود ہیں۔

فائدہ

حضرت مولانا مدظلہم کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ آپ کی مطلق خواہش ہے کہ اسلامی بینکاری کا حقیقی اسلامی بنیادوں پر ترقی کرنا صرف خواب ہے، بلکہ اسلامی بینکاری کا بنیادی فلسفہ بھی اسی قسم کا ہے اور بنیادی مرابحہ و اجارہ کے عارضی حیلوں (Ordinary Legal Devices) کے بجائے مستقل بنیادوں پر استعمال سے اسلامی بینک سودی بینکوں سے اپنی شناخت الگ کرنے میں کامیاب ہوں گے لیکن افسوس اسلامی بینک حضرات اس قسم کی تبدیلی کیلئے تیار نہیں ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ہیں، جیسے وہ تمام حقیقی تبادل پوری قوت سے ہو کر بیٹھ گئے ہیں، جس کی وجہ سے لازمی طور پر اسلامی بینکاری کا پہیہ الٹا چل رہا ہے اور اسلام کے صحیح اسلامی احکامات کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔

وقد شهد عليه شاهد عدل على خيانه۔

دوسری بات: محدود ذمہ داری کے حوالے سے بینک کا دہرا معیار

دوسری بات یہ ہے کہ "کمپنی" اور "بینک" عام کھاتہ داروں کے حق میں "مضارب" (Working Partner) بنتے ہیں اور "مضارب" ("مطلق اور غیر ماذون") کی ذمہ داریاں بالاتفاق غیر محدود (Un-Limited) ہوتی ہیں، یعنی اگر وہ رب المال (Investor) کی طرف سے واضح ہدایات کے بغیر واجب الادا معاملات کا بوجھ اٹھا کر لے تو اس کا ذمہ دار مضارب (Working Partner) خود ہی ہوتا ہے نہ کہ رب المال (Investor)، مگر کمپنی اور بینک بے جان "شخص قانونی" (Juristic Person) کی آڑ میں اپنی ذمہ داریوں کو محدود (Limited) قرار دیتے ہیں اور "رب المال" کو محدود ذمہ داری سے بچانے کے اس تصور پر عمل بھی کرتے ہیں، یہ دہرا معیار اور حقیقت منافع سمیٹنے اور خصوصاً حقیقی ذمہ داری سے بچنے کے لئے ناجائز اور غیر شرعی حیلہ ہے، اور یہ دوہرا معیار مضاربت کے احکام کی روشنی میں خلاف شرع بھی ہے۔

تیسری بات: اسلامی بینک کے خلاف شرع معاہدے

تیسری بات یہ کہ ایک اسلامی بینک میں جب کوئی اکاؤنٹ کھولنا چاہے تو اسے جو فارم دیا جاتا ہے اس میں بینک کی طرف سے ایک عبارت ہوتی ہے جس کو پڑھ کر آدمی سمجھ سکتا ہے، اس کی عبارت یہ ہے:

"All funds deposited in the account to be opened pursuant to this application and all transactions in relation theretro will be governed by the Terms and Conditions for Accounts and Services.

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

Policies of Meezan Bank Ltd. and all laws, regulations, rules, decrees, by-laws, applicable to Meezan Bank Ltd. including regulations, directions and circulars, issued by the State Bank of Pakistan and all amendments that may be made from time to time to all or any of the above.

I / We agree to provide any documents requested by Meezan Bank Ltd....[etc.]

ترجمہ (اردو):

اس درخواست کے تحت جو رقم اکاؤنٹ میں جمع کرائی جائیگی اور جو معاملات اس عمل سے متعلق کئے جائینگے وہ سب مندرجہ ذیل کے تحت آئینگے: (۱) میزان بینک کے اکاؤنٹ اور خدمات کی شرائط، (۲) میزان بینک کی پالیسی، (۳) سارے قانون، قواعد، ہدایات وغیرہ جو میزان بینک کے بارے میں ہوں، بشمول قواعد، ہدایات، احکامات وغیرہ جو بینک دولت پاکستان جاری کرے ـــــ میں/ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم وہ دستاویزات جو میزان بینک مانگے گا اس کو فراہم کرینگے ـــــ (وغیرہ)

اس فارم کے اردو اور انگریزی عبارت سے متعلق چند ضروری امور قابل غور ہیں۔

ا۔ اسلامی بینک جب تک اپنے آزاد تشخص کی پابندی نہ کرے جیسا کہ نمبر ۲ کے تحت تحریر کیے گئے ہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ بینک کی پالیسی کے مطابق چلنے والے معاملات شرعی ہوں؟ ہمارا اسلامی بینک اس تحریر کے بغیر مرکزی بینک کے قواعد و ضوابط اور ہدایات وغیرہ ماننے کے لئے اپنے اکاؤنٹ سے منظوری لیتا ہے، اور یہ حقیقت بھی کسی پر پوشیدہ نہیں کہ ہمارا مرکزی بینک اور حکومت خود کو شرعی پابندیوں سے آزاد سمجھتے ہیں، وہ ان کے کئی ضوابط قرآن و سنت کے خلاف اور صراحتاً خلاف شریعت ہوتے ہیں کیا کوئی اسلامی ادارہ اس قسم کے غیر شرعی قواعد کی مطلق پابندی کے لئے اپنے کھاتہ داروں سے عہد و پیمان لے سکتا ہے؟ اس کو یہ عمل شرعا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوا، اور قانونی اعتبار سے ہو سکتا ہے جسے کوئی مسلمان بھی اس کو جائز نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے کسی اسلامی بینک کا اپنے آپ کو سٹیٹ بینک سے اس غرض کا مجبور کر دینا شریعت کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

اشکال:

یہاں پر بعض لوگوں کی طرف سے یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ اسٹیٹ بینک نے تحریری اور تقریری طور پر اسلامی بینکوں کو غیر سودی سرمایہ کاری کی باقاعدہ اجازت دے رکھی ہے۔ اسلامی بینک اپنے قواعد و ضوابط اور پالیسیاں شریعت اسلامیہ کے مطابق بنا سکتے ہیں تو مرکزی بینک کے رولز رکاوٹ بننے کی بجائے وسیع جواز فراہم کرتے ہیں۔

جواب:

اس حوالے سے پہلی گزارش تو یہی ہے کہ سودی نظام کے مرکزی و محوری ادارے سے اس قسم کی غیر سودی ترغیب کی حقیقت و صداقت پر ہرگز یقین نہیں ہو سکتی۔ سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کی غیر سودی بینکاری کی سفارشات اور فیصلوں کا مرکزی بینک کا انجام اس پر واضح دلیل ہے۔

اس کے باوجود اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اس دعویٰ کو تسلیم کر لیں تو اسلامی بینکاری پر ہمارے عدم اطمینان کی وجہ یہ تحقیق ہے کہ ہمارے اسلامی بینک، اسٹیٹ بینک کی غیر شرعی پالیسی اور ہدایات سے آزاد ہونے کے باوجود اپنے طریقہ ہائے تمویل (Modes of Financing) کو اسلامی بینکاری کی حقیقی اسلامی بنیادوں کی طرف لانے کے لئے کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں دکھا سکے، بلکہ اسلامی بینکوں کے اس قسم کے رویوں سے یہی تاثر ہم کو ہوتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینک بذات خود اپنی حقیقی اسلامی بنیادوں کی طرف پیش رفت کرنے میں سنجیدہ نہیں، کیونکہ مشارکہ اور مضاربہ کے طریقوں کے مطابق سرمایہ کاری میں انہیں وہ مقررہ منافع قطعی طور پر حاصل نہیں ہو سکتے جو سودی بینکوں کے طریقہ تمویل سے مشابہت رکھنے والے مجوزہ طریقوں سے حاصل ہو رہے ہیں۔

- بینک اور کلائنٹ (گاہک) کے درمیان معاہدے کی جو عبارت ہم نے اوپر نقل کی ہے اس کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

درست ہو، عموماً عوام کا طبقہ جب کسی اسلامی بینک میں اکاؤنٹ کھولنے جاتا ہے تو اسے یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ اس کے اور بینک کے درمیان طے پانے والا معاملہ مشارکہ، مضاربہ ہے یا کچھ اور؟ جب کسی معاملے کے بارے میں عاقدین کو یہ معلوم ہی نہیں کہ وہ کیا معاملہ کر رہے ہیں تو اس کے صحیح یا غلط ہونے کا علم ہونا اور صحیح اور صحت کے لئے لازمی شرائط کا التزام اور عقد سے متعلق دیگر معاملات کیسے طے کئے جا سکتے ہیں؟ یہاں بھی بعض حضرات اس دلیل کا سہارا لیتے ہیں کہ اس معاملے کے عاقدین دراصل بینک (شخص قانونی) اور آنے والا گاہک ہے، اور آنے والا گاہک جو معاملہ کرنے آ رہا ہے اس کے مطابق اسے فارم اور معاملے کی تفصیلات پر مشتمل دستاویز بینک کی طرف سے مہیا ہو جاتی ہے تو بینک کے عملے کو اس کی تفصیلات سے آگاہی ہونا بھی معاملہ صحیح ہونے کے لئے کافی ہے کیونکہ عملے کی حیثیت محض معاون کی ہے۔

لیکن یہ عذر بے جا ہے کیونکہ گذشتہ صفحات میں واضح ہو چکا ہے کہ شریعت اسلامیہ شخص قانونی کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتی، شخص قانونی معاملات میں فریق بننے کی شرعاً صلاحیت ہی نہیں رکھتا بلکہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ ایک مصنوعی وجود ہے جو ذمہ داری سے نکلنے اور نقصان سے بچانے کا ایک بہانہ ہے، اس لئے اصل معاملہ کرنے والے بینک کے مالکان ہیں یا ان کا قائم مقام (جو بینک کے اندر بیٹھا ہوا ہے اور آنے والے لوگوں سے معاملات طے کر رہا ہے) اور آنے والا گاہک ہیں، اس لئے بینک کے ذریعے جو بھی معاملہ ہو رہا ہو خواہ مضاربہ کا یا مشارکہ کا، اس کی ابتداء یا مستقل نوعیت کا عاقدین کو علم ہونا ضروری ہے، ورنہ جہالت عقد (Uncertainty of Transaction) کی وجہ سے یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا۔ پس جو معاملات بینک کے عملے کی لاعلمی کے ساتھ ہو رہے ہیں وہ شریعت کے مطابق نہیں ہو سکتے۔

عذر اور جواب عذر:

باقی یہ کہنا کہ بینک کی طرف سے دیئے گئے فارم اور معاملے کی تفصیلات پر مشتمل دستاویز میں سب کچھ لکھا ہوتا ہے، اس سے معاملے کی جہالت کا حکم نہیں لگ سکتا، کیونکہ قضاء میں دستاویزی ثبوت ہی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس صورت میں بھی ہم عملی بینکاروں کی امانت و دیانت سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کسی اسلامی بینک میں قرض لینے والے گاہک کو جو تجویز دستاویزی پلندہ دستخط کرنے کے لئے تھما دیا جاتا ہے، کیا گاہک اسے پورا پڑھ بھی پاتا ہے یا صرف دستخط کرنے پر اکتفا کرتا ہے؟

۳۔ ہماری معلومات اور بعض تجارب کے مطابق اگر کوئی گاہک بینک کا ایگریمنٹ مانگے تو اسے وہ فراہم بھی کیا جاتا، اس میں دو خرابیاں ہیں: پہلی خرابی تو وہی جہالت عقد کی ہے اور دوسری خرابی یہ کہ اگر بینک کی سرمایہ کاری پالیسی کی طرف تبدیل ہو جائے تو ایسے تو گاہک کو اصل پالیسی کا علم نہیں رہتا، دوسرا یہ کہ وہ پیشگی دستخط اور معاہدے کی رو سے کسی بھی پالیسی کا پابند بھی ہے، خواہ گاہک کا فائدہ ہو یا نقصان، اس میں دو غلطیاں لازم آتی ہیں:

(الف) بدلنے والی پالیسی پر گاہک سے پیشگی دستخط لینا ایسے شرط مجہول کے التزام پر پابند کرنا ہے، جو کہ مقتضائے عقد کے سراسر خلاف ہے۔

(ب) معاملہ کی حقیقت سے ناواقفیت کے ساتھ صرف "منافع" کو ہدف بنا کر معاملہ کرنا، اسلامی بینک اور سودی بینک کے درمیان فرق کو مٹاتا ہے اور واضح نہیں کرتا۔

۴۔ اگر تحقیق کے بعد یہ معلوم ہو بھی جائے کہ گاہک کا بینک کے ساتھ معاملہ مشارکہ ہے یا مضاربہ ہے تب بھی اس پر صحیح اعتماد اس لئے نہیں کیا جا سکتا کہ مشارکہ و مضاربہ کا عملی طریقہ کار مجوزہ طریقہ کے عین مطابق ہے یا نہیں، کہ ہم اسے اسلامی بینکاری کہیں ورنہ اسلامی کہنے کا کوئی جواز نہیں ہو گا۔ اس وقت کسی بھی دعویٰ کی ضمانت دینا ہے اور نہ ہی ممکن ہے اس لئے مروجہ اسلامی بینکاری میں شرکت و مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ کاری کو ہم بلا دلیل اسلامی نہیں کہہ سکتے (کما مر)

۵۔ جیسا کہ ہم اوپر وضاحت کر چکے ہیں کہ "مضاربہ" کا معاملہ ہونے کی صورت میں "کھاتہ دار" رب المال ہوگا اور بینک "مضارب"، تو کیا مضارب (بینک) کے ذاتی انتظامی اخراجات اور مختلف فیسیں کیسے لی جاتی ہیں، اس سلسلے میں ایک اسلامی بینک کا طرز یہ ہے:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

21. CHARGES AND EXPENSES

21.1 The Bank may, without any fruther experess authorization from the Customer, debit any account of the Customer maintained with the Band for:

(i) All expenses, fees, commissions, taxes, duties or other Charges and losses incurred, suffered or sustained by the Bank in connection with the opening/operation/maintenance of the Account and/or providing the services and/or for any other banking sevice which the Bank may extend to the Customer.

ii) The Amount of any or all losses, claims, damages costs, charges, expenses or other amounts which the Bank may suffer, sustain or incur as a consequence of acting upon the Instructions.

کمپنی یونٹ ہولڈرز سے اپنے انتظامی اخراجات اور انتظامی فیس یا انتظامی فیس وغیرہ وصول کرے گی اس کے بعد بچنے والے منافع کو ان کے درمیان (رب المال اور مضارب) کے درمیان تقسیم ہوگا۔

حالانکہ شرعی اعتبار سے مضارب کے لئے اپنے کام (مضاربت) پر کسی قسم کی تنخواہ یا فیس یا معاوضہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے البتہ احناف کے یہاں صرف اتنی گنجائش ہے کہ اگر مضارب کو اپنے شہر سے باہر کہیں دوسرے شہر میں کاروبار کی غرض سے جانا پڑ جائے تو وہ وہاں قیام و طعام وغیرہ کے اخراجات مال مضاربت سے وصول کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے شہر اور مقامی علاقے میں مضاربت کرنے والا مضارب کسی قسم کے پیسے یا الاؤنس کا حقدار نہیں ہوگا۔

(اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص: ۱۵۰)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسی طرح فقہی تصریحات بھی ملاحظہ ہوں:

ولا ينبغي له ان يشترط مع الربح اجرا لانه شريك في المال بحصته من الربح وكل من كان شريكا في مال فليس ينبغي له ان يشترط اجرا فيما عمل لان المضارب يستوجب حصة من الربح على رب المال باعتبار عمله له فلا يجوز ان يستوجب باعتبار عمله ايضا اجرا مسمى عليه اذ يؤدي الى اجتماع عوضين لسلامة عمل واحد له.

(المبسوط للسرخسی ج ۲۲، ص ۴۹، ط دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

واما النفقة فنستحقه المضارب بعمله، فالذي يستحقه بعمله في مال المضاربة فبيان حكمها النفقة والكلام في النفقة في مواضع، في وجوبها وفي شرط الوجوب ... (واما) شرط الوجوب، فخروج المضارب بالمال من المصر الذي اخذ المال منه مضاربة سواء كان المصر مصره او لم يكن، فما دام يعمل به في ذلك المصر فان نفقته في مال نفسه لا في مال المضاربة وان انفق شيئا منه ضمن ... (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۰۵، ط سعید کراچی پاکستان)

اسی طرح تحصیل کے ساتھ یہ بھی گزر چکا ہے کہ راجح اور آسان قول کے مطابق شریک کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ مشترکہ تجارت میں شریک سے معاوضہ وصول کرے۔

قال في الدر المختار: ولو استاجره لحمل طعام مشترك بينهما فلا اجر له، لانه لا يعمل شيئا لشريكه الا ويقع بعضه لنفسه فلا يستحق الاجر

(الدر المختار ج ۶ ص ۶۰، ط سعید کراچی) [وقد مر تفصيلاً]

اس لئے مروجہ طریقہ کہ مضارب معاوضہ لے اس کا کوئی شرعی جواز نہیں۔

شرکت و مضاربہ میں منافع کی تقسیم اور تناسب:

منافع کی تقسیم اور تناسب بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا عثمانی زید مجدہم ارشاد فرماتے ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"مضاربہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے، کہ فریقین، بالکل شروع میں، حقیقی منافع کے کسی تناسب پر متفق ہوں، جس کے مطابق رب المال اور مضارب میں سے ہر ایک منافع کا مستحق ہوگا۔"

منافع کی تقسیم کا طریقہ کار:

آگے مصنف حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"کچھ عرصے سے شرکت و مضاربت میں نفع کی تقسیم کا ایک اور طریقہ کار بعض حلقوں کی طرف سے تجویز کیا گیا ہے، جس کو اکاؤنٹنگ کی اصطلاح میں "الحساب الیومی" یا روزانہ پیداوار پر مبنی حساب (Daily Product Basis) کہا جاتا ہے۔" (جدید معیشت و تجارت ص:۱۳۹)

مصنف یہ فرماتے ہیں کہ اس ترتیب کے مطابق فی روپیہ فی یوم منافع کے اوسط پر منافع کی شرح سے نفع تقسیم کیا جاتا ہے، مگر نفع کی اس ترتیب سے تقسیم پر خود مصنف مدظلہم نے اشکال فرمایا ہے کہ بلاشبہ اس صورت میں نفع کی تقسیم تخمینی اور تقریبی ہوگی، اس بات کا اندیشہ ہے کہ کسی کے حقیقی نفع کا کچھ حصہ دوسرے کے پاس چلا جائے اور اسی طرح کسی کا نقصان بھی دوسرے کے کھاتے میں چلا جائے مگر ساتھ ہی اس اشکال کا جواب یہ تحریر کیا جاتا ہے کہ شرکت میں شرکاء کے اموال مشترک طور پر مخلوط ہو جاتے ہیں لہٰذا نفع کی تقسیم کرتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ہر ایک کے سرمایہ سے حقیقی نفع کیا ہوا، بلکہ تمام مجموعہ سرمائے سے مجموعی نفع ہوا ہو وہ تقسیم ہوتا ہے حالانکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ایک کے سرمائے سے نفع حاصل ہوا ہو اور دوسرے کے سرمائے سے بالکل نفع نہ ہوا ہو، معلوم ہوا کہ نفع کی حقیقی تقسیم شرکت میں مطلوب نہیں، تقریبی تقسیم بھی کافی ہے، جبکہ تمام شرکاء اس پر راضی ہوں، لہٰذا مذکورہ طریقے پر شرکت نفع کی تقسیم کی شرعاً گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (تلخیص از جدید معیشت و تجارت)

تبصرہ:

ہمارے خیال میں شرکت و مضاربہ میں نفع کی تقسیم کے حوالے سے حضرت مدظلہم کا مقدم الذکر قول ہی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حصول (مضاربہ کے نتیجے ہونے کے لئے ضروری ہے کہ فریقین بالکل شروع میں حقیقی منافع کے خاص تناسب پر متفق ہوں یعنی درست وہ اتفاق شرعی ہے۔

بعض حضرتوں کی طرف سے پیش کردہ تجویز اور اس کی توجیہ دونوں فقہی رو سے ناقابل فہم ہیں اس لئے کہ اس تجویز پر عمل مشارکہ کی صرف ایک صورت سے ہو سکتا ہے کہ جب مشارکہ کے شرکاء نے ایک ہی مدت کے لئے رقم فراہم کی ہوں یہ مشارکہ کی رقم مخلوط ہو اور سرمایہ کاری میں لگنے والی رقم کی تعیین اور تجزیہ ناممکن ہو یعنی یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکتا ہو کہ کس کی رقم استعمال ہوئی ہے اور کس کی رقم استعمال نہیں ہوئی یہ سمجھ میں آتا ہے۔ اس لئے اس نوعیت کے مشارکے سے حاصل شدہ منافع میں یہی تقسیم تمام شرکاء پر ان کی تقسیم کی مجبوری ہو سکتا ہے۔

لیکن یہ صورت بینک اسلامی بینکاری میں نافذ ہوتی ہے نہ ہی اس کا امکان ہے، کیونکہ بینک کے سارے کھاتہ دار ایک ہی وقت میں اور ایک ہی مدت کے لئے مشارکہ یا مضاربہ کرنے آئیں ایسا قطعاً ممکن ہے؟ اسی وقت کے کسی وقت بھی تمام مالیاتی ادارے رواں کھاتے (Current Account) کھولتے ہیں۔ پھر بینک کے کھاتہ دار مختلف اوقات میں مختلف مدتوں کے لئے مشارکہ اور مضاربہ کرنے کے لئے آتے رہتے ہیں، ایسے شرکاء وصول کنندگان تمام کے شرکاء والے مشارکت میں صورتحال کی طرح حکم میں بھی فرق کرنا ضروری ہے۔

ہمارے خیال میں پہلی صورت کے اندر سرمایہ کاری میں لگنے والی رقم اور استعمال ہونے والی رقم میں خلط کی وجہ سے یہ تعیین کرنا مشکل تھا کہ کس شریک کی رقم استعمال ہوئی اور کس کی نہیں ہوئی، لیکن دوسری صورت میں اس قسم کی کوئی دشواری اور مشکل نہیں۔ مثلاً کسی اسکیم میں ایک سال سے شرکاء کا سرمایہ لگا ہوا ہے، جبکہ کوئی شریک دو مہینے پہلے شریک ہوا ہے، سرمایہ لگا رکھا ہے اور ایک یا چند شریک چھ ماہ بعد اس اسکیم کے حصص خرید چکے ہیں۔ اس چھ ماہ کے عرصے میں بعد والے شرکاء کے اموال خلط ملط نہیں ہوئے، انہیں حقیقی کی بجائے تخمینی و تقریبی نفع دینے کے لئے نفع کا طریقہ کیسے پیش کیا جا سکتا ہے؟ عموماً بینکوں میں یہی دوسری

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

صورت میں لاگو ہوتی ہے، چنانچہ اکنٹمر کی اختتامی مدت سے پہلے جو بھی شریک حصہ دار رہتا ہے وہ اسکیم کے منافع میں تخمینی طور پر شریک سمجھا جاتا ہے، حالانکہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اب ختم ہونے والی سرمایہ کاری میں حصہ لینے والے شریک کی رقم استعمال نہیں ہوئی، پھر بھی ہم خلط کا بہانہ بنا کر یہ کہیں کہ یہ تعیین ناممکن ہے کہ یقینی طور پر کس کا سرمایہ استعمال ہوا اور کس کا نہیں ہوا، بظاہر اس تجویز میں کوئی معقولیت نہیں ہے اور اس کی توجیہ اعتذار میں بھی کوئی "فقہی" نہیں ہے۔ اسی طرح نقصان کا ذمہ دار بھی بعد میں آنے والا شریک بھی بن جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ نفع معلوم تحقیقی اور تقسیم تخمینی کی دشواری کا عذر شرکت کی بعض صورتوں میں تو قبول کیا جاسکتا ہے، کیونکہ شرکت میں بعض فقہاء کرام کے نزدیک شرکاء کو اپنی اپنی تعداد اور سرمایہ کی کل مقدار کا ابتداءً تحقیقی علم ہونا ضروری نہیں ہوتا (البتہ بعد میں علم ضروری ہوتا ہے)، جبکہ مضاربت میں ابتداء سے آخر تک مکمل نفع کی تعیین اور تجزیہ ضروری ہوتی ہے، کیونکہ مضارب کا حق صرف نفع میں ہوتا ہے، راس المال اور اس کے مضارب منافع کا ہوتا ہے، چنانچہ یہ جاننا ضروری ہوتا ہے کہ راس المال کیا اور کتنا اور نفع کتنا ہے، اس لیے مضاربت میں تخمینی تقسیم نفع کی بات ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ اگر مضاربت میں بالکل شروع میں حقیقی منافع کے تعین کا سبب ہی تخمینی ہو تو ایسی صورت میں مضاربت شرعاً درست نہیں ہوتی، وجہ یہ ہے کہ معقود علیہ نفع ہے، معقود علیہ (نفع) جب غیر معلوم ہو تو عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

ففي الهندية: وشرط جواز هذه الشركات كون المعقود عليه عقد الشركة قابلاً للوكالة كذا في المحيط، وأن يكون الربح معلوم القدر، فإن كان مجهولاً تفسد الشركة —— الخ (الهندية ج٢ ص٣٠٢، ط: رشيدية كوئٹہ)

وفي البدائع: ولو شرطا في العقد أن تكون الوضيعة عليهما بطل الشرط، والمضاربة صحيحة، والأصل في الشرط الفاسد إذا دخل في هذا العقد أنه ينظر إن كان يؤدي إلى جهالة الربح يوجب فساد العقد، لأن الربح هو المعقود عليه وجهالة المعقود عليه توجب فساد العقد، وإن كان لا يؤدي إلى جهالة الربح، يبطل الشرط وتصح المضاربة — الخ

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۸۲ ط سعید کراچی)

اس بناء پر ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ شرکت میں نفع کی فی صد تقسیم کو کافی فرمانا بجا نہیں ہے، کیونکہ فی صد نفع کی کفایت تو محض شرکت کی ایک خصوصی قسم سے ہوسکتی ہے جو مروجہ بینکاری میں رائج ہے نہ کہ شرکت کی دوسری اقسام میں جہاں "خلط" کا تصور غیر معقول ہو یا معاملہ مضاربت کا ہو تو وہاں نفع کی فی صد تعیین تقسیم کو کافی قرار دینا شریعت اسلامیہ کے مطابق معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ بجز ایک آدھ استثنائی صورت کے شرکت و مضاربت کا اصل اصول یہی ہے کہ متعاقدین کو نفع کی حقیقی شرح کا علم ہو ورنہ یہ معاملہ معقود علیہ (نفع) کے مجہول ہونے کی وجہ سے فاسد ہوگا۔ واضح رہے کہ کسی غیر شرعی طریقہ تجارت پر محض مسلمانوں کے باہمی اتفاق و رضامندی سے حلت اور جواز پیدا نہیں ہو جاتا۔

نفع کی تقسیم میں وزن (Weightage) کا طریقہ کار:

مختلف شرکاء کے درمیان نفع کی مختلف شرحیں طے کی جا سکتی ہیں، اس بنیاد پر یہ فرمایا جاتا ہے کہ ایک اصول کے مطابق "ویٹیج" (Weightage) (وزن) دینا درست ہے۔

(جدید معیشت و تجارت ص ۱۳۷)

تبصرہ:

ہماری سمجھ کے مطابق یہاں دو چیزوں کو الگ الگ واضح فرمانے کی ضرورت ہے، ایک چیز تو یہ ہے کہ مختلف شرکاء کے درمیان نفع کی شرحیں مختلف ہو سکتی ہیں، اس حد تک "وزن" دینے کا مفہوم نفع کی مختلف شرحوں کی صورت میں سمجھا جا سکتا ہے، مگر دوسری چیز قابل غور ہے وہ ویٹیج (Weightage) دوسرا اصطلاحی مفہوم ہے جو محض اقتصادی ماہرین سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے، جس کی تعبیر یوں کی جا سکتی ہے کہ مدت کے اعتبار سے رقم کی قیمت (Value) مقرر کرنا آیا یہ فقہی درست بھی ہے اور شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس کو مثال کے ذریعہ یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شخص نے چھ ماہی مدت کے پروڈکٹ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(Breakup Value) کی بنیاد پر شمار کیا جائے تو اس کے ایک روپیہ کی ویلیو اور وزن سو پیسے ہی کا شمار ہوگا، کیونکہ اس کی رقم سے پروجیکٹ کو زیادہ فائدہ پہنچ رہا ہے، اس لئے اسے سو پیسے کی بنیاد پر نفع میں شمار کرنا، اس میں لگائی گئی رقم کے مقصد پر ہونے والے نفع کی شرح سے ہوگی، جبکہ دوسرا شریک جو پروجیکٹ کی درمیانی مدت میں شریک ہوتا ہے، اس کا پیسہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ کارآمد اور مفید ثابت نہیں ہوا، اس لئے اس کے ایک روپیہ کی ویلیو اور وزن سو پیسے کے بجائے اسی ۸۰ پیسے شمار کیا جائے گا، اس شریک کو جو منافع دیا جائے گا اس کی شرح ۸۰ پیسے کی بنیاد پر طے ہوگی نہ کہ ۱۰۰ پیسے کی بنیاد پر۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جیسے وہ پہلے رقم لگانے والے شریک کو ۱۰۰ پیسے پر زیادہ نفع ملے گا، جبکہ دوسرے شریک کو ہر سو پیسے پر اتنا نفع ملے گا جتنا کہ ۸۰ پیسے والے کو ملتا ہے، گویا پہلے والے کے سو پیسے زیادہ نفع پیدا کرتے ہیں اور دوسرے کے سو پیسے کم نفع پیدا کرتے ہیں۔

یہ طریقہ کار اگر مختلف شرکاء کے درمیان نفع کی مختلف شرحیں طے کرنے کے لئے ہوتا تو قابل فہم بات تھی، اس میں کسی پیچیدگی کی ضرورت محسوس نہیں ہونی چاہیے تھی، اس پیچیدگی کا مقصد شرکاء کے نفع کی مختلف شرحوں سے تعبیر کرنے کی بجائے اس طریقہ کو ویلیو اور وزن اثرات والے پہلوؤں کو مدنظر رکھا جاتا تو مناسب تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم نے شرکت کے حساب سے رقم کی ویلیو اور وزن کا نظریہ تسلیم کرلیا، یا اپنی خاموشی سے برقرار رہنے دیا تو پھر اس نظریہ کی رعایت ہمیں بعض دوسری جگہوں میں بھی کرنی پڑے گی، مثال کے طور پر ایک شخص نے آج سے تیس سال پہلے کسی سے ایک ہزار روپیہ قرض لئے تھے اب ۳۰ برس بعد واپسی کی صورت میں وہ کہتے ہیں کہ قرض دینے والا مطالبہ کرے کہ اس وقت ہزار روپیہ کی افادیت، ویلیو اور وزن آج کے دس ہزار کے برابر تھا، اس وقت ہزار روپے میں جتنی چیزیں خرید سکتے تھے آج دس ہزار میں بھی نہیں خریدی جا سکتیں، اب سوال یہ ہوگا کہ قرض میں دیئے ہزار روپیہ کا وزن واجب الادا ہوگا یا ہزار روپیہ کا صرف گنتی کے سو قوت خرید کا اعتبار کرنے کی صورت میں قرض پر جو وقت میں ادائیگی کی صورت میں دس ہزار واجب الادا ہونے چاہئیں، حالانکہ اب تک کے پوری فقہائے کرام اسے خالص "سود" اور "اکل بالباطل"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے تعبیر کرتے ہیں:

اس لئے بعض حضرات یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ترجیح (Weightage) کے نظریہ کو مختلف شرکاء کے نفع کی مختلف شرحیں کی بنیاد قرار دیتے ہوئے تسلیم کرنا اپنی حقیقت اور نتیجے کے اعتبار سے سود کے ایک باب کو اسلامی معاملات میں جگہ دینے کا ایک بہانہ بنایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ کسی فرم یا کمپنی میں دو قسم کے شریک بننے والے یا مقررہ مدت سے پہلے مشارکہ ختم کرنے والے شریک کو "ترجیح" کی بنیاد پر نفع دینا بنیادی طور پر شبہۃ الربا اور حقیقت و نتیجے کے اعتبار سے حقیقی کی بجائے تخمینی تقسیم نفع کی صورت بنتی ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ وزن دینا، مال غیر کو ناجائز طریقے سے ہضم کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور یہ اکل بالباطل کے زمرے میں آ سکتا ہے۔

وما روی عن ابن عباس والحسن رضی اللہ عنہم ان الباطل ہو کل

ماخوذ من الانسان بغیر عوض

(تفسیر الکبیر ج ۱۰ ص ۶۹ ، دار احیاء التراث)

کیونکہ یہ ایک بنیادی اصول کے تقاضوں سے ترجیح کے نام پر حیلہ سازی کرتے ہوئے جو فائدہ اٹھایا جاتا ہے اس کے متعلق یہی خدشہ ہے کہ یہ اکل بالباطل کے ضمن میں شامل ہونے کا زیادہ احتمال ہے۔

قبل از وقت مشارکہ ختم کرنا:

مشارکہ کی مقررہ مدت پوری ہونے سے قبل مشارکہ ختم کرنے والے کو اپنا حصہ کم قیمت پر بیچنا یا کم شرح پر نفع حاصل کرنے پر مجبور کرنا بھی درحقیقت ترجیح کا حصہ ہے۔ اپنا حصہ کم قیمت پر فروخت کرنے کے معاملے میں حقیقی نفع کی تقسیم بھی متاثر ہوتی ہے، کیونکہ شرکت میں تو شریک کو ویسے ہی پہلے سے یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جب چاہے اپنا اصل سرمایہ اور اب تک کا نفع طے شدہ شرح کے مطابق لے کر معاملہ شرکت سے الگ ہو جائے۔ مروجہ مشارکہ میں شریک کے اس حق کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اسے اپنا حصہ کم قیمت پر بیچنے پر مجبور کرنا یہ ترجیح بھی حقیقی نفع کی بجائے تخمینی نفع کا معاملہ شرکت کے بنیادی اصولوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے مقاصد سے متوافق ہونے کی وجہ سے ناجائز و فاسد ہے اور اوپر یہ حوالہ بیان ہو چکا ہے کہ معاملات فاسدہ کے کاروبار (بیع) اکل بالباطل کے زمرے میں آتے ہیں جو کہ حرام ہے۔

شرکت متناقصہ کی عقدی حیثیت

(Transaction Value of Diminishing Musharakah)

شرکت متناقصہ اگرچہ فقہ اسلامی میں ایک نئی اصطلاح ہے، تاہم معنی اور مفہوم کی صحت کے ساتھ اسے فقہاء کے اقوال میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ شرکت متناقصہ کے طریقہ تمویل (Mode of Financing) ہونے کی حیثیت پر بحث آگے صفحے پر آ رہی ہے، یہاں پر صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ شرکت متناقصہ کی بنیاد پر جو معاملہ فریقین کے درمیان ہوگا وہ معاملہ اصل کے اعتبار سے اجارہ ہوگا یا بیع یا شرکت؟ اگر یہ کہا جائے کہ فریقین میں اور مختلف مراحل میں انجام پذیر ہوتے ہیں تو اسے تسلیم کر لینے کے باوجود یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ یہ مختلف عقود، عقود جمعا ایک دوسرے پر موقوف اور آپس میں مشروط ہیں، ان کا باہمی موقوف ہونا مشروط ہونا، ان کو ایک الگ اور گروانے کی وجہ دلیلوں سے بدرجہا واضح اور روشن ہے اس لئے شرکت متناقصہ کو طریقہ تمویل کے طور پر اپناتے ہوئے بیع و شرط اور صفقات فی صفقہ جیسی واضح نصوص کو نظر انداز کرنا ہی سب سے عجیب ہے بلکہ حجۃ اللہ البالغہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مختلف عقود میں شرکت متناقصہ کا معاملہ خصومت کا سبب اور بیع میں شامل ہے۔

تخریج:

(ومنها) أي الشنيئة (أن يقصد بهذا البيع معاملة أخرى يترقبها في ضمنه أو معه لأنه إن فقد المطلوب لم يكن له أن يطالب، ولا أن يسكت، ومثل هذا حقيق بأن يكون سببا للخصومة بغير حق، ولا ينقضي فيها مشاجرة العيال.

حجة الله البالغة باب النهي عن بعض البيوع والمكاسب ج ۲ ص ۱۰۹، ط: بیروت

وفي الهندية: رواية عن المبسوط في كتاب المضاربة:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لو استأجر من صاحبه بيتاً أو حانوتاً لا يجب الأجر (هندية، إجارة، الإجارة التي تجري بين الشريكين ـــــ ج ۴ ص ۴۴۸، ط: رشيدية كوئٹہ)

مرابحہ مروجہ اور اجارہ بطور تمویلی طریقہ کار

(Murabahah and Ijarah As a Financing mode)

آج کل عام طور پر اسلامی بینکوں میں بطور تمویل (Mode of Financing) تین معاملات استعمال ہوتے ہیں جو تین طرح کے ہیں:

۱۔ مرابحہ ۲۔ اجارہ ۳۔ شرکت متناقصہ

پہلے دو تو مروجہ اسلامی بینکوں کے تمویلی طریقہ کار کی بنیاد ہیں اور تیسری قسم (جس کی متعدد حیثیت اور ہیئتیں) کو شرکت کہتے ہوئے اس لئے تمویلی طریقہ کے طور پر قبول کیا گیا ہے کہ اس میں بھی اجارہ کو تبعاً شامل کر لیا جاتا ہے، جیسا کہ ہم پہلے سے ذرا مفصل بحث کر چکے ہیں کہ ہم اسلامی بینکاری کی بنیادوں کی تشکیل اور جزئیات سے بحث کے بجائے صرف چند بنیادی اصول اور امور ہی کو لے لیں تو بھی مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے ہمارا اختلافی نقطہ نظر واضح ہو سکتا ہے، مثلاً یہ دیکھا جائے کہ آیا مرابحہ اور اجارہ بیع اور شرعی اور فقہی مفہوم کے ساتھ تمویلی طریقہ کار بن سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بن سکتے ہیں تو انہیں مستقل بنیادوں پر تمویلی طریقہ کی حیثیت سے اختیار کرنا درست ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں اہل علم کے جو نقطہ ہائے نظر ہمارے علم سے گزرے ہیں وہ تین طرح کے ہیں:

پہلا نقطہ نظر:

پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ مرابحہ مؤجلہ اور اجارہ (نیز شرکت متناقصہ) یہ تینوں شرعاً مستقل تمویلی طریقے نہیں ہیں بلکہ بنیادی طور پر سودی بینک ان طریقوں کو سرمایہ کاری کیلئے اختیار کرتے ہیں، وہ صرف اور صرف اس لئے کہ سود کو حلال بنانے کے لئے یہ طریقے بطور حیلہ کام دے سکتے ہیں، اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کو حلال کرنے کا نیا ہی سے آسان حیلہ یعنی حیلوں کی اقسام میں سے کسی اور قسم کے ذریعہ نہیں بن سکتا۔ اس لئے وہ اہل علم حضرات اسے مرابحہ اور اجارہ کو باطل حیلہ کہتے ہیں۔ یہ حضرات یہاں تک فرماتے ہیں کہ ان حیلوں کو اسلام کے نام پر جائز کہنا اسلام پر ظلم اور دین کی تحریف ہے اور یہ کہ اس حدیث نبوی کا مصداق ہے جس میں پیش گوئی کی گئی ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ بیع کے نام پر ربوٰ کو حلال بنانے کی کوشش کریں گے۔ یہ رائے انتہائی محتاط اور قوی ہے اور حدیث مذکور کے مصداق کی طرف دلالت ظاہر بھی ہے۔ یہ نقطۂ نظر معروف اصحاب الفتاویٰ اور حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ اور ان کے ہم خیال اہل علم کا ہے۔

دوسرا اور معتدل نقطۂ نظر:

دوسرا نقطۂ نظر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا ہے۔ ان کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ مرابحہ اور اجارہ بنیادی طور پر طریقۂ تمویل نہیں ہیں، بلکہ مرابحہ بیع کی ایک خاص قسم ہے، جبکہ اجارہ ایک مستقل معاملہ ہے۔ شریعت کی رو سے تمویل کے مثالی طریقے مشارکہ اور مضاربہ ہیں، البتہ مرابحہ و اجارہ کو طریقۂ تمویل کے طور پر چند قیود کے ساتھ عبوری دور اور مخصوص حالات کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ:

''عملی میدان میں اجارے کا طریقہ بھی کسی معاملے کو تمویل کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ آج کل عموماً اجارے کے جو معاملات ہوتے ہیں، ان میں اجارے کی حقیقت موجود نہیں ۔۔۔ لہٰذا آج کل عموماً حقیقی اجارہ نہیں ہوتا، بلکہ مقصد تو سود پر قرض دینا ہی ہوتا ہے مگر اس میں محض پردہ ڈالنے کے لئے اجارے کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اس طرح ان کے معاملات قابل اعتراض ہیں'' ۔۔۔

(جدید معیشت اور تجارت ص: ۱۳۹، ۱۴۰، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

مرابحہ مؤجلہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''سودی بینکوں میں اس طریقے پر بڑی وسعت کے ساتھ عمل ہو رہا ہے، لیکن یہ انتہائی نازک طریقہ ہے اس میں ذرا سی بے احتیاطی اس کو سودی نظام سے ملا دیتی ہے۔ آج کل بینکوں میں مرابحہ کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حقیقت کو سمجھے بغیر اور اس کی ضروری شرائط کی رعایت کئے بغیر اس پر عمل ہو رہا ہے، جس کے نتیجہ میں اس میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔" (جدید معیشت و تجارت ص: ۱۴۰)

آپ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ دونوں طریقے (مرابحہ و اجارہ) اصلاً شریعت میں طریقہ ہائے تمویل نہیں، علماء شریعت نے انہیں تمویل کے لئے استعمال کرنے کی اجازت صرف ان صورتوں میں دی ہے، جہاں مشارکہ قابل عمل نہ ہو، یہ اجازت بھی ان شرائط کے ساتھ دی ہے۔ اس اجازت کو وقتی ضابطے کے طور پر سمجھ لینا چاہیے اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ بینک تمام معاملات مرابحہ و اجارہ کے گرد نہ گھماتے رہیں"

(اسلامی بینکاری کی بنیادیں ص: ۲۲۹، ط: مکتبہ عارفی فیصل آباد)

حضرت مولانا عثمانی مدظلہم مرابحہ و اجارہ کے طریقہ تمویل ہونے کے حوالے سے اپنا یہ نقطۂ نظر علماء اور عوام کی مختلف مجلسوں میں بھی بیان فرما کر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے رہے ہیں جس کا حوالہ اسلامی بینکاری کی اساس بنیاد کے زیرِ عنوان اور اسی سے پہلے حضرت والا مدظلہم کے ذمہ دارانہ رویے کے تحت گزر چکا ہے۔

تبصرہ:

حضرت عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے ان ارشادات اور ذمہ دارانہ و حقیقت پسندانہ تجزیوں کی روشنی میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے ان کا موقف قطعی غیر مبہم ہے اور یہ کہ مروجہ اسلامی بینکوں نے جن طریقوں کو رائج کیا ہے، مختلف اور ذیلی امور کی نشاندہی وہ شروع سے کرتے چلے آرہے ہیں، وہ قابل اعتراض ہیں۔

مروجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ و اجارہ کے تمویلی طریقے اور ان کے غیر دائمی، عارضی حیلے ہونے اور ان سے بچنے کی ضرورت و اہمیت کی بات ہمارا موقف حضرت مدظلہم کے موقف کی طرح ہی ہے۔ تقریباً اسی طرح سے مرابحہ و اجارہ کے تمویلی طریقہ کار ہونے کے حوالے سے تیسرا نقطۂ نظر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرتے ہیں:

تیسرا نقطۂ نظر:

جسے تعبیری بھی کہہ سکتے ہیں اور لا تعبیری بھی، وہ یہ کہ مرابحہ اور اجارہ ایسے قابل عمل طریقہ ہائے تمویل ہیں، جن پر مروجہ سودی بینکاری کا انحصار اور دارومدار ہو سکتا ہے، ان لوگوں کا عملی نظریہ یہ ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ اجارہ و مرابحہ اسلامی بینکاری کے لئے اصل بنیادیں نہیں ہیں، بلکہ اصل بنیادوں (مشارکہ و مضاربہ) کی راہ میں شریعت کی رو میں رکاوٹ ہیں، اور ان کا عملی رواج بھی اسلامی بینکوں کو سودی بینکوں کی قیمت کی طرف دھکیل رہا ہے۔ اس لئے اسلامی بینکاری کی بنیادوں سے اجارہ و مرابحہ کو حذف کر دینا چاہیے اور یہ کہ ہمارے مسلمان غیر سودی بینکاری مشارکہ و مضاربہ کے طریقہ ہائے تمویل کو بھی زیادہ وسعت کے ساتھ بروئے کار لانے پر آمادہ ہو گئیں تو ہمارے یہ دوست (نوجوان اسلامی بینکار) ہماری اس درخواست پر غور فرمانے کی بجائے بہت سارے ہتھیار اور قلم لے کر بیٹھ جائیں گے اور ہمیں یہ سمجھانے کے لئے مقالات تحریر فرمانے شروع کر دیں گے کہ جناب! مروجہ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ اور اجارہ شریعت اسلامیہ کے تمام نصوص، اصولوں اور حکمتوں کے عین مطابق ہے، ان پر کسی قسم کے اشکال کی کوئی گنجائش نہیں، وہ یہ بھی فرمائیں گے کہ مرابحہ و اجارہ اور شرکت متناقصہ کے حوالے سے جو جو اشکالات (دارالعلوم کراچی) میں غیر حقیقت پسندانہ ہیں، بلکہ مغالطات ہیں؟ اگر یہ غیر عالمانہ اور معاندانہ بھی فرمایا جائے ہیں اور یہ ادا کرنے کی کوشش ہوتی ہے کہ مروجہ اسلامی بینکنگ سے دور رہیں ورنہ مرا اشکال قابل جواب ہے۔

تبصرہ:

حالانکہ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے یہ حضرات بخوبی جانتے ہیں اور ہم سے زیادہ جانتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے جن تمویلی طریقوں (مرابحہ، اجارہ وغیرہ) کے تعارف، تجزیہ اور دفاع پر وہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنی تمام تر علمی صلاحیتیں اور عملی کاوشیں صرف فرما رہے ہیں وہ تو اصل محنت کی چیز ہیں ہی نہیں آپ کی اس محنت کو متحسن کیا ہے؟ ہم اپنے ان بھائیوں کی خدمت میں اخلاص سے بھرپور جذبہ نصح و خیر خواہی کے تحت صرف دو باتیں عرض کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ مرابحہ، مضاربہ، اجارہ اور اجارہ کے عنصر پر مشتمل شرکت متناقصہ جیسے جن طریقہ ہائے تمویل کے بارے میں آپ حضرات تجویز دینے والے ہیں پر آپ عمل کر رہے ہیں، انہیں بلاشبہ مجبوری دور کرنے کے لئے وقتی حیلوں کے طور پر تجویز کر دیا گیا تھا، یہ اسلامی بینکاری نظام کی مستقل بنیادیں نہیں ہیں، آپ کے اس طرز عمل سے بینک نہ صرف یہ کہ مقصود و محنت پکڑ رہے ہیں بلکہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ مرابحہ و اجارہ اسلامی بینکاری کے بنیادی طریقے ہیں، جو کہ اصل طریقہ ہائے تمویل ہیں، اگر کل کو آپ ان کے منہ سے لگی چھڑانا چاہیں تو بھی نہیں چھڑا سکیں گے کیونکہ جو بینک ایک دفعہ مرابحہ و اجارہ کے منافعوں سے بھرنے کا عادی بن گیا، وہ شرکت و مضاربہ کے متوقع نقصانوں سے کبھی شناسا نہیں ہو سکے گا، اور نہ ہی ان کے نقصان کے اندیشوں کا متحمل ہو سکے گا، یہ حضرت ... کا ارشاد ہے، اس کے بعد ایک مجلس میں اسی ارشاد کا اعادہ اس کا تازہ ثبوت بھی مل چکا ہے۔

دوسری بات یہ کہ جس طرح مرابحہ و اجارہ کو وقتی حیلوں کے طور پر مجبوری دور اور مخصوص حالات کے لئے تمویل کے دائرے میں داخل کیا گیا تھا، اگر شریعت، فقہ اور روح اسلامی کی رو سے گنجائش کا یہ دائرہ اب ختم ہو جائے اور مرابحہ و اجارہ کو مستقل طور پر طریقہ تمویل بنا لینا ناجائز قرار دیا جائے تو مروجہ اسلامی بینکاری کا یہ ... آپ کی فکر ... گناہ کے زمرے میں آ سکتی ہے۔

حیلہ گناہ جواز از گناہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مرابحہ و اجارہ کو بطور تمویلی طریقہ اختیار کرنے پر ہمارا موقف:

تمہید:

اب ہم اپنے ان محقق بھائیوں کے تصویبی موقف اور اس پر مختصر تبصرہ کے بعد اپنے موقف کی تصریحات کی طرف آتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ مرابحہ و اجارہ کو اسلامی بینکاری کے لئے بطور تمویلی طریق کار کے اختیار کرنے کے بارے میں ہمارا موقف تقریباً وہی ہے جو ہمارے حضرت مخدوم العلماء زید مجدہم کا ہے۔ اس مقالہ سے ان کے جو تحفظات، دلائل اور خدشات اوپر نقل ہوئے ہیں، ہمارے بھی وہی تحفظات و خدشات و تحفظات ہیں۔ اس لئے مرابحہ اور اجارہ کے حوالے سے مذکورہ تحفظات اور خدشات کی موجودگی میں مرابحہ اور اجارہ کو فی زمانہ بطور طریقہ تمویل اختیار کرنا کیا حکم رکھتا ہے، اس سلسلے میں ہماری گزارشات اور ہمارے موقف کی تجزیہ حسب ذیل نکات میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مرابحہ و اجارہ مستقل تمویلی طریقے نہیں ہیں محض "حیلے" (Legal Devices) ہیں۔

۲۔ یہ حیلے صرف مخصوص حالات میں وقتی مجبوری دور کے لئے علماء نے بتائے تھے۔

۳۔ یہ حیلے [illegible] ان کو سودی نظام سے ملا دیتی ہے۔

۴۔ ان حیلوں کو کسی نظام کے طور پر استعمال کرنا نہ صرف یہ کہ خلاف ہے بلکہ ناجائز بھی ہے۔

۵۔ اسلامی بینکاری میں مرابحہ اور اجارہ کا حکم ختم ہونا ضروری ہے، ورنہ کوئی اسلامی بینک "اسلامی بینک" کہلانے کا حقدار نہیں ہوگا۔

مروجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ و اجارہ کو بطور حیلہ استعمال کرنے کا شرعی حکم

مذکورہ مسلمہ اصولوں کے مجموعی تجزیہ و تحقیق کی روشنی میں، بحیثیت الربا، حلال و حرام معاملات فاسدہ کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حکم اور ترجیح حتمہ کے اصولوں کی روشنی میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ و اجارہ کو بطور طریقہ تمویل اختیار کرنا درج ذیل پانچ (۵) وجوہات کی بناء پر ناجائز ہے:

اول۔ سود کی حرمت اور شناعت، اللہ تعالیٰ کا واضح، صریح اور قطعی حکم ہے، جہاں ایسا حکم متوجہ ہو، وہاں اس کے سامنے رخصتوں کو راستہ ڈھونڈنے کا جواز صرف کسی دلیل شرعی کے اقتضاء کی بناء پر منحصر ہوا کرتا ہے۔ مروجہ اسلامی بینکاری یا اس کی ضرورت کو ہم اس پائے کی دلیل شرعی تسلیم کرنے سے قاصر ہیں اس کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے سود سے متعلق قطعی و متواتر نصوص کے اقتضاء کو نظر انداز کر سکیں۔ (دوسرا اصل یہی ہے)

دوم۔ مرابحہ و اجارہ سودی معاملات کی وعیدوں اور حرمتوں سے فرار کے لئے ادنیٰ حیلے ہیں، آنحضرت ﷺ سے بھی صریح منقول ہے کہ "تم (امت مسلمہ) بنی اسرائیل کی طرح اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو ادنیٰ حیلوں کے ذریعے حلال کرنے کی روش اختیار نہ کرنا"۔ (دوسرا مسلمہ اصول ہے)

سوم۔ سود سے بچنے کی اجتناب، مطالبہ شرعیہ ہے، جن حیلوں سے مطالبہ شرعیہ سے اعراض و انحراف کا پہلو نکلتا ہو وہ شرعاً ممنوع ہیں۔ (دوسرا اصل ہے)

چہارم۔ مروجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ و اجارہ کا حیلہ محض افادی انسانی ضرورت کی بجائے نفع و تجارت کے لئے استعمال ہو رہا ہے، اس نوعیت کے حیلے محض اور تنگی کی وجہ سے "احتیاج بعض" کے زمرے میں شمار نہیں ہو سکتے ہیں اس لئے ناجائز ہیں۔ (دوسرا اصل ہے)

پنجم۔ حیلوں کو فی نفسہ مردود و مذموم ہونے کے ساتھ جواز وقتی اور متعلق الوجود ضرورتوں کے لئے بقدر ضرورت ہی ہے۔ اب حیلوں کو مستقل جواز کے کھاتے پر ہی کیا جا رہا ہے جو مستقل عادت، دائمی نظام اور مستقل ضابطوں کے طور پر اختیار کیا اور معمول بنا لینا ہے جو شریعت مزاج کی خلاف ورزی، اسلامی نظام سے فرار اور اصل شریعت کو تعطیل اور محرمات الٰہیہ کی تحلیل کے لئے بنایا جاتا ہے، اس لئے ایسے حیلوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

گئے ہیں اور کوئی بھی تو انہیں تسلیم نہیں ۔ (دوسرا اصل ۔۵)

عجیب بات:

عجیب بات یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ اور اجارہ کے حیلوں کو صرف مجبوری دور اور مخصوص حالات کے لئے جائز کہا گیا تھا لیکن اب مجبوری دور ایسا ختم ہو چکا ہے کہ اجارہ و مرابحہ کے مدامی ذریعے میں بھی اسے مجبوری شکل ہی نظر آتا ہے اور اجارہ و مرابحہ مخصوص حالات کی بجائے مستقل تمویلی طریقے کے طور پر رائج ہو رہے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ اجارہ و مرابحہ "تنظیم مجبوری" اور وقتی سے مجبوری آگے نکل چکے ہیں مگر ہمارے آج تک اسلامی بینکاری اب تک اسلامی بینکاری کے پیچھے ... ماہرین حمایت میں کھڑے ہیں۔

خلاصہ: مرابحہ اور اجارہ کے مروجہ تمویلی طریق کار کے صد فیصد اسلامی اور خالص حلال طریقہ ہونے کا کوئی بھی حامی دعویٰ نہیں کرتا، کیونکہ ان میں سود کے شبہ یا سود کے ساتھ مشابہت کے تقریباً سب ہی پہلو ہیں جس کا شرعی حکم حرمت ہی ہوتا ہے۔ اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اجارہ اور مرابحہ کی بنیاد پر اسلامی بینکوں کی مروجہ بینکاری سود کے شبہ، مشابہت اور احتمال کی وجہ سے ناجائز ہے، کیونکہ باب الربا میں "شبہ الربا" حقیقت ربا کا حکم رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام نے بہت سارے معاملات کو اس بنیاد پر حرام قرار دیا کہ ان میں "ربا" کی مشابہت کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے۔ جس معاملہ میں حلت و حرمت کا پہلو یقینی طور پر متعین نہ ہو سکتا ہو وہاں احتیاط یہی ہے کہ شرعی مزاج بھی یہی ہے کہ ایسے معاملہ سے دست کش ہو جائیں۔

(تحریر دیکھئے: چوتھی اصل)

خلاصہ: مرابحہ اور اجارہ کے شرعی معاملات میں صحیح عقد اور وعدہ بیع کا سہارا لے کر قابل عمل بنایا گیا ہے جیسے اجرت، ضمان، ملکیت وغیرہ، حالانکہ صحیح عقد اور وعدہ بیع کے قواعد سے وہاں کارآمد ہوتے ہیں، جہاں صحت عقد کے جملہ شرائط تو پوری ہوتی ہوں اور صرف ایک پہلو رکاوٹ بن رہا ہو، لیکن یہ رکاوٹ جزوی بھی ہو اور عمومی نہ ہو جس سے کوئی اور اصل ہی متاثر ہو یا اس معاملہ میں فساد کا پہلو غالب

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اور جس کو بیع مقصود ہے وہاں بیع کی صحیح صورت یا توسع کو سہارا نہیں لیا جا سکتا۔ (چھٹا اصل)

تجزیہ:

چونکہ اجارہ اور مرابحہ کی بذات خود مستقل معاملے کی حیثیت ہی تسلیم نہیں ان دونوں کا اپنا رواج پذیر ہونا خود ایک حیلہ ہے اگر ہم حیلوں کے لئے بھی بیع کی صحیح صورت اور توسع کا سہارا لیں تو یہ بھکاری سے بھیک مانگنے کے مترادف ہوگا۔

ہفتم۔ جس طرح یہ بات قابل تسلیم ہے کہ اجارہ اور مرابحہ کو بطور "حیلہ" کے اختیار کیا گیا ہے اسی طرح یہ بات بھی ناقابل انکار ہے کہ جو معاملات حیلہ سازیوں پر مبنی ہوں وہ فساد سے خالی نہیں ہوتے، خصوصاً جو "مقصد" کے لحاظ سے رواج پذیر ہونے اور اس کی قانونی حیثیت میں رکاوٹ بنتا ہو یا نہ بنتا ہو، معاملات فاسدہ کے حکم کی رو سے مرابحہ اور اجارہ کو مروجہ اسلامی بینکوں میں بطور طریقہ تمویل اختیار کرنا، اکل بالباطل (دوسرے کے مال کو ناحق کھانے) کے زمرے میں داخل ہیں۔ (پانچواں اصل)

ہشتم۔ مروجہ مرابحہ اور اجارہ طویل المدتی ہوں یا قلیل المدتی بہرحال بیوع الاجال (آئندہ مدت میں ادائیگی پر ہونے والے معاملات) کے قبیل سے ہیں، ایسے معاملات اکثر و بیشتر قرض و تجارت اور تجارت کے نتیجے سے سود خوروں کے معاملات اور مقاصد کے تحفظ پر مبنی ہونے کی بنا پر "معاملات اہل الربا" کہلاتے ہیں۔ (ساتواں مسلمہ اصول)

اس لئے اہل علم کو تشویش یہ ہونی چاہیے کہ ہمارے بیان کردہ شرعی فقہی حیلے سود خوروں کے لئے شرعی جواز کے حصول کا ذریعہ بننے کی راہ ہموار کرنے والے نہ ہوں۔

نہم۔ مروجہ اجارہ اور مرابحہ چونکہ ایسے حیلے ہیں جن کے ذریعہ روایتی سودی بینکاری جیسے منافع حاصل کیے جاتے ہیں روایتی سودی بینکوں کے معیارات و شرحوں کے مطابق مسلمان بینکاروں کو سرمایہ کاری کے سوا نفع اور اجرت کا حصول مقصود ہے، ایسے حیلوں کو ہمارے فقہاء کرام نے ناپسندیدگی کے ساتھ ناجائز فرمایا ہے جیسے مسلک احناف کے محققین میں سے امام محمد بن الحسن الشیبانی ان ہی اسباب و وجوہ کی بنا پر بیع عینہ کو ناجائز

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

گئے ہیں۔ (ملخصاً من)

خلاصہ تحریر:

اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ "بیع کمبیالہ" (Bill of Exchange) کو سود کا حیلہ ہونے کی بنیاد پر (قیمت ثمن سے زائد پر) ناجائز فرماتے ہیں، نیز "تعویض عن الضرر" کو صرف اس بنیاد پر ناجائز قرار دیتے ہیں کہ اس معاملہ کی سود کے ساتھ مشابہت ہے، اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ بیع عینہ اور سود کی حرمت ختم کرنے کے حیلوں کی تہ تک پہنچنے کے باوجود کیوں ناپسندیدہ اور ناجائز اور واجب الاحتراز ہیں، صرف اور صرف اس وجہ سے کہ یہ معاملات سود خوروں کے مفادات کے تحفظ اور فاسد معاملات کو اسلامی اور شرعی بنیاد مہیا کرنے کا کام دیتے ہیں، جبکہ اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان سود خور جس معاملے کو سود ہونے کی بنیاد پر اختیار کرتے ہوئے جھجک محسوس کرتا ہے ان سہاروں کے بعد سودی معاملہ بلا جھجک عمل کر سکے گا۔

اس تفصیل کے بعد ہم پورے اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکنگ میں مرابحہ اجارہ کے مروجہ طریقہ کار کے طور پر استعمال اور رواج کے لئے جو کوششیں اور تاویلیں کی گئی ہیں، وہ مروجہ اسلامی بینکاری کی طرف سے ہونے والے سود کے اصل حکم کو تبدیل کرنے کے لئے کی گئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ مروجہ "مرابحہ اجارہ" "سود" کے حکم میں ہے، جس سے اجتناب لازم ہے۔ (ساتواں اصول)

خلاصۂ بحث:

حاصل یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری میں اجارہ اور مرابحہ کو بطور طریقۂ تمویل کے اختیار کرنے کے لئے اب تک شریعت اور علماء کی کوئی قابل تسلیم بنیاد نہیں ہے، اس لئے مروجہ اسلامی بینکوں کے ساتھ مروجہ اجارہ اور مرابحہ کی بنیاد پر معاملات کرنا شریعت کے نام پر شریعت اسلامیہ کی خلاف ورزی اور بددیانتی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

مروجہ اجارہ و مرابحہ پر چند جزوی اشکالات

درج بالا معروضات سے یہ پہلو کافی حد تک واضح ہو چکا کہ اسلامی بینکاری جیسے عظیم تجدیدی انقلابی منصوبے کی بنیاد "اجارہ اور مرابحہ" جیسے ستونوں پر رکھنا، اسلامی شریعت سے مناسبت اور مطابقت نہیں رکھتا، اصل اسلامی معاشی بنیادیں چونکہ ہم تک پہنچ چکی ہیں اس لئے ان بنیادوں کے بغیر کسی عمارت کا قیام متصور نہیں ہو سکتا، اس لئے ہمیں اجارہ و مرابحہ کی فقہی تفصیلی جزئیات سے بحث کی حاجت اور بظاہر کوئی حاجت نہیں، نہ ہی کسی اور کو ہونی چاہئے۔

البتہ چونکہ جدید اسلامی بینکوں میں یہی طریقے مقبول ہیں اور دلچسپی کے لئے چند جزوی اشکالات بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔

پہلا اشکال

اسلامی بینکاری کی ابتدائی سفارشات میں یہ بات طے پائی تھی کہ بینک اپنے کلائنٹ کو مرابحہ پر جو سامان (کار وغیرہ) دے گا اس کو اپنے گودام یا شوروم سے خرید کر دے گا، بینک اپنے نمائندہ کو بھیجے گا جو عمیل (کلائنٹ) کے قبضے کی تصدیق کرے گا اور قبضہ ثابت ہونے پر اس کا رسک برداشت کرے گا۔

(اسلامی بینکاری ص ۱۹۰، حاشیہ، طبع ایچ ایم سعید کراچی پاکستان)

جس سے پہلی شق میں ان کو دو فائدے حاصل ہو سکتے تھے۔

ایک تو بینک کے تصرف اور قبضہ میں ہونے سے یقینی، دوسرا یہ کہ قبضہ کی تصدیق کے لئے جانے والا نمائندہ بینک کا نمائندہ ہوتا نہ کہ خود عمیل، یوں ایک شخص کو بیک وقت ایک ہی عقد میں بائع اور مشتری بننے کی نوبت نہ آتی بلکہ ضمان اور قبضہ (Risk and Possission) کے اثرات بھی ختم ہو جاتے لیکن معلوم نہیں کیوں بعد میں خود عمیل کو وکیل کے طور پر پہلے سے ہی مقرر فرما دیا گیا، اس طرز عمل سے جو شکوک و شبہات جنم لے سکتے ہیں ان سے قطع نظر اتنا تو بہرحال کہا جا سکتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے اپنے ہی متفقہ ابتدائی سفارشات، بینکاری مقاصد سے ہم آہنگ نہ ہونے کی بنیاد پر اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حد، قیمت فروخت وغیرہ سے بچایا جاتا ہے، اس نوعیت کی کئی اور مثالیں بھی ہیں۔

دوسرا اشکال:

"مرابحہ فقہیہ" اور "مرابحہ مروجہ" میں بنیادی طور پر کوئی قابل تسلیم مناسبت اور مماثلت نہیں پائی جاتی اس لئے کہ "مرابحہ فقہیہ" بیع کی ایک خاص قسم ہے جس میں بیچنے والا شخص بیچی جانے والی چیز کی لاگت بیان کرتا ہے اور اس پر کچھ منافع شامل کر کے دوسرے شخص کو بیچتا ہے، جس کی تعبیر

"المرابحة بيعه (بما شرى) مع فضل ــــ وله ضم اجرة القصارة والحمل و نحوها" یا "وهو بيع برأس المال وزيادة ربح معلومة للمشتري"

(مختصر الوقایہ مع شرحہ: ج ۲ ص ۹۷)

وغیرہ سے کی جاتی ہے، یعنی مثلاً دھلائی اور نقل و حمل کے اخراجات شامل کرتے ہوئے آگے فروخت کرنے کو فقہی اصطلاح میں مرابحہ کہا جاتا ہے۔ اگر مرابحہ میں قیمت خرید فی الواقع متعین نہ ہوئی، مثلاً کوئی لاگت ہی متعین نہ ہو تو یہ عقد فقہی اعتبار سے "مرابحہ" نہیں ہوگا، بلکہ اگر ایسے عقد کو مرابحہ کا نام دیا گیا تو خیانت کے زمرے میں آئے گا، جس کے نتیجے میں خریدار کو عقد کا عدم کرنے، رد کرنے اور منسوخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، جس کی تعبیر فقہ میں

"فان ظهر خيانة في المرابحة اخذه بكله او رده"

(مختصر الوقایہ مع شرحہ: ج ۲ ص ۹۸)

کے الفاظ سے کی جاتی ہے۔

جبکہ "مرابحہ مروجہ" کی تعریف یہ ہے جس کے مختلف طریقے ہیں:

ایک یہ کہ شخص بینک سے رجوع کرتا ہے کہ بینک کا نمائندہ مطلوبہ اشیاء کے مطابق کسی ایسے شوروم میں بھیجتی ہے جہاں پہلے سے مال (گاڑی وغیرہ) موجود ہو کہ بینک طے شدہ طریق کار کے مطابق وہاں سے مال حاصل کرے، جبکہ دوسرا طریقہ یہ کہ مال فی الحال بینک کی ملکیت یا کسی شوروم میں موجود نہیں بلکہ بینک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا کی ہوئی وصولی، مارکیٹ سے منگوا کر اپنے طریقہ کار کے تحت مقررہ وقت پر سپرد کرے گا۔

اگر بینک اپنے کلائنٹ کو پہلے طریقہ کار کے مطابق مال فروخت کرتا ہو تو یہ معاملہ مرابحہ فقہیہ (اصطلاحی مرابحہ) ہی کہلائے گا کیونکہ بالفرض ہم مرابحہ کے نام سے بینک کی خرید و فروخت کو شرعاً "بیع" تسلیم کر بھی لیں تو بھی اس "مبیع" (خریدی ہوئی چیز) کو کلائنٹ پر بطور مرابحہ بیچنے کے لئے ضروری ہوگا کہ اس مال پر بائع (فروخت کنندہ یعنی بینک) کا قبضہ ہو یعنی متعین مال خرید کر چکا ہو یا متعین مال کا ذمہ اپنے اوپر (ضمانت) اٹھا لے چکا ہو۔ اگر اس کے ساتھ اتفاق (اگمت) کو بھی شامل کر لیں تو اس کا نام و نشان ہے ہی نہیں، بلکہ محض کاغذی بات ہے۔ البتہ بینک اور کلائنٹ کے درمیان جو قابل اعتبار معاہدہ ہوتا ہے وہ مطلوبہ مدت پر معاہدہ ہونے سے پہلے ختم ہو چکا ہے۔

قابل غور

یہ معاہدہ جو قانونی طور پر بینک اور کلائنٹ کے درمیان طے پانے والا "عقد مرابحہ" کہلاتا ہے، کیونکہ اسی معاہدہ کی روشنی میں معاملے کے سارے مراحل طے ہوتے ہیں اور بوقت ضرورت معاملے کے فریقین اسی کے پابند ہوتے ہیں اور یہی معاہدہ حتمی ہوگا نہ کہ کوئی اور زبانی کلامی معاملہ، مثال کے طور پر اگر کلائنٹ کوئی چیز خریدنے کے بعد بینک سے خریدا ہوا مال و کلائنٹ غائب کر دے اور بینک کا قرضہ ادا کرنے کی ذمہ داری سے انکار کرنے لگے تو بینک اس قرضی شخص کے خلاف کون سا ثبوت پیش کرے گا؟ گواہ لائے گا کہ اس نے ہماری موجودگی میں اس کے سامنے ادائیگی کی ضمانت سے کوئی چیز خریدی تھی یا یہ کہ وہ معاہدات اور دستاویزات پیش کرے گا جن کی بنیاد پر بینک اور کلائنٹ کے درمیان خرید و فروخت کا معاملہ ہوا تھا؟ ظاہر ہے کہ بینک معاہدے کی دستاویزات ہی پیش کرے گا، کیونکہ جس بینک کے پاس مرابحہ بیچنے کے لئے اپنا قاصد اور گواہ تک نہیں ہے بلکہ خریداری کا بھی کلائنٹ کو (Agent) بنانے کے لئے مجبور ہو وہ مجبور بینک گواہ کہاں سے لائے گا؟ وہ تو یہ معاہدہ ہی قانونی نظام کے مطابق "تحریری ثبوت" سے کرا رہا ہے کسی کو گواہی کے لئے حاصل کرے گا، یہ معاہدات پیش کرتے ہوئے اپنا حق وصول کرے گا۔ ظاہر ہے اسلامی بینک کرایہ کا گواہ!!!

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیش نہیں کر سکے گی کیونکہ ایسی اگر یہ جائز نہیں ہے تو تجارت زور اور شہادت زور کا تبادل نہیں سوچا گیا۔

بہر کیف اس کا مطلب یہ ہوا کہ بینک اور کلائنٹ کے درمیان اصل قابل اعتبار معاہدہ کا انعقاد ان معاہدوں سے وابستہ ہے جو بینک اور خریدار کے درمیان طے پاتے ہیں نہ کہ کسی اور ایجاب و قبول سے یعنی جو معاملہ محض وکیل کی خریداری سے بغیر منعقد ہو چکا ہو یا بیع نے تا حال مبیع کو خریدا ہی نہ ہو اس مال پر کسی قسم کی ملکیت یا ضمانت کو قبضہ اپنے سر لیا ہو لیکن مبیع کو "مرابحہ" کے نام سے آگے بیچا جائے تو اسے بیع تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

مرابحہ مؤجلہ کی احتمالی صورتیں

البتہ اگر اس کے بعد بھی اس معاملے کی بنیاد تسلیم کر لینے کے بعد محض خریدار کو بینک کا وکیل کہیں اور محض وکیل کی خریداری کو درست تسلیم کر لیں تو اس عقد کی مرابحہ کی بجائے براہ راست بیع کی دو اور احتمالی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ مساومہ (Bargaining) ۲۔ تعاطی (Sale by Action)

"مساومہ" اس بیع کو کہا جاتا ہے جس میں فریقین (Counter Parties) کے درمیان بیع ہو جانے والی شے کی قیمت پر فریقین رضامند ہو جائیں اسی قیمت پر بیع کو طے کر لیا جائے، جبکہ مرابحہ مروجہ میں فریقین کے درمیان مال خریدنے اور قبضہ کرتے ہوئے کسی قسم کا بھاؤ تاؤ نہیں ہوتا، اس لیے مروجہ مرابحہ کو "مساومہ" کہنا بھی اصطلاحاً دشوار ہے۔

اگر مروجہ مرابحہ کو "تعاطی" کا نام دینا چاہیں تو بھی اصطلاحی تطبیق میں دشواری رہے گی، اس لیے کہ تعاطی محض قولی ایجاب و قبول کے بغیر عمل کرنے کا نام ہے جبکہ مرابحہ مروجہ میں ایجاب و قبول کی رسم معاہدوں کے ذریعے تحریری طور پر ادا کی جاتی ہے "تعاطی" کی تعبیر ویسے بھی ہمارے مخدوم و مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم کے نزدیک قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ مروجہ مرابحہ "بیع تعاطی" کے ذریعہ انجام دینے سے اس قسم کے معاملات اور دیگر معاملات کے درمیان کوئی جوہری فرق نہیں رہتا جس کا ہونا ضروری ہے، اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حضرت مفتی صاحب نے شرعی مرابحہ کو برقرار رکھنے کے لیے مرابحہ کا معاملہ پانچ مراحل میں اس طور پر انجام پانا ضروری فرمایا ہے کہ بیچی جانے والا سامان کسی نہ کسی مدت خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو بینک کی ملک اور ضمان میں آنا ضروری ہے ورنہ یہ مرابحہ "ربا" یعنی سود کے مضمون کی بنا پر کسی صورت حرام ہوگا۔

(خلاصہ از تقی عثمانی صاحب فقہی مقالات: ج ۳ ص ۱۴۳)

دوسرے ایک مقام پر ارشاد ہے کہ:

...... آج کل اسلامی بینکوں میں جو عقود مرابحہ [illegible] کے ذریعے انجام پاتے ہیں وہ کسی طرح بھی درست نہیں ...... خلاصہ یہ نکلا کہ بینک اور گاہک کے درمیان [illegible] کی بنیاد پر عقد مرابحہ جائز نہیں ہے۔ (فقہی مقالات ۳/۱۵۰ تقی عثمانی)

مرابحہ مؤجلہ یعنی اصطلاحی مرابحہ اور ضمان:

(Murabhah Shariah, and It's Risks in banking Murabahah)

اس تحقیقی تنقیح میں ہم دو باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں

ایک یہ کہ "مرابحہ مؤجلہ" کو اصطلاحی "مرابحہ شرعیہ" سے کوئی مناسبت نہیں اور یہ کہ "مرابحہ مؤجلہ" اصطلاحی حقیقت اور نہ ہی مجازی حقیقت (جو امام سادہ تصوری دین) کی کسی اور قسم کے تحت داخل قرار دے کر شرعی حیثیت کی توضیح کریں تو یہ بھی مشکل ہے، چنانچہ مرابحہ مؤجلہ کو اصطلاحی مرابحہ "تو کیا کسی عام "بیع" کا نام دینے کی حد تک بھی ممکن نہیں، تو پھر "مرابحہ مؤجلہ" کو شرعی لباس کی فراہمی کیسے درست معلوم نہیں ہوتی۔

دوسری بات یہ کہ "مرابحہ مؤجلہ" میں پیشگی معاہدہ (Advance Agreement) کی رو سے گاہک مالی کی ذمہ داری اپنے قبضہ اور ضمان میں منتقل کرنے کا پابند ہے، یہاں تک کہ تاخیر کی صورت میں بینک سے نقصان کو پورا کرنے کا پابند بھی ہے، جیسا کہ آئندہ مقام کے تجزیہ کے متعدد ذیلی اقتباس میں ملاحظہ ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

" Appendix BN to Master Murabaha Agreement

To Meezan bank

Dear Sir,

...... We request you to acquire the assete under the following terms and condition:

I / We shall immediataly acquire the assets from you failing which

We undertake to compensate you for any actual loss suffered.. [etc.]

ترجمہ: ضمیمہ

بنام: میزان بینک

محترم! ......

......ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ مال خرید لیں.....[تاکہ ہم آپ سے یہ مال بطور مرابحہ خرید لیں]

۱. ہم آپ سے مال فوراً خرید لیں گے...... بصورت دیگر ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم آپ کے حقیقی نقصان کو پورا کریں گے...... [وغیرہ]

تحریری وعدے کی اس عبارت سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ بینکوں میں مرابحہ کے نام سے جو سودے ہوتے ہیں ان میں فریقین (کلائنٹ اور بینک) کی جانب سے بیع اور وعدہ دونوں لازم ہوتے ہیں، بعد میں بینک وہ مال فوراً خرید لے گا جس میں بینک ہر صورت میں اس کے حقیقی نقصان کا ذمہ دار کلائنٹ ہوگا، ایسی صورتحال میں مروجہ مرابحہ کے نام سے ہونے والے معاملات کو مرابحہ کہنا مشکل اور مذکورہ ذیل حدیث شریف کا مصداق بن جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیع عینہ سے منع فرمایا ہے، "فمن شاء فلیفعل ومن لم یشاء فلیوخر فی رابحه"۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"وعن عمرو بن شعيب قال قال رسول الله ﷺ لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح ما لم يضمن، ولا بيع ما ليس عندك. رواه الترمذي وأبو داود والنسائي وقال الترمذي هذا حديث حسن صحيح"

(مشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص۲۴۸، قدیمی کراچی)

ترجمہ : اور حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ ناقل ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرض اور بیع (ایک دوسرے سے متعلق کر کے) حلال نہیں، بیع میں دو شرطیں کرنی درست نہیں، اس چیز سے نفع اٹھانا درست نہیں جو ابھی اپنے ضمان (قبضہ) میں نہیں آئی، اور اس چیز کو بیچنا جائز نہیں جو تمہارے پاس (یعنی تمہاری ملکیت میں) نہیں ہے۔ (مظاہر حق جدید)

مرابحہ مؤجلہ میں وکالت کی حیثیت:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاف ظاہر ہے کہ "مرابحہ مؤجلہ" کی کوئی قابل تسلیم فقہی بنیاد نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بینک اور گاہک کے درمیان طے پانے والا کاغذی معاہدہ جو اس معاملہ کی حقیقی بنیاد ہے معاہدہ کی تکمیل کے لئے جتنے مراحل بنائے اور بتائے گئے ہیں، وہ محض کاغذی اور فرضی کہلانے کے حقدار ہیں، اگر بالفرض ہم ان تمام معاملات کو درست تسلیم کرلیں تو بھی ایک بہت بڑا فقہی اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ مجموعی معاہدہ میں تمام معاملات طے ہو جانے کی وجہ سے مرابحہ کی انجام دہی کی ساری کارروائی عقد واحد کی تکمیل کے لئے ہے، بینک اور گاہک کے درمیان ایگریمنٹ طے ہونے کی وجہ سے سابقہ معاملے میں کسی نئے وکیل کا تقرر درست ہو سکتا ہے، اور جس کا مطلب یہ ہوا کہ فرد واحد (گاہک) بینک کی طرف سے خریداری کا وکیل ہے اور خود ہی اپنے لئے خرید رہا ہے اس لئے اشکال بھی ہے جبکہ یہ بات و معاملات میں فقہاء کرام کے نزدیک متفقہ طور پر ہونے کی بناء پر ناجائز ہے، فقہاء کرام نے پوری وضاحت کے ساتھ تصریح کر دی ہے کہ مشتری (Buyer) یا بائع (Saler) کا وکیل (Agent) بن کر خود ہی خرید و فروخت یا بیچنا جائز نہیں۔ کما في الاحالات الاتية.

في الهداية: والواحد يتولى طرفي النكاح، وقال في الحاشية: بخلاف البيع، ووجه الفرق أن الحقوق في البيع إلى الوكيل فلو تولى طرفيه يصير مطالبا ومطالبا فيه تعطيل الحقوق. (الهداية ج٢ ص٣٠٥ ط شركت علميه)

وفي البناية: بخلاف البيع فإنه لا يتولى فيه الواحد طرفي العقد إلا الأب والجد استحسانا... الخ (البناية ج٦ ص١٢٣ ط مكتبه حقانيه ملتان)

وفي الهندية: الوكيل بالبيع لا يملك شراءه لنفسه، لأن الواحد لا يكون مشتريا وبائعا كما في الوجيز للكردري.

(الهندية ج٣ ص٥٨٨ الباب الثالث في الوكالة بالبيع)

وفي الشامية: وفيه الوكيل بالبيع لا يملك شراءه لنفسه لأن الواحد لا يكون مشتريا وبائعا فيبيعه من غيره ثم يشتريه منه.

(الشامية كتاب الوكالة باب الوكالة بالبيع والشراء ج٤ ص٥١٨ ايچ ايم سعيد كراچي، وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته للزحيلي ج٤ ص٢٠٨ ط دار الفكر العربي في قول الأصل العام في العقود أن يكون العاقد متعددا...... الخ).

مرابحہ کے عمل میں شخصی معاہدہ کے اصل ہونے پر ایک مثال:

کہا جاتا ہے کہ "مرابحہ میں" شخصی معاہدہ ہی عقد کی بنیاد ہے، وہی اصل ہے، اسی کا اعتبار ہے کہ عقد سے پہلے ایجاب و قبول (Offer & Acceptance) کو مثال کے ذریعہ اس کی یوں وضاحت کی جاتی ہے کہ مثلاً ایک شخص کی گاڑی خریدنے کی ضرورت ہے وہ بینک کے پاس جاتا ہے اور بینک کے طریقہ کار کے مطابق گاڑی کی خریداری کی ساری کارروائی مکمل کر لیتا ہے، بینک آخری اطلاع بھیج کر خریداری کی تکمیل کرتا ہے [illegible] اس موقع پر بینک کا عمل [illegible] مشتری (بینک) اس گاڑی کا قبضہ پاس رکھ [illegible] بینک [illegible] قیمت ادا کرنے کا پابند ہوگا؟ اگر بینک اس قسم کی ادائیگی کا پابند ٹھہرتا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تحقیق یہ معاملہ یہاں تک وکالت شرعیہ کا معاملہ کہلائے گا اور اسے وکالت کے احکام کی روشنی میں جانچنا ہوگا۔

اور اگر بینک اس قسم کی ادائیگی کا خود کو پابند نہ سمجھتا ہو (واقعتہً معاملہ بھی ایسا ہی ہے) تو اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں: ایک وجہ تو یہ کہ مرابحہ فنانسنگ میں "وکالت" کی بات محض لفظی اور کاغذی ہے، حقیقی معاملہ سے وکالت کا کوئی تعلق ہی نہیں، حقیقی مقصد مطلوبہ سامان کی خریداری ہے، جس کے لئے فرد واحد یعنی کلائنٹ ہی ذمہ دار ہے اور اسی کا خرچ لیا ہے، اصل مدعا اوپر ظاہر ہو چکا ہے۔

خریدے جانے والے مال کو اپنی ذمہ داری میں نہ لینے کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے، کہ بینک حقیقی معاہدہ میں یہ شرط کرکے بری الذمہ ہو چکا ہے، کہ وہ ہر حال میں وکالت کے طور پر خریدا ہوا مال خریدنے کا پابند ہے یعنی خریداری کو پابند بنانا "لان المواعید قد تکون لازمۃ" کے پیش نظر ہے (اور حقیقت حال بھی یہی ہے تو یہ وجہ) سے مربوط نہیں ہوگی، یعنی حقیقی معاہدہ بلکہ وعدہ لازمہ کی رو سے کسٹمر خریدے جانے والے مال کو اپنی ملک اور ضمان میں لینے کا پابند ہے، جب معاملہ ایسا ہی ہے تو وعدہ لازمہ عقد بیع (قبول) ہی کی حیثیت دار"

بالخصوص جبکہ خریدا ہوا مال بینک کی وقتی ملک اور ضمان میں آتا ہی نہ ہو (کما مرفی التفریق بین "البیع" اور "بیع") تو مرابحہ شرعیہ کہلانے کی بجائے روایتی سودی معاملہ کہلانے کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ اس معاملہ کی مرابحہ شرعیہ کے ساتھ مناسبت ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی، البتہ سودی معاملہ کے ساتھ اس کی مشابہت و مماثلت "مرابحہ" کی مناسبت وقتی ظاہری ہے۔ سادہ الفاظ میں "ربح" "ربا" سے بدل جاتا ہے جیسے ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

مرابحہ مؤجلہ اور چند اصولی باتیں:

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مرابحہ مؤجلہ کو اسلامی بینکاری میں سرمایہ کاری کے لئے بنیاد بنانا شرعی اعتبار سے درست نہیں، اصولی بحث کے بعد مرابحہ اور اجارہ کی تفصیلی جزئیات سے بحث کی چند ان باتوں کی ضرورت ہے جو اپنے بعض بینکوں کی دستاویزات اور عقود کے لئے مرابحہ کی طرح اجارہ کی بعض

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو حقیقت یہ ہے جو اصول یا قیمتی فرض کرنا چاہیں گے۔

پہلی بات: اجارہ میں عاقدین کا بنیادی مقصد کیا ہے

اجارہ مروجہ میں موجر اور مستاجر کا حقیقی بنیادی مقصد کیا ہوتا ہے؟ کرایہ داری کے فوائد حاصل کرنا یا سامان (Commodity) کو خریدنا اور مستاجر (Lessee) کی ملکیت میں منتقل کرنا؟ اگر فریقین کا بنیادی مقصد کرایہ داری کا تعلق قائم کرنا ہو تو پھر مروجہ اجارہ کو اجارہ کے احکام اور آداب کے تناظر میں دیکھنا اور پرکھنا بھی صحیح اور معقول بات ہوگی اور معاملہ کے صحیح اور غلط ہونے کا مدار اجارہ کے ارکان و شرائط کی موجودگی اور عدم موجودگی پر ہوگا۔ لیکن بنیادی مقصد کرایہ داری کا تعلق نہ ہو بلکہ عقد اجارہ پر دی جانے والی چیز کی ملکیت کا منتقل مقصود ہو تو "الامور بمقاصدها" کی رو سے یہ معاملہ "بیع" کہلائے گا نہ کہ اجارہ۔ "بیع" کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے لفظ "اجارہ" کا استعمال دھوکہ اور فریب نہیں تو کم از کم لفظی، غلطی ضرور ہوگی جس سے اس لفظی غلطی سے یہ بات ثابت کرنے کے لئے "العبرة للمعانی لا للألفاظ" کا قاعدہ ہی کافی ہے، جس کی بنیاد پر ہم الفاظ کے پیچھے چھپے معنی کی بجائے اصل مراد و معنی یعنی "بیع" کو ہی صحیح بنیاد اور مقصود قرار دیں گے۔

چونکہ مروجہ اجارہ کا مقصد در حقیقت مطلوبہ مال کی خرید و فروخت کا معاملہ ہے، اس کی تائید اجارہ کا معاملہ کرنے والوں کے عرف سے بھی ہوتی ہے کہ وہ یوں نہیں کہتے کہ ہم نے بینک سے گاڑی یا مکان کرایہ (Lease) پر لینا چاہتے ہیں، بلکہ وہ یہ کہتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ ہم نے لیزنگ پر گاڑی اور مکان خریدا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اس لئے مروجہ اجارہ کے معاملہ کو اجارہ کے لفظی اور فرضی میزان میں تولنے کی بجائے اگر بیع کے حقیقی اور عقلی پیمانے پر پرکھا جائے تو حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی پہچان میں زیادہ آسانی ہوگی۔ تحقیق سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوسکتی ہے، کہ مروجہ اجارہ میں مطلوبہ مال کی خریداری کو حقیقتاً اجارہ کا صرف نام دیا گیا ہے اور اس کے لئے مختلف فرضی حیلے اور اکتسابی دلائل سے مدد لی گئی ہے۔ ہم حضرت ﷺ کی ان چند احادیث کو پیش کرتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بیع" کو شریعت نے منع فرمایا اور ایک عقد میں دو معاملوں کو ملانے اور جمع کرنے سے روکا، اگر ہمارے بینکار دوستوں مجوزہ (اجارہ یا اجارہ منتہیہ بالتملیک) کو درست تسلیم کرنے اور کروانے پر مصر ہوں تو انہیں بینکاری کی ضرورتوں کے لئے نبی اکرم ﷺ کی حدیث "صفقتان في صفقة" (عقد در عقد) کو بالائے طاق رکھنا ہوگا۔ (فالعياذ بالله على ذلك)

اجارہ مشترکہ اور ایک آزمائشی سوال:

اگر حضرات یہ فرمائیں کہ اصل مقصد اجارہ ہی ہے اور "رواتی لیزنگ" کا متبادل ہے تو پھر انہیں چاہئے کہ حقیقی شرعی اجارہ کی ایک واقعی مثال پیش فرمانے کے لئے یہ اعلان کردیں کہ جن لوگوں نے ہمارے بینکوں سے اجارہ پر مکان یا گاڑی لے رکھی ہے وہ سب کے سب اجارہ کی مدت پوری ہوتے ہی بینک کو مکان اور گاڑی فوراً واپس کردیں اور بینک اپنی یہ ساری املاک واپس لے لے، اگر بینک ایسا کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں تو ان کے یہ "مجوزہ شرعی اجارے" کے بدلے یا مزید متعین رقم کے بدلے اپنی گاڑی اور مکان کرایہ دار کے سپرد کرنے کا عہد کرنے کا لالچ میں ان سے الفاظ کہیں گے اور یہی "بیع" (Sale) کہلاتا ہے اور یہ بیع ہوگی جو عقد اجارہ کی قسطیں پوری ہونے کے انتظار سے معلق تھی، جو "بیع و شرط" جیسی صفقتان کی رو سے خلاف شرع ہے۔ یہاں پر ہم اختتامیہ حقیقت کی رہنمائی کے لئے امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے عبارت بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

قوله تحت عنوان النهي عن بعض البيوع المكاسب

ونهى النبي ﷺ عن الثنيا حتى يعلم .... ومنها أن يقصد بهذا البيع معاملة أخرى يترقبها في ضمنه أو بعده لأنه إن فقد المطلوب لم يمكن له أن يطالب ولا أن يسكت ومثل هذا حقيق بأن يكون سببًا للخصومة بغير حق والتقضي فيها مشكل الفصل ...... الخ (ج ۲ ص ۱۴۹ دار ... بیروت لبنان)

اگر ہمارے حضرات بینک اپنی گاڑی اور مکان واپس نہ لینے پر یہ عذر پیش کریں کہ جناب اہم

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بینکاری میں ہو سکتا ہے جو بینک کو محض اور صرف بیوپاری کے طور پر رہنے دیں تا کہ وہ ہمارا اچھا معاون اور گاہک بھی کار وبار ملک کی معیشت میں شامل ہو سکے تو ہم یہاں یہ کہنا چاہیں گے۔

کہ جناب عثمانی صاحب مروجہ اسلامی بینکوں پر اعتراض ہوتا ہے کہ اسلامی اور روایتی بینکوں کے بنیادی مقاصد میں کوئی فرق نہیں کیونکہ دونوں کا مقصد نتیجے کے اعتبار سے معاشرے میں معاشی ناہمواری کا قیام ہے کیونکہ دونوں بینکوں کے طریقہ تمویل کا رخ سرمایہ دار کے سرمایہ اور غریب کی غربت میں اضافہ کی طرف ہے اور اس میں خاص طور پر سرمایہ دارانہ تحفظ کو فروغ ملتا ہے اور اسی نظام کے مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے اگر اسلامی بینک پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے تو آپ پر ان اشکال اور بیکاروں کا جواب بھی دینا ہوگا کہ اسلامی بینک صرف کاروباری اور صنعتی شہروں کے مرکزی علاقوں تک کیوں محدود ہے؟

اگر وہ غریبوں کی ہمدردی اور تمویلی طریقوں کے اخلاقی آداب کی واقعتاً رعایت کرتا ہے تو اسلامی بینک کو چاہیے اور ہم بھی چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر یونس صاحب کی طرح پسماندہ دیہی علاقوں میں اپنی برانچیں کھولے تا کہ غریبوں کا بھلا ہو اور سرمایہ داروں کے سرمایہ کے تحفظ کا الزام دور ہو سکے۔ اس کے جواب میں حضرت سے یہ کہا جاتا ہے کہ جناب اسلامی بینک کوئی خیراتی ادارہ تو نہیں کہ غریبوں میں خیرات بانٹتا پھرے بلکہ یہ تجارتی ادارہ ہے جہاں تجارت کا فروغ ہوگا وہیں سرمایہ کاری کرے گا۔

تبصرہ :

ہم نے اسلامی بینکاروں کے اس عذر کو تسلیم کرتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ خیرات کے ہم اور آپ سب ہی قائل ہیں بلکہ دونوں میں صرف اختلاف ہو سکتا ہے ہم سادہ اردو الفاظ میں صدقہ خیرات کہتے ہیں اور آپ انگریزی میں (Charity) کہتے ہیں اور مستحق فقیروں پر صدقہ کا جذبہ بھی اسلامی بینک خوب رکھتا ہے اور ان پر مستحق صرف بھی خرچ کیا جا رہا ہے لہذا ہم از راہ تعاون مروجہ اسلامی بینکوں کو یہ تجویز دیتے ہیں کہ وہ اخلاقی و اسلامی جذبے کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں جو چیریٹی فنڈ میں تا حال جمع شدہ رقوم اور ادارہ پر دی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتی ہیں املاک جن کی مدت پوری ہو چکی ہے۔ سرمایہ دار کو تحفظ اور ہدیہ کے ذریعہ کار اور کوٹھی کا مالک بنانے کی بجائے ان املاک کو بیچ کر ملک کے غریب پسماندہ دیہی علاقوں میں بنیادی ضروریات زندگی کا انتظام کریں۔ اگر ہمارے اسلامی بینکار ان تجاویز کو اپنے اسلامی مزاج سے ہم آہنگ خیال کرتے ہوئے قابل قبول قرار دیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ ''فاستبقوا الخیرات'' پر عمل پیرا ہوتے ہیں کونسا اسلامی بینک پہل کرتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حقیقت یہ ہے تو پھر یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ مروجہ اسلامی بینکوں اور روایتی بینکوں کے عملی طریق کار (Operational modes)، اغراض و اہداف اور مقاصد میں بجز ناموں کے کوئی فرق نہیں ہے۔

بہرکیف اصل مدعا کا خلاصہ یہ ہے کہ عقد اجارہ میں مال اجارہ کے خرید و فروخت کی شرط ڈالنے سے ''صفقتین فی صفقۃ'' کی صورت بھی پیدا ہوتی ہے، ''ولا شرطان فی بیع'' کا حکم بھی ٹوٹتا نظر آتا ہے۔ اور اگر معاملہ کی حقیقت پر غور کیا جائے کہ اصل معاملہ قرض ہی کا ہو رہا ہے ''لا یحل سلف وبیع'' کے حکم کی بھی خلاف ورزی ہو رہی ہے اور ''بیع العینہ'' کا معاملہ بھی پایا جا رہا ہے ان اسلامی تعلیمات کی تعریف اور تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (تقریر ترمذی ج۱ ص۲۰۲-۲۰۱ مطبوعہ دارالعلوم کراچی)

قابل توجہ

ممکن ہے کہ بعض لوگ عقد اجارہ میں فقہی شرط سے چشم پوشی فرمانے کی کوشش فرمائیں، باوجود یکہ ''الامور بمقاصدها'' اور ''العبرۃ للمعانی لا للالفاظ'' جیسے قابل اتباع اصولوں سے بھی بخوبی واقف ہیں، وہ افسوس یہ ہے کہ حقیقت حال کے ہم جیسے ناظرین بھی ہیں، ان کے سامنے ساتھ شرط کا جھوٹ ماننا نہایت مشکل ہے اس لئے اس حقیقت حال کا اعتراف کرنا انصاف و دیانت کا تقاضہ ہے کہ جس معاہدہ کو بھی فقہی شرط قرار دے چکے ہیں، اس معاہدہ کے تقاضے پر اس معاہدہ میں صراحتاً یہ مرقوم ہے کہ خریدار کے مطابق اجارہ کی قسطوں کی مکمل ادائیگی پر مستاجر کا ہے زیر استعمال مال کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مالک سے بچانا، مہارت شرعی و عرف تو یہ نتیجہ ہے "المعروف کالمشروط" کی رو سے اس نتیجہ تک پہنچنے کے لئے اختیار کردہ طریقہ بھی "شرط" کے زمرے میں آتا ہے شرط کا مصداق تلاش کرنے کے لئے شرط کا لفظی تحریری ہونا ضروری نہیں، عرفی شرط بھی کافی ہے۔

مروجہ اسلامی اجارہ میں خرچہ اور نقصان کی ذمہ داری کا تعین: اجارہ / لیزنگ کے بنیادی قواعد میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ملکیت سے متعلق اخراجات اور نقصانات کی ذمہ داری موجر (Lessar) پر آئے گی اور استعمال سے متعلق اخراجات مستاجر پر ہوں گے۔ حتیٰ کہ معمول کے مطابق استعمال کی وجہ سے پیدا ہونے والے نقصانات اور ٹوٹ پھوٹ کا ذمہ دار مستاجر (Lessee) ہوگا۔ اس ذمہ داری کی تعیین کے لئے چھوٹے اور بڑے نقصان کی تقسیم بھی کی جاتی ہے۔ ملکیت سے متعلق بڑے نقصانات مثلاً ایکسیڈنٹ، حادثہ، گاڑی کا جل جانا ایسے نقصانات کی ذمہ داری موجر پر ہوگی اور موجر ایسے نقصانات کی تلافی کے لئے انشورنس کرواتا ہے جبکہ چھوٹی موٹی مرمت، ٹوٹ پھوٹ اور معمول کی مرمت وغیرہ، یہ سب اخراجات مستاجر کی ذمہ داری ہوگی۔

(اسلامی بینکاری کی بنیادیں ص ۹۰، اجارہ قانون اجارہ ص ۲۹۹ و ستورشیق نمبر ۱۰، ۱۱۳ باب ۱، انگریزی متن بحوالہ ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب)

کرایہ دار (lessea) پر کرایہ کے علاوہ دو شرطیں لگانا:

بنیادی اصول یہ ہے کہ اجارہ / لیزنگ میں موجر اور مستاجر کے درمیان ذمہ داریوں کی تعیین اور تقسیم کرتے ہوئے شریعت اسلامیہ کی بنیادی تعلیمات نے وضاحت اور رعایت ملحوظ فرمائی تھی۔ یہاں پر اجارہ شرعیہ کا ایک اہم بنیادی اصول "مقتضی عقد" نظر انداز ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ اجارہ میں مستاجر (Lessee) کی ذمہ داری صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ اجرت ادا کرے اور شئے کو قابل استعمال اور قابل انتفاع حالت میں رکھنا اور اسی حالت پر مستاجر (Lessee) کو استعمال اور انتفاع کے لئے دینا موجر (Lessar) یعنی مالک کی ذمہ داری ہے کیونکہ اجارہ میں کرایہ کی چیز کو قابل انتفاع (قابل استفادہ) رکھنا موجر ہی کی ذمہ داریوں میں شامل ہوتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مالک جو معاوضہ لے رہا ہے وہ معاوضہ اسی چیز کے استعمال اور انتفاع ہی کا لے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتا ہے یعنی سمجھا جاتا ہے اگر عقد اجارہ کا معاوضہ لینے کے باوجود کسی قسم کی اضافی ذمہ داری مستاجر پر لازم کرتا ہو تو یہ ذمہ داری شرعاً مستاجر پر لازم نہیں بلکہ شرط فاسد کے زمرے میں شامل ہو کر اجارہ کو فاسد اور خراب کر دیتی ہے یعنی اس شرط کا فاسد ہونا مالک کے لئے ہے یا اس کی ملکیت سے وابستہ ہے۔

وفي الهداية: ولو استأجر دارا بأجرة معلومة وشرط الآجر تطيين الدار وتعليق باب عليها أو إدخال جذع في سقفها على المستأجر فالإجارة فاسدة، وكذا إذا استأجر أرضاً وشرط كري نهرها أو حفر بئرها وضرب مسناة عليها كذا في البدائع (الهندية ج۴ ص۴۴۳)

وفي الوقاية وشرحه:

أو أرضاً أي استأجر أرضاً بشرط أن يثنيها أي يكربها مرتين فإن كان المراد بردها مكروبة فلا شك في فساده فإنه شرط لا يقتضيه العقد وفيه نفع لأحد المتعاقدين وهو المؤجر ... فإن كان أثره يبقى بعد انتهاء العقد يفسد إذ فيه منفعة رب الأرض وإن كان أثره لا يبقى لا يفسد .... الخ

(شرح الوقاية مع عمدة الرعاية باب الاجارة الفاسدة ج۳ ص۳۰۲،۳۰۳)

اس سے معلوم ہوا کہ اجارہ (کار اجارہ/ہاؤس اجارہ) میں مستاجر پر اجرت اور حق استعمال اور تحفظ کے معاوضہ کے علاوہ کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو موجر کی نفع رسانی کیلئے ہو شرعی اصولوں کے مطابق نہیں ہے اور ایسا معاہدہ فقہی اصطلاح میں فاسد (غیر صحیح) (Defective) کہلاتا ہے۔

واضح رہے کہ کرایہ پر دی ہوئی چیز (کار یا مکان) کرایہ دار کے پاس شرعاً امانت ہوتی ہے اور امانت کا حکم یہ ہے کہ اگر معمول کے مطابق استعمال سے وہ امانت کلی یا جزوی طور پر خراب ہو جائے استعمال کرنے والے کی طرف سے اس کی حفاظت میں کوتاہی یا اس کو خراب کرنے کی غلطی اور زیادتی سرزد نہ ہوئی ہو تو اس کی جزوی یا کلی خرابی کی ذمہ داری امانت دار (Trustee) (استعمال کرنے والے) پر عائد نہیں ہوتی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ولا یضمن ما ھلک فی یدہ او بعملہ کتخریق الثوب من دقہ الا اذا تعمد الفساد فیضمن کالمودع

(الدر المختار ج ۶ ص ۶۸، باب ضمان الاجیر، ط سعید کراچی)

جبکہ "فنانشل لیز" (Financial Lease) میں مکان یا گاڑی کا کرایہ دار اگر معمول کے مطابق مکان اور گاڑی استعمال کرتا رہے اور اس کے اس استعمال کی وجہ سے اس کی طرف سے غفلت اور تعدی کے بغیر کسی قسم کا نقصان ہو جائے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا تو مستاجر اس نقصان کا شرعاً ذمہ دار نہیں ہوگا۔ ان نقصانات کی تلافی اور مرمت خود مالک (Owner/Leaser) کرے گا مثلاً مکان میں روغن کرنا یا گاڑی میں ٹیوننگ اور عام مرمت وغیرہ اسی طرح اگر معمول کے مطابق استعمال کرنے سے انجن، باڈی یا ٹائر وغیرہ خراب ہو جائیں یا نقصان دہ ہو جائیں تو اس کی ذمہ داری موجر پر ہوگی نہ کہ مستاجر پر کیونکہ ایسے نقصانات کی تلافی ملکیت کی بنا پر اصلاح سے تعلق رکھتی ہے اور یہ مالکانہ ذمہ داریوں کا حصہ ہے، ان ذمہ داریوں کو موجر اور مستاجر کے درمیان تقسیم کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

لہٰذا اگر مروجہ اسلامی بینک یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے منافع کیلئے ملکیت برقرار رکھیں تو اسے مالکانہ ذمہ داریوں کی تکمیل بھی کرنی پڑتی ہے، چھوٹے اور بڑے نقصانات کے دو خانوں میں تقسیم کرکے مستاجر پر نہیں ڈالنا چاہئے، مستاجر کی ملکیت تو رسمی ہوتی ہے جو اس سارے معاملہ کا آخری مرغوب و مقصود ہے۔

مگر ہمارے مروجہ اسلامی بینکاری والے تو اس تحریر کو بھی قبول نہیں کرسکتے کیونکہ مروجہ اجارہ پر دی گئی "گاڑی" "مکان" پر مستاجر کی ملکیت تسلیم کر لینے کی صورت میں پہلے سے زیادہ وزنی اشکال ہوگا وہ یہ کہ اس عقد میں بڑے اور بھاری نقصان کی ذمہ داری کا بینک (بائع/فروخت کنندہ) پر عائد ہونا لازم آئے گا جو مقتضائے عقد کے سراسر خلاف ہے اور شریعت میں بائع کو اس قسم کے بھاری نقصانات کا ذمہ دار ٹھہرانے سے معاملہ کرنے کا تقاضہ باطل ہے۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ مروجہ اسلامی اور شرعی بینک مروجہ اجارہ میں خریداری کی نیت قصد

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیا ہو۔ غرض مقدم اور مقصود شرائط کے باوجود مروجہ اجارہ کو بیع (تمویل اجارہ) کہنے کی بجائے ''کار اجارہ'' صرف اس لئے اجارہ کہتے ہیں اور اجارہ ہی لکھتے ہیں یعنی ممکن ہے کہ اس کا سبب بے ایمانی اور خوف آخرت ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''اسلامی بینکاروں پر سرمایہ کاری کی مکمل نفاذ تک ہمارے اختیار کردہ فاسد معاملے کو اگر کریں تو جنہیں ہم صرف حیلہ قرار دیتے ہیں وہ ہمارے استعمال میں ہماری دستاویزات کے مطابق ہونے کی بجائے صحیح تر ہو جائیں۔ واللہ اعلم وھو یقول:

ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید وجاءت سکرۃ الموت بالحق ذلک ما کنت منہ تحید (ق: ۱۸،۱۹)

وقولہ تعالیٰ وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون (الانفطار: ۱۰-۱۲)

تیسری بات: عقد اجارہ میں اجرت کی شرح کا روایتی سودی معیار:

عقد اجارہ میں اجرت کی شرح کے تعین کیلئے بینک کسی ملک کی شرح سود کو معیار بنایا جاتا ہے جو کہ اسلامی بینک کو اجارہ کے ذریعہ اتنا ہی نفع حاصل ہو جتنا روایتی بینک لیزنگ (Leasing) اور سودی قرضوں پر حاصل کرتے ہیں یہی معیار دوسری ''بیع'' کی شرح متعین کرنے کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

ایک سودی طریقہ تمویل کیلئے بطور شرح سود کو معیار بنانے کی ناپسندیدگی کا اقرار و اعتراف حضرت مجیب صاحب اسلامی بینکاری بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ اجارہ کی اجرت اور مرابحہ کے منافع کو مارک اپ کی شرح کے بجائے منسوب کرنا سود کی شرح سے سود کو معیار بنانا اور ناپسندیدہ ہونا واضح ہے اس کی وجہ سے ایک اسلامی معاملہ سودی معاملہ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

(اسلامی بینکاری کی بنیادیں ص: ۱۸۱،۱۸۰)

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب سودی شرح کی اجرت اور نفع کی مقدار کی تعیین کیلئے معیار بنانے کو صرف اتنا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیش نظر یہ طریقہ رائج نہیں تھی، بلکہ اس معیار کو شرعی مزاج کی خلاف ورزی اور سودی مزاج کی رعایت سے تعبیر کرنا زیادہ موزوں اور مناسب ہوگا، دیکھئے جب اسلامی معاشرے کو شراب کی لعنت سے پاک کرنے کی مہم شروع ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان برتنوں کے استعمال کو بھی ناجائز قرار دیا جن برتنوں میں شراب بنائی جاتی تھی، چونکہ شراب کے یہ برتن شراب کے رسیا لوگوں کو شراب نوشی کی یاد دلاتے تھے اور ان کی توجہ شراب نوشی سے ہٹنے نہ پاتی تھی، حالانکہ ان برتنوں کے استعمال میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنحضرت ﷺ نے شراب والے برتنوں کے استعمال کی اجازت کا اعلان بھی فرما دیا تھا۔

غرض یہ کہ معاشرے سے کسی برائی کے خاتمہ کیلئے انقلابی قدم اٹھاتے ہوئے شرعی مزاج کا جو ابتدائی تقاضا ہوتا ہے، مروجہ شرح سود کو پیمانہ بنا کر ”اجرت“(Rent) اور مرابحہ کے ”نفع“(Mark-up) کیلئے معیار بنانا شرعی مزاج کے اس ابتدائی تقاضے کی خلاف ورزی ہے، اس لئے ایسے معیار کو اسلامی بینکاری کے تحقیقی قدم کے طور پر استعمال کرنے سے شرعی مزاج کی خلاف ورزی اور سودی مزاجوں کی رعایت کا پہلو نکلتا ہے جو ابتداء سے ہی حلال یا جائز کہنے کی بجائے ناجائز کہنا چاہئے، تقویٰ اور دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک یہ سودی معیار ختم نہ ہو جائے۔

منافع کی شرح کے معیار پر فقہی اشکال:

مروجہ شرح سود کو اجارہ کی اجرت اور مرابحہ کے ”نفع“ کے لئے معیار بنانے میں ایک اور فقہی خرابی بھی لازم آتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ جو تبدیلیاں کی گئی ہیں اور آئندہ بھی کی جاتی رہیں گے وہ معاملات اپنے اندر جدید معاشی پیچیدگیوں کی وجہ سے فقہی تنقیح کا متقاضی ہوں گی، انجمن کی فقہی طالب علم کا ان معاملوں سے متعلق کوئی رائے قائم کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ فقہی طالب علم نے فقہ کی پہلی کتاب سے لے کر آخری کتاب تک یہی پڑھا ہے کہ معاملہ میں شرح منافع کا واضح ہونا اور اجرت کا متعین ہونا اور معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ معاملہ فاسد ہوگا، جبکہ سودی مارکیٹ میں شرح سود ہمیشہ یکساں نہیں رہتی بلکہ بدلتی رہتی ہیں، کیونکہ افراط زر کی شرح کے حساب سے سود کی شرح میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اگر ان معاہدوں میں شرح سود کو بطور معیار

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

استعمال کیا گیا تو "اجرت" کا متعین اور معلوم رہنا مشکل ہو جائے گا اور اس سے اجرت کی مجہولیت (غیر متعین و غیر معلوم ہونا) لازم آئے گی، اور اس کی وجہ سے اجارہ مروجہ کا عقد جائز نہیں ہوگا (کما مر)

غیر شرعی معیار پر قبول تجویز کی حیثیت:

شرح سود کی غیر متوقع کمی بیشی کی وجہ سے مؤجر اور مستاجر کو لاحق ہونے والے خطرات سے تحفظ کیلئے اگر یہ تجویز دی جائے "کہ کرایہ اور شرح سود میں ربط و تعلق کو (عام رکھنے کی بجائے) خاص حد تک محدود کر دیا جائے، اجارہ کے عقد میں یہ شق رکھی جا سکتی ہے کہ خاص مدت کے بعد کرایہ کی مقدار شرح سود میں ہونے والی تبدیلی کے مطابق تبدیل ہو جائے گی، کمی یا اضافہ کسی بھی صورت میں پانچ فیصد سے زائد اور پانچ فیصد سے کم نہیں ہوگا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر شرح سود میں اضافہ پانچ فیصد سے زائد ہے تو کرایہ پانچ فیصد تک ہی بڑھے گا، اس کے برعکس اگر شرح سود میں کمی پانچ فیصد سے زائد ہوتی ہے تو کرایہ میں کمی پانچ فیصد سے زائد نہیں ہوگی۔ (اسلامی بینکاری کی بنیادیں ص ۱۹۲)

ہمارے خیال میں اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے بھی اجرت کی جہالت (کرایہ کے معلوم نہ ہونے) کا خطرہ زائل نہیں ہو سکتا، مجہولیت کا اشکال برقرار رہتا ہے۔ بلکہ مزید ایک خرابی کے ساتھ مجہولیت کو باقی رکھتا ہے اس طور پر کہ کمی بیشی کا ۰٪ اور ۵٪ فیصد کے درمیان دائر رہنا بھی جہالت (عدم تعیین) سے خالی نہیں اور اس جہالت کو معمولی اور جہالت یسیرہ کہہ کر رد کرنا بھی مشکل ہے، کیونکہ جہاں کرایہ لاکھوں میں ہو وہاں پانچ فیصد کا فرق بھی معتد بہ رقم بن جائے گا، اور یہ فرق اچھا خاصا فرق ہے، اس لئے مروجہ اجارہ کے کرایہ میں مجہولیت کی موجودگی کا قطعی احتمال مسترد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

بعض لوگ مجہولیت کی موجودگی کو تسلیم کرتے ہوئے یہ دلیل کرتے ہیں کہ کسی معاملہ میں مجہولیت ہونے کی وجہ "مفضی الی المنازعة" ہونے (تنازع کا باعث بننے) کی وجہ سے ناجائز ہوتا ہے، ان معاملوں میں فریقین کے درمیان کرایہ اور اس کی عدم تعیین سے فریقین کے درمیان کسی قسم کے تنازع کا خطرہ نہیں ہوتا کیونکہ فریقین پہلے اپنے معاملوں میں اس پر رضامندی ظاہر کر چکے ہیں اور وہ اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیدا ہوتی ہیں۔

مگر یہاں پر دو باتیں قابل غور ہیں، ایک یہ کہ اگر کوئی معاملہ اپنی اصل کے اعتبار سے درست نہ ہو، جیسا کہ اس معاملہ میں شرعی نقطۂ نظر سے جواز موجود نہیں تو کیا فریقین کی رضامندی سے وہ معاملہ درست ہو سکتا ہے اور اس معاملہ میں پائے جانے والا فساد ختم ہو سکتا ہے؟ اگر فریقین کی اس نوعیت کی رضامندی کو قابل تسلیم قرار دیا جائے تو اس کے اثرات بہت دور تک جائیں گے، مثلاً ہم سود کے ناجائز ہونے کی وجوہات میں قرض خواہ کے استحصال اور اس پر ہونے والے ظلم کو بھی شمار کرتے ہیں، بعض جدید مفکرین اس وجہ کو یہ کہتے ہوئے رد کرتے ہیں کہ موجودہ صورت میں قرض خواہ کا استحصال ہوتا ہے نہ ہی اس پر ظلم ہوتا ہے، قدیم زمانہ کے سودی قرضوں میں جس ظلم و استحصال کا ذکر پایا جاتا تھا وہ اس وجہ سے تھا کہ وہاں قرض خواہ کی مرضی شامل نہیں ہوتی تھی، بلکہ قرض خواہ کی مجبوری سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اس پر سود کا بوجھ ڈالا جاتا تھا جبکہ موجودہ صورت میں مقترض (قرض دینے والے) کا استحصال تو عدم ادائیگی کی صورت میں ہوتا ہے، مگر قرض خواہ کا کوئی خاص استحصال نہیں ہوتا، بلکہ وہ جو سود ادا کرتا ہے اپنی رضا اور خوشی سے کرتا ہے اور فریقین کے درمیان کسی قسم کے جھگڑے کا باعث بھی نہیں بنتا، کیا یہاں پر ایسی صورتحال میں ہمارے لئے اس بات کی گنجائش ہوگی کہ ہم سود ادا کرنے والے مقروض کی رضامندی کی بنیاد پر سود کی حرمت کی علت یا حکمت کو نظر انداز کر دیں؟ کیا فریقین پر سود کا الزام آ سکے گا؟

الغرض "جہالۃ غیر مفضی الی النزاع" کو اس قدر وسعت دینا کہ ہر قابل اصلاح معاملہ کو اصلاح کے اس دائرے میں آنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے، بلکہ فقہ اسلامی کی تشکیل جدید کی کاوشوں کا تقاضہ ہے کہ "جہالۃ غیر مفضی الی النزاع" کے قاعدہ کو اس کے اصل مفہوم تک محدود رکھتے ہوئے تغیر و تبدل کا نظریہ اپنایا جائے۔

یہاں پر دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ جیسا کہ ... کی تعریف ... القصد اور ... کے درمیان ... "غرر" اور "قمار" کی موجودگی یا علی الاقل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

”غرر“ اور ”قمار“ کے مشابہ کی صورت میں پائی جائے گی، کیونکہ کرایہ کی شرح کا دو احتمالی قدروں کے درمیان معلق ہونا ”غرر“ ہوگا، ”مستور العاقبة“ (انجام کار کی حتمی صورت کی پوشیدگی) ہونے کی وجہ سے بہرحال ”غرر“ ہے اور فریقین کا کرایہ کی شرح کے تعین کیلئے ۱۵ اور ۱۸ فیصد کی دونوں احتمالوں کے لئے تیار رہنا اور حتمی فیصلہ کر دینا ”میسر“ اور ”قمار“ (جوا) کہلانے کا حقدار ہے یا کم از کم ”تعليق التمليك على الخطر“ (یعنی تملیک کو کسی ایسے واقعہ کے ساتھ معلق کرنا جس کے وجود میں آنے نہ آنے کا دونوں کا احتمال ہو) کے مشابہ تو ضرور ہے۔ لكون الاجرة و النفع مترددة بين القدرين۔

چیریٹی فنڈ (Charity Fund) صدقہ یا جرمانہ؟

حقیقت و ضرورت:

سودی نظام میں قرض کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں خود بخود سود وجود میں آتا رہتا ہے، جس کے ذریعے مدیون کو بروقت ادائیگی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے اسلامی عقود مثلاً مضاربہ، مرابحہ اور اجارہ میں عدم ادائیگی یا بروقت ادائیگی نہ کرنے والے شخص پر اصطلاحی سود یا مالی جرمانہ کا یہ بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے کہ بینک ادائیگی اور بروقت ادائیگی کو یقینی بناتا ہے، مروجہ اسلامی بینک اس مقصد کے حصول کیلئے اپنے معاہدے میں [illegible] کے تحت رقم (صدقہ کرنے) کا التزامی وعدہ لے لیتا ہے [illegible] اس اضافی شرح سود سے بھی ہو سکتی ہے جو شرح روایتی بینک قرضے ادا کرنے والے پر لازم کرتا ہے اور اس شرح سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے اور عموماً زیادہ ہی ہوتی ہے کیونکہ [illegible] کہ اس کے لازم کرنے سے مدیون کسی خاص دباؤ کا شکار [illegible] اسلامی بینک [illegible] ہے کہ یہ صدقہ اسلامی بینک ہی کے پاس جمع کرایا جائے اس [illegible] ہے۔

([illegible] ص ۱۳۳ [illegible] دارالعلوم کراچی)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک اصولی بات:

یہاں پر صرف یہ اصولی و بنیادی بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ "مدیون" کی طرف سے یہ التزام مدیون پر شرعاً لازم ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر لازم ہوتا ہے تو یہ سمجھنے کی ضرورت ہوگی کہ دیانۃً لازم ہے یا قضاءً یا دونوں طرح سے لازم ہے؟ التزام تصدق کا ان پہلوؤں سے جائزہ لینے سے قبل اگر مدیون کی طرف سے عدم ادائیگی کی بابت شریعت اسلامیہ کے مجموعی مزاج کو سامنے رکھا جائے تو یہ متعین کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ آیا "مدیون" اپنی کمزوری اور تنگدستی کی وجہ سے ادائیگی نہیں کر پا رہا یا استطاعت ہونے کے باوجود ٹال مٹول کر رہا ہے؟

اگر اپنی کمزوری اور تنگدستی کی وجہ سے ادائیگی نہیں کر پا رہا تو وہاں شریعت کا مزاج ہے "وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ" (سورۃ بقرۃ آیت ۲۸۰) یعنی اگر مدیون تنگدست ہو تو اسے فراخی تک مہلت دینی چاہئے اور اگر مدیون کو استطاعت ہے اور استطاعت کے باوجود دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے تو یہ ظلم ہے

"مطل الغنی ظلم" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۵)

اس ظالم سے یہ حق وصول کرنے کیلئے کوئی بھی مناسب اور شرعی تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے۔

لقوله ﷺ لی الواجد یحل عرضه و عقوبته

(رواہ ابوداؤد والنسائی مشکوۃ باب الافلاس والانظار ص ۲۵۳ قدیمی)

ترجمہ: مستطیع شخص کا ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا اس کی بے عزتی اور اسے سزا دینے کو حلال کر دیتا ہے۔

(مظاہر حق جدید ج ۳ ص ۱۳۸)

حضرات گرامی! یہ بات طے ہے کہ سودی بینکنگ کو چھوڑ کر اسلامی بینک کے ذریعہ سرمایہ کاری کرنے اور قرض لینے والے حضرات انتہائی دینی جذبہ کے تحت سودی کاروبار سے بچنے اور جائز طریقہ کی تلاش میں جذبات ہی سے اسلامی بینکوں کا رخ کرتے ہیں، کیا ہم کو ایسے مسلمان کا ان کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے ہم ان سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نظام ہو جاتا اور قرض کی رقم کی بجائے انصاف پسند غریب اور تنگدست ہونے کی وجہ سے رعایت اور مہلت کا مستحق مسلمان سمجھیں تو اسلامی مزاج کے عین مطابق ہوگا لہٰذا اسلامی بینکاری کے سامنے پیش ہونے والے بینکوں کو چاہیے کہ وہ اسلامی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے مدیون لوگوں کے حق میں "فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ" کی پالیسی اختیار کریں اور روایتی بینکوں کے طرزِ عمل کی تقلید کرتے ہوئے اپنے کو [illegible] سے اجباری تصدق کو ہاں برقرار نہ رکھیں اس لئے کہ جو تنگدست اور مجبور مسلمان اپنے قرض اور قرض ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس سے آپ کیسے صدقہ کروا سکیں تو یہ عجیب ترین بات ہوگی، بلکہ ایسا اگر جرمانہ کروانے سے ان مجبور مدیون کی مالی حالت مزید ابتر اور قابل رحم ہو جائے گی، حالانکہ اسلامی بینک تو صرف [illegible] کی خاطر [illegible] ہمدردی کا پروگرام لے کر میدان میں اترا ہے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

اجباری تصدق اور اس کا لزوم:

بہرکیف اسلامی بینک نے تجارتی مزاج کی رعایت کرنے کے باوجود اگر اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کا مدیون محض [illegible] اجباری تصدق کے بغیر ادائیگی نہیں کرے گا [illegible] کی مدد سے جبراً وصول کیا جا سکتا ہے [illegible] اجباری تصدق کے التزام کیلئے [illegible] اگر مدیون تاخیر کرے تو [illegible] صدقہ کرنے کا پابند ہوگا [illegible] بعض اکابر اہل علم فرماتے ہیں کہ

"یہ التزام [illegible] تصدق الالتزام [illegible] ہوتے ہیں [illegible] کوئی حرج نہیں جو [illegible]" (بحوالہ [illegible] ص: ۱۲۵)

اس کے [illegible] امام حطاب رحمہ اللہ کی کتاب "تحریر الکلام فی مسائل الالتزام" کی [illegible] عبارت [illegible] سے معلوم ہوتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"أما إذا التزم المدعى عليه للمدعي أنه إن لم يوفه حقه في وقت كذا و كذا فله عليه كذا و كذا، فهذا لا يختلف في بطلانه لأنه صريح الربا ...... إلى قوله: وأما إذا التزم أنه إن لم يوفه حقه في وقت كذا فعليه كذا لفلان أو صدقة للمساكين فهذا هو محل الخلاف المعقود له هذا الباب، فالمشهور أنه لا يقضى به كما تقدم وقال ابن دينار يقضى به"

(... بحوالہ اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۱۲۵)

ترجمہ: لیکن جب مدعی علیہ مدعی کیلئے یہ التزام کرے کہ اگر مدعی علیہ نے مدعی کا حق اتنے اتنے عرصہ میں ادا نہ کیا تو مدعی علیہ پر مدعی کیلئے اتنا اتنا (مال) لازم ہے تو ایسا التزام ہے کہ جس کے باطل ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں اس لئے کہ یہ صریح سود ہے ......

ہاں اگر مدعی علیہ نے یہ التزام کیا کہ وہ اتنے وقت میں اس (مدعی) کا حق ادا نہ کر سکا تو اس (مدعی علیہ) پر فلاں شخص (غیر مدعی) کیلئے اتنا (مال) لازم ہے یا مساکین کیلئے صدقہ (لازم) ہے یہ محل اختلاف ہے اسی کیلئے یہ باب منعقد کیا گیا ہے، مشہور (راجح قول) یہی ہے کہ اس پر فیصلہ نہیں دیا جائے گا، کما تقدم اور ابن دینار فرماتے ہیں کہ اس پر فیصلہ دیا جائے گا (یعنی بذریعہ قضاء لازم کیا جائے گا)

اس عبارت میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

ایک یہ کہ مدعی علیہ مدعی (صاحب حق) کیلئے اگر وقت پر عدم ادائیگی کی صورت میں کسی کے مال دینے کا التزام کرے تو یہ قطعاً صریح سود ہونے کی بنا پر بالاتفاق حرام ہے۔ دوسری بات یہ کہ صاحب حق کے علاوہ کسی تیسرے فریق یا مساکین کیلئے اپنے اوپر کسی قسم کا مال یا صدقہ کا التزام اگرچہ مالکیہ کے مشہور یعنی راجح اور معمول بہ قول کے مطابق التزام کرنے والے پر قضاء واجب الاداء نہیں ہوتا، البتہ صرف ایک بزرگ ابن دینار اپنے التزام کو قضاء پورا کرنے کے قائل ہیں۔ صاحب کتاب امام حطاب رحمہ اللہ کی عبارت کی رو سے ان کا قول مرجوح ہے جسے فقہاء کرام معدوم کے درجے میں سمجھتے ہیں چنانچہ:

"والمرجوح في مقابلة الراجح بمنزلة العدم والترجيح بغير مرجح في المتقابلات

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مصدر: (شرح عقود رسم المفتی ص ۵۰ مکتبہ علمیہ کراچی)

نیز قول مرجوح کے بارے میں فقہ مالکیہ کے مشہور امام و ترجمان علامہ الباجی المالکی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

وحقہ لا اختلاف بین المسلمین ممن یعتد بہ فی الاجماع انہ لا یجوز

(شرح عقود رسم المفتی ص:۵)

مسلمانوں میں سے جن کسی کا بھی اجماع میں اعتبار کیا جا سکتا ہے ان کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مرجوح قول پر فتویٰ و عمل ناجائز ہے۔

اس تصریح سے کوئی بھی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ مدیون کا دائن کے علاوہ کسی شخص کیلئے مال دینا یا مساکین کیلئے صدقہ کا التزام مالکیہ کے قول کے مطابق واجب الایفاء ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نیز ابن دینار رحمہ اللہ کی رائے جو فقہ مالکیہ کے مشہور و مدون قول کے مقابل ہے یعنی غیر مشہور اور مرجوح کے درجہ میں ہے اسے بنیاد بنا کر جب یہ دعویٰ کیا جائے تو اس قول مرجوح پر کسی انفرادی رائے کی بنیاد رکھنا کس حد تک درست ہے؟

"تبرع فی القرض" امام حطاب کی عبارت کی روشنی میں:

اسلامی بینکوں نے "تبرع فی القرض" کو "تحریر الکلام فی مسائل الالتزام" کی درج بالا عبارت کے تناظر میں دیکھنا چاہیے کہ بینکوں کا اپنے مدیون لوگوں سے اپنے "تبرع فی القرض" کیلئے خاص شرح کے ساتھ صدقہ کا التزام کرانا صاحب حق (بینک) کیلئے التزام ہے یا غیر صاحب حق یا مساکین کیلئے؟ بینک کا طریقہ کار امام حطاب کی تقسیم میں سے کس طریقہ کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے؟

چنانچہ امام حطاب رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارت میں معمولی غور و فکر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بینک کا طرف سے اپنے مدیون سے صدقہ کا التزام کرانا مساکین کیلئے صدقہ کا التزام کرانے کی بجائے صاحب حق کیلئے التزام کرانے سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اس کی وجوہات صاف واضح ہیں:

۱۔ بینک کی حیثیت دائن (قرض دہندہ) کی ہے اور وہ التزام کرواتا ہے اپنے مدیون سے اور مدیون

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بینک کے مطالبہ پر اپنے اوپر صدقہ کو لازم کر رہا ہے۔ یہ دائن اور مدیون کے درمیان التزام تصدق کا دو طرفہ معاہدہ ہے اس معاہدہ میں دائن کا اصرار بنیاد ہے اس لئے اس مدیون کی طرف سے التزام تصدق کہنے کی بجائے دائن کی طرف سے ابتدائی تصدق کہنا زیادہ مناسب ہے ظاہر ہے کہ دائن اپنے مدیون کے ذمہ اپنے دین پر مشروط طور پر بھی اضافی رقم صدقہ کرنے کی شرط کرے تو اسے سود کہنے میں کوئی بڑی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

۲۔ اگر صرف یہی التزام محض مدیون کی طرف سے یکطرفہ التزام بھی مان لیں تب بھی اس التزام کی نسبت دائن (صاحب حق) بینک ہی کی طرف ہوگی، کیونکہ یہ رقم بینک ہی کو ادا کی جا سکتی ہے۔ اس رقم کے انتظام و انصرام اور تقسیم وغیرہ کی ساری ذمہ داری میں بینک کی ترجیحات اور خواہشات ہی بنیاد ہوتی ہیں نیز اس کے خیراتی کاموں کے اثرات بھی بینک ہی کے کھاتے میں شمار ہوں گے، کیونکہ اگر بینک شرعی ضابطوں پر پورا اترتے ہوئے کسی کو بھی یہ صدقہ کرے تو عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا اور دنیا میں نیک نامی اور اچھی شہرت کے فوائد بھی بینک ہی کو حاصل ہوں گے اور ظاہر ہے نیک نامی اور شہرت کی قیمت غیر معمولی ہوتی ہے۔

الغرض دائن (بینک) کے اصرار پر مدیون کے التزام تصدق کو بینک سے منسوب کرنا آسان اور مدیون سے منسوب کرنا مشکل ہے، یہ التزام عملاً و عرفاً صاحب حق کیلئے ہو رہا ہے لہٰذا امام خطاب رحمہ اللہ کی تحقیق اور موجودہ صورت حال کی روشنی میں اسے محض سود کہنا چاہیے، اگر زور دار قسم کی تاویلیں کی جائیں تو بھی یہ التزام محض بھی سود کی مشابہت سے خالی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اصطلاحی وعدہ کی شرعی حیثیت:

یہاں پر بعض اہل علم یہ فرماتے ہیں کہ مدیون کی طرف سے التزام تصدق درحقیقت وعدہ تصدق ہے معاہدہ نہیں، حضرات مالکیہ کی راجح قول کی رو سے وعدوں کو پورا کرنا لازم ہے۔

قولہ:

لأن المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس وهو الصحيح كما في الكافي والخانية والخزانة وغيرها والمصنف في باب الإكراه وابن مالك في باب

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لا ۲۵۳ (شامیہ ج ۵ ص ۷۷ مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)

یعنی لوگوں کی ضرورتوں کے پیش نظر بعض وعدوں کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے اور یہی بات صحیح ہے۔ اس تمام بحث کے مجموعہ میں بظاہر کوئی پوشیدگی اور الجھاؤ نہیں، صاف واضح بات ہے کہ بسا اوقات بعض وعدے لوگوں کی ضرورتوں کے پیش نظر واجب الایفاء ہوتے ہیں، یعنی ہر وعدہ ہر حال میں واجب الایفاء ہو اس کی کوئی اساس نہیں ہے اس لئے کوئی تحدید بھی نہیں۔ البتہ اتنی بات تو طے ہے کہ ہر قسم کے جائز وعدے کو پورا کرنا وعدہ کرنے والے مسلمان پر دیانۃً اور اخلاقاً لازم ہے، وعدہ خلافی کرنے والے مسلمان کے بارے میں بہت سخت سخت وعیدیں بھی آئی ہیں اور اس کی مذمت کی گئی ہے، یعنی وعدہ خلافی کرنے والے کو دنیا میں وہ بھی گناہگار ہوگا اور آخرت میں بازپرس بھی ہوگی۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

قابل غور پہلو یہ ہے کہ آیا کسی وعدہ کا قضاءً یعنی قانوناً پورا کرنا بھی لازم ہے یا نہیں؟ بعض اکابر امت نے تقاضۂ ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے شرعاً قانوناً و قضاءً وعدہ پورا کرنے کو لازم فرمایا ہے، یعنی اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے تو اس وعدہ کو پورا کرنا اس پر واجب ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں قانونی چارہ جوئی کیلئے عدالت سے رجوع کیا جا سکتا ہے اور عدالت وعدہ کرنے والے کو وعدہ نبھانے پر مجبور کر سکتی ہے لیکن جمہور فقہاء کرام کے نزدیک قضاءً وعدوں کا پورا کرنا لازم نہیں، یعنی وعدہ خلافی کرنے والے کے خلاف عدالتی چارہ جوئی نہیں ہو سکتی۔

ہمارے نزدیک جمہور کا قول راجح ہے، اس کی وجوہ ترجیح یہ ہیں:

۱۔ وعدہ عموماً تبرع و ہمدردی کے طور پر ہوتا ہے اس کے ساتھ موعود لہ کا کوئی خاص واجبی حق متعلق نہیں ہوتا مثلاً کوئی شخص دوسرے کو یہ وعدہ دیتا ہے کہ آپ کی کوئی خدمت کرنے پر آمادگی بھی وعدہ ہے، اس وعدہ کی وجہ سے موعود لہ کا کوئی حق ثابت نہیں ہو سکتا ہے جیسے کسی انسان نے دوسرے کے ساتھ جانے کا وعدہ کیا اور وعدہ نبھا سکا تو موعود لہ کو بھی یہ حق نہیں کہ اسے مجبور کرے یا قانونی چارہ جوئی کرے کیونکہ جبر اور عدالتی کارروائی کیلئے ثابت شدہ حق کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے جبکہ یہ وعدہ خلافی اخلاقاً لازم ہے جس پر صرف ملامت کیا جا سکتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

۷- جن علماء نے ظاہر نصوص کی بنیاد پر وعدہ نبھانے کو لازم فرمایا ہے، ان کے قول میں اس کی کوئی تفریق نہیں پائی جاتی کہ کون سے وعدے نبھانا قضاءً لازم ہے اور کون سے لازم نہیں؟ اگر ان کے قول کو صحیح کہا جائے تو پھر ہر وعدہ پورا نہ کرنے والا بھی عدالتی مواخذہ کا حقدار ٹھہرے گا، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں، اس لئے جمہور کا قول اختیار کرنے میں نفس الامر کی رعایت ہے وہی راجح ہے۔

۸- وعدہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اپنے مخاطب کو اعتبار اور اعتماد دلانے کا نام ہے اور یہ صریح لفظ سے ہو یا ضمنی، دونوں ہی طرح کیا جا سکتا ہے، اس کی واضح مثال وعدہ نکاح (منگنی) ہے جسے فقہاء کرام نے محض وعدہ کہا ہے کہ جس کی وجہ سے … لازم قرار نہیں دیا، حالانکہ بعض علاقوں میں وعدہ نکاح کی تقریب میں … تعیین وغیرہ بھی مشتمل ہوتا ہے اور تمام سے صرف اس لئے غیر لازم اور … سمجھتے ہیں کہ وہ محض وعدہ نکاح ہے، نکاح نہیں ہے۔

بہر حال جمہور فقہاء کرام رحمہم اللہ کے قول کے مطابق کسی وعدہ کا قضاءً پورا کرنا تو واعد (وعدہ کرنے والے) پر لازم نہیں ہے، یہی ترجیحی قول بھی ہے، البتہ بعض زمانی ضرورتوں اور لوگوں کی حاجتوں کے پیش نظر بعض وعدوں کو پورا کرنا قضاءً لازم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کا مختصر جواب تو "لان المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس" میں موجود ہے، مگر اس سوال کے تفصیلی جواب کی طرف جانے سے قبل یہاں "وعد" اور "عہد" کے فرق کی وضاحت بھی مفید ہے۔

وعدہ اور عہد میں فرق

عہد اور وعدہ میں فرق یہ ہے کہ عہد کسی شرط کے ساتھ مقرون اور مشروط ہوتا ہے جبکہ "وعدہ" کسی شرط کے ساتھ مقرون اور مشروط نہیں ہوتا۔

قال ابو هلال العسكري: ٣٩٠- الفرق بين الوعد والعهد: ان العهد ما كان من الوعد مقرونا بشرط نحو قولك: ان فعلت كذا، فعلت كذا، وما دمت على ذلك فانا عليه قال الله تعالى: ولقد عهدنا الى آدم (طه الآية ١١٥) اى اعلمناه انك

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لا تخرج عن السجية مع الهمة كل من جملة التبحرة والعهد يقتضي الوفاء، والوعد يقتضي الإنجاز ويقال: نقض العهد وأخلف الوعد"

(الفروق اللغویۃ للعسکری ص ۵۰، ط مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

التزام تصدق (Undertaking of Charity) وعدہ ہے یا شرط؟

اس تفصیل کی روشنی میں ان اکابر اہل علم کے اس ارشاد کا تجزیہ بھی بآسانی ہو سکتا ہے کہ "قسطیں بروقت ادا نہ کرنے والے مدیون کا التزام تصدق محض وعدہ ہے نہ کہ شرط" کیونکہ معمولی غور و فکر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مدیون پر صدقے کی ادائیگی کا التزام تب ہی ہوگا جبکہ وہ قسطیں بروقت ادا نہ کر سکے، اگر قسطیں بروقت ادا کرے تو اس پر کسی قسم کا صدقہ کرنا لازم نہیں، گویا کہ صدقہ کا التزام بروقت عدم ادائیگی کے ساتھ مشروط و معلق ہوتا ہے، اور ایسا وعدہ جو کسی شرط کے ساتھ مشروط اور مقرون ہو وہ وعدہ نہیں "عہد" کہلائے گا۔ اور مشروط وعدہ معلق ہونے کی وجہ سے "نذر" کے ساتھ واقعی مشابہت رکھتا ہے اور "نذر" وغیرہ خالص دیانات میں سے ہیں، اگر کوئی نذر کو پورا نہیں کرتا تو کسی کو اس کے خلاف عدالتی کارروائی کا کسی کو حق حاصل نہیں ہوتا جبکہ التزام تصدق قضاءً قابل نفاذ ہے۔

مواعید ملزمہ:

جہاں تک مجیب محترم رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ "بسا اوقات وعدوں کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے" جس میں اولاً تحقیق کی ضرورت ہے جس کی طرف اوپر بھی ہم اشارہ کر آئے ہیں یعنی وہ کس قسم کے وعدے ہیں جن کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے؟ ہمارے خیال میں شاید اس نوعیت کے مخصوص قسم کے وعدے ہو سکتے ہیں جن میں وہ وعدے شامل ہو سکتے ہیں جو ارباب حقوق کے حقوق کی ادائیگی کے اوقات اور مقداروں سے متعلق ہوں یا ایسے وعدے جن کے پورا نہ کرنے سے موعود لہ (جس سے وعدہ کیا گیا ہو) کسی مالی نقصان اور حرج کا شکار ہو جاتا ہو، ان کی مثال جیسے کسی نے وعدہ کیا کہ میں فلاں وقت اور تاریخ میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

صاحب حق کو حق ادا کریں گے۔ اگر مدیون مقررہ وقت اور تاریخ پر ادائیگی کا وعدہ پورا نہیں کرتا تو اسے اس وعدے کو پورا کرنے پر عدالت کے ذریعہ مجبور کیا جا سکتا ہے، اس کو مزید مہلت دینا ضروری نہیں، ہاں دیون غیر مقررہ وقت اور تاریخ سے پہلے بھی مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مہلت اس کا اخلاقی اور قانونی حق ہے۔

فی الہندیہ:

"والحاصل ان تاجيل الدين على ثلاثة اوجه ...... وصحيح غير لازم في قرض واقالة وشفيع ودين ميت ... الخ" (الهندية ج۵ ص۱۵۹، ط: ایچ ایم سعید کراچی)

فی فتح القدیر کتاب ادب القاضی:

وان ثبت الحق عند القاضي وطلب صاحبه حبس غريمه لم يعجل بحبسه حتى يامره بدفع ما عليه لان الحبس جزاء المماطلة فلقوله ﷺ لي الواجد يحل عرضه وعقوبته.

(فتح القدیر کتاب ادب القاضی ج۷ ص۲۷۳، دار احیاء التراث العربی)

دوسرے کی مثال جیسے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اگر کسی نے آرڈر پر کوئی چیز منگوائی یا بنوائی اور اس نے پیشگی وعدہ کر لیا کہ تیار مال حاضر ہو جانے پر وہ خرید لے گا اگر وعدہ کرنے والا Promisor اپنے وعدے سے مکر جاتا ہے تو اس سے مال منگوانے اور بنوانے والے کو بھاری نقصان لاحق ہو سکتا ہے اور اس نقصان کی ذمہ داری اس وعدہ کرنے والا شخص ہوگا، اس لئے موعود لہ Promiseee کو نقصان سے بچانے کیلئے وعدہ کرنے والے کو خریداری پر مجبور کیا جائے گا۔ اور اس کی وجہ سے اگر واقعی نقصان لاحق ہو جائے تو اس نقصان کی تلافی کے لئے بھی شخص اس کے وعدہ کی بنا پر مواخذہ ہو سکے گا۔

پہلی صورت میں یہاں مجبور کرنا در حقیقت مال کی ادائیگی کا مطالبہ ہے، جو لازم ہے کہ آپ نے وعدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، مقصد حق کی ادائیگی ہے اور دوسری صورت میں نقصان کا سبب بننے والے کو خود مال کی قیمت کی ادائیگی کے ساتھ مطلوبہ مال کی خریداری پر مجبور کرنا ہے، اس کو وعدہ لازمہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ مقروض کو بروقت ادائیگی پر مجبور کرنا، دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

التزام تصدق میں وعدے کی حیثیت:

اب وعدہ والا نکتہ کہ جو اصحاب کی نظر میں التزام تصدق کے وعدہ ہونے کا جائزہ لیجیے کہ یہ کس قسم کے حق کی ادائیگی کے لیے یا لازم لانے کا ذریعہ ہے، اس وعدہ میں وعدہ خلافی کا تحقق کس نوعیت کا اور کس صورت میں ہوگا؟

ہمارے خیال میں التزام تصدق کا وعدہ نہ تو بعینہ کسی حق کی ادائیگی کا وعدہ ہے اور نہ ہی اس کے ذریعے حق تلف ہونے والے کسی شخص کے نقصان کی تلافی مقصود ہوتی ہے، بلکہ یہ وعدہ الگ نوعیت کا حامل ہے جس کا مقصد کے فریق حق اور مقدار کو لاحق ہونے والے نقصان سے کوئی تعلق ہی نہیں، اگر آپ اس تصدق کو مقدار بینک کے ساتھ کسی قسم کا تعلق مانتے ہیں تو پھر اس صدقہ کو مساکین کے نام پر وصول فرمانے کے بجائے بینک کے نقصان کی تلافی کے نام پر جمع فرمائیں کیونکہ بروقت مساکین کی بجائے بینک کو بروقت رقم ملنی ہے، اس لیے کہ مسکین شخص اپنے فقر و مسکنت کے ساتھ تو زندہ رہ سکتا ہے مگر شخص قانونی (بینک) محدود تجارت اور تنخواہوں کے بغیر مر سکتا ہے، اس لیے مرنے والا بھوکے سے زیادہ توجہ و رعایت کا مستحق ہے۔

ویسے بھی اس قسم کی رقم کو "جرمانہ" (Penalty) کہتے ہیں اور بینک کے حضرات "صدقہ" (Charity) کہتے ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ "لا مشاحۃ فی الاصطلاحات" کا قاعدہ معروف ہے، مگر اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ التزام التصدق اور وعدہ التصدق کا تعلق کس قسم کا ہے۔

لیکن اس معاملہ کو اگر پیش نظر رکھا جائے اور اسلامی سودی مارکیٹ میں چلنے والے تمام بینکوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے تو ڈیفالٹ کی اصل صورت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے، بلکہ ڈیفالٹر کو سودی بازار میں صدقہ کے نام سے کاروبار کرتے ہوئے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

متعارف کرایا گیا ہو کہ شریعت کے سراسر خلاف ہے۔ چنانچہ مشہور سندھی عالم وفقیہ مخدوم عبدالکریم المعروف میاں بن یعقوب ابو یعقوب ٹھٹوی رحمۃ اللہ "السنابلة في حرمة الخزانة" میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ سے تعزیر مالی کی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"الا ان هذه الرواية وان جوز التعزير بأخذ المال ينبغي ان لا يطلع عليه سلاطين زماننا لانهم بعد الاطلاع فيتجاوزون عن الاخذ بالحق الى التعدي بالباطل"

(السنابلة في حرمة الخزانة ص ٥٣٦، سندھی ادبی بورڈ کراچی)

اس عبارت سے یہ فائدہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقوق کی ادائیگی کے لئے لوگوں پر اضافی مالی بوجھ کی "شرح" داخل کر کے تصرفی اداروں کے ظالمانہ استحصال کو شریعت نہیں پہنچنی چاہئے، ورنہ ممکن ہے کہ محدود شرح سے چلنے والے یہ ادارے کل کو ہمارے اسلامی بینکوں کی آڑ میں انسانی حدود سے بھی تجاوز کر جائیں۔

التزام تصدق اور اصطلاحی صدقہ:

حاصل یہ کہ التزام تصدق کے نام سے مدیون کو جو مال ادا کرنا پڑتا ہے وہ شرعاً و اصطلاحاً "صدقہ" نہیں کہلا سکتا کیونکہ صدقہ ان تبرعات میں سے ہے اور جس مالی ادائیگی کو عائد کرے وہ کسی امر کے ساتھ معلق ہو تو صدقہ واجبہ "نذر" کہلاتا ہے اور اگر غیر مشروط اور غیر معلق ہو تو صدقہ نافلہ ہے، اگر آپ بینک کے مطالبہ پر معاہدے کے تحت مشروط اور معلق ادائیگی کا التزام کریں تو یہ زیادہ سے زیادہ "نذر" بن کر صدقہ واجبہ ہوگا جس کے نتیجے میں بھی فرق یہ ہوگا کہ وہ دیانات کے قبیل سے ہے جو صدقہ واجبہ (نذر) کو پورا کرنے کے لئے قضاءً مجبور نہیں کیا جا سکتا، اور اگر غیر مشروط اور غیر معلق التزام نہیں تو یہ محض نفلی صدقہ ہوگا جو محض تبرع ہے، جبکہ صدقہ کہنے کے لئے اختیار محض اور طیب خاطر بھی ضروری ہے، اگر اختیار نہ ہو اور طیب خاطر نہ ہو تو یہ صدقہ شرعاً و اصطلاحاً نفلی صدقہ نہیں کہلا سکتا، اگر اس صدقے کے ساتھ آپ التزام کا تصدق بھی کہیں اور صدقہ کرنے والے کو صدقہ پر مجبور کریں تو اسے کسی طور پر "صدقہ" نہیں کہا جا سکتا۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"جرمانہ" کہا جاتا ہے اور "جرمانہ" کہنے میں زیادہ وقت اس لئے پیش نہیں آتی کہ بصورت جرمانہ تو پہلے سے ہے اور اس صورت میں اسلامی روح ڈالنے کی سعی مشکور فرمائی گئی تھی تاکہ جرمانہ کی حقیقت بدل جائے، مگر یہ تب ہی ممکن رہتی ہے جب "جرمانہ" کی حقیقت پر صدقہ یا التزام تصدق کا لیبل مناسب نہیں، اگر جانے بوجھ کر ایسا کیا جاتا تھا یہ "تعزیر معلوم" کے زمرے میں آ سکتا ہے۔

"كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ" (سورۃ مدثر آیت ۳۸)

ہم التزام تصدق کی بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں، اس پر مستزاد یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ کیا یہ [illegible] "الظفر بصاحب الغیر" کی ان شروط و آداب کا لحاظ نہیں رکھا گیا جو حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بیان فرمائی تھیں اور یہ کہ فقہ حنفی کے مطابق [illegible] کے قائل ہونے کے بعد جرمانہ کے متبادل کی تلاش میں مالکیہ کے ایک مرجوح قول کے باوجود یہ "الظفر بصاحب الغیر" کے مسموع رقم میں آتا ہے یا "التقاط مسروع" کے زمرے میں؟ کیونکہ ان تفصیلات میں جانے کی نوبت تب آتی جب "تصدق" کے "التزام" کی بنیاد کا [illegible]! اسے بنیاد رکھ کر [illegible]

مروجہ اسلامی بینکوں میں سیکورٹی ڈپازٹ کی اسلامی حیثیت:

مختلف بینکوں میں [illegible] سیکورٹی ڈپازٹ کی مد میں عام طور پر کچھ رقم بینک کے پاس رکھوائی جاتی ہے [illegible] مروجہ اسلامی بینکوں کا معمول بھی ہے اس لئے سیکورٹی کی فقہی حیثیت معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ آیا سیکورٹی ڈپازٹ کی جاری صورت "رہن" (Pledge) کا حکم رکھتی ہے یا کچھ اور؟ اگر یہ "رہن" نہیں تو اصولاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ رہن مال مضمون [illegible] مشارکت و شرکت [illegible] جائز ہے۔

اور اگر اس رہن کو بینک اپنے استعمال میں لائے جیسا کہ معمول ہے (قانون اجارہ ۴۹۸) تو یہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

متعلق ہوا یعنی مدت کی پابندی سود ہو کر حرام کہلائے گا۔

اور اگر سیکورٹی ڈپازٹ کو آپ قرض (Loan) کہیں تو یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ قرض میں تاجیل (Deferring) ضروری نہیں ہوتی، اگر تاجیل ہو تو بھی لازم نہیں ہوتی، یعنی قرض میں طے شدہ مدت سے پہلے بھی قرض کی واپسی کا مطالبہ ہو سکتا ہے لہٰذا اگر کوئی گاہک سیکورٹی ڈپازٹ میں جمع شدہ رقم مقررہ وقت سے پہلے ہی واپس لینا چاہے تو قرض کے احکام کی رو سے "اسلامی بینک" اس رقم کی واپسی کا شرعاً پابند ہوگا لیکن کوئی اسلامی بینک اس پابندی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا، اگر غلط ہے تو تجربہ کر دیکھئے۔

اجارہ کے لئے سیکورٹی کی شرط

علاوہ ازیں سیکورٹی ڈپازٹ کو "اجارہ شرعیہ" کے لئے ضروری اور لازمی شرط قرار دینے میں ایک اور قباحت بھی لازم آتی ہے کہ عقد اجارہ میں یہ شرط فاسد ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع مما مر يفسدها (الدر المختار ج۶ ص۴۶)

وقال في الهندية: والإجارة تفسدها الشروط التي لا يقتضيها العقد كما إذا شرط على الأجير الخاص ضمان ما تلف بفعله أو بغير فعله أو على الأجير المشترك ضمان ما تلف بغير فعله على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، أما إذا اشترط شرطاً يقتضيه العقد كما إذا شرط على الأجير المشترك ضمان ما تلف بفعله لا يفسد العقد كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الفصل الثاني في ما يفسد العقد فيه لو كان فيه ... ج۴ ص۴۴۶)

اور اگر یہ اصرار کیا جائے کہ اجارہ میں سیکورٹی ڈپازٹ کا مطالبہ اور وصولیابی سرے سے شرط کے درجہ میں ہے ہی نہیں بلکہ محض ایک زائد امر ہے، تو واضح ہو کہ یہ شرط اگرچہ لفظاً نہیں مگر یہ بھی مشکل ہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیونکہ سیکورٹی ڈپازٹ کا مطالبہ ہر حال میں شرط فاسد ہے جو موجر کے فائدہ کے لئے لگائی جا رہی ہے جس سے موجر (بینک) کو فائدہ ہے کہ وہ بعینہ کاروبار میں لگا کر یا کرایہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں کرایہ کی مد میں منہا کرتے ہوئے اسی رقم سے مستفید ہو سکتا ہے، اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ ایسی شرط ہے جو موجر کی نفع رسانی کا ذریعہ ہے، شرط فاسد اور مقتضی عقد کے خلاف کا یہی مفہوم ہے، ملاحظہ فرمائیں!

ولا بیع بشرط... لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لاحدهما او فیه نفع لمبیع من اهل الاستحقاق (الدر المختار) (قوله لا یقتضیه العقد ولا یلائمه) قال فی البحر معنی کون الشرط یقتضیه العقد ان یجب بالعقد من غیر شرط، ومعنی کونه ملائما ان یؤکد موجب العقد، وکذا فی الذخیرة وفی السراج الوهاج: ان یکون راجعا الی صفة الثمن او المبیع کاشتراط الخبز والطبخ والکتابة ... الخ

(رد المحتار ج۵ ص۸۴، ۸۵، باب البیع الفاسد، ط: سعید کراچی)

حاصل یہ کہ سیکورٹی ڈپازٹ کی شرط عرف اور صرف موجر (بینک) کی نفع رسانی پر مبنی ہے، اسی شرط کو شرط فاسد کہا جاتا ہے نہ کہ شرط ملائم۔

اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عرف کے طور پر یہ فرض کیا جائے کہ "سیکورٹی ڈپازٹ" کی حیثیت "امانت" کی ہے تو پھر "امانت" کے متعلقہ احکام کی تکمیل اسلامی بینک پر لازم ہوگی، من جملہ یہ کہ "امانت" کا مالک جب چاہے اپنی امانت واپس لینے کا حق رکھتا ہے، اس کا تقاضا یہ ٹھہرا کہ اگر کوئی انسان اجارہ ختم ہونے کی مدت سے پہلے سیکورٹی ڈپازٹ میں جمع شدہ رقم واپس لینا چاہے تو اسلامی بینک پر اس رقم کی واپسی لازم ہوگی۔

وهی امانة فلا تضمن... وحکمها وجوب الحفظ والاداء عند الطلب واستحباب قبولها

(الدر المختار ج۵ ص۶۶۳ کتاب الایداع، ط: سعید کراچی)

وفی الهندیة: واما حکمها فوجوب الحفظ علی المودع وصیرورة المال امانة فی یده ووجوب ادائه عند طلب مالکه کذا فی الشمنی. والودیعة لا تودع ولا تعار ولا تؤاجر ولا ترهن وان فعل شیئا منها ضمن کذا فی البحر الرائق. (الفتاوی الهندیة ج۴ ص۳۳۸ کتاب الودیعة، الباب الاول فی تفسیر الایداع ورکنها وشرائطها

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

وحکمہ حکم ربحہ تحریمہ ا

مجوزین شرعی تحریری تصحیح کے لیے ہمارا کوئی اسلامی بینک تیار نہیں ہوتا اس لئے اس رقم کے امانت ہونے کا عذر بھی قابل قبول نہیں ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری کو خلاف شرع کہنے کی چند مختصر وجوہات:

گذشتہ تفصیلی گذارشات سے یہ بات کافی حد تک کھل کر واضح ہو چکی ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے لئے جو فقہی بنیادیں فراہم کی گئی تھیں، وہ بنیادیں فقہی لحاظ سے انتہائی کھوکھلی اور حد درجہ کمزور ہیں، ان بنیادوں پر اسلامی بینکاری کا ڈھانچہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اس پر مزید اضافے کی ضرورت تو ہرگز نہیں، لیکن تحقیق اور اختصار کے طور پر مروجہ اسلامی بینکاری کا شرعی حکم اور اپنے علم کے مطابق اس کے خلاف شرع ہونے کی اہم اہم چند وجوہات تمہیدی بات کے بعد عرض کریں گے۔

تمہیدی بات:

نظریات کی دو بنیادیں:

تمام دینی و نظریات کو بنیادی طور پر دو قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے، ایک قسم وہ ہے جس کی بنیاد محض ہوتی ہے یعنی محض فکر و نظر یا دلیل کو دخل ہوتا ہے، نظریہ و فکر کے ذریعہ دلیل و حجت کے تابع کر کے صحیح سمت کے لئے نئی پرداز کئے جاتے ہیں، یہ الفاظ دیگر حجت و برہان پہلے آتی ہے اور نظریہ و فکر اس کے زیر اثر ہوتا ہے، دوسری قسم یہ الفاظ دیگر یوں کہیں کہ یہ نظریہ و فکر درحقیقت آسمانی تعلیمات کی ہدایات پر مبنی ہوتا ہے ایسا نظریہ انسانی کمزوریوں کے اثرات سے پاک ہوتا ہے، اس لئے اسے علیٰ وجہ البصیرۃ صحیح اور درست کہا جاتا ہے، یہی دینی و شرعی نظریہ اہل سنت والجماعت کی فکر ہے، جس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

"قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ" (سورۃ یوسف ۱۰۸)

اسی طرح شرعی و دینی ضابطہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے یہاں مطلوب و محمود ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہمیں ایسے مسلمانوں کا ساتھ ہونے کے قریب رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے رہنا چاہیے جس کی ترغیب وتعلیم اھدنا الصراط المستقیم میں دی گئی ہے یعنی اہل اسلام و اہل سنت والجماعت کی خصوصیات اولیہ میں سے ہے کہ ان کی فکر دلیل کے تابع ہوتی ہے، دلیل کو اپنی فکر و نظر کے تابع نہیں کیا جاتا۔

جبکہ نظریات کی دوسری قسم وہ ہے جو اس کے برعکس ہے یعنی پہلے نظریہ و فکر قائم ہوتا ہے پھر اس نظریہ و فکر کے مطابق دلائل و براہین قائم کئے جاتے ہیں اور جہاں کہیں کوئی دلیل، حجت یا برہان اس فکر و نظریہ سے متصادم ہو اس کی یا تو دلیل کی توجیہ کی جائے چاہے وہ تاویل دور کی ہو یا نہ ہو سکتی ہو، اگر دلیل کی توجیہ ممکن نہ ہو تو ایسی دلیل کا ہونا ثابت نہ ہو سکے تو ایسی معارض اور مخالف دلیل و حجت کو رد کرنے کے لئے کوئی اور دلیل قائم کر دیا جائے، اسی نظریہ کی بنیاد پر حقیقت، شریعت اور عقلانیت کے درمیان تعارض و تناقض کی بحث پیدا ہوتی ہے۔

اس فکر کے حاملین میں وہ منحرف فرقے شامل ہیں جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں مثلاً خوارج، روافض، معتزلہ، جہمیہ، مرجئہ، قدریہ، منکرین قرآن، منکرین حدیث وغیرہ، اسی طرح فکر سے راہ پاکر بعد کے عہد میں ان لوگوں نے جدید تاویلات کے ذریعے اپنے عقائد بنانے کی کوشش کی اور اپنے خود ساختہ نظریہ حقیقت قرآن کریم سے ہی دلائل بنانے اور اپنے نظریہ و فکر کے خلاف جانے والے دلائل کی تاویل باطل اور توجیہ فاسدہ کی ہے اور جہاں بات نہ بنی وہاں ان دلائل شرعیہ کیلئے رجوع و نسخ کی طرف پہنچ گئے۔ [illegible] الا باللہ العلی العظیم

اس تمہید کے بعد مروجہ اسلامی بینکاری کو اختلاف شروع کرنے کی وجوہات ملاحظہ ہوں!

پہلی وجہ: مروجہ اسلامی بینکاری کے فکری زاویے کا اختلاف:

جب کوئی طالب علم اور دینی آدمی جب مروجہ اسلامی بینکاری کی فکری بنیادوں کا تجزیہ کرتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ اسلامی بینکاری کی فکری بنیادوں کے زاویے اور نظریات پہلی قسم کی بجائے دوسری قسم کی طرف زیادہ جھکے ہوئے ہیں، اس لئے کہ وہ طالب علم اور دینی آدمی دیکھتا اور سوچتا ہے کہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

روایتی بینکاری کو مسلمانوں کیلئے کارآمد بنانے کا نظریہ قائم ہوا اور اس نظریہ میں روایتی بینکاری سے قریب قریب رہتے ہوئے ترمیم و تصحیح کی گئی پھر اس پورے فکر کیلئے فقہ اسلامی سے ضوابط اور نظائر جمع فرمائے گئے، جو صحیح یا غلط اصول اس فکر کیلئے پوری طرح شاہد اور نظیر کی افادیت میں کمزور نظر آیا تو اسے تراش خراش کے ذریعے قائم کردہ فکر کے مطابق بنا لیا گیا، اگر کوئی فقہی اصول وجزئیہ اس فکر کے سامنے ایسا معارض ومتصادم بن کر آیا کہ جو نہ بدلا جاسکتا تھا اور نہ گنجائش نکلتی تو وہاں ضرورت وحاجت کا وسیلہ بنا کر گزرا کر کے معاملات کی بنیاد کو بدلنے کی بجائے مروجہ طریقے کو نظر انداز کر کسی اور طرف جا نکلے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں روایتی بینکاری کے زیر استعمال کسی کارآمد تمویلی طریق کار پر کسی فقہی اصطلاحی معاملے کو منطبق ہونے میں مشکل دکھائی دی وہاں وہاں دونوں معاملوں کی ظاہری صورت اور اصل مقصد کی ہم آہنگی کیلئے ایک سے زائد فقہی اصطلاحوں کو ملا کر اس روایتی معاملے کو اسلامی بنانے کی سعی کی گئی۔

اس پر مستزاد یہ کہ روایتی بینکاری کے متبادل کے طور پر جن فقہی معاملات کو بنیاد بنایا جاسکتا تھا ان میں بھی یہ ترجیح دیکھی گئی کہ روایتی بینکاری کو مسلمانوں کیلئے کارآمد بنانے اور اسلامی بینکاری کو روایتی بینکاری سے قریب تر رکھنے میں، اور روایتی بینکاری والے فوائد وثمرات دینے میں کون سے فقہی معاملات زیادہ مفید اور موثر ہیں، چنانچہ وہ مفید اور موثر بنیادیں مروجہ سسٹم میں ہی اختیار کیا گیا، اگرچہ وہ تمویل کیلئے اصلی بنیاد بھی نہ تھیں۔

اگر مطلوبہ فوائد وثمرات حاصل کرنے کیلئے کوئی غیر اصل بنیادوں کو اختیار کرنے پر اعتراض کرنے والے کو عارضی ضرورت کہہ کر مطمئن کیا جائے اور جب وہ خاموش ہوجائے تو عبوری کے تصور کو مستقل حیثیت دے کر انہی ثانوی بنیادوں Secondary Bases کو اسلامی بینکاری کی کارآمد بنیاد بنادیں پھر ان کو ہمیشہ کیلئے ترجیح دی جائیں اور ان بنیادوں کی تائید وحمایت میں مقالے، رسالے اور مضامین لکھے جائیں، اگرچہ کوئی اعتراض کرے تو بینکنگ اکنامکس اور عصری ضرورتوں سے نابلد ہونے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کا حصہ ہے کہ دین کو صحیح سمجھا جائے۔

اسی طرح اگر کوئی محقق کو واضح نظر آتا ہے کہ روایتی بینکاری اور اسلامی بینکاری میں فرق محسوس کرنے سے محض صورت یعنی صرف نام ہی کا ہے تو جواب یہی دیا جائے یا پھر ہماری بعض مقدس ہستیوں کا نام لے کر مدعی کو خاموش کر دیا جائے کہ جناب! آپ ان ہستی کو جانتے ہیں یا نہیں؟ کیا آپ ان سے بڑے ہیں؟ یعنی اس سوال کے ساتھ کوئی روایتی بینکار اور ماہر تو درکنار کوئی بڑے سے بڑا روایتی عالم دین بھی اب تحقیق بھی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اصل ہمارے یہاں یہ ہے کہ لوگوں اور ہستیوں سے متعلق تنقید کی نظر پسندیدہ ہے۔

ایسی صورتحال میں تحقیقی طالب علم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جس اسلامی بینکاری کو اہم فقہ اسلامی کی تحقیق جدید تصور کرنے جا رہے تھے، وہاں تو فقہ اسلامی کی کمزوریاں ظاہر ہوتی پڑ رہی ہیں، اسلامی بینک تحت اسلامی کی روح و حقیقی تصور کہیں نہیں رہتا، وہاں فقہ اسلامی و بینک کا تابع بنا ہوا نظر آتا ہے، بینک کا اسلامی ہونا صرف مصطلحات کو روایتی معیشت کے بینک رکھنا بہت ہی آسان نظر آتا ہے، یہ طالب علم مزید یہ خدشہ بھی محسوس کرتا ہے کہ روایتی بینکاری کے اصول اور فقہ المعاملات الاسلامی میں واضح فرق کے بغیر غلط رواج کا یہ فکری طلسم دیر تک اگر قبول عام حاصل ہو جاتا ہے تو کہیں اسلام اور دوسرے عالم کے درمیان وحدت ادیان کی تحریک بھی دائرۂ صحیح قیمت پر مکمل نہ ہو جائے۔

اس تحقیق کی روشنی میں مروجہ اسلامی بینکاری اور اس کے طریقہ ہائے تمویل Modes of Financing کو ہم اس کے تعارف، شرعی اور بنیادی سمجھتے ہیں کیونکہ مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادی فکر اسلامی اصولوں کے بجائے ایک مختلف طرز فکر سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے، کیونکہ مروجہ اسلامی بینکاری میں شرعی حجت کی پیروی کی بجائے شرعی حجت کو بینکاری کے تابع بنایا گیا ہے "الرای تحت الصحۃ" اہل سنت والجماعت کا طریقہ ہے، اور "الصحۃ تحت الرای" زائغین، متحرفین، اہل بدعت اور مشرکین کا طریقہ ہے، واخیر ما اختار لا انکر حرج۔

بایں ہمہ انتہائی ادب سے مروجہ اسلامی بینکاری کے نظام کے درمیان دوری اور اجنبیت کا ایک باعث

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فکری رجحان کا اختلاف ہے۔ ہم بینکاری کو مکمل طور پر شریعت اسلامیہ کے تابع ہونے کیلئے منتظر ہیں اور مروجہ اسلامی بینکاری بحث سلامتی کی طرف اپنی تشریح و تطبیق کیلئے آمادہ ہے جو روایتی بینکاری نظام سے ہم آہنگ ہو۔ اپنی فکر کو ہم درست اور تسلیم کرنے سے اور جائز کہنے سے اس لئے معذور ہیں کہ اس فکر کے زاویے فکر و تحقیق کی بہ نسبت ہم کی طرف زیادہ مائل ہیں۔

”والعذر عند کرام الناس مقبول“

فکری اختلاف کے اس عذر کے بعد کسی اور عذر کے بیان کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی ویسے تاہم حسب معمول اختصار و اجمال کے ساتھ مزید چند نکات آگے بھی عرض کر دیتے ہیں۔

دوسری وجہ: مروجہ اسلامی بینکوں میں اسلامی تمویلی طریقوں کی عدم رعایت:

مروجہ اسلامی بینکوں کو جن نظام دیا گیا تھا، عملی طریقہ تمویل Operational Modes Financing میں ان کی رعایت نہیں کی جا رہی، ہمارے فراہم کردہ اسلامی طریقہ ہائے تمویل کے مطابق مروجہ بینکاری کی عملی حالت درست نہیں ہے اور نہ ہی درست ہو رہی ہے۔ گویا کہ ہمارا دیا ہوا نظام محض کاغذی تحریر کی حد تک ہے۔ اسلامی بینک کی سرمایہ کاری میں اس کا کوئی عملی دخل نہیں۔ اس پر متعدد شواہد ہیں جو وقت موجود ہیں۔

مثلاً تمام اسلامی بینکوں میں بکثرت تمویل لینے والے اور سرمایہ کاری کا حصہ بننے والے کثیر تعداد لوگوں کی ہے جو اسلامی بینکاری اور روایتی بینکاری کا واضح فرق معلوم نہ ہونے کی وجہ سے تشویش اور عدم اطمینان کا شکار رہتے ہیں اور ان کی شکایات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

دوسری شکایت ان دینی فکر کے حامل بینکاروں کی ہے جو بینکاری نظام اور اس کی باریکیوں کو اچھے طریقے سے جانتے اور روایتی بینکاری نظام کو باریک بینی سے دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ وہ لوگ مروجہ اسلامی بینکاری اور روایتی بینکاری کے درمیان کوئی نمایاں، واضح فرق تلاش کرنے کے باوجود کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں ان کی شکایات اور تحفظات باقاعدہ ریکارڈ کا حصہ ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تیسری قسم وہ حضرات ہیں جن کو اس کا عدم اطمینان اور شدید قسم کے تحفظات ہیں۔ ان حضرات کے تحفظات دو قسم کے ہیں: ایک یہ کہ اسلامی بینکاری کے لئے فقہ اسلامی کی جس ڈھب پر تشریح اور تطبیق کی کوشش کی گئی ہے وہ کوشش تحقیقی اور اصولی اعتبار سے نامکمل اور نامناسب ہے۔ اس رائے کے حامل تقریباً ملک کے تمام مشہور و معروف اہل فتویٰ ہیں۔

تحفظات کی دوسری قسم یہ ہے کہ ہمارے اسلامی بینکار حضرات فراہم کردہ اسلامی طریقوں کے مطابق اسلامی بینکوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے غیر سنجیدگی اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اس رائے کے حامل بھی ایک جماعت اور ایک بڑی جماعت ہے، جسے مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مروجہ اسلامی بینکاری کے عملی طریقہ سے متعلق حضرت مولانا مدظلہم کے تحفظات پیچھے بیان ہو چکے ہیں، وہاں تحفظات و خدشات اور شکایات ہم باحوالہ شروع میں بیان کر چکے ہیں۔

یعنی یہ کہ جس طریقے کو عوام، بینکار اور فقہاء وقت شریعت کے مطابق نہ سمجھ سکے ہوں، بلکہ روایتی بینکاری کی ڈھب پر چلتا ہوا اور اس کی نہج پر سرمایہ کاری کرتا ہوا دیکھتے اور سمجھتے ہوں ایسی بینکاری کو ہم اسلامی بینکاری کہنے سے قاصر ہیں اور غیر اسلامی یا غیر شرعی بینکاری کہنے کے لئے مجبور ہیں۔

تیسری وجہ: روایتی اور اسلامی بینکوں کے مزاج کی یکسانیت:

مروجہ اسلامی بینکوں اور روایتی بینکوں کے درمیان مزاج، تشخص اور اہداف کے اعتبار سے کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔

چوتھی وجہ: اسلامی بینکاری میں خلاف شرع معاملات کا آمیزہ:

مروجہ اسلامی بینکوں میں کئی ایسے معاملات اور معاہدات پائے جا رہے ہیں کہ جن کے ناجائز ہونے میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ سود کی تو صورتیں کالعدم ہیں، اسلامی بینک، بینکنگ کونسل کے رولز

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے مطابق اسٹیٹ بینک سے سودی قرض لیتے اور بعض نجی و سرکاری اداروں کو قرضے فراہم کرتے ہیں، نیز مرابحہ کی قسطیں تاخیر سے ادا کرنے پر جرمانہ عائد ہوتا ہے، بہر صورت سودی ادائیگی ہو یا وصولی دونوں ناجائز ہیں، جہاں ادائیگی وقتی مجبوری کی بنا پر ہے وہاں بھی سودی معاہدے کا عدم جواز اور گناہ مرتفع ہرگز نہیں ہوتا۔

اسی طرح اسلامی بینک بازار حصص (Stock Exchange) میں شیئرز کی خرید و فروخت بھی کرتے ہیں حالانکہ اسٹاک مارکیٹ کا کاروبار اپنی موجودہ صورت حال کے پیش نظر اب بالعموم ناجائز قرار دیئے جانے کا متقاضی ہے، نیز رشوت کو بھی اسلامی بینک میں اچھا خاصا مقام حاصل ہے، مثلاً مضاربہ میں جہاں نقصان ہو وہاں اصولاً ارباب اموال کا نقصان ہوتا ہے مگر بینک کے ذمہ داران اپنے گاہک کو خوش اور برقرار رکھنے کے لئے نقصان اپنے ذمے لے لیتے ہیں، اس رشوت کو "ہدیہ" کا نام دیا جاتا ہے۔

پانچویں وجہ: اسلامی بینکوں میں خلاف شرع مفروضوں کی موجودگی:

مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادوں میں کئی ایسے مفروضے پائے جاتے ہیں جو خالصۃً سودی نظام کی پیداوار اور خصوصیت تھے، ان مفروضوں کو مروجہ اسلامی بینکاری کے ذریعہ اسلام سے ہم آہنگ اور غیر متصادم اور غیر مخالف قرار دیا گیا ہے جبکہ ہم خالصۃً غیر اسلامی سمجھتے ہیں، اور ان مفروضوں کو اسلامائز کرنے کی کوششوں کو بے سود سمجھتے ہیں، مثلاً "شخص قانونی" کا تصور جو اللہ اور مخلوق کی صورت میں غرر اور نقصان کی صورت میں محدود ذمہ داری کا نام ہے، جس کے باطل ہونے میں شبہ نہیں ہونا چاہیے، اسی طرح روایتی بینکوں میں رائج "لیٹ پیمنٹ" (Penalty) کو "صدقہ" (Charity) کے نام سے جائز قرار دینے کی جو کوشش کی گئی ہے وہ محل نظر ہے، بعض بینک زکوٰۃ بھی اس طرح کاٹتے ہیں کہ جہاں صدقۃ الفطر ادا ہو یا واجب ہی نہیں ہو، وہاں بھی کاٹ لیتے ہیں، جہاں جہاں بینک میں رقم ہو وہاں صدقۃ الفطر، یہ کچھ اور ہی ہوگا۔ انہیں بخوبی معلوم ہے کہ دونوں مسئلوں میں علماء امت متفق نہیں ہو سکے کہ آیا حکومت وقت اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا حق رکھتی ہے، بلکہ جمہور کی رائے یہی ہے کہ حکومت وقت کو جبراً زکوٰۃ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

چھٹی وجہ: اسلامی بینکاری میں سودی معاملات کے ساتھ مشابہت:

مروجہ اسلامی بینکاری کو جس اصرار کے ساتھ غیر سودی بینکاری کہا جاتا ہے، جبکہ اسلام سودی طرح سودی مشابہت والی اور مشابہت ومماثلت سے بچنے کا حکم بھی دیتا ہے، مگر اسلامی بینکوں میں سودی معاملات کی مشابہت ومماثلت اور شبہۃ الربوا کو قصداً و عمداً نظر انداز کیا جاتا ہے۔ مثلاً مرابحہ اور اجارہ اصولی طور پر جائز طریقے تمویل بھی ہیں مگر ان کا مجوزہ طریقۂ تمویل بینکنگ سودی بینکوں کے طریقۂ تمویل سے مشابہ اور مماثل ہے اسی لیے مرابحہ اور اجارہ کو طریقۂ تمویل کے طور پر اختیار کیا گیا ہے، حالانکہ ہمارے فقہی بینکار بھی اس بات سے واقف ہیں کہ مرابحہ مؤجلہ اور اجارہ منتہیہ بالتملیک سودی بینک کے سودی قرض اور روایتی لیزنگ سے کتنے مماثل و مشابہ ہیں اور اسلامی معاملہ مرابحہ اور اجارہ سے کتنے مشابہ ہیں، اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے "عقود الآجال" کے بارے میں کن خدشات کا اظہار فرمایا۔ (کشاف القناع) اسی طرح مرابحہ اور اجارہ میں "نفع" (Mark-up) اور "اجرت" (Rent) کی شرح روایتی سودی معیار کے عین مطابق مقرر کی جاتی ہے، جن امور کے علاوہ سودی اور غیر سودی معاملات کا فرق واضح نہیں ہونے دیتے بلکہ دونوں کے درمیان مشابہت اور شبہ و شبہات کو تقویت دیتا ہے، جو ہمارے انقلابی اقدام کے ساتھ روایتی سودی معاہدات کو تبدیل کرنے کے شرعی مزاج کے بالکل خلاف ہے۔ اسی وجہ سے ہم مروجہ اسلامی بینکوں کو نہ سودی کہہ سکتے اور نہ ہی غیر سودی۔

ساتویں وجہ: اسلامی بینکاری میں شرعی کی بجائے غیر شرعی بنیادوں پر سرمایہ کاری:

مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادوں کو دو حصوں میں متعارف کرایا گیا تھا، ایک حصہ دائمی، اصلی اور مستقل بنیادیں، جن میں مضاربہ و شرکت شامل ہیں، دوسرا حصہ عارضی، غیر اصلی اور عبوری بنیادیں ہیں، جن میں مرابحہ اور اجارہ وغیرہ شامل ہیں۔ آغاز کار میں عارضی اور غیر اصلی بنیادوں کو نامناسب اور غلط قرار دیتے ہوئے مجبوری کی حد تک طریقۂ تمویل کے طور پر اختیار کیا گیا تھا، یہ مجبوری دور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور تجربی تحفظات پیدا ہوتے جا رہے ہیں مگر عارضی بنیادوں پر اب بھی اسلامی بینکاری کا سب سے زیادہ حصہ انہی مشتبہ طریقہ تمویل پر ہے، حالانکہ اسلامی سرمایہ کاری میں مروجہ مرابحہ اور اجارہ کے مقابلے میں اصل بنیادوں (مشارکہ و مضاربہ) کے طریقہ تمویل کو اختیار کرنا چاہیے تھا اور زیادہ سے زیادہ رواج اور فروغ دینا اسلامی بینکوں کی ذمہ داری بھی اور وعدہ بھی تھا مگر ہمارے مروجہ اسلامی بینک نہ اس ذمہ داری کا احساس کر رہے ہیں، بلکہ اسلامی بینکاری اسی پر قانع ہو کر بیٹھ گئے ہیں اور ان طریقوں کو چھوڑنے کے لئے رضامندی بھی ظاہر نہیں کر رہے ہیں اور نہ ہی اپنا وعدہ پورا کر رہے ہیں۔

حالانکہ اجارہ کے متعلق یہ فرق ہے کہ وعدہ دو شخصوں کی عدم ادائیگی پر صدقہ کے وعدہ کے ضمن میں ہمارے فقہی بینکاروں نے جس وعدے کا حکم ہے اس کے ساتھ نرم رویہ انداز میں سمجھا ہے، وہاں تو اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ وعدہ کرے تو اس کے خلاف ہر قسم کا مواخذہ عمل میں لایا جا سکتا ہے مگر اپنا وعدہ بھلا بھول گئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اسلامی بینکاری کی بنیاد مشکل ہوتا چلا آرہا ہے۔

اسلامی بینکاری کے اس قسم کے رویوں سے مختلف قسم کے شکوک و شبہات جنم لے رہے ہیں، اگر اسلامی بینکار اپنے عزائم اور وعدوں میں مخلص ہوتے تو آج اسلامی بینکاری میں اجارہ اور مرابحہ کا نا مناسب وجود ہی نہ ہوتا اور مشارکہ و مضاربہ کی منزل تک پہنچ چکے ہوتے مگر تا حال اسلامی بینکاری میں مرابحہ و اجارہ کے مقابلے میں مشارکہ و مضاربہ کا تناسب بہت کم ہے اور ختم ہوتے جا رہا ہے، بلکہ اس اصل بنیادی طریقہ تمویل کا دائرہ بھی مختصر ہے۔

اس کی واضح مثال یہ ہے کہ مشارکہ و مضاربہ اصل بنیاد ہونے کے باوجود بینکاری کے لئے ثانوی حیثیت رکھتی ہیں اور مرابحہ اور اجارہ متبادل اور بے بنیاد ہونے کے باوجود بینکاری میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اس لئے وہ مرابحہ اور اجارہ ہی کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اس لئے ہم اپنے اسلامی بینکاروں کو اخلاص اور دیانتداری کا سرٹیفکیٹ دینے سے معذور ہیں ان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی اس قدر عمومیت کی وجہ سے خدانخواستہ ہم ان کے بارے میں اخلاص کے قائل نہیں ہو سکتے، بلکہ بجز اس کے یہ تحریر کرنے کی گنجائش محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے بینکار حضرات شرعی احکام سے زیادہ بینکاری ضرورتوں کی رعایت اور سہولت کے فلسفہ پر عمل پیرا ہیں، اس لئے ہم ان کی سرگرمیوں کو "اسلامی" نہیں کہہ سکتے۔

آٹھویں وجہ: اسلامی بینکاری کا خطرناک سودی حیلوں پر انحصار:

ہمارے مخدوم مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی پیروی اور اتباع کی طرح ہمارے محققین اسلامی بینکاری کو اس حقیقت کا اعتراف اور اقرار کرنا پڑا ہے کہ اجارہ اور مرابحہ کوئی مستقل حقیقی اسلامی طریقہ ہائے تمویل نہیں بلکہ مشارکہ اور مضاربہ کی اصل منزل تک پہنچنے کیلئے اجارہ و مرابحہ کو عارضی و عبوری تمویلی ذرائع کے طور پر اختیار کیا گیا تھا، اجارہ اور مرابحہ کا طریقہ تمویل روایتی سودی سرمایہ کاری کے طریقوں کے ساتھ گہری مناسبت اور مشابہت رکھتا ہے، معمولی سے بے احتیاطی سے اجارہ و مرابحہ کے نام پر ہونے والی سرمایہ کاری تمام تر سودی سرمایہ کاری بن جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ اور اجارہ کی حیثیت محض "حیلہ" کی ہے یعنی اجارہ اور مرابحہ روایتی طرز پر سرمایہ کاری کرتے ہوئے سود اور سودی لعنت سے بچنے کیلئے "حیلے" کا کام دیتے ہیں اور ہم اس کو دو بنیادی وجوہ سے ناجائز اور غیر شرعی سمجھتے ہیں۔

ایک یہ کہ حیلوں کو مستقل نظام کی حیثیت سے معمول بنا لینا قانون شریعت کے خلاف ہے، اگر یہ رجحان معمول ہو گیا تو پھر حیلوں کے ذریعہ ساری شریعت بدل دی جائے گی۔

دوسری وجہ یہ کہ حیلہ بھی وہ حیلہ یعنی ایسا حیلہ جو سودی معاملات کی مارکیٹ میں عام کیا جا رہا ہے جس کی مخالفت دو وجہ سے ہوتی ہے: ایک تو محض حیلہ کی خرابی اور دوسرے سودی معاملات کیلئے حیلہ سازی، اہل علم جانتے ہیں کہ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بیع عینہ" پر شدید نکیر کیوں فرمائی تھی اور اسے "کامثال الجبال" (پہاڑ کی طرح) کیوں قرار دیا تھا اور اس لئے کہ یہ سود خوروں کا گھڑا ہوا حیلہ ہے جو سود کے گناہ سے بچنے کیلئے اختیار کیا جاتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

خلاصہ:

یہاں پر ہمیں اپنے "اسلامی" بینکاروں سے گلہ یہ ہے کہ ہمارے بعض علاقوں میں "بیع عینہ" کے ذریعے سود در سود تک مقاصد حاصل کیے جائیں تو وہ ناجائز ہوتا ہے، اور "پٹھان کا سود" کہہ کر اس کا مذاق بھی اڑایا جاتا ہے، اور آپ سود در سود تک مقاصد کے حصول کیلئے مرابحہ اور اجارہ کو بطور حیلہ اختیار کریں۔ تو وہ "اسلامی بینکاری" بن جاتا ہے، اسلامی معاملات اور روشن خیالی کا تقاضا یہ ہے کہ یا تو دونوں کو "سود" کہیں یا دونوں کو اسلامی بینکاری کہیں۔ واضح رہے کہ ہمارے ان بعض علاقوں میں "بیع عینہ" کی مروجہ صورت سود ہی کی تجارتی تکنیک کیلئے شرعی حیلہ اپنایا جاتا ہے اور وہ لوگ "ملا صاحب" کہتے ہیں ان کیلئے اس کو انتہائی حقیر اور ہلکا سمجھا جاتا ہے۔

انصاف پسندی کی توقع ہے:

ہم اسلامی بینکاروں کے محترم قائدین، تحقیق اور دیانتداری، جدت فکر و نظر، انصاف پسندی اور علم دوستی سے یہ توقع اور امید رکھتے ہیں کہ وہ "بیع عینہ" کے بارے میں "فقہ حنفی" کے مدون و مرتب، ترجمان مذہب نعمانی امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ کے اس رائے کی بنیاد کو صحیح تسلیم فرمائیں گے، اور اجارہ و مرابحہ کو رواجی سودی طریقوں سے دور بینکاری کرنے کیلئے جو حیلے بنائے اور بتائے ہوئے ہیں امام موصوف کے سخت گیر موقف کو سامنے رکھیں گے کیونکہ ہمارے ان بزرگ حضرات نے رواجی تمام تر سود اور ناجائز معاملات سے بچانے کیلئے "امام ابو یوسف رحمہ اللہ" کا مرجوح کالمعدوم قول بھی بڑی قدر دانی کے ساتھ اس لئے قبول کیا تھا اور اسے اسلامی بینکاری نظام میں مستقل شعبہ کی بنیاد بھی قرار دیا تھا کہ وہ "مرجوح کالمعدوم" متروک اور مجروح نہ ہونے کے باوجود کسی صاحب علم کا قول ہے جسے حضرات مع کے صیغے کے ساتھ "بعض مالکی علماء کی رائے" کے طور پر تحریر فرمایا گیا تھا۔

امید ہے کہ کوئی بھی مسلمان امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ کے مذکورہ موقف سے چشم پوشی نہیں کرے گا مروجہ اسلامی بینکاری نظام کے امام محمد کے موقف کی پیروی کرتے ہوئے اجارہ اور مرابحہ کو بطور طریقہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تمویل الحقیقی کرنے کو جائز بلکہ خلاف شرع اور "اقرب الی الحرام" کہیں تو وہ ہمیں معذور جانیں گے، کیونکہ ہمیں بھی وہی اعتراض ہے جس کی بنیاد پر ہم مروجہ اسلامی بینکاری کو شریعت کے خلاف قرار دے رہے ہیں۔

نویں وجہ: بینکنگ اور شرکت و مضاربت کا مزاجی بُعد:

اگر مروجہ اسلامی بینکاری کو اس کی حقیقی بنیادوں (مشارکہ و مضاربہ) پر چلایا جائے تو پھر ہمیں اسلامی بینکاری کے معاملات سے اصولی وفقہی بحثوں کی ضرورت نہیں رہے، کیونکہ مضاربہ اور مشارکہ کی شرعی بنیادوں پر حقیقی کاروبار ہو سکتا ہے اگر اس سے شرعی تقاضے پورے کئے جائیں تو اس کا نام بینک رکھیں یا کچھ اور بہر حال جائز صورت کہلائے گی اور نام کی حد تک لفظی غلطی کا عذر کیا جا سکے گا۔ بہر حال شرکت و مضاربہ کی بنیاد پر حقیقی کاروبار کرنے کی صورت میں اصولی اختلاف نہیں ہے، اس لئے صرف جزئیات اور تفصیلات کی تحقیق سے ہوگی جیسا کہ ہم شروع میں مشارکہ مضاربہ کے زیر عنوان بطور مثال چند قابل اشکال جزئیات کی نشاندہی کر چکے ہیں۔

البتہ مشارکہ و مضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کے حوالے سے فی زمانہ ایک اصولی اشکال بھی رہے گا کہ بینکنگ اور مشارکہ و مضاربہ اپنے مزاج کے اعتبار سے یکجا نہیں ہو سکتے۔ اگر آپ بینکنگ کے مطلوبہ طریقہ کار کے مطابق سرمایہ کاری کرنا چاہیں تو مشارکہ و مضاربہ کے تقاضوں اور قاعدوں کی رعایت مشکل ہے اور اگر صحیح مشارکہ و مضاربہ کی بنیاد پر آگے بڑھنا چاہیں تو بینکنگ کے اہداف اور ضابطوں کی رعایت بھی نہ کر سکیں گے۔ (تمام تفصیل فی موضعہ)

اس لئے اگر کوئی محقق ہم سے اسلامی بینکاری میں مشارکہ و مضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کا حکم پوچھے تو ہم فی الحال سرمایہ کاری کے موجودہ مروجہ طریقے کو بینکاری ہی کہیں گے، مشارکہ اور مضاربہ نہیں کہیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

"إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ۝ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (زمر ۲،۳)

وان الله تعالى اغنى الشركاء عن الشرك، فدعه كذلك

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

بعض حضرات کے مروجہ اسلامی بینکاری کے جواز کے فتوے پر اصولی اشکال:

مروجہ اسلامی بینکاری کی حمایت و تائید اور جواز میں جن بعض اہل علم کے فتوے سامنے آئے ہیں، وہ اصولی طور سے قابل عمل نہیں ہیں۔

الف: یہ فتویٰ سے متعلقہ اور مقررہ طریقہ یعنی جمہور اہل فتویٰ کی مشاورت اور تائید سے عاری ہیں، یہاں تک کہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے بنائی گئی مشاورتی مجلس کے شرکاء بھی پوری طرح اس نظام سے مطمئن اور متفق نہیں ہوپائے تھے، ان کے عدم اطمینان کی طرف توجہ بھی نہیں فرمائی گئی تھی، البتہ وہاں پر موجود بینکاروں کی رعایت ضرور فرمائی گئی تھی۔ (احسن الفتاویٰ، ج:۷، ص:۱۱۹، ط: سعید)

ب: یہ فتویٰ اپنے اکابر کے طرز فتویٰ سے ہٹ کر دیا گیا ہے، ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں ظاہر تھی، آزادی سے احتیاط، تقویٰ اور تورع کا عنصر نمایاں پایا جاتا تھا، "حیلہ ناجزہ" اس کی واضح مثال ہے، حالانکہ حضرت تھانوی قدس سرہ اجتہاد کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے، ان کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا، اپنے اکابر کے طرز فکر و عمل پر چلتے ہوئے فتویٰ دینا، ان سے وابستہ حلقے کے لوگوں کو چاہیے تھا کہ وہ اپنے اکابر کے طریقے کو محفوظ رکھتے، اور آزاد خیال علماء کرام کا طرز فکر نہ اپناتے، اگر آزاد خیال اور ظاہر بین علماء کرام کے طرز فکر کو اس طرح سہارا ملتا رہا تو ان کے آزاد اور خلاف شریعت اثرات سے ہمارا نظام محفوظ نہ رہے گا اور نہ ہی ان حضرات کو ان کے طرز فکر سے آزاد خیال اور ظاہر بینی کو "بلائے" کا دروازہ کھولنے سے روکا جاسکے گا۔

ج: یہ فتویٰ تفقہ کے اصولوں کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس فتویٰ میں زور دار انداز میں "مذہب غیر" سے تعلق اور اصول "الضرورات تبیح المحظورات" کی رخصت کا دائرہ عام کیا گیا ہے، اگر یہ دائرہ عام کرنا درست ہوتو فقہ کے اصول کی روح ختم ہو جائے گی اور اس کا وہ انجام سامنے آئے گا جس کی نشاندہی ہمارے اکابر فرما چکے ہیں، یعنی دین ایک کھیل اور تماشہ بن کر رہ جائے گا، اگر یہ طرز فکر درست قرار پا جائے تو اس اسلام کی صفوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جو بھی نقطہ نظر اسلام اور مذہب عالم کے بارے میں رکھتے ہیں اور اس کی تشہیر اور ترویج کیلئے کوششیں بھی ہو رہی ہیں، انہیں یاد رہنا چاہئے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کسی سیلاب کے سامنے بند باندھنا آسان ہوتا ہے مگر اس کا رخ موڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

۵: مذکورہ فتوی میں تقلید اور عرف کو معاملات میں "توسع" کا نام دیا گیا ہے، حالانکہ اہل فتوی پر "ترجیح" کی بجائے "توسط" لازم ہے یعنی "جمہور" کا طریقہ ہے۔

وفی الموافقات للشاطبی:

"المسألة الرابعة: المفتي البالغ ذروة الدرجة هو الذي يحمل الناس على المعهود الوسط فيما يليق بالجمهور، فلا يذهب بهم مذهب الشدة ولا يميل بهم إلى طرف الانحلال. والدليل على صحة هذا أنه الصراط المستقيم الذي جاءت به الشريعة فإنه قد مر أن مقصد الشارع من المكلف الحمل على التوسط من غير إفراط ولا تفريط، فإذا خرج عن ذلك في المستفتين خرج عن قصد الشارع ولذلك كان ما خرج عن المذهب الوسط مذموماً عند العلماء الراسخين..."

وفیہ ایضاً:

"وقد تقدم أن اتباع الهوى ليس من المشقات التي يترخص بسببها... وأن الشريعة حمل على التوسط لا على مطلق التخفيف وإلا لزم ارتفاع مطلق التكليف من حيث هو حرج ومخالف للهوى ولا على مطلق التشديد"

(الموافقات للشاطبی ج۴ ص [illegible] ط: دار احیاء التراث العربی)

وفی الترجیح:

واضح رہے کہ حرج شرعی کے متحقق ہونے کے بعد شرعی دلائل سے ثابت تخفیف اور عدم تشدید کے حسب حال قائل ہیں، مگر [illegible] حرمت اور تشدید سے اصولی اجتناب پر سب کا اتفاق ہے، فی الوقت جو اختلاف ہے تخفیف اور تشدید کی وسعتوں کے بارے میں ہے، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ بعض ایسے حضرات بھی ہیں جو آئین کے ہوتے عوام الناس پر متعلقہ قوانین اور معیار کے مطابق لازم ہیں، مگر ایسے معاملات سے گزرنے کیلئے ضرورت یا حاجت سمجھتے ہوئے گزرنے کی اجازت کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سب جائز ہوگئی ہیں مثلاً بعض مجبوری "اپنی رقم" محفوظ رکھنے، رقم کی منتقلی اور تحفظ کیلئے کسی بینک کی خدمات حاصل کرنا ہوتی ہیں اور کسی کیلئے بینک کی خدمات اور سہولیات سے وابستہ ہونا، اسی طرح شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ کیلئے تصاویر کا استعمال بقدرِ ضرورت مباح شمار ہوتے ہیں اور سب علماء اس کو مباح کہتے ہیں اور یہی کہتے ہیں ان امور میں جس پیش آمدہ جائز امور کا وبال ان قوانین کے بنانے والوں پر ہے۔

الغرض اس ضرورت کی حد تک مسلمان کا تعلق کسی بھی بینک سے ہو تو مباح ہوگا، خواہ وہ "حبیب بینک" ہو یا "مسلم کمرشل" ہو یا کوئی اور بینک، اس ضرورت پر اگر کوئی مزید تحقیق کیلئے اصرار کرتے ہوئے ہوئے کہ ایسے لوگوں کو مجبوری اور بعض کی طرف بھی دوسری اجازت بھی ہونی چاہیے اور اس سلسلہ میں پیش آنے والی ہر بدعت کو "توسیع" کہہ کر نظر انداز کر دینا چاہیے تو ہمارے خیال میں یہ اصرار نتیجۃً صرف فتویٰ کے اصولوں سے ناواقفیت ہی نہیں بلکہ مقاصد شریعہ اور صراط مستقیم کے اقتضاء کے منافی بھی ہے۔ پس اصول افتاء کی رو سے مذکورہ فتویٰ قابل عمل نہیں ہے، اس لئے اس "فتویٰ" کو "فتویٰ" یا علیٰ سبیل التنازل "رائے" کا درجہ دیتے ہوئے درج ذیل چند اعتراضات کئے جا سکتے ہیں۔

۱: اگر مذکورہ فتویٰ کو فتویٰ اور رائے کے درجہ میں اہل علم تسلیم فرمالیں تو بھی وہ فتویٰ اصولاً قابل عمل نہیں ہوگا کیونکہ جس مسئلہ میں اہل علم اور ارباب فتویٰ کے درمیان اختلاف ہو جائے ایک فتویٰ جواز بتاتا ہو اور دوسرا فتویٰ عدم جواز بتاتا ہو تو اصولاً عدم جواز والا فتویٰ راجح ہوگا، اس کی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ کسی مباح کام کو بھی اگر ترک کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اگر کسی کام کا جائز ہو اور اسے کیا جائے تو اس میں حرج ہی حرج ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس معاملہ کی حلت و حرمت اور جواز و عدم جواز میں دلائل کی بنیاد پر علماء کرام کے درمیان اختلاف ہو جائے تو وہ معاملہ اگر اصولاً مکمل طور پر حرام یا مکمل طور پر حلال نہ کہا جا سکتا ہو تو مشتبہات میں سے ضرور شمار ہوگا، پس "مشتبہ" معاملہ کو جائز و مباح کہہ کر پیش نہیں کیا جا سکتا، بلکہ مشتبہ کی حیثیت سے اس معاملہ سے بچنا ہی شریعت کا تقاضا رہتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم

وعن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ ﷺ الحلال بین والحرام بین وبینہما مشتبہات لا یعلمہن کثیر من الناس فمن اتقی الشبہات استبرء لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام، کالراعی یرعی حول الحمی یوشک ان یرتع فیہ الا وان لکل ملک حمی الا وان حمی اللہ محارمہ ..... الحدیث

(مشکوٰۃ المصابیح: ۲۴۱، قدیمی کراچی)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حلال ظاہر ہے حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے لہٰذا جس شخص نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو پاک و محفوظ کر لیا (یعنی مشتبہ چیزوں سے بچنے والے کے دین میں کسی قسم کی برائی کا خوف رہے گا اور نہ کوئی اس پر طعن و تشنیع کرے گا) اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہوا وہ حرام میں بھی مبتلا ہو گیا اور اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو ممنوعہ چراگاہ کی حد کے قریب چراتا ہے اور ہر وقت اس کا امکان رہتا ہے کہ اس کے جانور اس ممنوعہ چراگاہ میں گھس کر چرنے لگیں یاد رکھو! ہر بادشاہ کی ایک ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چراگاہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں"

(ترجمہ از مظاہر حق جدید ج ۳ ص ۴۲ طبع دارالاشاعت)

اس حدیث کے ذیل کی تشریح میں شارح فرماتے ہیں:

"حلال ظاہر ہے ۔۔۔۔ اسی طرح حرام ظاہر ہے ۔۔۔۔۔۔ البتہ کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی حرمت یا حلت کے بارے میں دلائل کے تعارض کی وجہ سے کوئی واضح حکم معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے یا حلال؟ ۔۔۔۔"

بہرحال ایسی مشتبہ چیز کے بارے میں علماء کے تین قول ہیں:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

١۔ اس چیز کو حلال سمجھا جائے نہ حرام اور میرے نزدیک یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا بھی ہے۔ یعنی یہ مطلب ہے کہ اس چیز سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

٢۔ اس چیز کو حرام سمجھا جائے۔

٣۔ اس چیز کو مباح سمجھا جائے۔

(انعام الباری جلد ۶ کتاب البیوع شرح حدیث ص ۳۳۲ ط: دارالاشاعت کراچی)

حضرت نعمان بن بشیرؓ کی مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ہمارے مخدوم مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے اپنے بے مثال انداز اور عالمانہ شان کے مطابق بہت ہی عمدہ اور تفصیلی گفتگو کی ہے۔

"اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے "مشتبہات" سے بچنے کا جو حکم دیا ہے بعض حالات میں یہ حکم وجوبی ہے اور بعض حالات میں یہ حکم استحبابی ہے۔ اگر ایک عالم یا مجتہد کسی چیز کی حلت اور حرمت کی تحقیق کر رہا ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے اور اس تحقیق کرنے کے نتیجے میں اس کے سامنے دونوں قسم کے دلائل آئے اور موازنہ کرنے کے نتیجے میں دونوں طرف کے دلائل وزن کے اعتبار سے برابر معلوم ہو رہے ہیں اور کسی ایک جانب ترجیح قائم نہیں ہو رہی ہے۔ ایسی صورت میں وہ چیز مشتبہ ہوگی۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس عالم اور مجتہد کو چاہئے کہ جانب حرمت کو ترجیح دیتے ہوئے اس کی حرمت کا فیصلہ کرے اس لئے اس صورت میں مشتبہ سے بچنے کا حکم "وجوبی" ہے۔

یا مثلاً ایک عام آدمی نے کسی مسئلے پر دو عالموں سے فتویٰ حاصل کیا، ایک عالم نے جواز کا فتویٰ دیا اور دوسرے عالم نے عدم جواز کا فتویٰ دیا، اگر اس (عامی) کی نظر میں دونوں عالم اپنے علم اور تقویٰ کے اندر برابر ہیں تو اس صورت میں اس عامی پر واجب ہے کہ وہ اس عالم کے فتوے پر عمل کرے جو عدم جواز کا فتویٰ دے رہا ہے، اس لئے کہ اس صورت میں وہ مسئلہ "مشتبہات" میں سے ہو گیا اور ایسا مشتبہ ہے جس سے بچنے کا حکم "وجوبی" ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

(آگے مزید فرماتے ہیں کہ) اور اگر ...... جانب حلت کے دلائل، حرمت کے دلائل کے مقابلے میں زیادہ قوی اور راجح ہوں تو اس صورت میں ایک عالم اور مفتی حلت کے دلائل راجح ہونے کی وجہ سے فتویٰ تو اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دیدے گا، لیکن چونکہ جانب حرمت پر بھی کچھ دلائل موجود تھے جس کی وجہ سے وہ مسئلہ "مشتبہ" ہو گیا، لیکن ایسا "مشتبہ" ہے جس سے بچنے کا حکم استحبابی ہے، لہٰذا تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ تقویٰ کی بنا پر اس سے پرہیز کرے اور جانب حرمت پر عمل کرے۔

(تقریر ترمذی حصہ معاملات ج ۱ ص ۳۰، ۳۱ ط میمن پبلیشرز کراچی)

آگے مثال کے ذریعے وضاحت فرماتی ہے کہ انگریزی روشنائی سے متعلق حضرت تھانوی کا ابتداء میں جانب حلت کی طرف رجحان تھا، اس کے باوجود حضرت تھانوی نے کبھی انگریزی روشنائی استعمال نہیں فرمائی، کیونکہ اختلاف ہونے کی وجہ سے "مشتبہ" ہو گیا تھا اور ایسا کہ جس سے بچنا محض استحبابی تھا مگر اسوۃ العلماء مقتدیٰ حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے عمر بھر انگریزی روشنائی سے اجتناب فرمایا۔

(تقریر ترمذی ص ۲۷۸، ۲۷۹)

اس تفصیل کی روشنی میں ہم اپنے بینکاروں کی خدمت میں چند الوداعی باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ اسلامی بینکاری کے حوالے سے آپ کی رائے اگر ادنیٰ یا اتفاقی حیلہ بازیوں اور مرجوح اقوال پر مبنی ہے جبکہ آپ سے اختلاف رکھنے والے حضرات کی رائے صریح نصوص اور واضح فقہی اصول اور احکام پر مبنی ہے، تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ سے اختلاف رکھنے والے افراد کی رائے کو ترجیح حاصل ہو۔

۲۔ زیر بحث معاملہ کی حیثیت واضح ہے کہ یہ "سود" جیسا خطرناک موضوع ہے۔ یہاں آپ کی رائے جواز تک کی ہے جبکہ آپ سے اختلاف رکھنے والے اہل علم کی رائے عدم جواز اور سود قرار دینے کی ہے۔ سود سے متعلق وعیدوں اور سود کو مباح کرنے والے مجرموں کا تقابل کیا جائے تو آپ سے اختلاف رکھنے والے اہل علم کی رائے کو ترجیح دینا عین شریعت اور تقاضائے احتیاط کے عین مطابق ہوگا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

س۔ اگر تحقیق حضرات کو "حسن ظن پر مبنی تفردات" کے ذریعہ یہ منوا لیا جائے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کو جواز فراہم کرنے والے دلائل مستحکم ہیں اور انہیں تحقیق کے خلاف دیئے جانے والے دلائل قوت اور وزن میں بالکل برابر اور یکساں ہیں اور یہ قضیہ ترجیح کیلئے آپ کے علم اور تقویٰ کی عدالت میں آ جائے تو آپ کا علم اور اجتہاد کس جانب فیصلہ ترجیح کرے گا؟؟

ہمارا حسن ظن ہے کہ آپ روایت پر تقویٰ کا مظاہرہ فرماتے ہوئے جانب حرمت ہی کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان پر ترجیح میں تقویٰ کے تقاضے حائل ہو رہے ہوں تو ہمارے محمد و محترم و معظم کی رائے کے احترام میں ان "مشتبہات" کے درمیان حائل ہونے کے لئے ضرور رضامند ہوں گے اور مشتبہات کی بھی وہ قسم جس سے بچنے کا حکم حدیث میں ہے۔

س۔ اگر آپ کا علم و تحقیق اور دیانت و دیانت اپنی رائے کی تقویت اور ترجیح سے نہ ہٹنے دے اور آپ یہی اصرار کریں کہ جو کچھ آپ نے سمجھا وہ قوی ہے جو آپ فرما رہے ہیں اس کا نام معاملہ فہمی اور صحت و درستگی ہے جو آپ سے اختلاف رکھنے والوں کی رائے کے مقابل اقتضاء لائق عمل اور مستحق ترجیح نہیں ہے۔ لیکن کم از کم اتنا تو ہو گا کہ آپ تحقیق کے عدم جواز والے موقف کو "رائے" کی حیثیت سے تسلیم تو فرماتے ہوں گے اور تحقیق کی حد تک ہمارا بھی یہی حسن ظن ہے۔

اگر ہمارا حسن ظن درست ہو تو ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اسلامی بینکاری کے شریعت سے ہم آہنگ ہونے اور صحیح ہونے کی رائے آپ کے ہاں راجح قوی اور وزنی ہونے کے باوجود آپ سے اختلاف رکھنے والے جمہور علماء کی رائے کی موجودگی میں مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے ایک عام مسلمان اور متقی و مخلص کو کیا عمل کرنا چاہئے؟؟ کیا وہ مختلف فیہ مروجہ اسلامی بینکاری کا حصہ بن جائے یا اس سے پرہیز کرے اور جانب حرمت پر عمل کرے؟؟

ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ ہمارے بینکاری کے بارے میں ہمارے محترم و مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے علم و تقویٰ پر اعتماد ہیں اور حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہم کے اسوۂ حسنہ پر قدم بقدم چلنے والے...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تحقیق و تجزیہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ واضح ہو گیا کہ اسلامی بینکاری کے عدم جواز کے قائلین کی رائے کی ضعف اور کمزوری کے باوجود (علی تحقیق التنزل) اسی کو اختیار کیا جائے گا، کیونکہ وہ جانب حرمت پر مشتمل ہے اور اس سے پرہیز کو تحقیق (ا) میں "احتیاط" ہونے کے باوجود ہمارے اسلاف کا طرز عمل ہے۔ اس لئے مروجہ اسلامی بینکاری سے پرہیز کرنا علمائے کرام، طلباء اور مفتیان کے شایان شان اولین تقاضا ہے، کیونکہ ہمارے بعض بینکار حضرات کو کمزوری بھی "مولانا اور مفتی" بھی کہلاتے ہیں، بالفاظ دیگر مروجہ اسلامی بینکاری کے جواز کو راجح سمجھنے والوں کو اپنا یہ ہے کہ کسی بینکر کے تعاون میں رخصت کی گنجائش بیان ہوتا ہو، لیکن حضرت مولانا مدظلہم اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہم کے ارشادات اور تحریرات کی رو سے امت مسلمہ کے کسی عالم دین اور مفتی کے لئے مروجہ اسلامی بینکاری کا حصہ بننے یا حمایت اور تائید پر کمربستہ ہونے کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ اسلامی بینکاری کا حصہ بننا خلاف تقویٰ تو بہر حال ہے۔

پس ہم اپنے مجوزین بینکاروں سے یہ عرض کرنا خیر خواہی اور تذکیر سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے ان حضرات اکابر کے قول اور عمل پر بھی غور فرمائیں۔ حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کے قدم اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے طرز عمل سے اگر بے اعتنائی برتی جائے تو یہ احسان فراموشی اور حد درجہ بے مروتی ہوگی کیونکہ آپ کی مروجہ بینکاری کی بنیاد انہی حضرات کی توثیق پر ہے۔

۱۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بعض اقوال اور تحریریں۔

۲۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی وہ "تحریرات" جو معاملات کے باب میں لکھی گئی ہیں۔

چنانچہ اگر ان دونوں کے اقوال، عمل اور تحریر سے پہلو تہی کی جائے تو پھر آپ کے پاس "اسلامی بینکاری" کے جواز کی بنیاد کیا باقی رہ جاتی ہے۔

اگر اب کے حضرات مجوزین وقت کی شیخ عالی پر نظر دوڑائیں تو ان کے ذوق اتقاء کی نذر کرنے کے لئے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی یہ تحریر "تحفہ" کے طور پر پیش خدمت ہے:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مقدمہ رابعہ: اگر کسی جائز قول یا فعل میں دوسرے کے لیے سبب وقوع فی المعصیت کا ہو جاوے اور وہ حد ضرورت تک نہ پہنچتا ہو تو اس کا ترک اس پر واجب ہے، وفی کثیرہ اطلاعی اس اصل پر متفق ہے۔

مقدمہ خامسہ: جواز حقیقی تہمت و بدنامی سے بچنا ضروریات میں سے ہے۔

مقدمہ سادسہ: اسباب نہی کے مختلف و متعدد ہو سکتے ہیں تو ایک کے رفع ہونے سے باقی کا رفع لازم نہیں آتا، وھذا ظاہر۔

مقدمہ سابعہ: کسی کے فتویٰ جواز کے بعد اس فعل کو ترک کرنا صاحب فتویٰ کی مخالفت نہیں ہے، البتہ فتویٰ وجوب کے بعد اس فعل کو ترک کرنا یا فتویٰ حرمت کے بعد اس فعل کا ارتکاب کرنا بیشک مخالفت ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۷۵: مکتبہ دار العلوم کراچی)

واضح رہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی یہ عبارت رسالہ "رفع الضنک عن منافع البنک" کے ذیلی عنوان درج ہوئی ہے، اس تحریر کے بارے میں حضرت نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

"یہ رسالہ جیسا فقیر سے سود لینے کے مسئلہ میں میری آخری تحقیق ہے، اگر کوئی تحریر میری اس کے خلاف کبھی پائی جاوے وہ سب اس سے منسوخ (یعنی مرجوع عنہ) ہے۔ ۱۲ اشرف علی"

فاستفت فی مسائلک نفسک، واقض لنفسک ما انت قاض لها. فھنا أنا لا أسوق إلى حضرتکم السانية بالمزيد الا ما ساق الشاطبي تحت عنوان المسألة الثالثة ... وهي: إن الفتيا لا تصح من مخالف لمقتضى العلم نقلاً عن أبي الأسود الدؤلي:

ابدأ بنفسک فانهها عن غیها ... فإذا انتهت عنه فأنت حکیم

فهناک یسمع ما تقول ویقتدی ... بالرأی منک وینفع التعلیم

لا تنه عن خلق وتأتی مثله ... عار علیک إذا فعلت عظیم

(الموافقات للشاطبي ج ۴ ص ۱۹۹-۲۰۳، ط دار احیاء التراث العربی لبنان)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جدید اسلامی بینکاروں کے بعض اصولی و عمومی اشکالات اور ان کے جوابات

تمہید

مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ جب بھی کسی صاحب علم اور ذی فہم نے اس نظام پر اعتراض کیا یا اشکال اور تحفظات متعلقہ لوگوں کی خدمت میں پیش کیا تو اسے یا تو بے تحقیق اور غیر مقبول کرتے ہوئے قابل التفات ہی نہیں سمجھا گیا یا مروجہ بینکاری نظام پر اشکال اور تحفظ "اسلامی نظام" پر اعتراض قرار دیا جاتا تھا اور معترضین کو "اسلامی نظام" کی ترویج و تحقیق کے بدخواہوں کی صفوں میں شمار کیا جانے لگا۔ اس کے باوجود جب یہ سلسلہ ختم نہ ہوا تو بجائے اصلاح کے کچھ روایتی اشکالات تیار فرمائے گئے ان روایتی اشکالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے اسلامی بینکاروں کے نزدیک اسلامی بینکاری کے قابل اصلاح امور پر توجہ سے زیادہ اہم یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے معترضین کے کھلے ہوئے منہ بند ہو جائیں۔ یہاں چند اشکالات اور ان کے جوابات ملاحظہ ہوں:

پہلا اشکال: نہ کھیلیں گے نہ کھیلنے دیں گے!

معترضین کے جملہ اعتراضات کا اصل مقصد فقط یہ ہے "نہ کھیلیں گے نہ کھیلنے دیں گے"۔

جواب: جناب! جو کھیل آپ کھیلنا چاہتے ہیں کھلے عام آزاد ہو کر کھیلیں "بینک اسلامی" میں کھیلیں کھیل کے لئے صحیح مذہب کو استعمال نہ فرمائیں۔ قرآن، حدیث اور فقہ کو کھلونا نہ بنائیں۔ اگر آپ نے آزادانہ کھیل کر کھیل کے لئے دینیات کو کھلونا بنائیں گے تو ہمارا یہ طالبانہ ضد سے قطعاً نہیں ہٹے گی۔

دوسرا اشکال: اعتراض کی بجائے غلطیوں کی نشاندہی کی جائے!

"ہماری غلطیوں پر تنقید کرنے کی بجائے غلطیاں بتائی جائیں کہ ہمارے پیش کردہ نظام کو چھوڑ دو یا تم کوئی متبادل پیش کرو ورنہ اسے یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جواب: یہ اعتراض بھی بالکل حقیقی ہے کیونکہ مروجہ اسلامی بینکاری کے لئے جو مروجہ اسلامی تمویلی طریقے ہمارے ان معزز بزرگوں اور دوستوں نے اپنی علمی تحقیق اور خداداد صلاحیت سے استنباط کرتے ہوئے تیار فرمائے ہیں۔ یہ خدمت نہ تو عام علماء کی سطح کے لئے ممکن تھی اور نہ ہی عجمی علماء کی روایتی سمجھ ان کی متحمل ہو سکتی تھی، اس لئے آپ کے معترضین کو اس حقیقت کا اعتراف اور اقرار ہونا چاہئے کہ وہ مروجہ بینکاری کے جواز کی آپ جیسا اطمینان بخش تحقیق نہیں کر سکتے۔

وہ اگر آپ روایتی بینکاری کو متبادل شرکت و مضاربت اور اجارہ و مرابحہ جیسی فقہی اصطلاحوں اور شرعی معاملوں کو سمجھتے ہیں تو ان اصطلاحوں اور معاملوں کو آپ کی طرح باقی روایتی علماء بھی سمجھ سکتے ہیں اور ان معاملات کے سارے اصول اور فروع سے واقفیت رکھتے ہوئے آپ کی تابعداری اور پیروی کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔

ہاں اگر آپ ان اصطلاحوں کے کسی ایسے مطلب اور مفہوم کے روادار ہیں جو روایات کے ذخیرہ میں مفقود ہے اور ضرورت کے میدان میں ہی گھڑا ہوا ہے تو وہاں کے لئے آپ کو "بہ داماں خود" ہی کے رو وقت میں پڑ رہا ہو گا اور باقی ان کی طرح آپ کو ساتھ نہیں دیں گے، باقی جہاں تک "غلطیوں کی تصحیح" کا تعلق ہے اس حوالے سے بات ہو سکتی ہے کہ اس تجدید اور تصحیح سے جہاں آپ کے مخالفین کی تعداد بڑھتی ہے اور کئی نئی باتیں اور بہت سے مسائل کی طرف رہنمائی "بھی" آ رہی ہے۔

دوسرے یہ کہ غلطیوں کی تصحیح "آپ کی ذمہ داری نہیں بلکہ آپ کا "زعم باطل" ہے اگر آپ سنجیدگی سے کسی کی بات سننے کی تیاری ہی نہیں رکھتے تو مشاورت مشکل ہے، اگر گستاخی معاف فرمائیں تو آپ کی غیر سنجیدگی کی نشاندہی بھی کی جا سکتی ہے کہ جب "بینکاری" کے حوالے سے کوئی ماہر بینکار جو بینک کے نظام کو آپ سے زیادہ سمجھتا ہے اور اس کی باریکیوں سے واقف ہے وہ کسی غلطی کی نشاندہی کرے تو آپ اسے یہ کہہ کر خاموش کرنے کی کوشش فرماتے ہیں کہ یہ جناب ایک سودی نظام ہے، آپ اسلام اور فقہ کے بارے میں علم نہیں رکھتے اس لئے آپ کی بات قابل قبول نہیں ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر کوئی اسلام اور فقہ کا ماہر آپ کے متبادلات اور استدلالات پر اعتراض کرے اور آپ کی فقہی تخریج اور تحقیق میں موجود غلطی کی نشاندہی کرے تو آپ اس بات کو اس لیے قابل توجہ نہیں سمجھتے کہ یہ روایتی فقہ کا ماہر ہے، بینکنگ اور عصری تقاضوں سے ناواقف ہے اور نظام کو نہیں سمجھتا۔

سوال یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری میں کس کے "علم" پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اگر آپ یہ فرمائیں کہ اس شعبے میں صرف انہی لوگوں کی بات معتبر ہے جو عملی طور پر "مروجہ اسلامی بینکاری" سے وابستہ ہیں تو یہ بھی اشکال سے خالی نہیں، کیونکہ ایسے لوگوں کی کسی مروجہ اسلامی بینک کے بارے میں اعتبار کرنا مشکل ہے اس لیے کہ صاحب معاملہ کی اپنے حق میں رائے اور شہادت قبول نہیں کی جا سکتی، بالخصوص جو افراد عملاً اسلامی بینک کے تنخواہ دار ملازم ہوں، وہ بینک کے حق میں ان کی رائے کو کیسے مانا جا سکتا ہے، مفادات کی وابستگی کی وجہ سے وہ "موضع تہمت" میں ہیں خواہ وہ عام ملازمین ہوں یا شریعہ ایڈوائزر، سب کا بینک کے ساتھ مفاداتی رشتہ قائم ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص موجودہ بینکوں سے وابستہ رہ کر الگ ہو چکا ہو تو "معتبر" ہونے کی وجہ سے ان کی رائے کا صحیح یا صواب و درست ہوگا۔

وہ کون ہیں جو صحیح معنوں میں مروجہ بینکاری اور فقہ دونوں کو اچھی طرح جانتے ہوں تو ان کی حقیقت پسندانہ موقف اور صحیح تجزیہ بالکل سامنے آنا چاہیے۔ ہمارے خیال میں ایک ہستی شیبانیٔ وقت فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ہیں، موجودہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے جو حقیقت پسندانہ تجزیہ، جو تحفظات اور تحقیقیں دیے تھے، حضرت مولانا مدظلہم کے ہم تک پہنچے ہیں اور ہم نے شروع میں ان کا حوالہ بھی دیا ہے، انہی تصریحات کو سامنے رکھتے ہوئے مروجہ اسلامی بینکاری کے حال اور مستقبل کے بارے میں رائے قائم کی جائے تو یہی انصاف ہوگا۔

نمبر ۱۱ سوال: محترم! آپ یہ سوال پیش فرمائیں؟

یہ سوال درحقیقت پہلے سوال کا تتمہ ہے کہ اگر روایتی سودی بینکاری کا متبادل پھر کیا ہوگا؟ اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ کیا سمجھتے ہیں؟

جواب:

یہ اشکال بھی اپنی جگہ خوب وزنی ہے اور بعض ذہنوں میں مسلسل وارد ہو رہا ہے وہ یہ کہ مفتی کی ذمہ داری میں صرف یہ نہیں کہ وہ حرام و ناجائز کا حکم بتانے پر اکتفاء کرے بلکہ ناجائز کا جائز شرعی متبادل بتانا بھی مفتی کی ذمہ داری اور فرض کا حصہ ہے۔

جہاں تک بات ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اس اصل مسئلہ کے ساتھ قدرے تفصیل شامل فرما لیتے تو یہ وضاحت بھی ہو جاتی کہ ہر ناجائز کے متبادل کا لانا وجوباً ضروری بھی ہے یا نہیں؟ ہمارے خیال میں ہر ناجائز کا متبادل موجود ہونا شرعاً و عقلاً ضروری نہیں ورنہ لعنتوں کی وبا عام اور جرائم و معاصی کے سیلاب کے دور میں تو شریعت اسلامی سے "منہیات" کا حصہ غائب ہو جائے گا اور کوئی "ناجائز" رہے گا نہیں کیونکہ آج جو "سود" کے متبادل عام ہو رہے ہیں "سود" جیسی افادیت کا حامل متبادل چاہئے کل کو زنا کی وبا عام سے چھٹکارے کے لئے زنا کی افادیت و خصوصیات کا حامل جائز متبادل درکار ہو گا، بلکہ بعض حضرات علماء سود کی طرح "زنا" کے اسلامی متبادل لانے میں بھی پہل فرما چکے ہیں اور اسے "نکاح متعہ" کہہ کر اسلام سے اس کی اصل بھی بتائی جا رہی ہے۔ اگر ہر ناجائز اور حرام کے شرعی متبادل کا نظریہ ہم نے خلوص کے ساتھ قبول کر لیا تو پھر "منہیات الٰہیہ" کے بیخ و بن کے ساتھ ختم یا معدوم ہو جائے گا کیونکہ "منہیات الٰہیہ" میں سب سے بڑی "چٹان" ربوٰ (سود) کی شکل میں موجود تھی جب اسے ہم نے اپنی جگہ سے ہٹا دیا تو باقی منہیات تو "سود" کے مقابلہ میں کم درجہ کی منہیات ہیں کیونکہ سود کے بعد ... زنا ہے اور سود کا ادنیٰ درجہ زنا کے اعلیٰ درجہ (ماں کے ساتھ زنا) کے بعد شروع ہوتا ہے۔ (الحدیث ...)

ایمانی اور عقلی لحاظ سے ... کی ضرورت ... "ناجائز" کے علاوہ متبادل تک پہنچنے کے لئے اسلامی ... اور خلاف شرع ... کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے محفوظ رہیں، کیونکہ یہ طریقہ زور و شور سے خاص و عام میں رائج ہو رہا ہے، خدا نخواستہ ہم اپنے عزائم میں مخلص ہوتے ہوئے بھی کہیں ان حیلوں اور قول صواب کی خلاف ورزی کرنے والوں میں شامل نہ ہو جائیں: فاللہ سبحانہ تعالیٰ یقول:

"وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ" (سورہ یونس آیت ۱۵)

"فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ" (سورہ بقرہ آیت ۵۹)

والرسول ﷺ یقول: "لا ترتکبوا ما ارتکبت الیہود فتستحلوا محارم اللہ بادنی الحیل" (اعلام الموقعین، ص: ۱۶۲، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت، ابطال الحیل لابن بطہ ج ص ۴۷، بحوالہ موسوعۃ اطراف الحدیث ج ۷ ص ۱۰۰، ط دار الفکر بیروت)

وعن جابر فی حدیث ... قاتل اللہ الیہود، إن اللہ لما حرم شحومها أجملوه ثم باعوه فأكلوا ثمنه، متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۲)

(فیہ دلیل علی بطلان کل حیلۃ یتوصل بها الی الحرام، وما الی ذلک مما سابقا علی بطلان الحیل الغیر المرضیۃ أی المحرمۃ لدی الشریعۃ الاسلامیۃ)

خلاصہ:

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ حرام (شئ) کو حلال بنانا اور حیلہ کرنا بہت ہی خطرناک بات ہے، بلکہ دین اسلام کے عدل و انصاف کے خلاف بھی ہے، اس لئے فی الحقیقت یہ کہا جا سکتا ہے کہ "حرام" کا "جواز" کے لئے حیلہ نکالنا "تحریف" کی ایک صورت ہے، اس میں تخصیص فقہ پر کی ضرورت ہے، تخصیص کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب شریعت کے احکام میں رد و بدل ہو جائے تو اس کی اصلاح کر کے صرف و اعراض

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایسی بنیاد فراہم کرتی ہے "ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ" کے اصول کے مطابق اور امکانی حد تک متبادل کی سوچ کارآمد ہو سکتی ہے صورت دیگر یہی تصور رہ جاتا ہے جو جس سے ہمیں نصوص بالا میں ڈرایا گیا۔

اعاذنا اللہ جمیعا من ذلک

چوتھا اشکال: کیا اسلامی بینکاری کی کوشش تکلیف مالا یطاق ہے؟

کیا متبادل سودی نظام یعنی اسلامی بینکاری ناممکنات میں سے ہے؟ معترضین کے رویوں کا واضح مطلب یہی نکلتا ہے کہ متبادل سودی نظام ممکنات میں سے نہیں ہے اس لئے متبادل کی کوشش ہی فضول اور بے کار ہے۔ بلکہ اس کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں "سود" سے بچنے کا جو حکم دیا ہے وہ "تکلیف مالایطاق" ہے یعنی انسان کو ایسے کام کا حکم دینا اور پابند بنانا جو اس کی طاقت اور احاطہ قدرت سے باہر ہو، حالانکہ احکام الٰہیہ کے بارے میں یہ تصور باطل ہے۔ اگر "سود" سے بچنے کا حکم "تکلیف مالایطاق" نہیں ہے تو پھر سودی نظام کا متبادل بھی ممکن ہے اور ہم اسی ممکن کو زیر عمل لانے کے لئے منشاء خداوندی کے مطابق کوشاں ہیں۔

جواب:

اسلامی متبادل کے لئے موجودہ بنیادی معیار کے مطابق کوشش کرنا یقیناً قابل ستائش اور لائق اجر و ثواب ہے اس کوشش اور اپنے بزرگوں کے اخلاص وللہیت میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اسلام نے سودی نظام کا متبادل دیا ہے بلکہ متبادل کو خود قرآن کریم نے سود کی حرمت سے پہلے بیان فرمایا ہے "واحل اللہ البیع وحرم الربوا" اور معترضہ کا رونا یہی نہیں کہ اسلام نے متبادل نہیں دیا بلکہ جو بھی متبادل ہیں وہ شرکت اور مضاربت ہیں اور ہمارے بزرگ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اسلامی بینکاری کی موجودہ حقیقت معترضہ کا رونا یہی نظام اپنانا چاہتی ہے اس کی اصل حقیقی بنیاد بھی شرکت و مضاربت ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہی حقیقی سوال یہ ہے کہ کیا شرکت و مضاربت اور "بینک" اپنے مفہوم اور مزاج کے اعتبار سے صد فیصد اسلامی اصولوں کے مطابق جمع ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ نظریہ امکانیت کے تحت تقلید اہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں، لیکن اس حقیقت کو مستور کرنا بھی از حد مشکل ہے کہ فی زمانہ شرکت و مضاربت اور بینک اپنے حقیقی و اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے جمع ہو جائیں اور شریعت کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، یہ ناممکن ہے، یہی فرق یہاں واضح ہو چکا ہے کہ کیونکہ "بینک" اصل رقم کے تحفظ کی ضمانت اور حقیقی نفع کی یقینی وصولی کی بنیاد پر قائم رہتے ہوئے "بینک" کہلا سکتا ہے جبکہ شرکت و مضاربت میں اصل رقم بھی داؤ پر ہوتی ہے اس کے تحفظ کی ضمانت ہو سکتی ہے نہ کسی قسم کے حتمی وجودی نفع کی یقینی وصولی، بینک اور شرکت و مضاربت کے مزاج میں اس قدر بعد المشرقین کو دیکھتے ہوئے اگر کوئی مسلمان شرکت و مضاربت کی بنیاد پر بینکاری کے عدم امکان کی سوچ رکھتا ہو تو اسے علم الٰہی کے متعلق "تکلیف ما لا یطاق" کے جدید نظریہ سے کیسے تعبیر کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ نظریہ تو حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان حد فارق اور حد فاصل نظریہ کہلا سکتا ہے۔

مزید وضاحت یہ ہے کہ اس موضوع میں اشکال کو زمانی حقیقت اور نفس الامر کے تناظر میں دیکھا جائے تو مروجہ اسلامی بینکاری سے متعلق صد فیصد اسلامی بینکاری کا عدم امکان آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے، حضرت مفتی صاحب کے ان تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں یہ سمجھا جانے کہ "کیا موجودہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کی بالادستی میں صد فیصد خالص اسلامی یا سرمایہ دارانہ نظام کے زیر اثر چلنے والی کسی حکومت میں سرمایہ دارانہ نظام کی ترجیحات سے صرف نظر کرتے ہوئے خالص اسلامی بنیادوں پر مالیاتی نظام قائم ہونا ممکن ہے؟ جیسا کہ حضرت مفتی صاحب تحریر فرما گئے ہیں۔

اگر اس ناممکن کو "تکلیف ما لا یطاق" کے زمرے میں نہیں ڈالا جا سکتا تو پھر پاکستان میں مروجہ اسلامی بینکاری کے محض مجبوری ہونے کے حالات کو تسلیم نہ کرنے والوں کو کس فاسد نظریہ کے حاملین کہا جا سکتا ہے؟ جب کہ تمام اہل علم کے تجربات اور مستقبل کے خدشات بلکہ خود شریعت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسلامی بینکاری میں بھی اس کی یہی صورت معلوم ہوتی ہو کیونکہ ایسے دور کی پیشن گوئی خود آنحضرت ﷺ فرما گئے ہیں کہ جس میں "سود" سے بچنا کسی کے لئے ممکن نہیں رہ سکے گا، چنانچہ ارشاد ہے:

عن أبي هريرة عن رسول الله ﷺ قال: ليأتين على الناس زمان لا يبقى أحد إلا أكل الربوا "فإن لم يأكله أصابه من بخاره ويروى من غباره"

(رواہ احمد و ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۲۴۵ ط: قدیمی کراچی)

اس روایت کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے یہ کہنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ دور میں سو فیصد اسلامی بینکاری کے مطالبات کو تسلیم نہ کرنا اور محض تیک خواہشات سمجھنا "تکلیف ما لا یطاق" کے نظریہ کو مستلزم نہیں۔

البتہ دیوبندی بات یہ تسلیم کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں صحیح اسلامی بینکاری کا قیام اگرچہ ممکن نہیں تو کم از کم مشکل ضرور ہے اور کسی کام کا مشکل ہونا اور اسے مشکل سمجھنا "تکلیف ما لا یطاق" کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ مسلمان کا اپنے دین پر کاربند رہنا تو مشکل ہوگا لیکن مشکل ہوتے ہوئے انگارے کو مٹھی میں پکڑنے جیسا ہوگا ہے۔

"قال: فإن من ورائكم أيام الصبر، الصبر فيه مثل قبض على الجمر، للعامل فيهم مثل أجر خمسين رجلا يعملون مثل عمله ... الخ"

(ابوداؤد، کتاب الملاحم، ۲/۲۳۸، ط: رحمانیہ لاہور)

پانچواں اشکال: کیا ہم اسلامی بینکاری کرنا چھوڑ دیں

اگر اسلامی بینکاری کا ممکن ہے تو مشکل ہے تو کیا "ہم اسلامی بینکاری کرنا چھوڑ دیں؟"

حالانکہ ممکن کی حد تک سود سے بچنا بہت بڑی دینی خدمت ہے اگر یہ نہ کریں تو کیا ہمارا کام صرف یہ ہوگا کہ ہم ساری مسلمان قوم کو سود میں ملوث ہوتا دیکھتے رہیں؟ سود میں ملوث ہونے سے بچنے کی کوشش کرنا بہتر ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جواب: عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے وضع کردہ سانچوں میں بعض لوگ جس قسم کی اسلامی بینکاری کے لئے کوشاں اور خواہاں ہیں وہ ضرور کریں، ان کے اخلاص میں ہم شک نہیں کر سکتے ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ یہ کام "بینک" کے نام سے کریں اسلام کے نام سے نہیں اگر اسلام کا نام استعمال فرما رہے ہیں تو پھر ایک تو اسلام کے تقاضے پورے کریں دوسرے یہ کہ بینک کو "اسلام" اور قانون شریعت کا تابع بنائیں نہ کہ قانون شریعت کو بینک کا تابع بنا دیں، اگر آپ "بینکاری" کے لئے بینک کے تقاضوں کو پورا کرنا مجبوری سمجھتے ہیں تو اسلام کے تقاضوں کو مجبوری کیوں نہیں سمجھتے؟ قانون شریعت میں کاٹ چھانٹ اور بینکاری مروج کے مطابق ترمیم و تخفیف اور حیلوں کے در پے کیوں ہو جاتے ہیں حالانکہ اسلام کی بالادستی تسلیم کرنا اسلام کی برتری پر یقین رکھنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے قولہ تعالیٰ:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (سورہ صف آیت ۹)

"وقوله ﷺ الاسلام یعلو ولا یعلی......"

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۸۰، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه، ط: قدیمی کراچی، وانظر تفصیله فی نصب الرایة ج ۳ ص ۲۱۳، ط: مؤسسة الریان بیروت)

ہمارا اشکال یہ ہے کہ مغربی سرمایہ دارانہ سوچوں کے مطابق بینکاری کے لئے جگہ جگہ سے شرعی نصوص کو کھینچ تان کر مغربی نظام سے ہم آہنگ کرنے کی روش سے اسلام کی بالادستی اور برتری کے تصور پر زد پڑتی ہے، اس اخلاص کے ساتھ اس خطرے کی بنا پر کوئی مسلمان مروجہ بینکاری کو رواج پذیر کیسے اور کیونکر سے ذہنی آزادی کی دولت سے یقیناً محروم رہتا ہے۔

چھٹا اشکال: معترضین حوصلہ افزائی کریں یا کم از کم تنقید تو نہ کریں

مروجہ اسلامی بینکاری اسلام کے عادلانہ اقتصادی نظام کی تشکیل کی تدریجی ابتدائی کوشش ہے معترضین کو چاہیے کہ وہ اس نیک مقصد میں صرف کار ہوں، کم از کم ان کی کوششوں پر تنقید نہ کریں اور ان نیک مقصد کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں، اہل علم اور دین کا ذخیرہ سے بد ظنی تو نہ کریں ورنہ معترضین

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیا یہ صحیح ہو گا کہ عمومی طور پر سودی نظام کی حمایت اور غیر سودی نظام کی مخالفت میں جانے گا کیا معترضین غیر سودی بینکاری کی کوششوں کو کس چیز میں سمجھتے؟

جواب:

یہ حصہ بہت سے مسئلوں میں سے ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی بینکاری عرب دنیا سے متعارف ہوتے ہوئے پاکستان اور دیگر ممالک تک پہنچی ہے مگر اب تک اس کی ابتدائی دور اور بچپن ختم نہیں ہوا اس کا ثبوت یہ ہے (Over-night Period) ختم نہیں ہوا لفظ "مصنوعی" "ضرور" ختم ہو رہا ہے اس کی واضح مثال مرابحہ اور اجارہ کو سب سے بڑے ذریعہ تمویل کے طور پر رواج دینا ہے جس کی وجہ سے مشارکہ و مضاربہ کی طرف پیش قدمی کے لئے خاطر خواہ کوشش رفتہ رفتہ کم ہو گئی، گویا کہ اسلامی بینکاری کا اصل ذریعہ تمویل یعنی مشارکہ مضاربہ حقیقی معنی میں نظر انداز ہو چکا ہے اور مروجہ بینکاری اسی پر قانع ہو چکی ہے۔ حالانکہ ہمارے بعض بزرگوں نے مرابحہ اور اجارہ کو عبوری دور کے طور پر اپنانے کی وقتی اجازت دی تھی اب مروجہ اسلامی بینکاری سے مرابحہ و اجارہ کو ختم کر کے نظام کو مکمل طور پر شرعی بنایا جا سکتا ہے اور ہم اس پر راضی ہو سکتے ہیں کیونکہ جو آمدن اجارہ و مرابحہ سے ہو رہی ہے وہ مشارکہ کی طرف رہتے ہی ہو رہی ہے۔

واقعی مروجہ اسلامی بینکاری کے لئے ہمارے مخلص بزرگ علماء کرام کی سوچ نہایت اخلاص و للہیت پر مبنی ہے ان کی کوششیں مخلصانہ اور لائق تحسین ہیں ہم اپنے ایسے بزرگ مخلص علماء کرام اور بزرگان دین کی کوششوں کی کامیابی کے لئے دعا گو ہیں۔

مگر ہمارا یہ موقف ہے کہ جس نظام پر جن لوگوں پر انحصار کرتے ہوئے ہمارے بزرگ اس نظام کی کامیابی کے لئے کوشاں ہیں اس حوالے سے ماضی کے تلخ تجربات اور مستقبل کے خدشات کو بھی سامنے رکھنا ہو گا ہماری یہ وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جب بھی کوئی انقلابی قدم اٹھایا ان کے معتقدین میں ایسے خود غرض موقع پرست لوگ بھی شامل ہوتے رہے جنہوں نے ہمارے بزرگوں کے نام پر اپنے مقاصد حاصل کئے اور ان کے پورے پروگرام کو اپنے مفاد پر غالب کر دیا اور ہمارے بزرگوں کی فراہم کردہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے قرار دادیں اور سفارشات دھری کی دھری رہ گئیں اور ہمارے بزرگوں کے پاس ناراضگی کا اظہار کرنے یا افسوس کے الفاظ کے بجز کچھ نہ بچا۔ نظریہ پاکستان، قرار داد مقاصد سے لے کر پی ایل ایس ۔ ۔ تک کی قسمیں غیر سودی بینکاری کے لئے نظریاتی کونسل کی سفارشات اور شریعت اپیلیٹ بنچ کے فیصلوں تک ہمارے بزرگوں اور ان کے دینی دوست رفقاء کار کی کوششوں کو کس قسم کے رد عمل کا سامنا کرنا پڑا اور ساری کی ساری کوششیں کس کھاتے میں گئیں۔

بالخصوص تجارتی معاملات کے جواز کے لئے ہمارے بزرگوں کے نام اور فتوے استعمال ہوئے اور مجوزہ سودی کاروباری طریقہ کار کے مطابق ہی چلایا جاتا رہا۔ پھر ہمارے بزرگوں کو اپنے فتووں سے رجوع کرنا پڑا یا مروجہ کاروبار سے برأت کا اعلان کرنا پڑا۔ یہی صورتحال اب اسٹاک مارکیٹ میں شیئرز کے کاروبار کی ہے جہاں جواز کے لئے ہمارے فتوے دکھائے جا رہے ہیں مگر عملی صورت حال کا صورت مسئلہ سے کوئی جوڑ نظر نہیں آتا۔ اس لئے مجبوراً علماء نے شیئرز کے مروجہ کاروبار کو ناجائز کہنا شروع کر دیا ہے اور ہمارے بزرگوں کی طرف سے لاتعلقی اور برأت کا اظہار و اعلان کرنے کی نوبت بھی بظاہر قریب آچکی ہے۔ اس لئے یہ بات بعید نہیں ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے دیانتدار اور اہل تقویٰ حامی حضرات مستقبل قریب میں مروجہ اسلامی بینکاری سے بھی لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے ناجائز قرار دیں گے۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہم عرض کرنا چاہتے ہیں: اہم اسلامی غیر سودی بینکاری کی کوششوں کے تسلسل میں [illegible] سامنے آئی ہیں:

۱۔ اسلامی غیر سودی بینکاری کی کوششوں کے ساتھ ساتھ ماضی کے تلخ تجربے اور اپنے عوام اور سرکار کے طرز عمل سے بھی باخبر اور محتاط رہیں کہ کہیں ہمارا بنایا ہوا نظام دھوکہ و فریب کا شکار نہ ہو جائے اور [illegible]۔

۲۔ ہمارے [illegible] سودی معاشرے کے مسلمان حضرات کے لئے سونے کی [illegible] اسلام کے نام پر [illegible] اور اسلام کے نام پر ان کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اقوال و عبارات بھی غلط ثابت ہوتے رہتے ہیں۔

۳۔ اگر ہمارے وقت کے علماء اور بینکار ہمارے بتائے ہوئے نظام کے مطابق چلنے کی بجائے روایتی سودی طریقوں پر بھی چل رہے ہیں اور ہمارا نام اور فتویٰ محض اپنے غیر شرعی مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں تو ایسے لوگوں کو یہ کندھا استعمال کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے اپنے بزرگوں کے الفاظ میں ان پر صاف واضح کر دینا چاہیے کہ:

"ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے جو وہ سمجھ رہے ہیں، ہمارا کندھا استعمال نہ کرے" یا "جس نے جہنم میں جانا ہے جائے ہمارے کندھے پر بوجھ رکھ کر نہ جائے"۔

ساتواں اشکال: کیا اسلامی بینکاری "اھون البلیتین" کے ضابطے کے تحت اختیار کرنے کی گنجائش نہیں؟

ہم یہ نہیں کہتے کہ مروجہ اسلامی بینکاری خالص غیر سودی ہے اور اس کے سارے معاملات شریعت کے مطابق ہیں، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ روایتی بینکاری خالص سودی بینکاری ہے جبکہ اسلامی بینکاری میں تو بہت سارا حلال طریقوں پر سرمایہ کاری ہوتی ہے اور کچھ غیر شرعی معاملات بھی ہیں جن سے چھٹکارے کا ہم عزم رکھتے ہیں، اس لئے جب تک اسلامی بینکاری اپنی بنیادوں اور حقیقی منزل تک نہیں پہنچ پاتی تب تک "اھون البلیتین" (دو مصیبتوں میں سے ہلکی اور کم درجہ کی معصیت) کے ضابطے کے مطابق روایتی بینک کے مقابلے میں مروجہ اسلامی بینک کے معاملات میں حصہ دار بننے کی بہرحال گنجائش ہے۔

جواب:

روایتی بینک کے مقابلے میں اسلامی بینک کی خرابیاں "اھون" کم درجہ کی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہیں کیونکہ روایتی بینکاری کے فاسد اور سودی معاملات سے وابستہ مسلمان گناہ اور معصیت سمجھتے ہوئے اور سودی معاملات کو حرام سمجھتے ہوئے ہاتھ ڈالتا ہے اور دل ہی دل میں شرمندگی محسوس کرتے ہوئے معاملہ کرتا ہے۔

جبکہ اسلامی بینک کا کارکن یا صارف اس کے خلاف شرع اور فاسد معاملات کو اسلامی معاملات

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سمجھتا اور کہتا ہے حرمت کا یقین رکھتے ہوئے اسے کار ثواب اور رزق حلال سمجھتے ہوئے مصروف رہتا ہے اپنے اس عمل میں سلب ایمان کا خطرہ ہے۔

ومن المحتمل أن قليل المحظور يدعو الى كثيره

(كما في حجة الله البالغة ج۲ ص۹۳ ط: دار الكتب العلميه بيروت)

ترجمہ: اصولیین کی رو سے کسی ناجائز اور حرام کو ناجائز و حرام سمجھتے ہوئے اختیار کرنا "اہون" یعنی کم درجہ کا جرم ہے جبکہ کسی حرام و ناجائز کو جائز سمجھتے ہوئے کرنا "اعظم" یعنی بڑے درجے کا جرم ہے اور اگر ایسے ناجائز کے ارتکاب کے ساتھ "ثواب" کی نیت بھی شامل ہو جائے تو عاقبت کے اعتبار سے وبال عظیم بن جاتا ہے۔

وفي الفتاوى الشامية: لكن في شرح العقائد النسفية: استحلال المعصية كفر اذا ثبت كونها معصية بدليل قطعي، وعلى هذا تفرع ما ذكر في الفتاوى من انه اذا اعتقد الحرام حلالا، فان كان حرمته لعينه وقد ثبت بدليل قطعي يكفر، والا فلا بان تكون حرمته لغيره او ثبت بدليل ظني، وبعضهم لم يفرق بين الحرام لعينه ولغيره فقال من استحل حراما قد علم في دين النبي عليه الصلوة والسلام تحريمه، كنكاح المحارم فكافر .....

(رد المحتار ج۴ ص۲۲۳، مطلب استحلال المعصية القطعية كفر ط: سعيد كراچي)

اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری کا سود اور دیگر فاسد معاملات روایتی سودی بینکوں کے مقابلے میں "اہون" (آسان سود یا کم درجے کا سود) نہیں بلکہ "اعظم" (زیادہ بڑھ کر) ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ کہنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ گناہ کے ساتھ روایتی بینکاری کا حصہ بننے والا مسلمان کم درجہ کا گناہ گار ہے جبکہ گناہ کی فکر سے آزاد ہو کر نیت ثواب کے ساتھ مروجہ اسلامی بینکاری کے فاسد اور خلاف شرع معاملات کا حصہ بننے والا بڑے خطرہ اور بڑے درجہ کا گناہ گار ہے، کیونکہ گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے کرنا قابل معافی گناہوں میں شمار ہوتا ہے جبکہ گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھنا "استحلال المحرمات" کے زمرے میں آکر ایسا درجہ ہے جہاں توبہ کی توفیق و معافی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی صورت مختلف ہو جاتی ہے۔

كل أمتي معافى إلا المجاهرون ۔ متفق عليه

(كذا في المشكوة ص: ٤١٢، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم ط: قديمي كراچي)

ترجمہ: میری امت پوری عافیت میں ہے علاوہ ان لوگوں کے جو اپنے عیوب اور گناہوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ (مظاہر حق ج ۴، ص ۳۶۹)

آٹھواں اشکال: معاملات میں "توسع" اور اسلامی بینکاری؟

مروجہ اسلامی بینکاری کے حامی حضرات فرماتے ہیں کہ عصری ضرورتوں کی بنا پر معاملات میں "توسع" اختیار کرنا چاہیے اور اسے اسلاف کا طرز عمل قرار دیتے ہوئے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تحریر سے چند مثالیں بھی پیش کی جاتی ہیں جن کی بنا پر یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ اگر آپ کو معاملات میں اپنے مسلک پر عمل کرتے ہوئے دشواری اور تنگی محسوس ہو رہی ہو تو کسی سہولت والے مسلک کو ترجیح دینا بھی آپ کے لئے جائز ہے۔

جواب: اس سوال کے متعلق چند گزارشات ہیں: ۱- "تقلید مذہب غیر" اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا نظریہ: "تقلید مذہب غیر" اور معاملات شرعیہ میں تلفیق کی تعریف سے تفصیلی بحث پہلے گزر چکی ہے یہاں تقلید مذہب غیر کی وہ مثالیں تو آپ یاد رکھتے ہیں کہ کسی خاص مذہب کی پیروی اور تقلید کو لازمی قرار دینے کی حکمت کیا تھی؟ اس حکمت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے ورنہ دین محض بازیچۂ اطفال بن جائے گا۔

(كما يقول الامام المحدث الدهلوي في كتابه الشهير "حجة الله البالغة")

یہ حضرت تھانوی کا نظریہ بھی کہ معاملات میں "توسع" ہونا چاہیے، ہمارے خیال میں حضرت کی طرف سے اس نظریہ کو مثال کے ساتھ متعلقہ تفصیل کے بغیر منسوب کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ جو تصور پیش کیا جا رہا ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ جس قسم کے "توسع" کے قائل تھے اس کے لئے انہوں نے "مذاہب اربعہ" کی قید بھی لگائی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسے معاملات سے

حضرت مفتی صاحبؒ جواہر الفقہ میں تحریر فرماتے ہیں:

دفع بقدر ما یضعف شدہ ۔۔۔۔ کی اجرت لینا اصولاً تو یہ طریقہ جائز ہے **کما نقل فی السؤال عن عالمگیریہ**۔ لیکن بنا بر نقل بعض اصحاب امام احمدؒ کے نزدیک اس میں جواز کی گنجائش ہے بشرطیکہ ضرورت ہو اور جہاں ابتلاء شدید ہو تو توسع کیا جا سکتا ہے۔

(امداد الفتاویٰ حضرت تھانوی ج ۳ ص ۳۴۳،۳۴۲ طبع مکتبہ دار العلوم کراچی)

اس سے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر چودھویں صدی میں دین کو طلب اور تنگی سے بچانے کے لئے کسی دیگر مذہب پر عمل کرنا درست ہے تو آج جب مسلمانوں کی ضرورت شدید ہے تو اس دور میں بطریق اولیٰ درست ہے کہ آج کی ضرورتیں اور تقاضے تو اس زمانے پچھلے کے مقابلہ میں کئی گنا بڑھ چکے ہیں ورنہ مسلمان معاشی معاملات کو دین سے الگ سمجھیں گے وغیرہ!

اسی طرح مروجہ بینکاری کی حقیقت اور ضرورت اپنی جگہ، لیکن یہ کہنا بالخصوص پاکستان میں کہ ہر مسلمان کے معاملات بینک سے مربوط اور جڑے ہوئے ہیں اور بینک ہر انسان کی ضرورت ہے، اس کے بغیر مسلمان شدید اور حرج عظیم میں مبتلا ہو جائیں گے، ہمارے خیال میں کوئی مسلمان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہم جس بینک کی شرعی حیثیت معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ تمویلی اور تجارتی بینک ہے، ہمارے ملک کی ۸۰ فیصد آبادی کا بینک کے ذریعے تمویل اور تجارت (Trade & Financing) سے کوئی تعلق ہے۔ تمویلی اور تجارتی بینک کی ضرورت وقت کی ضرورت ہے یا صرف ۱۵/۲۰ فیصد سرمایہ دار طبقے کی ضرورت ہے، ان لوگوں کی یہ مجبوری کیسے تسلیم کی جا سکتی ہے کہ وہ بینک کے بغیر اپنے معاملات انجام دے نہیں سکتے، جہاں تک حکومت کا تعلق ہے اس کے حق میں بینک کی ضرورت، مالی نظموں کی گردش کی وجہ سے ابتلاء عام بھی ہو سکتا ہے، مگر یہ ابتلاء اس کی اپنی بدعنوانی کی سرمایہ دارانہ ضرورتوں کو ہم پوری قوم کی ضرورت تسلیم نہیں کر سکتے اور نہ ہی اسے ضرورت اور ابتلاء عام کہہ کر ان کے لئے حیلوں پر مبنی کوئی نظام مہیا کر سکتے ہیں۔ نہ ہی ضرورت و حاجت اور ابتلاء کو شرعی اصطلاحی ضرورت کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی پاکستان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قوم کی ضرورت کو "اجتہاد مقصدیہ" سے تعبیر کر سکتے ہیں، کیونکہ جس قوم کی ۴۰ فیصد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہی ہو وہ بینک کے ذریعے تجارت تو چھوڑیں کرنٹ اکاؤنٹ میں اپنا خاطر خواہ اکاؤنٹ بھی نہیں رکھتی۔

پس اگر ہم نے مسلمانوں کی ضروریات اور خواہشات کے درمیان فرق ملحوظ رکھے بغیر "اجتہاد مقصدیہ" کو مقصد تسلیم کر لیا اور "حق سے" کے نظریہ کو بھی عام کر دیا تو امت مسلمہ کی تمام بد اعمالیوں کو "اجتہاد مقصدیہ" کے تحت تسلیم کر لیا جائے گا اور پھر نظریہ "سے" کے تحت مختلف جگہوں سے متفرق جزئیات چن چن کر اسلامی بینکاری کی طرح حرام کو بھی بالکل "حلال" بنا دیا جائے گا، اس کی مثال جیسے ہم نے عرض کیا کہ اس وقت "سود تجارتی" کے بعد دوسرا بڑا مسئلہ "زنا" ہے، زنا کا شرعی متبادل بتانے کے لیے بعض عرب علماء کچھ دلائل اور متفرق جزئیات پیش کر کے بھی تیار بیٹھے ہیں، جب آپ کے تسلیم کردہ "اجتہاد مقصدیہ" اور "نظریہ سے" کی رو سے اس قسم کے اجتہاد میں ہمارے خیال میں کوئی قباحت نہیں ہے، مگر تمام علماء شریعت نکاح متعہ کی طرح اسے بھی زنا ہی سمجھتے ہیں نہ کہ نکاح۔

اگر یہ مسئلہ بھی تسلیم کیا جاتا رہا تو قطرہ قطرہ مل کر بحر بنے گا اور آئندہ تمام اجتہادات کو پورا کرنے کے لیے عرب کی تحقیق کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ والعیاذ باللہ العظیم

نواں اعتراض: مروجہ اسلامی بینکاری کی مخالفت حسد اور لاعلمی کی بنا پر ہے۔

مروجہ اسلامی بینکوں کے بعض حامی لوگوں سے یہ بھی سننے میں آیا کہ مروجہ اسلامی بینکاری کی مخالفت کرنے والے دیوبندی علماء کرام حسد کی بنیاد پر مخالفت کرتے ہیں اور روایتی سودی بینکوں کے مخالف ہیں اور علماء جدید معیشت سے اعتراض کرنے والے نظام سے لاعلم ہیں، اس لیے دونوں کے اعتراضات کی اہمیت کے قابل نہیں ہیں۔

جواب: اللہ کے فضل و کرم سے یہ بات پہلے بھی آچکی ہے یہاں مختصراً اتنا عرض کرنا ہے کہ سارے علماء دیوبند ہی نہیں سودی بینکوں پر اعتراض کرنے والے سارے اقتصادی ماہرین سودی بینکوں کے مخالف اور کئی ایک تو دیوبندی بھی نہیں ہو سکتے سودی اسلامی بینکوں کے سارے حامی اور طرفدار سرمایہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دونوں سے لازم ہو رہا ہے۔ دونوں قدرِ زائد فی الجملہ غلط ہیں، راہِ اعتدال پر رہنے کی ضرورت ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت مفتی صاحب کو سمجھ نہیں آئی یہ بات ہے یا ان کی بات نہیں ہونا چاہیے نہیں آپ بینکاری نظام سے لاعلمی کا فی الجملہ عذر پیش کر سکتے ہیں تو وہ بھی آپ کے بھائی ہیں کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر بینکنگ کو آپ نے سمجھا ہے تو انہوں نے بھی سمجھا ہے آپ ان کی سمجھ پر اعتماد کرتے ہوئے بینکاری کے تعارف تک آپ مقتدی اور باقی میں آپ کے مقتدی ہیں۔

لیکن آپ کے بڑے اور سمجھے ہوئے بینکاری نظام کے ساتھ آپ کی فقہی تطبیق اور آپ کے فقہی دلائل تو ان حضرات کی سمجھ سے باہر نہیں۔ آپ کے سمجھائے ہوئے نظام اور فقہی تطبیق و تشریح کی جو جگہ ان حضرات کو غلطیاں نظر آئیں کیا یہ ممکن ہے کہ اس نتیجے کے تمام حضرات کو بعض وجوہات کی بنا پر بھی توجہ دیا جا سکتا ہو۔ کیا یہ اصرار کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ زیادتی ہو گی۔

دسواں اشکال: مروجہ اسلامی بینکاری کے نظام کے بارے میں اب تک علماء کی خاموشی کی وجہ؟

پاکستان میں اسلامی بینکاری شروع ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں، مروجہ اسلامی بینکاری کو متعارف کروانے والے حضرات کی خدمت میں آج تک کسی صاحبِ علم نے کوئی زبانی یا تحریری اعتراض نہیں کیا، بلکہ خاموش رہے، جس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ یا تو یہ علماء متعارف کرائے گئے نظام سے متفق تھے یا لاعلم تھے، اب یکایک بعض بزرگوں کی طرف سے اعتراضات و الزامات کا سلسلہ اور مخالفانہ آراء کا یہ طوفان کیسے اور کیوں کھڑا ہو گیا؟

جواب: مذکورہ جواب کی رو سے "کیسے اور کیوں" کا سوال کسی غلط رخ پر نہیں ڈالا جا سکتا، ہم یہاں پر اعتراض کرنے والے بزرگوں کی طرف سے "عذر" کی تفصیل عرض یوں کرتے ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کی ابتدائی مجلس سے لے کر تا حال کام ہو رہا ہے مختلف

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اہل علم کے بعض اعتراضات اور تحفظات بھی باقاعدہ ریکارڈ پر ہیں، اس لئے ذمہ داری کے ساتھ اس کا انکار از حد مشکل ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض اعتراضات اور تحفظات اسلامی بینکاری کے بڑے ذمہ داروں کی خدمت عالیہ میں براہ راست نہ پہنچ سکے ہوں، ہو سکتا ہے ماورائی ایسے اعتراضات اور تحفظات ناقابل توجہ قرار دیئے گئے ہوں، کیونکہ ہم نے ان بزرگوں کی تحریروں سے جو اندازہ لگایا ہے اس کی رو سے مخلصوں اور بدخواہوں کے عنوان کا تفاوت کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دیگر اہل علم کی طرح ہمارے بزرگ (معترضین) بھی دیرینہ خواہش رکھتے ہیں کہ ملک خداداد پاکستان سے سود کی لعنت ختم ہو، کسی طرح بینکنگ کا نظام شرعی بنیادوں پر استوار ہو جائے۔ اس نیک مقصد کے لئے پہلے پہل جن بزرگوں نے اپنی خدمات، نیک جذبات کے ساتھ پیش فرمائیں، ان کا علم و تقویٰ اور امانت و دیانت قابل اعتماد بھی اور ہے، ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی طرح ہم بھی مروجہ اسلامی بینکاری کے شرعی بنیادوں پر استوار ہونے کے آرزومند تھے، اور خوش فہمی میں تھے، اسی نیک جذبے کے تحت اسلامی بینکاری کی ابتدائی تحقیقی دشواریوں کے پیش نظر کسی اعتراض اور تحفظ کے اظہار کی ضرورت بھی نہ سمجھی اور نہ ہی مناسب سمجھا جاتا، اور آپ کے کام کو اپنا کام سمجھا، اور اپنے عدم تخصص کے ساتھ آپ پر اعتماد اور آپ سے رجوع کا مشورہ بھی دیتے رہے۔

مگر کچھ عرصہ سے علماء، تجارتی ماہرین اور عوام الناس کی طرف سے بے چینی اور اضطراب کا مظاہرہ ہونے لگا اور ملک بھر میں جہاں بھی جاتے ان سے مروجہ اسلامی بینکاری کی اصطلاحی اور غیر شرعی و غیر اسلامی طریقوں میں مطابقت ہونے کی شکایات سامنے آئیں اور ان بینکوں کے معاملات کی بابت جائزہ لینے کے مطالبات کو سنتے رہے تو ہمیں تشویش ہوئی جس کی وجہ سے اہل علم کے ان خدشات اور تحفظات کو تحریر میں لینے کی، جو مروجہ اسلامی بینکاری کے آغاز ہی سے محسوس فرما رہے تھے۔

یعنی اسلامی بینکاری کو جن شرعی بنیادوں پر قائم ہونا چاہئے تھا ان سے انحراف کرنا اور غیر شرعی بنیادوں کی طرف جھکاؤ کی وجہ سے تشویش ہوئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ان خدشات کو مزید تقویت بلکہ معتبر شہادت ہمارے مخدوم مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے ان حقیقت پسندانہ تاثرات، تحریروں اور بیانوں سے بھی ملنے لگی، جن کا اظہار موصوف گاہے بگاہے فرمانے لگے ہیں۔

اس صورتحال سے اہل علم یہ سوچنے اور اجتماعی غور و فکر کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ جن نیک خواہشات کی تکمیل کے لئے ہم پرامید تھے، ان خواہشات پر پانی پھرتا جا رہا ہے اور جن خدشات کا ہمیں شروع سے اندیشہ تھا وہ خدشات حقیقت میں بدلنے لگے ہیں۔ مزید یہ کہ جس ہستی کے احترام اور اعتماد میں ہم مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادی اور ابتدائی جوہری کمزوریوں سے حسن ظن کے ساتھ چشم پوشی یا خاموشی اختیار کرتے چلے آرہے تھے، اس کی گنجائش اب ختم ہو رہی ہے۔

اس لئے ایک تو اسلامی بینکاری سے مزید توقعات باندھنا فضول کام ہے، دوسرے یہ کہ جن مصلحتوں کے تحت ابتدائی کمزوریوں کی بابت جمہور اہل علم اپنے تحفظات کا اظہار برملا نہیں کر رہے تھے، اب وہ مصلحتیں اپنے تحفظات کے اظہار میں حائل نہیں ہونی چاہئیں، تاکہ عوام الناس ہماری خاموشی کو مروجہ اسلامی بینکاری کی تصدیق و تائید نہ سمجھے۔ واضح رہے کہ ہماری خاموشی مستقل طور پر سوالیہ نشان بنی ہوئی تھی اور اب تو صورتحال یہ ہو چلی ہے کہ جو لوگ اس وقت مروجہ اسلامی بینکوں کی ترجمانی، ترویج و تشہیر اور دفاع کی ذمہ داری نبھا رہے ہیں، ان کے رویوں سے بھی صاف واضح ہونے لگا ہے کہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے وہ کس درجے کو خود ہی تسلیم کر چکے ہیں، جس کے نتیجہ میں ان بینکوں کی طرف آنے والے عوام الناس اسلامی بینک کو بالکل اسلامی بینک سمجھ کر معاملات کرنے لگتے ہیں، ایسے حالات میں اسلامی بینکوں کی مروجہ خرابیوں سے صرف نظر اور اسلام کے حقائق کو ادراک سے عدم اطمینان کرنے والے بزرگوں نے اپنا فرض سمجھا کہ اپنے تحفظات پیش کر کے عوام الناس کی غلط فہمی کا ازالہ کریں۔

ایسے اس موقف کے غالب رہنے کو اگر کوئی اپنی ذاتی مخالفت سمجھے تو اس سے قطعی معذرت بھی کر لی جائے، عوام تک پہنچانے سے قبل اپنے ان حضرات کو مخاطب بھی کیا جائے، کیونکہ وہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنی رائے کے اظہار و بیان میں کسی بھی جبر کی پرواہ نہیں فرماتے (ان بینکوں کے حامی حضرات سے یہ گلہ بھی کیا جاتا ہے کہ) بلکہ ان کے نقطہ نظر سے اختلاف رکھنے والے حضرات اب تک یہی فتویٰ دیتے رہے ہیں کہ فی الحال ہم مروجہ اسلامی بینکاری کے قائل ہونے پر مطمئن نہیں ہیں ہاں البتہ ہمارے دوسرے اہل علم اسلامی بینکاری کے طریقہ کار کو جائز کہتے ہیں اور اس کا دفاع بھی کرتے ہیں، اس لئے اگر آپ (مستفتی) کو ان کے علم و تقویٰ اور فتویٰ پر اعتماد ہو تو ان سے فتویٰ لے لیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت والا نے جو طرز عمل اپنایا اس میں دیانت داری اور احترام کے تقاضے موجود تھے، اس رائے کو اگر یہ حضرات وضاحت کے ساتھ یوں بیان کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہوگا، کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے لئے جو حیلے اختیار کئے جاتے ہیں وہ شرعاً مجروح ہیں اور احتیاط کرتے ہوئے شرعاً جائز ہیں، نا جائز ذرائع اور طریقوں پر مبنی کاروبار بھی جائز نہیں ہوتا ہے۔ (فتح باب العنایۃ: تکمیل المال الکامل من معصیۃ ج ۲ ص ۱۹۸)

اس لئے مروجہ اسلامی بینکوں کے ساتھ "مشارکہ" و "مضاربہ" کرنا یا "مرابحہ" و "اجارہ" کرنا جائز ہے جو لوگ ان کے طریقوں کو جائز سمجھتے ہوئے مروجہ اسلامی بینکوں کا حصہ بنتے ہیں انہیں اپنے مال سے زیادہ ایمان اور آخرت کے لئے فکرمند ہونے کی ضرورت ہے، اگر کوئی شخص اس نقطہ نظر سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بچنا چاہے تو وہ عمل میں آزاد ہے۔

ہمارے خیال میں اس بیان کو اپنی اپنی حد تک سمجھنے کی بجائے اظہار رائے سمجھا جائے تو یہی صدق ہوگا کیونکہ اگر آپ بھی اس کے ساتھ خود کو بیان کریں تو وہ کسی کی مخالفت نہیں سمجھی جاتی، دوسروں کی رائے پر آپ خود عمل بھی کریں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس لئے کسی شرعی مسئلے کے بیان کو محض عناد و مخالفت پر اسے مخالفت پر محمول کرنا حد سے تجاوز ہے۔

وللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ وسلم علی النبی الکریم و

علی آلہ وصحابہ اجمعین۔

۲۸/۵/۱۴۲۹ھ ۔ ۳/۶/۲۰۰۸ء : یوم الخمیس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دستخط والا صفحہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

استفتاء بابت مروجہ اسلامی بینکاری

حضرت مولانا مفتی عیسیٰ خان صاحب گورمانی مدظلہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

قیامت کی علامات میں سے ہے کہ بعض قطعی محرمات کے در پے خود اہل حق علماء و مشاہیر ہو چکے ہیں۔ گو انھوں نے بینکوں کے سودی نظام کے بالمقابل نفع اور نقصان پر مشتمل بلا سود شرعی نظام بابت بینکاری تجویز فرمایا ہے جس میں حیلوں وغیرہ کے پیش نظر اس کی تحلیل کی تحقیق کے بعد پتہ چلا ہے کہ اس میں جن عوامل جواز کا جائزہ لیا گیا ہے وہ جواز کے لئے کافی نہیں ہیں اور یوں اسلامی بینکاری صرف نام اور عنوان تک ہے حقیقت کی کوئی تبدیلی نہیں ہے جس کی وجہ سے سودی [illegible] ہے اور ملک اور بیرون ملک کے معتبر فقہاء اور ارباب فتویٰ اس سلسلے میں دو رائے [illegible] کے شکار ہیں ایک تو متوازی نظام کی درست شائع نہ ہونے کی وجہ سے اور دوسری طرح حرام اور ناجائز کو حلال [illegible] کی طرف سے [illegible] اپنے اپنے مصلحتوں کے فوائد کے لئے جس طرح ارتکاب کیا جاتا ہے ضرورت تھی کہ [illegible] اس سلسلے میں کوئی ایسے جامع اصول اور باقاعدہ ضوابط تیار فرمائیے جس کے [illegible] تحریروں کو جمع کرنے کی [illegible] چنانچہ اس سلسلے میں بہت سارے علماء نے اپنے علمی اور تحقیقی تحریر فرمائے ہیں، ان میں مشہور [illegible] مفتی حضرت مولانا [illegible] خان صاحب [illegible] مدظلہ (مہتمم دار العلوم [illegible]) کی شامل ہیں، ان کی یہ تحریر چونکہ ایک استفتاء کا جواب ہے اس لئے [illegible] اس موضوع پر ایک جامع اور بصیرت افروز تحریر ضرور ہے جو علماء کی اطلاع اور [illegible] کے لئے [illegible] ہے۔

واضح رہے کہ یہ تحریر [illegible] الحق کے [illegible] ۱۴۲۹ھ کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے اس کو مکرر شائع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تحریر مروجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں مختصر تحریر ہے [illegible] کی جانب سے یہ [illegible] شائع کی ہے مروجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں ہے جس میں اس مسئلے کی جملہ تحریرات کو شامل کیا گیا ہے [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ہے جس میں آپ ﷺ نے [illegible] دونوں کو [illegible] کے لئے [illegible] ہے ہم [illegible] حضرت مفتی صاحب کی تحریر [illegible] کرتے ہیں۔ (احمد [illegible])

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام شریعت کی رو سے اس مسئلہ کے بارے میں، میں ایک کاروبار کرتا ہوں، اس کاروبار میں مجھے رقم کی ضرورت کے لئے میں نے اپنا اکاؤنٹ (کرنٹ) مختلف بینکوں میں کھولا ہوا ہے چونکہ میری ساری رقم کرنٹ اکاؤنٹ میں پڑی رہتی ہے اور بینک والے میری رقم استعمال کرتے ہوئے اس سے سودی کاروبار کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۱: کیا میں سودی کاروبار میں معاونت کر رہا ہوں یا نہیں؟ اگر میں رقم بینک میں نہ رکھوں تو اس کی حفاظت کیسے ہو؟

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ میزان اسلامک بینک بلاسود کاروبار کر رہا ہے اس لئے ہم اپنی رقم دوسرے بینکوں کی بجائے میزان بینک میں رکھیں، کیا میزان بینک واقعی اسلامک بینک ہے۔

سوال نمبر ۳: اگر میزان بینک اسلامک کاروبار کر رہا ہے تو وہ کونسے نکات ہیں جن پر اس کی بنیاد بلا سود ہے یعنی کہ وہ کاروبار کی شکل میں Saving a/c یا Pls a/c ہوگا۔ تمام میزان بینک بھی یہی کر رہے ہیں اگر دوسرے بینکوں میں Saving a/c سود والا ہے تو میزان میں کن باتوں کی وجہ سے بلاسود ہے؟ ہم قرآنی حکم کی روشنی میں وضاحت کریں تاکہ ہم اپنا کاروبار شریعت کے مطابق کر سکیں، جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں تاکہ ہمیں اصل بات کا صحیح علم ہو سکے۔

فقط والسلام

محمد شاہد A/37 ٹاؤن روڈ گوجرانوالہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میزان بینک میں کار اجارہ کی تفصیل بہت کوشش اور خود میزان بینک کے اہلکاروں سے رابطے کے باوجود حاصل نہ ہو سکی، ہم اس کی مختصر صورت حال جو ہمارے علم میں آئی یہ ہے کہ بینک والے کل مالیت کا پندرہ فیصد بطور زر ضمانت وصول کرکے گاڑی یا مشینری یا مکان وغیرہ خرید کر کرائے پر دے دیتے ہیں اور ہر ماہ کرایہ وصول کرتے ہیں، ادائیگی کرایہ میں تاخیر ہونے کی صورت میں اضافی رقم وصول کی جاتی ہے اور پانچ سال بعد حسب معاہدہ پندرہ فیصد رقم پر گاڑی کرایہ دار کو فروخت کر دی جاتی ہے۔

میزان بینک کے کار اجارہ میں متعلقہ گاڑی یا مشینری کو فروخت کرتا ہے جیسا کہ شرائط نامہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے

”ہم خوشی سے آپ کو اجارہ سہولت کے اختتام پر مالک ہونے کے متعلق شرائط وضوابط بتاتے ہیں“

جو ہمارے سمجھنے کے لئے جو بات اختیار کی گئی ہے کہ ایک گاڑی جس میں مطلوب یہ ہے کہ ادھار کی صورت میں اس کی مہنگی قیمت طے کر کے اس کی قیمت کی قسطوں میں وصول کی جائے اور قسط لیٹ ہونے کی صورت میں اضافی رقم وصول کی جائے، اس کی جائے وہ پندرہ فیصد رقم گروی رکھ کر گاڑی مالکانہ حقوق دیے بغیر کرایہ پر دے دیتے ہیں اور کرایہ معمول سے ہٹ کر روز مرہ لاگت کرایہ سے زیادہ ہوتا ہے پھر پانچ سال کے عرصہ میں جب کرایہ اور اس پر اضافی ہو کر گاڑی کی اصل قیمت سے بڑھ جاتا ہے تو کرایہ دار کو پندرہ فیصد رقم پر حسب معاہدہ گاڑی فروخت کر دی جاتی ہے اس صورت میں متعدد خرابیاں ہیں۔

(۱) گاڑی کی اصل قیمت سے کہیں زیادہ وصول کی جاتی ہے۔

(۲) اصل مقصود گاڑی کو فروخت کرنا ہے لیکن اس حیلے سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سود سے بچ گئے جبکہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

آنحضرت ﷺ نے بیع اور شرط کے جمع کرنے سے منع فرمایا ہے "نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع وشرط" کیونکہ صورت یہ ہوتی ہے کہ گاڑی اس شرط پر فروخت کی جاتی ہے کہ پانچ سال تک اس کا کرایہ ادا کرتا رہے گا اور جو رقم شروع میں بطور بیعانہ دی گئی تھی اس پر گاڑی دی جائے گی۔ "نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع العربان"

(۲) بیع میں خرید و فروخت کے معاملہ میں بطور رہن سونا، چاندی یا نقدی کا گروی رکھنا ثابت نہیں کیونکہ بیچنے والے کی ضرورت اس سے یہ ہو سکتی ہے کہ وہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اس میں راہن کو کیا مجبوری ہے کہ اپنی ضرورت کے لئے قرض اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے گروی رکھے۔ یہ تو محض ایک بہانہ ہے کہ گروی کی اس قلیل مقدار میں راہن کو زائد رقم کا فائدہ ہو جائے گا۔

(۳) یہ بیع مجہول ہے کیونکہ پانچ سال گزرنے کے بعد معلوم نہیں کہ اس گاڑی کی کیا حیثیت ہوگی اور اس کی قیمت کیا ہو کم ہوگی یا نہیں، جبکہ اس کی قیمت پہلے سے طے کر لی جاتی ہے کہ کرایہ کی مدت ختم ہونے کے بعد گاہک اس کو پیسے دے کر گاڑی کو گروی شدہ رقم سے خرید سکتا ہے۔

اگرچہ یہ بیع اختیاری ہے کہ خریدار اس گاڑی کو خریدنا پسند کرے یا نہ کرے لیکن سود سے بچنے کی غرض کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہے اس میں بھی وہی حیلہ کارفرما ہے کہ کسی طرح سے سودی کاروبار کو جائز قرار دیا جا سکے۔

صاحب ہدایہ نے بیع عینہ کی تعریف میں لکھا ہے کہ ایک حاجت مند کسی تاجر سے دس روپے قرض طلب کرتا ہے وہ قرض دینے کی بجائے ایک چیز پندرہ روپے میں فروخت کرتا ہے جبکہ اس کی قیمت دس روپے ہے تاکہ اس سے مقصد حاصل ہو جائے قرض خواہ وہی چیز اسی تاجر کو دس روپے میں فروخت کرے اور یوں یہ پانچ روپے اس تاجر کو مل جاتے ہیں یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں بخل کی وجہ سے قرض دینے کی نیکی سے اعراض کیا گیا ہے۔

ایک عورت سے مروی ہے کہ وہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور ان کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ساتھ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی ام ولد بھی تھیں تو ام ولد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا میں نے زید کو ایک غلام آٹھ سو درہم میں بیچا اور اس سے چھ سو درہم نقد میں خرید لیا تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس عورت سے کہا کہ تو نے بری خرید وفروخت کی اور بری تجارت کی اور فرمایا کہ زید بن ارقم کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ آپ اس سے باز آ جائیں ورنہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ نے جو جہاد اور حج کیا تھا اللہ تعالیٰ اسے ضائع کر دے گا۔ صاحب ہدایہ نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو اس کا حج اور جہاد جو اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا اللہ تعالیٰ باطل کر دیگا۔

(دارقطنی، بیہقی، ہدایہ جلد ۳ ص ۵۵ باب البیع الفاسد)

(۵) میزان بینک کا یہ کاروبار اسٹیٹ بینک کے قواعد وضوابط کے تحت ہے جیسا کہ ان کی مندرجہ ذیل تحریرات سے ظاہر ہے "یہ شرائط و ضوابط اسٹیٹ بینک کے قواعد وضوابط اور ہمارے ماہرین قرضے کی منظوری کے مطابق ہے اور" "یہ سہولت حکومت آف پاکستان اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی نگرانی میں ان کی شرائط وضوابط کے مطابق ہی ہو تو قابل عمل رہے گی" جس ادارے کا انتظام سودی ہو اس کے تحت کام کرنا کیسے شرعی جائز ہو سکتا ہے۔

(۶) میزان بینک کے اجارہ نامہ میں یہ بات بھی شامل ہے "تمام اخراجات جو پٹہ پر لینے والی چیز کے متعلق ہوں گے اس میں وہ بیچنے والا ہر قسم کے اخراجات جو کہ اس سہولت کے متعلق ہوں گے جو کہ اس شرائط نامہ میں دیے گئے ہیں بشمول بینک کے اخراجات یا قانونی دستاویزات ہیں وہ ہر حال میں پٹہ پر لینے والے کو برداشت کرنا ہوں گے"

یہ شریعت کے ضابطہ کے خلاف ہے کیونکہ کرایہ کے علاوہ مکان کے تمام اخراجات مالک کے ذمہ ہیں الا یہ کہ کرایہ دار کی طرف سے کوئی تعدی یا کوتاہی پائی جائے۔

(۷) میزان بینک والے عمل اجارہ میں ایک ماہ کی قسط بھی وصول کرتے ہیں جسے تکافل اجتماعی کا نام دیتے ہیں جبکہ یہ انشورنس کی ایک قسم ہے جو کہ حادثے اور نقصان کی صورت میں اس کی تلافی کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جاتے ہیں تو بینک کو دئے گئے کاروبار منافع کے تناسب سے ادا کرتے ہیں لیکن اس کا سارا نقصان پر واقعۃً خریدار اور کرایہ دار کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

میزان بینک کے اس کاروبار میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ اگر کوئی قسط بروقت ادا نہ کی جاسکے تو پھر اضافی رقم وصول کی جاتی ہے جو کہ سود اور ربوٰ کے زمرے میں آتی ہے اس کے جواز کے لئے یہ حیلہ کیا جاتا ہے کہ خریدار یہ قرار دے کہ اگر مجھ سے کوئی قسط بروقت ادا نہ کی جاسکی تو اللہ کے لئے مجھ پر اتنی رقم دینا ضروری ہے جو میں اس کو ادا کروں گا۔ لیکن ادا کروں گا حالانکہ نذر کا کوئی موقع اور محل نہیں جو مساکین کے لئے ہوتی ہے نذر مدینہ بینک کے لئے یہ جبری صدقہ ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔

مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر میزان بینک کا کاروبار سود کے زمرے میں آتا ہے لہٰذا اہل اسلام کو چاہیے کہ اس طرح کے مشتبہ کاروبار سے اجتناب کریں اور اس میں اپنا سرمایہ لگا کر ربوٰ اور اللہ کی حدود سے تجاوز کے مرتکب نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حلال روزی کے بے شمار اسباب و وسائل مہیا کئے ہیں انہی اسباب کو اپنا کر اللہ تعالیٰ سے رزق حلال کی طلب ہو۔

فقط باللہ التوفیق

نوٹ: میزان بینک میں ملازمت کے لئے جو شخص کسی وقت میں مجبوراً اپنی رقم جمع کراتا ہے معذور ہے۔

میزان بینک کے بارے میں ہم نے اپنی معلومات کی حد تک شرعی حکم تحریر کر دیا ہے میزان بینک کا کاروبار کرنے والے حضرات اسے اسلامی کہتے ہیں حالانکہ پاکستان کے اور علماء نے اس کی تصدیق نہیں کی۔

محمد [illegible] عفی عنہ

جامعہ فاروق اعظم ([illegible]) گوجرانوالہ

[illegible]

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نام نہاد اسلامی بینکاری ! ایک استفتاء

حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب مدظلہ

صدر دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ

(۱) میزان بینک میں اکاؤنٹ کھول کر بطور مضاربہ یا مشارکہ کاروبار کرنا جائز اور درست ہے یا نہیں؟

(۲) میزان بینک سے اجارہ و مرابحہ کی صورت میں قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے "صدقہ" یا جرمانے کے نام سے جو رقم لی جاتی ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) عقد شرکت و عقد مضاربت کرتے وقت شرکت و مضاربت ختم نہ کرنے کی شرط لگانا شرعاً کیسا ہے؟ یعنی عقد شرکت و مضاربت کے دوران وقت متعین کیا جاتا ہے اور اس معینہ مدت سے پہلے شرکت و مضاربت کو ختم نہ کرنے کی شرط لگانا۔

(۴) بینک کے مروجہ جات کا انشورنس کیا جاتا ہے، کیا شرعاً انشورنس جائز ہے؟ جب کہ بینکنگ کے نظام کو انشورنس کے بغیر برقرار نہیں رکھا جاتا اور اسلامی بینکاری کے نام سے بینکنگ کرنے والے ادارے انشورنس سے منسلک ہیں۔

(۵) عقد کرتے وقت مضاربت و نفع کی تناسب معلوم نہیں، اس کی وجہ سے بینک میں مسلسل رقم کی آمد ہے، اختتام مدت کے وقت نفع کا تناسب معلوم ہوتا ہے، کیا یہ جہالت مفسد عقد ہے یا نہیں؟

(۶) اوزان پیمانہ [illegible] کا کیا حکم ہے؟

(۷) "اجارہ" مروجہ یا شرکت متناقصہ یعنی مشارکہ متناقصہ کی تمام قسطیں ادا کرنے کے بعد اس شے کا مالک ہو جاتا ہے، کیا اس طرح کا اجارہ شرعاً جائز اور درست ہے یا نہیں؟

(۸) بینک جس چیز کو اجارہ پر دیتا ہے اس کا انشورنس ہوتا ہے، نقصان کی صورت میں تاوان بینک پر نہیں انشورنس کمپنی پر ہوتا ہے، کیا اس صورت میں اس سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۹) بینک کو چاہئے وہ اس کی شرعی کو دیگر اسلامی بینکوں کے قریب کرنے کے لئے فروغ عن المذہب

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

و تحقیق بھی اسلامی اسباب جائز ہے جن میں استعمال کے بعد یہ مقروض پر دباؤ ڈالنے کے لئے کہ قرضہ بروقت ادا کرے بعض بینک جرمانہ لیتے ہیں جب کہ مذکورہ بینک میں "صدقہ" یا چیریٹی فنڈ کے نام سے مقروض سے لی گئی رقم لی جاتی ہے جس کو صدقہ وغیرہ۔

(۱۰) مذکورہ بینک اسٹیٹ بینک کے ماتحت کام کرتا ہے جب کہ اسٹیٹ بینک کا معاملہ تمام بینکوں سے یکساں ہوتا ہے اس میں قرض پالیسی سودی بنیاد پر ہوتا ہے جو کہ ہر بینک کے لئے ضروری ہے، کیا مذکورہ بینک کے لئے اس مجبوری کے تحت سودی قرض لینا جائز ہے؟

(۱۱) بینک بیک وقت مضارب بھی ہے اور اپنا سرمایہ لگانے کی وجہ سے شریک بھی ہے اور عقد کرتے وقت یہ صورت حال رہتی ہے کیا ایک وقت میں ایک آدمی ایک ہی معاملہ میں شریک بھی ہو اور مضارب بھی ہو تو کیا شرعاً جائز ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانیت کی ہر موڑ پر بہترین راہنمائی کرتا ہے، دنیا کے کسی مذہب میں یہ جامع ضابطہ حیات موجود نہیں، یہ نظام اسلام ہی کا ہے۔ اسلام جہاں ہر انسان کو تمدنی تہذیب سکھلاتا ہے وہاں اس کے معاشی نظام میں بھی وہ بنیادی اور صداقت موجود ہے جو صراط مستقیم کو اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ انسان کی تمام معاشی و اقتصادی ضروریات کو پورا کرتی ہے تقسیم دولت ہو یا ذرائع معاش کا حصول تجارت ہو یا ملازمت کی بات اسلام کی بنیادی تعلیمات ان سب پر مکمل روشنی ڈالتی ہیں۔

عصر حاضر سے سودی و غیر اسلامی دنیا میں معیشت کو فروغ دینے کے لئے بینکنگ کا نظام رائج کیا گیا ہے اس لئے اسلامی دنیا میں ایک مدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اسلامی نظام معیشت کو جو کہ دنیا کا صحیح ترین نظام ہے رائج کیا جائے تاکہ سود جیسی لعنت سے رستگاری حاصل ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے مسلم دنیا میں ابتداء ہی کوشش کی گئی مگر مقصد حاصل نہ ہو سکا اور آج کل مختلف اسلامی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ملکوں میں مختلف ناموں سے یہ تجربہ جاری ہے ہمارے ملک میں بھی مختلف ناموں سے یہ کام ہو رہا ہے اور ان بینکوں میں شرکت و مضاربت کے اصول کی بنیاد پر یہ کوشش کی جا رہی ہے۔ اصل بحث میں جانے سے پہلے چند ضروری گزارشات ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) شرکت اور مضاربت دونوں عقد ہیں، فقہی اعتبار سے شرکت اس معاملے کو کہتے ہیں جس میں دو یا تین یا اس سے زیادہ افراد مل کر سرمایہ لگاتے ہیں اور ہر ایک اپنی ذاتی محنت سے اس کاروبار کو چلانے کی جائز کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس میں شریک دوسرے شریک کے حصے کے اعتبار سے ایک ایجنٹ کی طرح ہوتا ہے، اس میں کسی بھی قسم کا ہے یا تصرف نہیں کر سکتا۔ عقد شرکت میں تقسیم منافع کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ تمام شرکاء حاصل شدہ منافع میں فیصد کے اعتبار سے شریک ہوتے ہیں اور آپس کی رضامندی سے کسی ایک مقدار پر اتفاق کر لیا جاتا ہے۔ عقد شرکت میں منافع عموماً شرکاء کی رقم سرمایہ کے حساب سے مقرر کیا جاتا ہے اور کسی کی ایک فیصد کے لیے منافع کی کوئی بندھی مقدار مقرر نہیں کی جا سکتی ہے "لانہ شرط مخالف لمقتضی العقد" منافع کی تعیین عقد شرکت کی ابتداء میں ہونا ضروری ہے اگر کسی وجہ سے عقد کی ابتداء میں منافع کی تعیین نہ ہو سکی تو یہ عقد شرکت جائز نہیں ہوگا۔

(۲) عقد شرکت عقد لازم نہیں ہوتا اس لئے ہر شریک کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس وقت چاہے اس عقد کو ختم کر سکتا ہے شرعاً اس کی کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے کہ وہ اس عقد کو ہر صورت میں قائم رکھے بلکہ شریعت نے یہ معاملہ اس کی اپنی منشاء پر چھوڑا ہے۔ عقد شرکت میں جس طرح شرکاء منافع میں شریک ہوتے ہیں اسی طرح اس عقد میں ہونے والے نقصان کو بھی برداشت کرتے ہیں۔ البتہ نفع میں شریک ہونے اور نقصان کی شرکت میں یہ فرق ہے کہ نفع میں فیصدی مقدار رکھی جاتی ہے اس میں شرکاء کے سرمایہ کا تناسب ملحوظ نہیں ہوتا جبکہ نقصان کی صورت میں بالاتفاق ہر ایک شریک کے سرمایہ کی مقدار کے تناسب سے نقصان کی ادائیگی اس پر لازم ہوتی ہے۔

مضاربت اس عقد کو کہا جاتا ہے جس میں ایک فریق کی طرف سے سرمایہ اور دوسرے کی طرف سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

محنت ہوتی ہے اور پیسہ لگانے والے کو "رب المال" اور محنت کرنے والے کو "مضارب" کہا جاتا ہے جب کہ نفع یہاں بھی فریقین میں فیصد کے اعتبار سے باہمی رضامندی سے طے کیا جاتا ہے کسی فریق کے لئے نفع کی کوئی خاص رقم متعین کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ عقد مضاربت میں محنت کا دارومدار مضارب پر ہوتا ہے اگر یہ شرط لگادی جائے کہ مضارب کے ساتھ رب المال بھی محنت میں شریک ہوگا تو اس طرح کی شرط سے مضاربت فاسد ہوجائے گی۔ عقد مضاربت میں یہ بھی لازم ہے کہ بالکل عقد کی ابتداء ہی سے فریقین کے درمیان نفع کی مقدار طے ہوجائے اگر ابتداء عقد سے یہ تعین نہ کی گئی تو نفع مجہول ہوجائے اور جہالت نفع سے عقد مضاربت فاسد ہوجاتا ہے اسی طرح ہر وہ شرط جو روح عقد کے خلاف ہو اس سے بھی مضاربت فاسد ہوجاتی ہے۔

شرکت کی طرح عقد مضاربت بھی عقد لازم نہیں ہوتا لہٰذا عاقدین جب بھی باہمی رضامندی سے یہ معاملہ ختم کریں تو اس کو ہر حال میں پورا کرنا ان پر لازم نہیں ہوتا بلکہ مدت سے پہلے بھی فریقین میں سے کوئی اسے ختم کرنے کا حق رکھتا ہے۔

((هي لغة مفاعلة من الضرب في الارض وهو السير فيها وشرعا عقد شركة في الربح بمال من جانب رب المال وعمل من جانب المضارب وركنها الايجاب والقبول وحكمها ... من جانب المضارب) قيدبه لانه لو اشترط رب المال ان يعمل مع المضارب فسدت)) (الدر المختار مع رد المحتار ج٨ ص٤٣٩ رشیدیہ)

یعنی مضاربت باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کا لغوی معنی ہے زمین میں چلنا پھرنا شرعی اصطلاح میں مضاربت اس عقد کو کہا جاتا ہے جس میں رب المال پیسوں کے ذریعے اور مضارب عمل کے ذریعے نفع میں شریک ہوتے ہیں اور مضاربت کا رکن فریقین کا ایجاب وقبول ہے۔

مصنف نے اپنے قول "من جانب المضارب" میں عمل کو مضارب کے ساتھ مقید اس لئے کیا ہے کہ اگر مضارب کے ساتھ رب المال کے عمل کی بھی شرط لگادی جائے تو مضاربت فاسد ہوجاتی ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۲) أن يكون الربح بينهما شائعا فلو عين قدرا فسدت وأن يكون نصيب كل منهما معلوما عند العقد ومن شروطها كون نصيب المضارب من الربح حتى لو شرط له من رأس المال أو منه ومن الربح فسدت وفي الخلاصة كل شرط يوجب جهالة في الربح أو يقطع الشركة فيه يفسدها وإلا بطل الشرط وصح العقد اعتبارا بالوكالة

(الدر مع الرد ج۸ ص۵۲۰)

اور (شرائط) مضاربت میں سے یہ بھی ہے کہ (نفع فریقین میں مشترک ہو پس اگر کوئی خاص مقدار کسی ایک کے لئے متعین کر دی تو مضاربت ہی کے وقت معلوم ہو اور اس کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مضارب کا حصہ نفع میں سے ہو نہ کہ راس المال میں سے اگر یہ شرط لگا دی تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔ اور خلاصہ میں ہے کہ ہر وہ شرط جس سے نفع مجہول ہو جائے یا نفع میں شرکت کو ختم کر دے تو وہ مضاربت کو فاسد کر دیتی ہے ورنہ عقد تو درست ہو جائے گا البتہ شرط باطل ہو جائے گی وکالت پر قیاس کرتے ہوئے

(۳) وأما صفة هذا العقد فهو أنه عقد غير لازم ولكل واحد منهما أعني رب المال والمضارب الفسخ لكن عند وجود شرطه وهو علم صاحبه لما ذكرنا في كتاب الشركة

اور اس عقد کی صفت یہ ہے کہ یہ عقد غیر لازم ہے اور رب المال و مضارب میں سے ہر ایک کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دوسرے فریق کو اس کا علم بھی ہو جیسا کہ ہم کتاب الشرکہ میں بیان کر چکے۔

(۴) والأصل فيه أن القيد إن كان مفيدا يثبت لأن الأصل في الشروط اعتبارها ما أمكن وإذا كان القيد مفيدا كان يمكن الاعتبار فيعتبر لقول النبي عليه أفضل الصلوة والسلام المسلمون عند شروطهم فيتقيد بالمذكور ويبقى مطلقا فيما وراءه كالعام إذا خص منه بعضه أنه يبقى عاما فيما وراءه وإن لم يكن مفيدا لا يثبت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بل یبقی مطلقا لان ما لا فائدة فیه یلغو و یلحق بالعدم

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۷)

اس عقد کو مقید کرنے کا اصول یہ ہے کہ قید فائدہ مند ہو تو وہ ثابت ہوگی کیوں کہ شرائط وقیود سے متعلق اصل یہ ہے کہ جس حد تک یہ معتبر ہوتی ہیں تو قید مفید ہوتی ہے لہٰذا اس کا اعتبار ہوگا کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہوتے ہیں لہٰذا شرط کی حد تک تو عقد مقید ہوگا البتہ زائد از شرط میں مطلق ہی رہے گا، جیسے کہ عام مخصوص منہ البعض تخصیص کے بعد عام ہی رہتا ہے۔ اور اگر وہ قید مفید نہ ہو تو عقد میں معتبر نہ ہوگی بلکہ عقد مطلق ہی رہے گا، اس لئے کہ غیر مفید چیز لغو ہوتی ہے جب اسے معدوم سمجھا جاتا ہے۔

(ولو انه وقتها فهل تتوقت بالوقت حتی لا تبقی بعد مضیه، فیه روایتان کما فی توقیت الوکالة وتمامه فی البحر عن المحیط ولم یذکر ترجیحا وجزم فی الخانیة بانها تتوقت حیث قال والتوقیت لیس بشرط لصحة هذه الشرکة والمضاربة ان وقت لهما لکن وقتا بان قال ما اشتریت الیوم فهو بیننا صح التوقیت فما اشتراه بعد الیوم یکون للمشتری خاصة وکذا لو وقت المضاربة لانها والشرکة توکیل والوکالة مما یتوقت

(۱) [illegible]

(۲) [illegible] ص ۳۱۲

(۳) [illegible]

مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی وقت کے ساتھ موقت کردی جائے تو وہ موقت ہوگی کہ انتہاء وقت کے بعد [illegible] اس کے متعلق دو روایتیں ہیں جس کی ساری بحث [illegible] سے نقل کی ہے لیکن کسی [illegible] نے ترجیح [illegible] پر جزم کیا ہے چنانچہ [illegible] کہ شرکت [illegible] کے صحیح ہونے کے لئے [illegible] یہ کہ آج کے دن [illegible] خریداری تم نے کی وہ ہم

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیع مشترک ہوگی تو یہ توقیت درست ہوگی اور یوم کے بعد کی خریداری صرف مشترک کی ہوگی یہی حکم توقیت مضاربت کا ہے کیونکہ یہ بھی وکالت کی فرع ہیں اور وکالت توقیت کو قبول کرتی ہے۔

(۲) كل واحد من الشريكين ممنوع من التصرف في نصيب صاحبه لغير الشريك الا باذنه لعدم تضمنها الوكالة (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۸۰)

شریکین میں سے ہر ایک کو غیر شریک کے لئے ایک دوسرے کے مال میں تصرف کرنے کی ممانعت ہے الا یہ کہ اس کی اجازت سے ہو کیونکہ شرکت وکالت کو متضمن (شامل) نہیں ہے۔

(۳) واذا دفع الرجل مالا مضاربة بالنصف فعمل به في مصره او في اهله فلا نفقة له في مال المضاربة ولا على رب المال لان القياس ان لا يستحق المضارب النفقة في مال المضاربة بحال فانه بمنزلة الاجير لما شرط لنفسه من بعض الربح وواحد من هؤلاء لا يستحق النفقة في المال الذي يعمل فيه الا انا تركنا هذا القياس فيما اذا سافر بالمال لاجل العرف ففي ما قبل السفر على اصل القياس وهذا لان مقامه في مصره او في اهله لكونه متوطنا فيه لا لاجل مال المضاربة ...... فاما اذا خرج الى مصر يتجر فيه كانت نفقته في مال المضاربة
(المبسوط للسرخسی ج ۲۲ ص ۶۵)

اور جب رب المال نے نصف حصہ پر مضاربت کے لئے مال دیا اور مضارب نے اپنے شہر یا اہل میں رہ کر کام کیا تو مضارب کا نفقہ نہ تو مال مضاربت میں سے اور نہ ہی رب المال کے ذمہ ہوگا کیونکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مضارب کو کسی صورت میں مضاربت کے مال سے نفقہ نہ ملے اس لئے کہ مضارب یا تو مزدور کی طرح ہے یا مستبضع (سرمایہ لینے والا) دوسرے کے حکم سے اس کے لئے کام کرنے والا ہے اور یا وہ مزدور کی طرح ہے کیونکہ اس کو نفع کا حصہ اس کے لئے مشروط ہے، جب کہ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے معمول والے مال میں سے نفقہ کا مستحق نہیں، یہ نفقہ مضاربت پر کام کرنے کے لئے جب دوسرے شہر جائے تو اس وقت یہ قیاس متروک ہوگا یہ عرف ہے۔ اندرون شہر اس کا قیام خواہ گھر میں ہو یا کسی دوسری جگہ وطن رہائش

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ہوتا ہے کہ مضاربت ہے کے لئے البتہ اگر وہ سفر کر کے بیرون شہر چلا جائے تاکہ وہاں جا کر تجارت کرے تو اس وقت اس کا خرچہ مال مضاربت میں سے ہوگا کذا فی الہدایہ ج ۳ ص ۲۶۷، الدر المختار مع رد المحتار ج ۴ ص ۶۵۴ طبع سعید۔

شرکت و مضاربت کی سابقہ تفصیل کو سامنے رکھنے سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ المیزان بینک (جسے بعض حضرات شخص معنوی قرار دیتے ہیں) کے ساتھ علاقہ مضاربت و شرکت قائم کرنا بوجوہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ المیزان ایک بینک ہونے کی بنا پر اسٹیٹ بینک کے ماتحت کام کرتا ہے اور یہ بات المیزان کے Corporate Account فارم میں درج ہے، اور پھر اپنی ضرورت کے تحت اسٹیٹ بینک اور عالمی بینک سے سودی قرضہ بھی لیا جاتا ہے۔ اسی طرح المیزان کا بازار حصص کی سٹہ بازی میں بھی پیسہ لگا ہوا ہوتا ہے جب کہ حصص کے کاروبار کے متعلق انعام الباری شرح صحیح البخاری (ج ۶ ص ۲۹۸) میں ہے کہ "حصص کی خرید و فروخت اسٹاک ایکسچینج میں ہوتی ہے سرمایہ دارانہ نظام ہے اور مجموعہ قمار ہے جوا ہے" اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ خود یہ شخص معنوی (المیزان بینک) بھی دیگر بعض حضرات معاہدوں کے ساتھ اپنی رقم لگا کر شریک بھی ہوتا ہے، لہذا جانب واحد کا مال تو عموماً حلال ہی ہوتا ہے لیکن دوسری جانب کا (المیزان کا) مال ان ناجائز ذرائع سے بھی حاصل کیا ہوا ہوتا ہے۔ نیز المیزان کی جو سالانہ رپورٹیں ہوتی ہیں ان میں اکاؤنٹ کھولتے وقت کا کوئی ذکر نہیں کیا جاتا۔ ان سے اس بات کا کوئی علم نہیں ہوتا کہ کیا المیزان میں اکاؤنٹ (سیونگ یا کرنٹ) کھولتے وقت فقہی حیثیت کیا ہوتی ہے تو وہ بینک کے ساتھ شرکت کا معاملہ کرتے ہیں یا صرف اپنا مال لگانے کی بنا پر مضارب ہوتے ہیں۔ اسی طرح شرکت و مضاربت کا جو شرعی ایجاب و قبول ہوتا ہے وہ بھی یہاں کہیں پایا جاتا بلکہ محض فارم پر ہی دستخط کروائے جاتے ہیں حالانکہ ایجاب و قبول عقد شرکت و مضاربت دونوں کے لئے رکن کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ بدائع الصنائع ج ۶ ص ۷۷، ۸۱ اور ہدایہ ج ۳ ص ۲۹۹ طبع سعید میں مذکور ہے۔

اسی طرح عقد مضاربت میں یہ بھی ضروری ہے کہ جو مال مضارب کو رب المال نے بطور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مضاربت ہے تو اس مال میں رب المال خود تصرف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مال مضاربت میں تصرف کرنے کے لئے مضارب اور مال کے درمیان تخلیہ ضروری ہے اگر تخلیہ کی بجائے رب المال اپنے تصرف کی شرط لگا دے یعنی شرط یہ کہ رب المال، مال مضاربت میں تصرف کرے تو اس سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے چنانچہ رد المحتار میں ہے۔

(قوله مسلما) فلو شرط رب المال ان یعمل مع المضارب لا تجوز المضاربة سواء كان المالك عاقدا او لا (ج ۴ ص ۵۳۰ رشیدیہ)

وان اخذه اى المالك المال بغير امر المضارب وباع واشترى بطلت ان كان راس المال نقدا لانه عامل لنفسه

(الدر مع الرد ج ۴ ص ۵۳۶)

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ رب المال کو مال مضاربت میں امر مضاربت کے بغیر کسی بھی قسم کا تصرف کرنے کا حق نہیں، کیونکہ ایسا کرنے سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے۔ جب کہ ادھر اسلامی بینکوں کا طریقہ یہ ہے کہ عام بینکوں کی طرح اکاؤنٹ کھولنے کے بعد رب المال کو ایک چیک بک دے دیا جاتا ہے جس کے ذریعے رب المال جب بھی جتنی بھی اور جس مقصد کے لئے بھی اپنی جمع شدہ رقم نکالنا چاہے تو وہ اس کا مختار ہوگا۔

اب اگر یہ شخص معنوی (بینک) صرف مضارب ہے تو مضارب اور مال مضاربت کے درمیان تخلیہ ہے ہی نہیں حالانکہ تخلیہ صحت مضاربت کے لئے ضروری ہے جیسا کہ فتاویٰ شامی (ج ۴ ص ۵۳۳) میں اس کی تصریح ہے "لانه یمنع التخلیة فیمنع الصحة" اور اگر یہ بینک شریک ہے تو یہاں شرکت میں تصرف ہے کیونکہ شرکت مال سے ہوتی ہے اور جب مال نہ رہا تو شرکت بھی نہیں رہے گی۔ اور اگر سارا مال نہیں نکالا بلکہ کچھ حصہ نکالا ہے تو بھی راس المال کے مجہول ہونے کی بناء پر سابقہ شرکت ختم ہو جائے گی اور دوبارہ [illegible] سے نیا عقد شرکت کرنا ضروری ہے اور وہ کیا نہیں جاتا لہٰذا اس طرح عقد باطل [illegible]

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

درست ہیں کیونکہ شرکت کے وقت راس المال کی مقدار کا تفصیلی علم تو اگرچہ ضروری نہیں البتہ اجمالی علم تو بہر حال ضروری ہے۔

دوسری طرف بینک نے تقسیم نفع کے لئے جو طریقہ کار وضع کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک مدت کے اختتام پر بینک کل قابل تقسیم نفع میں سے ایک مخصوص رقم (جو کہ کل رقم کا بیس (۲۰) فیصد ہوتی ہے) اپنے اخراجات پورے کرنے کے بعد باقی نفع شرکاء میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم کرتا ہے الغرض ان کی وجہ سے صراحت ہو جاتی ہے کہ بینک اپنی مرضی کے مطابق کھاتہ داروں کی رضامندی کے بغیر اخراجات اور نقصانات کی مد میں رقم نکال لیتا ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان کی تمام شرائط کی شق نمبر ۱۴) جبکہ حضرت مفتی صاحب بینک کی حیثیت پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

فاذا تقرر ان المضارب هو المؤسسة او البنك او الشركة بصفة كونها شخصا معنويا فان جميع الواجبات المضاربة وحقوقها ترجع الى هذا الشخص المعنوى وبما ان الشخص المعنوى لا يستطيع ان يعمل فانه يعمل من خلال موظفيه وعماله فنفقات هؤلاء الموظفين العمال على الشخص المعنوى وليست على مال المضاربة الا النفقات التي تخص عمليات الاستثمار، اما رواتب الموظفين وصيانة المكاتب وتأثيثها ونفقات الكهرباء وما اليها فكلها على الشخص المعنوى (المعنوى البحوث ج ص ۱۹۶)

(ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ بینک یا کمپنی وغیرہ شخص معنوی ہیں لہٰذا مضاربت وغیرہ کے تمام حقوق کا تعلق بینک وغیرہ ہی کے ساتھ ہے۔ البتہ شخص معنوی ہونے کی وجہ سے خود کام کرنے کی بجائے یہ اپنے ملازمین اور عہدیداروں کے ذریعے کام کرتا ہے لہٰذا ملازمین کی تنخواہیں اور بجلی وغیرہ کے بلوں کی ادائیگی اسی شخص معنوی یعنی بینک ہی کے ذمہ ہے البتہ وہ اخراجات جن کا تعلق براہ راست مضاربت سے وصول کے ہو تو ان کے علاوہ بقیہ تمام اخراجات کی ادائیگی اس شخص معنوی کے ذمہ ہے۔

اور تحریر یا بینک (الحسن) کے خرچہ سے متعلق فتاویٰ شامی (۲/۴۲۵) رشیدیہ، بدائع

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

الصنائع (۵/ ۹۹) شامیہ اور مبسوط سرخسی (۲۲/ ۵۹) وغیرہ میں بھی موجود ہے جیسا کہ سابق میں عبارت نمبر (۵) کے تحت گزر چکا ہے۔ البتہ فقہاء نے نفع وغیرہ کو مخصوص معنوں نہیں کہا۔ جیسا کہ شروع میں یہ وضاحت ہو بات گزر چکی ہے کہ شرکت و مضاربت کے عقد میں اصل مقصود اور معقود علیہ نفع یعنی نفع ہی ہے اور اسی نفع ہی کی وجہ سے دو شخص آپس میں تعلقات استوار کرتے ہیں، لہذا فقہائے کرام نے صراحت کے ساتھ اضافہ کیا ہے کہ نفع کا تناسب شروع عقد ہی سے فریقین کو معلوم ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی وجہ سے ابتداء عقد کے وقت نفع کا تناسب مجہول رہتا ہے تو اس سے یہ عقود فاسد ہو جاتے ہیں، چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ومنها ان يكون الربح معلوم القدر فان كان مجهولا تفسد الشركة لان الربح هو المعقود عليه وجهالته توجب فساد العقد كما في البيع والاجارة

(۱) بدائع الصنائع ج ۵ ص ۵۹ (۲) شامی ج ۳ ص ۵۲۰

(۳) اسلامی بینکاری کی بنیادیں ص ۲۳۲، ۵۰

ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ نفع کی مقدار شروع ہی سے فریقین کو معلوم ہو اگر یہ مقدار مجہول ہو تو اصل معقود علیہ مجہول ہو جائے گا جس کے مجہول ہونے کی وجہ سے عقد شرکت فاسد ہو جائے گا جس طرح بیع میں ثمن اور اجارہ میں اجرت کی جہالت مفسد عقد ہوتی ہے۔

چونکہ فقہاء کے ہاں عقد شرکت و مضاربت کے درست ہونے کے لئے جہاں اور بہت سی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے وہاں یہ شرط بھی لازمی ہے کہ بالکل عقد کی ابتداء ہی میں تمام شرکاء کو نفع کی فیصدی مقدار کا علم ہو ورنہ عقد درست نہیں ہوگا۔

اسی وجہ سے چونکہ ابتداء عقد سے نفع کا تناسب معلوم نہیں ہوتا اس لئے انہوں نے یومیہ نفع کی تقسیم کا یہ طریقہ وضع کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''سرمایہ کاری کی ایک مخصوص مدت کے اختتام پر دیکھا جائے کہ نفع کی کل مقدار کتنی ہے؟ پھر اس منافع کو سرمایہ کاری کے تمام ایام اور مجموعی مدت پر اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

عرصہ تقسیم کریں کہ جس سے فی روپیہ یومیہ حاصل ہونے والا منافع معلوم ہو جائے۔ پھر جس شریک کا جتنا روپیہ سرمایہ کاری کی اس مدت کے دوران جتنے ایام زیر استعمال رہا ہو اسی حساب سے اسے فی یوم منافع کی قیمت سے دی جائے۔

لیکن اس قاعدے کے بارے میں اصل شبہات ختم نہیں ہوتی۔ اولاً اس لئے کہ یہ قاعدہ محض ایک تخمینی چیز ہے تحقیقی نہیں، کیونکہ یہ کہنا درست نہیں کہ ایک مخصوص مدت کے بعد جو منافع کا تناسب طے کیا جانے کی صورت میں ہوگا جو عقد کی ابتدا میں مقرر کرنا تھا۔ ثانیاً اس لئے کہ اس تناسب نفع کی تعیین ایک مدت کے بعد ہوتی ہے جب کہ فقہائے کرام نے شروع عقد ہی سے نفع کی مقدار کا معلوم ہونا شرط قرار دیا ہے جیسا کہ سابق میں فقہی عبارات کے تحت گذر چکا ہے کہ فقہاء نے "عند العقد" کی قید کی تصریح کی ہے جیسا کہ "... (شرح ... ص ...) اور اسی طرح "اسلامی بینکاری بنیادیں" میں تصریح ہے کہ نفع کی مقدار کا "معاہدے کے نافذ العمل ہونے کے وقت" ہی معلوم ہونا ضروری ہے۔ اور یہ ایک عام سی بات ہے کہ ایک مخصوص مدت کے بعد نفع کا جو تناسب معلوم ہوگا اس پر "عند العقد" کی تعریف صادق آ نہیں سکتی۔ کیونکہ لغوی اعتبار سے "عند" کا لفظ ظرف زمان و مکان دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہاں تقسیم کی عبارات میں یہ لفظ ظرف زمان کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ شرکاء کے درمیان نفع کا تناسب اس وقت میں معلوم ہونا ضروری ہے جو شرکت یا مضاربت کے منعقد ہونے اور نافذ العمل ہونے کا وقت ہوتا ہے اور وہ وقت ابتدائے عقد ہے نہ کہ ایک مخصوص مدت کی انتہاء و اختتام۔ لہٰذا اس مدت (مثلاً ایک سال) کے دوران جو سرمایہ کاری ہوگی اس میں تو نفع کا تناسب مجہول ہوگا اور آخر مدت کے بعد جب اس کا حساب لگایا جائے گا تو معلوم ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ بات براہ راست عقل کے بالکل خلاف ہے۔ اس طرح کرنے سے کسی بھی شریک کو حاصل ہونے والے حقیقی نفع کی مقدار معلوم نہیں ہو سکتی۔ ثالثاً اس لئے کہ اکثر حسن ظن و شفقت قوم کے ساتھ ... رہتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص یہ ہو کہ جو شروع اور آخر کے ایام میں تو اپنی رقم سرمایہ کاری میں لگائے لیکن

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

درمیان میں بینک سے اپنی رقم کل یا بعض نکال سکتے ہیں اب مخصوص مدت کے بعد جب نفع کا یومیہ حساب لگایا جائے گا تو جن ایام میں اس کی رقم کاروبار میں شامل نہیں تھی یا شامل تو تھی لیکن نا قابل ذکر مقدار میں تھی انہی ایام میں جو نفع حاصل ہوا ہے اور جب نفع تقسیم ہوگا تو اس آدمی کو مفت میں دوسرے شرکاء کے ساتھ نفع حاصل ہو جائے گا حالانکہ ان ایام میں تو اس کا سرمایہ زیر استعمال تھا ہی نہیں۔ گویا اس طرح ایک آدمی کو سرمایہ لگائے بغیر نفع بھی مل رہا ہے اور اگر اس دوران نقصان ہوا ہو تو نقصان بھی برداشت کرنا پڑ رہا ہے جس کے جواز کی صورت نہیں ہے۔

سوالات کے مطابق المیزان کی طرف سے شرکت و مضاربت کرنے والے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ شرکت و مضاربت کرنے والا آدمی ایک مخصوص مدت سے پہلے اس عقد کو ختم نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ شرط بھی درست نہیں، اس لئے کہ شریعت نے متعاقدین کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ جس وقت چاہیں اس عقد کو ختم کر دیں۔ کیونکہ شرکت و مضاربت دونوں عقد غیر لازم ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے عبارت (۳) کے تحت بدائع الصنائع (ج ۵ ص ۱۵۲) کے حوالے سے گذر چکا ہے۔ جب کہ المیزان کی شرط کے مقابلے میں خود المیزان اس طریقہ کار کی نفی کرتا ہے کیونکہ مضاربہ یا مشارکہ کا اکاؤنٹ کھولنے والے کو المیزان کی طرف سے ایک چیک بک دی جاتی ہے جس کے ذریعے رب المال اپنے اختیار کو استعمال کر کے جس وقت چاہے اپنی کل یا بعض رقم نکال سکتا ہے۔ جب کہ اکاؤنٹ ہولڈر کو ایسا کرنے سے بینک منع نہیں کر سکتا۔ اب اگر وہ قبل از مدت اپنی کل رقم نکال لے یا بعض حصہ نکال لے تو اس کی سابقہ شرکت خود بخود ختم ہو جائے گی۔ باوجود اس اختیار کے یہ جو شرط لگائی گئی ہے کہ رب المال ہر صورت میں اس مدت کو تمام کرنے کا پابند ہوگا، یہ شرط محض ہے اور حسب تصریح بدائع الصنائع یہ شرط بے فائدہ ہو کر لغو ہو جائے گی اور اسے معدوم تصور کیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۴۷ رشیدیہ) اشتراکت و مضاربت میں ذکر کرنے کی یہ شرط چونکہ عقد کے تقاضوں کے منافی ہے اور یہ شرط لازم عقد نہیں اس لئے ہر صورت غیر معتبر قرار دے کر فریقین کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ جس وقت بھی اپنا عقد ختم کرنا چاہیں ان پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۲) ادھار بیع یعنی بیع مؤجل شرعاً جائز ہے اس میں یا تو سارا ثمن ایک مدت کے بعد یکمشت ادا کیا جاتا ہے یا مختلف قسطوں کے ذریعے ثمن کی ادائیگی کی جاتی ہے دونوں صورتوں کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ البتہ فروخت کرنے والے شخص کے لیے بیع سے پہلے مبیع پر اس کا قبضہ ضروری ہے یعنی بیع مؤجل کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ خود اس مبیع کا مالک ہو پھر آگے وہ کسی سے بیع کا معاملہ کرے۔ اور اگر پہلے وہ مبیع اس کے قبضہ میں نہیں تو عقد سے پہلے اپنی ملکیت و قبضہ میں لانا ضروری ہے، جب قبضہ و ملکیت ثابت ہو جائے تو وہ اس کی اصل قیمت کے ساتھ مزید منافع لگا کر اس ضرورت مند کو ادھار دے دے۔ اور عقد ہی کے وقت اس چیز کی قیمت، مدت ادائیگی اور دیگر شرائط سب متعین کر دے۔ اگر ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ قبضہ سے پہلے ہی اسے آگے فروخت کر دیا جاتا ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں، اسے شرعی اصطلاح میں "بیع قبل القبض" کہا جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

پھر اگر کوئی شخص یا ادارہ یہ نہیں کر سکتا کہ پہلے وہ اس چیز کو بازار سے اپنے لئے خریدے اور قبضہ و ملکیت کے بعد آگے ضرورت مند کو دے، تو وہ اس ضرورت مند کے ساتھ ایک معاہدہ وکالت طے کرے اس کے معاہدے کے تحت وہ شخص اس ادارہ وغیرہ کا وکیل بن کر بازار سے اپنی مطلوبہ چیز اپنے موکل کے لئے خریدے اور اس پر قبضہ کرلے، پھر اس سے اپنی ضرورت کے تحت نئے عقد کے ساتھ اپنے لئے خریدے، ایسا کرنا شرعاً درست ہے لیکن یہاں یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اس شخص کی یہاں دو جدا جدا حیثیتیں ہیں کہ یہ شخص پہلا اس ادارے کا وکیل ہو کر بازار سے اپنے موکل کے لئے خریداری کرے اور اس بیع کے مکمل ہونے کے بعد وہ چیز موکل کی ہو کر قبضہ میں رہے، اس کے بعد اگر اسے ضرورت ہو تو نئے عقد کے ساتھ جداگانہ بیع قبول کرے جو چیز اپنے لئے خریدے۔ یہ اس دوسرے عقد میں یہ شخص وکیل نہیں رہے گا بلکہ مشتری کی حیثیت ہوگی۔ اگر ان دونوں حیثیتوں کا لحاظ رکھ کر عقد کیا جائے تو درست ہے ورنہ دونوں عقود ایک عقد میں جمع ہونے کی وجہ سے معاملہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ "صفقتان فی صفقۃ" ہے جو ناجائز و ممنوع ہے۔

قسطوں کے معاملے میں اس بات کا امکان رہتا ہے کہ مشتری درمیان میں سے کوئی قسط موخر نہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرے تو ظاہر ہے کہ اس سے بائع کو نقصان ہوتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کی تعلیم بھی موجود ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو مدیون وسعت رکھنے کے باوجود دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا ہے تو ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ لیکن اگر محض تنگی کی وجہ سے ہو تو یہ ظلم نہیں، بلکہ شرعی تعلیم اس سے متعلق یہ ہے کہ ایسے مدیون کو مہلت دینا واجب ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص باوجود استطاعت کے مطل سے کام لیتا ہے تو اس کے ظلم کو روکنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو وہ ہے جسے خود نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمایا کہ

"لی الواجد یحل عرضہ وعقوبتہ" صاحب استطاعت کا ادائے دین میں پس و پیش کرنا اس کی عقوبت اور بے آبروئی کو حلال کر دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ حدیث کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ "یحل عرضہ یغلظ له وعقوبته یحبس" (احکام القرآن للجصاص ج ١ ص ٣٤٧)

"یحل عرضہ" کا مطلب یہ ہے کہ اسے سخت سست کہے یعنی بے عزتی کرے اور عقوبتہ کا مطلب یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عقد کی ابتداء میں یہ وضاحت کر دے کہ اگر آپ نے قسطیں اپنے وقت پر ادا نہیں کیں یا کوئی بھی قسط مدیون سے موخر ہو گئی اس کے بعد تمام اقساط کی رقم یک مشت فی الفور ادا کرنی پڑے گی کہ اگر وہ شخص قسط ادا نہ کرے تو معاہدے کے تحت پوری ساری رقم فی الفور ادا کرنی لازم ہو جائے گی۔ ایک صورت اس کی یہ بھی ہے کہ بائع مشتری سے کوئی ایسی چیز جو کہ قیمتی ہو اپنے پاس بطور وثیقہ رہن رکھ لے۔ اب اگر مشتری دین کی ادائیگی میں تاخیر کرے یا ادائے دین سے عاجز ہو جائے تو بائع کے لئے جائز ہے کہ وہ اس چیز کو فروخت کر کے اپنی رقم وصول کر لے۔ البتہ بائع کے لئے مرہونہ شئے سے انتفاع جائز نہیں ہے۔

اسی طرح اگر مبیع منقولہ ہے تو وصولی ثمن کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اگر بائع وصولی ثمن کے لئے مبیع کو اپنے پاس روکنا چاہے تو روک بھی سکتا ہے البتہ اگر بیع موجل ہو یا بائع نے ثمن کی وصولی سے قبل ہی مبیع مشتری کے حوالے کر دی ہو تو اب وہ اس مقصد کے لئے مبیع کو واپس نہیں لے سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اگر مدیون مالدار ہو کر بھی دین کی ادائیگی نہیں کرتا یا پس و پیش کرتا ہے تو ان مذکورہ بالا طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار کر کے اسے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور کچھ ادائیگی پر مجبور کیا جا سکتا ہے لیکن مدیون پر مالی جرمانہ عائد کرنا شرعاً کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ اور لیکن کمپنی کا اس طرح سے اس کو مجبور کرنا جائز ہے جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

(الباب الثالث) وفي شرط الصحة فخمسة وعشرون منها عامة ومنها خاصة ..... فالخاصة معلومية الاجل في البيع المؤجل ثمنه والقبض في بيع المشتري المنقول (قوله والقبض في بيع المشتري الخ) اي يشترط قبض منقول اشتراه لصحة بيعه فلو اشترى منقولا ولم يقبضه فباعه لا يصح بيعه منه

(الفتاوى الشامية ج ۴ ص ۶ رشیدیہ)

تیسرا باب جو صحت بیع کے لئے شرط ہے وہ پچیس چیزیں ہیں جن میں سے بعض خاص اور بعض عام ہیں۔

شرائط خاصہ میں سے ایک یہ ہے کہ بیع منقول کا قبضہ بیع کی صحت کے لئے شرط ہے پس اگر منقول چیز خریدی اور اس پر قبضہ نہیں کیا تو بیع صحیح نہیں ہوگی۔

(۲) وصح بثمن حال وهو الاصل وبثمن مؤجل الى معلوم لئلا يفضي الى النزاع (قوله لئلا يفضي الى النزاع) تعليل لاشتراط كون الاجل معلوما لان علمه لا يفضي الى النزاع وافاد مفهوم الشرط المذكور وهو انه لا يجوز اذا كان الاجل مجهولا

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۴ ص ... رشیدیہ)

بیع نقد ثمن (جو کہ اصل فی البیع ہے) اور مقررہ وقت تک ادھار ثمن کے ساتھ جائز ہے تاکہ جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔ (لئلا یفضی الی النزاع) اوقات ادھار کے معلوم ہونے کے شرط ہونے کی علت ہے کیونکہ معلومیت مدت جھگڑے کا باعث نہیں بنتی۔ بہرحال اس مذکورہ شرط (یعنی معلومیت اجل) سے معلوم ہوا کہ اگر بیع میں ادھار ثمن کی مدت مجہول ہو تو بیع جائز نہیں ہوگی۔

(۳) ... فلا معنى كما شرط ملتقط وهي كفارة ... (... ج ۴ ص ۲۱۲ رشیدیہ، البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۸)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

صاحب درمختار محقق سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے بائع کے ایک ہزار ایسے ثمن میں سے جو کہ جس میں سے عقد واقع ہوا تھا اس شرط پر کہ اگر درمیان کی مدت گزر گئی تو بقیہ ثمن فی الحال ادا کرنا ہوگا تو (اگر مشتری نے ایسا کیا تو) وہ شرط معمول بہا ہوگی اور بقیہ اساط حالا ادا کرنی پڑیں گی اور یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے۔

(٣) التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل وشرط في الاجناس شرطا ثالثا وهو ان يقول خليت بينك وبين المبيع فلو لم يقل او كان بعيدا لم يصر قابضا والناس عنه غافلون فانهم يشترون قرية ويقرون بالتسليم والقبض وهو لا يصح به القبض على الصحيح (قوله وهو لا يصح به القبض) اى الاقرار المذكور لا يتحقق به القبض وقيد بالقبض لان العقد في ذاته صحيح غير انه لا يجب على المشتري دفع الثمن لعدم القبض (قوله على الصحيح) وهو ظاهر الرواية ومقابله ما في المحيط .... وهو ضعيف كما في البحر وفي الخانية والصحيح ما ذكر في ظاهر الرواية لانه اذا كان قريبا يتصور فيه القبض في الحال فاقام التخلية مقام القبض الخ

(الدر المختار مع رد المحتار ج۴ ص ۱۳، ۱۵ ۔ ۵۶۱)

مشتری اور مبیع کے درمیان اس طرح تخلیہ کر دیا جائے کہ بغیر کسی مانع اور حائل کے قبضہ ممکن ہو تو یہ تسلیم صحیح ہوگی۔ اجناس میں ایک تیسری شرط بھی ذکر کی ہے کہ بائع مشتری سے یوں کہے میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کر دیا ہے۔ اگر بائع نے یہ نہ کہا یا بائع دور ہو تو مشتری کا قبضہ شمار نہ ہوگا جبکہ لوگ اس مسئلے سے غافل ہیں وہ ایک قریہ خرید کر قبضہ اور سپردگی دونوں کا اقرار کرتے ہیں حالانکہ ایسا قبضہ صحیح قول کے مطابق درست نہیں ہے۔ (قوله وهو لا يصح به القبض) یعنی اس مذکورہ اقرار سے قبضہ متحقق نہیں ہوتا اور قبضہ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ عقد فی نفسہ تو درست ہے البتہ مشتری پر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے مشتری پر ثمن کی ادائیگی واجب نہیں ہے۔ (على الصحيح) اور یہی ظاہر الروایہ بھی ہے اس اور کے مقابل کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

روایت میں بتایا گیا ہے جو کہ ضعیف ہے بمطابق البحر والفتاویٰ اور ظاہر الروایہ کا مسئلہ صحیح ہے اس لئے کہ اگر مشتری مبیع کے قریب ہو اور اس کا مبیع پر حقیقی قبضہ متصور ہو تو اس تخلیہ کو قبضہ کے قائم مقام کیا جائے گا لیکن اگر مشتری دور ہو کہ فی الحال مبیع پر اس کا قبضہ متصور نہ ہو تو تخلیہ قائم مقام قبضہ کے نہیں ہوگا۔

(۵) لو کان ذلک الشیء الذی قال له المشتری امسکه هو المبیع الذی اشتراه بعینه لو بعد قبض الحقیقی لانه حینئذ یصلح ان یکون رهنا وله ولو قبله لا یکون رهنا لانه مضمون بالثمن کما لا یخفی (الدر مع الرد ج۷ص۳۲۸ رشیدیہ)

اگر مشتری مبیع پر قبضہ حقیقی کے بعد بائع سے یہ کہے کہ تم اسے اپنے پاس روک لو تو یہ رہن بن سکتی ہے اور اگر حقیقی قبضہ کرنے سے پہلے مشتری ایسا کہے تو یہ رہن نہیں بن سکتی کیونکہ اس وقت تو یہ مبیع بائع کے پاس ثمن کے عوض مضمون ہوگی نہ کہ بطور رہن۔

(۶) وصح بثمن ضمانة حالا ...... والاصل عندهم ان وجوب الدین ظاهرا یکفی لصحة الرهن والکفالة الخ (الدر مع الرد ج۶ص۴۹۶)

اور علامہ شامیؒ کے حوالے سے دین پر رہن رکھنا صحیح ہے جس کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ ظاہری وجوب دین صحت رہن کے لئے کافی ہے۔

(۷) لا الانتفاع به مطلقا لا باستخدام ولا سکنی ...... الا باذن کل للآخر وقیل لا یحل للمرتهن لانه ربا وقیل ان شرطه کان ربا والا لا الخ قوله وقیل لا یحل للمرتهن قال فی المنح وعن عبد الله محمد بن اسلم السمرقندی وکان من کبار علماء سمرقند انه لا یحل له ان ینتفع بشیء منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراهن لانه اذن له فی الربا لانه یستوفی دینه کاملا فتبقی له المنفعة فضلا فیکون ربا وهذا امر عظیم ...... قال ط قلت والغالب من احوال الناس انهم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف کالمشروط وهو مما یعین المنع والله تعالی اعلم (الدر مع الرد ج۶ص۴۸۲)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مرہونہ شے سے انتفاع خواہ خدمت کا ہو یا رہائش کا وغیرہ مطلقاً منع ہے الا یہ کہ وہ ایک دوسرے کو اس کی اجازت دے دیں۔ اور کہا گیا ہے کہ مرتہن کا رہن سے انتفاع حلال نہیں اس لئے کہ یہ سود ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اگر انتفاع مشروط ہو تو ممنوع ہے ورنہ نہیں۔ (قولہ قیل لا یحل للمرتهن) منح میں کہا گیا ہے کہ امام عبداللہ محمد بن اسلم السمرقندی جو کہ علماء سمرقند میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ مرہونہ چیز سے انتفاع کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اگرچہ راہن اجازت دیدے کیونکہ یہ اس اجازت سود میں ہوگی اس لئے کہ وہ قرض پورا لے لیگا۔ اور یہ منفعت زائد ہے جو کہ سود ہے' تو یہ امر عظیم' امام طحاوی فرماتے ہیں کہ عام طور پر رہن رکھنے سے لوگوں کا مقصد اس سے انتفاع ہی ہوتا ہے کیونکہ اگر یہ مقصد نہ ہو تو راہن کو قرض ہی نہ دیتا۔ اور یہ بمنزلہ شرط انتفاع مشروط کے ہے اس لئے کہ المعروف کالمشروط۔ جو ممانعت انتفاع کی دلیل ہے۔

(۸) للبائع حبس المبيع الى قبض الثمن ولو بقي منه درهم .... ولا يسقط حق الحبس بالرهن ولا بالكفيل ولا بابرائه عن بعض الثمن حتى يستوفي الباقي، ويسقط ... بتأجيل الثمن بعد البيع وبتسليم البائع المبيع قبل قبض الثمن فليس له بعده رده اليه الخ (الفتاوى الخانية ج ص ۱۲ ط سعيد)

بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ وصولی ثمن کے لئے مبیع کو اپنے پاس روک لے اگرچہ ثمن کا ایک درہم ہی باقی ہو .... بائع کا یہ حق حبس راہن کی کفالت اور بعض ثمن سے بری کرنے سے ختم نہیں ہوگا جب تک کہ بقیہ ثمن نہ لے لے۔ مبیع کے بعد ثمن موجل کرنے اور قبض ثمن سے قبل بائع کا مبیع کو مشتری کے سپرد کر دینے سے یہ حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سے واپس نہیں کر سکتا۔

(۹) قال اصحابنا رحمهم الله تعالى للبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن اذا كان حالا كذا في المحيط وان كان مؤجلا فليس للبائع ان يحبس المبيع قبل حلول الاجل ولا بعده كذا في المبسوط (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۱۵)

فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ اگر ثمن نقد ہو تو وصول ثمن کے لئے مبیع کو اپنے پاس روکنے کا اختیار بائع کو حاصل ہے لیکن اگر ثمن موجل ہو تو وقت آنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی بائع کو حبس مبیع کا حق

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ اصل ثمن ہے، محرر فی المبسوط

(۲) ولو قال كلما دخل نجم ولم تؤد فالمال حال صح ويصير المال حالا الخ

(تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ص ۲۰۵، الفوائد الخیریہ علی جامع الفصولین ج ۲)

اور اگر مدیون سے کہا کہ جب قسط کی ادائیگی کا وقت آئے اور آپ قسط ادا نہ کریں تو بقیہ سارا مال فی الحال ادا کرنا لازم ہوگا تو یہ شرط صحیح ہے اور بقیہ مال فی الحال لازم ہو جائیگا۔

اوپر کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ قسطوں پر کاروبار کرنا فی نفسہ درست ہے اور اس میں جو قیمت کی زیادتی کی جاتی ہے وہ سود نہیں بلکہ جائز ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ

لان الاجل يشبه بالمبيع الا يرى انه يزاد في الثمن لاجل الاجل والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة۔

مدت کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرنا درست ہے کیونکہ مدت کی مبیع کے ساتھ مشابہت ہے اور سود کے حق میں مشابہت کو حقیقت کا درجہ دیا جاتا ہے۔ (الہدایہ ج ۳ ص ۷۸، العنایۃ علی ہامش فتح القدیر ج ۶ ص ... معہ البحر الرائق ج ... ص ۱۳۳)

قسطوں کے کاروبار میں مشتری مدیون ہوتا ہے اور مدیون کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ وقت مقررہ پر دین ادا نہ کر سکے تو اس کی حالت کو دیکھا جائے گا، اگر وہ تنگدست ہے تو اسے مہلت دی جائے تاکہ وہ آسانی سے دین کی ادائیگی کر سکے۔ اور اگر مدیون غنی اور مالدار ہو کر بھی دین کی ادائیگی نہیں کرتا تو شریعت میں اس کی سزا یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے۔ البتہ ابتدائی مرحلہ ہی میں اسے قید نہیں کیا جائے گا بلکہ پہلے اسے دین ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا، اگر وہ وقت اور مہلت ملنے کے باوجود بھی دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرے تو اس طرح کرنے سے اس کا ظالم ہونا ظاہر ہو جائے گا، لہٰذا اب دائن کے مطالبے کے وقت حاکم مدیون کو قید کر دیا جائے گا اور یہ قید ہی اس کے ظلم کی سزا ہے۔ الدر المختار میں ہے: ثم ان ظهر مطله حبسه بطلب المدعي (الدر مع الرد ج ۵ ص ۳۸۹)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قاضی مدیون کو عدم ادائیگی کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے قید میں رکھے گا، کیونکہ اس کے اس ظلم کی سزا یہی قید ہے۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ اپنی کتاب "احکام القرآن" میں آیت کریمہ "وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ" (سورۃ البقرۃ، آیت ٢٨٠) کے تحت ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

وفي الآية دلالة على ان الغريم متى امتنع من اداء الدين مع الامكان كان ظالما، ودلالتها على ذلك من وجهين (الى ان قال) واذا كان كذلك استحق العقوبة وهي الحبس ...... فدل ذلك على انه متى امتنع عن اداء جميع رأس المال اليه كان ظالما له مستحقا للعقوبة واتفق الجميع على انه لا يستحق العقوبة بالضرب فوجب ان يكون حبسا لاتفاق الجميع على ان ما عداه من العقوبات ساقط عنه في احكام الدنيا وقد روي عن النبي ﷺ ما دلت عليه الآية .... عن رسول الله ﷺ قال لي الواجد يحل عرضه وعقوبته قال ابن المبارك يحل عرضه يغلظ له وعقوبته يحبس .... وعن النبي ﷺ انه قال مطل الغني ظلم واذا احيل احدكم على ملي فليحتل فجعل مطل الغني ظلما والظالم لا محالة يستحق العقوبة وهي الحبس لاتفاقهم على انه لم يرد غيره (الى ان قال) اتيت النبي ﷺ بغريم لي فقال لي الزمه ثم قال يا اخا بني تميم ما تريد ان تفعل باسيرك وهذا يدل على ان له حبس الغريم لان الاسير يحبس فلما سماه اسيرا له دل على ان له حبسه وكذلك قوله لي الواجد تحل عرضه وعقوبته والمراد بالعقوبة ههنا الحبس لان احدا لا يوجب غيره (احكام القرآن للامام جصاص ج ١ ص ٤٠٦، ٤٠٥ ط قديمي كتب خانه سورة البقره وكذا في فتاوى تنقيح الحامديه ج ١ ص ٣٢٣، ٣٢٢)

یہ عبارت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مدیون باوجود وسعت کے دین ادا نہ کرے تو یہ ظالم ہوگا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور قیمت سے ان امر کو ثبوت مقروض سے ہوتا ہے (یہ بیان کرنے کے بعد فرمایا) تو جب یہ بات یوں ہے تو یہ ہوگا کہ مستحق ہے اور وہ سزا قید ہے۔ (دوسری جگہ کے بعد فرمایا) یہ دلیل ہے اس بات کی کہ مدیون پورے دین ادا کرنے کی وسعت سے ادائیگی نہ کرنے پر ظالم ہو کر سزا کا مستحق ہو جائے گا۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سزا مارنے کے معنی میں نہیں بلکہ قید کی ہوگی کیونکہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے مدیون سے اس بارے میں دنیوی احکام کے اعتبار سے بقیہ تمام عقوبات ساقط ہیں۔ قیمت سے ثابت شدہ اس معنی کی دلیل کا جو پیش کرنا اس کی عزت و عقوبت کو روا کر دیتا ہے۔ راوی حدیث عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آبرو کے حلال ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسے سخت سست کہا جائے (بے عزتی کی جائے گی) اور عقوبت سے مراد قید ہے اور حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے پس تم میں سے اگر کسی کے حوالے ایسا شخص کیا جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو لازم پکڑ لے گویا آپ نے غنی کے مطل کو ظلم کہا ہے۔ ظالم ایسی سزا کا مستحق ہوتا ہے اور وہ سزا قید ہی ہے کیونکہ علماء کا اتفاق ہے کہ ظالم کی سزا قید کے علاوہ کوئی اور نہیں (۲) اسے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت کی کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس اپنے ایک مقروض کو لے کر آیا آپ ﷺ نے فرمایا اسے لازم پکڑو پھر فرمایا اے تمیمی! آپ اپنے قیدی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟ پس جب آپ ﷺ نے اس مقروض کو اسیر کہا تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ مقروض کو قید کیا جا سکتا ہے اسی طرح حدیث "لی الواجد یحل عرضہ وعقوبتہ" سے بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہاں عقوبت سے مراد قید ہے ... کسی ایک نے بھی مقروض کے لئے قید کے علاوہ کوئی اور سزا تجویز نہیں کی۔

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارات ملاحظہ

"وهذا يقتضي كله ان ذلك مستحق العقوبة وهي الحبس" "اور" واتفق الجميع على انه لا يستحق العقوبة بالضرب فوجب ان يكون حبسا لاتفاق الجميع على انه ما عدا من العقوبات ساقط عنه في احكام الدنيا "اور" والمراد من العقوبة ههنا الحبس لان احدا لا يوجب غيره"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے یہ بات واضح و صحیح ہو جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے اور کسی ایک کا بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ "یہ یعنی تمام حکم کی ہیئت صرف اور صرف تحدید ہے" نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ احناف میں سے امام ابو یوسف کا بھی اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ امام جصاص رحمہ اللہ کے عمومی الفاظ " اتفق الجميع لاتفاق الجميع" اور "لان احدا لا يجب غيره" میں وہ بھی داخل ہیں۔ نیز جن دیگر صورتوں میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے حاکم کے لئے تعزیر بالمال کے جواز کی روایت منقول ہے اس کے متعلق علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے اور علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول اس ضعیف روایت پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ اس صورت میں ظالموں کو کھلی چھٹی مل جائے گی کہ وہ لوگوں کا مال لیتے رہیں اور کھاتے رہیں۔ نیز علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے فتاویٰ بزازیہ سے اس ضعیف روایت کا بھی یہ مطلب نقل کیا ہے کہ "حاکم تنبیہ کے لئے اس شخص سے مال لے اور بطور ودیعت سنبھال کر رکھے جب کچھ مدت گزر جائے تو اس کو واپس کر دے، یہ مطلب نہیں کہ مالی جرمانہ لے کر حاکم خود رکھے یا بیت المال میں جمع کر دے جیسا کہ ظالموں کا طریقہ ہے اس لئے کہ بدون وجہ شرعیہ کے کسی کا مال لینا جائز نہیں ہے" یہی وجہ ہے علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احناف کا مذہب تعزیر بالمال کے عدم جواز کا ہے، وهذا هو نص الصحيح

(قوله لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح وعن ابي يوسف يجوز التعزير للسلطان باخذ المال وعندهما وباقي الائمة لا يجوز ومثله في المعراج ان ذلك رواية ضعيفة عن ابي يوسف، قال في الشرنبلالية ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على اخذ مال الناس فيأكلونه اي في البحر حيث قال : وافاد في البزازية ان معنى التعزير باخذ المال على القول به امساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم اليه لا ان ياخذه الحاكم لنفسه او لبيت المال كما يتوهمه الظلمة اذ لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال بغير سبب شرعي .... والحاصل ان المذهب عدم التعزير باخذ المال

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۱) الفقہ علی المذاہب ... ص ۲۱ (۲) البحر الرائق ج ۵ ص ۴۸

(۳) فتح القدیر ج ۵ ص ۱۲ (۴) بحر ... ج ۱ ص ۲۴۷

سودی نظام میں مدیون کی تاخیر سے ادائیگی پر اس پر سود لازم قرار دیا جاتا ہے اسلامی نظام معیشت میں چونکہ سود کی حرمت واضح ہے اس لئے یہاں قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کی بناء پر سود لازم قرار دینے کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے یہاں بعض حضرات نے اس کے متبادل کے طور پر بلاعذر تاخیر کی صورت میں قرضہ کے مدیون پر سود کے بجائے مخصوص رقم لازم قرار دی، لیکن ان کی یہ بات صحیح نہیں کیونکہ اس طرح کا مطالبہ ... سود ہی ہے (ج ۱ ص ۱۳۹ تا ۱۴۰) جب کہ اکثر اسلامی بینک کا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کے متبادل کے طور پر یہ صورت اختیار کی کہ عقد مرابحہ کی ابتداء ہی میں مشتری سے اس بات کا وعدہ لیا جاتا ہے اور اس پر اس سے دستخط لے لئے جاتے ہیں کہ اگر وہ وقت پر ادائیگی نہ کر سکا تو واجب الادا رقم پر ... کے حساب سے بطور "صدقہ" بینک کو دے گا اور بینک یہ رقم خیراتی کاموں پر خرچ کرے گا جیسا کہ میزان بینک کے مرابحہ اگریمنٹ کی شق نمبر 7.5 میں درج ہے، یہ صورت ... انہوں نے امام حطاب رحمہ اللہ مالکی کی کتاب "تحریر الکلام فی مسائل الالتزام" (...) کی ایک عبارت پر رکھی ہے، وہ عبارت یہ ہے۔

"وأما إذا التزم أنه إن لم يوفه حقه في وقت كذا فعليه كذا لفلان أو صدقة للمساكين فهذا هو محل الخلاف المعقود له هذا الباب فالمشهور أنه لا يقضى به كما تقدم وقال ابن دينار يقضى به"

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ التزام کیا کہ اگر وقت پر ادائیگی نہ کی تو میں فلاں کو اتنا دوں گا یا مساکین کے لئے اتنا صدقہ لازم ہوگا تو یہ وہ اختلافی مسئلہ ہے جس کے لئے یہ باب قائم کیا گیا ہے، مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس التزام کا فیصلہ نہیں ہو سکے گا (یعنی قاضی یہ حکم نہیں دے گا) اور ابن دینار کے نزدیک فیصلہ ہو سکے گا۔

(۱) یہ التزام چونکہ ... سے ... ہے اس لئے ... مالکیہ کا مشہور مسلک بھی یہی ہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلکہ یہ صرف علامہ ابن وہبان کا قول ہے مالکیہ کے ہاں یہ مسئلہ جو ابن دینار رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے مخفی ہے بھی ہے اور ضعیف بھی، وجہ یہ کہ یہ قول مشہور کے خلاف بھی ہے اور ان کے نظام سے متعلق کتب میں اس کی تفصیل بھی نہیں ملتی۔ سو ایسے ضعیف قول کو دیانت کے حصول کے لئے مدار بنانا جائز نہیں۔

(٤) حضرت تھانوی قدس سرہ نے "حیلہ ناجزہ" میں مذہب غیر پر فتویٰ دینے کی شرط "عدم اتباع ہویٰ" کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ہم نے اس رسالہ میں اسی شرط (عدم اتباع ہویٰ) کی بناء پر صرف ان مواضع میں مذہب مالکیہ پر عمل کیا ہے جہاں ضرورت شدیدہ تحقیقی طور پر مشاہدہ میں ہوگی اور جہاں شدت ضرورت کی تحقیق نہیں ہوئی وہاں مذہب مالکیہ کی تسہیلات سے کام نہیں لیا۔ (حیلہ ناجزہ ص: ١٠، ط: دارالاشاعت)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنے رسالہ "التام المحیر فی الافتاء بمذہب الغیر" میں فرماتے ہیں کہ مذہب غیر پر عمل کی چند شرطیں ہیں جن کے بغیر افتاء بمذہب غیر جائز نہیں:

الاول ان لا يلزم التلفيق بين المذهبين بحيث يقع اجماع الامامين على بطلانه كما مر...... و الثاني ان يكون اختيار مذهب الغير قبل العمل بمذهب امامه كما في التحرير..... و الثالث ان لا يكون على وجه تتبع الرخص فانه لا يجوز للعامي اتفاقا كما صرح به ابن عبد البر من انه لا يجوز للعامي تتبع الرخص اجماعا هذا رأى المتقدمين من مشائخنا الحنفية حيث لم يشترطوا الضرورة الشديدة و الا ضطرار ولاكتفوا على اشتراط عدم تتبع الرخص و لنا في زماننا فهو زمان اتباع الهوى و اعجاب كل ذى رأى برأيه و التلاعب بالدين فتتبع الرخص متعين و متيقن باعتبار الغالب الا كثر فلا يجوز الا بشرط الضرورة الشديدة و عموم البلوى و الا ضطرار كما ذكره العلامة ابن عابدين في رسالته عقود رسم المفتي۔

(١) اصول الفقہ ج ١ ص ١٢٩ (٢) شرح عقود ص ٣٣

(٣) رسائل ابن عابدین ج ١ ص ٤٢ ط سہیل اکیڈمی۔

ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ دونوں مذہبوں میں تلفیق لازم نہ آئے جس کے باطل ہونے پر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہو کہ وہ قرین مصلحت ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے مذہب پر عمل سے پہلے مذہب غیر کو اختیار کرے اور تیسری شرط یہ ہے کہ مذہب غیر پر عمل محض طلب رخصت کے لئے نہ ہو کیوں کہ بالاجماع عامی آدمی کے لئے طلب رخصت کی غرض سے دوسرے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں جب کہ ابن عبد البر نے تصریح کی ہے (مفتی صاحب) کہتے ہیں یہ حضرات فقہاء احناف کی رائے تھی کہ انہوں نے صرف عدم تتبع رخص کی قید لگائی ہے اور ضرورت شدیدہ و اضطرار کی شرط نہیں لگائی جب کہ ہمارا زمانہ تو رخصتوں کی تلاش کے ساتھ ساتھ خواہشات کی اتباع دین کے ساتھ ساتھ مذہب اور اپنی رائے محمودہ کا زمانہ ہے لہذا اس دور میں مذہب غیر پر عمل کرنے میں تتبع کرنے میں تتبع رخص کی یقینی طور پر عمل بغیر ضرورت شدیدہ ---- اور اضطرار کے جائز نہیں۔

معلوم ہوا کہ مذہب غیر پر فتوی دینے کے لئے ضرورت شدیدہ کا تحقق ضروری ہے ورنہ عام حالات میں اپنے مذہب پر ہی رہیں۔

(۳) پہلی بات یہ صدقہ ایک تبرع ہے شرعاً لازم نہیں ہے بلکہ صدقہ دینے والے کی مرضی پر موقوف ہوتا ہے اگر وہ خود کو پوری رقم صدقہ کرنا چاہے تو اجازت ورنہ اس پر جبر نہیں ہو سکتا کیوں کہ صدقہ کے مختلف مراتب و درجات ہیں بعض دفعہ صدقہ کرنا مستحب ہوتا ہے بعض دفعہ گناہ اور بعض اوقات صدقہ کرنا مکروہ ہوتا ہے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

الافضل فی الصدقة التطوع ان یتصدق بما فضل عن کفایته و کفایة من یمونه و ان تصدق بما ینقص مؤنة من یمونه اثم و من اراد التصدق بماله کله و هو یعلم من نفسه حسن التوکل و الصبر عن المسألة فله ذلک و الا فلا یجوز و یکره لمن لا صبر له علی الضیق ان ینقص نفقة نفسه عن الکفاية التامة کذا فی شرح در البحار۔

(الفتاوی الشامیہ ج ۳ ص ۳۰۸ ط: رشیدیہ)

یعنی جو کچھ اپنے اہل و عیال کی ضرورت سے زائد مال میں سے صدقہ کرنا مستحب ہے اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر صدقہ سے اہل و عیال کی ضرورت متاثر ہو یا حال میں تنگی ہو تو یہ صدقہ کرنا گناہ ہے اور اگر تنگی اس حال میں اپنا کل مال صدقہ کرتا ہے کہ اسے اپنے نفس کے بارے میں حسن توکل اور عدم سوال کا یقین ہے تو ایسا کرنا درست ہے ورنہ جائز نہیں اور جو شخص مالی تنگی پر صبر نہ کر سکتا ہو اسے اپنی کفایت تامہ کی مقدار سے زائد صدقہ کرنا مکروہ ہے۔

(۴) فتاویٰ شامی میں ہے کہ:

قلت وفي جامع الفصولين ايضا لو ذكر البيع بلا شرط ثم ذكر الشرط على وجه العقد جاز البيع ولزم الوفاء بالوعد اذ المواعيد قد تكون لازمة فيجعل لازما لحاجة الناس (فتاویٰ شامی ۴/ ۱۲۶)

جامع الفصولین میں ہے کہ اگر پہلے بغیر کسی شرط کے بیع کی اور بعد میں بطور عقد شرط کو ذکر کیا تو بیع جائز ہے اور اس وعدہ کو پورا کرنا لازم ہوگا کیونکہ وعدے بھی کبھی لازم ہوتے ہیں لہٰذا لوگوں کی ضرورت کی بنا پر انہیں لازم قرار دیا جائے گا۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر عقد بیع کے بعد کوئی التزام ہو تو اس کو لوگوں کی ضرورت کی بنا پر لازم قرار دیا جائے گا لیکن یہاں اس سے بحث نہیں کہ عقد بیع کے بعد کی شرط کو اصل عقد کے ساتھ ملحق کیا جائے گا یا نہیں اور یہ بحث اس سے متعلق اس اختلاف کے سمجھنے سے متعلق ہے جو فتاویٰ شامی میں مذکور ہے ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس کی تائید ہو "اصول صدقہ" اس عبارت مذکورہ سے ممکن نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ عبارت "شرط بعد عقد البیع" سے متعلق ہے جب کہ ایجار ان کا معاملہ کب سے عقد بیع کے وقت ہوتا ہے جس کی بنیاد پر شرط کے بعد یہ التزام کیا جاتا ہے اور اس پر اس سے وعدے لیے جاتے ہیں پھر عقد مرابحہ ہوتا ہے لہٰذا اس مقصد کے لیے ہمارے اس عبارت کے اگر فتاویٰ شامی کی یہ عبارت ذکر کی جائے تو معاملہ واضح ہو جائے گا۔

(قوله: ولا بيع بشرط) ... فنهيه صلى الله عليه وسلم عن بيع وشرط لكن ليس كل شرط يفسد البيع نهر وأشار بقوله بشرط الى انه لابد من كونه مقارنا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

المعقد (الفتاویٰ الہندیہ ج ۳ ص ۱۳۳ مع تصحیح)

مصنف کے قول کہ بیع بالشرط جائز نہیں ...... کیونکہ آپ ﷺ نے بیع بالشرط سے منع فرمایا ہے لیکن ہر شرط مفسد بیع نہیں ہوتی بلکہ اتفاق ہے مصنف نے اپنے قول "بالشرط" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شرط مفسد بیع وہ ہے جو عقد کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔

پھر یہ بھی اگر اس شرط کو صرف صدقے ہی کے مقصد تک موقوف رکھا جاتا تو بھی اس میں مدیون کا فائدہ نہیں ہوتا جب کہ اکثر ادائیگی اس بات پر مصر ہے کہ وہ یہ "صدقہ" کی رقم خود وصول کرے گا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اکثر ادائیگی کا معاملہ درحقیقت نقصان کی تلافی پر "صدقہ" یا خیراتی فنڈ کے نام سے وصولی جس طرح کی جاتی ہے وہ درست نہیں ہے اس کے برخلاف اگر وہ صورتیں اختیار کی جائیں جو پیچھے کی تفصیل میں ذکر کی گئی ہیں تو اس سے مقصد بھی کافی حد تک حاصل ہو جائے گا اور جرائم تاخیر کا انسداد بھی ہو جائے گا۔

یہاں ایک اور بات ذکر کر دینا فائدے سے خالی نہیں ہوگا کہ شریعت نے مامورات کی ادائیگی کے مقابلے میں منہیات سے اجتناب پر زیادہ زور دیا ہے اسی بناء پر فقہاء فرماتے ہیں کہ حصول منافع سے زیادہ اہم مفاسد کو دور کرنا ہے چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالیٰ الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں۔

درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح فاذا تعارضت مفسدة و مصلحة قدم دفع المفسدة غالبا لان اعتناء الشرع بالمنهیات اشد من اعتنائه بالمامورات ولذا قال علیه الصلاة والسلام اذا امرتکم بشیء فأتوا منه ما استطعتم و اذا نهیتکم عن شیء فاجتنبوه (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ج ۱ ص ۹۰، قواعد الفقہ ص ۸۱)

منافع کے حصول سے مفاسد کا انسداد زیادہ اہم ہے پس جب ایک حکم سے متعلق پہلو سے بحث دیکھے تو دفع الفساد کو مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ شریعت نے منہیات کا اہتمام مامورات کے مقابلے میں زیادہ کیا ہے اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں تمہیں کسی چیز کے کرنے کا حکم دوں تو جتنی استطاعت ہے اتنا کرو اور جب کسی چیز سے تمہیں منع کروں تو تم اس سے کلی طور پر رک جاؤ۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مزید یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جو اسی حاشیہ پر "المیزان" نے اس فیصلے کو التزام تصدق سے تعبیر کیا ہے جس کی حقیقت سودی بینکاری میں گذر چکی ہے جب کہ اس کے برعکس خود المیزان کے نظام کی راہنما کتب میں اسے بینک میں ہونے والے نقصان کا تدارک کہا جاتا ہے چنانچہ مولانا عمران اشرف اپنی کتاب "اسلامک بینکنگ" میں لکھتے ہیں۔

لیکن یہ بات بعید ہے کہ جو شخص مالی حیثیت ہونے کے باوجود وقت پر ادائیگی نہیں کرتے ان سے نمٹنے کا یہی طریقہ ہے کہ ان کی عدم ادائیگی کی وجہ سے اسلامی بینک کو جو نقصان ہوا ہے ان کو پابند کیا جائے کہ وہ اس نقصان کے تدارک کے لئے کچھ رقم ادا کریں۔ (اسلامی بینکاری ص ۱۴۶)

اور مولانا موصوف اس کو "پنلٹی آف ڈیفالٹ Penalty of default" یعنی "بروقت ادائیگی نہ کرنے پر جرمانہ" کا عنوان دیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس جرمانے کو جسے انہوں نے بینک کے نقصان کا تدارک کہا ہے "سود" سے کیسے ممتاز کیا جائے گا۔ جب کہ دیگر بینک اسی طرح اضافی سود کے ذریعہ لی ہوئی رقم کو بھی تو بینک کے ہونے والے نقصان کا تدارک ہی کہتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ کھلے عام لیتے ہیں اور المیزان بینک بجائے سود کہنے کے اسے "تصدق" کا مقدس نام دیتا ہے۔

اسی طرح میزان بینک کو "مرابحہ مروجہ" ہے اس معاہدہ مرابحہ میں "ربح مالم یضمن" کی بہت بڑی خرابی پائی جاتی ہے وہ اس طرح کہ بینک کا کلائنٹ کے ساتھ مرابحہ کا معاملہ "تعاطی" کی بنیاد پر ہوتا ہے کہ جب کلائنٹ کسی چیز کی خریداری کے لئے بینک کے پاس جاتا ہے تو اولاً بینک اور کلائنٹ کے درمیان معاہدہ ہوتا ہے اور اس کے لئے ایک تحریری دستاویز تیار ہوتا ہے اس تحریر کے مطابق کلائنٹ بینک کا وکیل بن کر مطلوبہ چیز بازار سے بینک کے لئے خرید کر اس پر قبضہ کر لیتا ہے اور پھر بینک کو اس سے آگاہ کرنے کے بعد وہ چیز اپنے لئے متعین قیمت پر خرید لیتا ہے یہاں وکیل کے قبضہ کی بنا پر اگرچہ اس چیز پر حکمی طور پر بینک کا قبضہ ثابت ہو جاتا ہے لیکن وہ چیز بینک کے ضمان میں نہیں آئی اس لئے کہ بینک کے کاغذات میں یہ درج ہے کہ کلائنٹ نقصان کی ذمہ داری کے بعد سے اپنے قبضے میں لینے کا پابند ہوگا

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ہوتی تھی کی صورت میں اگر نقصان ہوگیا تو بینک اس سے بری الذمہ ہوگا اور سارا ضمان وکیل یعنی گاہک پر ہوگا اور گاہک ہی اس نقصان کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہوگا (ملاحظہ ہو معاہدہ مرابحہ کی شق نمبر 6.2 اور شق نمبر 8.2 اور اسی طرح میزان بینک کے وکالت نامے کا ضمیمہ A اور ضمیمہ B) گویا وکیل کے قبضہ اور اپنے لئے خریدنے کے درمیان ایسا کوئی معتد بہ وقت نہیں گذرتا جس میں بینک پر اس چیز کا ضمان آتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بینک اس چیز کو اپنی ضمان میں آنے سے پہلے ہی مرابحۃً فروخت کرتا ہے اور یہی "ربح مالم یضمن" ہے جبکہ حضرت عثمانی صاحب فرماتے ہیں۔

اگر مرابحہ کے لئے تعاطی کو جائز قرار دیتے ہوئے یہ کہہ دیں تو جس وقت گاہک نے بینک کا وکیل بن کر سامان خرید کر اپنے قبضہ میں لے لیا اسی وقت خود بخود تعاطی کے ذریعے بینک اور گاہک کے درمیان بھی بیع مکمل ہوگئی تو اس صورت میں سودی معاملات اور مرابحہ کے درمیان جو فرق ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا اور عملاً یہ وہی صورت ہو جائے گی کہ بینک نے گاہک کو رقم دے دی اور کسی بھی لمحے ملکیت کی ذمہ داری اور ضمان کا خطرہ مول لئے بغیر گاہک سے زیادہ رقم کا مطالبہ کر دیا۔ (فقہی مقالات ج ۳ ص ۲۳۱)

دوسری وجہ یہ ہے کہ بیع تعاطی میں ایجاب وقبول اگرچہ اپنے الفاظ کے ساتھ ہونا شرط نہیں لیکن دو شخصوں کا عقد میں حاضر ہونا لازمی شرط ہے۔ کیونکہ تعاطی اور معاملات کے لینے دینے سے وجود میں آتی ہے اور جب دو فریقین مجلس عقد میں نہیں ہوں گے تو یہ تعاطی درست نہیں ہوگی۔ کیونکہ بیع تعاطی حکمی ہے جو لینے دینے سے حقیقی کی طرح پوری ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ لینا اور دینا شخص واحد میں ہوتا ہے، جہاں مقابلۃ فریقین کا ہونا ضروری ہے۔ قال فی الکفایۃ:

التعاطی بیع حکمی بنص بیع حقیقی (الکفایۃ علی ھامش فتح القدیر ج ۶ ص ۲۴۳)

ترجمہ: تعاطی ... یعنی ہاتھ دیکر بیع، بیع حقیقی کی طرح بیع حکمی ہے۔

وھذہ التسمیۃ دلالۃ بالفعل فھی التعاطی ویسمی ھذا البیع بیع المراوضۃ وھذا اعترفنا ورویۃ الجواز فی الاصل مطلق عن ھذا التفصیل وھی الصحیحۃ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لان البيع في اللغة والشرع اسم للمبادلة وهي مبادلة شيء مرغوب بشيء مرغوب وحقيقة المبادلة بالتعاطي وهذا الاخذ والاعطاء وانما قول البيع والشراء دليل عليهما ..... واذا ثبت ان حقيقة المبادلة بالتعاطي هو الاخذ والاعطاء فهذا يوجد في الاشياء الخسيسة والنفيسة جميعا"

(۱) البدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۴ مطبوعہ رشیدیہ (۲) البدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۴ رشیدیہ

اور ایک مبادلہ قولاً یا فعلاً (فعل) سے بھی ہوتا ہے جسے تعاطی کہتے ہیں اور اس کو بیع مراوضہ بھی کہا جاتا ہے یہ بیع تعاطی بھی درست ہے کتاب الاصل میں جواز کی روایت مطلق ہے خواہ اشیاء نفیسہ ہوں یا اشیاء خسیسہ ہوں اور یہی صحیح بھی ہے کیونکہ شرعی اور لغوی اصطلاح میں بیع کہا جاتا ہے مبادلہ کو اور وہ شیء مرغوب کا دوسری شیء مرغوب کے ساتھ تبادلہ کرنا ہوتا ہے اور بیع تعاطی میں مبادلے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ لین دین سے متحقق ہو جاتی ہے باقی بیع و شراء کے الفاظ صرف اس پر دلیل ہوتے ہیں..... اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ بیع تعاطی میں حقیقۃً مبادلہ لینے دینے سے ہوتا ہے اور یہ مبادلہ اشیاء نفیسہ اور خسیسہ دونوں میں پایا جاتا ہے لہذا ان میں بھی بیع بالتعاطی جائز ہے۔

جہاں تک بینک کی طرف سے وکیل کوئی شخص بیع میں موجود نہیں ہوتا بلکہ صرف گاہک ہی ہوتا ہے جو بینک کی طرف سے وکیل ہوتا ہے اور اپنی ذات کی طرف سے مشتری ہوتا ہے اور یوں عقد مرابحہ انجام پاتا ہے اس لئے یہ بیع ناجائز ہوتی ہے کیونکہ فقہاء کا مشہور اصول ہے کہ بیع و شراء میں ایک آدمی دونوں طرف کی ذمہ داریاں ادا نہیں کر سکتا چنانچہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

(قوله الوكيل من نفسه) لانه يكون مشتريا لنفسه وقد صرحوا بان الواحد لا يتولى الطرفين في البيع الا الاب في الصغير (الفتاوى الشامية ج ۷ ص ۲۱۵ رشیدیہ)

مصنف کہتے ہیں کہ وکیل بالشراء کسی کی وکالت سے خود اپنی ذات کے لئے خرید لے تو یہ بیع باطل ہے جیسے کہ اس صورت میں وہ خود اپنی ہی ذات کے لئے مشتری شمار ہوتا ہے اور فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ ایک آدمی بیع میں دونوں طرف (بائع اور مشتری) کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لہٰذا حقیقی طور پر چونکہ یہاں اجارہ کی صحیح صورت اس عقد میں نہیں پائی جاتی اس لئے بقول حضرت مفتی صاحب زید مجدہم "بینک کو حاصل ہونے والا نفع ربا اور قمار کے ضمن میں داخل ہو کر بنص حدیث حرام ہو جائے گا۔ (فقہی مقالات ج ۳ ص ۲۳۳)

(۳) "اجارہ منتہیہ بالتملیک میں اصل سود ہی ہے" کرایہ داری کا معاملہ کیا جاتا ہے شریعت نے عقد اجارہ کو حصول مال کے لیے وضع نہیں کیا بلکہ بنیادی طور پر اس میں دو شخصوں کے درمیان منافع سے فائدہ اٹھانا مقصود ہوتا کہ مستاجر اپنی ضرورت کے مطابق شے مستاجرہ یا اجیر کے عمل سے مستفید ہوتا اور وہ بدلے کے طور پر مالک یا اجیر کو اس کے عوض کچھ رقم دے دیتا ہے اس طرح ہر ایک کا فائدہ اور ضرورت پوری ہو جاتی ہے کتب فقہ میں اسی قسم کے اجارہ کے تفصیلی احکام مذکور ہیں جن کا خلاصہ ہے کہ اس شرعی اجارہ میں شے کے مستاجرہ کی ملکیت صرف مالک کے پاس رہتی ہے مستاجر کی طرف منتقل نہیں ہوتی مستاجر صرف اس کے منافع سے فائدہ اٹھاتا ہے لہٰذا صرف وہی چیز اجارہ پر دی جا سکتی ہے جس سے نفع حاصل کرنے کے لئے اسے ختم کرنا یا اپنی ملک سے نکالنا ضروری نہ ہو اس لئے نقدی کا اجارہ صحیح نہیں ہے اور چونکہ کرایہ پر دی جانے والی چیز موجر ہی کی ملکیت ہوتی ہے اس لئے اگر مستاجر کی تعدی کے بغیر ضائع ہو گئی تو اس کا ضمان مستاجر پر نہیں آتا بلکہ خود مالک ہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے ہاں مستاجر کی تعدی اور غفلت کی وجہ سے ضمان اسی کے ذمہ عائد ہوتا ہے اس اجارہ کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جب مدت اجارہ اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو شے مستاجرہ واپس مالک ہی کے قبضہ میں آجاتی ہے مستاجر کا تعلق اس سے ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اگر یہ شرط لگائی جائے کہ اجارہ کی مدت ختم ہونے پر وہ چیز بغیر عقد بیع کے (یا وعدہ بیع) مستاجر ہی کے پاس رہے گی اور وہ اس سے بغیر عوض کے نفع حاصل کرتا رہے گا اور اس کا مالک بھی ہو گا تو اس قسم کی شرط کا تعلق عقد کے مقتضی کے مخالف ہو لگانے سے اجارہ کا عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

یہ بحث تو اس اجارہ سے متعلق ہے جو شرعی اجارہ کہلاتا ہے جس کے صحیح و جائز ہونے میں کوئی تردد نہیں ہو سکتا لیکن مروجہ اسلامی بینکاری بالخصوص میزان بینک کی طرف سے ایک صورت اجارہ اور بھی پائی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتی ہے جو حقیقت میں تو اجارہ نہیں بلکہ حصول دولت کا ایک ذریعہ ہے البتہ صورتاً اسے بھی اجارہ اصطلاح میں شمار کیا جاتا ہے بقول حضرت مفتی صاحب زید مجدہم اس کی شکل یہ ہے کہ:

یہاں اصل مقصود اجارے کا رشتہ قائم کرنا نہیں ہوتا بلکہ کسی کو مالی اعانت کی (مثلاً مشینری کی) فراہمی ہے جو کمپنی بینک سے قرض لے کر خود مشینری خریدنے کے بجائے کسی بینک یا مالیاتی ادارے کو یہ کہتی ہے کہ یہ مشینری خرید کر ہمیں کرائے پر دے دے اس دوران مشینری کا مالک بینک یا مالیاتی ادارہ ہوگا اور کمپنی کرایہ دار کی حیثیت سے استعمال کرتی ہے، ایک مخصوص مدت کے لئے کرایہ اس تناسب سے طے کیا جاتا ہے کہ اس میں مشینری کی قیمت بھی وصول ہو جائے اور اتنی مدت کے لئے اگر یہ رقم قرض دی جاتی تو اس پر جتنا سود ملتا وہ بھی وصول ہو جائے۔ جب یہ مدت گزر جاتی ہے اور کرایہ کی شکل میں مشینری کی قیمت مع سود وصول ہو جاتی ہے تو اب یہ مشینری خود بخود کمپنی کی ملکیت بن جاتی ہے، یہ بات کبھی تو معاہدے میں شامل ہوتی ہے اور کبھی لکھی تو نہیں جاتی مگر معروف اسی طرح ہے۔

(اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص ۶۵)

اجارہ کی اس مروجہ صورت کا حکم بھی خود حضرت مدظلہ العالی کے مطابق یہ ہے:

اجارہ کی اس شکل میں چونکہ اجارہ نہیں ہوتا اصل مقصد تو سود پر قرض دینا ہی ہوتا ہے مگر سود سے بچنے کے لئے اجارے کا عنوان دے دیا جاتا ہے اس طرح کے معاملات شرعاً جائز نہیں۔ ص ۴۰

(الاجر لغة اسم للاجرة وهو ما يستحق على عمل الخير ... وشرعا تمليك نفع مقصود من العين بعوض حتى لو استاجر ثيابا او اواني ليتجمل بها او دابة ليجنبها بين يديه او دارا لا ليسكنها او عبدا او دراهم او غير ذلك لا ليستعمله بل ليظن الناس انه له فالاجارة فاسدة في الكل لانها منفعة غير مقصودة من العين

(درمختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۳،۴)

اجارہ لغت میں اس اجرت کا نام ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے جو کسی کار خیر کی وجہ سے ہوتا ہے اور شرعی اصطلاح میں اجارہ اس منفعت کی تملیک کا نام ہے جو اس شی سے مقصود ہوتی ہے عوض کے بدلے میں حتی کہ اگر کوئی کپڑے یا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلکہ صرف خود کو صرف کرنے کے لیے دینا ہے اور یہ تو صرف اپنے پہلو میں روک رکھنے کے لیے یا گھر کی اس میں سجاوٹ کے لیے یا اس پر فخر کرنے کے لیے اور وہ استعمال تو نہیں کرے گا بلکہ اس لیے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ چیزیں اس کی ہیں تو یہ اجارہ ان تمام صورتوں میں فاسد ہوگا کیونکہ یہ ایسی منفعت کا اجارہ ہے جو ذات سے مقصود نہیں

(٢) وركنها الايجاب والقبول سواء كان بلفظ الاجارة او بما يدل عليها....

والثانية المستصنف في ان عقد الاجارة ينعقد باقامة العين مقام المنفعة في حق الانعقاد لا في حق المملك لان العقد لا بد له من محل ومحل العقد هنا المنافع

(البحر الرائق ج ٧ ص ٥٠٦)

اجارہ کا رکن ایجاب و قبول ہے خواہ لفظ اجارہ صراحتاً کہے اور یا لفظ اجارہ کا معنی رکھتا ہو اور مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عقد اجارہ کے انعقاد کے لیے عین شی کو منفعت کے قائم مقام بنا دیتے ہیں تاکہ حق ملکیت میں بلکہ کیونکہ عقد کے لیے محل عقد کا ہونا ضروری ہے اور اجارے میں محل عقد منافع ہوتے ہیں

(٣) (الاجارة تفسدها الشروط الفاسدة) تفسد الاجارة بالشروط التي تفسد البيع بها لانها بمنزلته في كون كل منهما يقبل الاقالة والفسخ

(١) البحر ج ٧ ص ٣٢ (٢) الفتاوى الهندية ج ٣ ص ٤٢٣

جن شروط سے بیع فاسد ہوتی ہے ان سے اجارہ بھی فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ اقالہ اور فسخ کو قبول کرنے میں اجارہ بھی بیع کی طرح ہوتی ہے

(٤) الحمال ان يستأجر رحى ماء على انه ان انقطع الماء فالاجر عليه لان هذا الشرط مخالف لموجب العقد فموجب العقد ان لا يجب الاجر الا بالتمكين من استيفاء المعقود عليه وكل شرط يخالف موجب العقد فهو مفسد للعقد

(الكفاية مع فتح القدير ج ٨ ص ٤٢)

مثلاً کوئی پن چکی اس شرط پر کرائے پر لے کہ اگر پانی ختم ہو گیا تو بھی اس پر اجرت لازم ہوگی (تو یہ اجارہ فاسد ہے) اس لیے کہ یہ شرط موجب عقد کے خلاف ہے کیونکہ عقد اجارہ کا تقاضا ہے کہ اجرت اس وقت لازم ہوگی جب کہ معقود علیہ سے نفع اٹھانے پر قدرت حاصل ہو اور ہر وہ شرط جو موجب عقد کے خلاف ہو وہ مفسد عقد ہوتی ہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ثم الاجارة قد ذكر بعض المشايخ ان الاجارة نوعان اجارة على المنافع واجارة على الاعمال وفسر النوعين بما ذكرنا وجعل المعقود عليه في احد النوعين المنفعة وفي الآخر العمل وهي في الحقيقة نوع واحد لانها بيع المنفعة فكان المعقود عليه المنفعة في النوعين جميعا الا ان المنفعة تختلف باختلاف محل المنفعة"

(۱) البدائع الصنائع ج ۴ ص ۱۷۴ (۲) التجرید ج ۳ ص ۲۱۱

بعض مشائخ نے اجارہ کی دو قسمیں ذکر کی ہیں ایک اجارہ علی المنافع اور دوسری اجارہ علی الاعمال ہے اور دونوں اقسام کی تعریف وہی کی جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اور انہوں نے اس قسم میں منفعت کو معقود علیہ اور دوسری میں عمل کو معقود علیہ بنایا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک ہی قسم ہے کیونکہ اجارہ بیع المنفعۃ کا نام ہے تو لہٰذا دونوں انواع میں محل عقد منفعت ہے البتہ محل منفعت کے اختلاف کی صورت میں منفعت بھی مختلف ہو جاتی ہے۔

(۲) ومنها ان يكون مقبوض المؤاجر اذا كان منقولا فان لم يكن في قبضه فلا تصح اجارته (التجرید ج ۳ ص ۲۱۱)

اجارہ کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ اگر شے مؤجرہ منقولی ہے تو وہ مؤجر (مالک) کے قبضے میں ہو پس اگر وہ چیز اس کے قبضے میں نہ ہو تو اس کا اجارہ درست نہیں ہے۔

مندرجہ بالا عبارات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ کسی چیز کا اجارہ کرنا فی نفسہ درست ہے۔ البتہ اس میں ایسی قیود و شرائط لگانا کہ جس کی بنیاد پر اجارہ المنتہیہ بالتملیک ہو ... ایسی قیود درست نہیں بلکہ یہ شروط مقتضی اجارہ کی نفی کرتی ہیں اور ان میں ایک بیع کا دوسری بیع میں مشروط ہونا بھی پایا جاتا ہے۔ ہمارے سامنے اجارہ ان کا اجارہ ... جو ہم نے دیکھے ہیں ... ان کے ... ہوتے ہیں وہ اس طرح معاہدہ کیا جاتا ہے کہ اگر ... اجارہ کو ... تاریخ کو فسخ کیا جائے ... اجارہ فسخ کر دیا تو اس تاریخ کے سامنے کے خانے میں جو قیمت درج ہوگی جو ... فریق سے طے شدہ ہوتی ہے ... اس معقود علیہ (مثلاً کار وغیرہ) کو خریدنے کا پابند ہوگا ... (promise to purchaser leased assets) (Undertaking) ... کہ ... اجارہ کو فسخ نہیں کر سکتا اگرچہ وہ مجبور ہی کیوں نہ ہو ... اسے اس مخصوص قیمت پر ... پڑے گی۔ کیونکہ معاہدے کی رو سے ... اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

شرط لگانے کی وجہ سے اب اس شرط کا فائدہ ظاہر ہے کہ بینک ہی کو جاتا ہے، حالانکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے جس کی بنا پر عقد اجارہ فاسد ہوجاتا ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ:

والاجارة تفسدها الشروط التي لا يقتضيها العقد كما اذا شرط على الاجير الخاص ضمان ما تلف بعمله او بغير فعله او على اجير المشترك

(ج ۴ص ۴۴۳)

جو شرائط مقتضائے عقد کے خلاف ہوں وہ اجارہ کو فاسد کردیتی ہیں مثلاً اجیر خاص پر شے مستاجرہ کی ضمان لازم کردی جائے خواہ وہ اس کے فعل سے ضائع ہوئی ہو یا کسی دوسرے کے فعل سے اور یا یہ کہ اجیر مشترک پر ضمان لازم کردیا جائے۔ اور درمختار میں ہے:

تفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما افسد البيع مما مر يفسدها كجهالة ماجور او اجرة

اجارہ فاسد ہوجاتا ہے ان شرائط سے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں لہذا جو شرائط بیع کو فاسد کردیتی ہیں وہ اجارہ کو بھی فاسد کردیتی ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے مثلاً اجرت اور ماجور مجہول ہو۔

فقہاء کرام نے تو اس واسطے یہاں تفصیل سے کلام کیا ہے کہ آیا ہر صورت میں اجارہ کی صورت میں فریقین کی رضامندی اور اتفاق سے ... وغیرہ بھی ضروری ہے یا نہیں؟ جیسا کہ فتاویٰ شامی ۵/۴۳، ۵۵، ۵۵ و تکملہ حاشیہ (۵/ ۱۵۰) میں موجود ہے لیکن یہ شرط کسی فقیہ نے نہیں لگائی کہ مستاجر کی بنیاد پر اجارہ منسخ کرنے کی صورت میں شے مستاجرہ کا تاوان دینے کا پابند ہوگا۔

اجارہ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ شے مستاجرہ کے ضمان سے بری ہوگا، یہ شرط اگرچہ اس دور میں نہیں لگائی جاتی لیکن یہ بات ضروری ہے کیونکہ الیجارہ کی قواعد کی رو سے معقود علیہ کی ہلاکت کے دوران مدت اجارہ کی صورت میں اس کی ضمان موجر پر ہوتی ہے یا انشورنس کمپنی پر کیونکہ الیجارہ ان اثاثوں کی انشورنس کرواتا ہے جس کی وجہ سے الیجارہ ضمان سے بری ہوجاتا ہے حالانکہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر شے مستاجرہ کسی آفت سماویہ سے ہلاک ہو تو اس پر ضمان نہیں آتی بلکہ ضمان موجر یعنی مالک پر آتی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جیسا کہ در مختار میں ہے

ولا يضمن ما هلك في يده وإن شرط عليه الضمان لأن شرط الضمان في الأمانة باطل كالمودع وبه يفتى كما في عامة المعتبرات وبه جزم أصحاب المتون

(الدر مع الرد ج۹ ص ۶۵)

الغرض اگر ضمان کی شرط لگا بھی دی جائے تو بھی وہ اپنے قبضہ میں ہلاک ہونے والی چیز کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ شے مستاجرہ اجیر کے پاس امانت ہوتی ہے اور امانت کی ضمان نہیں ہوتی، جس طرح مودع پر ودیعت کی ضمان نہیں ہے یہی فتویٰ ہے جیسا کہ عام معتبرات میں ہے اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا ہے۔

بحالہ یہ ان بینک جو عقد اجارہ کرتا ہے اسی عقد میں عقد بیع بھی مشروط ہوتا کہ جب مدت اجارہ ختم ہو جائے گی تو بھی شے مستاجرہ بغیر کسی عقد جدید اور ثمن کے اسی سابقہ اجرت کی بنا پر مستاجر کی ملکیت میں چلی جائے گی یعنی یہ ہوا ہے کہ تمام معاہدہ کر کے مستاجر کو مالک بنا دیا جاتا ہے اور یہ بات بھی تو عقد اجارہ ہی کے وقت مشروط ہوتی ہے اور اگر مشروط فی العقد نہ ہو تو عام معروف یہی ہوتا ہے اور یہی وہ اصل مقصد ہوتا ہے جس کی وجہ سے بینک اور مستاجر یہ عقد انجام دیتے ہیں لہذا اس عقد اجارہ میں یکسر "صفقة في صفقة" کی خرابی پائی جاتی ہے اور تعلیق التملیک کی خرابی پائی جاتی ہے اور یہ دونوں خرابیاں ایسی ہیں کہ جن کے ہوتے عقد کی درستگی نہیں ہو سکتی لہذا مجوزین حضرت مفتی صاحب یہاں اصل مقصد اجارے کا تعلق قائم کرتے ہیں بلکہ اصل مقصود سود پر قرض دینا ہے اور گاڑی وغیرہ دے کر بینک کے لئے اجارہ کا نام دے دیا گیا ہے لہذا اس طرح یہ معاملہ قطعاً جائز نہیں ہے۔

(۲) مضارب کے مال مضاربت میں تصرف کی تین صورتیں ہیں

(۱) وہ تصرفات جن کا تعلق مضاربت ہی سے ہے جیسے خرید و فروخت، رہن اور ایداع وغیرہ کے ساتھ ان تصرفات کو تعبیر کرتے ہیں کہ "اعمل برأيك او اعمل بما بدا لك" ([illegible])

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تصرفات جن کا معلوم ہو کہ ... (اعمل برأیک وغیرہ) کہنے کے بغیر مضارب کو ان تصرفات کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

(۳) وہ تصرفات کہ جن میں مالِ مضاربت کے ساتھ مضارب اپنا یا کسی دوسرے کا مال خلط کرے اور اسے مخلوط کر کے دے، ان تصرفات کا حکم یہ ہے کہ رب المال کے قول "اعمل برأیک" وغیرہ کے بغیر مضارب کو ان تصرفات کا حق حاصل نہیں ہوتا الدر المختار میں ہے

"لا يملك المضاربة والشركة والخلط بمال نفسه إلا بالإذن أو اعمل برأيك إذ الشيء لا يتضمن مثله (ج ۴ ص ۴۸۶ الدر المختار)

اور علامہ شامی رحمہ اللہ بحر کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

والأصل أن التصرفات في المضاربة ثلاثة أقسام: قسم هو من باب المضاربة وتوابعها فيملكه من غير أن يقول له اعمل ما بدا لك كالتوكيل بالبيع والشراء والرهن والارتهان والاستئجار والإيداع والإبضاع والمسافرة، وقسم لا يملكه بمطلق العقد بل إذا قيل: اعمل برأيك كدفع المال إلى غيره مضاربة أو شركة أو خلطه بماله أو بمال غيره وقسم لا يملكه بمطلق العقد ولا بقوله اعمل برأيك إلا أن ينص عليه وهو ما ليس بمضاربة ولا يحتمل أن يلحق بها كالاستدانة عليها (الشامي ج ۴ ص ۴۸۶)

اور ملک العلماء علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں

وأما القسم الذي للمضارب أن يعمله إذا قيل له اعمل برأيك وإن لم ينص عليه فالمضاربة والشركة والخلط فله أن يدفع مال المضاربة إلى غيره وأن يشارك غيره في مال المضاربة شركة عنان وأن يخلط مال المضاربة بمال نفسه إذا قال له رب المال اعمل برأيك وليس له أن يعمل شيئا من ذلك إذا لم يقل ذلك (بدائع ج ۶ ص ۹۵)

وأما الخلط فلأنه يوجب في مال رب المال حقا لغيره فلا يجوز إلا بإذنه

(بدائع ج ۶ ص ۹۶)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یعنی مضارب کا اپنے مال یا کسی دوسرے کے مال کے ساتھ مال مضاربت کو رب المال کی اجازت کے بغیر خلط کرنا اس لئے جائز نہیں کہ ایسا کرنے کی وجہ سے رب المال کے مال میں سے کسی دوسرے کا حق متعلق ہو جاتا ہے لہذا اس کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مضارب کا مال مضاربت میں اپنا مال شریک کرنا یا کسی اور کا مال شریک کرنا یا کسی اور کو بطور مضاربت کے وہ مال دینا یہ ان تصرفات میں سے ہے جو رب المال کی اجازت پر موقوف ہوتے ہیں لہذا رب المال اگر اس کو اجازت دے دے تو مضارب کے لئے ایسا کرنا درست ہے ورنہ جائز نہیں ہے لہذا مضارب کو اگر رب المال کی طرف سے اجازت مل جائے تو وہ مضاربت میں اپنے مال سے جب شریک ہو جائے تو نفع ہونے کی صورت میں اپنے مال کا نفع نکال کر مابقی نفع میں وہ رب المال کے ساتھ طے شدہ حصہ میں شریک ہوگا۔ البتہ نقصان کی صورت میں مضارب پر ضمان نہیں آئے گی۔

بدائع الصنائع میں ہے

ولكن له أن يخلط مال المضاربة بمال نفسه لأنه فوض الرأي إليه وقد رأى الخلط وإذا ربح قسم الربح على المالين فربح ماله يكون له خاصة وربح مال المضاربة يكون بينهما على الشرط (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۳۲)

اور اگر مضارب کو مال مضاربت اپنے مال کے ساتھ ملانا جائز ہے اس لئے کہ رب المال نے مال مضاربت میں تصرف کرنے کی رائے اس پر چھوڑ دی ہے لہذا نفع ہو تو اسے دونوں اموال پر تقسیم کریں گے جس میں سے مال کا نفع تو اس ہی کے لئے ہوگا اور مال مضاربت کا نفع دونوں میں شرط کے موافق تقسیم ہوگا

علامہ شامی لکھتے ہیں

اما ان يقول المالك في كل من المضاربين اعمل برأيك ...... ففي الوجه الاول لا يضمن مطلقا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر رب المال دونوں مضاربتوں میں یوں کہے کہ تم اپنی صوابدید کے مطابق کام کرو تو اس پہلی صورت میں مضارب مخصوص کا ضامن نہیں ہوگا اور اگر رب المال کی اجازت کے بغیر مضارب ایسے تصرفات کرتا ہے کہ جنہیں رب المال کی اجازت کے بغیر انجام دینے کا اسے حق نہیں ہوتا اس صورت میں اگر نقصان ہوا تو اس کی ضمان مضارب پر ہی آئے گی، رب المال اس ضمان سے بری ہوگا کیونکہ مضارب نے مالک کے امر کی مخالفت کی ہے فتاویٰ شامی میں ہے:

فإن فعل ضمن بالمخالفة وكان ذلك الشراء له ولم يتصرف فيه (قوله الشراء له) وله ربحه وعليه خسره ولكن يتصدق بالربح عندهما وعند أبي يوسف يطيب له .... (قوله ولو لم يتصرف) أشار إلى أن أصل الضمان واجب بنفس المخالفة لكنه غير قادر إلا بالشراء فإنه على عرضة الزوال بالوفاق وفي رواية الجامع أنه لا يضمن إلا بالشراء والأول هو الصحيح كما في الهداية

(الفتاویٰ الشامیہ ج ۴ ص ۵۴۴ رشیدیہ)

پس اگر اس نے خرید کیا تو مالک کی مخالفت کی بناء پر ضامن ہوگا اور یہ خریداری مضارب ہی کی ہوگی اگرچہ اس نے اس میں تصرف نہ کیا ہو مصنف کا قول ہے کہ خریداری اس کی ہوگی اور نفع و نقصان بھی اسی کا ہوگا البتہ طرفین کے نزدیک یہ نفع کو صدقہ کرے گا اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں اس کے لئے نفع حلال ہے۔ مصنف کے قول "ولو لم یتصرف" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مالک کی محض مخالفت سے ہی ضمان واجب ہو جاتی ہے البتہ خریداری کے بغیر وہ قادر نہیں ہوتا کیونکہ اس کا زوال ممکن ہے اور جامع الصغیر کی ایک روایت ہے کہ مضارب پر بغیر خریداری کے ضمان لازم نہیں آتا۔ لیکن علامہ شامیؒ نے صحیح وہ ہدایہ سے نقل کیا ہے کہ یہ ساری تفصیل کہ مضارب کو مالک کی اجازت کے بغیر اس قسم کا تصرف روا نہیں اگر مضارب نے ایسا تصرف کیا تو ضمان کا ذمہ دار ہوگا اس وقت ہے کہ جب اس علاقے شہر کے تاجروں کا عام معمول یہ ہو کہ وہ مضارب کو نقد مال وغیرہ سے منع کرتے ہوں، اور اگر تاجروں کے عرف میں مضارب کے ایسا کرنے پر رب المال کی طرف سے کوئی ممانعت اور روک ٹوک نہ ہوتی ہو تو پھر مضارب

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تجارتی مال کی بیع ہونے والے نقصان کی ضمان سے بری رہیگا۔ فقط واللہ اعلم

(قوله والخلط بمال نفسه) او غيره كما في البحر، الا ان تكون معاملة التجار في تلك البلاد ان المضاربين يخلطون ولا ينهونهم فان غلب التعارف بينهم في مثله وجب ان لا يضمن كما في التاتارخانية. (رد المحتار ج ۸ ص ۱۲ ط دار رشیدیہ)

اس عبارت کی تفصیل کے پیش نظر اگر رب المال (اکاؤنٹ ہولڈر) اپنے مضارب (المیزان بینک) کو اس بات کی اجازت دے دیتا ہے یا ان کے یہاں یہ معروف ہو کہ وہ مضارب کو خلط مال سے منع نہیں کرتے تو ایسی صورت میں بینک کا ایک ہی وقت میں مضارب اور شریک ہونا جائز ہے ورنہ یہ صورت جائز نہیں۔

(۵) علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاشباہ والنظائر" کی شرح میں علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ کی فتح القدیر سے انسانی احوال کی پانچ صورتیں نقل فرمائی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے

(۱) ضرورت: یعنی وہ حالت کہ جس میں حرام و ممنوع اشیاء کے استعمال نہ کرنے کی صورت میں انسان کے مرنے یا قریب الموت ہونے کا خطرہ یقینی ہو۔ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اس مرتبہ میں جان بچانے کے لئے حرام و ممنوع اشیاء کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔

(۲) حاجت: وہ حالت کہ جس میں حرام اور ممنوع اشیاء کا استعمال نہ کیا جائے تو موت یا قریب المرگ ہونے کا خطرہ تو نہیں ہوتا البتہ مشقت میں پڑنے کا امکان ضرور ہوتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس حالت میں حرام کا استعمال تو درست نہیں البتہ بقدر ضرورت افطار کرنے کی اجازت ہے۔

(۳) منفعت: یہ وہ درجہ ہے کہ جس میں انسان ایسی چیز کے استعمال کی خواہش رکھتا ہے جس کے استعمال سے اس کے بدن کو تقویت ملتی ہے مثلاً گندم کی روٹی کھانا، بکری کا گوشت کھانا وغیرہ لیکن عدم استعمال کی وجہ سے نہ موت کا خطرہ ہوتا اور نہ ہی مشقت میں پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

(۴) زینت: وہ درجہ ہے کہ جس میں محض تفریح طبع اور تزئین کا مقصود ہوتی ہے بدن کو کوئی خاص تقویت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی کہیں گنجائش ہے جیسے بعض مخصوص چیزیں کھانا وغیرہ۔

(۵) فضول: یہ وہ درجہ ہے جس میں زینت اپنی حد سے بھی تجاوز ہو جاتی ہے اور مقصود محض خواہشات نفسانیہ کو پورا کرنا ہوتا ہے جیسے محض محبت کے لئے حرام و مشتبہ چیزیں حاصل کرنا وغیرہ۔

ان پانچ صورتوں میں سے صرف پہلی صورت یعنی ضرورت کے درجے میں حرام اور مشتبہ چیزوں کا استعمال صرف ضرورت کی حد تک جائز ہو جاتا ہے اس کے علاوہ بقیہ کسی بھی صورت میں حرام کے استعمال کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔ (ملخصاً شرح الحموی علی الاشباہ ج ا ص ۱۰۸ ط ادارۃ العلوم کراچی)

سود کی حرمت میں کسی بھی قسم کے شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے قرآن کریم کی آیات اور احادیث کا ایک معتدبہ حصہ اور اجماع امت و اقوال فقہاء سب ہی اس بات پر متفق ہیں کہ سود قطعی حرام ہے خواہ کسی بھی شکل میں ہو اور سود سے بہر حال اس کا خاصہ لازم ہے۔ اس لئے سود کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں دی گئی۔ جب کہ انسان واقعی ضرورت شدیدہ تک پہنچ جائے تب کسی بھی حرام اور مشتبہ چیز کے بقدر ضرورت استعمال کی اجازت ہوتی ہے اور اپنی تجارت کو فروغ دینا "ضرورت" کی تعریف میں کسی طرح بھی داخل نہیں ہے بلکہ اسے درجہ فضول میں داخل کرنا زیادہ مناسب ہے علامہ حموی رحمہ اللہ نے فضول کی مثال میں "توسع باکل الحرام والشبھۃ" کو ذکر فرمایا ہے۔ (حوالہ بالا)

لہذا تجارتی مقصد کے لئے کسی بھی شخص یا ادارے کا سودی قرض لینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ادارہ سودی قرض تجارتی مقصد کے لئے لیتا ہے تو ایسے ادارے یا شخص کے ساتھ تجارتی معاملہ رکھنا بھی ناجائز و حرام ہے۔ اس لئے المیزان بینک کے لئے کسی شخص یا کمپنی کی بناء پر بحیثیت بینک سے سودی قرض لینا ناجائز و حرام ہے۔ جو ادارہ المیزان بینک سے قرض لیتا ہے تو کسی بھی شخص کا اس کو بطور مشارکت کے طور پر المیزان کی ... محض ہے ... مشتبہ چیزوں سے بچنے کی بھی سخت تاکید وارد ہوئی ہے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"الحلال بین والحرام بین وبین ذلک امور مشتبہات لا یدری کثیر من الناس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

من الحلال او من الحرام فمن ترکها استبرأ لدينه وعرضه فقد سلم ومن واقع شيئا منها يوشك ان يواقع الحرام، كما انه من يرعى حول الحمى يوشك ان يواقعه الا وان لكل ملك حمى الا وان حمى الله محارمه"

(۱) سنن ترمذی ابواب البیوع باب ما جاء فی ترک الشبہات

(۲) سنن ابن ماجہ باب الوقوف عند الشبہات

(۳) صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب اخذ الحلال و ترک الشبہات

(۴) جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم لابن رجب الحنبلی ص ۵۸)

مذکورہ بالا تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے سوالات کے مندرجات کا مختصر جواب یہ ہے کہ

(۱) مذکورہ اسکیم کے مطابق مضاربت میں متعدد شرعی خرابیاں پائی جاتی ہیں اس لئے اس میں کاروبار جائز نہیں۔

(۲) شخص کی وفات کی صورت میں جو رقم "صدقہ" یا "فی سبیل اللہ" کے نام سے جو رقم لی جاتی ہے اس کے وجود کے بیان سے ... میں شرعی طور پر کوئی وجہ نہیں اس لئے یہ رقم لینا دینا جائز نہیں ہے۔

(۳) شرکت و مضاربت ختم کرنے کی شرط عقد کی ابتداء میں اس طور پر لگائی جائے کہ یہ شرط صلب عقد میں داخل ہو تو اس سے شرکت و مضاربت باطل ہو جائے گی ورنہ حسب تصریح صاحب البدائع خود یہ شرط ختم ہو جائے گی اور عقد درست ہوگا۔ البتہ رب المال اور شریک کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ عقد شرکت و مضاربت ختم کرنے کا حق بھی رکھتے ہیں یعنی وہ جب چاہیں ختم کر سکتے ہیں شرعاً ان پر کوئی پابندی نہیں۔

(۴) انشورنس قمار اور ربا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اس لئے اپنی کسی بھی چیز کی انشورنس کروانا جائز نہیں۔

(۵) شرکت و مضاربت میں اصل اعتبار نفع ہی کا ہوتا ہے اسی لئے فقہاء نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ عقد کی ابتداء ہی میں نفع کا تناسب معلوم ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ تعیین ابتداء میں نہیں کی گئی تو نفع مجہول رہے گا جس کی وجہ سے عقد شرکت و مضاربت ہی باطل ہو جاتا ہے لہٰذا یہ جہالت مفسد ہوگی۔

(۶) مذکورہ اسکیم میں بھی شرعی خرابیاں پائی جاتی ہیں اور اجارہ منتہی بالتملیک یا العقد السابق بھی جائز نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیونکہ اس میں "صفقة فی صفقة" اور "تعلیق بالبیع" وغیرہ خرابیاں موجود ہیں اس لئے یہ جائز نہیں ہے

(۷) یہ ربٰو کی شکل بھی ہے اس لئے ناجائز ہے۔

(۸) تخییر قول ضعیف پر عمل ہے اور خروج عن المذہب بھی صرف ضرورت شدیدہ اور اضطرار کی حقیقی تحقق پر موقوف ہے جبکہ ضرورت چونکہ یہاں متحقق نہیں ہوئی اس لئے خروج عن المذہب بھی جائز نہیں۔

وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع وان الحکم الملفق باطل بالاجماع (در مختار علی هامش رد المحتار)

(۹) کاروباری ضرورت حاجت نہیں بلکہ "مزید فضول" کے تحت داخل ہے اس کے لئے سودی قرضہ لینا قطعاً جائز نہیں ہے جیسا کہ سابق میں امام حموی رحمہ اللہ کی شرح الاشباہ کے حوالے سے تفصیل گذر چکی ہے۔

(۱۰) اگر بینک میں اکاؤنٹ کھلواتے وقت بینک کے ذمہ دار اکاؤنٹ کھولنے والے کو اس کی وضاحت کر دیں کہ آپ کا بینک کے ساتھ شراکت کا تعلق ہے اور بینک اپنی پالیسی کے تحت خود بھی اس میں شریک ہوگا کبھی نفع بھی ہوگا اور آپ کے مال کے ساتھ کاروبار کرے گا، اس وضاحت کے بعد اگر اکاؤنٹ کھلوانے والا اس کی صریح اجازت دے دے تو بینک کا شریک ہونا درست ہے اور اگر اکاؤنٹ کھلوانے والے کی صریح اجازت نہ دے تو ایسی صورت میں بینک کا ایسا کرنا شرعاً ناجائز ہے جیسا کہ سابق میں کی عبارت میں فتاویٰ دارالعلوم کے حوالے سے تفصیل گذر چکی ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مروجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں پاکستان کے اکثر اہل علم اور اہل فتویٰ کے متفقہ فتویٰ

کے بارے میں بنگلہ دیش کے سب سے بڑے اور مستند دینی ادارے دار العلوم

معین الاسلام ھاٹھزاری بنگلہ دیش کے اہل علم و ارباب فتویٰ کا

اتفاق اور ان کے تائیدی کلمات

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد! یہ کہ مروجہ اسلامی بینکاری اور اس کے دوسرے معاملات کے بارے میں جو عرصہ سے پاکستان اور بعض دیگر ملکوں میں جاری ہیں اور بعض اہل علم اور اہل فتویٰ اس کی تائید و تعاون کرتے رہے بلکہ آپ انہوں نے اس کے شرعاً جائز ہونے کا فتویٰ دیا بلکہ خود بینکنگ کے معاملات میں ملوث ہو گئے، ایسے معاملات میں دوسرے اہل علم اور اہل فتویٰ کی کوئی متفقہ رائے اور متفقہ فتویٰ کا آنا ضروری ہو گیا ہے۔

حسب توفیق سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے رفقاء کی طرف سے پاکستان کے اکثر اہل علم و اہل فتویٰ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکنگ کے معاملات غیر شرعی اور غیر اصولی ہونے کی وجہ سے ناجائز و حرام ہیں۔

چونکہ مروجہ اسلامی بینکاری کے سلسلے میں یہ فتویٰ جامع ہے اور دلائل کے ساتھ ہے اور بعض قیمتی تجاویز بھی مشتمل اور مدلل ہیں، لہٰذا دار العلوم تعلیم الاسلام باجوڑ ایجنسی کے اہل علم و اہل فتویٰ بھی اس سے اتفاق کرتے ہیں بلکہ اس فتویٰ کی بھرپور تائید کرتے ہیں اور جو اہل علم و اہل فتویٰ اس کے جواز کے قائل ہیں ان کے موقف و عقیدہ کو گمراہ کن سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بارے میں ہم سب کو صراط مستقیم پر قائم رکھے اور جو لوگ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں ہم ان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحیح سمجھ دے دے کہ یہ معاملات ان کے گمراہی کا سبب نہ بنیں اور خود بھی راہ راست پر آ جائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

اس سلسلہ میں ہم سب کو حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو سامنے رکھنا چاہئے، وہ حدیث یہ ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحلال بین والحرام بین وبینهما امور مشتبهة فمن ترک ما شبه علیه من الاثم کان لما استبان له اترک ومن اجترا علی ما یشک فیه من الاثم اوشک ان یواقع ما استبان والمعاصی حمی اللہ ومن یرتع حول حمی اللہ یوشک ان یواقعه۔

(صحیح البخاری ج۱ ص ۲۷۵ المکتبۃ الاشرفیۃ دیوبند)

حدیث کی رو سے مروجہ اسلامی بینکاری کے معاملات مجوزین کے نزدیک اگر چہ واضح حرام نہیں ہیں تاہم واضح حلال بھی نہیں ہیں، مشتبہ معاملات میں سے ہیں لہٰذا اس وجہ سے بھی ان کے لئے جواز کے فتوے دینے کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ آج کل مروجہ اسلامی بینکاری کے معاملات کے عدم جواز پر بے شمار شبہات موجود ہیں۔

(۱) حرمت سود میں مجوزین حضرات احتیاط کی بجائے جواز کا فتویٰ دے رہے تھے۔

(۲) ان کے تجویز کردہ طریقوں میں بنیادی خامیاں موجود ہیں کہ بینک کے اہلکار ان کے عائد کردہ شرائط کو پورے نہیں کرتے ہیں۔

(۳) مروجہ بینکاری کے معاملات ان کے نزدیک اسلامی معیار کے مطابق پورے ملتے تو نہیں لیکن بعض امور کو ضرورت کی وجہ سے مرابحہ اور اجارہ کے نام سے جائز قرار دیا گیا ہے حالانکہ ان کے فتویٰ کے اندر مرابحہ اور اجارہ کو مستحق قرار دیا گیا، جو بالکل غلط ہے۔

(۴) شرعی معیار کے مطابق کسی شخص کو بینک کے اہلکار پورا اہمیت نہیں دیتے ہیں، جس کا شکوہ یہ حضرات بار بار تحریر و تقریر سے کر رہے ہیں۔

(۵) مشترکہ صدقات کرنے کے لئے بینکوں میں صدقہ کے کھاتے رکھے ہوتے ہیں، جو کہ شرعاً غلط اور بدعت ہے۔

(۶) بینک کے ہولڈروں کے لئے اور بینک کی آمدنی کے لئے رقم مشتبہا کرنے کی صرف گنجائش رکھی گئی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے بلکہ اس کی قانونی حیثیت ہو گئی ہے جبکہ شرعی شرکت و مضاربت میں ان چیزوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۷) مروجہ اسلامی بینک بھی دوسرے الائڈ بینک اور اپنے ملک کے اسٹیٹ بینک کے سودی معاملات سے آزاد نہیں ہیں بلکہ ان کے تمام اصول وضوابط باہر سے آنے والے قواعد وضوابط اور اصطلاحات کے تابع ہیں۔

(۸) مروجہ اسلامی بینک کے ایجنٹ کھاتہ داروں کو اپنے اصل سرمایہ کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں، جبکہ شرعی مضاربت میں اصل سرمایہ کے تحفظ کی ضمانت دینا اور لینا دونوں ہی نادرست ہیں۔

(۹) اسلامی بینک کے اکثر کھاتہ داروں کو حقیقی منافع کا حساب دیئے بغیر ایک متعین منافع تقسیم کر دیتے ہیں جو کہ شرعی شرکت و مضاربت کے اصول کے خلاف ہے۔

(۱۰) اسلامی بینک کے تمام معاملات کے سو حقیقی معنی میں روایتی سودی بینک اور مروجہ اسلامی بینک کے معاملات میں کوئی فرق نہیں ہے، بینک کے اہلکاروں کی تحریری شہادت اس بارے میں ہمارے پاس موجود ہے۔

جب مروجہ اسلامی بینک کے معاملات میں اتنی خرابیاں موجود ہیں تو ان کے جواز اور حلال ہونے کا فتویٰ دینے کا مطلب یہ ہے کہ دانستہ یا نادانستہ سودی معاملات کو جائز قرار دینا ہے جو کہ صریح گمراہی کے سوا کچھ نہیں، اور محققین اہل علم و اہل فتویٰ کے نزدیک تو اسلامی بینکاری کے معاملات اگرچہ واضح حرام کے زمرے میں نہیں آتے تب بھی کم از کم مشتبہات کے زمرے میں تو آتے ہیں، ایسے حالات میں ان کے جواز کا فتویٰ دینا اور ان معاملات کو اختیار کرنے کے مترادف ہے، جو کہ آنحضرت ﷺ کے واضح اور صریح فرمان کی خلاف ورزی کا ذریعہ ہے، اس واسطے ہم جمہور اور اکثر اہل علم و اہل فتویٰ کے متفقہ فتویٰ سے بھرپور اتفاق کرتے ہیں بلکہ تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ سودی معاملات کو حلال سمجھ کر ہرگز اختیار نہ کریں اور اس سے بچنے کی ہر ممکن اجتناب کرنے کی کوشش کریں، اور اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار بھی کرتے رہیں۔

وصلی اللہ علی النبی الکریم وآلہ واصحابہ اجمعین

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

تحریر

بندہ محمد عبد السلام چاٹگامی عفا اللہ عنہ

دارالافتاء جامعہ معین الاسلام ہاٹہزاری چاٹگام بنگلہ دیش

الجواب صحیح [illegible] امت مسلمہ کو

[illegible] ضروری ہے — احمد شفیع — بندہ نور احمد

محمد ہارون عفی عنہ — [illegible]

شریعت مطہرہ کا اصل اصول ہے کہ [illegible]

[illegible]

محمد شمس العالم

[illegible] الجواب الصحیح

[illegible] معاملات سے پرہیز کرنا [illegible] ضروری

بندہ [illegible] عفی اللہ عنہ — [illegible] عفا اللہ عنہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ادارہ تصنیف و تحقیق دار التصنیف جامعہ عربیہ احسن العلوم کراچی
تحت الاشراف حضرت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب مدظلہ

نام نہاد اسلامی بینکاری کے جواز میں چھپنے والی کتب
اور ان کا جائزہ

اسلامی بینکاری پر جو تحریر ایک مجلے کی صورت میں شائع ہوئی تھی جس کا تدارک ملک بھر کے اہل حق اور فنی علماء نے متفقہ طور پر کیا، حقیقت میں یہ تحریر دو ٹوک ... کے ساتھ کیا، اس سلسلے میں ایک متفق تحریر بابت نام نہاد اسلامی بینکاری شائع بھی ہوئی۔

اس کے بعد ایسے افراد جنہیں یا تو مغالطہ ہوا یا ... لگ گئی یا بعض حق جن کی ... ڈھونڈنے والے، انہوں نے ایک غیر معقول تحریر شائع کی کہ "کیا واقعی وہ فتویٰ متفق تھا" یا "متفقہ فتویٰ کی حقیقت کیا ہے" یا "متفقہ فتویٰ کا تجزیہ" اس سلسلے میں چند تحریرات بھی شائع کیں ان میں بعض جگہ اعتراضات ایسے ہیں جو بے لگام اور بے لگام قسم کے ہیں، جو اعتراضات پر مبنی فقط تاثر ہیں۔

ایک کتاب "غیر سودی بینکاری" جو کہ جامعۃ الرشید سے شائع ہوئی اس کتاب میں ص ۱۸ پر یہ عبارت دیکھنے میں آئی:

"ہمارے ملک کے معروف اصحاب افتاء نے ... کی تصویب کی ہے جن کے نام گرامی مقدمہ میں آ گئے"

وہ نام اس کتاب کے ص ۱۳۱ پر موجود ہیں جن کی کل تعداد ۱۹ ہے جن میں سے ۱۳ نام مختلف دار العلوم کراچی کے ... کے ہیں، اس طرح تو حساب بہت آسان ہو جائے گا کیونکہ عدم جواز کا فتویٰ دینے والے ... ان میں ... کی تعداد ... سے بھی زیادہ ہوتی ہے، اگر سب کے نام تحریر میں لکھ دیا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوئے متفقہ فتویٰ کے دستخط کنندگان کی تعداد درست بیان نہیں کی گئی، دستخطوں میں اساتذہ کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

ایک دوسری کتاب "اسلامی بینکاری اور متفقہ فتویٰ کا تجزیہ" میں بھی بہت شوک جتا کر کہا گیا ہے کہ "علماء کی ایک بھاری تعداد نے اسے جائز کہا بلکہ سود سے بچنے کے لئے ایک مستحسن کوشش قرار دیا" (ص ۲۴) جس سے آج تک علماء کی اس بھاری تعداد کا پتہ نہیں چل سکا۔

پھر ایک اور رسالہ دیکھا گیا مولانا مفتی عطاء الدین صاحب (کرک شریف) کا "بلاسود بینکاری" میں وہ لکھتے ہیں:

"تصویب جمہور کی ایک مثال جامعہ متفقہ فتویٰ کی تردید ہے آپ اس سے اندازہ لگایئے کہ اس متفقہ فتویٰ پر پورے پاکستان سے صرف ۱۸ مفتیان کرام کے دستخط ہیں جن میں ۱۵ مفتیان کا تعلق کراچی سے ہے"

تو مفتی عطاء الدین صاحب کی خدمت میں گذارش ہے کہ پورے پاکستان کے ہر صوبے کے قابل ذکر ادارے اور مدارس کے مفتیان کرام نے اس فتویٰ پر دستخط فرمائے ہیں۔ شاید آنجناب کو "تصویب" کا معنی معلوم نہیں ہے "تصویب جمہور" سے یہ تو جہلاء بھی سمجھ سکتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ملک بھر کے بڑے اداروں کے علماء جس پر سب کا اتفاق ہو اس میں تعداد مقصود نہیں۔ پھر متفقہ فتویٰ پر صوبہ سندھ کے جو ادارے شامل ہیں ان میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ، جامعہ احسن العلوم، معہد الخلیل الاسلامی، جامعہ اسلامیہ کلفٹن، جامعہ حمادیہ وغیرہ شامل ہیں۔ صوبہ پنجاب سے لاہور کا جامعہ مدنیہ، جامعہ اشرفیہ لاہور، ملتان کا قاسم العلوم، جامعہ خیر المدارس اور دارالعلوم کبیر والا شامل ہیں۔ سرحد کا مشہور اور سب سے بڑا ادارہ جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک شامل ہے اور صوبہ بلوچستان سے جامعہ رشیدیہ اور جامعہ مطلع العلوم کوئٹہ شامل ہیں اس کے علاوہ وقت کے بڑے محقق عالم حضرت اقدس مولانا ... صاحب بھی اس کی تائید میں تحریر لکھ چکے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ اس تحریر پر دستخط مفتی حضرات کراچی کے تھے تو حضرت والا کی خدمت میں عرض

ہے کہ جو شہرت و مقبولیت اور علم کا جو مقام اللہ تعالیٰ نے کراچی کو بخشا ہے اس کا عشر عشیر بھی کسی گروہ کو حاصل نہیں ہے، اسی لیے ملک کے کونے کونے سے لوگ کراچی ہی کے مدارس کا رخ کرتے ہیں نہ کہ کسی گروہ کا۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ اعتراض کرنے والے اور کس چیز کو متفقہ کہتے ہیں ہمارے علم کے مطابق کم از کم ماضی قریب میں اس سے زیادہ متفقہ مسئلہ اور کوئی نہ ہوگا کہ جس پر پورے ملک کے نمائندہ مدارس کے علماء دستخط کر چکے ہیں۔

مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کی اصل حقیقت

وہ یہ ہے کہ مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے پورے فتویٰ میں آخر تک اس نظام کو مکمل پاک نہیں کہا اور تھا اس پر بھی خاموش نہیں ہے ان کے بعد ان کے لوگ اس کی مخالفت کریں اس کی ذمہ دار حضرت مفتی صاحب نہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۱۱۵ میں فرماتے ہیں

”ماہ جون ۱۹۸۰ء کو اسلامی مشاورتی کونسل حکومت پاکستان نے بینک کی اصلاح کے سلسلے میں چند سوالات بھیجے تھے، ۲۰ رجب ۱۴۰۰ھ کو جوابات لکھے مگر اسلامی مشاورتی کونسل کی کوشش کے باوجود بینک نے اصلاحی تجاویز کو قبول نہ کیا“

آگے فرماتے ہیں

”حال ہی میں ۱۴۲۰ھ کو بینک کی اصلاح کے لیے ”مجلس تحقیق مسائل حاضرہ“ کا دوبارہ اجلاس ہوا جس کی کارروائی زیر نظر رسالہ میں شائع کی جا رہی ہے، اس میں پاکستان بینکنگ کونسل کے دو ممبروں کو بھی شریک کیا گیا تھا تاکہ تجاویز پیش کرتے وقت ان کی زیادہ سے زیادہ رعایت رکھی گئی، بعض امور میں محض اس لئے کہ مقصد یہ ہے کہ بینک کو زیادہ سے زیادہ قریب ہو، علماء نے محض ان کی رعایت سے ان کی بعض ایسی تجاویز کو بھی قبول کر لیا، اس کے باوجود اب تک بینک سے سودی لعنت کو ختم کرنے کی کوئی کوشش بھی نہیں کی، ان حالات میں اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہدایت دے، اللہ المستعان وھو ولی التوفیق“

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

والحق یعلو ولا یعلیٰ"

اولیاء دار العلوم کراچی کا اضطراب

دار العلوم کراچی کے بعض ذمہ دار حضرات اس سلسلے میں خود ان کی عبارات کے آئینہ میں مضطرب نظر آتے ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کو لکھے گئے خط میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں کہ

"اسلامی بینکاری اس طریقہ کار کو غلطیوں سے پاک نہیں کہا جا سکتا اور اگر کسی غلطی کی نشاندہی ہو جاتی ہے تو ہم نے ہمیشہ اس کی اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے نیز اگر اب بھی اہل علم کو اس کے طریقہ کار میں اشکال ہے تو یہ بات بھی وقت کا تقاضا ہے وہ اشکال ہمارے سامنے آئے تو اس پر کھلے ذہن سے غور کیا جائے گا۔"

(اسلامی بینکاری ص ۴۵ مؤلفہ مفتی عطاء الدین کریم وغیرہ)

آگے فرماتے ہیں

"آنجناب نے میزان بینک کے عملے کے بارے میں جو باتیں ذکر فرمائی ہیں وہ واقعتاً محل اعتراض ہیں، واقعہ یہ ہے کہ بندہ یا شریعہ بورڈ کا کوئی رکن بینک کا نہ مالک ہے نہ بینک کا حصہ دار ہے نہ بینک کے انتظامی معاملات اور عملے کے تقرر سے ہمارا کوئی تعلق ہے، ہمارا کام تجارتی عقود و معاملات کے بارے میں یہ دیکھنے کی حد تک محدود ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہیں یا نہیں، اس کے علاوہ میں پہلے بھی اس بارے میں بینک کی انتظامیہ کو متنبہ کرتا رہا ہوں جس کا کچھ اثر بھی ظاہر ہوا ہے لیکن پوری طرح صورتحال ابھی تک موجود ہے اور اس کی اصلاح کی کوشش بھی ہو رہی ہے۔"

(ایضاً ص ۵۴، ۵۵)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب فرماتے ہیں

"(۱) میزان بینک اور دوسرے غیر سودی بینک جنہیں آج کل اسلامی بینک کہا جاتا ہے ان میں سے کسی سے احقر کا تعلق نہیں، نہ احقر ان میں سے کسی کا ملازم ہے، مگر ان بینکوں نے شریعہ ایڈوائزر احقر کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ان سے مالی معاملات میں رہی ہے۔ الحمد للہ تقویٰ کے ساتھ اجتناب رہا۔ ایسے حالات رہے کہ ہم ان بینکوں سے دور ہی رہا اور اب تک دور ہے۔ البتہ ان غیر سودی بینکوں میں سے ایک بینک کے اندر میرا ایک تجوری کی طرح ایک اکاؤنٹ ہے جس سے میں بقدر ضرورت اپنی حاجت پوری کر لیتا ہوں اگر کوئی شخص مجھ سے زبانی طور پر یہ دریافت کرتا ہے کہ میں اسلامی بینکوں سے مالی معاملہ کروں یا نہ کروں تو میں اس سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا وہ سودی بینکوں سے مالی معاملات کرتا ہے یا نہیں۔

(الف) اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے سودی بینکوں سے کبھی کوئی معاملہ نہیں کیا اور میں اس کے بغیر بھی کام چلا سکتا ہوں تو میں اس سے یہی کہتا ہوں کہ وہ غیر سودی بینکوں سے بھی دور رہے، اور ان سے حفاظت کرے۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو غیر سودی بینکوں میں بھی تمویل کے جتنے معاہدے ہوتے ہیں وہ بہر صورت مداہنت پیدا کرتے ہیں جو بلا ضرورت کے بغیر اختیار کرنا اچھا نہیں۔ دوسرے یہ کہ غیر سودی بینکوں کے ادارے تجارتی ہیں جن کے پیش نظر عوامی فلاح ہو یہ خالص تجارتی ادارے ہیں ان کے مالکان اور حصہ داران میں سے ایک تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جن کی نشو و نما سرمایہ داری پر ہی ہوتی ہے اور وہ اسلامی نظام عدل سے کما حقہ واقف نہیں تجارتی ادارے ہونے کی وجہ سے ان کا مقصد منافع حاصل کرنا ہے اور ان کی خواہشات بعض کی زندگی اگر غیر معمولی تبدیلی کی غیر معمولی ہدایات کو تحفظ دیتا ہے اور بسا اوقات قواعد و ضوابط کی بنا پر عقود وغیرہ کے ذریعہ عوام کے ذریعے سے ان کو نقصان دیتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کو غیر سودی بینک تو کہتے ہیں لیکن ان کو اسلامی بینک کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ لیکن جناب قلم سے لکھ [illegible] "اسلامی بینکاری" کو مثالی نمونہ ابھی تک تسلیم نہیں کیا۔" (ماہنامہ التبلیغ راولپنڈی شمارہ جلد ۲۹، جون ۲۰۰۹ء)

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہاں ایک اور بات کی بھی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ غیر سودی بینکاری کے سلسلے میں جن لوگوں نے اس کا اہتمام کیا ان لوگوں نے اس معاملے میں اسلام اور اسلامی احکامات کا لحاظ اور اہتمام کے بجائے "پاکستان ویلفیئر کونسل" جو کہ کسی طرح سود سے پاک نہیں ہے کے معیار ان کا لحاظ رکھا ہے لہٰذا ان کی توجیہات یہ سب مناسب اور قابل اصلاح بھی ہیں ان کی رعایت کی گئی ہے" (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۱۱۵)

مقام حسرت و افسوس

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا مقام علم مقام ورع وتقویٰ بالخصوص مسلمہ اور اہل علم و فضل میں جو مرتبہ ہے وہ چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح درخشاں ہے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا لیکن یہ تو مسلمہ بات بھی ہے کہ وہ ایک بشر ہیں اور بشری تقاضات اور اغلاط ان سے بھی ہو سکتی ہیں۔ کیا حضرت والا کی مشہور زمانہ کتاب درس ترمذی میں بہت سے مقامات اصلاح طلب نہیں ہیں؟ کیا ان کے قلم سے اس کتاب میں غیر صحیح یا تحریفات نہیں ہوئی ہیں؟ (وقت آنے پر اور اگر ضرورت محسوس کی گئی تو ان کی بھی فہرست پیش کر دی جائے گی) بہر حال مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب نے جس طرح دور حاضر کے جید علماء و محققین کو منکر قرار دیتے ہوئے بلکہ قرآن و سنت سے دوری کے گھیرے میں حضرت والا کا مخالف قرار دیا ہے اس سے ان کا دلی بغض اور اہل علم حضرات سے دلی عداوت واضح ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ جو مقام حضرت والا مفتی تقی صاحب کا ہے اس کا عشر عشیر بھی مفتی اشرف عثمانی صاحب کو نہیں ہے خود مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اس بارے میں جو انہوں نے حضرت صدر وفاق مدظلہ کو تحریر فرمایا وہ لکھتے ہیں کہ

"جناب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بینکاری کے حوالے سے آپ اپنے آپ کو علم ان سے بہتر سمجھتے ہیں اور دوسروں کی معلومات کو ناقص فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ بندے نے کبھی اس طرح کی کوئی بات کسی کی مجلس میں کہی ہو گی تو درکنار اس بات کا تصور بھی کبھی نہیں کیا۔ دوسروں کے بارے میں بھی بندے نے تنقیص کی کوئی بات کی، اب بھی کسی عالم کی طرف

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے کسی غلطی کی نشاندہی ہو اور دلیل سے ثابت ہو جائے تو ان شاء اللہ اس کے اعتراف و اعلان میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔"

لیکن جناب محمود اشرف عثمانی صاحب نہ جانے کس زعم میں گم ہو کر یا نہ جانے کس لاابالی کیفیت کا شکار ہوتے ہوئے اپنے قلم سے تحریر فرماتے ہیں کہ

"حضرت مولانا مفتی تقی صاحب مدظلہم کے موقف کے مخالف علماء کرام کے احترام کے باوجود احقر پوری دیانتداری سے یہ بات سمجھتا ہے کہ: (الف) اکابر علماء اور فقہاء کی جتنی صحبت اور ان سے جتنی استفادہ کی جتنی توفیق حضرت مدظلہم کو نصیب ہوئی ہے ان کے مخالف مفتیان کرام میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

(ب) کتاب اللہ سنت رسول اللہ ﷺ اور فقہ اسلامی کی جتنی علمی اور دینی خدمت کی توفیق حضرت مدظلہم کو بحمد اللہ حاصل ہوئی ہے اس کے عشر کی توفیق بھی ان کے موجودہ مخالفین میں سے کسی کو عطا نہیں ہوئی"

(ج) حضرت مدظلہم کو عالم اسلام کے دینی اداروں، مسلمانوں اور عام علماء اور محققین علماء میں اعتماد اور قبولیت کا جو درجہ بحمد اللہ حاصل ہے وہ ان کے موجودہ مخالفین میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں۔

(ماہنامہ البلاغ ص ۳۲، ۳۳ جمادی الثانیہ/جون ۲۰۰۹ء)

حالانکہ جن بزرگ مفتیان کرام اور علماء کرام کی تنقیص اور تحقیر جناب محمود اشرف عثمانی صاحب بیان کرتے ہیں ان میں خود مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے اساتذہ جو کہ شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ کے مایہ ناز شاگرد رہے ہیں، صدر وفاق المدارس شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم موجود ہیں جو کہ گزشتہ ۴۵ سال سے بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں اور جن کے زور قلم سے کشف الباری جیسی عظیم الشان بخاری شریف کی شرح منصہ شہود پر آچکی ہے۔ کیا یہ حقیقت حال کی مذمت نہیں؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جامعہ اشرفیہ لاہور کے بزرگ محقق عالم مفتی اور صدر دارالافتاء حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب مدظلہ العالی موجود ہیں جن کو افتاء و فتویٰ کے فرائض انجام دیتے ہوئے تقریباً ۴۰ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا ہے۔ کیا محمود اشرف صاحب کی نظر میں یہ بھی دین وفقہ کی خدمت نہیں؟

حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب گورمانی مدظلہ (مہتمم و مفتی جامعہ فتاح العلوم نوشہرہ سانسی گوجرانوالہ) گوجرانوالہ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۹۵ء تک حضرت محقق العصر امام اہل سنت رحمہ اللہ کی نگرانی میں ان کے جامعہ نصرۃ العلوم میں صدر مفتی کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں اور اس کے بعد اپنے مدرسے جامعہ فتاح العلوم میں فتویٰ کی نگرانی کر رہے ہیں اس طرح ان کی اس میدان میں خدمات کی مدت تقریباً ۴۰ سال بنتی ہے۔ شاید یہ بھی محمود اشرف صاحب کے نزدیک خدمت دین نہیں۔

مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے خاص شاگرد اور محقق عالم مولانا مفتی احتشام الحق صاحب آسیا آبادی بھی شامل ہیں جو فتاویٰ کے میدان میں ۲۵ سال سے زیادہ کا عرصہ گزار چکے ہیں اور بے شمار تحقیقی کتب کے مصنف ہیں۔ لیکن شاید جناب محمود اشرف صاحب کے نزدیک یہ کوئی دین کی خدمت کا کام نہیں۔

مولانا مفتی محمد اسلام صاحب پاکستانی مدظلہ شامل ہیں جو کہ محدث العصر شارح ترمذی حضرت مولانا یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے ایک طویل مدت تک جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں ان کو بھی اس میدان میں تقریباً ۴۰ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ کیا یہ بھی کتاب وسنت کی خدمت میں شامل نہیں؟

حضرت اقدس حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم تو بھی عرصہ ۲۵ سال سے بخاری، ترمذی اور مسلم شریف تفسیر قرآن پڑھانے کے ساتھ ساتھ رئیس الافتاء کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔ کیا یہ بھی قرآن وسنت کی خدمت نہیں ہے؟

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے صدر مفتی مولانا مفتی عبد المجید دین پوری صاحب مدظلہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی عرصہ ٣٠ سال سے زیادہ فتویٰ لکھنے میں گزار چکے ہیں۔ شاید یہ بھی جناب محمود اشرف صاحب کے نزدیک دین کی خدمت میں شامل نہیں ہے۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مفتی حضرت مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ بھی عرصہ ١٥ سال سے فتویٰ کی خدمت میں مصروف ہیں۔

پنجاب کی شہرہ آفاق درسگاہ جامعہ خیر المدارس کے دارالافتاء کے ذمہ دار حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب بھی عرصہ ٣٠ سال سے افتاء کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

جائے تعجب ہے کہ ایسے محققین حضرات کی تحقیقات اور فتاویٰ کو چند بازاری قسم کے کالم نگاروں نے اخبارات میں بھی نہ اچھالا ہو، جبکہ مروجہ اسلامی بینکاری سے مستفید ہونے والوں نے بھی ان کے دامن عصمت کو داغدار کیا، یہاں تک کہ ان حضرات کو حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے مقابلہ میں کم علم، قرآن و حدیث سے ناواقف اور دور حاضر کی ضروریات سے محروم تک کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی۔

بقول شخصے کسی نے کیا خوب کہا ہے

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

لیکن دوسری طرف جو لوگ کسی بھی طرح بینک کے سود کو سود ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں ان کی نظر سے جناب نبی کریم ﷺ کی وہ حدیث مبارک اوجھل ہو گئی ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"ان الحلال بین وان الحرام بین وبینهما مشتبهات لا یعلمهن کثیر من الناس فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام ......"

(صحیح مسلم ج ٢ ص ٢٨)

واضح طور پر جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو بھی شبہات کا شکار ہوا وہ گویا کہ حرام کا شکار ہو چکا ہے کہ ایک ایسا مسئلہ جس میں اس قدر اختلاف موجود ہے کہ ملک کی اکثریت علماء کرام کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جماعت (جو جب ان کے بارے میں کچھ بھی کہا جائے تو) اس کے خلاف ہے اور چند افراد کے کہنے پر اس میں جو بعض جماعتیں کی جا رہی ہیں بجائے اس کے حکومت کو جو سود کا گھونٹ ہے بزور دفع لوگوں کے گلوں سے اتارنے کی کوشش کی جا رہی ہیں۔ جب ملک اور قوم یہاں ملک کے بھی کچھ علماء اس سلسلے میں مضطرب ہیں تو چاہیے تو یہ تھا کہ پوری جماعت جواب الجواب کی فضا قائم کرنے کے اس کو تسلیم کرنا چاہیے۔ کیونکہ چند مسائل ایسے کیے گئے ہیں جو کسی طرح بھی سود سے خالی نہیں ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

ہم ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں ان اصطلاحات کا مکمل جائزہ میزان بینک وغیرہ کے دستاویزات (اگر انہوں نے ہمارے حوالے کیے) کی روشنی میں پیش کریں گے۔

پاکستان اور اسلامی بینکاری

کسی بات کا تجزیہ کرنے یا تجویز پیش کرنے سے پہلے ایک بحث بہت ضروری ہے کہ کیا بلا سود بینکاری پاکستان میں رائج ہو سکتی ہے یا نہیں؟

ہمارے نزدیک یہ بات قابل غور ہے اس کی چند وجوہات ہیں

(۱) پاکستان کے تمام بینک اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے تحت چلتے ہیں اور اسٹیٹ بینک ورلڈ بینک کے تحت چلتا ہے جو سود کو ہر حالت میں کسی طرح ترک نہیں کر سکتا۔

(۲) اسلامی بینک والے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے ان کے لئے ایک خاص کھاتہ مخصوص کر رکھا ہے تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس قسم کا کوئی کھاتہ نہیں ہے۔ اگر ہے تو اس کے شواہد عوام کے سامنے لائے جائیں۔

(۳) جب کبھی بھی اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے اپنے سود کی شرح کو بڑھایا ہے تو اسلامی بینکوں نے بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے اپنے منافع کی شرح میں اضافہ کیا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(ج) اگر یہ مروجہ اسلامی بینک واقعی اسلامی اور پاکستان میں غیر سودی طریقہ ہائے بینکنگ کے علمبردار ہوتے تو ان کے ہیڈ آفس پاکستان میں یا دوسرے کسی اسلامی ملک میں ہوتے نہ کہ مغربی ممالک (لندن اور سوئٹزرلینڈ) میں۔

(د) پھر یہ کہ سودی بینکوں نے لوگوں کی رغبت بڑھانے کے لئے عام بینکوں سے زیادہ شرح دینا شروع کر دی جس سے عام فہم لوگ بھی سمجھ گئے کہ یقیناً کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی معاملہ ضرور ہے۔

ان تمام باتوں کی روشنی میں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ بینکنگ کے بدلے کوئی اسلامی نظام رائج کرنا ممکن ہی نہیں جب تک کہ کھاتوں کو سود سے پاک نہ کیا جائے یا پھر اسٹیٹ بینک سے ہٹ کر ایک اسلامی اسٹیٹ بینک وجود میں لایا جائے۔

پھر دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ بینک جو خود کو اسلامی اور غیر سودی کہلواتے ہیں وہ بھی لوگوں کو ان کی آسانی کے لئے قرضے Loan دیتے ہیں جن کو وہ اپنے حساب سے بلا سودی قرضہ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے اشتہارات اور پوسٹروں میں بڑی سرخیوں کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ”کیا آپ کی گاڑی سود سے پاک ہے؟“ ”کیا آپ کا گھر سود سے پاک ہے؟“ ”کیا آپ کا کاروبار سود سے پاک ہے؟“ ”آج ہی رابطہ کیجئے اور اپنا مال سود سے پاک کرالیں“ وغیرہ وغیرہ۔

غیر سودی قرضہ کا مختصر جائزہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنی کتاب غیر سودی بینکاری کے صفحہ ۲۳۹ پر ایک سرخی ”مروجہ سودی قرضوں میں فرق“ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

”(ہ) سودی قرضوں میں اگر مقروض شخص وقت پر قرض ادا نہ کرے تو اس پر سود بڑھتے رہتے ہیں جس سے بینک کی آمدنی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ غیر سودی بینکاری میں اگر مقروض مقررہ وقت پر ادائیگی نہ کر سکے تو اسے اضافی رقم نہیں دینی پڑتی۔ البتہ اگر مال دار ہونے کے باوجود وقت پر ادائیگی نہ کرے تو اسے معاہدے کے مطابق رقم صدقہ کرنی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

پہنچتی ہے مگر اس سے بینک کی آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا"۔

واضح رہے کہ یہاں جس "صدقہ" کا ذکر ہے آج تک اسلامی بینکوں کے پاس کوئی ایسا ثالث ادارہ نہیں ہے جو کہ اس کی نگرانی کرے بلکہ اندرون خانہ بینک ہی اس کا مالک بن رہا ہے۔

اسی طرح انہی کی ایک اور کتاب جو اس سے بہت پہلے لکھی گئی ہے "اسلام اور جدید معیشت و تجارت" کے صفحہ نمبر ۱۹۵ پر لکھتے ہیں

"سودی نظام میں تو ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں خود بخود سود کا میٹر چلتا رہتا ہے، جس کے ڈر سے مدیون وقت پر ادائیگی کرتا ہے لیکن مرابحہ اور اجارہ میں یہ صورت نہیں ہوتی اس لئے لوگ جان بوجھ کر ادائیگی میں تاخیر کرتے ہیں۔ اس کے سدباب کا کیا طریقہ ہو؟ یہ مسئلہ علماء معاصرین میں موضوع بحث بنا ہوا ہے ۔۔۔ البتہ تاخیر کے سدباب کا مقبول طریقہ وہ ہے جو میں نے ابتداء میں پیش کیا تھا اور بعد میں کافی مقبول ہوا وہ یہ کہ مرابحہ یا اجارہ کے معاہدہ (Agreement) میں مدیون یہ بات بھی لکھے کہ اگر میں نے ادائیگی میں تاخیر کی تو اتنی رقم کسی خیراتی ادارے میں خرچ کروں گا۔ یہ رقم وہ بینک کے حساب سے بھی علیحدہ ہو سکتی ہے۔ بینک میں ایک خیراتی فنڈ بھی قائم کیا جا سکتا ہے اس فنڈ سے کسی کی امداد بھی کی جا سکتی ہے اور اس سے لوگوں کو بلاسود قرضے بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہ رقم بینک کی آمدنی میں شامل نہیں ہوگی۔ یہ طریقہ زیادہ مفید اس لئے ہے کہ اس طریقے میں رقم کی شرح متعین نہیں زیادہ سے زیادہ بھی رکھی جا سکتی ہے اس سے مدیون پر دباؤ ہوگا"

یہ وضاحت حضرت مولانا عثمانی کی تحریر سے ہی واضح ہے کہ اس قسم کا کوئی بھی انتظام اسلامی بینکوں کی جانب سے ابھی تک نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت ۱۴۲۹ھ نے اپنی اصل تحریر میں اس کو تسلیم نہیں کیا ہے کہ ایسا کوئی انتظام موجود ہے ورنہ کتب میں الفاظ بدل دیئے جاتے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سودی بینکوں سے جب قرض لیا جاتا ہے تو اس کی ادائیگی کا ایک شیڈول ہوتا ہے اور بر وقت ادائیگی نہ کی جائے تو جرمانہ لگایا جاتا ہے اور اصل رقم بھی سود کے اضافے کے ساتھ بینک واپس لیتا ہے جس کے سود ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

یہی ہمارے اسلامی بینکاروں نے اس کا نام "مرابحہ" رکھا ہے لیکن واضح رہے کہ وہ مرابحہ کی شرائط سے بھی عاری ہے کیونکہ وہ اس کی واپسی میں رقم اضافے کے ساتھ بھی لے رہے ہیں (چاہے وہ قسطوں کی صورت میں ہو) اور بروقت ادائیگی نہ ہونے پر جرمانہ (قرض ادا کرنے والے سے) رقم کو صدقہ کر رہے ہیں جو ان کے مطابق ایک "خیراتی فنڈ" میں جمع ہوتا ہے، یہ وہ "خیراتی فنڈ" ہے جس کا کوئی وجود ہی سرے سے نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد عمران اشرف عثمانی صاحب اپنی کتاب اسلامک بینکنگ میں لکھتے ہیں:-

Penalty of Default :

"Another issue with Murabahah is that if the client payment of the price at the due date, the defaults in price cannot be changed nor can penalty fees be charged.

In order to deal with dishonest clients who default in payment deliberately, they should be made liable to pay compensation to the islamic bank for the loss suffered on account of default "(P.129)

(ترجمہ) بروقت ادائیگی نہ کرنے پر جرمانہ

مرابحہ میں ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر کلائنٹ مقررہ تاریخ پر ادائیگی نہیں کرتا تو مقررہ قیمت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی نہ ہی اس پر کوئی جرمانہ عائد کیا جا سکتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی بددیانت تصور کیے جانے، جو جان بوجھ کر بروقت ادائیگی نہیں کرتے ان سے نمٹنے کا یہی طریقہ ہے کہ ان کی عدم ادائیگی کی وجہ سے اسلامی بینک کو جو نقصان ہوا ہے ان کو پابند کیا جائے کہ وہ جس نقصان کے تدارک کے لئے اتنی رقم (جرمانہ) ادا کریں۔

اب دیکھا جائے کہ مدیون (قرض لینے والا) اب جو رقم جسے جناب عمران اشرف صاحب ادا کروا رہے ہیں وہ بطور صدقہ ادا کر رہا ہے جبکہ سودی بینکوں میں سود کی شکل میں ادا کی جاتی ہے پوچھنا یہ ہے کہ آپ اس "تبرعاتی صدقے" اور "سودی جرمانے" میں فرق کس طرح کریں گے؟ کیا اس کے لئے بھی آپ کے پاس کوئی "اسلامی ٹول" موجود ہے۔

ایک اہم بحث :

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا یہ "تبرعاتی صدقہ" جائز ہے؟ جو کہ مدیون سے لیا جاتا ہے۔ اس بارے میں مجلس تحقیق جو بینک کے لئے حیلے کی بھی وضاحت ادا کیا گیا ہے کہ :

"مدیون سے معاہدہ کرتے وقت یہ لکھوا لیا جائے کہ اگر وہ ادائیگی کی اہلیت کے باوجود بروقت ادائیگی نہ کر سکے تو وہ اپنے واجب الادا دین کا ایک مخصوص فیصد حصہ ایک خیراتی فنڈ میں جمع کرائے گا۔ اس غرض کے لئے بینک میں ایک خیراتی فنڈ قائم کیا جائے گا جو بینک کی ملکیت ہوگا اور یہ رقم بینک کی آمدنی میں شامل نہیں ہوگی بلکہ اس سے غریبوں کی امداد اور ان کو غیر سودی قرضے فراہم کرنے کا کام لیا جائے گا۔ بعض مالکی فقہاء کے ہاں ایسا التزام بالتصدق کی گنجائش موجود ہے۔" (احسن الفتاوی ج [illegible] ص ۱۲۱)

ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اگر سودی بینکوں کو چھوڑ کر ان غیر سودی بینکوں کی طرف جاتا ہے تو وہ یقیناً اللہ کی رضا کے حصول کو مقدم رکھتا ہے اور اسلام سے محبت کرنے والا ہوتا ہے اس لئے ہم اسے قرضے کی ادائیگی میں جان بوجھ کر کوتاہی کرنے والا یا ٹال مٹول کرنے والا تصور نہیں کریں گے، کیونکہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر نقصان پہنچانے کے لئے قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا ہے اس سے نمٹنے کے لئے کوئی مناسب

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مقرر (تعین) کرنے کی بھی حد تک تو اجازت ہے لیکن وہ تدبیر بھی شریعت سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتی۔

لیکن یہ حال قرآن کریم میں بھی اس سلسلے میں قرض ادا کرنے والے کی رعایت کرتے ہوئے بھی بہت سی ہدایات فرمائی ہیں کہ

"وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ"

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۰)

لیکن اس قسم کی کوئی بھی رعایت اسلامی بینکوں میں کسی مسلمان کو حاصل نہیں۔ جب یہ بینک اسلامی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ اسلامی اصولوں کی پیروی اور پاسداری ہونی چاہئے نہ کہ محض نعرہ۔

جناب نبی کریم ﷺ کی متعدد احادیث مبارکہ اس مسئلہ پر دال ہیں کہ دین ادا کرنے والے کے ساتھ حتی الامکان رعایت برتی جائے۔

(١) قال رسول الله ﷺ من سره ان يظله الله يوم لا ظل الا ظله فلييسر على معسر او ليضع عنه

(٢) قال رسول الله ﷺ اتى الله بعبد من عبيده يوم القيامة قال ماذا عملت لي في الدنيا؟ قال ما عملت لك يا رب مثقال ذرة في الدنيا ارجوك بها - قالها ثلاث مرات. قال العبد عند آخرها يا رب انك كنت اعطيتني فضل مال وكنت رجلا أبايع الناس وكان من خلقي الجواز فكنت أيسر على الموسر وانظر المعسر. قال فيقول الله عز وجل انا احق من ييسر ادخل الجنة

(٣) قال رسول الله ﷺ من اراد ان تستجاب دعوته وان تكشف كربته فليفرج عن معسر

(٤) عن عثمان قال سمعت رسول الله ﷺ يقول اظل الله عبدا في ظله يوم لا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قال لا اقالہ من انظر معسرا او ترک لغارم

(۱) قال رسول اللہ ﷺ من انظر معسرا الی میسرتہ انظرہ اللہ بذنبہ الی توبۃ

(مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۲ تا ۳۳۳)

لیکن ہمارے "اسلامی بینکار" ان اصولوں کی پاسداری کے بجائے مغربی طریقہ ہائے وصولی کی پیروی کرتے ہیں اور قرض وصول کرنے کے سلسلے میں کوئی آسانی یا سہولت کا پروگرام ان کے یہاں موجود نہیں۔

واضح رہے کہ ہماری فقہ (فقہ حنفی) میں اس قسم کے صدقے (جس کا ذکر اوپر گزرا) کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ دیگر مذاہب میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۱) الانسان لا یجبر علی التبرع (شرح الزیادات ج ۱ ص ۲۱۸۲ ادارة القرآن)

(۲) فلا یجبر المسلم علی دفع رطل منها لانه ازید قیمة (الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۹۵ رشیدیہ)

ظاہر ہے کہ جب کسی کو اس چیز پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تو یقیناً انسان اس میں پابندی سے گریز کرے گا اور اسے سیٹنے دینے سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ مذکورہ بالا عبارات اس کی دلیل ہیں۔ چونکہ امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لئے مالکی فقہ کا حوالہ دیا گیا ہے یاد رہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ کی فقہ میں بھی اس کی گنجائش نہیں ہے بلکہ بعض مالکیہ کے نزدیک التزام جائز ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ ایسے شاذ ہوکے رکھتے ہیں تمام مسالک اور ائمہ کو چھوڑتے ہوئے شاذ و نادر قول اپنے لئے اختیار کیا جا سکتا ہے جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ حرام اور حلال کے معاملے میں صرف قطعی دلائل اور قوی اقوال پر ہی فتوی دیا جاتا ہے نہ کہ مرجوح اقوال پر۔

(۱) "ان المجتهد و المقلد لا یحل لهما الحکم و الافتاء بغیر الراجح لانه اتباع للهوی وهو حرام"

(۲) "والحکم فی مقابلة الراجح بمنزلة العدم والترجیح بغیر مرجح فی المتقابلات ممنوع"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(٣) "وهذا لا خلاف بين المسلمين في بطلانه بالاجماع انه لا يجوز"

(شرح عقود رسم المفتی ص ۲۰۳ میر محمد کتب خانہ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ "جبری صدقہ" جو کہ اسلامی بینک کسی خیراتی فنڈ میں جمع کروا رہا ہے تو اس "خیراتی فنڈ" کی کیا حیثیت ہے، واضح رہے کہ "مروجہ اسلامی بینکوں" میں ایسا کوئی خیراتی فنڈ موجود نہیں ہے جس کی معلومات دی جاتی ہے۔ اگر ہے تو آج تک اس خیراتی فنڈ سے کتنے نادار اور مساکین کی حاجات پوری کی گئی ہیں؟ کتنے یتیموں کے لئے سہارے کا انتظام کیا گیا ہے؟ کتنے بے روزگاروں کو روزگار ملا ہے؟ کتنے بے گھروں کو گھر دیے گئے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

ہم تحقیق کرتے ہیں کہ اس قسم کے کسی خیراتی فنڈ کا کوئی وجود نہیں ہے اور اگر ہے تو کہاں ہے؟ اس کے کوائف کیا ہیں؟ اس خیراتی فنڈ کی مدات کہاں کہاں ہیں؟ یہ صرف نام "خیراتی فنڈ" رکھا ہوا ہے اور یہ تمام کی تمام رقم خود بینک کے حصص داران کے پاس ہی جمع ہو رہی ہے ملاحظہ فرمائیں

"ہماری تجویز تو یہ ہے کہ یہ فنڈ بینک کی بجائے کسی ثالث کی تحویل میں رہے مگر بینک اپنی تحویل میں رکھنے پر مصر ہے۔" (احسن الفتاوی ج ۷ ص ۱۲۱)

نہ معلوم یہ تجویز بھی کہیں دب گئی اور شاید ہمیشہ دبی رہیں۔ یقیناً یہ وہی خرابیاں ہیں جن کی نشاندہی حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کر چکے تھے۔ (احسن الفتاوی ج ۷ ص ۱۱۵)

ظاہر ہے جب یہ فنڈ کسی ثالث کے پاس رہے گا تو بینک جو حیلے سود کے لئے کرتے ہیں اپنا حساب کتاب کیسے چھپائیں گے، یہ وہ حقائق و دلائل ہیں جن میں اسلامی بینک کی تو کسی درجے میں بھی خلاف شرع ضرور ہیں۔

بلکہ جناب عمران اشرف صاحب نے اپنی کتاب میں اسے باقاعدہ ضابطے کے طور پر تسلیم کرلیا ہے کہ فنڈ کی ایک مد بینک کا نفع بھی ہے (حوالہ آگے آرہا ہے) کہ:

Penalty of late payment is given to charity

".....The lessee may be asked to undertake that if he fails to pay rent on its due date, he will pay certain

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

amount to a charity. For this purpose, the financier/lessor may maintain a charity fund where such amounts may be credited and disbursed for charitable purposes, including advancing interest-free loans to the needy persons."(page 156)

(۲) جرمانے سے حاصل ہونے والی آمدنی صدقے کے مصرف میں خرچ ہوگی

معیار میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ بینک یہ التزام کرے گا کہ اگر وہ کرایہ بروقت ادا نہ کرسکا تو وہ اتنی مخصوص رقم صدقہ کرے گا اس کی خاطر بینک کا ادارہ ایک خیراتی فنڈ قائم کرے گا جس میں یہ رقم جمع کی جائیں گی اور ضرورت مند افراد کو غیر سودی قرضوں کے اجرا سمیت دوسرے خیراتی مصرف میں خرچ کی جائیں گی۔

اس جبری صدقہ کے التزام میں (قرض ادا کرنے والے) کو پابند کرنا یعنی اسے سود کے لئے پابند کرنا مروجہ اسلامی بینکاری میں سود کی پرورش کی واضح مثال ہے۔

کیا کوئی ادارہ شریعت میں رد و بدل کا مجاز ہے؟

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنے اس مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں جو انہوں نے حضرت صدیقی صاحب کے جواب میں تحریر کیا تھا۔

"... اس تفصیل سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ غیر سودی بینکاری کے سلسلے میں ہم نے جو بھی کام کیا ہے وہ محض اپنی انفرادی رائے کی بنیاد پر نہیں بلکہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ، مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی تحریر، مجمع الفقہ الاسلامی کی قراردادوں اور مجلس الشرعیہ کے متفقہ فیصلوں کی بنیاد پر کیا ہے" (اسلامی بینکاری ص ۵۴)

تو اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ شریعہ بورڈ یا شریعہ ایڈوائزر (یعنی اسلامی بینکوں کی لیکن دین اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بینکاری کے معاملات کو اسلامی کیسے بنا سکتے ہیں؟ یہ واضح ہے کہ وہ تنخواہ دار ہیں کیا معاوضہ لینے والا بھی کسی بینک (اپنے ادارے) کو صحیح مشورہ دے سکتا ہے؟ کیونکہ ملازمین اور انتظامیہ دیوالیہ کا شکار نہیں ہو سکتے۔ واضح رہے کہ سود کو بھی قحط یا ضرورت کے لئے جیسے اور بہانے ڈھونڈنا محض گمراہی ہے محرم اور محلل شریعت اور صاحب شریعت کے علاوہ کوئی اور نہیں، نہ ہی کوئی شریعہ بورڈ، نہ ہی اسٹیٹ بینک آف پاکستان اور نہ ہی سربراہ مملکت تو پھر کس طرح یہ فتویٰ دیا جا سکتا ہے کہ ان فلاں حیلوں کا سہارا لے کر سود سود نہیں رہے گا

ایں خیال است و محال است و جنوں

مزید بھی یہ امر ہے کہ شریعہ بورڈ یا شریعہ ایڈوائزر کے مشورے سے تو اسلامی بینکوں پر لازم و ملزوم نہیں اگر واقعی ان اداروں کے مشوروں پر عمل کرنا لازم ہے تو کیا آج تک شریعہ بورڈ یا مشیروں نے کسی بینک کا کوئی منصوبہ مسترد کرنے کی سفارش کی ہے؟ کیا ان مشیروں اور ایڈوائزروں نے غیر اسلامی طور کے سلسلے میں کوئی تحقیق یا وضاحت کی ہے جس سے کوئی معاملہ مسترد کر دیا گیا ہو؟ کیا ان مشیروں اور ایڈوائزروں نے بینک کے اندرون کی فضا کو اسلامی بنانے کی کوشش کی ہے جہاں واضح طور پر نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط پایا جاتا ہے؟ کیونکہ جب بینک اسلامی ہے تو اس کی فضا بھی اسلامی ہونی چاہئے، اس کے معاملات بھی اسلامی ہونے چاہئیں اس کے ملازمین میں بھی اسلام کا رنگ واضح ہونا چاہئے یہ محض صرف چند کاغذی دستاویزات میں اسلام (وہ بھی ان کے حساب سے) کو شامل کرنے والا ہو ہی نہیں ..... حقیقت یہ ہے کہ ایسا ہرگز بھی نہیں ہوا ہے۔

"أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ" (سورۃ بقرۃ، آیت ۸۵ کا حصہ)

دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات اس بارے میں تحریر دیکھنے میں آئی ہیں کہ بینک والے اپنے ڈیپازٹرز کو بھی مضاربت قرار بھی کرتے ہیں اس بات کی تصدیق سے پتہ چلا کہ معاملہ ایسا ہی ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو ہم اسلامی بینکوں کے ان تمام مشیروں اور ایڈوائزروں کو دعوت دیتے ہیں کہ بتائیں اپنے ؟؟ کوائف اور وضاحت کریں کہ کیا ہم بینک کے ذریعہ "یا سود کو منافع قرار دیتے ہیں؟" یا سود کو زکوٰۃ دیتے ہیں" اور "یا سود کو حلال کرتے ہیں"۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بن گئے ادارے سیدھے سادے مسلمان نوجوان کے زیر دست جھانسے میں آجاتے ہیں۔ ان فریبیوں کو کس حد تک مضبوط کیا ہے، مرابحہ کس اصطلاح کا نام ہے، مشارکہ اور اجارہ کیا ہے اور بیع مؤجل اور تورق کیا ہے ہمارے اسلامی بینکاری کو ان چیزوں میں ایسا الجھاتے ہیں کہ وہ کچھ سمجھے بغیر صرف حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے دستخط پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ہونا تو یوں چاہئے کہ بینک اپنے شریعہ ایڈوائزر کو شریعت معلومات کے ذریعے مطمئن کرے اور آگاہ کرے کہ واقعی ہمارا بینک اسلامی ہے نہ یہ کہ دستخط وغیرہ کی آڑ میں اپنی بات نکال کر دکھائے۔ بلکہ حضرت مولانا مفتی تقی صاحب مدظلہ خود ان اداروں سے برأت کا اعلان کر چکے ہیں۔ دیکھیں (غیر سودی بینکاری ص ۵۳، ۵۵) ان کی رائے صرف ان کے نظریے کی صحت ہی سے متاثر ہوتے ہیں:

"ایک حقیقت کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ غیر سودی بینکاری کا تصور ایک چیز ہے اور اس تصور کو عملاً نافذ کرنے کے لئے جو بینک قائم ہوئے ہیں وہ دوسری چیز ہیں۔ میری تحریریں غیر سودی بینکاری کے نظریاتی پہلو سے متعلق ہیں جن میں یہ بحث کی گئی ہے کہ بینک غیر سودی کے لئے کون کون سے طریقے اختیار کرنا شرعاً جائز ہے؟ ان کی وجہ سے بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ آج کل جتنے مالیاتی ادارے غیر سودی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں میں نے ان سب کے جواز کا فتویٰ دیا ہوا ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔"

(غیر سودی بینکاری ص ۱۵)

میزان بینک کے علاوہ اور جتنے بھی بینک ہیں جن میں بینک دبئی الاسلامی، دوا ٹو داسلامک بینک، فیصل بینک، برکہ الاسلامی بینک الاسلامی، عجیب بینک، اسٹینڈرڈ چارٹرڈ اسلامک برانچ (محمد علی سوسائٹی) ملت بینک اسلامی بینک وغیرہ تمام بینک جو کہ اسلامی ہونے کے دعویدار ہیں، اپنے دفاع میں حضرت مولانا مدظلہ کے ہی دستخطوں سے دھوکہ دہی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

مصنف کی اس تحقیق کے وقت ایک کتب خانہ میں کتابیں لینے کے سلسلے میں جانا ہوا تو وہاں ایک اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کتاب بھی "ہم سود کو اسلامی کیسے سمجھیں" کے حق میں دیکھنے میں آئی "اسلامی بینکاری اور علماء" جس میں بڑی طرح سطحیت کی گئی ہے اور پرانے مضامین ہی کو دوبارہ چھاپ کر اور مدارس کے چھوٹے بڑے اساتذہ و نگران قراء حضرات اور دیگر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کے ناموں کی ایک لمبی چوڑی فہرست اور بے ہنگام و بے ہنگم قسم کے اخباری کالم نگاروں کے دو دو تین کالموں پر مشتمل مضامین شامل کر کے صرف اس موضوع پر ایک تحقیقی مرجع بنانے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔ آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ اس کتاب کا بھی پردہ فاش کر دیا جائے گا۔

"اسلامی بینکاری اور علماء"

گزشتہ دنوں ایک کتب خانہ میں "المیزان" کی طرف سے چھپی ہوئی ایک کتاب نظر سے گزری "اسلامی بینکاری اور علماء" کتاب دیکھ کر خیال ہوا کہ شاید اس کتاب میں کچھ علمی مباحث اور مذاکرات یا مضامین دیکھنے کو ملیں گے اور شاید کسی حد تک "مروجہ اسلامی بینکنگ" کے حل شدہ مسئلہ کو تسلیم کیا ہوگا یا اس کے لئے کسی دلیل و تحقیق کا اعلان ہوا ہوگا۔ کتاب دیکھنے کے بعد انتہائی مایوسی اور افسوس کی کیفیت سے دوچار ہونا پڑا اور یہ احساس دوبارہ پختہ اور یقینی ہو گیا کہ واقعی اسلامی بینکاروں کے پاس کوئی بھی شرعی دلیل نہیں ہے جو پیش کی جائے جس سے اسلامی بینکاری کو تقویت ملے۔

کتاب کیا ہے؟ اور کتاب کے مندرجات کیا ہیں؟ اس پر ان شاء اللہ آگے کلام ہوگا یہاں صرف یہ وضاحت کرنی ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو مزید دھوکہ اور فریب دیگر اسلامی بینکاری کو ان کے گھروں سے ذریعہ تجارت بنانے کی ایک اور سعی لاحاصل کی گئی ہے اور اسی کے ضمن میں چند جید علماء کرام جن کو علم و تحقیق میں ایک مقام حاصل ہے، ان حضرات میں چند اور ساتھ ہی بازاری اور بے لگام قسم کے کالم نگاروں کے مضامین کے ذریعہ ان کی آراء پیش کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ اس سے ان علماء کے مقام علم و عظمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا کہ "اسلامی بینک" جس نے بھی تحفظ کی کوشش کی ہے وہ خود اس مسئلہ کو گندہ ہونا پڑا ہے۔"

یہاں ہم تنبیہ کے طور پر المیزان والوں کو بھی یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ شرعی احکامات اور مسائل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی علماء کی طرف مراجعت زیادہ قابل اعتماد ہے نہ کہ کالم نگاروں اور پروفیسروں کی طرف اور جو ادارہ اس مقصد پر کام کرے گا صرف کتاب چھپنے لگے اور جیب گرم ہو والے ایسے ادارے کو دنیاوی فوائد اگرچہ حاصل ہوجائے گی لیکن آخرت میں تو محرومی ہی مقدر ہوگا" "والآخرة خير وابقى"۔

پوری کتاب میں اول سے لیکر آخر تک مروجہ اسلامی بینکاری پر کیے جانے والے اعتراضات اور تحفظات کا کوئی بھی شافی یا تحقیقی جواب نہیں دیا گیا۔

کتاب "اسلامی بینکاری اور علماء" کا تجزیہ

اگرچہ کتاب میں جامعہ دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والی تحریر نقل کی گئی ہے تو اس کی ابتداء ہی سے اس کا مقصد صاف معلوم ہورہی ہے تحریر میں درج ہے "حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی کی جو تحریر اسلامک بینکنگ وغیرہ کے اصول وضوابط اور عملی طریق کار وغیرہ ہمارے سامنے ہے اس سے کوئی حقیقی راہ کے تحت بھی متفق ہیں"۔ یہی اعتراض ہم بھی پچھلی قسط میں کر چکے ہیں کہ اسلامک بینکنگ والے ایسے کسی قسم کے کوائف نہیں عوام کے سامنے لاتے ہیں اور نہ ہی علماء کرام کو اس کی کوئی اطلاع دی جاتی ہے جس کی وجہ سے سارا مسئلہ گڑبڑ جاتا ہے، باقی دارالعلوم دیوبند نے صرف شخصیت مولانا تقی صاحب کا حوالہ دیکر اس کو تسلیم کیا ہے سوال یہ ہے کہ اسلامی احکامات اور وہ بھی سود جیسی قطعی حرام چیز میں کیا شخصی احترام قابل قبول ہوگا؟

اس موضوع پر مفتی ڈاکٹر حسن عثمانی صاحب کا مضمون قابل ستائش ہے اور بہت ساری اصطلاحات پر مختصر ہی سہی پر غور کیا جو سکتا ہے لکھی، آنجناب نے بھی اس بات کی ذمہ داری علماء پر عائد کردی ہے کہ وہ سود کی تعریف کو متعین کرنے کی کوشش کریں (ص ۳۹) اس سے حضرت والا نے ایک بہت خطرناک دروازہ کھولنے کی کوشش کی ہے، آج لوگوں کو سود کا متبادل فراہم کردیا جائے کل کوئی حضرت مفتی ڈاکٹر صاحب کے ہی کہنے سے زنا اور شراب کا متبادل چاہیے ہو گا تو کیا حضرت مفتی صاحب اس کے لیے بھی بھرپور کوشش کریں گے، جب کوئی شراب کا متبادل چاہے گا تو اس کے لیے بھی تحقیق کی زحمت اٹھانی پڑے گی اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسلامی قواعد کی حدود میں گم ہو کر رہ جائے گا۔ حضرت والا کے مضمون کا اختتام بہت دلچسپ ہے لکھتے ہیں

"ہر نئے عمل کی ابتدا میں بے شمار غلطیاں ہوتی ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ ایک آدمی سائیکل چلانا سیکھتا ہے تو کتنی غلطیاں کرتا ہے بار بار گرتا اور اٹھتا ہے اگر کوئی اس کو اسی حالت میں روک دے کہ تم نہیں چلا سکتے تو کیوں چلاتے ہو لیکن ایک سمجھدار آدمی اس کا حوصلہ بڑھاتا ہے کہ شہسوار گرتے ہیں اور ساتھ غلطی بتا کر اصلاحی طریقہ بھی بتلا دیتے ہیں جس کے بعد وہ آدمی بہترین سائیکل سوار بن جاتا ہے۔" (ص ۵۰)

اس مثال میں سائیکل کو سود سے تشبیہ دی گئی ہے اور حضرت والا کا مقصد یہ ہے کہ اس میں ایک سمجھدار آدمی کی ضرورت ہے جو لوگوں کا حوصلہ بڑھائے کہ خوب سود کھاؤ جب تک کوئی متبادل نہیں ملتا یہاں تک کہ بہترین سود خور بن جاتا ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنے ہیں، ایسی مثال جس میں سود جیسی قطعی حرام شئے کو "سائیکل" سے ملایا گیا ہے یہ اسی مکتب ہی کی سوچ ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد مفتی نذیر احمد خان صاحب کا مضمون "اسلامی بینکاری کے خلاف فتویٰ" کے بجائے ذاتی اختلافات پر مبنی ہے" مضمون دیکھنے کو ہے ایک طرف تو اس میں اخلاق اور ادب پر زور دیا گیا ہے اور اختلافات میں حدود کا خیال رکھنے اور تعجب کرنے کی تلقین کی گئی ہے لیکن اسی کتاب میں دوسرے بازاری قسم کے کئی مضمون (۷۰) بھی جن کو پڑھ کر لگتا ہے ہوئے الفاظ سے علماء کی توہین اور تذلیل کی گئی اس کو مفتی نذیر احمد صاحب نے بھی "تبرعاً" کے مطابق نظر انداز کر دیا، شاید اس لئے کہ کتاب کے ناشر افنان والوں نے ایک طرف اختلاف میں اچھے اخلاق اور دیانت کی تلقین کر رہے ہیں اور دوسری طرف خود اپنی تحریروں میں گالی دے رہے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس قسم کے اداروں کا کام صرف کتاب چھاپ کر بیچنا اور اس سے پیسے کمانا ہے ورنہ دین کی خدمت کا جذبہ ہوتا تو اس قسم کے بازاری مضامین کتاب میں شامل نہ کئے جاتے۔

دیگر مضامین کا بھی یہی حال ہے سب پر تبصرہ صرف ورق گردانی ہوگی اور کچھ نہیں لیکن ایک اہم مضمون جو ایک بازاری کا ہے "مولانا عطاء اللہ فاروقی" کا ہے جو مکمل طور پر جھوٹ، خلاف واقعہ احوال

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اور [illegible] اور [illegible] کی پاسداری ضروری ہے۔

مجیب الرحمن اپنے مضمون کی ابتداء میں خود کو بہت زیادہ وابستہ اور عقیدت کا اظہار کرنے والے رعایت اللہ سے [illegible] میں سے اختلاف کا اظہار کیا ہے وہ بھی قارئین دیکھ لیں گے۔

مجیب الرحمن [illegible] کے الفاظ ملاحظہ ہوں :

"یہ وضاحت بھی غیر ضروری نہ ہوگی کہ میں مولانا تقی عثمانی صاحب کا نہ شاگرد ہوں اور نہ ہی مرید ہوں اگر ہوتا تو یقیناً میرے لئے باعث سعادت ہی ہوتا اور میرے لئے یہ اس طرح [illegible] ہوتا جس طرح میرے دونوں شیوخ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید اور حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید سے میری نسبت رہی ہے"۔

یہ [illegible] جو کوئی بھی قلم کار اپنی دکھاوے کی عادت ہی یا اپنی نام [illegible] کے لئے لکھتا ہے اس کے اگلے صفحے پر لکھتا ہے:

"مجھے [illegible] یہ دیکھ کر کہ اس خط میں محض ایک خیالی بات کی بنیاد پر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو [illegible] قرار دیا گیا ہے۔ وقت کے شیخ الاسلام کے لئے ان الفاظ کے استعمال سے ہم جیسے عقیدت مندوں پر کوئی خوشگوار اثرات مرتب نہیں ہوئے"۔

مجیب الرحمن [illegible] نے [illegible] ان بزرگوں اور باصفا حضرات کی ایسی آبروریزی کی ہے اور ان کے خلاف ایسے ذو معنی جملے استعمال کئے ہیں کہ جس کی کوئی مثال نہیں۔ کسی غیر مذہب والے نے بھی مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہما کے بارے میں ایسا نہیں کہا ہوگا۔ ملاحظہ ہو:

"[illegible] مارکیٹ [illegible] کراچی کی [illegible] مارکیٹ کے [illegible] ہوئے [illegible] سے پوچھا "آپ [illegible] مفتی [illegible] سے [illegible] تھے آخر کیوں؟ مجھے بھی تو [illegible] سے [illegible] میں [illegible] سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجھے تو خوشی ہی تھی ، اب اپنی موت کیا ہے جو مجھ پر بیتی مگر مجھ پر نہ گزری وہ بزرگ صرف تھے پر سب بیٹھے ہی رہ گئے''۔

'' [illegible] سے پوچھا گیا کہ [illegible] نے کیا جواب دیا؟ کوئی لمبی تقریر نہیں بس ایک جملے میں قصہ تمام کر دیا وہ بولی : ''میں چندہ دو تو دیتی تھی'' ...... ''اہل علم اپنے ضمیر سے شرمندہ ہیں کیونکہ انہوں نے [illegible] کہ یہ اسی روز بھی محسوس کیا تھا جب کراچی کی ایک شاہراہ پر دن دہاڑے [illegible] بچے [illegible] کر دیے گئے تھے اور قاتل [illegible] معلوم نہ تھے ۔ ان کا قلم اسی روز بھی غیرت ، حمایت اور [illegible] سے عاقل نہ ہوا تھا ، اس قوم سے بدتر بھی کوئی ہو سکتا ہے جس کی غیرت ، حمایت اور [illegible] انسانیت کے بجائے [illegible] کی بنیاد پر ہو؟ کتنے ہی اچھے ہیں اس [illegible] انسانیت کی بنیاد پر محسوس کرتے ہیں''۔

تبصرہ : ذرا غور کریں کہ یہاں [illegible] نے ان حضرات کو ''بدتر'' اور فاسق اور [illegible] بھی کہہ دیا [illegible] ہے۔

'' کیا اہل علم [illegible] چندہ دینے والوں کی فکر ہی رہ گئی ہے؟ اگر مدرسے [illegible] کے چندے سے چل رہے ہیں تو [illegible] اور اگر خدا ہے اور [illegible] تو پھر [illegible] کی بنیاد پر منقسم معاشرہ [illegible] ہر شخص [illegible] سمجھا جا سکتا ہے؟ [illegible] کی کار [illegible] قریب کیلئے رکی [illegible] کسی [illegible] والے کیلئے بھی [illegible] خانقاہ سے باہر نہیں آئے؟ انسان کو [illegible] کے [illegible] سے [illegible] ہوگا''۔

(روزنامہ [illegible] ۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۱ ھ ، یکم جنوری ۲۰۱۰ء)

تبصرہ : اپنے دل میں [illegible] کے لئے حضرت [illegible] بغض اور عداوت کو کس [illegible] اور گھٹیا طریقے سے ظاہر کیا ہے یہاں تک کہ ان کے [illegible] کو بھی انکار کر دیا ، جبکہ اس قسم کا کوئی خیال ان باصفا حضرات کے دلوں میں [illegible] گزرا بھی نہیں ہوگا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ ان کے دل میں بھرے ہوئے علماء کرام سے بغض اور عداوت کا ہی آئینہ دار ہے۔ یہ بازاری اور عوامی تیسرے درجے رعایت اللہ فاروقی جیسا ایک تنخواہ دار کالم نگار ہے جو کہ "تنخواہ" لیکر کسی کے بھی حق میں اور "تنخواہ" دے کر کسی کے بھی خلاف کچھ بھی لکھ سکتے ہیں کیونکہ اصل مسئلہ "نوٹوں" کا ہے۔

اور پھر اپنے مضمون کے آخر میں الزام حضرت الشیخ حضرت مفتی صاحب مدظلہ پر لگایا ہے دیکھیں (اسلامی بینکاری اور علماء کو تعارف ص ۱۰۹) جبکہ حضرت الشیخ نے ایسی کوئی بات یا ایسا کوئی بھی لقب حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے بارے میں استعمال نہیں کیا جس سے ان کے مقام علم کو دھچکا لگے حضرت مولانا کی تو یہ بات اور تجربہ ہے اس کو وہ تسلیم کرتے ہیں اور ہمیں بھی بارہا اس بات کی تلقین فرمائی ہے کہ علماء و طلبہ ادب و احترام کی زبان استعمال کریں۔

پھر آگے چل کر تہمت اور بہتان تراشی کی انتہا ہی کر دی اپنے مضمون میں مدارس کے نظام پر ایک بہت بڑی تہمت لگائی ہے کہ مدارس کا کل نظام چندوں اور بہانوں پر چلتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

(اسلامی بینکاری اور علماء ص ۱۰۷)

یہ مدارس پر ایک بہت بڑی تہمت ہے جو کہ اس قسم کے نام نہاد کالم نگاروں کا ہمیشہ طریقہ رہا ہے یہ خلاف واقعہ بات کے جواب میں ایک سوال کی جگہ دیتی ہی ہے کیا کوئی بھی قدیم کسی بھی طالب علم سے کبھی بھی تحقیق کی ہے بوجہ جس کے بارے میں رعایت اللہ نے لکھا ہے کہ "طالب علم کو اگر داخلہ چاہئے تو وہ ان شرائط کو قبول کرنے پر مجبور ہے" حالانکہ اس قسم کے چندوں پر مدارس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ مدارس تمام قسم کے شرعی دلائل اور براہین کی روشنی میں اپنے تمام معاملات انجام دیتے ہیں لیکن ایک بازاری کالم نگار اسے مدارس کو کس طرح سمجھ سکتا ہے بغض اور کینوں سے بات کرنے اور اپنی جیب گرم کرنے کے لئے یہ سب فتنے اور بہتان یہ محض لفاظی باتی جا رہی ہیں اور عنقریب جو کہ پہلے ہی مدارس کا دشمن رہا ہے یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ مدارس صرف آپ کے لئے نہیں بلکہ مدارس سے ہی باعث اطمینان ہیں۔

اصل تحریر یہ تہمت ہی ہے اور تہمت تراشی کا مقصد ہے اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا لیکن چونکہ تحریر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے جو ہم سمجھنا چاہتے ہیں کہ مہتمم کے نام زکوٰۃ کی ادائیگی ہونی تہمت مدارس پر باقی رہے اس لیے ہم اس کا جواب دیتے ہیں۔

مدارس کے نظام میں اصل نگران اور تمام معاملات کا امین "مہتمم" ہوتا ہے زکوٰۃ فطرات اور دیگر صدقات وغیرہ مہتمم کی نگرانی ہی میں ان کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ اب مسئلہ اس میں تصرف کا ہے تو فقہاء کرام نے اس بات کی اجازت مہتمم کو دی ہے کہ وہ بحیثیت وکیل طالب علم کے نام پر اس کی طرف سے ان صدقات کو قبول کرے اور پھر ان پر ان کے مصارف کے اعتبار سے خرچ کرے۔

ص ۳۶۹ پر اپنے مضمون میں عنایت اللہ فاروقی نے "متفقہ" کا لفظ اٹھایا ہے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو دینی کام اجتماعیت سے ہو رہا ہوتا ہے عقل بھی کھو بیٹھتا ہے۔ متفقہ اس فتویٰ کو اس لیے کہا گیا کہ ملک بھر کے تمام مسلکوں کے مدارس و مدرسین سے ادارے اس فتویٰ کے حامی ہیں۔ بار بار کلام کرکے "متفقہ" کی بجائے مدرسی جماعت لکھا ہے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے تو کبھی بھی اپنے فتویٰ کو متفقہ قرار نہیں دیا" تو واضح رہے کہ حضرت والا نے کیسے متفقہ قرار دیں جبکہ صرف دار العلوم اور جامعہ رشیدیہ کے دو ادارے ان کے ساتھ ہیں۔

مضمون کے آخر میں نجم کو شیخ العرب والعجم کے القاب سے نوازنے کی کوشش کی ہے لیکن اوپر جو گزرے ہیں سے ظاہر ہے اور خود ان کی تحریرات سے ایک بات تو واضح ہوگئی کہ آپ شیخ العرب والعجم تو صحیح معنوں میں نہیں بن سکے بھی شیخ الکتاب والشعرات جیسے القاب کے ضرور حقدار ہیں۔

ص ۳۷۳ پر جامعہ اشرفیہ لاہور کے اساتذہ کے نام درج ہیں جبکہ جامعہ اشرفیہ لاہور دار الافتاء کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم مروجہ اسلامی بینکاری کے عدم جواز کا فتویٰ دے چکے ہیں اس لیے دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان کا جامعہ اشرفیہ یا مسلک اشرفیہ کا عدم سمجھی جائے گی۔

مرتب نے مدارس کی تعداد کو بڑھانے کے لیے دار العلوم اسلامیہ چارسدہ میں موجود تمام افراد جا ہے وہ استاد ہوں یا طالب علم سب کے ناموں کی فہرست دے دی ہے اور غضب یہ کہ دو دو دفعہ دی گئی ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

دیکھیں ص ۳۰۳، ۳۰۷، ۳۰۸ [illegible] ۳۳۲، ۳۳۳۔

اس کے علاوہ جو بھی تحقیق اس کتاب میں بتائی گئی ہے کہ جمہور مفتیان جو کہ اس میدان کے شہسوار ہیں تفصیل بھی [illegible] کے فتویٰ کو ملک کے مختلف گلی کوچوں کے خطباء کے دستخط اکٹھا کر کے بہت بڑا کمال کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں :

(۱) ــــ خطیب جامع مسجد [illegible] (ص ۳۳۳)

(۲) ص ۲۹۰ وغیرہ ۲۸۷ سے ۳۳ تک ۴۰ ملاحظہ فرمائیں

(۳) ص ۲۹۰ ــــ [illegible] ــــ خطیب مسجد حقانیہ

(۴) ص ۲۹۰ وغیرہ ۱۸۸ سے ۳۳ تک ۳۰ ملاحظہ فرمائیں

ص ۲۹۰ پر مفتی [illegible] صاحب کی رائے ہے جو واضح ہے کہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک دارالافتاء کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب مدظلہ جو کہ عرصہ ۱۵ سال سے وہاں پر عدم جواز پر دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی طرف سے دستخط کر چکے ہیں تو پھر چند سال سے فتاویٰ کی چھان بین کرنے والے مفتی [illegible] صاحب کی رائے کی کیا حیثیت ہے قارئین حضرات خود فیصلہ فرمائیں۔

نیز کتاب کی ضخامت بڑھانے کے لئے ص ۱۸۸ سے ۲۳۳ تک مفتی [illegible] الدین صاحب [illegible] جو پہلے چھپ چکا ہے [illegible] شائع ہو چکا ہے بھی من وعن شامل کر لیا گیا۔

کتاب کے آخر میں بھی دستخطوں کے نقل میں جس دیانتداری اور ایمانداری کا اہتمام کیا گیا ہے اس پر تبصرہ کرنے سے ہم قاصر ہیں قارئین خود مطالعہ کر کے فیصلہ فرمائیں۔

وما بعد الحق الا الضلال

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

غیر سودی بینکاری ایک منصفانہ علمی جائزہ

حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب زید مجدہم
رئیس دارالافتاء جامعہ خلفائے راشدین
گریکس ماڑی پور ہاکس بے روڈ کراچی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقریظ و تائید

شیخ المشائخ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

بانی و مہتمم جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و صحبہ أجمعین و من تبعهم باحسان الی یوم الدین

مجھ سے معتمد اہل الرائے نے حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب کی مرتب کردہ کتاب "غیر سودی بینکاری، ایک منصفانہ علمی جائزہ" کی تصدیق و تائید فرمائی ہے، جن میں سے بعض کی تصدیقی تقریظات کتاب کے شروع میں بھی موجود ہیں، بندہ کو بھی ان اہل الرائے پر کامل اعتماد ہے، اس لئے اس کی پرزور تائید کرتا ہے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ کتاب ہذا کا ضرور مطالعہ فرمائیں تاکہ وہ اس پر غور کریں اور عوام کو اس نام نہاد اسلامی بینکاری سے بچنے کی تلقین فرمائیں۔ نیز عام مسلمانوں کو بھی میرا مشورہ اور نصیحت ہے کہ جس چیز کو اتنے جید علماء کرام نے دلائل قاطعہ سے رد کرتے ہوئے حرام اور ناجائز قرار دیا، اس سے بچیں اور کاروبار میں اور زندگی کے ہر شعبے میں احتیاط کریں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جامعۃ الفاروق اور حضرت مفتی صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور امت کے لئے نافعیت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

سلیم اللہ خان

١٨ رجب المرجب ١٤٣٠ھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقریظ

حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم

مفتی دار الافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم :

جناب مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب زید مجدہم نے ایک رسالہ بنام "غیر سودی بینکاری" (ایک منصفانہ علمی جائزہ) کے رد میں مختصر لیکن بہت جامع اور مدلل لکھا دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرما کر عام مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔

آمین ثم آمین

مفتی حمید اللہ جان

مفتی دار الافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

مدیر دار الافتاء والارشاد [illegible] روڈ لاہور

یکم رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ شیخ صاحب دامت برکاتہم

رکن مجلس دارالافتاء جامعہ اسلامیہ [illegible] کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم حضرت مفتی احمد ممتاز صاحب دامت برکاتہم نے موجودہ نام نہاد اسلامی بینکوں کے متعلق جو تحقیق کی ہے میں ان کی کوششوں کو سراہتا ہوں اور عوام الناس کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ان نام نہاد اسلامی بینکوں سے دور رہیں اور ترقی کے لئے ایسا روزگار اور ذریعہ اختیار کریں جس کے جواز پر اہل حق علماء کرام و مفتیان عظام کا اتفاق ہو۔

حبیب اللہ

۱۳ شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقریظ

حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب دامت برکاتہم

رکن دارالافتاء و استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً!

"مروجہ اسلامی بینکاری" کے جواب میں حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے "غیر سودی بینکاری" نامی کتاب تحریر فرمائی، حضرت نے اپنی اس تالیف لطیف میں جو انداز اختیار فرمایا، حقائق و واقعات سے روشناس ہونے کے لئے جو اسلوب تحریر متعارف کروایا اپنی بزرگانہ شان کے باوجود نوجوان علماء کو جس حسین پیرائے میں اعتدال و احتیاط کے گُر بتلائے ہیں، اس سے قطع نظر اگر صرف آپ کی کتاب کے فقہی پہلوؤں پر تبصرہ کرتے ہوئے گفتگو کی جائے تو آپ کی علمی عظمت و جلالت شان کے باوجود اس سے قطعاً انکار نہیں ہوتا۔

پیش نظر یہ ایک مختصر سی تحریر ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، ہمارے خیال کے مطابق تحریر بڑا بہت مختصر مگر جامع ہے، یہ تحریر چند اہم خصوصیات کی حامل ہے۔

۱۔ "غیر سودی بینکاری" نامی کتاب میں مؤلف محترم کے فقہی تسامحات کو بڑے باادب طریقے سے فقہی مباحث کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

۲۔ بڑے سے بڑے مغالطے کی حقیقت کو کھول کر واضح کیا ہے کہ "مروجہ اسلامی بینکاری" نامی کتاب کا جواب دینے کے لئے مجموعی طور پر جو طریقہ اختیار کیا گیا اس میں کس طرح اصل نکات سے صرف نظر ہوتے ہوئے بچا گیا۔

۳۔ غیر سودی بینکاری کے متعلق جن بنیادی نکات پر گفتگو کرتے ہوئے مؤلف محترم نے بنیادی نکات متعین فرمائے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نیز اسلامی بینکاری کی مختلف اصطلاحات کو اپنی عبارات و نکات کے ذریعے عام فہم انداز سے پیش فرمایا ہے۔ یہ بہت عمدہ کوشش ہے اس لئے کہ عام قارئین بھی جدید بینکاری طرز کے بارے میں علماء کرام اس پر کیا کہتے ہیں اس سے بآسانی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

٢۔ حق اور حقیقت کے متلاشی کے لئے یہ مضامین و نکات بھی کافی ہیں، وہ ان نکات کی روشنی میں بخوبی جان سکتا ہے کہ تحقیق مسئلہ کیوں ہے اور جدید ہویت وغیرہ بینکاریات کہاں سے اور کیسے درآمد کی جارہی ہیں۔

٣۔ اسی طرح مؤلف موصوف نے اسی طرح نہایت سلیقہ کے ساتھ اس حقیقت کو بھی واضح کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ جدید سودی بینکاری نے کتاب میں اپنے کئے کرائے کو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی و حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہم اللہ یا مجلس تحقیق کے سر تھوپنے کا جو جرم کیا ہے وہ ایک مغالطے سے زیادہ کچھ نہیں۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محترم مفتی احمد ممتاز صاحب مدظلہم کی طرف سے اس موضوع پر یہ عمدہ کوشش ہے، اللہ تعالیٰ اسے حق کے متلاشیوں کے لئے نافع اور ہم سب کی ہدایت اور مؤلف موصوف کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

فقط والسلام

(مفتی) محمد عبد المجید دین پوری (شہید) رحمہ اللہ

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقریظ و تصویب

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد حسین گورمانی صاحب زید مجدہم

رئیس دارالافتاء جامعہ [illegible] العلوم [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

راقم نے حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب دام مجدہم کا "غیر سودی بینکاری" پر "ایک علمی جائزہ" مطالعہ کیا جو آپ کے علم و تحقیق اور تفقہ پر شاہد ہے۔ کلام کے تسلسل اور روانی سے دلائل مطابقہ پر مشتمل تحریر [illegible] ہے گویا مؤلف نے اپنے غیر سودی بینکاری کے سوالات کا جواب خود لکھا ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری [illegible] جس کا سلف امت نے ہمیشہ رد کیا ہے۔ لیکن [illegible] جس کے قصور سے [illegible] جس کی مثال سابق دور میں [illegible] نہیں ملتی [illegible] اللہ بھی [illegible] حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں سے متعلق ہے جس سے [illegible] حقوق [illegible] ہیں۔

اس مختصر [illegible] جمہور علماء کرام سے انفرادیت اختیار کی اور علماء کرام [illegible] فقہاء کرام نے اس [illegible] بعض مسائل کا علم [illegible] ضروری ہے لیکن ان [illegible] ہے۔

[illegible]

لست فيه من سلطة الظلمة على أموال المسلمين لا يدعي كل ظالم أن الأمر من مصلحة

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

فی زراعۃ الزعفران و تحویلہ و علاجہ صعب (شرح عقود)

محرک دینے سے مقصد یہ ہوگا کہ ظالم لوگ مسلمانوں کے مال پر مسلط ہو جائیں گے ہر ظالم دعویٰ کرے گا کہ یہ زمین زعفران کی کاشت کے قابل تھی اس میں گندم کاشت کی گئی ہے اس سے زعفران کا ٹیکس وصول کیا جائے۔ اس صورت میں انتہائی تنگی ہے۔

سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عام حالات کے اعتبار سے جنابت میں پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت نہ دیتے تھے۔

"اما انا فلو لم اجد الماء لم اکن لاصلی حتی اجد الماء"

"مجھے اگر پانی نہ ملے تو میں نماز نہ پڑھوں یہاں تک کہ پانی مل جائے" حالانکہ سورۃ مائدہ میں جنبی کے لئے تیمم کی اجازت قرآن سے ثابت ہے۔ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں گفتگو کی تو آپ نے فرمایا:

قال عبداللہ لو رخص لہم فی ہذا لاوشکوا اذا برد علیہم الماء ان یتیمموا بالصعید فقال ابو موسیٰ: وانما کرہتم ہذا لہذا؟ قال: نعم

(سنن ابی داؤد، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ)

"اگر ان کو اس معاملے میں تیمم کی رخصت دی جاتی جب انہیں وہ ٹھنڈا پانی محسوس کرتے بلا تکلف تیمم کر لیتے۔ ابو موسیٰ نے کہا کیا آپ نے اسی وجہ سے ان کے لئے پسند نہیں کیا؟ کہا ہاں اسی لئے۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرف و معاشرہ کی رو سے عبادات میں احتیاط کا اس حد تک خیال رکھا۔ ایک حقیقت ثابت ہے کہ اس کی شدت قائم رہتی ہیں، اس کے برعکس ان لوگوں نے معاملات میں قطعی حرام اور ممنوع امر میں تکلیف دور کرنے سے اکتفا کیا ہوا ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

یہ لوگ حیلہ کرنے سے مسلمان ہو گئے کہ وہ اس سے ناواقف تھے لیکن تجویز کے حیلے حوالے سے دنیا میں مختلف حیلوں سے سود ادا ہوتا ہے۔ مرتکب کا دروازہ کھلا سمجھنے لگے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر ز باغ رعیت ملک خورد سیبے
بر آورند غلامان او درخت از بیخ
بہ پنج بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد
زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ

"رعیت کے باغ سے بادشاہ اگر ایک سیب کھا لے تو اس کے غلام درخت کو جڑ سے اکھیڑ لیں گے۔ سلطان اگر پانچ انڈے ظلم سے روا رکھے گا تو اس کے لشکری ہزار مرغیاں سیخ پر کباب بنا ڈالیں گے۔"

قال النبی ﷺ: من سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا و وزر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اوزارھم شیء۔ (مشکوۃ شریف)

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی مساعی جمیلہ قبول فرمائے اور جس مقصد کے پیش نظر آپ نے محنت کی ہے اسے عوام و خواص کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین

محمد عیسیٰ ... عفی عنہ

۲۴/ شعبان ۱۴۳۱ھ / ۶ / اگست ۲۰۱۰ء

جامعہ ... العلوم (دارالقرآن) ...

بدعتوں کے حوالے سے ... جو ... کی جا رہی ہے، حضرت مفتی صاحب سے گزارش ہے ... ایک مختصر مقالہ ... فرمائیں۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقریظ و تصدیق و تصویب

حضرات مفتیان کرام دامت برکاتہم

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی نمبر ۴ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین و من تبعہم بإحسان إلی یوم الدین : أما بعد!

مروجہ اسلامی بینکاری کے غیر اسلامی ہونے اور اس کی حرمت کا "متفقہ فتویٰ" اکابر مفتیان کرام کی طرف سے جاری ہونے کے بعد بعض حضرات کی طرف سے اس کو غیر موثر اور غلط ثابت کرنے کے لئے جو تحریریں سامنے آئیں، ان میں بیشتر تحریرات میں علمی انداز اختیار کرنے کے بجائے غیر علمی اور غیر ضروری باتوں کی بجائے تحقیر و استہزاء اور تمسخر پر مبنی تحریرات پر مشتمل تھے، اس لئے ان کے جواب کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

لیکن حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی تحریر "غیر سودی بینکاری" جب شائع ہو کر منظر عام پر آئی تو اسے بغور تمام اور تفصیل سے پڑھا گیا اور بنظر انصاف اس کا مطالعہ کیا گیا کہ شاید اس کتاب میں ان اشکالات کے حل کی کوئی ایسی صورت ہو جس سے یکسوئی حاصل ہو سکے لیکن افسوس کہ اس کتاب میں ہمارے بہت سے اہم اور بنیادی اشکالات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے، اور جن اشکالات کے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے وہ بھی تسلی بخش نہیں، بلکہ اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی کہ تمام اشکالات کے جوابات دیئے گئے ہیں، حالانکہ ان کو محض نظر انداز کیا گیا۔

ان حالات میں الحمد للہ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب زید مجدہم نے قلم اٹھایا اور اس سلسلے میں کافی محنت اور عرق ریزی سے تحقیق کر کے ان عبارات کی نشاندہی فرمائی جو "غیر سودی بینکاری" میں موجود ہیں، اور یہ ثابت کیا کہ ۸۰ فیصد

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

اعتراضات جو مجھ پر پیش کی گئی تھیں وہ نہایت باریک بینی کے ساتھ مروجہ بینکنگ کے نظام کا جائزہ لینے کے بعد اٹھائے گئے ہیں جن پر یہ تحریر غور و مطالعہ کرنے کے بعد حقیقت حال بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کی اس محنت کو قبول فرما کر ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ

شاہ فیصل کالونی نمبر ۴

کراچی نمبر ۲۵

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد شاہد صاحب دامت برکاتہم

سابق استاذ و رفیق افتاء

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی

باسمہ تعالیٰ

جناب کے تحریر کردہ جوابات درست ہیں اکابر کی رائے کے مطابق یہ عاجز بھی نام نہاد اسلامی بینکاری سے مطمئن نہیں ہے۔

فقط

(مفتی) محمد شاہد

475 / Z بہادر آباد، کراچی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقریظ و تصدیق و تصویب

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم

[illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم اما بعد:

"مروجہ اسلامی بینکاری" نے ملک میں ایک [illegible] مرض کی شکل اختیار کر لی ہے، جس سے ہر شخص کو اجتناب کرنا چاہئے۔ مجوزین [illegible] حضرات ہمارے قابل احترام مشائخ میں سے ہیں۔ احقر ان کے سامنے ایک طالب علم کی بھی حیثیت نہیں رکھتا، لیکن ان کے دلائل پر غور کرنے کے بعد مجھ پر ایک حقیقت عیاں ہوئی [illegible] خود بخود مجھ پر منکشف ہو گئی۔

مروجہ اسلامی بینکاری [illegible] کو جس زاویہ سے بھی پیش کیا جائے، بالآخر اس کا انجام سود (ربا) پر منتج ہوتا ہے [illegible] تو معمولی بات ہے، جس طرح چاہو ضعیف اقوال اور شاذ اقوال سے [illegible] جیسا کہ ان کی تحریرات سے واضح ہوتا ہے [illegible] کہ جس مجتہد کا چاہو قول اختیار کر لو [illegible] کے اقوال میں کچھ منفرد اقوال ایسے ملتے ہیں جو ہر شخص کی [illegible] مثلاً کسی امام کے نزدیک [illegible] جائز ہے اور کسی کے نزدیک [illegible] جائز ہے [illegible] ہے، اگر کسی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

محبت کو کسی صورت سے پورا کرنا مشکل ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس بالغ مرد کو دودھ پلا دے۔ اسی طرح حرمت بعد مدت رضاعت ہو جائے گی اور پردہ ختم ہو جائیگا وغیرہ بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کو میں نے احتیاط اور احترام کے دائرے میں رہتے ہوئے تحریر نہیں کیا ہے۔ "مروجہ اسلامی بینکاری" بعینہٖ اسی طرح ہے۔ مجھے اس کے حرام (سود) ہونے اور غیر شرعی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

بحمد اللہ "توفیق" کی بدولت میں زیر نظر مقالہ "ایک مصنفانہ علمی جائزہ" جس کو فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب دامت برکاتہم نے مرتب کیا ہے۔ میں نے مقالے کے متعدد مقامات کا مطالعہ کیا۔ الحمد للہ صاحب نے "مروجہ اسلامی بینکاری" کا صحیح رخ پیش کیا ہے اور اس کے اہم پہلوؤں کو با وجوہات سے معقول دلائل کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ مقالہ قابل اشاعت ہے۔ اگر قارئین اس سے استفادہ کریں گے۔ مقالہ ہذا کو تعصب سے ہٹ کر پڑھا جائے تو ضرور فائدہ ہوگا۔ الحمد للہ میں نے اس سے پہلے بھی مخلصین کے لئے "مروجہ اسلامی بینکاری" کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مقالہ نگار کو جزائے عظیم عطا فرمائے اور ہم کو حق بیان کرنے اور معاملات کو شریعت کے مطابق وضع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

فقط والسلام (مفتی) اکمل حسین عفی عنہ

دار العلوم رحمانیہ عالمگیر مرکز روڈ کوئٹہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقریظ و تصویب

حضرت مولانا مفتی محمد روزی خان صاحب دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء جامعہ امدادیہ ... کوئٹہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی والصلاۃ والسلام علی نبیہ المصطفی، اما بعد!

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی کا علمی اور فقہی مقام محتاج بیان نہیں، تعلیم و تعلم، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف کے میدان میں عالم اسلام کے لئے آپ کی کی گئی کاوشوں کو ہر کوئی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن ان دنوں "سودی بینکاری" کے متبادل کے طور پر اسلامی بینکاری یا غیر سودی بینکاری کے نام سے آپ نے جو بینکاری نظام متعارف کروایا علماء کی ایک بڑی جماعت نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ ایک عرصے سے علماء اپنی تحریرات کے ذریعے آپ کی تحریرات اور آراء میں پائی جانے والی شرعی خامیوں کی نشاندہی کرتے رہے ہیں۔

حضرت مفتی احمد ممتاز صاحب کی کتاب "غیر سودی بینکاری، ایک منصفانہ علمی جائزہ" اسی سلسلے میں تحریر کی گئی ہے جس میں آپ نے حضرت کی شخصیت کا مکمل احترام کرتے ہوئے انتہائی مدلل انداز میں آپ کی سوچ و فکر سے مختلف علمی آراء و تحریرات میں شرعی خامیوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ اسلامی بینکاری کے نام سے چلنے والی بینکاری کے غیر شرعی ہونے کے تفصیلی دلائل بھی پیش اور ذکر کیے ہیں۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی محنت کو مؤلف کے لئے نجات و خلاصی اور قارئین کے لئے صحیح شرعی راہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ والسلام

(مفتی) محمد روزی خان
رئیس دارالافتاء جامعہ امدادیہ ... کوئٹہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

تقریظ و تصویب

حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب زید مجدہم

رئیس دارالافتاء جامعہ اشرفیہ سکھر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ہدانا لہذا وما کنا لنہتدی لولا أن ہدانا اللہ و صلی اللہ تعالیٰ علی محمد و آلہ و أصحابہ و أزواجہ و علی من تبعہ إلی یوم الدین، قال اللہ تبارک و تعالیٰ: فاسئلوا أھل الذکر إن کنتم لا تعلمون، و قال رسول اللہ ﷺ: و من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین، و قال: إنما أنا قاسم و اللہ یعطی، أما بعد:

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب کی کتاب "مروجہ اسلامی بینکاری" پر حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب زید مجدہم کی یہ تحقیق جس کا نام "مروجہ اسلامی بینکاری" ہے دیکھنے کے لئے بھیجا گیا جس کو جگہ جگہ سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے ماشاء اللہ حضرت مفتی صاحب کو یہ تحریر الہام ہوا ہے اور جو نکات اسم با مسمیٰ اور دلائل بہت وزن دار ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ تحقیق اہل علم کو اس مسئلہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی عوام سے بالعموم اور اہل علم سے بالخصوص درخواست ہے کہ اس کو بغور پڑھ کر سمجھتے ہوئے استفادہ کریں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کو شرف قبولیت سے نوازے اور امت مرحومہ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

راقم

عبد القادر غفرلہ

دارالافتاء جامعہ اشرفیہ سکھر

۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقریظ و تصویب

شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا مفتی محمد زر ولی خان صاحب زید مجدہم

مؤسس و رئیس الجامعۃ العربیہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترمی قدر دیرینہ حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ جناب کی گرانقدر تصنیف کا مسودہ میں نے دیکھا اس کے کچھ ابواب اور مسئلہ تکفیر و عقیدہ کے ابواب پر نہایت تعمق سے پڑھا آج کے اختلافی دور میں حق کی تحقیق کو روشن کرنے سے یہ وقت آپ کا یہ دینی بڑی حمایت شاکر تحریر ارادے پیش کی ہے آپ کی تحقیقی وسعت مطالعہ اور تحقیق جیسی تحقیقی اور تحقیقی کاوشوں کے سامنے شرمندہ اور معذرت خواہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعۃ المسلمین (مسعودی فرقہ) قرب قیامت کے ان بڑے فتنوں میں سے ہے جو مال اور ایمان دونوں کی تباہی کا باعث ہے مگر جیسا کہ حدیث صحیح ایک جماعت حق پر قائم رہ کر غلط کاروں کی نشاندہی اور ان کے مقابلہ کا فریضہ ادا کرتی رہے گی کہ تعلیم و تحقیق ادا کرتی رہی ہو کہ اس دور میں موضوع اور نحو علم و حیثیت یعنی حق کا تحفظ ہو بوجہ احسن ادا کرتے رہیں گے وہ اس طرح کی "لن تجتمع امتی علی الضلالۃ" کے مصداق ہوں گے۔

ہمارے شیخ بزرگ کے مرشد و ہمارے استاذ العلماء حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کو مرتب اللہ تعالیٰ نے کئی سال پہلے اس کا احساس فرمایا اور اللہ نے ان کے قول اور عملی تحقیق کی طرف سے علماء اور عوام کو اس جانب متوجہ کیا اور ان پر غیرت کرنے والے محققین صاحبان کو اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے تحریر کا حکم دیا ان میں ہمارے عزیز دوست مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب کی تحریر ہے جو اس وقت زیر نظر و تحقیق ہے اور تصنیفات اسلاف کے طرز سے کوشاں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دینی فریضہ سمجھ کر کریں اور دعا کریں آپ کے مقالات کی بلندی کے لئے اور امت کے حق میں ذریعۂ نجات سمجھیں۔ آپ کی مختصر تصنیف کے بعد مختصر سے تفصیلات :——

این تحقیق فی دین کہ زیبا کی روش

اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی تحقیق کو قبول فرمائے اور ذریعہ تصنیف کی علمی مغالطات کا بروقت ازالہ ہے اور کئی علمی تحقیقات کا مجموعہ ہے، بڑے بڑے علماء و دانشور تحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

کتاب مقالات اہلسنت کہ مجموعہ

ز کہ علماء نگوید

یہ تحسین حقیقت ہے کہ ایسی تحریرات مختلف تعبیرات اور فریق مخالف کے شبہات تک رسائی اور پھر فاضلانہ جواب ایسی بات ہے ... بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح لڑی میں پرونے کے تحقیق کے ... کی طرح نظر آتے ہیں اور ... جماعت اس پر مستزاد

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

دعا ہے اللہ تعالیٰ ... عزیز موصوف کے لئے اور ... کے لئے اور ... کے لئے اللہ تعالیٰ ... تصنیف کو نافع اور ... بنائے۔ آمین

والسلام مع التحیۃ والاکرام

احقر

(شیخ الحدیث ... مولانا مفتی محمد ... خان عفا اللہ عنہ)

خادم جامعہ ... العلوم و خادم ...

... ۱۴۲۷ھ بمطابق ۱۱ نومبر ۲۰۰۶ء

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقریظ و تصویب

مولانا عبد الرحمن کوثر المدنی دامت برکاتہم

ابن حضرت مفتی عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی اشرف الأنبیاء والمرسلین سیدنا ونبینا

وحبیبنا محمد وآلہ وصحابہ أجمعین أما بعد:

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے

الیوم أکملت لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الإسلام دینا

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین اسلام کے کامل اور تام ہونے کی خبر دی ہے کامل کا معنی ہے کہ دین اسلام ہر طرح سے مکمل ہے یعنی اس میں کسی بھی قسم کی کوئی بات بڑھانے جانے کی کوئی گنجائش نہیں، اور تام کا مطلب ہے کہ دین اسلام میں ہے کہ اس میں کسی بھی قسم کی کمی کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

قال علی بن أبی طلحۃ عن ابن عباس قولہ: ﴿الیوم أکملت لکم دینکم﴾ وھو الإسلام أخبر اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم والمؤمنین أنہ أکمل لھم الإیمان فلا یحتاجون إلی زیادۃ أبدا وقد أتمہ اللہ فلا ینقصہ أبدا ۔ وقد رضیہ اللہ فلا یسخطہ أبدا وقال أسباط عن السدی نزلت ھذہ الآیۃ یوم عرفۃ ولم ینزل بعدھا حلال ولا حرام (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳)

ہمارا دین اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں مکمل تعلیمات رکھتا ہے، اسلامی تعلیمات ہر زمان ومکان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

شریعت جو کہ مکمل ہے، اور اس کی صلاحیت تا قیامت ہے اور اس میں کسی بھی قسم کی کسی بھی گوشے میں کوئی کمی کوئی نقص اور کوئی خلل باقی نہیں ہے۔

تمام مسلمانوں پر دین اسلام کے ہر شعبے کو مضبوطی سے پکڑنا لازم ہے، منجملہ ان شعبہ جات میں سے ایک شعبہ معیشت بھی ہے، اس شعبے میں بھی اسلام نے ہمیں مکمل تعلیمات و لائحہ عمل عطا فرمایا ہے، حال ہی میں حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے اسلامی اقتصاد کو فروغ دینے کے لئے اور سود جیسے سنگین گناہ سے نجات دلانے کے لئے معیشت کو کوشش کی اور مروجہ اسلامی بینکاری کے عنوان سے ایک لائحہ عمل طے کیا، ان کا یہ اقدام تو بہت اچھا تھا لیکن حضرت مفتی صاحب کے اس مجوزہ لائحہ عمل کو جو کہ انہوں نے اپنے اجتہاد و تحقیق سے تیار فرمایا تھا اسکو دیگر علماء کرام کے سامنے پیش کر کے ان کی موافقت کا انتظار نہ کیا اور دیگر علماء و اہل افتاء کی موافقت سے پہلے میزان بینک نے اس کو نافذ کر لیا اور اسے اسلامی بینک کا نام دے کر موسوم کر دیا۔

بہرحال حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے مخلص ہونے میں شک نہیں لیکن صفت عصمت تو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے، اور کوئی معصوم نہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسلامی بینکاری کا مسئلہ امت کا اجتماعی مسئلہ ہے، اجتماعی مسائل میں کسی ایک عالم کی رائے قابل حجت نہیں، اجتماعی مسائل میں جملہ اہل افتاء کی رائے لی جاتی ہے، حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب کوئی اجتماعی مسئلہ پیش آتا تھا تو صحابہ میں اہل علم و اہل فتویٰ حضرات کو جمع فرماتے تھے اور ان کے سامنے اس اجتماعی مسئلہ کو پیش فرماتے تھے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (سورۃ الشوریٰ آیت ۳۸)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی پر عمل فرمایا چنانچہ چالیس اہل علم کی مجلس شوریٰ تشکیل دی اور فقہی مسائل کو اس مجلس کے ارکان کے سامنے پیش فرماتے تھے اور ایک ایک مسئلہ پر بحث ہوتی تھی جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں، لہذا ہمارے اہل علم پر بھی اجتماعی مسائل میں اسی طریقے کو اپنانا لازم ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا مجوزہ لائحہ عمل متعلقہ اسلامی بینکاری جب دیگر اہل علم و اہل فتویٰ کے سامنے آیا تو ان اہل علم و اہل فتویٰ کو شدید اشکالات ہوئے، ان علماء عظام و مفتیان کرام نے غور و فکر کر کے تحریری طور پر یہ واضح فرمایا کہ مروجہ اسلامی بینکاری میں بہت سی خامیاں ہیں اور اس لائحہ عمل میں ایسے امور ہیں جو شریعت کے اصول و تعلیمات کے خلاف ہیں اور یہ لائحہ عمل کسی بھی طور پر سود سے مبرا نہیں ہے۔ لہذا اس میں ایک بات

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی شریعت اسلامیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان کو اسلامی بینکاری کہنا جائز نہیں لہٰذا اس کی اصلاح کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ صحیح معنی میں اسلامی اقتصادی نظام رائج کیا جائے لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور احقاق الحق کی اہمیت مد نظر رکھتے ہوئے ان مفتیان کرام نے مذکورہ بینکاری پر نکیر فرمائی۔ اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی اور تفصیل سے اپنا موقف تحریر فرمایا ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ان کے جواب میں ایک کتاب بعنوان "غیر سودی بینکاری ایک منصفانہ علمی جائزہ" تحریر فرمائی، اس میں اکثر باتوں پر اطمینان نہ ہوا لہٰذا ضرورت محسوس کی گئی، کہ ان کے اشکالات کا جواب کتاب مذکورہ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس سے متعلق کچھ تحریر کیا جائے تاکہ جو لوگ اس مروجہ اسلامی بینکاری کو حقیقتاً اسلامی بینکاری سمجھتے ہوئے اس میں مبتلا ہو گئے ہیں اس سے رجوع کرلیں اور توبہ واستغفار کریں۔ جو لوگ مروجہ اسلامی بینک کو اسلامی بینک سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ تجارتی معاملات کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم ایک اہم مفتی کے فتویٰ پر عمل کر رہے ہیں ان لوگوں سے ہمارا یہ کہنا ہے کہ جہاں پر مفتیان کرام کا اختلاف ہو تو ایسی صورت میں احتیاط والے پہلو ہی کو اختیار کرنا چاہئے تاکہ اپنے دین کی حفاظت ہو سکے اور مشتبہ چیز سے بچا جا سکے، جن چیزوں میں شبہ ہو اس سے اجتناب کرنے کا حکم حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: دع ما یریبک الی ما لا یریبک، یعنی تم ایسی چیز کو چھوڑ دو جس میں شبہ ہے، ایسی چیز اختیار کرو جو شک وشبہ سے پاک ہو۔

نیز صحیحین کی روایت میں ہے:

الحلال بیّن والحرام بیّن وبینهما مشتبهات لا یعلمها کثیر من الناس فمن اتقى المشبهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات كراعٍ يرعى حول الحمى يوشك أن يواقعه ألا وإن لكل ملك حمى ألا إن حمى الله في أرضه محارمه الحديث. (متفق علیہ)

یہ حدیث شریف بھی ان احادیث میں سے ہے جن میں اسلامی اصول بیان کئے گئے ہیں مذکورہ بالا حدیث شریف میں شبہات سے بچنے کا حکم دیا ہے، اور مشتبہات میں پڑنے کو قبیح کہا ہے کیونکہ وہ حرام میں واقع ہونے کا ذریعہ بن سکتا ہے لہٰذا احتیاط کا پہلو اختیار کرنا چاہئے اور مشتبہات سے گریز کرنا چاہئے۔

یہ دنیا فانی ختم ہونے والی ہے اس کو دوام نہیں البتہ آخرت باقی ہے جس کو زوال نہیں لہٰذا باقی کی فکر کرنی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہو گئے۔ واللہ الموفق والمعین والھادی الی سواء السبیل۔

قارئین کے ہاتھوں میں جو کتاب ہے اس میں حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب دامت برکاتہم نے مروجہ اسلامی بینکاری کی بڑی دقیق تحقیق کے ساتھ جانچ پڑتال کی اور یہ کتاب بعنوان "غیر سودی بینکاری ایک منصفانہ علمی جائزہ" تالیف کی جس کی تصدیق و تصویب بہت سے اہل علم و مفتیان کرام نے فرمائی۔ یہ کتاب حضرت مؤلف کی علمی بصیرت و فقاہت کی صلاحیت پر دال ہے۔ بندہ نے جہاں جہاں سے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو حضرت مؤلف کے علمی مرتبہ کی گہرائی کا صحیح اندازہ ہو گیا ہے۔

اس کتاب کی تحریر پر تقریظ استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم و دیگر مفتیان کرام کے کرنے کے بعد بندہ کی تقریظ کوئی حیثیت نہیں رکھتی، لیکن بندہ نے یہ چند سطریں حضرت مؤلف کے حکم سے لکھ دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ سے دعا ہے کہ بندہ نے جو سطور لکھی ہیں اس کو قبول فرمائے اور ذریعہ نجات بنائے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مؤلف کو امت مسلمہ کی طرف سے دارین میں بہترین جزاء خیر عطا فرمائے۔

دوسرے بینک ربوی (یعنی سودی بینکوں) کی طرح مروجہ اسلامی بینکوں کے ساتھ بھی معاملات جائز نہیں لہٰذا ان سے بھی دور رہنے کا اہتمام کریں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تمہید

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

کتاب "غیر سودی بینکاری" مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم جب بندہ کے پاس تبصرہ کے لیے وفاق المدارس، استاذ العلماء، شیخ المشائخ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے بھیجی گئی تو جامعہ فاروقیہ کے اہل افتاء احباب کی مجلس میں ایک مرتبہ پوری کتاب پڑھی گئی، دوران خواندگی بندہ پر جو تحفظات پیش ہوتے ساتھ ساتھ لکھواتا رہا۔

خواندگی کے بعد بندہ نے اپنے تحفظات پیش کرنا شروع کئے جو بحمد اللہ تعالیٰ ۱۱۰ صفحات کی ضخیم تحریر کی صورت میں تقریباً ۲۰ دن میں مکمل ہوا۔

پھر وہ تحفظات تخصص فی الفقہ الاسلامی کو بطور استفتاء تحریر کروا کر بھیجے گئے، اس اثناء میں مختلف مسائل پر بحث و تمحیص بھی ہوتی رہی، جس کے نتیجے میں بینکوں کے معاملات کے عدم جواز کی واضح اور صریح وجوہ مزید کھل کر سامنے آگئیں۔

تحریر یہ مجموعہ (القول الفیصل) کی صورت میں آپ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے (یہی ہیں) جن پر مفصل تبصرہ کرنے سے پہلے سوال یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ان بینکوں میں جو معاملات رائج ہیں اور مجوزین حضرات نے ان کو جواز کا جو بیان دیا ہے، کیا وہ معاملات خلاف شرع و فاسد و ناجائز ہو رہے ہیں۔

ہم مجوزین حضرات جو مختلف جوازی حیلے تلاش کرنے کے لیے "ضرورت" کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیتے ہوئے حکومت اور مسلمانوں کو متوجہ کرتے رہتے ہیں، اسی سلسلے میں یہ گذارش ہے کہ کوئی بھی مسلمان اس کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا ہے اور نہ ہے، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ موجودہ اسلامی بینکوں نے یہ ضرورت پوری کر دی ہے؟ کیا یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے قابل اطمینان سمجھے جو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بینک شرعی متبادل ہیں یا نہیں؟ اور بینکوں کو شرعی متبادل کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

زیر نظر اوراق میں متبادل کی تفصیل کے ساتھ ساتھ اس کی بھی وضاحت کی گئی کہ موجودہ بینک اس شرعی متبادل کو نظر انداز کیوں کر رہے ہیں جس کا تقاضا اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کرتے رہے ہیں۔

قارئین کرام کی سہولت کے لئے زیر نظر کتاب میں پہلے عدم جواز کی بابت وجوہ کی تفصیل پیش کی گئی ہے، اس کے بعد مجوزین کے شبہات کے جوابات ہیں، اور آخر میں شرعی متبادل کی تفصیل، اور حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب "غیر سودی بینکاری" کا مختصر جائزہ بطور ضمیمہ شامل کر دیا گیا ہے۔

امید ہے کہ آپ حضرات بنظر انصاف ان اوراق کا مطالعہ فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سعی کو قبول فرما کر اپنی رضا کا ذریعہ بنائیں اور مسلمانوں کے لئے خیر و برکت اور ہدایت کا ذریعہ بنائیں ۔۔۔۔ آمین ۔۔۔۔ وما توفیقی إلا باللہ

خویدم العلماء

احمد ممتاز

جامعہ خلفائے راشدین

مدنی کالونی گریکس ولیج ماری پور روڈ کراچی

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مروجہ اسلامی بینکاری کے عدم جواز کی وجوہ

مندرجہ ذیل وجوہ کی بنیاد پر مروجہ اسلامی بینکاری ناجائز و حرام ہے۔

(۱) "[illegible]" یہ شرعی مضاربت و شرکت کے خلاف ہے، نیز راس المال کا معلوم ہونا [illegible] شرکت و مضاربت کے لئے شرط ہے جبکہ بینکنگ میں راس المال کا معلوم ہونا ممکن ہی نہیں۔

(۲) "[illegible]" [illegible] کوئی خلاف شرع امر ہے۔

(۳) "[illegible]" [illegible] حرام ہے۔

(۴) "[illegible]" یہ بھی مفسد شرکت ہے، کیونکہ اس سے "شرکت فی الربح" منقطع ہو جاتی ہے۔

(۵) "[illegible]" یہ وہ کھلا قرض ہے جو "[illegible] فھو ربا" میں داخل اور سود ہے، جس کی شدید وعید میں کوئی کلام نہیں۔

(۶) "[illegible]" [illegible] ہے۔

(۷) "[illegible]" یہ چونکہ شرط لازم کی طرح ہے اس لئے یہ بھی [illegible] ہے۔

(۸) "[illegible]" یہ بھی [illegible] ناجائز ہے۔

(۹) "[illegible]" یہ بھی [illegible] اجارہ [illegible] ہے۔

(۱۰) "[illegible]" اس سے بھی اجارہ فاسد ہو جاتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۶) "مضاربہ مشترکہ میں" یہ مجموعہ کئی وجوہ سے قیاس کے خلاف اور رضائے عام کے منافی اور حرام ہے۔

(۷) "تخمینی" مدت کی آخر تک میں پورا نفع تقسیم کرنا "یہ بھی خلاف شرع ہے۔

(۱) ﴿"یومیہ پیداوار کی بنیاد پر نفع کی تقسیم"﴾

اس عنوان کے تحت حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"مضاربت کا طریقہ کار یہ ہے کہ اس میں رقمیں رکھوانے والے اگرچہ ایک مخصوص مدت کے لئے رقمیں رکھواتے ہیں، لیکن ہر وقت بینک سے رقمیں نکالنے اور داخل کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ غیر سودی بینکوں میں اس صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے نفع کی تقسیم کا ایک طریق کار ہوتا ہے جسے اردو میں "یومیہ پیداوار" کہا جا سکتا ہے، انگریزی میں "Daily Product" کہا جاتا ہے، اور عربی میں "حساب النمر" یا "حساب النقاط" کہتے ہیں۔ میں نے سب سے پہلے اس طریق کار کا نام اور تذکرہ اس بحث میں سنا ہے۔ سودی طریق کار کو ختم کر کے جب یہ مسئلہ زیر بحث آیا تو مسئلہ یہ سامنے آیا کہ اگر بینک میں رقم رکھنے والوں کے لئے یہ شرط عائد کی جائے کہ تمام شرکاء ایک ہی وقت میں رقمیں جمع کرائیں، اور ایک ہی وقت میں نفع نقصان کا تخمینہ ہونے پر نکالیں، اور بیچ میں کسی کو نہ رقم نکالنے کی اجازت ہو، نہ کوئی رقم جمع کرنے کی اجازت ہو، تو اس میں لوگوں کو بڑی دشواری ہوگی" ۔ **(اقول: شرعی مضاربت اور شرکت کے لئے ان دشواریوں کو جھیلنا ضروری ہے واللہ اعلم)** لہٰذا کیا کوئی ایسا طریقہ ممکن ہے جس میں رقمیں نکالنے اور داخل کرنے کا سلسلہ جو آج بینکوں میں رائج ہے وہ برقرار رکھا جا سکے؟ بینک میں رقمیں رکھوانا آج کل ایک معاشرتی ضرورت بن چکا ہے۔ یہاں تک کہ سودی بینکوں کے اندر ایک وقت میں رقمیں رکھوانے کو علماء عصر نے اتفاقی طور پر ضرورت کی وجہ سے جائز کہا ہے۔ **(اقول: حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ناجائز لکھا ہے، دیکھیے احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۱۱۰ و ۱۱۱ و ۱۱۲)** اور نہ اس سے سودی کاروبار کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اب لوگوں کو اس بات کا پابند کرنا کہ وہ کسی ایک خاص تاریخ میں بینک میں رقمیں جمع کریں اور ایک ہی تاریخ میں نکالیں، بہت دشوار کام ہے۔ **(اقول: حرام اور سود سے بچنے کے لئے اس کو برداشت کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم)** اور اگر یہ پابندی عائد کی جائے کہ اس خاص طریق کے علاوہ کسی اور دن کسی کو رقم

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

رکھوائی گئی مختصر مدت ہو، وہ کم مدت کے لئے رقم رکھوائے، مضاربت کھاتے میں شریک نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان تمام رقوم سے بینک تو نفع حاصل کرے لیکن ان رقوم کے مالکان کو کوئی نفع نہ ملے۔

(اقوال: مالکان کو بھی نفع دیا جائے گا، یومیہ پیداوار)

ان مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی نظریاتی کونسل کے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی کہ رقمیں خواہ کسی وقت رکھوائی جائیں، انہیں "یومیہ پیداوار" کے حسابی طریقے کے مطابق نفع میں شریک کیا جائے۔ "یومیہ پیداوار" کے حسابی طریقے کا مطلب یہ ہے کہ مدت مضاربت کے اختتام پر جو نفع آئے، اس کو سال کے دنوں پر تقسیم کر کے یہ حساب کیا جائے کہ اوسطاً فی یوم فی روپیہ کتنا نفع حاصل ہوا؟ مثلاً تین سو دن میں تین روپے فی سیکڑہ نفع ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تین سو روپے پر فی یوم ایک روپیہ نفع آیا، لہٰذا ایک روپے پر فی یوم نفع 0.00333 ہوا۔ اب اگر کسی شخص کا ایک روپیہ پندرہ دن مضاربت کھاتے میں رہا تو اس ایک روپے کے 0.00333 کو پندرہ سے ضرب دیا جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے ایک روپے پر پندرہ دن میں 0.04999 نفع آیا۔ اب اگر کسی کے دس روپے پندرہ دن رہے تھے تو اس نفع کو دس سے ضرب دے کر اس کا نفع 0.4999 ہو گیا۔ اس طریقے کو "یومیہ پیداوار" کا حساب کہا جاتا ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے مذکورہ بالا صورت کو مد نظر رکھتے ہوئے غیر سودی بینکوں کے لئے اس طریق کار کی منظوری دی تھی، جو اس کی رپورٹ کے صفحہ ۵۹ پر "بینک ڈپازٹس" کے زیر عنوان مذکور ہے۔ میں تو اس وقت کونسل کا رکن نہیں تھا، لیکن اس وقت کونسل کے علماء ارکان میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی اور حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل رحمہما اللہ تعالیٰ اور بریلوی حضرات میں سے حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی اور خواجہ قمر الدین سیالوی شامل تھے۔

بعد میں میں نے اپنی کتاب "بحوث في قضايا فقهية معاصرة" کی دوسری جلد میں اس طریق کار پر گفتگو کی ہے جس میں یہ عرض کیا ہے کہ یہ ایک نیا طریق کار ہے جس کا صریح ذکر کتب فقہ میں ملنا مشکل ہے، لیکن چونکہ یہ ایک نئی صورت حال ہے جس کی حاجت پیش آئے گی، اس وقت یہ صورت نہیں تھی، اس لئے اس کو ان اصولوں کی روشنی میں پرکھنا چاہئے جو شرکت اور مضاربت کے بنیادی اصول ہیں۔ قرآن کریم اور سنت میں شرکت و مضاربت کے بارے میں اصولی ہدایات دی گئی ہیں جن کی روشنی میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فعل ہے۔ ان صورتوں میں اور عرف حقیقی کی بنیاد پر فقہائے کرام نے احکام متعین فرمائے ہیں۔

شرکت اور مضاربت میں نفع کی تقسیم کے بارے میں جو بنیادی قاعدہ فقہائے کرام نے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ "الربح على ما اصطلحا عليه والوضيعة على قدر المال" یعنی نفع اس بنیاد پر تقسیم ہوگا جس پر شرکاء متفق ہو جائیں، اور نقصان ہمیشہ سرمایہ کے بقدر ہوگا۔ **(اقول: لیکن جن ایام اور مہینوں میں بعض افراد شریک ہی نہیں تو بصورت نقصان ان کے ذمہ نقصان کیوں؟ اور بصورت نفع یہ اس نفع میں شریک کیوں؟ محمد حماد)** ———— اس اصول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کاروبار کا نقصان تو ہمیشہ سرمایہ کے تناسب پر ہوتا ہے، یعنی جس نے جس تناسب سے سرمایہ لگایا ہے، نقصان بھی وہ اسی تناسب سے برداشت کرے گا اور اس کے خلاف اگر باہمی رضامندی سے بھی کوئی معاہدہ کر لیا جائے جس میں نقصان کسی ایک فریق پر ڈالا گیا ہے یا کوئی فریق اپنے لگائے ہوئے سرمائے سے کم یا زیادہ نقصان برداشت کرے تو یہ ناجائز ہے۔ **(اقول: "کم یا زیادہ" میں بھی بات لازم آتی ہے کیونکہ جو ما بعد آئے ہیں تو جو پہلے کے نقصان کا ضامن بنایا گیا ہے جبکہ اس کا سرمایہ اب تک تجارت میں لگا ہوا بھی نہیں۔ محمد حماد)** لیکن جہاں تک نفع کی تقسیم کا سوال ہے تو جب تک تمام شرکاء کو نفع مل رہا ہو اور کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہو جس میں کسی ایک شریک کو نفع ہے دوسرے کو نہ ملے، فقہائے کرام نے اصطلاح شرکت سے تعبیر کیا ہے، بلکہ تقسیم نفع کی بنیاد بھی شرکاء کی باہمی رضامندی سے تجویز کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح مختلف شرکاء کو نفع کی مقدار میں "وزن" یا ترجیح (weightage) دیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرات فقہاء احناف نے یہ اصول اختیار کیا ہے، وہ شرکت اور مضاربت دونوں کے لئے ہے چنانچہ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ:

((أخبرنا عبد الرزاق قال: قال القيس بن الربيع عن أبي الحصين عن الشعبي عن علي في المضاربة: "الوضيعة على المال والربح على ما اصطلحوا عليه")) "وأما الشريكان فذكره عن أبي حصين عن علي في المضاربة أو الشريكين"

(مصنف عبد الرزاق، كتاب البيوع، باب نفقة المضارب ووضيعته، رقم ۱۵۰۸۷، ۸/ ۲۴۸، ط: المجلس العلمي)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "عقد مضاربت کے بارے میں" فرماتے ہیں کہ نقصان اصل مال پر ہوگا، اور نفع اس طرح تقسیم ہوگا جس پر وہ آپس میں متفق ہو جائیں۔

(۲) فقہائے کرام نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ مضاربت میں اگر نفع کا تناسب مختلف حالتوں میں مختلف مقرر کیا جائے تو یہ بھی جائز ہے، چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے:

"وقال ابن سماعة: سمعت محمدا قال في رجل دفع الى رجل مالا مضاربة فقال له ان اشتريت به الحنطة فلك من الربح النصف ولي النصف، وان اشتريت به الدقيق فلك الثلث ولي الثلثان، فقال: هذا جائز وله ان يشتري اى ذلك شاء على ما سمى له رب المال، لأنه خيره بين عملين مختلفين فيجوز، كما لو خير الخياط بين الخياطة الرومية والفارسية، ولو دفع اليه على أنه ان عمل في المصر فله ثلث الربح وان سافر فله النصف جاز والربح بينهما على ما شرطا ان عمل في المصر فله الثلث وان سافر فله النصف"

(بدائع الصنائع، کتاب المضاربۃ ج۶ ص۹۹ طبع ایچ ایم سعید)

(۳) ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ شرکت اور مضاربت میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ نفع کا تناسب مقرر ہونا جس طرح شرکت میں ضروری ہے اسی طرح مضاربت میں بھی ضروری ہے۔

(دیکھئے شرکت کے لئے بدائع الصنائع ج۶ ص۵۹ اور مضاربت کے لئے ج۶ ص۸۵)

اب اسلامی بینک اور کلائنٹ کی فقہی حیثیت پر غور کیجئے:

اسلامی بینک کے اکاؤنٹ ہولڈرز جو رقمیں جمع کرتے ہیں، وہ تمام ایک دوسرے کے ساتھ شرکت کرتے ہیں پھر یہ سب مل کر بینک سے مضاربت کرتے ہیں جس میں اکاؤنٹ ہولڈرز ارباب الاموال ہیں، اور بینک مضارب ہے، اور اس حیثیت سے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ بہت سے لوگ مل کر کسی ایک مضارب سے مضاربت کا عقد کریں، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی معتمد کتب میں تو اس کی تصریح موجود ہے، اگرچہ یہ بات حنفیہ کی تصریح کے ساتھ کتابوں میں مجھے نہیں ملی، لیکن علامہ ابن قدامہ نے امام ابوحنیفہ سے ایک مسئلہ نقل فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے بھی اسے جائز کہا ہے، اور علامہ ابن

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ان کے نزدیک ایسی صورت میں ارباب الاموال کے درمیان نفع میں تفاضل بھی جائز ہے۔ ملاحظہ فرمائیے علامہ ابن قدامہ المقدسی لکھتے ہیں:

"وإن قارض اثنان واحدا بألف لهما جاز، وإذا شرطا له ربحا متساويا منهما جاز، وإن شرط أحدهما له النصف والآخر الثلث جاز، ويكون باقي ربح مال كل واحد منهما لصاحبه، وإن شرطا كون الباقي من الربح بينهما نصفين لم يجز، وهذا مذهب الشافعي، وكلام القاضي يقتضي جوازه، وحكي ذلك عن أبي حنيفة وأبي ثور، ولنا أن أحدهما يبقى له من ربح ماله النصف والآخر يبقى له الثلثان، فإذا شرطا التساوي فقد شرط أحدهما للآخر جزءا من ربح ماله بغير عمل فلم يجز كما لو شرط ربح ماله المنفرد" (المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۱۳۶)

یہاں مسئلہ یہ بیان ہو رہا ہے کہ دو مختلف آدمیوں مثلاً زید اور عمرو نے ایک مضارب مثلاً بکر سے الگ الگ مضاربت کا معاملہ کیا، زید نے مضارب کا حصہ نصف مقرر کیا، اور عمرو نے ایک ثلث، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ثلث بکر کو ہوگا اور دو ثلث عمرو کے ہو گئے، گویا دونوں ارباب الاموال نے بکر کے ساتھ نفع کی نسبت الگ الگ مقرر کی، اب علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مضارب کو اس کا حصہ دینے کے بعد زید اور عمرو کے درمیان نفع کی تقسیم ان کے لگائے ہوئے سرمائے ہی کے حساب سے ہوگی، یہ نہیں ہو سکتا کہ مضارب سے یہ شرط کریں کہ اس کا حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ دونوں آپس میں برابر تقسیم کریں گے، کیونکہ زید کے لگائے ہوئے سرمائے کا حصہ تو نفع کا نصف تھا، اور عمرو کا دو ثلث تھا، اس لئے دونوں کے حساب سے تقسیم ہونی چاہئے، برابری کی شرط لگانے کا مطلب یہ ہوگا کہ زید اور عمرو جو دونوں رب المال ہیں اپنے لگائے ہوئے سرمائے کی نسبت سے نہیں، بلکہ تفاضل کے ساتھ نفع تقسیم کرنے کی شرط لگا رہے ہیں، اور عمرو اپنے سرمائے کے نفع کا کچھ حصہ زید کو دے رہا ہے حالانکہ زید نے کوئی عمل نہیں کیا جو اس کا عوض قرار پائے۔

مذکورہ تفصیل و عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے کہ کئی ارباب الاموال بیک وقت مل کر کسی ایک مضارب سے معاملہ کریں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

صورت میں ارباب الاموال کے درمیان شرکت عقد ہے، اس لئے اگر ارباب الاموال آپس میں نفع کی تقسیم تفاضل کے ساتھ مختلف طے کرلیں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔

بہرحال اگرچہ شرکت عقد میں حنفیہ کی طرح تفاضل فی الربح کے جواز کے قائل ہیں، لیکن اس مسئلے میں بعض نے تمام اس سے اختلاف کیا ہے کہ مضارب کو دینے کی صورت میں یہ بات طے ہے کہ وہ عمل نہیں کریں گے، اور جب کوئی شریک عدم عمل کی شرط لگا لے تو وہ راس المال کے تناسب سے زیادہ نفع کی شرط مقرر نہیں کرسکتے، لیکن امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور حنابلہ میں سے قاضی ابو یعلیٰ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس صورت میں ہر ایک شریک صرف مضارب سے معاملہ کرتا ہے، اور اس عمل میں وہ سب شریک ہیں اس لئے ان کے لئے تفاضل فی الربح بھی جائز ہے۔ البتہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک چونکہ شرکت میں تساوی فی الربح ہر حالت میں شرط ہے، اس لئے ان کے نزدیک یہ ہوسکتا ہے کہ کئی آدمی مل کر کسی ایک سے مضاربت کا معاملہ کریں، لیکن ان کے درمیان آپس میں نفع کی شرح تساوی کے ساتھ ضروری ہے، چاہے مضارب کے ساتھ ہر ایک کے نفع کی شرح مختلف رکھی گئی ہو۔

چنانچہ علامہ شیرازی شافعیؒ فرماتے ہیں:

"ولو قارض رجلان رجلاً يعطي ألفًا، فقالا: قارضناك على أن نصف الربح لك والباقي بيننا بالسوية، جاز. ولو قالا: على أن لك الثلث من نصيب أحدنا والربع من نصيب الآخر، إن لم يبينا لم يجز، وإن بينا نظر: إن لم يشرطا الباقي بيننا صح ويكون الباقي من نصيب كل واحد له، فإن قالا: الباقي بيننا لايصح لأنه يبقى لمن شرط للعامل الثلث أقل، فلا يكون الباقي بينهما سواء، كما لو قال: ثلث الربح لك، والباقي بيننا أثلاثا لا يصح"

(المهذب للشيرازي، كتاب القراض ج ۲ ص ۲۷۲ ط دار الكتب العلمية)

مالکیہ کے نزدیک بھی یہی ترتیب ہے، علامہ ابن رشد مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وسئل مالك عن رجل أخذ من رجلين مالاً قراضاً فأراد أن يخلطه بغير علمهما فقال: يستأذنهما أحسن وأحب إلي، فإن لم يستأذنهم فلا أرى عليه

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سبیلا. قیل له: فإنه استأذن أحدهما فأذن له ولم یأذن له الآخر فخلطهما؟ قال: یستغفر الله ولا یعود. (البیان والتحصیل لابن رشد ج ۱۲ ص ۳۲۹)

امداد الاحکام میں بھی ایک سوال کے جواب میں متعدد ارباب الاموال کے ایک مضارب سے عقد کرنے کی ایک صورت بیان ہوئی ہے، اور اس میں اس بات کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ کسی رب المال کا روپیہ فی الحال کسی غرض سے حساب سے پہلے ہی واپس کر دیا جائے۔ ملاحظہ فرمائیے:

"سوال: پیشگی شکریہ پیش کر کے یہ بات ذہن میں کئی مرتبہ آچکی ہے کہ بالفعل صرف ایک ہزار روپیہ مختلف لوگوں سے بقدر دس دس، بیس بیس کے لے کر اس روپیہ سے ہر وقت بکنے والی تجارتی چیزیں خریدیں، حساب اس کا بھی الگ رکھوں، اور سال گزرنے پر یا چھ ماہ گزرنے پر اس کا نفع حساب کر کے الگ کر کے حسب حصص صاحب روپیہ کو دوں، اور نصف خود لے لوں۔ اس مذکورہ صورت میں رب المال ان میں سے کوئی شخص اگر اپنا روپیہ واپس لینا چاہے جو حساب کے وقت سے پہلے اطلاع کر دے، وقت حساب نفع کے اس کا روپیہ واپس کر دوں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ تجارت شرکت کے طور پر شرکت کی رقم مضاربت کے لیے دی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں ایک شخص کا روپیہ مضارب درمیان میں ادا کر دے، بلکہ سب شرکاء کی رضامندی شرط ہے، ورنہ هذا کله من الفوائد ... اگر ایسا کیا جاوے کہ ہر شخص کی رقم کی تجارت علیحدہ علیحدہ کی جاوے تو پھر ہر شخص کا حساب الگ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ عبدالکریم عفی عنہ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ"

(امداد الاحکام، کتاب الشرکۃ والمضاربۃ ج ۳ ص ۵۳۵)

امداد الاحکام کے اس فتویٰ کو دیکھتے ہوئے غیر سودی بینکوں میں شرکت و مضاربت قائم کرنے اور "یومیہ پیداوار" کی بنیاد پر نفع نقصان پر غور کیا جائے تو اس میں روایتی طریق کار سے دو چیزوں میں فرق نظر آتا ہے: ایک یہ کہ اس میں شرکاء وقتاً فوقتاً آرہے ہیں اور آتے ہیں ان کی مدت شرکت کے حساب سے نفع نقصان میں شریک کیا جا رہا ہے، اور دوسرا یہ کہ مدت سے قبل مدت شرکت ختم ہونے سے پہلے کسی شریک کو نکلنے کی اجازت بھی دی جا رہی ہے، ان دونوں پہلوؤں پر الگ الگ گفتگو مناسب ہوگی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جہاں تک شرکاء کے وقتاً فوقتاً شرکت میں داخل ہونے کا تعلق ہے، اس کے لئے ایک سادہ سی مثال پر غور کر لیں۔ فرض کیجئے زید اور عمرو کا ایک چلتا ہوا کاروبار ہے جو مختلف نوعیت کے معاملات پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں اپنے نفع و نقصان کا حساب سالانہ ختم رمضان کو کرتے ہیں۔ اب ختم رمضان سے چھ مہینے پہلے بکر ان سے کہتا ہے کہ میں بھی آپ کے کاروبار میں سرمایہ ڈال کر شریک ہونا چاہتا ہوں، چونکہ زید و عمرو کو بھی اپنے کاروبار میں وسعت لانے کے لئے مزید سرمائے کی ضرورت ہے، اس لئے وہ بکر کو شریک کرنے پر رضامند ہو جاتے ہیں، اور یہ طے کرتے ہیں کہ بکر اتنا سرمایہ کاروبار میں ڈالے گا جس سے وہ کاروبار کے ایک تہائی حصے میں شریک ہو جائے، اور نفع کا تناسب بھی تینوں شرکاء کا ایک ایک تہائی ہو گا، لیکن ساتھ ہی یہ طے ہو کہ جب نفع و نقصان کا حساب ہو گا تو چونکہ بکر کی حصہ داری صرف چھ ماہ رہی ہے جو دوسرے حصہ داروں کے مقابلے میں آدھی ہے، اس لئے وہ ایک تہائی نفع کے نصف، یعنی چھٹے حصے کا حق دار ہو گا۔ اگر تینوں فریق اس پر متفق ہو جائیں تو بظاہر "الربح علی ما اصطلحا علیہ" کے قاعدے کے عموم کے پیش نظر اس میں شرکت کے کسی بنیادی اصول کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ بس "یومیہ پیداوار کی بنیاد پر نفع کی تقسیم" کا بنیادی مطلب ہے۔" (غیر سودی بینکاری ص ۲۰۳ تا ۲۰۴)

﴿"یومیہ پیداوار کی بنیاد پر نفع کی تقسیم" کی "سادہ سی مثال" پر اشکالات﴾

اس پر ایک اشکال تو یہ ہے کہ پہلے سے چلتے ہوئے کاروبار میں بکر کی شرکت اصل سرمایہ کے ساتھ ہوگی یا نفع بھی ہوا ہے تو پھر قیمت سرمایہ کل قیمت سے ایک تہائی میں شریک ہوگا یا صرف سرمایہ یا نفع کے؟ بہرحال دونوں میں سے جو بھی مراد ہے ہر ایک پر اشکال ہے۔

مراد اول پر اشکال: اگر مراد صرف سرمایہ میں ایک تہائی کی شرکت ہے، مثلاً زید اور عمرو کا سرمایہ دس دس لاکھ تھا، چھ ماہ کاروبار کے بعد حساب کیا تو دس لاکھ نفع بھی ہو گیا، اب اگر یوں کیا جائے کہ بکر اصل سرمایہ کے مطابق صرف دس لاکھ جمع کر کے ایک تہائی کاروبار میں شریک ہو جائے تو اس پر یہ اشکال ہے کہ آئندہ کاروبار تینوں کے اصل سرمایہ دس دس لاکھ سے ہے اور زید و عمرو کے نفع جو دس لاکھ ہے وہ دونوں کے حصے میں پانچ پانچ لاکھ ہے سے ہوگا، حالانکہ صورت یہ ہے کہ چھ ماہ کے کاروبار میں سرمایہ سے ہو رہا ہے جو کہ تیس لاکھ ہے ——— لہٰذا اس تفصیل کے مطابق بکر ایک تہائی کاروبار میں کیسے شریک ہوا اور ایک تہائی نفع کا کیسے مستحق ہوا؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مروجہ طریقے پر اشکال: اور اگر مراد اصل مع نفع یعنی ۱۲۰۰ کی ایک تہائی ہے تو اس صورت پر اشکال یہ ہے کہ جب گذشتہ نفع کو سرمایہ میں ملا دیا گیا اور اس کے حساب سے بکر سے ۱۱۰۰ کو سرمایہ لیا گیا تو اب بکر کو نفع کی ایک تہائی کا آدھا یعنی ایک [illegible] کیوں جائز ہوگا؟ کیونکہ جب گذشتہ چھ ماہ کے نفع کی وجہ سے دونوں کے سرمایہ میں اضافہ کیا گیا تو پھر یہ دونوں گذشتہ نفع وصول کر چکے اب دوبارہ کیوں دیا جائے گا؟

نیز ان دونوں صورتوں پر ایک اشکال یہ بھی ہے کہ پہلے کا [illegible] دونوں قسم کے اموال [illegible] صورت میں صرف نقود سے شرکت کرنا احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی کس کتاب میں جائز لکھا ہوا ہے [illegible]۔

آگے عبارت "[illegible] اشکال [illegible]" سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد صرف اصل سرمایہ ہے [illegible] نفع کے [illegible] ہے۔ [illegible] اشکال کے علاوہ دوسری قسم کے اشکالات بھی ہیں۔

پہلا اشکال: یہ ہے کہ مثلاً اگر شروع چھ ماہ میں [illegible] ہزار روپے کا نفع ہوا ہو اور بکر کی شرکت کے بعد آخری چھ ماہ میں [illegible] نفع ہوا ہو اس صورت میں شرعاً زید اور عمرو میں سے ہر ایک کو [illegible] ہزار [illegible] ملے گا [illegible] کی وجہ سے بکر کو پچاس ہزار دیا جائے گا، اور [illegible] دونوں کے نفع میں سے [illegible] ہزار کم کیا جائے گا [illegible] دونوں کے نفع میں سے مجموعہ [illegible] ہزار کم کیا اور [illegible] چھ ماہ میں ان کے [illegible] کی رو سے شرکت کا یہ التزام کیا گیا ہے [illegible]؟

دوسرا اشکال: یہ ہے کہ مثلاً اگر شروع چھ ماہ میں [illegible] کو نفع ہوا اور بکر کے آنے کے بعد چھ ماہ میں [illegible] نقصان ہوا۔

[illegible] صورت میں [illegible] کو نفع [illegible] ملے گا اور زید و عمرو کو [illegible] نقصان میں [illegible] کیا جائے گا اور [illegible] نقصان میں [illegible] ہر ایک کو [illegible] نفع ملے گا [illegible] نفع سے [illegible] نفع بھی حاصل کر [illegible] اصول کے مطابق [illegible] نقصان نفع سے پورا کیا گیا تو [illegible]

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھیں، تقسیم کے وقت ان میں بچ گئے، اب وہ تین لاکھ میں سے چھٹا حصہ یعنی ۵۰ ہزار روپے بطور نفع بکر بھی لے گیا۔

تیسرا احتمال: یہ ہے کہ جب شرکت شروع ہوئی تو چھ ماہ میں کل نفع صرف ایک لاکھ ہوا تھا اور بکر کی شرکت کے بعد چھ لاکھ ہوا۔

ایسی صورت میں شرعاً بکر کو وہ لاکھ نفع طے شدہ نسبت سے ملنا شرعاً ضروری ہے جب کہ زید و عمرو میں سے ہر ایک کو دو حصے ملنا چاہئے ——— لیکن "یومیہ پیداوار" کی وجہ سے بکر کو طے شدہ تناسب سے بہت کم نفع یعنی ایک لاکھ دس ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے چھیاسٹھ پیسے ملے گا، اور زید و عمرو کو طے شدہ نسبت سے بہت زیادہ یعنی دو لاکھ چوالیس ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے چونتیس پیسے ہر ایک کو ملے گا۔

چوتھا احتمال: یہ ہے کہ جتنا سرمایہ زید و عمرو نے چھ ماہ میں لگایا وہ تمام ضائع ہوگیا، اصل سرمایہ (جو چھ لاکھ تھا) سے بھی نو دس نقصان ہوا یعنی دو لاکھ کا نقصان ہوا جس سے سرمایہ بھی گیا اور چار لاکھ قرض بھی ہوئے (لیکن ہم نے بھی احتیاطی حساب سے بکر کو دو لاکھ ہی دیا ہے) بکر کے شریک ہونے کے بعد تقریباً ایک لاکھ کا نفع ہوا ——— اس صورت میں شرعاً نقصان پورے کا پورا زید و عمرو کا ہوگا، اور بکر کو تینتیس ہزار تین سو تینتیس روپے تینتیس پیسے نفع بھی ملے گا اور اصل سرمایہ بھی پورا محفوظ رہے گا ——— لیکن "یومیہ پیداوار" کی وجہ سے زید اور عمرو کے حصے میں جو نفع آئے گا وہ بھی نقصان میں چلا جائے گا، اور یہ دونوں ڈوب جائے گا اور بکر کا ایک لاکھ میں سے صرف ایک تہائی یعنی تینتیس ہزار تین سو تینتیس روپے تینتیس پیسے کا مالک رہے گا۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ بکر کی شرکت کے بعد اتنا بڑا نقصان کیسے سامنے نہیں آیا؟ اور انہوں نے کہا کہ آپ کی شرکت سے پہلے جو نقصان ہوا وہ پچھلا تھا اور ہمارے پاس جو سامان تھا وہ ہمارے کاروبار کا تھا ——— تو کیا ان دونوں نے بکر کی شرکت سے پہلے کے نقصان کو قبول کر لیا ہے؟ اور کیا شرعاً بکر کے ذمے یہ نقصان قبول کرنا لازم ہے؟ حالانکہ بکر بھی کہے گا کہ جب میں گزشتہ چھ ماہ میں تمہارا شریک ہی نہیں تھا تو پھر مجھ سے اس نقصان کی تلافی کیوں؟ کیونکہ یہ سب در حقیقت میں ہے کہ نقصان تو شرکاء آپس میں تقسیم کریں اور وہ نہیں جو شریک ہو؟

تجربے کی بنا پر یہ ثابت ہوا کہ ہر مہینے نفع کو تناسب سے ہونے یکساں ہونے کا تو قریب قریب بھی نہیں ہوتا، کسی مہینے میں نفع زیادہ ہوتا ہے، اور کسی مہینے میں بہت کم، کسی مہینے میں کچھ بھی نفع نہیں ہوتا اور کسی مہینے میں اچھا خاصا نقصان ہوتا ہے، اس لئے شروع کے چھ ماہ اور آخری چھ ماہ کے نفع نقصان کا برابر ہونا عادۃً محال ہے، خصوصاً ان ایام میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسلامی بینکوں میں ملازمت کرنے والے دو افراد نے بتلایا کہ کبھی مرابحہ کے دو تین فارم پر کئے جاتے ہیں اور کبھی صرف دو تین بھی ہوتے ہیں۔

مولانا عصمت اللہ لکھتے ہیں:

''یہ صحیح ہے کہ اس کا احتمال ہو سکتا ہے کہ نفع کو جو حساب پول میں کیا گیا ہے اس میں وہ نفع بھی شامل ہو جاتا ہے جو شریک زید اور عمرو کے مال پر ہوا جو بعد والے سے شریک تھے، لیکن اس میں حصہ دار بکر بھی ہو رہا ہے جو بعد میں شریک ہوا جبکہ اس وقت وہ کاروبار میں شریک نہیں تھا۔

اس اشکال کے جواب میں عرض یہ ہے کہ چونکہ بکر شروع کے کاروبار میں شریک نہیں تھا، اسی لئے اس کا نفع کا حصہ بھی اسی نسبت سے کم ہو گیا ہے اس لئے اس میں عدل و انصاف کے خلاف کوئی بات نہیں ہے۔ **(اقول: حضرت والا کی تقریرات سے اب ہر ایک سمجھ گیا ہوگا کہ اس میں عدل و انصاف کے خلاف بہت بڑی بات ہے کہ ایک کا دوسرے کا حق ناجائز طور پر کھلایا جا رہا ہے اور یا ایک کا نقصان دوسرے پر ڈالا جا رہا ہے۔ آمدنی کا حصہ بکر کے سرمایے اور نفع دونوں سے ہو رہا ہے جبکہ نفع زید اور عمرو کی رقوم کے سرمائے سے دیا جا رہا ہے یہ بھی عدل و انصاف کے خلاف ایک واضح بات ہے۔)** نیز شرکت قائم ہو جانے کے بعد یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کس کے روپے پر کتنا نفع ہوا بلکہ سب شرکاء کا مال شرکت کے قائم ہو جانے کے بعد مخلوط ہو جاتا ہے اسی لئے نفع میں شرکاء کے درمیان کوئی تمیز نہیں رہتی۔ **(اقول: جب شروع کے چھ ماہ میں بکر کی شرکت قائم ہی نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کا روپیہ شرکت کے مال میں ملا تو مخلوط ہونا ہے جبکہ دیکھنا چاہیے کہ زید اور عمرو کے روپے پر کتنا نفع ہوا ہے۔)** اس کی مثال یوں سمجھئے کہ زید کا سرمایہ کاروبار میں پچاس فی صد ہے اور عمرو کا پچاس فی صد اور کام دونوں کرتے ہیں۔ اگر دونوں آپس میں یہ معاہدہ کریں کہ زید کو نفع کا ساٹھ فی صد ملے گا اور عمرو کو چالیس فی صد تو یہ صورت جائز ہے اور فقہاء حنفیہ بھی اسے جائز کہتے ہیں۔ اب زید کے ساٹھ فی صد میں سے پچاس فی صد زید کے اپنے سرمایے کے ہیں اور اپنے نفع سے ملے ہیں اور باقی دس فی صد عمرو کے سرمایے کے نفع سے ملے ہیں، لیکن اس کے لئے بھی نفع میں طے شدہ شرط کے مطابق حلال ہے۔ **(اقول: یہ بات حلال ہے لیکن شروع**

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے چھ مہینوں کا نفع بکر کو ان سے کسی قسم کا فائدہ نہیں تو کیونکر حصہ دار بنے گا اور نفع حلال ہوگا؟ احمد ممتاز) اس سے بھی زیادہ واضح مثال یہ ہے کہ اگر زید اور عمرو نے شرکت کا عقد کرلیا، لیکن اپنا سرمایہ اکٹھا نہیں کیا (اقول: شروع کے چھ ماہ میں جب بکر نے ان کے ساتھ شرکت کا عقد کیا ہی نہیں، تو کیونکر شریک ہوگا؟ احمد) اس مثال کو یہاں پیش کرنے سے صرف مندرجہ ذیل عبارات فقہیہ کے ذکر کرنے کا ایک خصوصی فائدہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے "یومیہ پیداوار" کے طریقہ پر نفع کی تقسیم کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ احمد ممتاز) اس کے باوجود اگر زید صرف اپنے مال سے شرکت کے لئے کوئی چیز خرید کر بیچے تو اس کے نفع میں دونوں شریک ہوں گے، اور اگر یہ خریداری کے بعد وہ چیز تباہ ہوجائے تو اس کا نقصان بھی دونوں اٹھائیں گے۔

(اقول: چھ ماہ تک بکر کی شرکت سے پہلے جو زید اور عمرو نے نقصانات کئے، کیا وہ بکر کے ذمہ بھی ہوں گے؟ احمد ممتاز)

بدائع الصنائع میں ہے:

"لأن الشركة تنبئ عن الاختلاط فنسلم، لكن على اختلاط رأس المال أو على اختلاط الربح؟ فيه منع، لا يعرض له لفظ الشركة، فيجوز أن يكون تسميته شركة لاختلاط الربح لا لاختلاط رأس المال، و اختلاط الربح يوجد ان اشترى كل واحد بمال نفسه على حدة، لأن الزيادة وهي الربح تحدث على الشركة (اقول: هل الربح قبل شركة بكر، كان حدث على الشركة؟ احمد ممتاز) ..... حتى لو هلك بعد الشراء بأحدهما كان الهالك من المالين جميعا لأنه هلك بعد تمام العقد"

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۶۰ طبع کراچی)

(اقول: إن هلك قبل شركة بكر، فهل هلك بعد تمام العقد؟ احمد ممتاز)

مولانا عثمانی صاحب مدظلہ تعالیٰ کا قول کہ "شرکت میں مال کا مل جانا ضروری نہیں ہے" یہاں تک تو صحیح ہے کہ شرکت ہونے میں دونوں شریکوں کے راس المال کے مل جانے کی ضرورت نہیں لیکن یومیہ پیداوار کے ذریعہ نفع کی تقسیم کا جواز ہونے کی وجہ سے تو یہ ایک الگ بات ہے جس کی طرف لفظ شرکت میں کوئی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

شمار ہوتی ہے جیسا کہ ہو سکتا ہے کہ شرکت کو شرکت عقد اختلاط نفع کی وجہ سے کہا جائے، نہ کہ دونوں شریکوں کے راس المال کے مل جانے کی وجہ سے، ورنہ اختلاط نفع تو وہاں بھی پایا جائے گا جہاں شرکاء میں سے ہر ایک اپنے مال سے علیحدہ کوئی چیز خریدے اور اس سے نفع (خریداری کے بعد چیز کی قیمت میں) اضافہ ہو کر نفع ہی ہے، یہ شرکت کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے تو بائع دونوں شریکوں کو قیمت کا ضامن بنا سکتا ہے، اور اس کا نقصان دونوں کے مال پر آئے گا، کیونکہ وہ چیز عقد عمل ہونے کے بعد ہلاک ہوئی ہے۔)

اور فقہ حنفی کی عبارات میں ہے کہ اگر ایک شریک نے کوئی عمل نہ کیا ہو تب بھی وہ اس قیمت میں شریک ہوگا، جیسے دوسرے شریک نے عمل کیا ہو، چنانچہ مبسوط سرخسی میں ہے:

"قال: و الشريكان في العمل إذا غاب أحدهما أو مرض أو لم يعمل و عمل الآخر فالربح بينهما على ما اشترطا، لما روي أن رجلا جاء إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال: أنا أعمل في السوق و لي شريك يصلي في المسجد، **(أقول: هل بكر قبل الشركة في الشهور الماضية الستة يكون مصداقا لـ "و لي شريك" أم لا؟ أحمد ممتاز)** فقال رسول الله ﷺ: لعلك بركتك منه، و المعنى أن استحقاق الأجر بتقبل العمل دون مباشرته، و التقبل كان منهما **(أقول: التقبل كان من زيد و عمرو فقط قبل شركة بكر، فهل كان بكر شريكا معهما؟ احمد ممتاز)** و إن باشر العمل أحدهما، ألا ترى أن المضارب إذا استعان برب المال في بعض العمل كان الربح بينهما على الشرط، أو لا ترى أن الشريكين في العمل يستويان في الربح و هما لا يستطيعان أن يعملا على وجه يكونان فيه سواء، و ربما يشترط لأحدهما زيادة ربح لحذاقته و إن كان الآخر أكثر عملا منه، فكذلك يكون الربح بينهما على الشرط ما بقي العقد بينهما و إن كان المباشر للعمل أحدهما، و يستوي إن امتنع الآخر من العمل بعذر أو بغير عذر، لأن العقد لا يرتفع بمجرد امتناعه من العمل و استحقاق الربح بالشرط في العقد" (المبسوط للسرخسي، كتاب الشركة، ج ۱۱، ص ۱۵۷، دار المعرفة)

فائدہ: اس عبارت میں ہے کہ اگر دو شریکوں میں سے ایک غائب ہو جائے یا بیمار ہو جائے اور دوسرا شریک کام

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے سے جو نفع حاصل ہو وہ ان میں معاہدے کے مطابق تقسیم ہوگا اس لئے کہ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں بازار میں کام کرتا رہتا ہوں میرا ایک شریک ہے جو مسجد میں نماز پڑھتا رہتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ تیری برکت بھی اسی کی وجہ سے ہو، اور اصل بات یہ ہے کہ اجرت کا مستحق ہونا کام کو قبول کرنے کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کو سر انجام دینے کی وجہ سے، اور کام قبول کرنا دونوں شریکوں کی جانب سے ہوا، اگرچہ کام ایک ہی نے کیا ہو، یہ بات واضح ہے کہ شرکت جب راس المال سے خالی ہو تو کام ہی سے حاصل ہوتا ہے پھر بھی نفع دونوں کے درمیان معاہدے کے مطابق ہی تقسیم ہوگا، شرکت اعمال میں دونوں شریکوں کا نفع میں برابر ہونا یہ اس کی دلیل ہے حالانکہ وہ دونوں اس بات کی طاقت ہی نہیں رکھتے کہ بالکل برابر برابر کام کریں، بسا اوقات کسی ایک شریک کی مہارت کی وجہ سے نفع میں اس کا حصہ زیادہ مقرر کر دیا جاتا ہے اگرچہ دوسرا شریک اس سے زیادہ کام کرنے والا ہو، اسی طرح نفع دونوں شریکوں کے باہمی معاہدے کے مطابق تقسیم ہوگا جب تک کہ عقد شرکت ان دونوں کے درمیان باقی رہے گا اگرچہ کام سر انجام دینے والا ایک ہو خواہ دوسرا شریک کام کرنے سے کسی عذر کی وجہ سے رکے یا بلا عذر اس لئے کہ عقد شرکت تو صرف کام سے رک جانے کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا لہذا نفع تو اسی معاہدہ شرکت میں طے شدہ شرط کے مطابق ہوگا۔

شرکت وجوہ کا معنی یہ ہے کہ کسی بھی شریک کا کوئی سرمایہ نہیں ہوتا اور شرکت صرف اس بات کے لئے ہوتی ہے کہ وہ اپنی وجاہت یعنی ساکھ کی بنیاد پر ادھار خرید کر بازار میں بیچتے ہیں، پھر اگر ان میں سے ایک شریک صرف خرید و فروخت کی مہارت ہونے کی بنا پر اس سے زیادہ منافع اور نفع کمانے والا ہو تب بھی وہ ایسا ہی شریک سمجھا جاتا ہے جیسا پچھلی دو قسموں میں ہے:

فاما الشركة بوجوههما على أن يكون ما اشتريا أو أحدهما بينهما نصفين أو أثلاثا أو أرباعا وكيف ما شرطا على التساوي و التفاضل كان جائزا و ضمان ثمن المشترى بينهما على قدر ملكيهما في المشترى و الربح بينهما على قدر الضمان (البدائع ۵/ ۸۷)

والقول: هل يكون قيد الشركة في الشهور الماضية الستة يكون مضافا لـ "الشركة بوجوههما" وهل يلزم عليه "ضمان ثمن المشترى"؟ أحمد ممتاز)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں قسموں کی شرکتوں کے جواز پر اس طرح استدلال فرمایا ہے:

"ولنا أن الناس يتعاملون بهذين النوعين في سائر الأعصار من غير إنكار عليهم من أحد وقال عليه الصلاة والسلام: لا تجتمع أمتي على ضلالة، و لأنهما يشتملان على الوكالة و الوكالة جائزة و المشتمل على الجائز جائز و قوله: ان الشركة شرعت لاستنماء المال فيستدعي أصلا يستنمى فنقول: الشركة بالأموال شرعت لتنمية المال و أما الشركة بالأعمال أو بالوجوه فما شرعت لتنمية المال بل لتحصيل أصل المال، و الحاجة الى تحصيل أصل المال فوق الحاجة الى تنميته فلما شرعت لتحصيل الوصف فلأن تشرع لتحصيل الأصل أولى — و كذا بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم و الناس يتعاملون بهذه الشركة فقررهم على ذلك حيث لم ينههم و لم ينكر عليهم، و التقرير أحد وجوه السنة، و لأن هذه العقود شرعت لمصالح العباد، و حاجتهم الى استنماء المال متحققة. و هذا النوع طريق صالح للاستنماء فكان مشروعا، و لأنه يشتمل على الوكالة و الوكالة جائزة اجماعا"

(بدائع الصنائع کتاب الشرکۃ ج ٦ ص ٥٨)

(القول: هل بكر كان وكيلا لزيد و عمرو قبل الشركة في الشهور الماضية السابقة، و هل كانا وكيلين له احمد ممتاز)

اس تفصیل سے صحیح ہے کہ شرکت عمل ہو یا عقد، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کس کے ذریعے کتنا نفع ہوا، بلکہ مجموعی نفع، خواہ کسی کے ذریعے سے حاصل ہوا ہو، شرکاء کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم کیا جاتا ہے۔

لاشرکت کی [illegible] صورت میں اگر منطقی یا رکنیوں کا لحاظ کیا جائے تو [illegible] ہو تی **(القول: حقیقی یا حکمی وکالۃ ضروری ہے احمد ممتاز)** لیکن فقہاء کرام نے اس قسم کی صورت کے صحیح ہونے کی تصریح فرمائی ہے اور اس کی مثال یوں ذکر فرمائی ہے:

ولو أقعد الصانع معه رجلا في دكانه يطرح عليه العمل بالنصف، جاز استحسانا، لتعامل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

الناس من غير نكير منكر، ولأن الناس بحاجة إلى ذلك، فالعامل قد يدخل بلدا لا يعرفه الناس ولا يأمنونه على متاعهم، وإنما يأمنون على متاعهم صاحب الدكان الذي يعرفونه، وصاحب الدكان لا يتفرغ على العامل بمثل هذا في العادة، ففي تجويز هذا العقد تحصيل غرض الكل، فإن العامل يصل إلى عوض عمله، وصاحب الدكان يصل إلى عوض منفعة دكانه، والناس يصلون إلى منفعة عمل العامل. ويطيب لرب الدكان الفضل؛ لأنه أقعده في دكانه وأعانه بمتاعه، وربما يقيم صاحب الدكان بعض العمل كالخياط يتقبل المتاع ويلي قطعه، ثم يدفعه إلى آخر بالنصف. قال شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالى: هذا العقد نظير عقد السلم، من حيث أنه رخص فيه لحاجة الناس"

(المحیط البرہانی، کتاب الشرکۃ، الفصل الاول ج ۶ ص ۵۵۹ ادارۃ القرآن)

(أقول: هل عقد بكر قبل الشركة في الشهور الماضية الستة كان موجودا؟ إذ ليس فلم اشترك بكر في الربح؟ وعبارة المحيط السابقة تدل على الشركة في الربح بعد العقد لا قبله. محمد ممتاز)

(وضع حیثیت یہ ہے کہ) سامان اپنی دکان میں کسی دوسرے شخص کو بٹھائے اور کام آدھے آدھے نفع کی بنیاد پر اس کے حوالے کرے تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ لوگوں کا اس پر بلا نکیر تعامل چلا آرہا ہے، اور اس لئے بھی کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے۔ بسا اوقات کام کرنے والا کسی ایسے شہر جا کر تجارت کرتا ہے جہاں کہ اس شہر کے لوگ اسے جانتے نہیں، اور وہ اپنے سامان کے بارے میں اس شخص پر اعتماد نہیں کرتے، بلکہ اس دکان والے پر جس کو وہ جانتے ہیں اعتماد کرتے ہیں، اور دکان والا بھی ایسے کام کرنے والے پر عادۃً فارغ نہیں ہوتا، تو اس عقد کو جائز قرار دینے میں سب کی غرض حاصل ہو جاتی ہے، وہ اس طرح کہ عامل اپنے عمل کی اجرت پالیتا ہے اور دکان والا اپنی دکان کی منفعت کا عوض پالیتا ہے، اور عام لوگ کام کرنے والے کے عمل کی منفعت حاصل کر لیتے ہیں۔ اب دکان کے لئے عامل کے نفع میں سے فضل حلال ہے، اس لئے کہ اس نے عامل کو اپنی دکان پر بٹھایا اور اپنے سامان کے ذریعے اس کی اعانت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور صنعتی دنیا میں بھی بعض اوقات [illegible] بھی بعض یہ کام کرتا ہے جیسا کہ درزی کوئی جگہ لے لیتا ہے اس میں کپڑا کاٹنے کا کام ہوتا ہے پھر آگے کسی دوسرے کو یہ کام آرڈر پر دے دیتا ہے۔

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ عقد بھی اس اعتبار سے کہ لوگوں کی ضرورت کی بنا پر اس میں رخصت دی گئی ہے عقد سلم ہی کی قسم سے ہے۔

(تبصرہ: کیا مروجہ [illegible] عقد شرکت سے پہلے صرف وجود میں آیا تھا؟ ظاہر ہے کہ نہیں آیا تھا [illegible] جب شرکت ہی نہیں تھی تو زید عمرو کے ساتھ بیع میں کیسے حصہ دار ہوا؟ حالانکہ پہلے کی پیش کردہ ساری عبارت عقد شرکت کے بعد بیع میں شرکت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ عقد شرکت سے قبل۔ محمد حنیف)۔

یہ وہ صورت ہے کہ جس میں جو نظیریں پیش کی گئی ہیں، وہاں اگرچہ ایک شخص دوسرے کے مال، عمل یا وجاہت سے مستفید ہوا ہے لیکن ان کے درمیان عقد پہلے سے موجود ہے، اور بینکاری کے طریقہ کار میں جو لوگ بعد میں شرکت شروع ہونے کے بعد آتے ہیں وہ عقد میں پہلے سے شریک نہیں تھے، لیکن ایک نظیر ایسی بھی موجود ہے جہاں پہلے سے عقد نہ ہونے کے باوجود فریقوں کے درمیان مضاربت تسلیم کی گئی، اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور فیصلہ ہے جو موطا امام مالک میں منقول ہے، اور وہ یہ کہ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اور عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم عراق گئے جہاں اس وقت حضرت ابو موسیٰ اشعری گورنر تھے، ان کے پاس کچھ رقم حضرت عمر کے پاس مدینہ منورہ بھیجنا چاہتے تھے، جب حضرت عمر کے یہ صاحبزادے واپس مدینہ منورہ آنے لگے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ان سے کہا کہ یہ رقم میں آپ کو قرض کے طور پر دیتا ہوں آپ چاہیں تو اس کا سامان یہاں سے خرید کر وہاں بیچ دیں نفع خود رکھ لیں، اور اصل رقم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کے ہر شخص کو قرض دے کر یہ معاملہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا نہیں، تو انہوں نے کہا کہ [illegible] مال اور اس کا نفع واپس کریں۔ حضرت عبیداللہ نے فرمایا کہ اگر یہ مال ہلاک ہو جاتا تو اس کا ضمان ہم پر ہوتا، اس لئے اس کا نفع بھی ہمیں ملنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات نہیں مانی، پھر ایک صاحب نے تجویز پیش کی کہ آپ اسے مضاربت بنا دیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

یہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مضاربت قرار دے کر آدھا نفع ان صاحبزادوں کو دیا اور آدھا بیت المال میں جمع کروا دیا۔ (موطا امام مالک باب ما جاء فی القراض، حدیث نمبر ۱۱۹۵)

(اقول: قرض لینے ہی پر ان صاحبزادگان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ضمان میں آ گیا تھا۔ ۱۲ ابو ممتاز)

اس واقعے میں جب قرض ان صاحبزادوں کو دیا گیا اس وقت مضاربت کا کوئی عقد نہیں تھا، لیکن عمرؓ نے بعد میں اسے مضاربت قرار دیا۔ اس فیصلے کی فقہاء کرامؒ نے متعدد توجیہات کی ہیں، ان میں سے ایک توجیہ یہ بیان کی گئی ہے:

"ان عمر اجری علیھما الحکم فی الربح حکم القراض الصحیح، وان لم یتقدم منھما عقد، لأنه کان من الأمور العامة ما یتسع حکمه عن العقود الخاصة، فلما رأی المال [illegible] و العمل منھما و لم یرھما متعدیین فیه، جعل ذلک عقد قراض صحیح و ھذا ذکرہ أبو علی بن أبی ھریرۃ۔ (المجموع شرح المهذب ج ۱۴ ص ۹)

(اقول: لأنه کان من الأمور العامة ما یتسع حکمه عن العقود الخاصة" یہ عبارت صریح اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ولایت سے اس کو مضاربت کی طرح قرار دیا ہے لہٰذا اسے [illegible] کرنے کے لئے [illegible] "کمپنی پیداوار" کے قانون کی اتنی بڑی اور کلی عمارت قائم کرنا، کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ ۱۲ ابو ممتاز)

یہ تحقیق [illegible] سے [illegible] ہے۔ یہ صورتیں "کمپنی پیداوار" کے طریقے پر پوری طرح منطبق ہیں، [illegible] ہے کہ [illegible] شرکت کی [illegible] صورتوں کو عرف و تعامل اور حاجت کی بنیاد پر جائز قرار دیا ہے جس میں [illegible] ایک شخص دوسرے کے پیسے یا اس کی جائیداد سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ **(اقول بغیر عقد اور ضمان کے بعد، "کمپنی پیداوار" کے طریقے میں بدون عقد اور ضمان دوسرے کے پیسے یا جائیداد سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے کیونکہ [illegible] عقد ہے اور نہ ضمان لہٰذا یہ قیاس و تخریج مع الفارق ہے۔ ۱۲ ابو ممتاز)** لہٰذا جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا "کمپنی پیداوار" کے طریقے میں اگر [illegible] ہے اس سے شرکت کے [illegible] کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی، بلکہ اس کے نفع کا [illegible] سے [illegible] ہے جس [illegible] سے کاروبار میں اس کا [illegible] شامل نہیں تو شرکت کا وہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیونکہ یہ اصول ہے کہ کسی صورت میں کوئی شریک نفع سے محروم نہ ہو یعنی انقطاع شرکت لازم نہ آئے بلکہ وہ اصول ہے جو فقہائے کرام نے ذکر کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ "الوضیعة علی المال و الربح علی ما اصطلحوا علیه" یعنی اس صورت میں مختلف ہے۔" اقول: انا للہ وانا الیہ راجعون بزرگو پھر جب نقصان ہو جب مضاربہ سے متعلق نقصان وضیعہ ممبر کے مال پر کیسے کرے گا؟ اور ربح میں کیسے شریک ہوگا؟

(محمد تقی عثمانی، اسلامی بینکاری ص ۱۴۲۸ھ)

اقول: یہ "بیع اور مضاربہ کی تقسیم کا طریقہ کار" جس کی آسان سی مثال سے وضاحت کی گئی ہے مجوزین حضرات کا خود ساختہ طریقہ کار ہے، اس پر کسی ایک فقیہ اور مجتہد شریعت کا حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں مجوزین حضرات اس کتاب "مروجہ اسلامی بینکاری" میں لکھی گئی ہیں کسی ایک عبارت میں بھی اس طریقہ کار کا ذکر نہیں، صرف اپنی رائے ہے۔

پھر یہ طریقہ کار "اصول مسلّمہ" کے خلاف ہے جن کی بنیاد پر حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے "حدیث مصراة" کے ظاہر کو ترک کیا ہے، حالانکہ "حدیث مصراة" صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے جو سند کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے۔ جب یہ اصول اتنے قوی اور قابل اعتماد ہیں کہ ان کی وجہ سے صحیح حدیث کا ظاہر چھوڑ دیا گیا ہے تو ان اصول مسلمہ کے خلاف مجوزین حضرات کا خود ساختہ بلا دلیل یہ "پول" کی بنیاد پر "تقسیم منافع کا طریقہ کار" کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے؟

ذیل میں وہ اصول مسلّمہ ملاحظہ ہوں۔

﴿اصول مسلّمہ﴾

الأصل الأول: الخراج بالضمان

عن مخلد بن خُفاف قال: ابتعت غلاما فاستغللته ثم ظهرت منه على عيب فخاصمت فيه إلى عمر بن عبد العزيز فقضى لي برده وقضى عليّ برد غلته فأتيت عروة فأخبرته فقال: أروح إليه العشية فأُخبره أن عائشة أخبرتني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى في مثل هذا: أن الخراج بالضمان فراح

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

إليه ضرورة فتقضي لي أن آخذ الخراج من الذي قضى به علي له، رواه في شرح السنة. (المشكوة ۲۴۸)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالى: قال الطيبي رحمه الله الباء في بالضمان متعلقة بمحذوف تقديره الخراج مستحق بالضمان أي بسببه و قيل الباء للمقابلة و المضاف محذوف أي منافع المبيع بعد القبض تبقى للمشتري في مقابلة الضمان اللازم عليه بتلف المبيع و نفقته و مؤنته و منه قوله عليه الصلوة و السلام: من عليه غرمه فعليه غنمه، و المراد بالخراج ما يحصل من غلة العين المبتاعة عبدا كان أو أمة أو ملكا و ذلك أن يشتريه فيستغله زمانا ثم يعثر منه على عيب قديم لم يطلعه البائع عليه أو لم يعرفه فله رد العين المعيبة و أخذ الثمن و يكون للمشتري ما استغله لأن المبيع لو تلف في يده لكان من ضمانه و لم يكن له على البائع شيء (المرقاة ج ۶ ص ۸۹، ط رشیدیہ جدید)

"مخلد بن خفاف فرماتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا، پھر میں نے اس کو مزدوری پر لگایا، پھر میں نے اس کی مزدوری کو وصول بھی کر لیا، پھر مجھے اس کا ایک پرانا عیب معلوم ہوا (جو) اس کی وجہ سے تھی، تو میں نے اس کے متعلق مقدمہ کے لئے (حضرت) عمر بن عبد العزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے پاس مقدمہ لے گیا، انہوں نے فیصلہ دیا کہ میں یہ غلام اس عیب کی وجہ سے اس کے مالک کو لوٹا دوں اور جو مزدوری حاصل کی وہ بھی اس کے مالک کو واپس کر دوں، پھر میں عروہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے پاس گیا اور ان کو اس تمام معاملے کی روئیداد سنائی تو انہوں نے فرمایا کہ (حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس فیصلہ میں مزدوری واپس کر دینے کے حکم میں غلطی ہوئی ہے) اور میں شام کو ان کے پاس جاؤں گا (اور حضرت) عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی روایت بیان کروں گا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کے ایک فیصلہ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ نفع اس کا حق ہے جو نقصان کا ذمہ دار رہے گا (کیونکہ غلام کی مزدوری کے عرصہ میں اگر اس سے کوئی نقصان ہوتا یا غلام مر جاتا تو اس کی ذمہ داری اس مشتری اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قریب سے گزر گئی جبکہ اس مدت میں نفع بھی اسے ہی ملتا ہے) سو عروہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) شام کو ان کے پاس تشریف لے گئے پھر (حضرت) عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے میرے لئے فیصلہ کیا کہ میں وہ نفع اس مالک سے واپس لے لوں۔"

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نفع اس کو ملتا ہے جو تاوان اور نقصان کا ذمہ دار ہے۔

"جبکہ یہ لوگ بعض اس اصول کے خلاف بعد میں شریک ہونے والے کو بعض صورتوں میں گذشتہ ایام کے نفع میں بھی حصہ دار بنا دیتے ہیں حالانکہ شریک بعد میں ہونے کی وجہ سے وہ گذشتہ تجارت کے نقصان کا ضامن نہیں ہے تو گذشتہ نفع کا مستحق بھی نہیں ہوگا۔

(الأصل الثاني): الغنم بالغرم

عن سعيد بن المسيب أن رسول الله ﷺ قال: لا يغلق الرهن الرهن من صاحبه الذي رهنه له غنمه وعليه غرمه. رواه الشافعي مرسلا (المشكوة ۲۵۰۳)

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی چیز کو رہن (گروی) رکھنا اس مرہون شی (کی ملکیت اور منافع) سے اس کے مالک کو نہیں روکتا (یعنی کسی چیز کو گروی رکھنے سے راہن اور مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوتی) لہٰذا اس گروی رکھی ہوئی چیز کے جو نفع اور بڑھوتری کا حقدار راہن ہی ہوگا اور وہی اس کے نقصان کا بھی ذمہ دار ہوگا۔"

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ فائدہ وہ اٹھائے جو نقصان سہے، یعنی کسی چیز کا فائدہ اس کو حاصل ہوگا جس کے ذمہ اس چیز کا تاوان ہے۔

"جبکہ یہ لوگ بینکاری کے مروجہ نفع کی تقسیم کے طریق کار" میں اس قانون کے خلاف بعد میں آنے والے شریک کو بعض صورتوں میں گذشتہ تجارت کے فائدے کا حقدار بنایا گیا ہے۔

(الأصل الثالث): لا يحل ربح ما لم يضمن

قال رسول الله ﷺ: لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح ما لم يضمن ولا بيع ما ليس عندك. رواه الترمذي وأبو داود والنسائي (المشكوة ۲۸۷۰)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرض اور بیع (ایک دوسرے سے متعلق کر کے) حلال نہیں ہے، اور بیع میں دو شرطیں

کر لی ہو درست نہیں، اور اس چیز سے نفع اٹھانا درست نہیں جو ابھی اپنی ضمان (قبضہ) میں نہیں آئی اور اس چیز کو بیچنا جو تمہارے پاس نہیں (یعنی تمہاری ملکیت میں نہیں)۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کے نقصان کا کوئی ضامن نہیں اس کا نفع اس کے لئے حلال نہیں۔

"کمپنی پول" کی صورت میں بعض صورتوں میں گذشتہ تجارت کا تمام نفع بعد میں آنے والے شرکاء کو مل جاتا ہے، یہ نفع ان کے لئے حرام ہے کیونکہ جب یہ بعد کے شرکاء شرعاً اس قانون کے مطابق گذشتہ تجارت کے نقصان کے ضامن ہی نہیں تو اس کا نفع بھی ان کے لئے حلال نہ ہوگا۔

قارئین کرام! حضرت نے "کمپنی پول" کے طریق کار کے ثبوت اور جواز کی خاطر جتنی عبارات اور مثالیں ذکر فرمائی ہیں کسی ایک سے بھی حضرت کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان تمام مثالوں کا مدار اس پر ہے کہ ان میں جس طرح نفع میں شریک ہیں اسی طرح ایک دوسرے کے ضامن اور کفیل بھی ہیں یعنی نقصان میں بھی شریک ہیں جبکہ مروجہ بینکوں میں جو شخص (مثلاً) چھ مہینے کے بعد آکر شریک ہوا ہے اگر بینک کو پہلے چھ مہینے میں کسی قسم کا نقصان ہو چکا ہو تو بعد میں آنے والا شخص شرعاً اس نقصان میں شریک اور اس کا ضامن نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر پہلے نفع ہوا ہو تو یہ شخص شرعاً اس نفع کا حقدار بھی نہیں بن سکتا۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ [illegible] اور ان سے یہ وعدہ لیا کہ بعد میں آنے والے بھی اس نفع میں شریک ہوں گے ان کو بھی اس کا کچھ حصہ دے دیں گے، اور بعد میں آنے والے پر گذشتہ مہینوں کے نقصان کے کچھ حصے کے [illegible] گذشتہ نقصان کا کچھ حصہ ڈال دیا جائے گا، کیا شرعاً درست ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ وعدہ بھی خلاف شریعت اور ناجائز ہے۔ خود حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ نے اس قسم کے ناجائز وعدے کو ناجائز قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

"اگر کسی خلاف شریعت کام کا کوئی وعدہ دیا گیا تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں مثلاً ایک شریک دوسرے شریک سے یہ وعدہ کرے کہ کاروبار میں جو بھی نقصان ہوگا تو میں اس کی تلافی کر کے تمہیں دوں گا تو یہ وعدہ بھی چونکہ سارا نقصان اپنے ذمہ لے لینے کا وعدہ ہے جو شرعاً جائز نہیں اس لئے یہ وعدہ بھی جائز نہیں۔"

(غیر سودی بینکاری ص ۱۵۸)

نیز [illegible] مشہور فقہی اصول "الخراج بالضمان"، "الغنم بالغرم" لا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"یحتمل ربح مالم یضمن" کے خلاف ہیں اس لئے ان کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں جبکہ بینک کا "پہلے پیداوار کی تجاویز پھر منافع کی تقسیم کا طریقہ کار" ان اصولوں کے صریح خلاف ہے اور ناجائز ہے اس لئے کسی ایک فقیہ حنفی نے بھی اس کو جائز قرار نہیں دیا۔

راس المال کا معلوم ہونا

اسلامی شرکت کے لئے ضروری ہے کہ ہر شریک کو اپنے سرمایہ کی مقدار کے اعتبار سے نفع کی نسبت معلوم ہو اور نفع کی اس نسبت کے لئے کل سرمائے کا معلوم ہونا ضروری ہے، جب تک کل سرمایہ معلوم نہ ہوگا نفع کی نسبت معلوم ہی نہیں ہو سکتی، مثلاً ایک شریک کا سرمایہ ایک لاکھ روپے ہے، اب اس کو نفع کتنا ملے گا؟

اس کے لئے پہلی بات تو یہ ضروری ہے کہ کل سرمایہ معلوم ہو جائے تاکہ اس کو پتا چل جائے کہ ایک لاکھ کل سرمایہ کے کتنے فیصد کی نسبت ہے۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ مثلاً کل سرمایہ ایک کروڑ ہے تو اب اس کو پتا چل جائے گا کہ اس کے ایک لاکھ سرمائے کی کل سرمایہ سے نسبت 1/100 ہے یعنی کل سرمایہ کا سواں حصہ ہے۔

دوسری بات یہ ضروری ہے کہ جو شریک عمل (کام) کرتے ہیں اگر ان کا نفع عمل کی بنیاد پر اپنے سرمایہ سے زیادہ ہے تو اس کو معلوم ہونا بھی ضروری ہے ورنہ شرکاء کا نفع مجہول ہوگا، مثلاً چار شرکاء ہیں، ہر ایک کا راس المال دس دس لاکھ ہے یعنی ہر ایک کا سرمایہ مثلاً دس دس لاکھ ہے اور کل راس المال چالیس لاکھ ہے، ان میں سے دو شریک کام کرتے ہیں اور دو کوئی کام نہیں کرتے ہیں، اب کام کرنے والوں کے لئے منافع کا صد نفع متعین کیا گیا جو کام نہ کرنے والوں کے نفع سے زیادہ متعین ہو۔

پہلی اس مثال سے واضح ہو گیا کہ کل راس المال کے معلوم ہونے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ شرکاء کے نفع کی نسبت بھی معلوم ہو جائے ورنہ شریک کے لئے نفع مجہول رہے گا۔

اگر شرکاء میں سے کوئی بھی عمل نہ کرے بلکہ سب اپنا سرمایہ اکٹھا کر کے کسی غیر شریک کو بطور مضاربت پر دے دیں تو ایسی صورت میں اگر مضارب کے لئے نفع کی نسبت مقرر ہو، مثلاً رب المال ایک فیصد ہے مثلاً دو دو ایک ہے اس کی صورت نفع کی نسبت مقرر ہے اور باقی سب رب المال کو دیتا ہے تو اس صورت میں صرف دو باتوں کا علم ضروری ہے۔ ایک یہ کہ کل سرمایہ کتنا ہے اور دوسرے یہ کہ مضارب کا نفع کتنا ہے؟ ان دو باتوں سے ہر ایک کو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جیسے مثلاً ایک کا سرمایہ ایک لاکھ ہے اور کل سرمایہ ایک کروڑ ہے اور مضارب کا نفع ۵۰ فی صد ہے تو رب المال ایک لاکھ روپیہ دینے والے کو معلوم ہو گیا کہ مجھے کل نفع کا 2 / 1 یعنی آدھا فی صد ملے گا۔

اور اگر مضارب نے ارباب الاموال سے نفع کا تناسب ایک نہیں رکھا بلکہ کسی سے زیادہ اور کسی سے کم رکھا ہے مثلاً کسی کو ۵۰ فی صد نفع دیتا ہے کسی کو ۴۰ فی صد اور کسی کو ۳۰ فی صد تو اس صورت میں ہر شریک کو یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ مضارب نے میرے ساتھ نفع کی جو نسبت طے کی ہے وہ کیا ہے؟ ورنہ نفع مجہول رہے گا۔

الغرض اسلامی شرکت اور مضاربت میں ہر شریک اور رب المال کے نفع کے تناسب کا معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ شرعی اسلامی شرکت اور مضاربت نہ ہوگی۔ اور نفع کے اس تناسب کا معلوم ہونا صرف جب یا اس تفصیل کے مطابق کل راس المال کے معلوم ہوئے بغیر نہیں ہو سکتا اس لئے ہر شریک کے لئے ضروری ہے کہ اسے یہ معلوم ہو کہ میرے پیسے راس المال میں جس حد تک جمع ہوا ہے یہ کتنے سرمایہ سے ہوا ہے؟ چونکہ اسلامی بینکوں میں کل سرمایہ کبھی بھی کسی کا اس طرح معلوم نہیں ہوتا اور نہ ہی معلوم ہونا ممکن ہے؟ کیوں؟ ـــ اس لئے کہ بینک نے جو طریق تقسیم نفع کا اپنایا ہے اس کے تحت یہ ناممکن ہے۔

دیکھئے! بینک میں جو شخص جس تاریخ کو شرکت اور مضاربت کرتا ہے اس تاریخ کو کل راس المال کی مقدار الگ ہوتی ہے اس کے بعد ہر دن الگ مقدار ہوتی ہے، ہر شخص جو دن کا سرمایہ الگ الگ ہوتا ہے اور جس دن وہ نفع تقسیم کرتا ہے خواہ ایک ماہ کے بعد تقسیم کرے یا چھ ماہ یا سال کے بعد کرے، تقسیم نفع کے دن اس تاریخ میں کتنا سرمایہ ہوتا ہے جبکہ یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ اس سرمایہ سے گزشتہ ایک ماہ یا چھ ماہ یا ایک سال سے کتنا موجود ہے جبکہ اسلامی شرکت و مضاربت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر شریک اور رب المال کو یقینی طور پر معلوم ہو کہ تقسیم نفع کی تاریخ تک جتنے سرمایہ کی نفع اس پورا ایک ماہ یا چھ ماہ یا ایک سال کاروبار رہا ہے اس کی مقدار کتنی ہے اسی لئے علماء کرام دیوبند نے ان بینکوں کی شرکت و مضاربت کو غیر اسلامی اور ناجائز قرار دیا۔

اس تفصیل کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا یہ جواب کہ "بینکوں میں کل راس المال مجہول نہیں ہے" وہ تحکم محض اور بطلان کی بھی صورت صحیح نہیں ہو سکتا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبد الواحد صاحب وغیرہ علماء کرام دیوبند نے جو راس المال کے مجہول ہونے کا اعتراض کیا ہے، وہ بہت وزنی اور اپنی جگہ بالکل درست ہے اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تحریر کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

اس تمہید کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی اس عنوان سے متعلق پوری عبارت ملاحظہ فرمائیے پھر اس کا جائزہ لیں گے۔

تبصرہ:

"میں نے اپنے مقالے میں عرض کیا ہے کہ اس طریقے پر یہ اعتراض بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں راس المال کی مقدار عقد شرکت شروع ہونے کے وقت معلوم نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عقد شرکت کے وقت راس المال کا معلوم ہونا شرط نہیں ہے، بدائع میں ہے:

"وأما العلم بمقدار رأس المال وقت العقد فليس بشرط لجواز الشركة بالأموال عندنا" (ج ٦ ص ٦٣)

اس پر حضرت مولانا مفتی عبد الواحد صاحب مدظلہم نے یہ اشکال کیا ہے کہ صاحب بدائع نے ہی آگے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب کوئی چیز شرکت کے لئے خریدی جائے گی، اس وقت دراہم و دنانیر وزن کر کے دیے ہوں گے تو راس المال معلوم ہو جائے گا۔ (ملاحظہ ہو معاشی مسائل ص ١٤٣)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شرکت میں اگر سارے راس المال سے ایک دم چیزیں نہیں خریدی جاتیں، بلکہ تھوڑی تھوڑی کر کے خریدی جاتی ہیں، تو صاحب بدائع کا مطلب یہ ہے کہ پہلی خریداری کے وقت اتنا راس المال معلوم ہو گیا جس سے خریداری کی گئی، پھر پورا راس المال آخری خریداری پر معلوم ہو جائے گا، یہاں تک کہ جب نفع کی تقسیم کے وقت آئے گا تو اس وقت پورا راس المال معلوم ہو چکا ہو گا، اور راس المال کا معلوم ہونا اسی لئے ضروری ہے کہ نفع کی تقسیم اس پر موقوف ہے۔ چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت یہ ہے:

وَلَنَا أَنَّ الْجَهَالَةَ لَا تَمْنَعُ جَوَازَ الْعَقْدِ لِعَيْنِهَا بَلْ لِإِفْضَائِهَا إِلَى الْمُنَازَعَةِ، وَجَهَالَةُ رَأْسِ الْمَالِ وَقْتَ الْعَقْدِ لَا تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ؛ لِأَنَّهُ يُعْلَمُ بِمِقْدَارِهِ ظَاهِرًا وَغَالِبًا؛ لِأَنَّ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ تُوزَنَانِ وَقْتَ الشِّرَاءِ فَيُعْلَمُ مِقْدَارُهَا فَلَا يُؤَدِّي إِلَى جَهَالَةِ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حقه من الربح وقت القسمة (بدائع الصنائع، کتاب الشرکۃ، ج ۶ ص ۹۳)

لہٰذا تقسیم سے پہلے تصرف درست ہے، پورے رأس المال کا معلوم ہونا نفع کی تقسیم کے وقت ضروری ہے، تاکہ اس کے مطابق طے شدہ شرح سے نفع تقسیم کیا جائے، اور جوں جوں کاروبار میں روپیہ لگتا رہے گا، رأس المال معلوم ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ تقسیم کے وقت سب کچھ واضح ہو چکا ہوگا۔"

(غیر سودی بینکاری ص ۳۴۴، ۳۴۵)

اقول: ہم نے مان لیا کہ بدائع الصنائع کی عبارت کا وہی مطلب ہے جو حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے بیان فرمایا ہے کہ

"پورے رأس المال کا معلوم ہونا نفع کی تقسیم کے وقت ضروری ہے تاکہ اس کے مطابق طے شدہ شرح سے نفع تقسیم کیا جا سکے، اور جوں جوں کاروبار میں روپیہ لگتا رہے گا، رأس المال معلوم ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ تقسیم کے وقت سب کچھ واضح ہو چکا ہوگا۔"

مگر تحریر ہم نے جو شرکت جاریہ کی ہے اس کے پیش نظر ایک نقطہ وضاحت کر کے بتلائیے کہ یہ دعویٰ کہ "تقسیم کے وقت سب کچھ واضح ہو چکا ہوگا" یہ حقیقت کے خلاف اور باطل نہیں؟ عقد شرکت و مضاربت کے بعد تقسیم نفع تک مسلسل کاروبار میں سرمایہ لگانے سے سب کچھ اسی وقت واضح ہو سکتا ہے جب رأس المال کی مقدار ابتداء عقد سے تقسیم نفع تک یکساں ہو، اگر درمیان کا رأس المال بدلتا ہو تو تقسیم کے وقت کیسے واضح ہو سکتا ہے کہ شرکت و مضاربت کے پورے زمانے میں کتنی مدت کس حصہ سے تاریخ تقسیم نفع تک پورا رأس المال لگا رہا؟ اس دعویٰ کے بطلان اور عدم صحت میں کس عاقل کو تردد ہو سکتا ہے؟

ایک نیا دعویٰ اور اس کا بطلان

تحریر فرماتے ہیں:

"اصولاً اگرچہ یہ کہا جائے کہ نفع کی تقسیم تک جتنا سرمایہ لگتا ہے وہ سارے کا سارا پہلے دن ہی معلوم ہونا چاہئے لیکن اصل مقصد یہ ہے کہ تقسیم کے وقت سرمایہ لگانے کے بعد نفع کی تقسیم تک کسی بھی فریق کو سرمایہ نکالنے کی اجازت نہیں ہے، اور یہ بات بھی کچھ زیادہ غلط ہے، اسی لئے ابتداء عقد کا سرمایہ"

نے فرمایا کہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پہلے سے طے ہو جاتا ہے، جو حقیقت میں تقسیم نفع کے لئے ضروری ہے۔ اور یہ علم پیداوار کے زیر بحث طریقے میں بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ شروع میں راس المال کی ایک مقدار معلوم ہوتی ہے، پھر جوں جوں اس میں رقمیں ڈالتے جاتے ہیں وہ رقمیں معلوم ہوتی جاتی ہیں، یہاں تک کہ نفع کے حساب کے وقت پوری صورت حال اس طرح واضح ہو چکی ہوتی ہے کہ کسی نزاع کا احتمال نہیں رہتا۔ پھر یہ بات صرف بینکوں یا کمپنیوں کے ساتھ مضاربت کا تعلق ہوتا ہے، اور مضاربت میں بھی معاملہ یہ ہے کہ اس میں یہ ضروری نہیں کہ پہلے رب المال مضارب کو مال دینے کے بعد کوئی اور مال نہ دیا جائے، بلکہ مضاربت کے شروع میں جتنا مال دیا گیا ہو اور کاروبار شروع ہونے کے بعد دوسرا مال بھی اسی طرح دیا جا سکتا ہے، اور دونوں مالوں کو آپس میں خلط بھی کیا جا سکتا ہے، چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ملاحظہ فرمائیے:

قال محمد رحمه الله تعالى: ومن دفع إلى غيره ألف درهم مضاربة بالنصف، ثم دفع إليه ألف درهم آخر مضاربة بالنصف أيضا، فخلط المضارب الألف الأولى بالثانية، فالأصل في جنس هذه المسائل: أن المضارب متى خلط مال رب المال بمال رب المال لا يضمن ــــ فإن قال له رب المال في المضاربتين جميعا: اعمل فيه برأيك فخلط أحدهما بالآخر، فإنه لا يضمن واحدا من المالين سواء خلطهما قبل أن يربح في المالين، أو بعد ما ربح في المالين أو بعد ما ربح في أحدهما دون الآخر، لأنه في بعض هذه الفصول خلط مال رب المال بمال رب المال، وأنه لا يوجب ضمانا على المضارب، وإن لم يقل له: اعمل فيه برأيك، فإذا قال له ذلك فيهما أولى أن لا يضمن. وفي بعض هذه الفصول خلط مال رب المال بمال نفسه وهو حصته من الربح، إلا أنه أذن له رب المال بهذا الخلط لما قال له: "اعمل برأيك" ألا ترى أنه لو خلطهما بمال آخر خاص للمضارب لم يضمن، فلأن لا يضمن وقد خلطهما بمال مشترك بينه وبين رب المال، وهو حصته من الربح، أولى"

(المحيط البرهاني، كتاب المضاربة، الفصل الثاني عشر، ج۸، ص۲۱۵)

تو یہاں بھی یہی صورت ہے کہ پہلا مال مضاربت کے دوران ہی آ گیا ہے، نفع وہ معلوم ہو جائے گا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہاں سمجھیں کہ جب حساب کا وقت آئے گا تو مکمل راس المال معلوم ہو چکا ہوگا، اور اگر راس المال پر کوئی اضافہ ہوا ہے تو وہ نفع کی شکل میں مضارب اور ارباب الاموال کے درمیان طے شدہ شرح سے تقسیم ہوگا۔ چونکہ بعد میں آنے والے ان کے پچھلے سے معلوم نہ ہونے کی بنا پر ایسی جہالت پیدا نہیں ہوتی جو نزاع کو مفضی ہو، اور مفضی الی النزاع ہو، اس لئے صاحب بدائع کے مذکورہ بالا ارشاد کے مطابق یہ جہالت مضر نہیں ہوگی۔" (اسلامی بینکاری [illegible])

اقول:

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ سرمایہ لگانے کے بعد نفع کی تقسیم تک کسی بھی فریق کو مزید سرمایہ لگانے کی اجازت نہیں ہے، جبکہ یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔" (غیر سودی بینکاری ص ۳۲۵)

اس عبارت میں ایک یہ بات کہی ہے کہ عقد شرکت طے ہونے کے بعد تقسیم منافع سے قبل عقد کی مدت گزرنے کے بعد اگر کوئی فریق مزید پیسے ملانا چاہے تو شرکت کے شرکاء جن میں سے کوئی ایک شریک راس المال کو اگر بڑھانا چاہے [illegible] ایک اکاؤنٹ میں [illegible] کر کے اپنے سرمایہ کو بڑھانا چاہے [illegible] تو اس کا جائز کہنا بھی غلط ہے۔

چونکہ موجودہ مروجہ اسلامی بینکوں میں [illegible] اس قسم کی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں کہ پہلے شرکاء میں سے بعض مزید رقم [illegible] جمع کراتے رہتے ہیں اور بہت سارے لوگ بار بار آنے والے نئے لوگ اکاؤنٹ کھلواتے ہیں [illegible] شرکت اور راس المال کے اضافہ کو اس نئے طریق میں مطلقاً جائز کہا گیا ہے، اور [illegible] شریک کا عقد شرکت کے بعد سرمایہ میں اضافہ کرنا [illegible] سے مشروط ہے [illegible] اضافہ اور شرکت [illegible] ان بینکوں کے اندر سرمایہ میں اضافہ اور نئے آنے والے کو شریک کرنے کی [illegible] اور اس کو جائز کہنا بھی [illegible] ہے!... کیوں؟...!!!

اس "کیوں" کا اصولی اور مختصر جواب یہ ہے کہ یہ عقد جن شرائط پر موقوف ہے ان میں سے بعض شرائط کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھی یہ ہے سالانہ کی وجہ سے قدیم عقد حکماً ختم ہو جاتا ہے اور سرمایہ میں اضافہ اور جدید شریک کے آنے کے وقت سے یہ عقد شروع ہو جاتا ہے، اس لئے آمدنی و نفع کی تقسیم اس جدید عقد کی بنیاد درست کے لحاظ سے ہوگی۔

چونکہ بینک کے لئے ان شرائط کے تحت [illegible] مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، کیونکہ بینک میں اس قسم کے [illegible] روزانہ [illegible] ہوتی ہیں اور ہر بار قدیم شرکت کو جدید میں تبدیل کرنا بینک کے بس میں نہیں، اس لئے بینک نے شرکت کی تمام اصول و شرائط کی مخالفت کرکے بدون شرائط مطلق اجازت دی ہے۔

ایسی صورت میں اگر علمائے حق کی ایک جماعت [illegible] اس خلاف شرع معاملہ کو درست کرکے اس کو جائز قرار دیتی ہے تو اس میں ان کا کیا عذر ہے؟

کیونکہ [illegible] کا تفصیلی جواب [illegible] شرکت میں کسی شریک کا سرمایہ میں اضافہ اور غیر شریک کو شریک کرنے کی شرائط کیا ہیں؟ اور وضاحت ہو۔

[illegible] بینک کی شرکت اور مضاربت ان شرائط کا پابند ہے یا آزاد اور خلاف شرع ہے؟

شرائط:

(١) سب شرکاء کی اجازت ہو۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: لا يملك الشريك الشركة الا باذن شريكه

وقال العلامة الشامي رحمه الله تعالى: (قوله: لا يملك الشريك) اي شريك العنان (الشامية ج٤ ص٣٢٥، دار [illegible])

(٢) [illegible]

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر [illegible] عقد میں فسخ ہو جائے تو اس نئے آنے والے شریک کی شرکت اور [illegible] کی وضاحت [illegible] ہیں۔

پہلی صورت: [illegible] شریک کو شریک کیا جائے، اور اس حصے کا [illegible] اور قیمت [illegible] حصوں کے تناسب سے تقسیم کر لیں [illegible] کوئی ایک شریک دوسرے شریک کا [illegible] حصوں کے تناسب سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقسیم کر لیں۔

اس صورت میں سرمایہ میں نئے شریک کی شرکت اور قدیم شریک کے اضافے کی وجہ سے مزید اضافہ نہیں ہوگا بلکہ ایک شریک بڑھ جائے گا — یا — قدیم شرکاء میں سے ایک کا سرمایہ بڑھ جائے گا۔

اس صورت میں طریقہ کار یہ ہے کہ یا تو پرانے شرکاء سابقہ مدت میں حاصل شدہ نفع آپس میں بانٹ لیں اور پھر نئے شریک کو اصل سرمایہ جو کہ ابتدائے معاہدے کے وقت تھا، میں شریک کر لیں، مثلاً بوقت عقد سرمایہ ۱۸ لاکھ روپے تھا، چھ ماہ بعد اس پر ۶ لاکھ نفع ہوا، اب نئے شریک نے آکر شرکت کی خواہش ظاہر کی تو قدیم شرکاء نے ۶ لاکھ نفع آپس میں تقسیم کر کے اصل سرمایہ ۱۸ لاکھ کے تین حصے کر کے ایک حصہ اس پر بیچ کر اس کو شریک کر لیا اور اس حصے کی قیمت بھی قدیم شرکاء آپس میں تقسیم کر لیں۔

اس صورت میں کل سرمایہ بدستور ۱۸ لاکھ ہی رہے گا، البتہ ایک شریک بڑھ جائے گا — یا — قدیم شرکاء یوں کریں کہ گزشتہ مدت کا نفع آپس میں تقسیم نہ کریں بلکہ اس کو اصل سرمایہ میں ضم کر کے سرمایہ بڑھا لیں پھر نئے آنے والے شریک کو اس اضافہ شدہ سرمایہ کے حصے کر کے شریک کر لیں، مثلاً مذکورہ بالا صورت میں جبکہ اصل سرمایہ بوقت عقد ۱۸ لاکھ تھا، چھ ماہ بعد ۶ لاکھ نفع ہوا اور چھ ماہ بعد ایک شخص آکر شریک ہونا چاہے تو پرانے شرکاء نفع کے ۶ لاکھ بھی سرمایہ کے ساتھ ملا کر اب کل سرمایہ ۲۴ لاکھ، پھر اس کے ایک حصے کو اس نئے آنے والے شریک کے ہاتھ فروخت کر دیں۔

اس صورت میں کل سرمایہ ۲۴ لاکھ سے بڑھ کر ۳۲ لاکھ روپے ہو جائے گا۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرنے کے بعد آنے والے کو چاہئے کہ وہ باقاعدہ شریک ہو یا پھر (نفع کی تقسیم اس تاریخ سے ہوگی جب سے شرکت شروع ہو گئی)

دوسری صورت: شرکاء اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے لئے اپنے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے لئے طریقہ یہ ہے کہ اب تک کا جو نفع ہوا ہے وہ شرکاء نکال کر آپس میں تقسیم کر لیں اور پھر اب نئے معاہدے کے وقت جو سرمایہ تھا اس کے حساب سے اس سے رقم لے کر اس کو شریک کر لیں — یا — گزشتہ مدت کے نفع کو اپنے سرمایہ کا حصہ بنا کر اس میں جمع کر لیں اور اس مجموعے کے حساب سے آنے والے کو شریک کر لیں (نفع کی تقسیم اس تاریخ سے ہوگی جب سے شرکت شروع ہو گئی)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

المحیط البرہانی، کتاب المضاربۃ، الفصل الثامن عشر، ج ١٨ ص ٢١٥، میں کئی جگہ اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ نفع آنے کے بعد رب المال متعین شرح کے مطابق اپنے حصے کا مالک بن جاتا ہے اور مضارب اپنے حصے کا، اگر مضارب نے نفع آنے کے بعد یہ مال کسی غیر کے مال سے خلط کیا تو رب المال کے اصل سرمایہ کے ساتھ ساتھ اس کے نفع کے حصے کا بھی ضامن ہوگا۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ کاروبار میں نفع اور نقصان آنے کے بعد بھی اجنبی کو شریک کرنے کی صورت میں صحیح یہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہیں، نئے شریک کی شرکت کے وقت نفع اور ربح کو کالمعدوم تصور کر کے یومیہ پیداوار کی بنیاد پر تقسیم نفع کے طریق کار جس کا جائزہ تفصیل سے گزر چکا ہے، کی بنیاد پر ہر شریک کے نفع کو متعین کر کے خلط کے وقت ایک کا مال دوسرے کے مال میں خلط ملانے کی وجہ سے کل مال میں شرکت معلوم ہے۔

اسلامی فقہی اصول کی روشنی میں اس طریقہ کار کی گنجائش ہے، کیونکہ تعیین نفع کے لئے ضروری ہے کہ تمام اثاثوں کا حساب کیا جائے اور سامان تجارت اور جامد اثاثوں جیسے مکان، فرنیچر، استعمال کی گاڑیاں وغیرہ کی قیمت لگوائی جائے اور ہر نئے شریک کی شرکت کے وقت روزانہ سرمائے میں اضافے کے وقت ان تمام چیزوں کا حساب لگانا ایک سے زیادہ مشکل ہے۔

اس مسئلے کی حقیقت ایک آن لائن تفصیل محیط برہانی میں یوں نقل کی جاتی ہے:

قال العلامۃ برہان الدین البخاری رحمہ اللہ تعالی: قال محمد رحمہ اللہ تعالی: ومن دفع الی غیرہ الف درہم مضاربۃ بالنصف، ثم دفع الیہ الف درہم آخر مضاربۃ بالنصف ایضاً، فخلط المضارب الالف الاولی بالثانیۃ، فالاصل فی جنس ہذہ المسائل: ان المضارب متی خلط مال رب المال بمال رب المال لا یضمن، ومتی خلط مال المضاربۃ بمال نفسہ، او بمال غیرہ ضمن.

وجنس ہذہ المسألۃ فی الحاصل علی ثلاثۃ اوجہ: اما ان قال رب المال فی کل واحد من المضاربتین: اعمل فیہ برأیک، او لم یقل: ذلک فیہما، او قال لہ ذلک فی احداہما دون الاخری. فان خلط المضارب مال المضاربۃ الاولی بالثانیۃ قبل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

أن يربح في المالين، أو بعد ما ربح فيهما، أو بعد ما ربح في أحدهما دون الآخر. فإن قال له رب المال في المضاربتين جميعاً: اعمل فيه برأيك، فخلط أحدهما بالآخر، فإنه لا يضمن واحداً من المالين سواء خلطهما قبل أن يربح في المالين، أو بعد ما ربح في المالين، أو بعد ما ربح في أحدهما دون الآخر. لأنه في بعض هذه الفصول خلط مال رب المال بمال رب المال، وإنه لا يوجب ضماناً على المضارب، وإن لم يقل له: اعمل فيه برأيك، فإذا قال له ذلك فيهما أولى أن لا يضمن، وفي بعض هذه الفصول خلط مال رب المال بمال نفسه، وهو حصته من الربح إلا أنه أذن له رب المال بهذا الخلط لما قال له: اعمل برأيك.

ألا ترى أنه لو خلطه بمال آخر خاص للمضارب لم يضمن، فلأن لا يضمن وقد خلطه بمال مشترك بينه وبين رب المال، وهو حصته من الربح أولى.

وإن لم يقل له في المضاربتين جميعاً: اعمل فيهما برأيك، فإن خلط أحد المالين بالآخر قبل أن يربح في واحد منهما، فإنه لا ضمان عليه لأنه خلط مال رب المال بمال رب المال، ولم يخلط بمال نفسه، ولا بمال غيره، فلا يضمن، ألا ترى أن المودع لو خلط إحدى الوديعتين بالأخرى، وكانتا لرجل فإنه لا يضمن، فالمضارب أولى، وإنه أقل حالاً من المودع، وإن خلطهما بعد ما ربح في المالين، فإنه يضمن المالين جميعاً، وحصة رب المال من ربح المالين قبل الخلط، لأنه خلط كل واحد من المالين بمال مشترك بينه وبين رب المال، فيضمن المالين جميعاً، وحصة رب المال من ربح المالين، واعتبر بما لو خلطهما المضارب بمال خاص لنفسه، وهناك يضمن المالين جميعاً، ويضمن حصة رب المال من ربح المالين، فكذا إذا خلطهما بمال مشترك بينه وبين رب المال.

وأما إذا ربح في أحد المالين دون الآخر، فإنه يضمن المال الذي لا ربح فيه، ولا يضمن المال الذي فيه ربح، إنما يضمن المال الذي لا ربح فيه، لأنه خالص مال رب المال لا شركة للمضارب فيه، وقد خلطه بمال مشترك بينه وبين رب

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

المال، و هو حصته من الربح الآخر، فيضمن كما لو خلطه بمال خاص لنفسه، و لا يضمن المال الذي ربح فيه، لأنه لو ضمنه فإنما يضمن، لأنه خلط المال الذي فيه ربح بعض ماله، فهو حصته من الربح، أو يضمن، لأنه خلط بالمال الذي لا ربح فيه، و لا يجوز أن يضمن لأنه خلط المال الذي فيه ربح بحصته من الربح، لأن هذا خلط تضمن عقد المضاربة، لأنه انما دفع المال إليه مضاربة ليربح، و متى ربح اختلط ربحه بربح المال لا محالة، و لا يجوز أن يضمن المال الذي فيه ربح، لأنه خلط بالمال الذي لا ربح فيه، لأن ثلاثة أرباع المال الذي فيه ربح مال رب المال، و قد خلطه بمال رب المال، و قد ذكرنا أن المضارب متى خلط مال رب المال بعضه ببعض، فإنه لا يضمن ثلاثة أرباع المال الذي فيه ربح بخلطه بالمال الذي لا ربح فيه، والربع من ذلك حصة المضارب من الربح، فيكون ملكاً له، ولا يضمن الانسان مال نفسه لنفسه، فلهذا قلنا: بأنه يضمن المال الذي لا ربح فيه، و لا يضمن المال الذي فيه ربح.

هذا إذا لم يقل له فيهما: اعمل فيه برأيك، فأما إذا قال له في احدى المضاربتين: اعمل فيه برأيك، و لم يقل له ذلك في الأخرى، فإن قال له في المضاربة الأولى: اعمل فيه برأيك، و لم يقل له ذلك في المضاربة الثانية، فخلط مال المضاربة الأولى بالثانية،

فالمسألة لا تخلو من أربعة أوجه: اما ان خلط أحد المالين بالآخر قبل أن يربح في أحد المالين، أو بعد ما ربح في أحد المالين، أو بعد ما ربح في مال الأولى، و لم يربح في مال الثانية، أو بعد ما ربح في مال الثانية، و لم يربح في الأولى، و في الوجهين منهما يضمن مال الثانية التي لم يقل له رب المال: اعمل فيه برأيك، و لا يضمن مال الأولى أجمعين، إذا خلط أحد المالين بالآخر بعد ما ربح في المالين جميعا

أنه لا يضمن مال الأولى في هذا الوجه، و ان خلط بمال مشترك بينه و بين

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

رب المال، و هو حصته من الربح من مال الثانية، لأنه مأمور بالخلط في الأولى، ألا ترى أنه لو خلط مال الأولى بمال خاص لنفسه، لم يضمن، فكذا اذا خلط بمال مشترك بينه و بين رب المال، و يضمن مال الثانية، لأنه خلط بحصته من الربح من مال الأولى، و لم يؤذن له بالخلط في مال الثانية، فانه لم يقل له فيها: اعمل فيه برأيك، فيضمن كما لو خلط بمال نفسه.

والوجه الثاني: اذا خلط احدهما بالآخر، و قد ربح في مال الأولى الذى قال له فيها: اعمل فيه برأيك، و فيه لا يضمن مال الأولى، لما ذكرنا، و يضمن مال الثانية، لأنه خلطه بمال مشترك بينه و بين رب المال، و هو حصته من ربح مال الأولى، و لم يؤذن له بالخلط في الثانية، فيضمن كما لو خلطه بمال خاص لنفسه، و في وجهين منهما لا يضمن، لا المال الأول و لا الثاني، أحدهما اذا خلط أحد المالين بالمال الثاني قبل أن يربح في واحد من المالين لأنه لم يقل له فيهما: اعمل فيه برأيك، لم يضمن اذا خلط أحد المالين بالآخر قبل أن يربح في واحد من المالين، فلأن لا يضمن، قال في المضاربة الأولى: اعمل فيه برأيك أولى و أحرى، و كذلك ان ربح في مال الثانية التي لم يقل له فيها: اعمل فيه برأيك، و لم يربح في مال الأولى الذى قال له فيها: اعمل فيه برأيك، و هو الوجه الثاني لا يضمن واحداً من المالين.

أما المال الأولى: فلما ذكرنا أن رب المال أذن له بالخلط في المال الثاني، لكنه خلط المال الثاني بمال رب المال، و انه لا يربح في المال الأول، و كان خالطاً المال الثاني بمال خاص لرب المال، و انه لا يوجب الضمان.

فلما لا قال له في المضاربة الأولى: اعمل فيه برأيك، و لم يقل ذلك في الأولى، فالمسألة لا تخلو عن أربعة أوجه أيضاً على ما بينا، و في وجهين منها، و هما اذا خلط أحد المالين بالآخر بعد ما ربح في المالين جميعاً، أو بعد ما ربح في مال الثانية التي قال له:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اعمل فيه برأيك، ولم يربح في مال الأولى الذي لم يقل له: اعمل فيه برأيك، يضمن حصة الأولى، ولا يضمن مال الثانية كما قلنا في المسألة الأولى.

وفي وجه من صنيعه، وهو ما إذا خلط أحد المالين بالآخر قبل أن يربح في المالين أو ربح في مال الأولى، ولم يربح في مال الثانية، فإنه لا يضمن شيئاً لا مال الأولى ولا مال الثانية. (المحیط البرہانی ج ۱۶ ص ۲۱۵ ج ۱۸)

آگے لکھتے ہیں:

"مختلف لوگوں کا بینک کے ساتھ مضاربت کا تعلق ہوتا ہے اور مضاربت میں بھی معاملہ یہ ہے کہ ان میں یہ شرط نہیں ہے کہ ایک مرتبہ مضارب کو مال دینے کے بعد کوئی اور مال نہ دیا جائے، بلکہ مضاربت کے شروع میں جو مال دیا گیا وہ کاروبار میں لگنے کے بعد دوسرا مال بھی اسی طرح دیا جا سکتا ہے اور مضارب اس کو بھی اسی وقت میں شامل کر سکتا ہے۔" (غیر سودی بینکاری ص ۳۳۶)

اقول: اولاً: حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے جس قول سے استدلال کیا گیا ہے وہ مطلق نہیں بلکہ مشروط ہے، وہ بھی دو صورتوں پر محمول ہے۔

ثانیاً: اس میں تصریح ہے کہ ربح آنے کے بعد رب المال راس المال کے ساتھ طے شدہ شرح کے مطابق ربح کے حصے کا بھی مالک ہوتا ہے اور مضارب اپنے حصے کا مالک ہو جاتا ہے، لہٰذا ربح آنے کے بعد رب المال کا مزید مال شامل کرنا اور مضارب کا یا کوئی دوسرا اس میں شامل کرنا مطلقاً کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

المحیط البرہانی کی جس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے وہ عبارت ہم اوپر نقل کر چکے ہیں، اہل علم حضرات خود عبارت ملاحظہ کر کے خود فیصلہ کریں کہ اس عبارت میں صرف ایک صورت کا بیان ہے یا متعدد صورتوں کا اور جواز مطلق ہے یا مشروط؟ اور نفع آنے کے بعد مضارب اور رب المال طے شدہ شرح کے مطابق نفع کے مالک ہوتے ہیں یا نہیں؟ بینک پر غور کریں کہ بینک سے اکاؤنٹ میں جو سرمایہ آنے کے وقت اس نفع سے حساب کر کے تقسیم کر دیا جاتا ہے اور رب المال کو اس کا نفع ملا؟ ——— یا ——— نفع میں چھوڑ کر اس کے بدلے میں حصہ دیا؟ ——— یا ——— دونوں میں سے کوئی بھی نہیں کیا؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہ العالی اپنی کتاب کی عبارت کا کچھ حصہ نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

"لیکن یہاں بھی یہی صورت ہے کہ جتنا جتنا مال بغرض تجارت کے نقد میں آتا رہے گا وہ معلوم ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ جب حساب کا وقت آئے گا تو مکمل راس المال معلوم ہو چکا ہوگا، اور اگر راس المال پر کوئی اضافہ ہوا ہے تو وہ منافع کی شکل میں حصہ داروں اور ارباب الاموال کے درمیان طے شدہ شرح سے تقسیم ہوگا۔ چونکہ بعد میں آنے والے مال کے پہلے سے معلوم نہ ہونے کی بنا پر ایسی جہالت پیدا نہیں ہوتی جو نزاع کو مفضی ہو، اور مفضی الی النزاع ہوا ہی ہے صاحب بدائع کے مذکورہ بالا ارشاد کے مطابق یہ جہالت مفسد عقد نہیں کہلائے گی۔ (اسلامی بینکاری کی بنیادیں ص ۲۴۷)

اقول: یہ تفصیل بھی اشتباہ صاحب بدائع کے مرتجح یا کسی طرح بھی درست نہیں، کیونکہ صاحب بدائع کل مدت شرکت میں راس المال کے معلوم ہونے کی شرط لگا رہے ہیں، نہ کہ ابتداء عقد سے تقسیم منافع تک جو راس المال رہا ہے وہ معلوم ہو، اگرچہ بقول حضرت مفتی صاحب کے اس کا وقت تقسیم منافع معلوم ہونا بھی صحت عقد کے لئے کافی ہے، کیونکہ وقت تقسیم منافع جو راس المال معلوم ہوتا ہے وہ روز روز کا راس المال ہوتا ہے پوری مدت شرکت میں راس المال کبھی معلوم نہیں ہوتا، اس کی نسبت صاحب بدائع کی طرف کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

حضرات مفتیان کرام سے گزارش ہے کہ بدائع یا کسی بھی فقہ کی کتاب سے ایسی عبارت تلاش کر کے دکھائیں جس میں صراحت ہو کہ وقت تقسیم منافع کے راس المال کو معلوم ہونا کافی ہے کہ ابتداء عقد کے وقت راس المال کا معلوم ہونا ضروری نہیں بلکہ پوری مدت عقد کا راس المال کہا گیا ہو۔

اگر ایسی عبارت مل گئی تو پھر حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا درست اور بجا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ایسی کوئی عبارت نہ ملے گی، ورنہ کوئی ضعیف عبارت بھی نہ ملے گی، کیونکہ اس کا غلط ہونا بدیہی اور ظاہر ہے، لہٰذا حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ایسی بات کے قائل نہیں تھے۔

شرکت و مضاربت شروع ہونے کے بعد بعض شرکاء کا بعض یا کل رقم نکلوانا

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:

"اب اس طریق کار کے دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں، یعنی مختلف شرکاء کا شرکت و مضاربت شروع

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہونے کے بعد رقمیں نکلوانا، اس کی توجیہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی رقم اس مشترک حوض سے نکلوانا چاہتا ہے وہ درحقیقت اپنا اعیان، دیون، نقود میں جو حصہ ہے وہ دوسرے شرکاء کو فروخت کر دیتا ہے اور اس کی قیمت لگاتے وقت کاروبار کا اس وقت کی حیثیت سے اندازہ لگایا جاتا ہے ۔۔۔۔ (آگے لکھتے ہیں) ۔۔۔۔ اب بات اس قیمت کی رہ جاتی ہے جس پر شرکاء اپنے حصے بیچیں، اس کا مستقل قاعدہ یہی ہو سکتا ہے کہ اگر اس وقت اثاثوں کو نقد میں فروخت کیا جاتا ہے تو اس وقت نکلنے والے شریک کو راس المال ملے اور اگر اس وقت تک نفع ہوا ہو تو نفع میں جتنا حصہ بنتا ہے اس کے حصے کی آج کی قیمت لگائی جائے گی اور نفع کا حصہ اس حساب سے مقرر کیا جائے گا، جیسا کہ شرکت کے متعلق پہلے ہم تقسیم کے بارے میں گزر چکا ہے کہ اس میں مختلف حالات کی صورت میں مختلف تناسب مقرر کئے جا سکتے ہیں، کیونکہ وہ "الربح علی ما اصطلحا علیہ" کے عام قاعدے میں داخل ہے۔ (غیر سودی بینکاری ص ۲۳۲،۲۳۳)

تحقیق: بینک کے اس طریق کار میں دو وجہ سے فساد ہے:

(۱) یہ صرف نظری طور پر درست ہو سکتا ہے، اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں، کیونکہ اس پر بینک کے لئے عمل کرنا ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ روزانہ بینک کا وقتاً فوقتاً کھاتہ داروں کا اپنے کھاتوں سے کل یا بعض رقمیں نکلوانا مسلم ہے جبکہ روز روز حصص کی قیمت معلوم کرنے کے لئے بینک کے پورے کاروبار کی قیمت معلوم کرنا ضروری ہے اور بینک کے بس میں نہیں کہ وہ روزانہ اپنے پورے پورے تمام اشیاء نقد، دیون اور منجمد اثاثے سب کو جمع کر کے قیمت لگائے اور پھر رقم نکلوانے والوں کے حصے کی قیمت بتا کر طے شدہ شرح کے مطابق عمل درآمد کرے جو کہ ناممکن ہے۔

جس صورت پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں تو اس صورت کا ذکر کرنا کیا مفید ہو سکتا ہے؟

(۲) یہ بھی معلوم ہے کہ "بیع" ہے اور بیع میں ثمن کا معلوم ہونا شرط ہے اور ثمن کے تعین اور عدم تعین کے لئے ضروری ہے کہ مبیع کی قیمت کا علم معلوم ہو۔

تیسری بات: ۔۔۔ اکاؤنٹ ہولڈر ایسے ہیں جن کو اس بات کا کوئی علم نہیں کہ وہ رقم نکلوانا اپنا حصہ فروخت کرتے ہیں ۔۔۔ اکاؤنٹ ہولڈرز کے رقم نکلوانے کو بیع قرار دینے کے لئے فقہی عبارات ضروری ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بینک کی اجازت ہوگی تو کیا بیچیں گے؟ کہ آپ کے حصہ شرکت کی اس وقت قیمت اتنی ہے! آپ اس قیمت پر بیچنے کے لئے راضی ہیں یا نہیں؟ جب اس کو قیمت ہی کا علم نہیں تو تراضی کی شرط کیسے پوری ہوگی؟ جبکہ درج ذیل عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ بیع کے مکمل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مجلس عقد میں مشتری اور شریک کو ثمن کا علم ہو جائے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت قوله: قوله: (ان قبل القبض لم يصح) قلت: ومثله قوله في الذخيرة: "اشترى شيئا ثم اشرك آخر فيه" فهذا بيع النصف بنصف الثمن الذي اشتراه به الخ ومقتضاه أنه يثبت فيه بقية أحكام البيع من ثبوت خيار العيب والرؤية ونحوه وأنه لا بد من علم المشتري بالثمن في المجلس

(الشامیہ ج۶ ص۲۰۲ دارالرشیدیہ)

ہاں اگر حضرت والا! آپ کہہ سکتے ہیں کہ بینک کی لگائی ہوئی قیمت پر ہر صورت میں مجھے بینک ہی کو دینا ہے یعنی بینک سے خریدنا ہے حضرت والا کا فرمان ہے کہ ایسی شرط لگانا ہے کہ وہ اپنا حصہ صرف بینک ہی کو فروخت کرے گا، کیونکہ مشارکہ متناقصہ میں سے کسی ایک شریک کو بیچ سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور کو بیچ سکتا ہے)

جب اس صورت میں بھی رضائے جانبین کا یقین نہیں تو یہ بیع اور اس سے حاصل شدہ منافع کیسے جائز اور حلال ہو سکتے ہیں؟ جبکہ فقہی اصول اور شریعت کے لئے رضائے جانبین شرط ہے۔ جیسا کہ ذیل میں مذکور حدیث شریف اور فقہی عبارت میں اس کی تصریح ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله ﷺ: ألا لا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. رواه البيهقي في شعب الإيمان والدارقطني في المجتبى (مشکوٰۃ: ۲۵۵)

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خبردار! کسی پر ظلم مت کیا کرو، خبردار! کسی آدمی کا مال اس کے دل کی خوشی کے بغیر دوسرے کے لئے حلال نہیں۔"

قال الامام السرخسي رحمه الله تعالى: ولو أكره بوعيد قتل أو حبس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حتى لو تزوج امرأة على عشرة آلاف درهم و مهر مثلها ألف درهم جاز النكاح لما بينا أن الجد و الهزل في النكاح و الطلاق و العتاق سواء فكذلك الإكراه و الطواعية و تسمية مقدار مهر مثلها، لأن التزام المال يعتمد تمام الرضا و يختلف بالجد و الهزل فيختلف أيضا بالإكراه و الطوع فلا يصح من الزوج التزام المال مكرها إلا أن مقدار مهر المثل يجب لصحة النكاح لا محالة.

(المبسوط للسرخسی ج ۲۴ ص ... مطبوعہ ...)

امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر اس کو قتل و قید کی دھمکی دے کر اس پر جبر کیا گیا یہاں تک کہ اس نے عورت سے دس ہزار مہر پر شادی کی حالانکہ عورت کا مہر مثل صرف ایک ہزار ہے تو یہ نکاح درست ہوگا کیونکہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ نکاح، طلاق اور عتاق کے باب میں سنجیدگی اور ہنسی کا ایک ہی حکم ہے بنا بریں خوشی اور جبر میں بھی ایک ہی حکم ہوگا لیکن عورت صرف مہر مثل (یعنی ایک ہزار) کی حقدار ہے (پورے دس ہزار کی نہیں) کیونکہ کسی کے لئے مال کا التزام کامل رضا چاہتا ہے اور رضا خوشی اور جبر کی صورت میں مختلف ہوتی ہے جیسا کہ سنجیدگی اور ہزل میں مختلف ہوتی ہے بنا بریں جبر کے ہوتے ہوئے شوہر کی طرف سے مال کا التزام درست نہیں۔ ہاں! نکاح کی صحت کے لئے مہر مثل کے بقدر شوہر کے ذمہ واجب ہوگا۔

(۳) ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ چونکہ یہ مصالحت شرعی ... ارباب اموال کے لئے ضروری ہے لہٰذا اس فیصلہ کی ... شرعی ... ارباب اموال ... ان کو ... کوئی صحیح ... ثابت نہیں کر سکا کہ ... سے ... اتنا نفع حاصل ہوا اور ... اس ... کا ... دیا گیا بلکہ ... ایک ... ہزار درہم سے ایک ... میں ... اس پر غور ... ہے ... گیا ہے۔

(۴) اس تفریق کی ... میں ایک شق یہ تھی "... من غير ... " کا بھی ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ ... پر ... مشتمل ہوتا ہے (الف) ... (ب)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ادھار (ق) اور تجارت (د) [illegible]

(الف) [illegible] "تقابض" [illegible] جس میں [illegible] (یعنی ہاتھوں ہاتھ) [illegible] کا لحاظ [illegible] مجلس میں [illegible] ہوجائے، اسی مجلس میں بقدر نقد حصہ کی رقم دینا لازم ہے، [illegible] ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (هو) لغة الزيادة وشرعا (بيع الثمن بالثمن) أي ما خلق للثمنية ومنه المصوغ (جنسا بجنس أو بغير جنس) كذهب بفضة (ويشترط) عدم التأجيل والخيار و (التماثل) أي التساوي وزنا (والتقابض) بالبراجم لا بالتخلية (قبل الافتراق)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: قوله: (لا بالتخلية) أشار إلى أن التقييد بالبراجم للاحتراز عن التخلية واشتراط القبض بالفعل لا خصوص البراجم حتى لو وضعه له في كفه أو في جيبه صار قابضا. قوله: (قبل الافتراق) أي افتراق المتعاقدين بأبدانهما والتقييد بالعاقدين يعم المالكين والنائبين وتقييد الفرقة بالأبدان يفيد عدم اعتبار المجلس. (الشامية ج ۷ ص ۵۵۲، ۵۵۳، رشیدیہ)

(ب) [illegible] یہ شرط ہے کہ مدیون کے علاوہ دوسرے پر نہ بیچا جائے۔

قال الإمام المرغيناني رحمه الله تعالى: فإذا تعينت كان هذا تمليك الدين من غير من عليه الدين من غير أن يوكله بقبضه وذلك لا يجوز كما إذا اشترى بدين على غير المشتري.

وقال العلامة الأكمل رحمه الله تعالى: وأجيب عن الاعتراض المذكور في بعض الشروح بوجه آخر أيضا وهو أن البائع لو صار وكيلا فإنما يصير وكيلا في ضمن المبايعة ولا بد من أن يثبت المتضمن ليثبت المتضمن والمبايعة لم تثبت لما فيه من تمليك الدين من غير من عليه الدين فلا يثبت المتضمن بخلاف ما نحن فيه لأن التوكيل بالقبض يثبت فيه بأمر الآمر وأنه يسبق الشراء.

(العناية مع فتح القدير ج ۶ ص ۱۶۸، رشیدیہ)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہ عنوان ''دین کم قیمت پر غیر مدیون کے ہاتھ بیچنا'' کے تحت جواب میں فرماتے ہیں:

''یہ معاملہ دو وجوہ سے ناجائز اور حرام ہے۔ ایک یہ کہ یہ تملیک الدین من غیر من علیہ الدین ہے، جو ناجائز ہے۔'' (احسن الفتاویٰ ج ۶ ص ۱۰۷)

جیسا کہ معلوم ہے کہ بینک میں شیئرز یا مدیون کا غیر ہوتا ہے۔

(ق-۱) مارکیٹ ریٹ سے متعلق دوسری کی قیمت کے سلسلے میں بقول حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے منشاء یہ ہے کہ اس وقت ان کی مجموعی قیمت فروخت ہو اگر کی جائے فرماتے ہیں:

''اس کو متعدد طریقوں سے بھی حل کیا جا سکتا ہے کہ اگر اس وقت حالات کو بازار میں فروخت کیا جاتا اور اس وقت تقسیم ہونے تک جو منافع ہو اور اگر اس وقت تک نفع ہوا تو نفع میں بقدر حصہ اس کے حصے کی آئی ہوئی قیمت منتقل ہو جائے گی اور نفع کا حصہ اس تناسب سے مقرر کیا جائے گا، جو شرکت کے وقت طے ہوا تھا۔ نیز اس کے دوسرے حل بھی ہو سکتے ہیں کہ اس میں مختلف حالات کی صورت میں مختلف تناسب مقرر کیے جا سکتے ہیں، کیونکہ ''الربح علی ما اصطلحا علیہ'' کے عام قاعدے میں داخل ہے۔''

(غیر سودی بینکاری ص ۲۲۳)

(ف) جو صورت حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے خود تجویز فرمائی ہے اس پر عمل کرنا کیا ممکن ہے؟ اور بینک اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہے؟ —— ہرگز ہرگز نہیں!

یہ عمل کسی تجویز ہو جائے تو بھی اسلامی نہیں بلکہ خلاف شرع ہے۔

(۴) ''وزن (Weightage) پر اہم سوال جس کا جواب نہیں دیا گیا''

فرماتے ہیں:

''اس میں بینک کی تجویز کا اصل سوال ہے تو جب تک تمام شرکاء کا کوئی نفع نہ ہو اور کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہو جس میں کسی شریک کو نفع ملے دوسرے کو نہ ملے (جو فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے انقطاع شرکت سے تعبیر کیا ہے) تو اس میں کسی تعداد کی بنیاد پر تجویز کی جا سکتی ہے۔'' (غیر سودی بینکاری ص ۳۱)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اَقول: سوال یہ ہے کہ ... روپے ایک سال کے لیے بینک میں جمع کئے جس کا منافع 1.10 روپے متعین ہوا، لیکن بینک اس منافع کو شرح نفع کے اعتبار سے منافع لیتا رہا، یہاں تک کہ اس کو رقم سال پورا ہونے سے پہلے واپس لینے کی ضرورت پڑ گئی، اس صورت میں ہماری معلومات کے مطابق بینک کا قانون یہ ہے کہ چھ مہینے کی منافع مثلاً 1.05 روپے کے حساب سے اس کے نفع کو حساب کیا جاتا ہے اور چھ مہینے جو 1.10 روپے کے حساب سے زیادہ نفع لے چکا ہے اس کو واپس کاٹ لیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں جو شرح نفع مقرر کی گئی تھی وہ حتمی نہیں تھی بلکہ تخمینی ہوتی ہے، جبکہ اس کا حتمی طور پر معلوم ہونا ضروری ہے۔

قال في الهندية: وشرط جواز هذه الشركات كون المعقود عليه عقد الشركة قابلا للوكالة كذا في المحيط، وأن يكون الربح معلوم القدر فإن كان مجهولا تفسد الشركة وأن يكون جزءا شائعا في الجملة لا معينا فإن عين عشرة أو مائة أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدة كذا في البدائع (الہندیہ ج۲ ص۳۰۲)

اگر یہ کہا جائے کہ پیچھے جو شرح منافع میں کمی نہیں ہوتی، بلکہ وہ کمی اس کے بعد کے حصے میں شمار کی جاتی ہے تو اس پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر یہ شخص اپنا حصہ اس منافع کے ساتھ کسی اور کو فروخت کرنا چاہے تو اس کو کم قیمت پر بیچنا پڑے گا یا نہیں؟ جبکہ بیع میں ثمن کا علم شرط ہے۔

نیز علامہ ... کے حوالے سے جو لکھا ہے کہ تمام شرکاء سے اصل سرمایہ مع نفع واپس کیا جا سکتا ہے، جبکہ اس پر نفع کے بعض حصہ نہیں ہوتا؟

جواب: میزان بینک کے ذمہ دار حضرات نے بتلایا کہ طویل مدت کے لیے رقم جمع کرانے والے کو جو منافع دیا جاتا ہے اگر وہ اس مدت سے پہلے رقم نکلوا لے تو اس کو کم منافع دیا جاتا ہے کیونکہ اس کم مدت کا ریٹ یہی ہے، لہذا آپ نے جو تخمینی نفع سمجھا ہے وہ ... سمجھا جاتا ہے۔

محمد صاحب ... یہ بات معلوم نہیں کہ اس کو جو کم قیمت پر فروخت کیا جاتا ہے، اس لئے وہ کیا کہتے ہے ... اور اس کی ... صورت میں ... کے اس ... کے ختم کرنے کو ... کہیں گے؟ اور اس پر ... کے ... معلوم ہوتی ہے یا اس کو مضاربت ختم کرنا کہیں گے؟ اور اس پر احکام مضاربت کے ... احکام جاری ہوں گے؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۳) ﴿محدود ذمہ داری﴾

اس عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"اگر عقد میں کوئی شرط کسی تیسرے اجنبی شخص کے ذمہ لگائی جائے تو عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط خود فاسد ہو جاتی ہے۔ علامہ شامی (رحمہ اللہ تعالیٰ) لکھتے ہیں:

الشرط المفسد ما شرط من أحد العاقدين على الآخر فلو على أجنبي لا يفسد و يفسد الشرط كما في الفتح و البحر، بعتك الدار بألف على أن يقرضني فلان الأجنبي عشرة دراهم فقبل المشتري لا يفسد البيع لأنه لا يلزم الأجنبي و لا خيار للبائع اهـ ملخصاً (رد المحتار ج ۴ ص ۱۲۸، باب البيع الفاسد)

اور بحر الرائق میں علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وفي المنتقى قال محمد: كل شيء يشترطه المشتري على البائع يفسد به البيع فإذا شرطه على أجنبي فهو باطل كما إذا اشترى دابة على أن يهبه فلان الأجنبي كذا فهو باطل كما إذا شرط على البائع أن يهبه.

اس کے حاشیہ پر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قوله: فهو باطل أي الشرط باطل كما في البزازية (البحر الرائق ج ۶ ص ۱۲۱)

یہاں محدود ذمہ داری کی شرط شرکاء کے باہمی حقوق و فرائض سے تعلق نہیں یعنی یہ شرط ایک شریک دوسرے شریک پر نہیں لگا رہا [illegible] بلکہ یہ [illegible] کی طرف سے تیسرے فریق کے لئے ایک اعلان ہوتا ہے کہ اگر کمپنی کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں آپ کے دیون کمپنی کے اثاثوں سے زیادہ ہوں تو آپ صرف اثاثوں کی حد تک ہی اپنے دیون وصول کر سکیں گے، اس اعلان کے بعد [illegible] بلکہ شرکاء کے [illegible] [illegible] ایک تیسرے فریق پر لگائی جا رہی ہے [illegible] اور ایسی شرط خود [illegible] [illegible] ہوتی ہے لیکن اس سے عقد فاسد نہیں ہو جاتا۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

محدود ذمہ داری کے ناجائز ہونے کی صورت میں یہ اعلان اور تحصیص یہ شرط عائد کرنا ناجائز ہوگا اور شرط بھی فاسد ہوگی لیکن اس کی وجہ سے عقد کو فاسد نہیں کہا جا سکتا" (غیر سودی بینکاری ٣٢٥، ٣٢٦)

اقول: یہ عبارت عجیب ہے جو بات نظر انداز کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ شرکاء کے درمیان محدود ذمہ داری کی شرط سے یہ عقد شرکت یا عقد مضاربت فاسد نہ ہو یہاں تک تو یہ بات درست معلوم ہوتی ہے لیکن یہاں دو عقد ہیں، ایک عقد شرکت (جو شرکاء کے درمیان ہے) یا عقد مضاربت ہے (جو شرکاء اور بینک کے درمیان ہے) اور دوسرا وہ عقد ہے جو کمپنی اور بینک یا اس کے قرض خواہوں کے درمیان ہے، اس دوسرے عقد کے عدم فساد کی وجہ کیا ہے؟ جبکہ یہاں یہ شرط فاسد مقتضی عقد نہیں ہے، اور یہ شرط فاسدہ کسی اجنبی پر بھی نہیں ہے، اس لئے کہ یہ دائنین جو کاروبار کرتے ہیں کے لئے ہے وہ بھی اس عقد میں ایک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عبارت مذکورہ سے تو اس عقد کے عدم فساد کی وجہ معلوم نہیں ہوتی البتہ محدود ذمہ داری کی شرط کی وجہ سے یہ دوسرا عقد بھی حقیقت میں فاسد ہوگا اور جب یہ عقد فاسد ہوا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بینک کی پوری کمائی عقود فاسدہ کی مرہون منت ہے اور عقود فاسدہ سے جیسا کہ تصریح فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بحکم سود ہیں اور بینک کے مالکان اپنے شرکاء کو جو نفع دیتے ہیں وہ عقود فاسدہ سے حاصل کر کے دیتا ہے کیونکہ بینک محدود ذمہ داری کے تصور کی بنیاد پر خود بھی عقود فاسدہ کرتا ہے اور اس کی آمدنی بھی ان کے نتیجہ میں ہوتی ہے، اس کے تمام شرکاء بھی بحکم سود عقود فاسدہ کے منافع کھا کر سود کے گناہ میں ملوث ہو رہے ہیں۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جو نفع عقد فاسد کے سبب ملک میں آئی ہو اس کے منافع بھی سب فاسد اور حرام ہیں۔

قال الإمام المرغيناني رحمه الله تعالى: قال: ((ومن اشترى جارية بيعا فاسدا وتقابضا فباعها وربح فيها تصدق بالربح، ويطيب للبائع ما ربح في الثمن)) والفرق أن الجارية مما يتعين فيتعلق العقد بها، فيتمكن الخبث في الربح، والدراهم والدنانير لا يتعينان في العقود، فلم يتعلق العقد الثاني بعينها، فلم يتمكن الخبث فلا يجب التصدق، وهذا في الخبث الذي سببه فساد الملك الخ (الہدایہ ج ۳ ص ٦٧، ٦٨)

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اس صورت کے پیش نظر بینک جو سامان کا کرایہ اجیر مشترک کا سود کے ذریعے سے حاصل کر کے آگے نفع پر بیچتا ہے اس بارے میں سوال ہے کہ جو مستحق ہو جب التصرف ہیں بینک کے مالکوں اور ان کے دوسرے شرکاء کے لئے ان کا استعمال جائز ہے؟ نیز ایسے شخص کی شرکت اور مضاربت کی بنیاد پر پیسے لگانا کیونکر جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

(۳) بینک کے ملازم کی حیثیت کیا ہے؟

بینک کے وہ تمام ملازم جن کا اجارہ بھی بینک کے ساتھ اور کاروباری اکاؤنٹ میں جمع ہے اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ دو حیثیتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ یہ رب المال ہوں اور بینک کے مالکان یا انہیں کا قانونی مضارب ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ ملازم بینک کے ساتھ شریک ہوں۔ اور یہ دونوں صورتیں ناجائز اور خلاف شرع ہیں۔ لہذا راقم کا کہنا ہے کہ تنخواہ ناجائز ہے کیونکہ اس وجہ سے ان تمام کی ملازمت ناجائز اور فاسد ہو گی۔

یہ وہ سب ہے جو شخص ملازم تنخواہ بھی پاتے ہیں۔

خود حضرت مولانا فرماتے ہیں:

"اگر کسی شریک کو کوئی کام بھی سنبھال لے تو اس کو تنخواہ دی جاتی ہے۔"

(غیر سودی بینکاری ص ۳۲۷)

نیز حضرت یہ بھی فرماتے ہیں:

"بینک میں شرکت کی تنخواہ دی جاتی ہے" (حوالہ بالا)

تنخواہ کس بات کی ہے؟ ———

تحقیق: حضرت والا نے ... تحریر فرمایا ہے کہ ارباب الاموال آپس میں شرکاء ہیں اور بینک ان سب کا مضارب ہے فرماتے ہیں:

"کھاتہ دار بینک کے کھاتے میں جو رقم جمع کرتے ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ شرکت کرتے ہیں اور یہ سب مل کر بینک سے مضاربت کرتے ہیں جس میں اکاؤنٹ ہولڈرز ارباب الاموال ہیں اور بینک مضارب ہے" (غیر سودی بینکاری ص ۳۱۹)

پوچھنا یہ ہے کہ آپ کی بینک سے کیا مراد ہے؟ انتظامیہ یا قانونی بینک؟ یا بینک کے مالکان؟ نیز مالکان سے کیا مراد ہے؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جس کے ذریعے ان کا مال تلف ہونے سے محفوظ رہتا ہو یا کوئی اور؟

﴿مضاربہ اور فساد ملازمت رب المال کی وجہ﴾

مضاربت کی صحت کے لئے شرط ہے کہ رب المال کام نہ کرے ورنہ مضاربت فاسد ہو جائے گی البتہ بدون شرط تبرعاً کام کرے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، چونکہ بینک میں رب المال اجرت پر کام کرتا ہے نہ کہ تبرعاً لہٰذا اس سے مضاربہ فاسد ہو جائے گا، معاملات فاسدہ کا حکم سود ہی کا ہے عیاذاً باللہ سبحانہ وتعالیٰ منہ

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (فصل) ولو حكماً فدخل ربا النسيئة والبيوع الفاسدة فكلها من الربا (رد المحتار ج۵ ص۱۶۹ ط: رشیدیہ)

حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ مضاربت سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ عقد مضاربہ ہے مگر صحت مضاربہ کی شرائط میں سے درج ذیل شرائط یہاں مفقود ہیں (۱)...... (۲) وہ کمپنی کے بعد ہی کے منافع ہونی چاہئے اگر رب المال نے شرط لگائی کہ وہ بھی کاروبار چلانے میں شریک رہے گا تو مضاربہ صحیح نہیں۔

قال في التنوير: وكونه مسلماً الى المضارب وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله مسلماً) فلو شرط رب المال ان يعمل مع المضارب لا تجوز المضاربة (رد المحتار ج۴ ص۵۲۰)

(۲) آگے فرماتے ہیں: ان شرائط کے مفقود ہونے کی وجہ سے مضاربت فاسدہ ہوگی اور مضاربہ فاسدہ کا حکم یہ ہے کہ مضارب کو اجرت مثل (یعنی عام ریٹ پر اتنے دن کام کرنے کی اجرت میں جتنی بنتی ہو) دی جائے گی، باقی نفع رب المال کو دیا جائے گا۔

قال في شرح التنوير: واجارة فاسدة ان فسدت فلا ربح للمضارب حينئذ بل له اجر مثل عمله مطلقاً ربح او لا بلا زيادة على المشروط

(رد المحتار ج۴ ص۵۲۵ بحوالہ احسن الفتاویٰ ج۷ ص۳۴۰)

"مضاربہ میں نفع کی تعیین ہونا ضروری" کے عنوان کے تحت ایک سوال کے جواب میں حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لکھتے ہیں:

"مضاربہ میں کسی ایک فریق کے لیے متعین نفع کی شرط جائز نہیں یہ مضاربہ فاسدہ ہے، رب المال کا متعین نفع وصول کرنا صریح سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔"

قال فی التنویر: و کون الربح بینهما شائعا (رد المحتار ج ۴ ص ۴۸۶ بحوالہ احسن الفتاوی ج ۷ ص ۳۵۵)

یہاں بھی صاف موجود ہے رب المال نے تقسیم نفع سے پہلے متعین نفع وصول کیا ہے اور یہ بھی نفع کا کچھ حصہ متعین کر رکھا ہے۔

آگے "رب المال پر عمل کی شرط مفسد عقد ہے" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

"مضاربہ میں رب المال پر عمل کی شرط لگانا جائز نہیں یہ مضاربہ فاسدہ ہے۔"

قال فی التنویر: و اشتراط عمل رب المال مع المضارب مفسد

(رد المحتار ج ۴ ص ۴۸۶ ، احسن الفتاوی ج ۷ ص ۳۳۲)

﴿شرکت اور فساد ملازمت شریک کی وجہ﴾

شریک کے ملازم کی تنخواہ متعین کرنا اور یہ شرکت کے بنیادی اصول کے خلاف ہے لہٰذا مفسد شرکت ہے۔ شرکت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کوئی ایسی شرط نہ لگائی جائے جس سے نفع میں شرکت منقطع ہو جائے جبکہ ملازمت کی صورت میں یہ شرکت منقطع ہو سکتی ہے کیونکہ مثلاً اگر اس (ملازم شریک) کی الاؤنس اور تنخواہ دس ہزار روپے ہو گی جبکہ نفع بھی دس ہزار یا اس سے کم ہو تو کل نفع اس ایک شریک کو مل جائے گا اور دوسرے سارے شرکاء محروم رہیں گے۔

حضرت مولانا مفتی صاحب کی کتاب "غیر سودی بینکاری" میں بھی تنخواہ پر یہ بات انتہائی قوت اور شدت سے تحریر فرمائی گئی ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہ حضرات بھی بینکوں کے اندر شرکاء کی ملازمت اور تنخواہ کی پابندی نہیں — جبکہ بینک کے تمام ملازمین شرکت کے کاروبار کی ملازمت بھی ہیں اور ان بینک کے شریک بھی ہیں۔

پہلی جگہ: "غیر سودی بینکاری" نامی کتاب میں "عملی بنیاد پر نفع کی تقسیم" کے عنوان کے تحت اس کو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قیمت فروخت کو مقرر کرنے کے لئے جو طویل صفحات تحریر کئے گئے ہیں ان میں مدعا ثابت ہوا یا نہیں؟ یہ فیصلہ ہر ذی علم قاری پر چھوڑتے ہیں۔ (تفصیل پیچھے گزر چکی ہے)

بہرحال حضرت کی اس طویل تحریر سے اگرچہ مدعا ثابت نہ ہو سکا لیکن ایک حق بات اور امرِ واقعی کو خود تحریر فرما دیا جس سے واضح ہو گیا کہ شریک کو لازم رقم دینا خلافِ شرع اور ناجائز ہے۔

لکھتے ہیں:

”یہی وجہ ہے کہ طریقہ میں اگر ایسا ہو رہا ہے تو اس سے شرکت کے ”کسی بنیادی اصول“ کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی کیونکہ نفع تو سب کی نسبت سے کم بھی ہو رہا ہے جس نسبت سے کاروبار میں اس کا حصہ ہے، یعنی تو شرکت کا وہ ”بنیادی اصول“ کہ کسی صورت میں کوئی شریک نفع سے محروم نہ رہے یعنی قطع شرکت لازم نہیں آئے گی۔“ (غیر سودی بینکاری ص ۲۴۲)

اقول: جب شریک کو لازم رقم دی جائے اور وہ بھی مثلاً ہزار روپیہ ہو اور کل نفع بھی ہزار روپیہ ہی ہو یا اس سے کم ہو تو اس صورت میں دوسرے شریک نفع سے محروم ہو گئے یا نہیں؟ اور شرکت کے بنیادی اصول کی خلاف ورزی ہوگی یا نہیں؟ — یقیناً ہوگی اور ضرور ہوگی — اسی وجہ سے حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے کسی شریک کے لئے نفع میں سے کچھ رقم متعین کرنے کو شرکت کے لئے مفسد قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (وشرطها) أي شركة العقد — (وعدم ما يقطعها كشرط دراهم مسماة من الربح لأحدهما) لأنه قد لا يربح غير المسمى

(رد المحتار ج ۴ ص ۴۶۸، رشیدیہ)

دوسری جگہ اسی کتاب میں ”مضاربہ سے متعلق مسائل“ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

”اس صورت میں اصل قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس کو لامتعین رقم کے طور پر شرط فاسد بھی قرار دیا جائے تو شرکت اس لئے فاسد نہیں ہوتی ہے کہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتی (الا یہ کہ اس شرط باطل کے نتیجے میں شرکت ہی ختم ہو جائے جیسے کسی ایک فریق کے لئے کسی متعین رقم کی شرط)“ (غیر سودی بینکاری ۳۴۲)

تیسری جگہ فرماتے ہیں:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تمییز بعینہ ایک نفع کی تقسیم کا سوال ہے تو جب تک تمام شرکاء کا نفع میں حصہ ہو اور کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہو جس میں کسی ایک شریک کا نفع کٹ جائے دوسرے کو نہ ملے (جسے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے انقطاع الشرکۃ سے تعبیر کیا ہے)" (غیر سودی بینکاری ص ۳۱)

اقول: شریک عامل کی تنخواہ متعین رقم ہوتی ہے یا نہیں؟ اور یہ ملازم شریک بھی ہے ۔۔۔ اور خود فرما رہے ہیں کہ کسی ایک شریک کے لئے متعین رقم کی شرط مفسد ہے (غیر سودی بینکاری ۳۴۲) یہاں ملازم شریک بھی ہے اور متعین رقم کی شرط بھی ہے جس سے یہ شرکت فاسد ہو جائے گی۔

مجیب باوجود ماننے کے مکر۔۔۔

مذکورہ بالا عبارت میں مجیب نے تسلیم فرمایا ہے کہ ایسی شرط جس سے شرکت کی بنیادی اصول کی خلاف ورزی ہوتی ہو جائز نہیں اور مفسد عقد ہے، پھر خود مثال دے کر بتلایا کہ مثلاً کسی ایک شریک کے لئے متعین رقم کی شرط اس پر بھی تفصیل ہو جاتا ہے کہ شریک کو ملازم رکھنا جائز نہیں۔ پھر بھی اس کے خلاف بینکوں میں شریک کی ملازمت کی تجویز پیش فرماتے ہیں۔

مجیب نے اس تحقیق کی تائید میں غیر سودی بینکاری نامی کتاب کے صفحہ ۳۲۸ کے حاشیہ پر اپنے خلاف اور صحیح مسئلہ اور حقیقت کو چھپاتے ہوئے احسن الفتاوی کے حوالے سے بتلایا کہ شریک کو ملازم رکھنا جائز ہے۔ حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ احسن الفتاوی کے اس مسئلے میں رجوع ہو چکا ہے اور صحیح مسئلہ یہ ہے کہ شریک کو ملازم رکھنا جائز نہیں۔ اگر یہ بات معلوم نہیں تو اپنی کتاب میں اس کے خلاف کیوں لکھا؟ معلوم ہوا کہ آپ مجیب نے احسن الفتاوی کے حوالے سے بات جانتے ہوئے بھی چھپائی اور حقیقت بھی چھپائی ہے کہ یہ مسئلہ قابل قبول نہیں! ۔۔۔ کیوں؟ ۔۔۔ اس لیے کہ احسن الفتاوی میں جو کچھ ہے اس کی بجائے یہ عبارت مجیب اور دوسروں کی تھی۔

دوسری بات (ایسی عبارات سے مجیب کا استدلال) ملاحظہ: مجیب کی بیان کردہ عبارات میں سے سب شرکت ملک سے متعلق ہیں اور شرکت ملک میں اگرچہ شریک کو اجارہ پر لینا جائز ہے لیکن اس کے خلاف بھی کئی فقہاء کرام رحمہم اللہ نے شرکت ملک میں شریک کے ملازم رکھنے کو ناجائز فرمایا ہے۔

ان عبارات میں سے کوئی عبارت بھی شرکت عقد سے متعلق نہیں اور ہمارا اختلاف شرکت عقد میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

شریک کو دراہم رکھنے سے مختص ہے اور شریک عقد میں شریک کو دراہم رکھنے کے جواز پر فقہ کی کسی کتاب سے کوئی ایک عبارت بھی پیش نہیں کی جا سکی۔ ہم نے جہاں تک تتبع اور تلاش کیا ہے ہمیں تو کوئی ضعیف قول بھی اس کے جواز کا نہیں ملا۔ محقق ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو علامہ ابن المنذر کے حوالے سے اس کے عدم جواز پر اجماع نقل فرمایا ہے۔ نیز اس عبارت میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ شرط لگانا اس معاملہ کو عقد شرکت سے نکال کر قرض اور بضاعت کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

قال العلامة المحقق ابن الهمام رحمه الله تعالى: (قوله) ولا تجوز الشركة اذا شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح قال ابن المنذر: لا خلاف في هذا لأحد من أهل العلم. ووجهه ما ذكره المصنف بقوله: لأنه شرط يوجب انقطاع الشركة فعساه لا يخرج الا قدر المسمى فيكون اشتراط جميع الربح لأحدهما على ذلك التقدير، و اشتراطه لأحدهما يخرج العقد من الشركة الى قرض أو بضاعة على ما تقدم.

(فتح القدیر ج ۶ ص ۱۷۵ رشیدیہ قدیم)

دوسری بات (شیئر کا نفع) کا جواب: اولاً تو اس مسئلہ میں تحقیق طلب امر یہی ہے جن میں شریک کی کوئی تنخواہ متعین ہوتی نظر آتی ہو؟ جبکہ علماء نے لکھا ہے کہ ایسی شرکت میں کسی کی بھی تنخواہ متعین نہیں ہوتی۔

فرماتے ہیں:

تمام کمپنیوں میں آجکل رائج ہے کہ ڈائریکٹر کو صرف ڈائریکٹر ہونے کی بنا پر کوئی تنخواہ نہیں دی جاتی — البتہ کمپنی بعض دوسری خدمات لینے کی بنا پر معروف تنخواہ میں شریک ہوتا ہے۔ (غیر سودی بینکاری ص ۴۲۸)

ثانیاً: یہ تحقیق طلب بات ہے کیونکہ اس سے کسی معاملہ کی حقیقت کو تبدیل کیا اور اس کے بنیادی اصول کو ختم کر دیا ہے کہ اس کے جواز کا قول تمام معاملات شرعیہ کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے۔

اس لئے خود حضرت مفتی صاحب نے بھی اس کی صحت ہونے کے حوالے سے اقرار فرمایا ہے کہ:

"دوسرے کسی بنیادی عنصر کو نظر انداز کرنے میں مؤثر نہیں"

(غیر سودی بینکاری ص ۴۵۵،۳۸۷)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیر جی محمود صاحب نے فتاویٰ اور روایات کے اقرار کے باوجود اس موقع پر اس شکایت پر خود کوئی جواب لکھنے کے بجائے محض اپنی تحقیق کے خلاف احسن الفتاویٰ کا مسئلہ نقل کر دیا ہے؟ ــــــــــ

(۵) ﴿سیکورٹی ڈپازٹ کی شرعی حیثیت اور اس کا حکم﴾

(الف) شرعی اصول کی رو سے ہمارے ہاں سیکورٹی ڈپازٹ کے نام سے رقم جمع کرانا بھی ہے۔ کیونکہ یہ رقم رہن ہوگی اور شرعی امانت اور دیگر جن چیزوں میں رہن جائز نہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ رہن دو وجہوں سے ناجائز ہے ایک یہ ہے کہ یہ سیکورٹی ڈپازٹ امانت کے بدلے رہن ہے اور امانت کے عوض رہن رکھنے کو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ناجائز لکھا ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ثم لما ذكر ما لا يجوز رهنه ذكر ما لا يجوز الرهن به فقال: (و) لا (بالأمانات) كوديعة و أمانة ....

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله ولا بالأمانات) أي لا يصح أخذ الرهن بها لأن الضمان عبارة عن رد مثل الهالك إن كان مثليا أو قيمته إن كان قيميا والأمانة إن هلكت فلا شيء في مقابلتها وإن استهلكت لا تبقى أمانة بل تكون مضمونة حينئذ (قوله كوديعة وأمانة) الأصوب "وعارية" وكذا مال مضاربة و شركة كما في الهداية (الشامیہ ج۱۰ ص۱۰۲ رشیدیہ)

دوسری وجہ ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ شریعت میں مرہون سے استفادہ حرام ہے جبکہ یہاں اس رقم کو بینک میں رکھ کر اس سے نفع اٹھایا جاتا ہے (ماخوذ از جدید معاشی نظام میں اسلامی قانون اجارہ ص ۳۶۸)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: قال ط: قلت: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما أعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لأن المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع والله تعالى أعلم (الشامیہ ج۱۰ ص۸۴)

یہ رقم قرض بھی نہیں ہو سکتی جو کہ جائز ہے (۱) قرض میں مدت کی شرط جائز نہیں جبکہ یہاں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ معاہدہ ختم ہونے پر ملے گی (۲) ... ہے کیونکہ اس رقم پر اس کے علاوہ اور بھی اشکالات

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تصریح کے ساتھ شامل نہیں۔ درج ذیل عبارات دونوں میں غور اور بغور ملاحظہ فرمائیں۔)

قال الإمام المرغيناني رحمه الله تعالى: (وكل دين حال إذا أجله صاحبه صار مؤجلا) لما ذكرنا (إلا القرض) فإن تأجيله لا يصح لأنه إعارة وصلة في الابتداء حتى يصح بلفظة الإعارة ولا يملكه من لا يملك التبرع كالوصي والصبي ومعاوضة في الانتهاء فعلى اعتبار الابتداء لا يلزم التأجيل فيه كما في الإعارة إذ لا جبر في التبرع وعلى اعتبار الانتهاء لا يصح لأنه يصير بيع الدراهم بالدراهم نسيئة وهو ربا (الهداية ج۳ ص۷۶)

(۲) یہ عقد اجارہ کے لئے شرط ہے اور اس میں متعاقدین کا نفع ہے لہٰذا یہ عقد اس شرط فاسد سے فاسد ہوگا۔

قال في الهندية ولو استأجره بأجرة معلومة وشرط الآجر تطيين الدار وتعليق بابها عليها أو إدخال جذع في سقفها على المستأجر فالإجارة فاسدة وكذا إذا آجر أرضا وشرط كري نهرها أو حفر بئرها أو ضرب مسناة عليها كذا في البدائع

(الهندية ج۴ ص۴۴۳)

(۳) اور یہ ضمانت (سیکیورٹی) "كل قرض جر منفعة فهو ربا" میں داخل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے عام طور پر مقروض کو قرض دینے پر راضی کرتا ہے (یعنی) اضافی فائدہ اور یہ سود ہے۔

حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بینک کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"اگر قرض سے بچنے کی کوئی صورت ہو تو کسی کو کوئی شخص [illegible] اس لئے یہ جائز ہے کہ کوئی شخص قرض سے اختیار کرے [illegible] ہے۔" (احسن الفتاویٰ ج۷ ص[illegible])

(۴) ضمانت کی رقم کے تحت قرض کی وجہ سے فائدہ اٹھانا کسی صورت میں حاصل کرتا ہے اور اس کو حضرت مفتی صاحب یوں فرماتے ہیں:

"ان میں سے بعض تو قرض پر نفع شامل ہیں، سود کی وجہ سے، جو قرض کی وجہ سے حاصل ہو، یہ بھی سود ہے، شریعت اسے کسی بھی طرح جائز نہیں" (تجارتی سود ص۲۷۶)

ان تمام باتوں سے یہ بات واضح ہوئی کہ ایڈوانس رقم رکھنا ناجائز ہے۔

ایک بات ... سے ... ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۱) امین پر امانت کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ امانت کو کاروبار میں لگانے کی اجازت نہیں دیا جاتا۔

تسليط الغير على حفظ ماله صريحا أو دلالة. (الشامية ج٨ ص٥٢٦)

(۲) امانت رکھنے والا جب چاہے امین سے اپنی امانت واپس لے سکتا ہے امین اس کو روک نہیں سکتا جبکہ یہاں روکا جاتا ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (وهي امانة) وهذا حكمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب واستحباب قبولها (الشامية ج٨ ص٥٢٩)

﴿حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ کے کلام پر تبصرہ﴾

(۱) حضرت نے بہت سی چیزوں کو قرض تسلیم کرکے قیمت مثل سے کمی کو ناجائز فرمایا ہے۔

آپ نے اس کے ناجائز ہونے کی علت جو پیش فرمائی ہے وہ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے تو ہماری سمجھ میں عدم جواز کی وجہ "کل قرض جر منفعة فهو ربا" ہے یعنی ربا ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ آپ مدظلہ نے "ناجائز" لکھ دیا لیکن سود کیوں نہیں فرمایا گیا؟

اگر یہ کل قرض جر منفعة فهو ربا کی وجہ سے قیمت مثل میں کمی کرنے کا نفع حاصل کرنا ناجائز ہے تو اس کی وجہ سے منافع کا نفع حاصل کرنا کیوں ناجائز نہیں؟ جبکہ یہ معلوم ہے کہ بینک رقم کی اجازت کے بغیر اس کو کاروبار میں استعمال نہیں ہو سکتا۔

حضرت مفتی اعظم مفتی شفیع صاحب نے بھی رہن سے نفع اٹھانے کے مسئلہ میں "کل قرض جر منفعة فهو ربا" ہی کو پیش فرما کر اس کو سود اور ناجائز قرار دیا ہے۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام ص ۱۶۵، ۱۶۶)

حدیث شریف میں بھی قرض دینے والے کو مقروض کا ہدیہ قبول کرنے اور عاریۃً اس کے جانور کو سواری کے لئے لینے کو بھی سود قرار دیا گیا ہے۔

عن أبي بردة بن أبي موسى قال: قدمت المدينة فلقيت عبد الله بن سلام فقال:

إنك بأرض فيها الربا فاش فإذا كان لك على رجل حق فأهدى إليك حمل تبن

أو حمل شعير أو حمل قت فلا تأخذه فإنه ربا. رواه البخاري (المشكوٰة ص ۲۴۵)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"حضرت ابو بردہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ میں آیا اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ایک ایسی سرزمین میں رہتے ہو جہاں سود کا بہت رواج ہے لہٰذا اگر کسی پر تمہارا حق ہو پھر وہ تمہیں بھوسے کا ایک گٹھا یا جو کی ایک گٹھری یا گھاس کا ایک گٹھا بھی تحفے کے طور پر دے تو تم اسے قبول نہ کرنا کیونکہ وہ سود کا حکم رکھتا ہے۔"

وعن أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ: اذا أقرض الرجل الرجل فلا يأخذ هدية، رواه البخاري في تاريخه (المشكاة ص ۲۴۶)

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی کو قرض دے تو وہ اس سے کوئی تحفہ بھی قبول نہ کرے۔"

وعن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: اذا أقرض أحدكم قرضا فأهدى اليه أو حمله على الدابة فلا يركبه ولا يقبلها الا أن يكون جرى بينه وبينه قبل ذلك، رواه ابن ماجه والبيهقي في شعب الايمان (المشكاة ۲۴۶)

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کسی کو قرض دے اور پھر قرض لینے والا اس قرض دینے والے کے پاس کوئی تحفہ بھیجے یا سواری کے لئے کوئی جانور دے تو قرض دینے والا نہ اس جانور پر سوار ہو اور نہ اس کا تحفہ قبول کرے ہاں اگر قرض دینے والے اور قرض لینے والے دونوں کے درمیان پہلے سے تحفے یا سواری کے بارے میں ایسا ہی معاملہ جاری ہو تو پھر اس کو قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ تو مقروض کی دیوار کے سایہ سے نفع حاصل کرنے سے بھی احتراز کرتے تھے۔

مرقاۃ میں حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

ولقد بالغ الامام المعظم أبو حنيفة رحمه الله تعالى حيث جاء الى دار مديونه ليتقاضى دينه، وكان وقت شدة الحر، وجدار تلك الدار ظل، فوقف في الشمس الى أن خرج المديون منه أو طال الانتظار في الخروج اليه، وهو واقف في الشمس صابر على حرها غير مرتفق بذلك الظل، لئلا يكون له رفق من جهة مديونه، و

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فیہ ان مذھب تلک الائمۃ ان قبول رفق المسلمین حرام کالربا۔

(باب الربا، الفصل الثالث، المرقاۃ ج ۶ ص ۶۸)

امام المحدثین والمجتہدین ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بہت احتیاط کرتے تھے اپنے زمانے میں ایک بار وہ اپنے مقروض کے گھر قرض وصول کرنے کے لئے گئے۔ سخت گرمی کا زمانہ تھا اس شخص کے گھر کی دیوار کا سایہ تھا لیکن امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دھوپ میں ہی کھڑے رہے جب تک کہ وہ قرض دار گھر سے نکل کر نہ آ گیا۔ اس کے باہر آنے میں بہت دیر بھی لگی اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دھوپ ہی میں کھڑے گرمی برداشت کرتے رہے لیکن اس دیوار کے سائے سے نفع نہیں اٹھایا کہ کہیں قرض دار کی جانب سے نفع کی کوئی صورت نہ بن جائے۔ اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ امام صاحب کے مذہب کے مطابق قرض دار سے نفع قبول کرنا بھی سود کی طرح حرام ہے۔

(۲) ﴿کل قرض جر منفعۃ فھو ربا﴾ کے خلاف اگر تعامل ہو جائے تو یہ سود ہوگا، اور تعامل ہو جائے تو؟ — مذکورہ بالا عبارت سے جو حرمت کی وضاحت مطلوب ہے۔

لیکن یہ سب امور تعامل میں آ کر حلال ہو گیا ہے کیا یہ جائز ہے؟ — بعض مکانات کرایہ پر دینے کی صورت میں جو رقم پیشگی طور پر لی جاتی ہے، بعض اس کی وجہ سے کرایہ کم ہو جاتا ہے، اور بعض کی وجہ سے کرایہ ختم ہی ہو جاتا ہے اور یہ مکان مل جاتا ہے، کیا یہ سب صورتیں جائز ہیں؟

حضرت مولانا نے ﴿کل قرض جر منفعۃ فھو ربا﴾ کے کلیے کے خلاف سود کی بعض صورتیں جو تعامل میں ہیں حضرت مفتی صاحب نے فتاویٰ محمودیہ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے:

"تعامل سے حرمت حلال ہو جانے کی ثابت نہیں ہوتی۔" (غیر سودی بینکاری ص ۲۰۸، ۲۵۵)

(۳) انویسٹمنٹ کے نفع کی بات بھی درست نہیں ہے۔

کیونکہ ... سیونگ / فکسڈ اکاؤنٹ میں جمع کرائی جانے والی رقم کی مقدار اور وقت ... لوگوں کی طرف سے جمع ہوتا رہتا ہے اور بینک ... اور اسلامی بینک کے مطابق ... اس کے مطابق عمل اور ... قابل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تسلیم نہیں ہے تو اس کی تقریر یہی اور کوئی صورت پیش کر دیا جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ بینک نے اس قرض سے نفع اٹھایا یا نہیں؟ اصلیت بینک کے مطالبے سے پہلے واجب الادا ہوتی ہیں؟ ——— رہی یہ بات کہ یہ نفع زرِ ثمن کی تلافی کی صورت میں ہے اور مجموعی طور پر یہ قابل قبول بھی نہیں بات ہے کہ ربٰو نہ ہو۔ بلکہ خلاف دلیل ہے کیونکہ "یدا بید" اور "النقد خیر من النسیئة" سے تو ربٰو کو ثابت کرتے ہیں۔

دیکھئے حدیث شریف الذہب بالذہب و الفضة بالفضة (الحدیث) کے آخر میں یدا بید کے مفہوم میں جو ادھار ہو اس پر دلیل ہے کہ اگرچہ مقدار دونوں طرف برابر ہو عرف کا معاملہ کیا ایک نے دس دینار نقد اور دوسرے نے دس دینار ادھار دیا تو بھی الفضل ربا میں داخل اور سود ہے حالانکہ یہاں مقدار میں تو فرق نہیں ہوا پھر بھی اس کو فضل قرار دے کر سود کہا گیا ہے ——— معلوم ہوا کہ نقد اور ادھار میں کیفیت کے اعتبار سے فرق ہے جو نقد ادھار کی صورت میں اور زیادہ ہے تو گویا تاخیر سے جو ہے اس نے اضافی چیز حاصل کی ہے یعنی نقد کی اچھائی اور ترجیح ہے۔ جو اس نقد یا ادھار کی وجہ سے حاصل ہوئی جو پہلے شخص کو نقد کی وجہ سے محروم ہو گئی۔ اسی سے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مستنبط فرمایا ہے کہ النقد خیر من النسیئة۔

پس اگر مقصد یہ ہو کہ ضمان کی تلافی تو صورت ہے لیکن نفع تو بہر حال ہوگا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ربٰو کے لحاظ سے اس کا حکم نہیں درست نہیں۔

(۳) عرف سے تعیین

لکھا ہے کہ اصول یہ ہے کہ جو شرط عقد کے مقتضاء کے خلاف ہو عرف اور تعامل کی وجہ سے وہ جائز ہو جاتی ہے (تجزیہ سودی بینکاری ص ۴۸)

تعجب ہے کہ حضرات مجوزین نے ان دونوں ان غیر سودی شرطوں کی طرح قرار دے کر ان کو جائز کہہ دیا ہے جو مقتضی عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے مفسد عقد ہوتی ہیں اور تعامل کی وجہ سے چونکہ وہ مفسدہ یا مقتضی نہیں رہتیں اس لئے وہ تعامل کی وجہ سے جائز اور غیر مفسد قرار دی جاتی ہیں، حالانکہ دونوں میں بون عظیم ہے۔ کما لا یخفی۔

پھر اس سے قطع نظر یہ کہ عرف کی بنیاد ہے اور دوسرے یہ کہ ان منصوص سے کوئی جواز ظاہر نظر نہیں آتا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیتی ہے تو پھر اس نے ایک شرط اور بڑھا دی جس کا عرف و تعامل کسی سے پوشیدہ نہیں، لیکن عرف و تعامل کی وجہ سے اس شرط والی بیع کو کسی نے جائز کہا ہو، اس وقت تک ہمارے علم میں نہیں۔ یہاں عدم جواز کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ یہ شرط بیع کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔

(۵) حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے بھی دو مقامات پر اذن متعارف کو اذن صریح کے حکم میں قرار دے کر یہی اجازت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ (غیر سودی بینکاری ص ۴۷۷)

اس حوالے سے بھی فائدہ اٹھایا ہے کہ وقت مقررہ (ایکسپائری) پر اجارت دینے والا ملازم سمجھا جاتا ہے جبکہ امانت رکھنے والوں کو یہ علم ہوتا ہے کہ امانت میں صاحب امانت کا فائدہ ہوتا ہے جبکہ سکیورٹی اجارت میں بینک کا فائدہ ہے۔ امانت میں مرد طیب خاطر سے اجازت ہوتی ہے جبکہ سکیورٹی کی اجارت میں عدم طیب خاطر کا یقین ہے کہ بغیر سودی بینک بغیر اس استعمال کرنے کے نہ دے گا واپس لیتا۔

اس لئے عام امانت پر سکیورٹی اجارت کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق اور وجہ بین طور پر باطل ہے۔ اور اس سے بینک کا منتفع ہونا حرام اور واجب التصدق ہے۔

(۶) آخر میں حضرت نے سب سے بہتر طریقہ قرار دے کر ایک جائز طریقہ تحریر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ قیمت کی ادائیگی سے پہلے حصول پر قبضہ کے طریقے ہیں:

"غیر سودی بینکوں نے اسی طریقے کو اختیار کیا ہے۔" (غیر سودی بینکاری ص ۵۷۸)

جس غیر سودی بینکوں نے اس طریقے کو اختیار کیا ہے ان کے نام اور تحریری ثبوت مطلوب ہیں، کیونکہ الفاظ میں بیچنے سے پہلے بیچنا ... کے کسی حد میں اختلاف ہے ... اس کی وجہ سے ہر انداز میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور اختیار کرنا چاہیے ورنہ صورت میں یہ کہ بینک کے گھاٹے میں تو وہ اس کی گنجائش ہے۔

(۶) ﴿الصفقة فی الصفقة﴾

ہمارا دوسرا شبہ بینک الاسلامی کے معاملے کا ہے جس کا جواب دیا گیا ہے، آگے یہ مطلب اور اس پر تبصرہ ملاحظہ ہو۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فرماتے ہیں:

"فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کے درمیان واضح فرق کیا ہے، ایک یہ کہ کوئی عقد کرتے وقت صلب عقد میں کوئی شرط لگائی جائے اور دوسری صورت یہ کہ صلب عقد میں تو کوئی شرط نہ ہو لیکن عقد سے ہٹ کر کوئی وعدہ کر لیا جائے۔ ذیل میں دونوں صورتوں کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل ذکر کی جاتی ہے"
(غیر سودی بینکاری ص ۴۳۲)

پہلی صورت:

فرماتے ہیں:

"صلب عقد میں کوئی شرط لگانا: اس کے بارے میں فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مختلف مذاہب ہیں — حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ عام حالات میں عقد کے اندر کوئی شرط لگانے سے عقد فاسد ہو جاتا ہے، البتہ تین قسم کی شرطیں ایسی ہیں جو جائز ہیں اور عقد کو فاسد نہیں کرتیں، ایک وہ شرط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو، دوسرے وہ جو عقد کے ملائم ہو جیسے ثمن رکھنے کا کفالت یا حوالہ کی شرط، اور تیسرے وہ شرط جس پر عرف اور تعامل جاری ہو۔" (غیر سودی بینکاری ص ۴۳۲)

مزید لکھتے ہیں:

"البتہ بعض فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بعض خاص صورتوں میں شرط کو بھی جائز قرار دیا ہے، جیسے بیع الوفاء میں بائع کی شرط، کہ صلب عقد میں ہونے کے باوجود بعض فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے جائز کہا ہے" (حوالہ بالا)

اقول: اس بات کی تفصیل ذیل میں عنوان "بیع الوفاء اور عقد سے قبل یکطرفہ وعدے کا حکم" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

(۷) بیع الوفاء اور عقد سے قبل یکطرفہ وعدے کو لازم سمجھنا

(الف) بیع الوفاء

بیع الوفاء کی تعریف کو سمجھنے سے پہلے چند باتیں معلوم ہونی چاہییں۔

(۱) بیع الوفاء میں بیع سے قبل وعدہ کیا جاتا ہے اور شرط لگائی جاتی ہے اور یہ شرط بھی ہے اور صلب عقد میں نہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۳) صورت مسئولہ میں اگر یہ بات ہو کہ بعض عقود متعلقہ اجارہ معتبر ہے اور عقد بھی درست ہے اور یہ وعدہ عقد لازم بھی ہے۔

(شرط فاسد کا بیان)

الجواب: بیع وغیرہ میں شرط فاسد کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) نفس عقد میں فاسد شرط لگائی جائے۔

(۲) عقد سے پہلے فاسد شرط لگائی جائے۔

(۳) عقد کے بعد فاسد شرط لگائی جائے۔

صورت اولیٰ کا حکم: اس صورت میں پوری امت کا اجماع ہے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مفسد عقد ہے اور اس بیع پر رہن کے سارے احکام جاری ہوں گے اس سے اتفاق ہے، بعض حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس صورت کے بعد متعلق ہو جانے اور معمول بہا فی بعض البلاد ہونے کو نقل فرمایا ہے، وہ وجہ سے درست معلوم نہیں ہوتا۔

مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: "غالباً جواز کا قول اس بنیاد پر ہے کہ یہ شرط متعارف ہوگئی ہے" (غیر سودی بینکاری ص ...) لیکن مجوزین کے قول سے یہ شرط ہر صورت مفسد عقد ہے، البتہ اگر ان شرائط کا تعامل (یعنی متعارف) عقد کے منافی ہو تو اس کو نافذ کر دیا جائے جس کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا تو بھی درست ہے ــــــ لیکن اکثر حنفیہ کا اس صورت کو رہن کہنا اور تقاضا کو صریح سود قرار دینا اور اس صورت کا انکار ہے۔

دوسرا: جب یہ حقیقت ہے تو اکثر حنفیہ اس صورت کو صریح سود مانتے ہیں اور سود قطعی طور سے حلال نہیں ہو سکتا جیسا کہ خود مصنف نے بھی تسلیم کیا ہے:

"... استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں" (غیر سودی بینکاری ص ۴۲۲)

تو اس کے بعد بعض کی روایت کو نقل کرنے کا کیا فائدہ؟

صورت ثانیہ یعنی نفس عقد سے پہلے شرط لگانے کا حکم: حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ کے پیش نظر صورت دوئم کی طرح یہ بھی ناجائز ہے بعض فقہاء اس سے استحسان سمجھتے ہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وقيل بيع يفيد الانتفاع به وفي اقالة شرح المجمع عن النهاية وعليه الفتوى، وقيل ان بلفظ البيع لم يكن رهنا ثم ان ذكرا الفسخ فيه او قبله او زعماه غير لازم كان بيعا فاسدا ولو بعده على وجه الميعاد جاز ولزم الوفاء به (ردالمحتار ج ص ۲۷۷، رشیدیہ)

علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (بعض حضرات فرماتے ہیں کہ) بیع وفاء ایسی بیع ہے جس سے انتفاع حاصل کیا جا سکتا ہے ... اسی پر فتویٰ ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر بیع وفاء لفظ بیع کے ساتھ منعقد ہو تو رہن نہیں ہوگی، پھر اگر دونوں عاقدین عقد بیع میں یا اس سے پہلے شرط ذکر کر دیں یا بیع کو لازم نہ سمجھیں تو یہ بیع فاسد ہوگی اور اگر عقد بیع کے بعد شرط فسخ بطور وعدہ کے ذکر کریں تو جائز اور پورا کرنا لازم ہوگا۔

صورت چہارم: مجلس عقد کے بعد وفاء کی شرط لگانے کا حکم: یہ صورت بالاتفاق جائز ہے اور اس صورت میں بعد العقد وعدے کو پورا کرنا دیانۃً واجب ہے۔ جیسا کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ سے واضح ہے۔

اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ

(۱) حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بیع الوفاء کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"جو معاملہ بصورت بیع بعض اہل معاملہ کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ مشتری بائع کے عوض میں جائیداد لے لیتا ہے اور اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض رہن کہتے ہیں اور بعض بیع کہتے ہیں اور ... بیع صحیح ہے یا بیع فاسد یا موقوف ہے ... کہ اس میں دو ... ہیں اگر بیع کے وقت اور بیع کے بعد ... فاسد ہے ... اگر بعد تمامی بیع وایجاب وقبول کو ... ہے ایک صورت ہے جس کی وجہ سے بیع میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے"

(عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص ۔۔۔ الفصل فی البیع بالوفاء)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۲) حضرت مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ بیع الوفاء سے متعلق فرماتے ہیں:

"اگر معاملہ بیع کی مجلس میں بطور شرط یا بطور وعدہ واپسی کا کوئی ذکر نہیں آیا بلکہ جس طرح اور لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں اسی طرح زید و بکر نے بھی بیع و شراء کر لی پھر کسی دوسری مجلس میں دوسرے وقت زید نے بکر سے اس رعایت کی درخواست کر لی اور بکر نے اس کو منظور کر لیا تو شرعاً یہ بیع درست ہو گئی۔ اب زید کو قانوناً مطالبہ واپسی کا کوئی حق باقی نہیں رہا، وہ کسی طرح بکر کو واپسی پر مجبور نہیں کر سکتا، بکر کو اس جائداد میں مالکانہ تصرف کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، اگر چاہے دوسرے شخص کو بیچ دے یا ہبہ کر دے، زید کو اس تصرف سے روکنے کا حق حاصل نہیں۔

البتہ دوسری مجلس میں اگر یہ وعدہ کر لیا ہے تب بھی بکر کو اختیار ہے کہ وہ مناسب سمجھے اور اس کی مصلحت کے خلاف نہ ہو تو کسی قیمت پر بھی واپس کر دے اور اگر مصالح کے خلاف ہو اور نقصان ہو تو اس کو واپسی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ زید کا روپیہ لینے سے انکار کر دے۔ غرض قضاءً اس پر کوئی حق باقی نہیں، دیانۃً بہتر یہ ہے کہ اس وعدہ کو پورا کرے جبکہ وعدہ کرتے وقت تو پورا کرنے کی نیت تھی لیکن بعد میں کسی مصلحت مذکورہ ضرورت یا احتمال نقصان کی بنا پر پورا نہیں کرتا تو شرعاً اس پر گناہ نہیں۔"

(فتاویٰ محمودیہ ج ۱۶ ص ۲۵۵، ۲۵۶)

(۳) ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"اگر یہ شرطیں بوقت عقد بیع سے پہلے طے کی گئی ہیں یا بیع کے ساتھ کی گئی ہیں تو ان دونوں کا ایک حکم ہے۔ اگر بیع مطلق کی گئی اور یہ شرطیں نہیں لگائی گئیں تب بھی امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان شرطوں کا یہی حال ہے جیسا کہ نفس عقد میں لگائے، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بیع صحیح ہو گئی اور شرط ایک وعدہ ہے اس کا پورا کرنا دیانۃً ضروری ہے اگر پورا نہیں کرے گا تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، لیکن قضاءً مجبور نہیں کیا جائے گا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کی ترجیح نقل کی ہے۔"

(فتاویٰ محمودیہ ج ۱۶ ص ۲۶۴)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اقول: ۱) حضرت مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان و حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بھی خلاف ہے،
کیونکہ مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ صراحۃً بیع کو فاسد اور عقد کے بعد کو وعدہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) ایسے ہی امداد المفتین میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا گیا ہے:

"درمختار میں ہے: وقیل بیع یفید الانتفاع به وفی اقالة شرح المجمع عن النهاية وعليه الفتوى، وقيل ان لفظ البيع لم يكن رهنا ثم ان ذكرا الفسخ فيه او قبله او زعماه غير لازم كان بيعا فاسدا ولو بعده على وجه الميعاد جاز ولزم الوفاء به الخ۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر شرط واپسی کی صلب عقد میں لگائی گئی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو یہ بیع فاسد ہے جس کا فسخ کرنا متعاقدین پر واجب ہے البتہ اگر شرط واپسی صلب عقد میں نہ لگائی اور بعد عقد کے بطور وعدہ کے اقرار کر لیا گیا تو اس صورت میں بیع جائز ہوگی اور بعد ختم مدت کے واپس کرنا بائع کا اگر مشتری پر بھی بطور وعدہ لازم ہوگا۔" (امداد المفتین ج ۲ ص ۷۹۶)

تنبیہ: عقد کے بعد کے وعدہ کو بیع وفاء اور عقد سے پہلے وعدہ کے جواز کو نہ ذکر کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی صلب عقد میں وعدہ کرنے کی طرح ہے اس لئے عبارت بھی اسی کے موافق لائی گئی ہے۔

(۳) اسی طرح حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بیع الوفاء سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: ایک شخص چیز کسی سے اس شرط پر خریدتا ہے کہ جب وہ شخص قیمت واپس دے گا تو وہ چیز اس کو واپس دے دی جائے گی کیا یہ معاملہ جائز ہے؟

الجواب وھو الموفق للصواب

اگر بیع کے معنی اس سے پہلے شرط لگائی گئی ہو یا بالکل اس معاملہ کو غیر لازم سمجھتے ہوں تو بیع فاسد ہے اور اگر بیع کے بعد وعدہ کیا ہو تو بیع صحیح ہے اور اس وعدہ کا ایفاء لازم ہے۔

قال فی الخلاصة: وقیل بیع یفید الانتفاع به وفی اقالة شرح المجمع عن النهاية وعليه الفتوى وقيل ان لفظا البيع لم يكن رهنا ثم ان ذكرا الفسخ فيه او قبله او

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

وضمنه ضيع لا يرد كان بيعا فاسدا ولو بعده على وجه الميعاد جاز ولزم الوفاء به

(رد المحتار ج ۴ ص ۲۴۷ واللہ اعلم) (احسن الفتاوی ج ۶ ص ۵۰۷)

﴿دوسری صورت یعنی شرط وعدہ قبل العقد کے جواز کے مستدلات کا تجزیہ﴾

حضرت مصنف نے ان صریح عبارات فقہیہ اور اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ کے خلاف جواز کا قول فرمایا ہے اور اس پر بعض عبارات فقہیہ سے استدلال بھی کیا ہے ان عبارات سے استدلال کس حد تک درست ہے اور ان کا کیا مطلب ہے آئندہ ملاحظہ ہو۔

پہلی عبارت فرماتے ہیں:

"یعنی اگر عقد بیع شرط سے خالی ہو لیکن بیع وفا کی شرط عقد سے الگ ایک وعدے کے طور پر ذکر کی جائے تو بیع درست قرار دی جائے اور ایسی صورت میں وعدے کو بھی لازم قرار دیا جائے جیسا کہ فقہ حنفی کی کتب میں بیع الوفاء کی بحث میں اس کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے:

وبعض مشايخ سمرقند قالوا: اذا لم يكن الوفاء مشروطا في البيع يجعل هذا بيعا صحيحا في حق المشتري حتى يحل له الانتفاع بالمشتري كما يحل الانتفاع بسائر املاكه ويجعل رهنا في حق البائع حتى لا يتمكن المشتري من بيعه واذا مات لا يورث عنه واذا جاء البائع بالمال يؤمر المشتري باخذ المال ورد المبيع عليه ويجوز ان يكون للعقد الواحد حكمان وقد مر نظير هذا في السلم وانما قلنا هكذا لحاجة الناس بعضهم الى اموال البعض مع صيانتهم عن الوقوع في الربا.

(المحیط البرہانی فی کتاب البیوع الفصل ۲۵ ج ۱۰ ص ۲۹۳ طبع ادارۃ القرآن / فقہی مقالات ج ۱ ص ۲۲۲)

اقول: اس عبارت میں بیع الوفاء شرط وعدہ کو صراحۃً جائز کہا گیا ہے لیکن اس کو دوسری صریح عبارات کے مطابق بھی دیکھیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

تحویل کیا جاسکے گا۔

دوسری عبارت فتاویٰ خیریہ میں ہے:

"واختلفوا في البيع الذي يسميه الناس بيع الوفاء أو بيع الجائز، قال أكثر المشايخ منهم السيد الإمام أبو شجاع والقاضي الإمام أبو الحسن علي السغدي: حكمه حكم الرهن ـــــ والصحيح أن العقد الذي جرى بينهما إن كان بلفظ البيع لا يكون رهنا، ثم ينظر إن ذكرا شرط الفسخ في البيع فسد البيع، وإن لم يذكرا ذلك في البيع وتلفظا بلفظة البيع بشرط الوفاء، أو تلفظا بالبيع الجائز، وعندهما هذا البيع عبارة عن عقد غير لازم فكذلك. وإن ذكرا البيع من غير شرط ثم ذكرا الشرط على وجه المواعدة جاز البيع، ويلزمه الوفاء بالوعد، لأن المواعدة قد تكون لازمة، فتجعل لازمة لحاجة الناس" (الفتاوی الخیریۃ علی هامش الهندیۃ ج ۲ ص ۱۶۴، ۱۶۵، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

یعنی جس بیع کو لوگ بیع الوفاء یا بیع جائز کہتے ہیں اس کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر مشائخ جن میں سے امام ابو شجاع اور قاضی ابو الحسن علی سغدی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ یہ رہن کے حکم میں ہے ـــــ صحیح بات یہ ہے کہ دونوں کے درمیان عقد اگر لفظ بیع سے ہوا ہے تو عقد رہن نہیں ہوگا بلکہ دیکھا جائے گا کہ اگر انہوں نے شرط فسخ بھی عقد بیع کے درمیان میں ذکر کیا ہے تو یہ بیع فاسد ہے، اور اگر عقد بیع کے درمیان میں شرط ذکر نہیں کی اور "بیع بشرط الوفاء" یا "بیع جائز" کے الفاظ سے بیع منعقد کی اور متعاقدین اس بیع کو "عقد غیر لازم" سمجھتے ہیں تو بھی یہی حکم ہے کہ یہ بیع فاسد ہے، اور اگر عقد بیع بغیر شرط کے کیا پھر بعد میں شرط فسخ کو بطور وعدہ کے ذکر کیا تو یہ بیع جائز ہے اور وعدے کو پورا کرنا لازم ہے، اس لئے کہ بعض وعدے ایسے بھی ہوتے ہیں جو لازم ہوتے ہیں، لہٰذا اس کو پورا کرنا لوگوں کی ضرورت اور حاجت کی وجہ سے لازم کیا گیا ہے۔

اقول: اس عبارت میں "ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع الخ" یعنی اگر بعد میں شرط فسخ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ عقد سے پہلے اگر کرلیں تو بیع جائز ہے" واضح دلیل ہے کہ بعد العقد جو وفا کی شرط کا بیان ہے نہ کہ قبل العقد۔

تصریح ملاحظہ ہو جامع الفصولین میں ہے:

"شرطا شرطاً فاسداً قبل العقد، ثم عقدا لم يبطل العقد، ويبطل لو تقارنا." (الملتقط) بعض مشايخ زماننا قالوا: الشرط لو لم يكن في العقد جعلنا بيعاً صحيحاً في حق المشتري حتى ينتفع بالمبيع كسائر أملاكه، وجعلناه رهناً في حق البائع حتى لم يجز بيع المبيع، ويجبر المشتري على قبول الثمن وردّ المبيع على بائعه، لأن هذا البيع مركب منهما كالهبة بشرط عوض وهبة في المرض، وكثير من الأحكام يكون له حكمان، وإنما جعلناه كذلك لحاجة الناس إليه حلولاً عن الربا خصوصاً في ديارنا لأنهم ببلخ اعتادوا في هذا الباب الدين والإجارة الطويلة ولم يمكنهم في الكرم، والإجارة في الكرم لا تصح لما عرف، وبخارى اعتادوا الإجارة الطويلة، ولم يمكنهم ذلك إلا بعد شراء الأشجار، وهذا الشراء عقد وفاء، فاضطروا إلى ما قلنا وما ضاق على الناس اتسع حكمه".

بعض فقہائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے اس بات کی بھی صراحت فرمائی ہے کہ وفا کا وعدہ اگر بیع سے پہلے ہو [illegible] عقد سے خارج [illegible] اس کا اعتبار نہیں سمجھا جائے گا، اور اگر [illegible] تصریح بھی جامع الفصولین میں [illegible] کیا گیا ہے:

"ولو تواضعا قبل البيع ثم تبايعا بلا ذكر شرط جاز البيع عند ح رحمه الله إلا إذا تصادقا أنهما تبايعا على تلك المواضعة، وكذا لو تواضعا الوفاء قبل البيع ثم عقدا بلا شرط الوفاء فالعقد جائز، ولا عبرة للمواضعة السابقة" (جامع الفصولين، الفصل ۱۸ في بيع الوفاء [illegible] ص ۲۳۵، ۲۳۶)

اقول: اس [illegible] عبارات سے [illegible] باتیں [illegible]

(۱) [illegible] شرط عقد سے پہلے [illegible] عقد میں [illegible] اس شرط کا ذکر نہیں کیا البتہ دونوں اس بات پر متفق

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کی بیع درست نہیں ہوگی، یہ بات طے ہوئی ہے تو یہ عقد جائز نہیں۔ دیکھئے: "ولو تواضعا قبل البيع ثم تبايعا بلا ذكر شرط جاز البيع عند محمد رحمه الله إلا إذا تصادقا أنهما تبايعا على تلك المواضعة" اس کی بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

(۲) معاہدہ کی شرط عقد سے پہلے طے ہوئی لیکن عقد کے وقت نہ تو اس کا ذکر ہے اور نہ ہی متعاقدین نے کہا کہ اس شرط کی بنیاد پر عقد ہو رہا ہے تو یہ عقد جائز ہے کیونکہ شرط سابق کا کوئی اعتبار نہیں لیکن بائع کو واپس کرنا اس شرط کی بنا پر اس پر لازم نہیں۔

دیکھئے: "وكذا لو تواضعا الوفاء قبل البيع ثم عقدا بلا شرط الوفاء فالعقد جائز، ولا عبرة للمواضعة السابقة" کی عبارت میں بھی یہی ہے۔

جامع الفصولین کی عبارت کی بنیاد پر حضرت مولانا نے فرمایا:

"بعض فقہاء کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے اس بات کی بھی صراحت فرمائی ہے کہ وفا کا وعدہ اگر بیع سے پہلے ہوا ہو یا بیع کے بعد ہوا ہے تو صاحب جامع الفصولین کے نزدیک شرط نہیں سمجھا جائے گا، اور اس کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوگی"
(غیر سودی بینکاری ص ۴۳۶)

یہ عبارتیں بھی ان کے مطابق نہیں ہیں، کیونکہ "تصادق" کی صورت میں فساد کی تصریح اور "عدم تصادق" کی صورت میں بھی شرط کا غیر معتبر ہونا دونوں حضرت کے مدعا کے خلاف ہیں، کیونکہ حضرت کا مدعا دو چیزیں ہیں (۱) صحت عقد اور (۲) لزوم شرط، جبکہ جامع الفصولین کی عبارات میں جہاں صحت عقد ہے وہاں لزوم شرط نہیں ہے، اور جہاں شرط معتبر ہے وہاں عقد صحیح نہیں۔

چوتھی عبارت: فرماتے ہیں:

"اور جامع الفصولین میں اس مسئلہ کو صرف بیع الوفاء کے ساتھ مخصوص نہیں رکھا بلکہ اسے ایک عام حکم کے طور پر اس طرح ذکر کیا ہے:

"شرطا شرطا فاسدا قبل العقد، ثم عقدا لم يبطل العقد، ويبطل لو تقارنا"
(ایضاً ص ۴۳۶، غیر سودی بینکاری ص ۴۳۶)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اقول: یہ عبارت بھی محترم مفتی صاحب کے خلاف ہے کیونکہ اس عبارت میں عدم بطلان عقد کا بیان تو ہے بشرط عدم تقدیم بھی اس شرط کا لازم قرار دیا ہے کا مجھ تو نہیں بلکہ جامع الفصولین کی سابقہ عبارت میں شرط کے غیر معتبر ہونے کی صراحت ہے جبکہ آپ محترم نے اس شرط کو صرف لازم ہی نہیں بلکہ قضاءً لازم اور خلاف کی صورت میں بعض تصرفات کے بطلان کا سبب بھی بنا رکھا ہے۔

پانچویں عبارت: محترم مفتی صاحب نے علامہ خالد اتاسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت نقل فرمائی ہے کہ انہوں نے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اقول: محترم مفتی صاحب مدظلہم العالی نے خود ہی علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اعتراض کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ اتاسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب کو تشفی بخش قرار دیا ہے فرماتے ہیں:

"میری حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جامع الفصولین میں بھی پہلے وعدے کو غیر مفسد اس صورت میں فرمایا ہے جب بیع کرتے وقت اس کی تصدیق نہ کریں کہ بیع اس سابقہ وعدہ کی بنیاد پر ہو رہی ہے لیکن اگر بیع کے عقد کے وقت انہوں نے اس قسم کی کوئی بات کہہ دی کہ اس بیع کو اس سابق وعدے پر مبنی کیا جا رہا ہے تو اس صورت میں صاحب جامع الفصولین نے بھی بیع کو جائز نہیں کہا جیسا کہ اوپر کی عبارت میں ان الفاظ: "ویفسد العقد بالبیع حین قبضہ قرینۃ بالبیع الصحیح رحمہ اللہ الا ان تقاولا تحملا علی ذلک الموعد" سے ظاہر ہے علامہ ابن عابدین (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو اعتراض اس صورت پر تھا جب وہ بیع کی بنا اس وعدے پر کریں اس صورت میں وہ وعدے کا اعتبار کر رہے تھے اور اس صورت کو جامع الفصولین میں بھی جائز سے مستثنیٰ کر کے فاسد کہا ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض معلوم نہیں ہوتا لیکن یہاں بات یہ ہے کہ عقد کے وقت وہ اس بات کو ذکر کریں کہ بیع اس وعدے پر مبنی ہے کیونکہ اس صورت میں معاملہ شرط فاسد کی بنا پر فاسد ہو جاتا ہے۔" (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص ۲۲۹)

محترم مفتی صاحب دامت برکاتہم نے ایک نیا حق ایجاد کیا ہے اور اس کی عبارت جامع الفصولین سے مستنبط قرار دیا ہے، چونکہ تحقیق کا حق ہر ایک کو ہے اس لئے اس سلسلے میں ہم کسی سے کوئی شکایت نہیں کرتے اور ہماری حیثیت ہی کیا ہے لیکن ... "تحقیق" ... "یہ استنباط درست معلوم نہیں ہوتا" ... اب وضاحت اور احتیاط کیجئے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

وضاحت: یہ تحقیق کر رہے ہیں کہ عقد کے وقت جب تک زبان سے یہ بات صراحۃً نہ کہی کہ یہ عقد پہلی شرط کی بنیاد پر ہو رہا ہے تو یہ بیع صحیح ہے اور اس کو عقد بالشرط نہیں کہا جائے گا، اگرچہ دل اور قرائن سے دونوں کسی شرط کی بنیاد پر ہی عقد کر رہے ہوں اور عقد مکمل ہونے کے بعد دونوں اس بات پر متفق ہوں کہ ہم نے جو بلا ذکر شرط عقد کیا ہے وہ حقیقت میں شرط نہیں بلکہ بالشرط ہے۔

استنباط: معلوم ہوا ہے کہ جو حکم الصورتین کی عبارت "ولو تواضعا الخ" سے استنباط فرمایا گیا ہے اور "الا اذا تصادقا الخ" کے تحت جو تفصیل بیان ہے، بلکہ اس سے پہلے "ثم تبایعا بلا ذکر شرط" کی صراحت اس حکم اور تحقیق کو مؤکد کر رہی ہے۔

دیکھئے یہاں معاملے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) بیع سے پہلے شرط ہو اور بعد عقد تصادق بھی نہیں۔

(۲) بیع سے پہلے شرط ہو اور بعد عقد تصادق ہے۔

دونوں صورتوں میں عقد کے وقت شرط سابق کو کسی طرح بھی زبان سے ذکر نہیں البتہ ایک صورت میں جانبین دل سے سمجھتے ہیں کہ شرط سابق کی بنیاد پر سب کچھ ہو رہا ہے، اسی لئے تو فرمایا "الا اذا تصادقا انھما تبایعا علی تلک المواضعۃ" اس عبارت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ عقد کے بعد دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ انہوں نے اس سے پہلے جو طے کی تھی وہ شرط کی بنیاد پر ہے، اور دوسری صورت میں دونوں سمجھتے ہیں کہ شرط سابق سے ہٹ کر نیا عقد ہوا ہے اسی لئے تو فرمایا "ولا عبرۃ للمواضعۃ"۔

حاصل: اس عبارت سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ سابقہ شرط کو معتبر سمجھتے ہوئے جو عقد ہوگا اگر عقد کے وقت اس کا تذکرہ بھی نہ ہو تو وہ عقد بالشرط ہوگا اور اس پر عقد بالشرط کے احکام جاری ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"الجواب: اس میں دو مقام قابل جواب ہیں، ایک یہ کہ زید و عمرو میں جو گفتگو ہوئی یہ وعدہ محض ہے کسی کے ذمہ ضروری نہیں، اگر زید کے مکان لے لینے کے بعد بھی عمرو انکار کردے تو زید کو مجبور کرنے کا کوئی حق نہیں، لیکن اگر عرف و عادت میں عمرو مجبور سمجھا جاوے تو یہ عقد فاسد اور واجب الفسخ ہے۔" (امداد الفتاوی ج ۳ ص ۲۰)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تصدیق کو وقت عقد کے ساتھ مختص کر کے اس بیع بالشرط سے خارج کرنا کسی طرح درست معلوم نہیں ہوتا جب یہ استنباط ہی درست نہیں تو اس پر آگے جتنی تعمیر کی گئی ہے وہ بھی درست نہ ہوگی۔

﴿حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتوی سے استدلال اور اس کا جواب﴾

فرماتے ہیں:

"اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اس وعدے کو بعض صورتوں میں جانبین سے لازم قرار دیا گیا ہے اور حاجت اس کے بغیر مندفع نہیں ہوتی کہ وعدہ کو بعض اوقات لازم قرار دیا جائے، ذیل میں حضرت کا فتوی نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: فتاویٰ قاضی خان ج۲ ص ۱۶۵ مطبوعہ نولکشور میں ہے: ثم اختلفوا في بيع الوفاء أو البيع الجائز ---- إلى أن قال ---- وإن ذكر البيع من غير شرط ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع ويلزمه الوفاء بالوعد لأن المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس. الخ اس عبارت کا مطلب کیا ہے؟ کیا یہ بھی جائز ہے کہ بائع مشتری سے کہہ دے کہ تم بیع تو ہمارے ساتھ بلا شرط کر لو مگر ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اتنی مدت میں اگر تم چاہو گے تو ہم تمہاری شے کی قیمت بھی واپس کر دیں گے یا اتنی قیمت کے ساتھ ہمارے ہاتھ بیع ڈالیں گے، اس پر بائع رضامند ہو جائے اور کہہ دے کہ میں نے یہ شے دے دی ہے یا تمہاری شے اتنی قیمت میں بیچی، مشتری قبول کرے، بعد وعدہ وہی مختص کرے تو وعدہ عقد سے علیحدہ بھی جائز ہے کہ بیع بالشرط ہونا کسی قرارداد کے ہو، اور بعد البیع مشتری [illegible] کا وعدہ کرے اور طرف دوسری صورت کے علاوہ [illegible] ہوتی، کیونکہ [illegible] مستحب ہے، [illegible] ہونا [illegible] ضرورت نہیں ہوتی۔

الجواب: آپ کا [illegible] ہے [illegible] مگر وعدہ کے ساتھ شرط [illegible] کا ذکر کیا گیا ہے [illegible] نہیں ہوتی اور ان دونوں صورتوں میں اصل مذہب یہ ہے کہ یہ فاسد ہے، کما في

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

الدر المختار: ان ذكرا الفسخ فيه او قبله او زعماه غير لازم كان بيعا فاسدا، ولو بعده على وجه الميعاد جاز و لزم الوفاء به لانه … اور بعض نے کہا کہ اگر عقد سے قبل ذکر کی ہوئی شرط کا عقد میں ذکر نہ ہو … تو عقد صحیح ہوگا، لیکن یہ وعدہ کی شرط پوری کرنا لازم ہوگی، كما فى الدر المختار: لو تواضعا على الوفاء قبل العقد ثم عقدا خاليا عن شرط الوفاء فالعقد جائز و لا عبرة للمواضعة ج ۵ ص ۲۷۷۔ لیکن کثیر من المتاخرین کا فتوی ہے کہ قبل العقد ذکر کی ہوئی شرط بھی معتبر اور ملحق بالعقد ہے لضرورة الناس، و فى رد المحتار و قد سئل الخير الرملى عن رجلين تواضعا على بيع الوفاء قبل عقده و عقدا البيع خاليا عن الشرط، فأجاب بأنه صرح فى الخلاصة و الفيض و التتارخانية و غيرها بأنه يكون على ما تواضعا، ج ۴ ص ۲۷۷، فقط واللہ اعلم ۲۳ رمضان ۱۳۹۳ھ

سوال: پہلے سوال کے جواب میں ارشاد ہوا ہے "لکن کثیر من المتاخرین کا فتوی ہے کہ قبل العقد ذکر کی ہوئی شرط بھی معتبر اور ملحق بالعقد ہے لضرورة الناس، و فى رد المحتار: و قد سئل الخير الرملى عن رجلين تواضعا على بيع الوفاء قبل عقده و عقدا البيع خاليا عن الشرط، فأجاب بأنه صرح فى الخلاصة و الفيض و التتارخانية و غيرها بأنه يكون على ما تواضعا، ج ۴ ص ۲۷۷" انتہی۔ اس میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ خیر رملی کے جواب سے … بیع الوفاء کا جواز معلوم ہوتا ہے اور نہ عدم جواز کیونکہ یکون علی ما تواضعا … کما زعمه البعض، بلکہ … اگر یہ عقد جب صورۃ مطلق عن الشرط و معنی مقید بالشرط ہے بناء على اصل المذهب فاسد ہے یا لضرورۃ الناس جائز، لیکن … کرنے سے … معلوم نہیں ہوا۔

الجواب: … سے شرط کے … لضرورۃ الناس ہے، اور نقل … لضرورۃ الناس میں … مثلاً رد المحتار میں ہے: فيها:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

القول السادس في بيع الوفاء أنه صحيح لحاجة الناس فرارا من الربوا، و قالوا: ما ضاق على الناس أمر إلا اتسع حكمه. في رد المحتار: قوله: "فيها" أي في البزازية من فروع كلام الأشباه. ج ۴ ص ۲۷۶" (امداد الفتاویٰ، کتاب البیوع، سوال ۱۲۵، ج ۳ ص ۱۲۹ تا ۱۳۰)

(غیر سودی بینکاری ص ۴۳۸ تا ۴۵۱)

اقول: حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتویٰ سے حضرت مدظلہ کا اپنے مدعیٰ پر استدلال درست نہیں۔

اولاً: اس لئے کہ یہ فتویٰ کسی صحیح قول پر مبنی نہیں کیونکہ جس طرح آج عقد سے پہلے شرط کے بغیر حاجت مندفع نہیں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں بھی مندفع نہیں ہوتی تھی، اس کے باوجود انہوں نے بعد العقد شرط کی اجازت دی ہے قبل العقد کی نہیں دی۔

ثانیاً: … سے متعلق … اگر … ان کو غور سے دیکھا جائے ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائے گا کہ شرط قبل العقد کو حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اندفاع حاجت کے لئے معتبر مانا ہے یا نہیں؟

ثالثاً: حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ابتلاء عام اور حاجت الناس کی وجہ سے اس کو جائز اور حلال فرمایا ہے جبکہ ابتلاء عام کی وجہ سے حرام حلال نہیں ہوتا ——— حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک فتویٰ بابت … ہے جس میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی ایک بیان کردہ وجہ جواز کا … حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے … کے جواز کی دوسری وجہ ابتلاء عام بھی بیان فرمائی ہے مگر اول … دوسری یہ کہ ابتلاء عام حرام کو حلال کرنے میں موثر نہیں ہے" (فتاویٰ محمودیہ …)

بیع الوفاء کے متعلق جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ صورت بھی مختلف فیہ ہے اور راجح قول اور اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ کی روشنی میں ناجائز اور حرام ہے تو ابتلاء عام کی وجہ سے کیونکر یہ حرام حلال ہو جائے گا، … یہی کہا جائے گا کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس فتویٰ میں تسامح ہوا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ بیع الوفاء میں غور کرنے والے حضرات بھی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی اس تحقیق کے مطابق فتویٰ دیتے ہوں گے اور دلائل جائز سمجھتے ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ آج تک ہم نے کسی بھی مجوزین حضرات میں سے کسی ایک سے بھی کسی مقروض اور [illegible] دینے والے کو اس طرح بیع الوفاء کا حیلہ بتلاتے ہوئے نہیں سنا اور فتویٰ دیتے ہوئے نہیں دیکھا کہ بیع الوفاء کی اس صورت کے مطابق اس سے کوئی نفع بخش اور جائز [illegible] کی راہ نکال لو کہ [illegible] اس سے خوب نفع اٹھاتے رہو، یہ نفع تیرے لئے حلال و طیب ہے [illegible] جب [illegible] واپس کر کے یہ چیز واپس کر لے۔

بیع الوفاء کے مسئلے میں جس میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا یہ فتویٰ نص ہے، اگر بھی مجوزین حضرات صاحب بدائع رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف فتویٰ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں تو اس سے استنباط کر کے مرابحہ [illegible] اور اجارہ [illegible] کو کیسے جائز کہہ سکتے ہیں جبکہ بیع الوفاء سے بہت زیادہ مرابحہ اور اجارہ میں حکیم الامت قدس سرہ کا منصوص فتویٰ عدم جواز اور حرمت کا ہے جس کی تفصیل آگے مقصد ثانی کے ابطال کے عنوان کے تحت آ رہی ہے۔ یہ قاعدہ بھی پیش نظر رہے کہ عبارۃ النص اور اشارۃ النص میں تعارض ہو تو ترجیح عبارۃ النص کو ہوتی ہے۔

مقصد ثانی کا ابطال

بیع الوفاء کے [illegible] کے علاوہ مرابحہ [illegible] اور اجارہ [illegible] میں دوسری شرائط کے عدم [illegible] سے یہ مقصد [illegible] حاصل نہیں۔

(۱) جب [illegible] حکیم الامت قدس سرہ [illegible] سے بیع الوفاء [illegible] ہے، بیع قبل القبض [illegible] ہوا اور [illegible] تو مرابحہ اور اجارہ [illegible] مقصد [illegible] ہوگی۔

(۲) حضرت حکیم الامت قدس سرہ [illegible] مرابحہ اجارہ [illegible] کی حرمت [illegible] کیا جا رہا ہے وہ بھی [illegible] ہے۔

[illegible] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کا [illegible] ہیں۔

(۱) حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے [illegible] بیع قبل القبض کو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ تحریر ملاحظہ ہو، سوال و جواب دونوں بلا تصرف نقل کیے گئے ہیں:

سوال (۲۵۹): عمرو نے زید کو پانچ سو روپے اس لئے دیے کہ زید نے تجارت یا پوشش کے لئے دیے اور کوئی اجرت یا حصہ منافع مقرر نہیں ہوا کہ قرار داد بھی باقی ہو اور اس میں اجرت کی نسبت ذکر بھی نہیں آیا اور قبل خریداری مال اور نرخ کی قیمت کے یہ امر طے ہو چکا تھا کہ یہ مال سوا چھ روپے سیکڑہ کے منافع سے میعادی ایک مہینے کے عمرو سے لیں گے، زید نے بازار سے خرید کر اپنے گھر لے آیا اور عمرو کو بلا کر مال دکھلا کر حوالہ کر دیا مگر قیمت میں ادا نہ سمجھی کہ یہ مال پانچ سو روپے کا ہے، اس کے بعد عمرو نے زید سے دریافت کیا کہ تم یہ مال ہم سے کس قیمت کے وعدے پر خریدتے ہو، تو زید نے کہا کہ ایک ماہ کے وعدے پر، عمرو نے اس کو قبول کیا، بعد ختم ہونے مدت ایک ماہ کے عمرو نے زید سے اصل روپیہ مع منافع طلب کیا، زید نے صرف سو چھ روپے عمرو کو دے کر اصل روپیہ کی نسبت عذر کیا کہ میرے پاس اس وقت موجود نہیں ہے بلکہ کچھ مال موجود ہے کچھ نقد ہے اور کچھ ادھار میں ہے، عمرو نے کہا کہ اگر تمہارے پاس روپیہ موجود نہیں ہے تو تم اس قدر مال کا مال آئندہ کے لئے مجھ کو دے کر اور بعد ختم مدت کے زید نے پانچ سو روپے کا مال اپنے پاس دکھلایا اور عمرو کو دے کر حوالہ کر دیا اور عمرو نے اسی طرح مدت کی ایک میعاد سے قرار پائی ہے اور کچھ زائد ہے۔

الجواب: یہ بیع دو عقدوں پر مشتمل ہے، ایک یہ کہ زید نے عمرو سے مال خریدا اس کا حکم یہ ہے کہ اگر زید عمرو کو خریدنے پر مجبور نہ کرے تو جائز ہے اور اگر مجبور کرے تو ناجائز ہے۔ دوسرے یہ کہ مدت ختم ہونے کے بعد عمرو نے مال لیا اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں یہ شرط ٹھہری کہ عمرو سے یہ مال زید خریدے گا تو حرام ہے اور اگر یہ شرط نہ ٹھہری تھی بلکہ آزادی سے ہوا تو جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۰)

(۳) وعدہ کی صورت میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ مشتری کے قول کو ترجیح فرماتے ہیں نہ کہ بائع کے قول کو، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

سوال (۴۴۰): زید نے عمرو سے کہا میں تم کو روپیہ قرض دوں اور تم بازار سے لانے کی اور بار بار داری کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

قیمت ادا کر دیں پھر جب تم میرے پاس تیرہ من کپڑا لاؤ گے تو پھر تم اس مال میں شریک نہ رہو گے۔

الجواب: اس کہنے سے عمرو کو حق مال کو قبض نہ لانے کا وقت بیع مرابحہ فیما بینہما نافذ نہیں ہوا عمرو کو مثل مشتری اجنبی کے تمام حقوق حاصل ہیں البتہ زید کو یہ اختیار رہے گا کہ جس وقت عمرو اجیر وکیل ہونے کی حیثیت سے مال لاوے یہ کہہ کر قبض مال لانے سے منع کر دیا اتفاقاً ناقص ہونے کی صورت میں عمرو سے بعد مطالبہ کرے کہ دیے ہوئے دے مگر جب مال کو قبول کر لیا تو زید کو کوئی حق نہیں رہا مگر عمرو کو بھی حق واپس کا ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۳ ص ۲۱)

(۲) "وکیل بالشراء نے اپنے موکل سے مال نہیں لیا اور ثمن قرض وار دینے کا وعدہ پورا نہ کیا" کے عنوان کے تحت سوال کے جواب میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشتری کو وعدہ خلافی کی وجہ سے گناہ گار قرار دیا ہے یعنی التزام کا حکم قضاءً نہ ہونے کی تصریح فرما دی ہے۔

"سوال (۴۹): عمرو اپنے معمول کے مطابق ایک ماہ کے بعد زید کو روپیہ نقد دیتا اور روپیہ جمع کر رکھتا ہے اور اس روپیہ سے جو مال آتا ہے وہ فروخت کرتا رہتا ہے منافع اٹھاتا ہے کبھی ڈیڑھ ماہ میں کبھی دو ماہ میں خلاف میں، تو دو صورت میں روپیہ اصل مع منافع کے رہتا ہے مگر جس قدر مدت معین ہے وعدہ کی ہے اس کے موافق مطلب ہو تب دیا جاتا ہے۔

الجواب: جب زید کو نقصان دیا جاتا ہے زید پر کوئی الزام نہیں، عمرو پر بوجہ وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا۔"

(امداد الفتاوی ج ۳ ص ۲۴۳)

اقول: پہلے فتوے سے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک صورت کے ساتھ مجوزین حضرات کے استدلال کو رد فرمایا ہے یعنی حضرت کے وعدہ اور شرطوں کی شمولیت سے بیع مرابحہ کو ناجائز فرمایا ہے ——

جو حضرت مجیب صاحب قدس سرہ نے "سوال نمبر ۵۰" کے جواب میں فرمایا ہے

"اگر زید عمرو کو وعدہ پر مجبور نہ کرے تو جائز ہے اور اگر مجبور کرے تو ناجائز ہے ہمارے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں یہ قرار ہو کہ عمرو سے مجبوراً لیا جائے تو حرام ہے اور اگر یہ قرار نہ ہو تو پھر اگر خریدے آزادی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے جو وعدہ کیا ہے اس کا شرعی طور سے پورا کرنا ضروری ہے" (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۰)

اقول: تو مروجہ معاملات مثلاً مرابحہ اور اجارات وغیرہ میں ان شروط کی پابندی لازم ہے اور ان کے خلاف پر تعزیر مانتے ہیں جبکہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پابندی اور شرط کو ناجائز اور حرام فرمایا ہے۔

اس لئے بیع الوفاء کے ضمن میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ ذکر کرنا ان حضرات کے لیے چنداں مفید نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ بیع الوفاء میں بقول حضرت مدظلہ کے گنجائش دیتے ہیں کیونکہ وہاں شرط معروف نہیں ہے جبکہ اصل مقصد یہ دو شرطیں ہی ہیں۔

﴿ کیا شرط وفا فی العقد میں دو قول ہیں؟ ﴾

لکھتے ہیں:

"واقعہ یہ ہے کہ قاضی خان کی عبارت اگرچہ صریح نہیں اور اس میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ "مخل بالعقد" کا مطلب یہ لیا جائے کہ اس کی سابقہ مفاہمت عقد کو فاسد نہیں کرے گی لیکن عقد سے فسخ کے بعد وہ کسی حیثیت میں معتبر ہوگی لیکن اس کتاب کی عبارتوں کو سیاق و سباق کے ساتھ دیکھنے سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک "مخل بالعقد" کا مطلب یہ ہے کہ وعدہ سابقہ کو شرط فی العقد سمجھا جائے گا اور بیع فاسد ہوگی۔ لیکن جامع الفصولین کی عبارت اس پر صریح ہے کہ عقد صحیح ہوگا اور اسے اس وقت تک شرط بھی نہیں سمجھا جائے گا جب تک عقد کرتے وقت وہ صراحۃً نہ کرے کہ یہ عقد وعدہ سابقہ پر مبنی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں دونوں قول موجود ہیں اور حضرت حکیم الامتؒ نے جواز کے قول کو بعض حالات میں ترجیح دی ہے" (غیر سودی بینکاری ص ۱۵۱،۱۵۲)

اقول: عجیب ہے کہ جامع الفصولین کی عبارت صحت عقد میں تو صریح ہے لیکن شرط کے معتبر ہونے میں تو صریح نہیں بلکہ صراحۃً اس میں شرط کے غیر معتبر ہونے کا ذکر ہے ——— تو اس جواز کے قول سے بھی ان حضرات کا مقصد حاصل نہیں ہوتا کیونکہ مقصد تو عقد کے صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ شرط کو لازم کرنا بھی ہے اور اس میں لزوم شرط کی بات نہیں ہے۔ اس لئے یہ مقصد حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتویٰ کو قبول کر کے بھی درست نہ ہوگا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں :

﴿ایک سوال اور اس کا جواب، پھر دونوں پر تبصرہ﴾

محترم مستفتی:

"یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب صفقہ کے ساتھ کسی اور عقد بیع من غیر تعلیق الشرط کو جائز کیا جائے جیسا کہ بیع مع الشرط میں ذکر ہے جو رجحان کیا ہے اور البحر الرائق میں اس پر فتویٰ دیا گیا ہے تو یہ محض ایک صفقہ فی صفقہ ہو گیا جب کہ محققین جانتے ہیں کہ بیع اسی معاہدے کی بنیاد پر ہو رہی ہے لہذا اس میں اور تعلیق بالشرط میں کیا فرق ہے؟ تو اس سوال کا جواب حضرت نے "بحوث في قضايا فقهية معاصرة" میں اس طرح دیا ہے۔

"والجواب عن هذا الإشكال على ما ظهر لي والله سبحانه أعلم: أن الفرق بين المسألتين ليس في الصورة فحسب، بل هناك فرق دقيق في الحقيقة أيضاً.

وذلك أن العقد الواحد إن كان مشروطاً بالعقد الآخر، والذي يعبر عنه بالصفقة في الصفقة، لا يكون عقداً باتاً، وإنما يتوقف على عقد آخر بحيث لا يتم العقد الأول إلا به، فكان في معنى العقد المعلق أو العقد المضاف إلى زمن مستقبل، فإذا قال البائع للمشتري: بعتك هذه الدار على أن تؤجر الدار الفلانية لي بأجرة كذا، فمعناه: أن البيع موقوف على الإجارة اللاحقة، ومتى توقف العقد على واقع لاحق، خرج من حيز كونه باتاً، وصار عقداً معلقاً، والتعليق في عقد المعاوضة لا يجوز، ولو حكمنا بمقتضى هذا العقد، وامتنع المشتري من الإجارة، فإن ذلك يستلزم أن يرتفع البيع تلقائياً، لأنه كان مشروطاً بالإجارة، وعند فوات الشرط يفوت المشروط.

فالعقد إن شرط فيه عقد آخر، وكان ذلك في معنى تعليق العقد الأول على العقد الثاني، صار كأنه قال: إن آجرتني الدار الفلانية بكذا، فداري بيع عليك بكذا، وهذا مما لا يجيزه أحد، لأن البيع لا يقبل التعليق.

وهذا بخلاف ما إذا ذكر ذلك على سبيل المواعدة في أول الأمر، ثم عقدا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

البيع معلقاً على شرط، فإن البيع ينعقد من غير تعليق بيعاً باتاً، ولا يتوقف تمامه على عقد الإجارة. فلو امتنع المشتري من الإيجار بعد ذلك، فإنه لا يؤثر على هذا البيع البات شيئاً، فيبقى البيع تاماً على حاله. وغاية الأمر أن يجبر المشتري على الوفاء بوعده على القول بلزوم الوعد، لأنه أدخل البائع في البيع بوعده، فلزم عليه أن يفي بذلك الوعد قضاءً عند من يقول بذلك. وهذا شيء لا أثر له على البيع البات الذي حصل بدون أي شرط، فإنه يبقى تاماً، ولو لم يف المشتري بوعده.

وبهذا تبين أن البيع إذا اشترط فيه العقد الآخر يبقى متردداً بين التمام والفسخ، وإن هذا التردد يورث فيه الفساد، بخلاف البيع المطلق الذي سبقه الوعد بالشيء، فإنه لا تردد في تمام البيع، فإنه يتم في كل حال، وغاية الأمر أن يكون الوعد السابق لازماً على المشتري على قول من يقول بلزوم الوعد۔"

(بحوث في قضايا فقهية معاصرة ج ۱ ص ۲۵۵، ۲۵۶) (اردو ترجمہ ص [illegible])

غرض یہ کہ میری سمجھ میں اس اشکال کا جواب یہ ہے، واللہ اعلم، کہ ان دونوں مسئلوں میں صرف ظاہری و لفظی فرق نہیں ہے بلکہ حقیقی طور پر ان دونوں میں یہ بنیادی فرق ہے وہ یہ کہ اگر ایک عقد دوسرے عقد کے ساتھ مشروط ہو جس کو اصطلاح میں الصفقة في صفقة کہتے ہیں اس میں پہلا عقد مستقل اور قطعی نہیں ہوتا بلکہ وہ پہلا عقد دوسرے عقد پر اس طرح موقوف ہوتا ہے کہ اس کے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتا جس طرح ایک معلق عقد ہوتا ہے۔

لیکن جب بائع نے مشتری سے کہا کہ میں یہ مکان تمہیں اس شرط پر بیچتا ہوں کہ تم اپنا فلاں مکان مجھے کرایہ پر دے دو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیع اس دوسرے والے اجارہ پر موقوف رہے گی اور بیع عقد کی تکمیل دوسرے عقد کے واسطے پر موقوف ہوگی اس صورت میں اس عقد کو مستقل عقد نہیں کہا جائے گا بلکہ عقد معلق کہا جائے گا جو شرعاً درست نہیں۔

لیکن اگر اس بیع کو مطلقاً کر دیں اس کے بعد مشتری عقد اجارہ کرنے سے انکار کر دے تو اس صورت

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

بھی ختم یعنی خود بخود کالعدم ہو جائے گا اس لئے کہ عقد بیع تو عقد اجارہ کے ساتھ مشروط تھا اور قاعدہ یہ ہے کہ جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط خود بخود فوت ہو جائے گا۔

لہذا جب ایک عقد دوسرے عقد کے ساتھ مشروط ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عقد اول عقد ثانی کے ساتھ معلق ہو جائے گا گویا بائع نے مشتری سے یہ کہا کہ اگر تم اپنا فلاں مکان مجھے کرایہ پر دو گے تو میں یہ مکان تمہیں بیچنے پر رضامند ہوں گا ظاہر ہے کہ یہ عقد کسی امام کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ بیع تعلیق کو قبول نہیں کرتی ہے۔

بخلاف اس کے کہ بائع اور مشتری ابتداء ہی عقد اجارہ کا محض ایک وعدہ کر لیں پھر مطلق غیر مشروط طریقے پر عقد بیع کر لیں تو اس صورت میں یہ عقد بیع مستقل اور غیر مشروط ہوگی اور عقد اجارہ بھی مستقل ہوگی لہذا اگر عقد بیع مکمل ہو جانے کے بعد مشتری عقد اجارہ کرنے سے انکار کر دے تو اس صورت میں عقد بیع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا عقد بیع اپنی جگہ پر مکمل اور درست ہو جائے گی۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ چونکہ وعدہ وفا کرنا بھی لازم ہوتا ہے اس لئے مشتری کو اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے وعدے کو پورا کرے اس لئے کہ اس نے اس وعدے کے ذریعے بائع کو اس بیع پر آمادہ کیا ہے جیسا کہ پیچھے حنفیہ کے نزدیک قاعدہ گزرا کہ اس وعدے کو پورا کرنا مشتری کے ذمہ ضروری ہے لہذا اس وعدے کا اس بیع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور بیع غیر مشروط طریقے پر ہوئی ہے لہذا اگر مشتری اپنا وعدہ پورا نہ کرے تب بھی بیع اپنی جگہ پر تام اور صحیح ہوگی۔ (فقہی مقالات ج ۱ ص ۲۳۴، ۲۳۵)

اقول و باللہ التوفیق: ترجمہ میں جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہ درست نہیں کیونکہ جامع الفصولین میں جو کتابیں لکھا ہوا ہے کہ شرط سے پہلے اگر وعدہ ہو جائے اور پھر بلا شرط کے عقد کرے تو عقد ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف لکھا ہے، دیکھئے "ثم تبایعا بلا ذکر شرط جاز البیع عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ الا اذا تصادقا انہما تبایعا علی ذلک المواضعۃ" کی عبارت میں "بلا ذکر شرط" کی وضاحت دو صورتوں کا بیان ہے ایک یہ کہ شرط کا ذکر نہ ہو اور تصادق بھی نہ ہو اس کو تعلیق میں کہا ہے کہ عقد صحیح ہو جاتا ہے دوسری یہ کہ شرط کا ذکر نہ ہو اور تصادق ہو تب وہ عقد بھی مشروط ہوگا یہ عقد بلا شرط کے فاسد ہو جاتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ سوال تین عقود پر ہے اور جب سوال متعدد ہو تو جواب پر تبصرے کی ضرورت نہیں لیکن چونکہ جواب میں چند دعوے کیے گئے ہیں اس لیے ان پر بھی مختصر تبصرہ ضروری ہے۔

(۱) مستفتی نے مسئلہ کی ایک صورت کو تسلیم کرتے ہوئے فرمایا ہے "وهذا مما لا يجيزه احد لان البيع لا يقبل التعليق"

اقول و باللہ التوفیق: جو عقد سوال نمبر دو کی بنیاد پر ہو رہا ہے وہ مشروط اور معلق ہی ہے اس وجہ سے جامع الفصولین وغیرہ میں یہ عقد فاسد کہا گیا ہے۔

ثانیاً: "المعروف کالمشروط" کے قاعدہ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ان تمام شرطوں سے عقد مشروط اور معلق ہے (اگر یہ شرطیں بیع کا حصہ بن جائیں)

ثالثاً: حضرت حکیم الامت قدس سرہ بھی اس کو معلق و مشروط فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ملفوظ اور حکم مثل تعلیق کے درج ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"یہ صورت تعلیق بیع کی ہے جس میں وعدہ بیع ہے ... بلکہ معتبر ہوگی اور عقد صورۃ مطلق عن الشرط ہوگا حکماً تعلیق ہے" (غیر سودی بینکاری ص ۱۵۸)

چنانچہ یہ قول حضرت مدظلہ بھی عقد فی عقد میں داخل اور ناجائز ہے اور یہ کہا جائے گا کہ یہ اجارہ بھی اور بیع کی شرط کے ساتھ مشروط اور اس پر معلق ہے اگر بینک یہ کہے کہ آخر میں ہم گاڑی تم سے واپس لے لیں گے یا قیمت پر بیچ کریں گے ورنہ ہم ... ہو جائیں گے تو کوئی بھی بینک سے گاڑی لینے کے لیے تیار نہ ہوگا۔

(۲) فرماتے ہیں:

"عقد کے ... وعدہ ... لازم" وغاية الامر ان يكون الوعد السابق لازما على المشتري على قول من يقول بلزوم الوعد"

(غیر سودی بینکاری ص ۱۶۲)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اقول: اولاً معلوم نہیں یہاں "قصداً" کا لفظ کیوں نہیں بڑھایا گیا؟

ثانیاً: دوسری بات یہ ہے کہ "محققین" جنہوں نے وعدہ سابق وقت عقد کا لازم فرمایا ہے صراحۃً ان کا نام اور قول درکار ہے۔

ثالثاً: وعدہ سابق کی بنیاد پر انعقاد کے نکاح کا کون قائل ہے؟ جو محققین حضرات کا مدعا ہے، ان کا نام اور قول بھی مطلوب ہے۔

رابعاً: جب بدائع الصنائع کی عبارات سے یہ معلوم ہو گیا کہ شرط غیر معتبر ہے تو وہ لازم کیونکر ہو گا؟

﴿بحث کا خلاصہ اور تبصرہ﴾

فرماتے ہیں:

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی فریق نے صلب عقد میں کوئی شرط لگائی جائے لیکن عقد سے پہلے یا بعد میں اس کا ذکر وعدے کے طور پر کر دیا جائے تو اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی اور نہ "صفقۃ فی صفقۃ" لازم آتا ہے۔ (اسلامی بینکاری ص ۲۰۳)

اقول: یہ خلاصہ ہمارے علماء کے خلاف ہے۔ صحیح بات جو عبارات فقہیہ سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جو عقد سابق شرط کی بنیاد پر ہوا ہے خواہ وہ سابق شرط یا وعدہ کا تلفظ کر کے بوقت عقد ہوا ہے یا نہیں، ہر دو صورتوں میں یہ عقد شرط والا عقد ہی ہے، صفقۃ فی صفقۃ ہے، البتہ جہاں شرط سابق سے صرف نظر کرتے ہوئے عقد کیا گیا ہو وہ عقد صحیح ہے، اس صورت میں شرط سابق غیر معتبر اور غیر لازم ہے، جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے، لہٰذا عقد سے پہلے یا بعد وعدہ لازم کرنا صریح عبارات کے خلاف ہے، بلکہ عقد کے بعد وعدہ کے لزوم کی عبارت موجود ہے جس کا [illegible] نہیں۔

(ب) ﴿عقد سے قبل یکطرفہ وعدے کا حکم﴾

مجوزین حضرات عقد سے قبل یہ ہے کہ یکطرفہ وعدے کے متعلق کہ [illegible] لازم ہو، [illegible]

عقد سے قبل یکطرفہ وعدے کئے جاتے ہیں وہ دیانۃً اور قضاءً درست اور جائز ہو جائیں لیکن یہاں کچھ لکھنے کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ بات بھی ملاحظہ ہو ... تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

﴿﴾ وعدے سے متعلق تفصیلی بحث کے آخر میں ... یوں تحریر فرماتے ہیں:

"وعدہ کا ایفا عام حالات میں اخلاقی طور پر واجب ہوتا ہے قضاءً نہیں، اگر کوئی شخص بغیر کسی عذر کے وعدہ خلافی کرے تو گنہگار ہے اور اگر وعدہ کرتے ہوئے ہی نیت وعدہ خلافی کی ہو تو اسے حدیث میں نفاق قرار دیا گیا ہے" (غیر سودی بینکاری ص ۱۵۵)

(تنبیہ: "تجربہ اور حقیقت" کے عنوان کے تحت ہم نے تقابلی جائزہ بھی لیا ہے، کہ حضرت مدظلہ نے مرابحہ ... کو جو دلیل پیش کی ہے وہ مرجوح، ضعیف اور قیاس کی ... مرہون منت ہے — آگے چل کر ہم ان ... کے مدلل جوابات دیں گے)

اقول: یہ تحقیق جمہور ائمہ اور راجح کے خلاف ہے خود تحریر فرماتے ہیں:

(۱) "وعدے سے متعلق فقہاء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وعدے کا پورا کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور بلا عذر وعدہ خلافی مکروہ ہے ... بعض مالکیہ کا بھی یہی قول ہے (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ... الاذکار للنووی ص ۲۸۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وعدہ خلافی کو احادیث میں جو منافق کی علامت قرار دیا گیا ہے وہ اس وقت ہے جب کسی شخص کے دل میں وعدہ کرتے وقت ہی یہ نیت ہو کہ وہ اس کو پورا نہیں کرے گا لیکن اگر یہ نیت نہ ہو بلکہ اتفاقاً وعدہ خلافی ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں (غیر سودی بینکاری ص ۱۴۶)

اقول: اس حوالے کے بعد آپ مدظلہ نے حنفی اور مذاہب ... فرماتے ہیں لیکن مشہور مذہب جمہور ائمہ کا مذہب یہی ہے کہ عام حالات میں وعدہ پورا کرنا مستحب ہے ... کے تحت اس کے خلاف تفصیل اور ... فرما رہے ہیں۔

﴿﴾ فرماتے ہیں:

"بعض حالات میں ... کی وجہ سے ایک طرف وعدے کو قضاءً بھی لازم کیا جا سکتا ہے"
(غیر سودی بینکاری ص ۱۵۸)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

آگے حضرت مفتی اعظم تحریر فرماتے ہیں:

البتہ بعض معاملات میں جہاں حاجت داعی ہو وعدوں کو قضاءً بھی لازم کیا جا سکتا ہے جس کی ایک مثال بیع الوفاء کی صورت میں پیچھے گزر چکی۔۔۔ اور اس موقع پر علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس بات کو بیع الوفاء کے ساتھ مخصوص رکھنے کے بجائے یہ قاعدہ کلیہ عموم عطا کیا ہے کہ "لان المواعید قد تکون لازمۃ فیجعل لازمۃ لحاجۃ الناس"

اقول: ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف بیع الوفاء کی صورت میں لزوم وعدہ سے بوقت ضرورت عمومیت کے ساتھ یکطرفہ وعدے کے قضاءً لزوم اور جواز پر استدلال فرماتے ہیں ۔۔۔ یاد رکھئے! یہ استدلال بھی ان حضرات اکابر کے خلاف ہے کیونکہ بیع الوفاء میں عقد سے قبل یا بوقت عقد یا بصورت اتفاق بعد عقد وعدہ عقد سے متصل ہو کر لازم ہوتا ہے جس میں بیع الوفاء کی صورت میں عقد کے ساتھ شرط کا اعتبار بھی نہیں کیا جاتا اسی صورت میں اس شرط کا لحاظ ضروری نہیں جیسا کہ ہم مقصد اول کے عنوان کے تحت تفصیل سے تحریر کر چکے ہیں بیع الوفاء سے ہٹ کر دوسرے عقود میں یکطرفہ وعدے کو قضاءً لازم قرار دینا بھی اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات کے خلاف ہے بلکہ حضرت شیخ الاسلام زید مجدہم کے والد ماجد حضرت مفتی اعظم پاکستان قدس سرہ بھی یکطرفہ وعدے کو قضاءً لازم قرار دینے کو غلط قرار دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں: مگر یکطرفہ وعدہ کو عدالت کے ذریعے جبراً پورا نہیں کرایا جا سکتا ہے (معارف القرآن جلد ششم، سورۃ الانبیاء، سورۃ مریم، ص ۴۵)

اقول: معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ خود آپ کے والد محترم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بھی خلاف ہے کیونکہ آپ کے والد محترم تو یکطرفہ وعدے کو دیانۃً لازم سمجھتے ہیں اور وعدے کو قضاءً لازم نہیں سمجھتے ہیں جبکہ آپ دونوں باتوں میں خلط فرماتے ہیں اور یہ بات مجمع الفقہ کی بھی ہے کیونکہ ان کے نظریہ کے مطابق اجارہ بھی درست نہیں ہوگا۔

لہٰذا مضمون ہذا کے لئے مذکورہ تحقیق کے مطابق یہ ہیں اس لئے اس کو عموم دے کر قضاءً لازم نہیں ہوتا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔

نوٹ: دوسرے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ مقصد اول وثانی کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں :

(۳) آگے لکھتے ہیں:

"اگر کسی مخصوص شرکت یا معاملہ کا کوئی وعدہ کیا گیا ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں مثلاً ایک شریک دوسرے شریک سے یہ وعدہ کرے کہ اگر کاروبار میں کوئی نقصان ہوگا تو میں اس کی تلافی کر کے تمہیں [illegible] دوں گا تو یہ وعدہ بھی چونکہ سارا نقصان ایک شریک پر ڈالنے کا موجب ہے جو شرعاً جائز نہیں اس لئے یہ وعدہ بھی جائز نہیں"

(غیر سودی بینکاری ص ۱۵۸)

اقول: اسلامی بینکوں میں یہ بالا وعدے بھی ہوتے ہیں۔ بندہ نے مولانا عمران [illegible] صاحب سے نقصان کی صورت میں [illegible] ہے — جس پر بندہ نے اس وقت کہا کہ یہ وعدہ ہے یا رشوت؟

جواب ملا:

پوچھا کیوں رشوت؟

کہا: [illegible] بھی گے۔

اسی طرح [illegible] صاحب (استاذ [illegible] جامعۃ الرشید) نے بھی بتایا کہ [illegible] تحریرات میں تو یہ وعدے نہیں ہوتے البتہ زبانی طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کیا زبان تحریر سے کمزور ہوتی ہے؟ اگر تو زبان سے کرتے ہیں کیونکہ شریعت میں معاملات [illegible] کے لئے تحریر ضروری نہیں، زبان کافی ہے بلکہ تحریر تو [illegible] ہے۔

[illegible] سودی بینکوں میں رقم رکھتے [illegible] نقصان کے تصور کے بغیر صرف نفع ہی نفع کی بنیاد پر رقم جمع کرتے ہیں یہاں بھی [illegible] اکاؤنٹس میں نقصان کے تصور کے بغیر نفع ہی کے لئے رقم جمع کراتا ہے اور یہ بینک والے بھی اس کے اسی تصور کا خیال رکھتے ہیں کہ نقصان کی صورت میں [illegible] دیتے ہیں، اور اس کا [illegible] بینکاری کا تصور [illegible] یہی وجہ ہے کہ عام لوگ یہ پوچھتے [illegible] دوسرے بینک [illegible] ہیں اور اسلامی بینک [illegible] دیتے ہیں؟ آج تک کسی ایک نے بھی شاید کسی [illegible] پوچھا کہ نقصان کی صورت میں [illegible] کتنا نقصان؟ [illegible] کیوں پوچھے؟ — جب نقصان کا تصور ہی نہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:

تجربہ ہم بھی حاصل کر چکے ہیں کیا صرف نام کی تبدیلی سے (یعنی رشوت کا نام ہدیہ رکھنے سے) حکم بھی تبدیل ہو جائے گا؟

(۳) تیسری بات:

(د) تجارتی معاملات میں وعدے کے قضاءً لازم ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کے قضاءً لازم ہونے پر فریقین وعدے کے وقت ہی متفق ہو جائیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی وعدے کے قضاءً لازم ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا یہ مطلب تو واضح ہے کہ وعدہ کرنے والے کو عدالت اس بات پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے لیکن [illegible] میں تفصیل کے ساتھ زیر بحث آئی کہ موجودہ دور میں عدالتی کارروائی میں اتنا طویل وقت اور اتنا کثیر سرمایہ خرچ ہوتا ہے کہ بعض اوقات عدالتی [illegible] بے معنی ہو جاتی ہے۔ وعدے کے قضاءً لازم ہونے کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہونا چاہیے کہ اگر کسی وجہ سے وعدہ پورا نہ کرے تو وعدہ خلافی کے نتیجے میں موعود لہ کو جو حقیقی نقصان ہوا ہو اس نقصان کی تلافی کرے۔ (اسلامی بینکاری ص ۱۵۸)

اس عبارت میں دو باتیں بغیر دلیل اور ثبوت کے ذکر کی گئی ہیں ایک یہ کہ "قضاءً لازم ہونے پر فریقین وعدے کے وقت ہی متفق ہو جائیں" "مجموعہ" کی تفصیل میں کتاب دیکھی جائے تو اس کا کہیں بھی بیان نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ "قضاءً لازم ہونے" کا صحیح اور اصل مصداق جس کو آپ مدظلہ نے خود بھی بیان کیا ہے [illegible] اپنی طرف سے ایک نیا مطلب ایجاد کیا گیا ہے تو یہ مطلب عقل اور شریعت کے بالکل خلاف ہے اور ایک کا مال دوسرے کو کھلانے کی تدبیر ہے جس کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں [illegible] دونوں باتیں [illegible] ہیں۔

تیسری بات: حدیث "لا ضرر و لا ضرار" (کوئی شخص دوسرے کو نقصان پہنچائے اور نہ دو آدمی ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں) کا حوالہ دیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس سے شریعت محمدیہ اور تحقیق کا نام [illegible] انہوں نے اس حدیث سے استدلال [illegible] بوقت عقد جو وعدے کیے ہیں اگر [illegible] پورے نہ کرے تو حقیقی نقصان ہوا تو اس نقصان کا شرعی ذمہ دار ہوگا لیکن یہ حوالہ [illegible]

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوسری بات: شیخ علی المالکی (م ۱۲۹۹ھ) کے حوالے سے ایک اور عبارت ذکر فرمائی ہے جس سے مدعا کا ثبوت بخوبی ممکن ہے، دیکھیے:

"قال في الرسم الأول من سماع أصبغ من جامع البيوع: قال أصبغ: سمعت أشهب وسئل عن رجل اشترى من رجل كرما فخاف الوضيعة فأتى ليستوضعه، فقال له: بع وأنا أرضيك. قال: إن باع برأس ماله أو بربح فلا شيء عليه، وإن باع بالوضيعة كان عليه أن يرضيه، فإن زعم أنه أراد شيئا سماه فهو ما أراد، وإن لم يكن أراد شيئا أرضاه بما شاء وحلف بالله ما أراد أكثر من ذلك، وإن لم يكن أراد شيئا يوم قال ذلك. قال أصبغ: وسألت عنها ابن وهب فقال: عليه رضاه بما يشبه ثمن تلك السلعة والوضيعة فيها. قال أصبغ: وقول ابن وهب هو أحسن عندي، وهو أحب إلي إذا وضع فيها. قال محمد بن رشد: قوله بع وأنا أرضيك عدة إلا أنها عدة على سبب وهو البيع، والعدة إذا كانت على سبب لزمت بحصول السبب في المشهور من الأقوال. وقد قيل: إنها لا تلزم بحال، وقيل: إنها تلزم على كل حال، وقيل: إنها تلزم إذا كانت على سبب وإن لم يحصل السبب. وقول أشهب: إن زعم أنه أراد شيئا سماه فهو ما أراد، يريد مع يمينه، ومعناه إذا لم يسم شيئا يسيرا لا يشبه أن يكون أرضاه." الخ

([illegible] ۱۵۹، ۱۶۰)

یعنی: فرماتے ہیں کہ اشہب رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا ایک ایسے شخص کے بارے میں جس نے کسی سے انگور کا باغ خریدا، پھر اس کو نقصان کا اندیشہ ہوا تو وہ بائع کے پاس آیا کہ اس سے کچھ رعایت کروا لے، تو بائع نے کہا تم فروخت کرو، میں تمہیں راضی کروں گا، تو اشہب نے فرمایا کہ اگر اس خریدار نے رأس المال یا نفع کے ساتھ بیچا تو بائع پر کوئی چیز لازم نہیں، اور اگر نقصان کے ساتھ بیچا تو بائع کے ذمہ ہے کہ وہ خریدار کو راضی کرے، پھر اگر بائع کا دعویٰ ہو کہ اس نے کسی خاص مقدار کا ارادہ کیا تھا تو وہی اس کی مراد ہوگی، اور اگر کسی مقدار کا ارادہ نہیں کیا تھا تو جس چیز

سے بچانے کے لیے مشتری اگر کو راضی کرے اور اللہ کی قسم کھائے کہ میں نے اس سے زیادہ کا ارادہ نہیں کیا تھا اگرچہ جس وقت اس نے یہ بات کی تھی اس وقت بھی کسی چیز کا ارادہ نہ کیا ہو۔

اصبغ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن وہب سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بائع کے ذمہ ہے کہ وہ مشتری کو اس سودے یا اس میں ہونے والے نقصان کی قیمت کے بقدر دے کر راضی کرے۔ اصبغ فرماتے ہیں کہ ابن وہب کا قول [illegible] سے زیادہ بہتر ہے اور نقصان کی صورت میں بھی قول [illegible] ہے۔ [illegible] فرماتے ہیں کہ جو بائع کا یہ کہنا کہ "تم اس کو خرید لو اگر نقصان ہو گیا تو میں تمہیں راضی کر دوں گا" یہ ایک وعدہ ہے جس کو ایک سبب پر معلق کیا ہے جو کہ خریداری ہے اور وعدہ جب کسی سبب پر معلق ہو تو مشہور قول کے مطابق اس کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وعدہ کسی بھی حال میں لازم نہیں ہوتا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں لازم ہوتا ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ وعدہ جب کسی سبب پر ہو تو اگرچہ وہ سبب [illegible] ابن وہب کا یہ قول کہ "اگر بائع کا خیال یہ ہو کہ اس نے کسی مقررہ چیز کا ارادہ کیا تھا تو [illegible]" اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قسم کے ساتھ ہے اس کا حق یہ ہے کہ اگر اس نے کوئی چیز بھی مقرر نہ کی ہو [illegible] جس سے وہ اس کو راضی کر سکتا ہے۔

اقول: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ بائع اپنی طرف سے مشتری کے ساتھ یہ وعدہ کرتا ہے کہ مال میں اگر نقصان ہوا تو راضی کر دوں گا [illegible] چھوڑ دوں [illegible] پورا نقصان [illegible] اس نے دل میں خیال کیا تھا تو بھی اس کے ذمہ ہے [illegible] اگر دل میں ارضاء کرتے وقت کچھ بھی مقرر نہیں کیا تھا تو اس میں تفصیل ہے جو اس عبارت میں اوپر بیان کی گئی ہے۔

اقول: وھذا [illegible] جس کے تقاضے کے لیے اس حیلے کو تلاش کر لایا گیا ہے، مثلاً دو فرق ہیں۔

پہلا فرق: اس [illegible] بائع [illegible] لازم کیا گیا ہے [illegible] مشتری [illegible] لازم کیا جاتا ہے لہٰذا [illegible] نہیں ہوا۔

دوسرا فرق: [illegible] بائع [illegible] مشتری کے لیے اپنی طرف سے ارضاء کا وعدہ کرتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سے بھی زیادہ [illegible] مسئلہ میں متعدد قرائن کے ذریعہ [illegible] کر کے ان کو پابند بنایا جاتا ہے۔ [illegible] اور [illegible]

[illegible] کے اس [illegible] اور [illegible] فرق [illegible] کے [illegible] ہے [illegible] استدلال [illegible] کا انکار ہے۔

جواب: یہ [illegible] مذہب [illegible] مستقل علیحدہ [illegible] نہیں [illegible] مذہب سے حوالہ پیش فرماتے [illegible] لیس قلیلس ،

تو بھی ایک [illegible] ثابت ہوں۔

جواب: جس مذہب کی کتاب میں [illegible] یہ ہے کہ اس مذہب میں بھی یہ کوئی مستقل علیحدہ [illegible] نہیں، بلکہ اس مذہب کے

بعض [illegible] ایک [illegible] ہے [illegible] عبارت [illegible] جائے جس میں اس کا ذکر ہو کہ یہ مذہب کا اتفاقی مسئلہ ہے،

[illegible] اس کے [illegible] اور [illegible] بھی [illegible] ہیں [illegible] حضرات کا بنایا

ہوا [illegible] تعصب [illegible] استدلال [illegible] ہے۔

[illegible] عبارت میں [illegible] محمد بن رشد کی [illegible] عبارت:

قال محمد بن رشد [illegible] وان [illegible] عادة الا انها عادة على سبب الخ

([illegible] ص ۱۵۹)

[illegible] کے ثبوت میں [illegible] کیونکہ اس عبارت میں [illegible] کے [illegible] کی تفصیل اور ذکر [illegible]

[illegible] ہے [illegible] عبارت میں [illegible] سے [illegible] جاتے ہیں:

جواب: [illegible] ہیں۔

جواب: [illegible] جاتے ہیں۔

جواب: [illegible] ہیں۔

[illegible] عبارت سے [illegible] نہیں ہوتی۔

(۸) [illegible] قصہ

[illegible] کے [illegible] ہوتے ہیں

ـــــ [illegible] کی کتاب "[illegible] معاصرة" میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"الطرق المشروعة للتمويل العقاري" کے زیر عنوان بحث کی ہے (غیر سودی بینکاری ص ۲۷۵)

آگے تحریر کرتے ہیں:

بعض حضرات نے غیر سودی بینکاری پر اعتراضات کئے ہیں انہوں نے شرکت متناقصہ پر بھی یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے صفقۃ فی صفقۃ لازم آتا ہے۔ یہ اعتراض میں نے خود ذکر کر کے اس مقالے میں اس کا جواب دیا ہے اور موجودہ کتاب میں بھی اس موضوع پر صفقۃ فی صفقۃ کے عنوان کے تحت بھی مفصل گفتگو کی گئی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک عقد کے صلب میں دوسرے عقد کی کوئی شرط نہیں ہوتی البتہ شرکت متناقصہ میں شرکت ملک، اجارہ اور بیع اپنے اپنے وقت پر مستقل طور سے انجام پاتے ہیں اور ہر عقد سے متصل ہونے والے دوسرے عقد کے احکام جاری نہیں ہوتے، جس کی تفصیلی دلیلیں اوپر گزر چکی ہیں، یہاں ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (غیر سودی بینکاری ص ۲۷۶)

اقول: ہم نے "بحوث في قضايا فقهية معاصرة" کو بھی تفصیل سے دیکھا اور اس کتاب "غیر سودی بینکاری" میں جو کچھ تحریر ہے اس کو بھی دیکھا، غور کرنے سے دو چیزیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) شرکت متناقصہ کی صورت میں ہم اس کو تسلیم کر چکے ہیں کہ یہاں تین عقود ہیں، شرکت ملک، اجارہ اور بیع لیکن یہ کسی صفقۃ فی صفقۃ نہیں ــــ کیونکہ اس کی دلیل میں جو حدیث یا بیع العینہ کی عبارت کا نیا مطلب لے کر جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان میں سے کوئی معاملہ دوسرے معاملے پر معلق نہیں یعنی ایک معاملہ کے وقت دوسرے معاملے کا تحریری یا کسی قسم کا بیان سے وعدہ نہیں ہوتا البتہ اگر عقد سے جدا وعدہ اور شرط کی بات ہوتی ہے اس کی وجہ سے یہ معاملہ فاسد نہیں ہوگا۔

اس اعتراض کا جواب ان کی زیر نظر کتاب "غیر سودی بینکاری، ایک منصفانہ علمی جائزہ" میں صفقۃ فی صفقۃ کے عنوان کے تحت ہم تفصیل سے دے چکے ہیں کہ شرط مقدم ہو اگر فریقین عقد کی بنیاد اس پر رکھتے ہوئے عقد کریں تو اس عقد کو شرط سے خالی نہیں کہا جائے گا، بلکہ تصریح حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس کو بھی مشروط فی العقد کی طرح قرار دیتے ہیں۔ چونکہ یہاں سے اس قاعدے کا تقاضا ہے کہ عقد شرط کا کسی طرح بھی لفظوں میں ذکر نہ ہو بلکہ حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی تصریح کی ہے کہ اگر تقاضائے عقد کے خلاف کسی شرط کا ذکر نہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

خلاف مقتضیٰ ہو لیکن العقد ہو جو بعد العقد لیکن عرف میں وہ شرط معروف و مشہور ہو تو بھی اس عقد کو فاسد یا شرط کی بنا پر فاسد قرار دیا جائے گا کیونکہ جب کسی شرط کو پہلے سے طے کر رکھا ہو اور فریقین اسی کی بنیاد پر عقد کر رہے ہوں اور بعد العقد اس پر عمل بھی ہو رہا ہو تو اگرچہ لفظوں میں وہ شرط نہ تھا لیکن حقیقت میں اسی شرط سے مقید تھا تو اس کا اعتبار شرعاً بھی ہونا چاہیے۔

المعروف کالمشروط کی چند جزئیات ملاحظہ ہوں:

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد ــــ) ــــ وكشرط ــــ مرمة الدار أو مغارمها ــــ

وقال العلامة الشامي رحمه الله تعالى: قوله: (ومرمة الدار أو مغارمها) قال في البحر: وفي الخلاصة معزيا إلى الأصل: لو استأجر دارا على أن يعمرها ويعطي نوائبها تفسد، لأنه شرط مخالف لمقتضى العقد اهـ فعلم بهذا أن ما يقع في زماننا من إجارة أرض الوقف بأجرة معلومة على أن المغارم وكلفة الكاشف على المستأجر أو على أن الجراف على المستأجر فاسد كما لا يخفى اهـ

قلت: وهو الواقع في زماننا، لكن تارة يكتب في الحجة بصريح الشرط فيقول الكاتب: على أن ما ينوب المأجور من النوائب ونحوها كالدك وكري الأنهار على المستأجر، وتارة يقول: وتوافقا على أن ما ينوب إلخ. **والظاهر: أن الكل مفسد، لأنه معروف بينهم وإن لم يذكر، والمعروف كالمشروط** تأمل

(الشامیہ ج ۹ ص ۸۰،۸۱ ط رشیدیہ)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع) مما مر (يفسدها) كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل، وكشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمة الدار أو مغارمها وعشر أو خراج أو مؤنة رد. أشباه ــــ

وقال العلامة الشامي رحمه الله تعالى: قوله: (كشرط طعام عبد وعلف دابة) في

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

الظهيرية: استأجر عبدا أو دابة على أن يكون علفها على المستأجر، ذكر في الكتاب أنه لا يجوز، وقال الفقيه أبو الليث: في الدابة نأخذ بقول المتقدمين، أما في زماننا فالعبد يأكل من مال المستأجر عادة اهـ قال الحموي: أي: فيصح اشتراطه. واعترضه ط بقوله: فرق بين الأكل من مال المستأجر بلا شرط وبينه بشرط اهـ.

قلت: المعروف كالمشروط، وبه يشعر كلام الفقيه كما لا يخفى على النبيه، ثم ظاهر كلام الفقيه أنه لو تعورف في الدابة ذلك يجوز، تأمل. والحيلة أن يزيد في الأجرة قدر العلف ثم يوكله بصرفه إليه، ولو خاف أن لا يصدقه فيه فالحيلة أن يعجله إلى المالك ثم يدفعه إليه المالك ويأمره بالإنفاق فيصير أمينا. بزازية ملخصا.

وقال العلامة الرافعي رحمه الله تعالى تحت قوله: (المعروف كالمشروط الخ) أي فيفسد العقد وإن لم يصرح بجهة الشرط، لأنه بمنزلة المنصوص عليه، وهو لا يقتضيه العقد خصوصا مع جهالة مقدار ما يأكل العبد وحينئذ لكن هذا حينئذ مخالف لكلام الفقيه بشكليه، فإن مقتضاه جواز الإجارة في العبد لا الدابة، ولعل وجه الجواز فيه مع الجهالة في علفه أنها لا تفضي إلى المنازعة بسبب أنه يأكل من مال المستأجر عادة كما يشير إليه قوله: أما في زماننا الخ فيكون مثل استئجار الظئر بطعامها.

(التحرير المختار ج ٢ ص [illegible])

(٣) وقال العلامة الشامي رحمه الله تعالى تحت قوله: مطلب مسألة دراهم النقش والحمام ولفافة الكتاب ونحوها: ——— وهذه مألوفة معروفة بمنزلة المشروط عرفا حتى لو أراد الزوج أن لا يدفع ذلك يشترط نفيه وقت العقد أو يسمي في مقابلته دراهم معلومة يضمها إلى المهر المسمى في العقد، وقد سئل عنه في الخيرية فأجاب بما حاصله أن المقرر في الكتب من أن المعروف كالمشروط يوجب الحاق ما ذكر بالمشروط (الشامية ج ٣ ص ١٤٣، [illegible])

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۲) "بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرۃ" اور کتاب "غیر سودی بینکاری" میں تعارض

بحوث میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اعتراض کا علامہ خالد اتاسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو رد کیا ہے، اس کو درست قرار دے کر اس پر صورت کو بلا تردد سے تصریح فرما کر متاخرین فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت کی طرف اس کے جواز کی نسبت فرمائی ہے۔

فرماتے ہیں:

وقد أفتى جماعة من متأخري الحنفية بأن المواعدة المنفصلة عن عقد البيع سواء كانت قبل العقد أو بعده لا يلتحق بأصل العقد ولا يلزم عليه البيع بشرط أو صفقة في صفقة فلا مانع حينئذ من جواز العقد (بحوث في قضايا فقهية معاصرة ۲۵۵)

(واضح رہے، مجوزین حضرات سے گزارش ہے کہ یہ جماعت جن حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر مشتمل ہے ان کے نام معہ کتب کے حوالے لکھیں ہم اپنی استطاعت کوشش کے باوجود مطلع نہ ہو سکے، لہٰذا حوالہ کی ضرورت ہے۔)

جبکہ کتاب "غیر سودی بینکاری" میں علامہ خالد اتاسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رد کو غیر صحیح قرار دے کر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اعتراض کی توجیہ فرمائی ہے۔

تعارض کا سبب: ایسا لگتا ہے کہ بحوث کے زمانے میں حضرت والا علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا وہی مطلب سمجھتے تھے جو ہم نے صحیح اور متعین عبارت لکھی ہے کہ ہر وہ معاہدہ جو عرف اور تعامل سے بھی عقد مشروط ہو جاتا ہے اور یہ مطلب نکلتا ہے کہ عقد کو مشروط کرنے کے لئے معاہدہ کو زبانی ذکر ضروری ہے، معاصرین نے چونکہ یہ مطلب اختیار کیا تھا بحث میں کوئی رکاوٹ تھی، اس لئے بحوث میں علامہ اتاسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رد کی تصدیق کرتے ہوئے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ پر رد کیا ہے۔ اور "غیر سودی بینکاری" کتاب کے زمانے میں شاید حضرت والا کے سامنے یہ مطلب آیا ہو کہ عرف میں بھی شرط ہو سکتی ہے، اس لئے علامہ اتاسی کی تاویل کر کے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اعتراض کی توجیہ کر دی اور علامہ اتاسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رد کو رد فرما دیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

﴿کوآپریٹو کمیٹی کا جواب﴾

تفہیم فی رسالت میں کفایت المفتی کے حوالے سے ایک کوآپریٹو کمیٹی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آج کل ہندوستان میں مسلمانوں کو قرض کی سہولت فراہم کرنے کے لئے کچھ ادارے قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ انہی میں سے ایک تجویز انجمن کے سامنے آئی۔ یہ تجویز اور اس کے بارے میں مجیب کا جواب کے بعد علماء دیوبند کا ایک فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔ کفایت المفتی میں ہے:

"سوال: اگر ایک کمیٹی قائم ہو جس کا مقصد یہ ہو کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو درست رکھے اور جو حضرات بے علم سے محفوظ رکھے اور اس مقصد سے مسلمانوں کو بلا سودی قرضہ دے اور اس کے حسب ذیل اصول مقرر کرے۔

(۱) یہ کمیٹی ایک فیس مقرر کرتی ہے جس کی تعداد بہ مقدار قرض کے اعتبار سے مختلف ہوگی مثلاً دس روپے کے لئے دو آنے اور بیس روپے کے لئے چار آنے اور پچاس روپے کے لئے (یعنی ایک روپیہ پر ایک پیسہ) جس کی غرض انتظامی مصارف پورا کرنا ہے، یہ فیس لیا جاتا ہے اگرچہ بلا سودی کیوں نہ ہو۔

(۲) جو شخص اس کمیٹی سے یہ فیس ادا کرے گا اس کو یہ کمیٹی اس کی طلب پر قرض دے گی۔

(۳) یہ کمیٹی ایک رجسٹرار مقرر کرتی ہے جس کے پاس اس وثیقہ کی رجسٹری ہوگی اور رجسٹری کرنے کی فیس بھی مقروض اور رجسٹرار کے یہاں وصول کرنی ہوگی تاکہ رجسٹرار کے دفتر کا خرچ اس سے چل سکے۔

(۴) یہ کمیٹی یہ بھی مقرر کرتی ہے کہ سال بھر سے زیادہ مدت قرض نہیں ہے، اس کے بعد اگر کوئی مدیون قرض ادا نہ کر سکا تو یہ جدید قرض سمجھا جائے گا اور اس کو نمبر (۱) اور نمبر (۲) کے مطابق عمل کرنا ہوگا (یعنی فیس ادا کرنے ہوں گے)

اب سوال یہ ہے کہ اس کمیٹی کو ان اصول کے ساتھ قائم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ المستفتی (مولوی) عبدالصمد رحمانی (مونگیری)

(جواب) کمیٹی مذکورہ بلا سود مسلمانوں کے لئے بہت مفید ہے، اور اس میں شرعاً کوئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

شرط لگائی ہے اور یہ معاملہ بھی شرعاً جائز ہے اور کپڑے کا بائع مذکورہ بالا کو بیچ کر کے قرض دینا "بیع تہ معقود" ہے قرض نہ معقود نہیں ہے جیسا کہ تاتارخانیہ جلد ۸ ص ۱۹۴ میں ہے:

"قال فلو أن البيع بأن دفع المطلوب منه المعاملة من الطالب ثوبا قيمته عشرون دينارا بأربعين دينارا ثم أقرضه ستين دينارا أخرى حتى صار له على المستقرض مائة دينار و حصل للمستقرض ثمانون دينارا ذكر الخصاف أنه جائز ـــــ وهذا مذهب محمد بن سلمة إمام (إلى أن قال) وكان شمس الأئمة الحلواني يفتي بقول الخصاف و ابن سلمة ويقول: هذا ليس بقرض جر منفعة بل هذا بيع جر منفعة و هو القرض" انتهى مختصرا (مروجہ سودی بینکاری ص ۲۰۳)

اقول و باللہ التوفیق: یہاں عقد بیع میں مشروط ایک شرط ہے اور عقد قرض میں الگ، جبکہ اجارہ میں ایک ہی کا دوسری عقد اجارہ کی بھی شرط ہے اور بیع کا دوسری عقد بیع کا بھی شرط ہے، یعنی اجارہ اور بیع دونوں کا معقود علیہ ایک ہے، جبکہ دونوں میں ایک ہی چیز ہے اگرچہ شاید اس کا معقود علیہ کے ہونے یا نہ ہونے پر کچھ اثر نہ ہو لیکن پھر بھی یہ فرق یہاں بھی ہوگا۔

علاوہ ازیں یہاں کپڑے کی بیع میں "بیع بالنقد" کے ساتھ قرض کا معاملہ معلق نہیں، کیونکہ یہ شرط نہیں ہے کہ اس کو قرض ضرور دینا ہوگا وہ صورت بھی درست ہوگی ــــ اس کا "معروف" ہونا الگ ہے کہ جو اس کپڑے کو خریدے گا وہ گویا اس کا ایک قسم کا حق ہے، یہاں بیع کے ساتھ قرض سے تعلق ہے، یہاں بیع مقدم ہے، مگر معاملہ مستقل ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ قرض دینا ہے، اور مقروض کے پاس کپڑا بھی ہوتا ہے، جبکہ اجارہ میں تو مستاجر کو یہ پوری قیمت ادا کرنا ہے جب تک کہ اجارہ کا عرصہ پورا نہ ہو، اس لئے کہ اجارہ کے ذریعے حاصل کیا گیا حق ختم ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اس میں ایک دوسرے کی شرط لگانا جائز نہیں ہے جبکہ یہاں پر بعض اوقات کسی دوسرے کو بیچا جا سکتا ہے۔

﴿نئی آرڈر کا جواب﴾

... کے حق میں دلیل ذکر کرتے ہوئے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ

تمویل کو تمویل قرض قرار دیا گیا ہے۔ جس میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"……جب دو معاملے ہوں، ایک قرض کا جس کا تعلق روپے اور زمین سے ہے، دوسرا بیع کا جس کا تعلق مجموعہ رقم سے ہے، اور دونوں شرعاً درست ہوں تو مجموعہ کو بھی درست کہنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت اقدس مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حوادث الفتاویٰ میں حصہ ثانیہ ص ۱۵۵ پر ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے (الجواب) منی آرڈر مرکب ہے دو معاملے سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرا اجارہ جو صرف رقم پہنچانے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے لی جاتی ہے، اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس مجموعہ بھی جائز ہے۔ اور چونکہ اس میں ابتلاء عام ہے اس لئے یہ تاویل کر کے جواز کا فتویٰ مناسب ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۱۴۸ ج ۳)

اگر معاملہ کی حقیقت کا خیال ہو تو منی آرڈر میں بھی ہے جس فنڈ سے روپے لینے میں دو معاملے ہیں: ایک زمین جو حقیقی قرض ہے اور زمین والی کا تعلق روپے سے ہے، اور فیس وصول زیور وغیرہ سے ہے، جو اصول شریعت ہے اس کا تعلق کاغذ قلم معاملہ والوں سے ہے، دونوں معاملے الگ الگ درست ہیں پس مجموعہ بھی درست ہے۔ (اسلامی بینکاری ص ۲۰۰)"

اقول وباللہ التوفیق: یہاں صحت وعدم صحت دونوں کا مدار ایک ہے۔

جواب: یہاں منی آرڈر کا معاملہ دو معاملوں کا مجموعہ ہے جس کے ساتھ قرض کا معاملہ معلق نہیں ہے کہ جو بھی یہ فارم خریدے گا وہ ضرور قرض بھی دے گا، کوئی یہ شرط نہیں ہے اور قرض دینے والے کا کوئی معاوضہ نہیں ہوتا۔ یہاں صفقہ فی صفقہ تب ہوتا کہ قرض دینے والا قرض دینے کو کسی دوسرے معاملے پر معلق کرتا کہ میں قرض دیتا ہوں اس شرط پر کہ مجھ سے فلاں چیز معاملہ کیا جائے، یا فارم بیچنے والا کہتا کہ میں آپ کو اتنے روپے میں یہ فارم اس شرط پر بیچتا ہوں کہ آپ اتنے روپے قرض دیں یا فلاں معاملہ کریں۔

جبکہ منی آرڈر کے معاملے میں یہ دونوں صورتیں نہیں پائی جاتیں اس کو اور اجارہ کو ایک قرار دینا درست نہیں۔ دیکھئے یہاں دونوں معاملات کی طرف سے یہ شرط ہے کہ قرض کی ادائیگی مدت کے بعد ہوگی، اس شرط پر کہا جا رہا ہے کہ قرض کی ادائیگی پر منافع ملے گا ——— اور یہ صفقہ فی صفقہ ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

وضاحت: ہماری معروضات کتاب میں جو متعلقہ مقامات پر اعتراض کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ پر درست اور حق ہے۔

(۹) ﴿اجارہ اور اس میں مرمت کی شرط﴾

﴿اجارہ﴾ اجارہ کو جائز قرار دینے کے بعد بقول حضرت مدظلہ کے چار شرائط سے جڑی گئی ہے۔ ان شرائط کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر ان شرائط کے ساتھ صحیح اجارہ ہو تو شاید اس کے جواز میں اہل فتویٰ کی دو رائیں نہ ہوں"

(غیر سودی بینکاری ص ۲۳۰)

اقول: اولاً اس اجارہ کی مثال یہ ہے کہ کلائنٹ اس کو اجارہ سمجھ کر عقد نہیں کرتا، بلکہ بیع سمجھ کر عقد کرتا ہے۔ اور عقد کرنے کے بعد اس کے ساتھ معاملہ بھی مملوک شئی کی طرح کرتا ہے اگر اس سے گفتگو ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ بینک سے گاڑی خریدی ہے یا اقساط پر آگے سے گاڑی خریدی ہے — بہر حال سوال یہ ہے کہ کلائنٹ کے ذہن میں یہ بات ہونا کہ میں نے اجارہ پر گاڑی لی ہے، قسطوں پر خریدی نہیں ہوں، ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو پھر یہ اجارہ کیسے صحیح ہوگا؟

● حضرت مدظلہ نے جن شرائط کو ذکر کیا ہے وہ بھی کلام سے خالی نہیں ہیں، جسے تفصیل سے ملاحظہ فرمائیے گا۔

شرط (۱) اجارہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ اجارہ کی مدت کے دوران گاڑی کے مالک کی حیثیت سے حقیقی ملکیتی ذمہ داریاں بینک اٹھائے، یعنی اگر وہ گاڑی کلائنٹ کی کسی غفلت یا تعدی کے بغیر تباہ ہو جائے تو نقصان بینک کا ہوگا۔ (غیر سودی بینکاری ص ۲۳۲)

اقول: اگر غور کر کے حقیقت کو دیکھا جائے تو بینک کا کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ بینک یہ نقصان "تکافل" سے وصول کرتا ہے اور تکافل میں جو رقم جمع کرائی جاتی ہے اس کو اصل قیمت سے ملا کر کلائنٹ سے ہی ماہانہ قسط وار وصول کیا جاتا ہے اس لئے یہ کہنا کہ بینک ہی گاڑی کا ذمہ دار ہوتا ہے حقیقت کے اعتبار سے کسی طرح بھی درست معلوم نہیں ہوتا بلکہ ایسا کہنا محض وہم کی بات ہے۔

تنبیہ:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"یہ درست ہے کہ غیر سودی بینکاری کے تکافل کے تحت اس نقصان سے بقدر امکان تحفظ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کا تحفظ ہر مالک حاصل کر سکتا ہے جس سے اس کے ضمان کی نفی نہیں ہوتی۔" (غیر سودی بینکاری ص ۴۲۱)

اقول: تو ضمان کی نفی نہیں ہوتی لیکن حقیقت میں تو ہے، کیونکہ جب تکافل کی رقم بھی بینک کو اجارہ کی قیمت میں سے بطور مستقل وصول کرتا ہے تو ضمان حقیقت میں گاہک کے ذمہ آ گیا — ہاں! اگر تکافل کی رقم بینک کرایہ کی قیمت میں شامل نہ کرتا تو پھر یہ بات ظاہر اصول المذہب کے اعتبار سے درست ہے لیکن اذ لیس فلیس، بلکہ قرضہ لیتے ہیں۔

"اور چونکہ یہ ممکن ہے کہ نقصان کی پوری تلافی ہو بھی نہیں سکتی اور بعض اوقات تکافل کے ادارے کا کام بھی ہو جاتے ہیں ان ساری صورتوں میں نقصان بینک ہی کو اٹھانا پڑتا ہے۔" (غیر سودی بینکاری ص ۴۲۲)

اقول: یہ تو ایسی صورتیں ہیں جن کو اصل حقیقت پر کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ اصل یہ کہنا کہ بینک ذمہ داری اٹھاتا ہے حقیقت ان کے اقوال کے بالکل خلاف ہے۔

"قرینہ (۲): کاروں کے ضروری مرمت پر قابل استفادہ ہونے کے لئے بنیادی مرمت کی ضرورت ہے وہ اس کے اخراجات بینک کے ذمہ ہوں۔" (غیر سودی بینکاری ص ۴۲۰)

اقول: "بنیادی" کے لفظ سے بعض حضرات دھوکہ کھا سکتے ہیں، جبکہ مقصود بیان صاف الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ جن چیزوں کی مرمت بنیادی ہے ان کی مرمت بینک کے ذمہ ہے کیا؟ اور ٹائر، بیٹری وغیرہ کی مرمت کی ضرورت کار کے قابل استفادہ ہونے کے لئے نہیں؟ یہ بنیادی اور غیر بنیادی کا فرق اور اس کی تفصیل اور تعیین کس کتاب میں ہے؟

"قرینہ (۳): اجارہ کے معاملہ میں یہ شرط نہیں ہوتی کہ مدت اجارہ کے بعد یہ کار مستاجر کو دے دی جائے گی یا بیچ دی جائے گی۔" (حوالہ بالا)

اقول: "المعروف کالمشروط" کے قاعدے کے مطابق یہ شرط ہے۔ اگر بینک میں امانت سے ودیعت ہو اور اس میں صاف طور پر کہا جاتا ہے کہ مدت پوری ہونے کے بعد کار آپ کو دے دی جائے گی اور ہم آپ کو دینے کے پابند ہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیگر فقہاء کی تصریحات بھی اس پر پیش کی ہیں، دیکھئے کیا ہوتا ہے؟

مدت کی شرط: کاشت کے بارے میں بیگھ بیگھ، ہل چلانا، کھاد اور نہریں وغیرہ کی شرائط صحیح قرار پاتی ہے۔

اس کے جواز کو فقہی عبارات سے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے انصاف کی بات یہ ہے کہ ان سے بجائے جواز کے عدم جواز ثابت ہوتا ہے، تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

پہلی عبارت جو نقل فرمائی ہے وہ زمین کے اجارے سے متعلق ہے اس عبارت سے پہلے حضرت مولانا نے ایک قاعدہ بیان فرمایا ہے:

"اصول یہ ہے کہ کوئی ایسے شخص کی شرط عائد نہیں کر سکتا جس کا اثر مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد بھی باقی رہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اجارے میں ایسی شرط عائد کر رہا ہے جس کا فائدہ اجارہ ختم ہونے کے بعد موجر اٹھائے گا۔ مثلاً کوئی شخص زمین دے، اور یہ شرط عائد کرے کہ اس میں کوئی نہر کھودے یا دیوار بنائے جو مدت کے بعد بھی باقی رہے۔" (... ص ۴۵۸)

اور زمین کے اجارے سے متعلق جو عبارات نقل فرمائی ہیں، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

ولو شرط أن يثنيها أو يكري أنهارها أو يسرقنها أو يزرعها بزراعة أرض أخرى لا تجوز الإجارة لما بيناه، لأن أثر التثنية وكري الأنهار والسرقنة يبقى بعد انقضاء مدة الإجارة فيكون فيه نفع صاحب الأرض وهو شرط لا يقتضيه العقد فيفسد كالبيع، ولأن مؤجر الأرض يصير مستأجرا منافع الأجير على وجه يبقى بعد المدة فيصير صفقة في صفقة وهو مفسد أيضا لكونه منهيا عنه حتى لو كان بحيث لا يبقى لمنفعته أثر بعد المدة بأن كانت المدة طويلة أو كان الريع لا يحصل إلا به لا يفسد الشرط فيه، لأنه مما يقتضيه العقد، لأن من الأراضي ما لا يخرج الريع إلا بالكرب مرارا أو بالسرقنة وقد يحتاج إلى كري الجداول ولا يبقى أثره إلى القابل عادة، بخلاف كري الأنهار، لأن أثره يبقى إلى القابل عادة، وفي لفظ الكتاب إشارة

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ليه حيث قال: كري الأنهار، لأن مطلقه يتناول الأنهار العظام دون الجداول و استئجار الأرض ليزرعها بأرض أخرى ليزرعها الآخر يكون بيع الشيء بجنسه نسيئة وهو حرام لما عرف في موضعه وكذا السكنى بالسكنى أو الركوب بالركوب الى غير ذلك من المنافع (باب الاجارة الفاسدة ج ۹ ص ۱۳۱ طبع سعید)

(مستاجر نے) اگر یہ شرط لگائی کہ (وہ مستاجر) اس زمین کو جوتے گا یا اس میں نہر کھودے گا یا کسی دوسری زمین کے بدلے میں اس زمین کو اجارہ پر لے گا تو یہ جائز نہیں جس طرح کہ گھر میں رہائش کا کرایہ رہائش کی شکل میں لینے سے حاصل کرنے کی شرط ناجائز ہے اس لئے کہ زمین جوتنے نہر کھودنے اور کھاد ڈالنے کا اثر معاہدہ اجارہ کے ختم ہونے کے بعد بھی باقی رہتا ہے جس میں مالک زمین (موجر) کے لئے نفع ہے اور یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا لہذا بیع کے فاسد ہونے کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی فاسد ہوگی۔ علاوہ اس کے کہ زمین اجارہ پر دینے والا عقد اجارہ کے منافع کا اس طرح اجارہ پر لینے والا زمین جانے کا مجموعہ اجارہ ختم ہونے کے بعد بھی باقی رہتا ہے لہذا یہ عقد در عقد ہے جو کہ مفسد عقد ہے اس لئے کہ اس طرح مجموعہ یا صفقہ ہے ہوں اگر یہ اثر ایسا ہو جس کا اثر مدت اجارہ گزرنے کے بعد باقی نہ رہے اس طور پر کہ مدت بھی کم ہو یا اس کی تخم ریزی سے حاصل ہوتی ہو تو پھر اس کی شرط لگانا مفسد عقد نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضا کرتا ہے کیونکہ بعض زمینوں کی پیداوار ہل دینا، پانی دینے اور کھاد کے بغیر نہیں ہوتی اور یہ اسی وقت ہے جب کہ ہل چلانے یا اس کے کھودنے کی ضرورت ہوتی ہے جس کا اثر عموماً ایک سال تک ہوتی بھی رہتی ہے برخلاف نہر کھودنے کے کیونکہ اس کا اثر سال تک باقی رہتا ہے اور کتاب کے لفظ بھی اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ (مصنف) نے نہر یا (اصطلاح) کی کھدائی مطلقاً ذکر کی ہے جو بڑی نہروں کو شامل ہے چھوٹی نالیوں کو نہیں اور زمین کو زمین کے عوض اجارہ پر لینا اور اس کے بدلے میں دوسری زمین دینا تاکہ وہ اس میں زراعت کرے تو یہ جنس کو جنس کے بدلے ادھار پر فروخت کرنا ہے جو کہ حرام ہے جس کی بحث اپنی جگہ پر معلوم ہو چکی ہے اسی طرح رہائش کے بدلے یا سواری کا سواری کے بدلے اور اس طرح دیگر منافع بھی منافع کے بدلے ہوں گے۔

اور درمختار میں ہے:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(قوله: بشرط أن يثنيها) في القاموس: ثناه تثنية: جعله اثنين اهـ وهو على حذف مضاف أي يثني حرثها، وفي المنح: إن كان المراد أن يردها مكروبة فلا شك في فساده، وإلا فإن كانت الأرض لا تخرج الريع إلا بالكراب مرتين لا يفسد، وإن كانت تخرج بدونه فإن كان أثره يبقى بعد انتهاء العقد يفسد، لأن فيه منفعة لرب الأرض وإلا فلا اهـ ملخصاً. وذكر في التتارخانية عن شيخ الإسلام ما حاصله: أن الفساد فيما إذا شرط ردها مكروبة بكراب يكون في مدة الإجارة، أما إذا قال: على أن تكربها بعد مضي المدة أو لم يطلق، صح وانصرف إلى الكراب بعده، قال: وفي الظهيرية: واستفدنا هذا التفصيل من جهته وبه يفتى اهـ

قلت: ووجهه أن الكراب يكون حينئذ من الأجرة. تأمل.

(قوله: أي يحرثها) فالحرث هو الكراب وهو إثارة الأرض للزراعة كالكراب، قاموس. (قوله: أن يكريها) من باب رمى: أي يحفر. (قوله: العظام) لأن أثره يبقى في القابل عادة، بخلاف الجداول أي الصغار فلا تفسد بشرط كريها، هو الصحيح، بحر عن الكافي. (قوله: أو يسرقنها) أي يضع فيها السرقين وهو الزبل لتهييج الزرع ط. (قوله: فلو لم تبق) بأن كانت المدة طويلة لم تفسد، لأنه لا يبقى لنفع المستأجر فقط.

(ردالمحتار، باب الاجارۃ الفاسدۃ، ج۶ ص۵۲-۵۳، ط: ایچ ایم سعید)

ترجمہ: ... اگر مراد یہ ہے کہ زمین کو جوت کر واپس کرے گا تو اس کے فساد میں کوئی شک نہیں ... ہو تو بیع فاسد ہوگی اور بعض زمین ایسی ... کہ جو ... عقد اجارہ تک باقی رہتا ہو تو یہ عقد فاسد ہوگا ... اور اگر باقی نہیں رہتا تو پھر جائز نہیں ... تاتارخانیہ میں شیخ الاسلام ... کہ جب زمین کو جوتا ہوا واپس کرنے کی شرط ... اجارہ کے اندر ہو۔

... کے بعد تو اس کو جوتے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ یہ مطلق ذکر کرنے تو یہ صحیح ہے اور اس کے اطلاق کو مدت اجارہ گزرنے کے بعد جو منفعت کی طرف پھیرا جائے گا۔ ——— (قولہ عظام) اس لئے کہ اس کا اثر عادۃً سال تک باقی رہتا ہے بخلاف چھوٹے قسم کے ہل کے۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ جو تنے کی شرط لگانے سے اجارہ فاسد نہیں ہوتا۔ ابن کمال ——— (قولہ کریوقی بہ ہے) اس طرح کہ مدت بھی معقود علیہ ہو گا کیونکہ یہ مستاجر کے نفع کے لئے ہے۔

ہدایہ میں ہے

”ولو صححت لو استأجرها على أن يكريها ويزرعها أو يسقيها ويزرعها) لأنه شرط يقتضيه العقد“

اس کے تحت علامہ تاتانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”(قوله - لأنه شرط يقتضيه العقد) لأن نفعه للمستأجر فقط“ (ایضاً ج ۶ ص ۹۰)

اس کے بعد فرماتے ہیں:

”یعنی یہ ہے کہ اگر معاہدہ میں معقود کے استعمال کے سلسلے میں کوئی ایسی شرط لگائی جائے جس کا فائدہ صرف کرایہ دار کو پہنچے اور اس کا اثر اجارہ ختم ہونے کے بعد باقی نہ رہے تو ایسی شرط جائز ہے“

(غیر سودی بینکاری ص ۳۶۱)

اس سے حضرت یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قاعدہ فقہی یہ ہے کہ وہ چھوٹی سی شرط جس کا تعلق استعمال سے ہے اور اس کا فائدہ مستاجر کو ہو تو اس سے مستاجر کے لئے منافع ہو جاتا ہے۔

اقول: حضرت نے زمین کے بارے میں متعلق جو عبارات ان قواعد کے ثبوت کے لئے نقل فرمائی ہیں، بقول قواعد کی یہ عبارات ہر طرح سے ان کی نفی کیا جاسکتا ہے؟ چہ جائیکہ بیان کردہ قواعد کے خلاف ہو قاعدہ مستنبط ہو سکے کیونکہ ہر سے معاہدے کو مستاجر اور زمین کا اصل کرنے کے لئے شرط مستاجر کے علاوہ دوسری بھی چیزوں اور امور کی شرط ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ان امور کا تعلق صرف مستاجر کے اصل سے ہو۔

حکم: یہ معاہدے کے تقاضے ہیں اور اگر مستاجر نے معاہدے کے وقت شرط بھی ان کو ذکر کیا تو بھی جائز ہے کیونکہ یہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مقتضائے عقد کے موافق اور ملائم ہیں۔

قال العلامة الشلبي رحمه الله تعالى في حاشيته على التبيين: قوله: (لأن أثر التثنية و كري الأنهار الخ) و الأصل هنا أن ما كان ملائما للعقد لا يكون مفسدا له ثم بعد ذلك نقول: إنما تستأجر الأرض لمنفعة المستأجر خاصة فكل فعل ينتفع به المستأجر خاصة كالكراب و الزراعة و السقي يكون ملائما للعقد

(تبیین الحقائق، کتاب الاجارۃ، باب الاجارۃ الفاسدۃ ج ۶ ص ۱۳۱ ط سعید)

(۳) اجارہ میں ایسی شرط لگانا جس میں موجر کا نفع ہو۔

حکم: اس قسم کی شرط لگانا جائز نہیں، کیونکہ جو چیز مستاجر کے نفع کے لیے ہو وہی تو اس سے مستاجر کا نفع تو مقتضائے عقد کے موافق ہے لیکن موجر کا اس سے نفع حاصل کرنا دو وجوہ سے مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔

(۱) ایک وجہ یہ ہے کہ یہ عقد فی صفقۃ ہو جاتا ہے، کیونکہ موجر، مستاجر کے عمل سے نفع حاصل کرے گا تو مستاجر کا مستاجر بن جائے گا اور یہ منع ہے۔ كما صرح في تبيين الحقائق:

قال الإمام الزيلعي رحمه الله تعالى: (و إن شرط أن يثنيها أو يكري أنهارها أو يسرقنها أو يزرعها بزراعة أرض أخرى لا كإجارة السكنى بالسكنى) **لأن أثر التثنية و كري الأنهار و السرقنة يبقى بعد انقضاء مدة الإجارة فيكون فيه نفع صاحب الأرض و هو شرط لا يقتضيه العقد فيفسد كالبيع، و لأن مؤجر الأرض يصير مستأجرا منافع الأجير على وجه يبقى بعد المدة فيصير صفقة في صفقة و هو مفسد أيضا لكونه منهيا** عنه حتى لو كان بحيث لا يبقى لنفعه أثر بعد المدة بأن كانت المدة طويلة أو كان الريع لا يحصل إلا به لا يفسد اشتراطه، لأنه مما يقتضيه العقد، لأن من الأراضي ما لا يخرج الريع إلا بالكراب مرارا أو بالسرقنة، و قد يحتاج إلى كري الجداول و لا يبقى أثره إلى القابل عادة بخلاف كري الأنهار، لأن أثره يبقى إلى القابل عادة

(تبیین الحقائق، کتاب الاجارۃ، باب الاجارۃ الفاسدۃ ج ۶ ص ۱۳۱)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۳) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں احد العاقدین کا نفع ہے اور یہ بھی مفسد عقد ہے۔

قال الإمام الزيلعي رحمه الله تعالى: (وإن شرط أن يثنيها أو يكري أنهارها أو يسرقنها أو يزرعها بزراعة أرض أخرى لا كإجارة السكنى بالسكنى) **لأن أثر التثنية وكري الأنهار والسرقنة يبقى بعد انقضاء مدة الإجارة فيكون فيه نفع صاحب الأرض وهو شرط لا يقتضيه العقد فيفسد كالبيع.**

وقال العلامة الشلبي رحمه الله تعالى: وكل فعل ينتفع به المؤجر خاصة يكون مخالفا للعقد مفسدا له كشرط إلقاء السرقين ورد الأرض مكروبة وهو أحد تأويلي التثنية وتكرار الكراب وهو التأويل الآخر في التثنية، قال الصدر الشهيد في شرح الجامع الصغير: أما التثنية وهي أن يردها مكروبة عند البعض وأن يكربها مرتين عند البعض وهو الصحيح فلأنه شرط لا يقتضيه العقد **ولأحد المتعاقدين فيه منفعة فصار مفسدا له انتهى مع حذف** (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة ج ۵ ص ۱۲۹)

چونکہ صورت مسئولہ میں زراعت کے لئے جو زمین کرایہ پر لی ہے وہ ایسی زمین ہے جس میں مچھلی کی تالیاں بھی ہیں، صاحب زمین ان تالابوں کا کرایہ وصول نہیں کرتا اس لئے زمین سے استفادہ کے لئے اگر زمین (مستاجر) کے حوالے کی ہے تو ان تالیوں کی صفائی وغیرہ مستاجر کے ذمہ ہوگا کیونکہ مؤجر نے ان کا کرایہ لیا ہے اور ان کی صفائی بھی اس کی ذمہ داری ہے۔

البتہ اگر زمین میں پہلے سے مچھلی کی تالیاں اور دوسرے ذخیرے بنے ہوئے ہیں اور وہ زمین کے ساتھ ان کا کرایہ بھی وصول کرتا ہے تو ان کی صفائی وغیرہ بھی مستاجر کے ذمہ ہوگی، یہ شرط درست ہے کیونکہ زمین کے ساتھ حوالے کی گئی ہیں اس وجہ سے ان کی صفائی مستاجر کے ذمہ لگانا درست نہیں، یہی وجہ ہے کہ بڑی زمین کا کرایہ عموماً چھوٹی زمین کے کرایہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

البتہ ان باتوں کا سوال کا مسئولہ صورت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ مسئولہ صورت میں موجر بعض ان چیزوں کی صفائی کی شرط لگاتا ہے جو اس نے کرایہ پر نہیں دی ہیں اور ان کا وہ کرایہ بھی وصول

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیونکہ ہے جیسا کہ اس کا حکم مستحق [illegible] معاہدہ کے اندر موجود ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ [illegible] جس کا کرایہ اور [illegible] وصول کرتا ہے، اس کا [illegible] کے ذمہ ہے، اس کا [illegible] کے ذمہ شرط لگانا مقتضائے عقد کے خلاف اور فاسد ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد ــــ) ــــ وكشرط ــــ مرمة الدار أو مغارمها ......

وقال العلامة الشامي رحمه الله تعالى: قوله: (ومرمة الدار أو مغارمها) قال في البحر: وفي الخلاصة معزيا إلى الأصل: لو استأجر دارا على أن يعمرها ويعطي نوائبها تفسد، لأنه شرط مخالف لمقتضى العقد اهـ فعلم بهذا أن ما يقع في زماننا من إجارة أرض الوقف بأجرة معلومة على أن المغارم وكلفة الكاشف على المستأجر أو على أن الجرف على المستأجر فاسد كما لا يخفى اهـ.

أقول: وهو الواقع في زماننا ولكن تارة يكتب في الحجة بصريح الشرط فيقول الكاتب: على أن ما ينوب المأجور من النوائب ونحوها كالدك وكرى الأنهار على المستأجر، وتارة يقول: وتوافقا على أن ما ينوب الخ، والظاهر: أن الكل مفسد؛ لأنه معروف بينهم وإن لم يذكر، والمعروف كالمشروط. تأمل (الشامية ج٩ ص٧٧، ط: رشيدية)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (و) تفسد (بجهالة المسمى) كله أو بعضه كتسمية ثوب أو دابة أو مائة درهم على أن يرمها المستأجر لصيرورة المرمة من الأجرة فيصير الأجر مجهولا ـــ

وقال العلامة الشامي رحمه الله تعالى: قوله: (كتسمية ثوب أو دابة) مثال لمجهول الكل وما بعده مثال مجهول البعض ويلزم من جهالة البعض جهالة الكل، فصح قوله بعد: فيصير الأجر مجهولا. قوله: (لصيرورة المرمة) أي: نفقتها (الشامية ج٩ ص٨٠، رشيدية)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وفي التبيين: لو انقطع ماء الرحى و

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

البيت مما ينتفع به لغير الشحن فعليه من الأجر بحصته لبقاء بعض المعقود عليه ، فإذا استوفاه لزمت حصته (فإن لم ينتفع به أو أزاله المؤجر) أو انتفع بالمنحل (سقط حصة الزوال السبب.

(وعمارة الدار) المستأجرة (وتطيينها وإصلاح الميزاب وما كان من البناء على رب الدار) وكذا كل ما يخل بالسكنى (فإن أبى صاحبها) أن يفعل (كان للمستأجر أن يخرج منه إلا أن يكون) المستأجر (استأجرها وهي كذلك وقد رآها) لرضاه بالعيب. (التنوير ج۹ ص۴۴ مع رشیدیہ)

﴿مندرجہ بالا عبارات سے مستنبط قانون کا حاصل﴾

ان عبارات سے جو قانون مستنبط ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی چیز کے جن اجزاء کا کرایہ مقرر کیا ہے ان پر کسی بھی وجہ سے نفع حاصل کرنا موقوف ہو تو وہ موجر ہی کے ذمہ ہیں اور جن چیزوں کا کرایہ مقرر نہیں لیکن کسی وجہ سے انتفاع ان پر بھی موقوف ہے تو وہ مستاجر ہی کے ذمہ ہوں گے اصالۃً بھی اور اگر شرط لگا دی گئی تو شرطاً بھی۔

اس قانون کے پیش نظر اب گاڑی پر غور کیجیے معاہدہ کے وقت گاڑی کے تمام پرزوں کا کرایہ ہے بالعقد کا ذکر ہے گاڑی پورے پرزوں سمیت بنی ہوئی گاڑی ہوتی ہے جس کا ایک بھی حصہ ہے، ٹینکی کی ضرورت بھی نہیں، پانی بھی لگتے ہیں، سٹیئرنگ وغیرہ کا حصہ بھی درست ہے، بیٹری بھی ٹھیک ہو اور کام کر رہی ہے چنانچہ یہاں گاڑی کے ان سب حصوں کے کرایہ پر دینے کی بات ہوتی ہے۔ پیٹرول کا کرایہ، انجن کی اچھی حالت کا کرایہ، پرزوں کا کرایہ وغیرہ یعنی ان تمام چیزوں کو کرایہ پر دیا ہے لہٰذا ان سب کی مرمت اور تبدیلی کی ذمہ داری موجر پر ہوگی جبکہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو مستاجر کو نفع حاصل کرنے کے لئے ان کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو وہ مستاجر ہی کے ذمہ ہوں گی۔

اسی قانون کی روشنی میں گاڑی کے بعض حصوں مثلاً بیٹری، پیٹرول اور انجن کا تیل وغیرہ ڈالنے کے لئے ٹینکی وغیرہ کو دیکھ کر ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کا مستاجر کے ذمہ ہونا قانون اجارہ کے خلاف اور مقتضائے عقد ہے اور ضروری

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

… کو بھی درست ہے۔

﴿حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے قانون کا رد خود حضرت کی پیش کردہ دوسری عبارت سے﴾

حضرت نے گدھے کے چارے اور غلام کے کھانے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ یہ مستاجر کے ذمہ ہیں یا نہیں؟ اور صحیح یہ ہے کہ … رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے قول … کی وجہ سے اس کو مستاجر کے ذمہ ٹھہرایا ہے پھر علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ (یعنی علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ) سے جواب نقل فرمایا ہے اور گدھے کے چارے سے متعلق عرف صحیح … اس کا چارہ مستاجر کے ذمہ لگایا ہے اور اس پر مبسوط کی عبارت سے استدلال فرمایا ہے۔

(ملخصاً تقریر سودی بینکاری ص ۲۹۱، ۲۹۲)

اقول: اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت مدظلہ نے جو قانون (اگر معاملہ میں موجود کسی شرط کے استعمال کے نتیجے میں کوئی زائد خرچہ لازم ہو جائے جس کا فائدہ صرف مستاجر کو پہنچے اور اس کا مقصد بالاجارہ ختم ہونے کے بعد باقی نہ رہے تو یہ شرط جائز ہے) ایسا … فرمایا ہے وہ صحیح نہیں ورنہ اس قانون کے مطابق چارہ اور کھانا دونوں بدل … مستاجر کے ذمہ ہونا چاہیے کیونکہ اس چارہ اور کھانے سے جو قوت حاصل ہوگی اس سے مستاجر ہی فائدہ اٹھائے گا نہ کہ موجر۔

ثانیاً: مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد بھی اس مرمت کا اثر باقی رہتا ہے۔ گاڑی ان تمام پرزوں اور ٹائروں سے … جو مرمت کے دوران تبدیل کئے گئے تھے یا ان کی مرمت کی گئی۔ اس لحاظ سے بھی یہ شرط جائز نہیں ہونی چاہیے۔

ثالثاً: مبسوط کی عبارت سے بھی استدلال کیا گیا لیکن … عرف و عادت کے پیش نظر اس عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ … اسی وجہ سے … چارہ … دیں گے … اس صورت … جو لوگ … اس صورت میں اس کا … اگر … ہم سے … لوگ بھی …

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرسکتے ہیں گے تو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہی حیلہ صراحۃً درج ذیل عبارت میں تحریر فرمایا ہے جو ہماری بات کی واضح تصدیق ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع) مما مر (يفسدها) كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل، وكشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمة الدار أو مغارمها وعشر أو خراج أو مؤنة رد. أشباه۔

وقال العلامة الشامي رحمه الله تعالى: قوله: (كشرط طعام عبد وعلف دابة) في الظهيرية: استأجر عبدا أو دابة على أن يكون علفها على المستأجر، ذكر في الكتاب أنه لا يجوز وقال الفقيه أبو الليث: في الدابة نأخذ بقول المتقدمين، أما في زماننا فالعبد يأكل من مال المستأجر عادة اهـ قال الحموي: أي: فيصح اشتراطه. واعترضه ط بقوله: فرق بين الأكل من مال المستأجر بلا شرط وبينه بشرط اهـ.

أقول: المعروف كالمشروط، وبه يشعر كلام الفقيه كما لا يخفى على النبيه، ثم ظاهر كلام الفقيه أنه لو تعورف في الدابة ذلك يجوز، تأمل. **والحيلة أن يزيد في الأجرة قدر العلف ثم يوكله ربها بصرفه إليها، ولو خاف أن لا يصدقه فيه فالحيلة أن يعجله إلى المالك ثم يدفعه إليه المالك ويأمره بالإنفاق فيصير أمينا. بزازية ملخصا.**

وقال العلامة الرافعي رحمه الله تعالى: قوله: (المعروف كالمشروط إلخ) أي فيفسد العقد وإن لم يصرح بجهة الشرط لأنه بمنزلة المنصوص عليه، وهو لا يقتضيه العقد خصوصا مع جهالة مقدار ما يأكل العبد حسب تأمل. فلا حينئذ مخالف لكلام الفقيه بالكلية فإن مقتضاه جواز الإجارة في العبد لا الدابة، ولعل وجه الجواز فيه مع الجهالة في علفه أنها لا تفضي إلى المنازعة بسبب أنه يأكل من مال المستأجر عادة كما يشير إليه قوله: أما في زماننا إلخ فيكون مثل استئجار الظئر بطعامها. (الشامیة ج۹ ص۷۷، ۷۸، ۷۹ ط رشیدیه)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نتیجہ میں جس قانون بھی ہے کہ جس پر زائد کا معاملہ کرایہ ادا کرتا ہے ان کی مرمت وغیرہ موجر کے ذمہ ہے جب کہ اس اجارہ میں یہ اخراجات بھی مستاجر کے ذمہ ہیں۔

﴿(۱۰) اجرت اور کرایہ کا مجہول ہونا﴾

لکھتے ہیں:

"——— بعض اوقات تجارتی اداروں کو جو مشینری وغیرہ کرایہ پر دی جاتی ہیں اس میں طویل مدت کا کرایہ تو کسی ایک ہی رقم کی صورت میں متعین ہوتا ہے لیکن بعد کی مدتوں میں ان میں ایک خاص تناسب سے اضافہ ہوتا رہتا ہے ——— (غیر سودی بینکاری ص ۲۱۵)

(آگے لکھتے ہیں)

"——— دوسری صورت یہ ہے کہ سالانہ اجرت میں دس فیصد سالانہ اضافہ کرنا طے کر لیا جائے۔ تجارتی ادارے اگر بینک سے کوئی مشینری وغیرہ اجارے پر لیتے ہیں تو اس میں بنیادی طور پر یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ طویل مدت اجارہ کا تعین تو ایک کسی متعین رقم سے ہو جاتا ہے لیکن بعد کی اجرت کو کسی معیار (benchmark) سے منسلک کیا جاتا ہے اور یہ درست ہے کہ یہ معیار عموماً سود کی شرح ہوتی ہے جس پر بینک آپس میں لین دین کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی ایک حد بھی مقرر ہوتی ہے کہ اگر شرح اجرت سے زیادہ فیصد یا زیادہ ہو گئی تو اضافہ اتنا فیصد سے زیادہ نہیں ہوگا" (غیر سودی بینکاری ص ۲۲۶)

اقول: اولاً: معاہدہ اجارہ یا معاہدہ بیع کے تمام ہونے کے بعد اجرت اور ثمن میں اضافہ اور کمی کا قانون پیش کیا جاتا ہے۔

ثانیاً: اس سے جو دلیل پیش کی گئی ہے اس کا بطلان اور رد۔

﴿معاہدہ اجارہ کے مکمل ہونے کے بعد ثمن یا اجرت میں کمی اور بیشی کا قانون﴾

قانون اور اصول یہ ہے کہ بیع میں مشتری اور اجارہ میں مستاجر اپنی رضا کے نام سے بغیر کسی شرط اور بیع کے ثمن اور اجرت میں اضافہ کر سکتا ہے، اسی طرح کمی بھی کر سکتا ہے۔ اور بائع اور موجر ثمن اور کرایہ میں کمی کر سکتے ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یعنی زیادتی اور کمی دونوں کر سکتے ہیں یعنی مبیع اور ثمن دونوں میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

قال الامام المرغيناني رحمه الله تعالى: ويجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن ويجوز للبائع أن يزيد في المبيع ويجوز أن يحط عن الثمن ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك. فالزيادة والحط يلتحقان بأصل العقد عندنا (الهداية ج ٣ ص ٨٠، رحمانيه)

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: خریدار کے لئے جائز ہے کہ بائع کو ثمن میں زیادتی کرے اور بائع کے لئے مبیع میں زیادتی جائز ہے اور ثمن سے کم کرنا بھی جائز ہے —— لہٰذا زیادتی اور کمی دونوں اصل عقد کے ساتھ مل جائیں گے۔

قال في الهندية: الزيادة في الثمن والمثمن جائزة حال قيامهما سواء كانت الزيادة من جنس الثمن أو غير جنسه، وتلتحق بأصل العقد. ولو ندم المشتري بعد ما زاد يجبر إذا امتنع. وفي الرد بالعيب وغيره تعتبر الزيادة كأنه باعه مع هذه الزيادة. وإذا زاد في الثمن لا بد أن يقبل الآخر في المجلس حتى لو لم يقبل وتفرقا بطلت. كذا في الخلاصة (الهندية ج ٣ ص ١٧١)

ہندیہ میں ہے: ثمن اور مبیع میں زیادتی اس حالت تک جائز ہے جب تک یہ دونوں قائم ہوں خواہ زیادتی ثمن کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے، اور یہ زیادتی اصل عقد سے مل جائے گی، اگر مشتری زیادہ دینے کے بعد نادم ہو تو بھی اگر وہ اس زیادتی کی ادائیگی نہ کرے تو اس پر جبر کیا جائے گا اور عیب وغیرہ کی وجہ سے واپسی میں اس زیادتی کا اعتبار کیا جائے گا گویا کہ بیچی گئی چیز اس زیادتی کے ساتھ فروخت کی گئی ہے اور جب ثمن میں زیادتی کر دے تو دوسرے کے لئے مجلس میں قبول کرنا ضروری ہے اگر قبول نہ کیا اور جدا ہو گئے تو یہ زیادتی باطل ہو جائے گی، خلاصہ میں اسی طرح لکھا ہے۔

وقال في الهندية: والزيادة في الأجر أو المستأجر في المعقود عليه أو في المعقود به إن كانت الزيادة مجهولة لا تجوز الزيادة سواء كانت من الآجر أو من المستأجر وإن كانت معلومة من جانب الآجر تجوز سواء كانت من جنس ما آجر أو من خلاف جنس ما آجر فإن كانت من جانب المستأجر إن كانت من جنس ما استأجر لا يجوز وإن كانت من

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

خلاف جنس ما استأجر یجوز، کذا فی الذخیرۃ۔ (الہندیۃ ج ۴ ص ۴۳۹)

(ہندیہ میں ہے) اجرت پر دینے والا یا لینے والا اگر معقود علیہ یا اس کی اجرت میں زیادتی کرے اور یہ قبول ہو تو جائز ہے، خواہ یہ اجرت پر دینے والے کی طرف سے ہو یا لینے والے کی طرف سے، اور اگر اجرت پر دینے والے کی طرف سے زیادتی معلوم ہو تو جائز ہے خواہ وہ اس چیز کی جنس سے ہو جو اس نے اجرت پر دی ہے یا اس کے خلاف جنس سے ہو، اور اگر مستاجر (اجرت پر لینے والے) کی طرف سے ہو تو اگر وہ اجارہ کی جنس سے ہے تو جائز نہیں، خلاف جنس سے ہے تو جائز ہے۔

چند جزئیات کا حکم:

اس قانون کے تحت چند جزئیات کا حکم سمجھنا قانون کے سمجھنے اور اس کی تطبیق کے سلسلے میں معاون و مددگار ہو سکتا ہے۔ اس لئے ذیل میں چند جزئیات اور ان کا حکم ملاحظہ فرمائیے:

(۱) زید نے عمرو کو گندم بیچی ایک ہزار روپے میں، خیارات کی مدت کے ختم ہونے کے بعد زید بائع نے ثمن میں سے سو روپے اپنی خوشی سے کم کر دیئے کہ بجائے ہزار کے نو سو روپے دے دو، یا مبیع گندم میں پانچ دس کلو کا اضافہ کر دیا کہ ایک ہزار میں اتنی گندم لے لو۔

حکم: قانون مذکور کے تحت یہ عمل جائز ہے اور بائع زید کی جانب سے ثمن میں کمی اور مبیع میں اضافہ جو ہوا ہے وہ بالکل درست ہے۔

(۲) زید نے عمرو سے گندم خریدی ایک ہزار روپے میں، خیارات کی مدت کے ختم ہونے کے بعد عمرو مشتری نے ثمن میں اپنی خوشی سے سو روپے کا اضافہ کر دیا اور کہا کہ ثمن بجائے ہزار کے گیارہ سو روپے ہو گئے۔

حکم: قانون مذکور کے تحت یہ صورت بھی جائز ہے اور یہ زیادتی ثمن کا حصہ ہے۔

(۳) زید نے عمرو کو گندم بیچی ایک ہزار روپے میں، خیارات کی مدت کے ختم ہونے کے بعد زید بائع نے عمرو سے کہا کہ ثمن بجائے ہزار کے گیارہ سو روپے دینے ہوں گے، یا عمرو مشتری نے کہا کہ بجائے ہزار کے ثمن نو سو روپے کم کر لیا جائے۔

حکم: قانون مذکور کی رو سے یہ اضافہ و کمی دونوں خلاف شرع اور ناجائز ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۴) خالد نے اپنے مکان کے تین کمرے بشیر کو پانچ ہزار روپے ماہوار کے حساب سے تین ماہ کے لئے کرایہ پر دیئے معاہدہ پورا ہونے سے پہلے خالد موجر نے اپنی رضا سے تمام سے اجرت میں سے ایک ہزار کم کر کے بشیر سے کہا کہ اب اجرت بجائے پانچ کے چار ہزار لیا کرو یا ایک کمرہ کا اضافہ کر کے بشیر سے کہا کہ پانچ ہزار کی اجرت میں بجائے تین کے چار کمرے استعمال کرو۔

حکم: دونوں صورتوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ یہ جائز ہے، خالد کی جانب سے کرایہ کی مذکورہ کمی یا مذکورہ اضافہ نافذ اور درست ہوگا۔

(۵) خالد نے اپنے مکان کے تین کمرے بشیر کو پانچ ہزار روپے ماہوار کے حساب سے تین ماہ کے لئے کرایہ پر دیئے معاہدہ پورا ہونے سے پہلے بشیر مستاجر نے خالد موجر سے کہا کہ میں اپنی رضا سے تمام سے بجائے پانچ کے ساڑھے پانچ ہزار روپے کرایہ دوں گا۔

حکم: دونوں مذکورہ صورتوں میں یہ صورت بھی جائز ہے اور بشیر مستاجر کا یہ اضافہ نافذ و لازم ہوگا۔

(۶) خالد نے اپنے مکان کے تین کمرے بشیر کو پانچ ہزار روپے ماہوار کے حساب سے تین ماہ کے لئے کرایہ پر دیئے معاہدہ پورا ہونے کے بعد خالد موجر نے بشیر مستاجر سے کہا کہ کرایہ بجائے پانچ کے ساڑھے پانچ ہزار ہوگا یا یہ کہ بجائے تین کے دو کمرے استعمال کرو یا بشیر مستاجر نے کہا کہ بجائے پانچ ہزار کے ساڑھے چار ہزار کرایہ ہوگا۔

حکم: مذکورہ تینوں صورتوں کی رو سے معاہدہ ختم ہونے کے بعد خالد کا کرایہ میں اضافہ یا کمی کرنا یا بشیر مستاجر کا کرایہ میں کمی کرنا نئے معاہدے کی طرح ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

(۷) زید نے بکر کو ایک سال کے لئے مکان پانچ ہزار روپے کرایہ کے حساب سے دیا اور یہ شرط لگائی کہ مجھے مدت ختم ہونے سے پہلے بھی اجرت میں کمی کا اختیار ہوگا۔

حکم: دونوں صورتوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ شرط خلاف شرع نہیں لہٰذا یہ معاہدہ اجارہ صحیح ہے اور زید موجر جب چاہے کرایہ میں کمی کر سکتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۸) زید نے بکر کو ایک سال کے لئے مکان ماہوار چھ ہزار روپے کرایہ کے حساب سے دیا اور یہ شرط لگائی کہ عقد کے مکمل ہونے کے بعد تیسرے مہینے سے مجھے اجرت میں ایک ہزار روپے تک اضافے اور زیادتی کا اختیار ہوگا۔

حکم: قاضی صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ شرط خلاف شرع ہے لہٰذا یہ عقد اجارہ فاسد ہے۔

(۹) زید نے بکر کو ایک سال کے لئے مکان ماہوار چھ ہزار روپے کرایہ کے حساب سے دیا اور بکر مستاجر نے یہ شرط لگائی کہ عقد کے بعد مجھے اجرت میں اضافے کا اختیار ہوگا۔

حکم: قاضی صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ شریعت کے موافق اور جائز ہے۔

(۱۰) زید نے بکر کو ایک سال کے لئے مکان ماہوار چھ ہزار روپے کرایہ کے حساب سے دیا، اور بکر مستاجر نے بوقت عقد یہ شرط لگائی کہ عقد کے بعد تیسرے مہینے سے مجھے اجرت میں ایک ہزار تک کمی کا اختیار ہوگا۔

حکم: قاضی صاحب کی رو سے یہ شرط خلاف شرع اور ناجائز ہے لہٰذا اس شرط فاسد کی وجہ سے اجارہ فاسد ہوگا۔

(۱۱) زید نے اپنا گھر بکر کو اس طرح کرایہ پر دیا کہ تین ماہ کا تو عقد اجارہ کرلیا اور ہر ماہ پانچ ہزار روپے اجرت طے ہوئی اور معاہدہ ایک سال کا کیا لیکن یہ شرط لگائی کہ تین ماہ کے بعد جدید عقد ایک ہزار تک اضافے کے ساتھ ہوگا اور بکر نے قبول کرلیا ہے۔

حکم: اس صورت کا حکم یہ ہے کہ تین ماہ کا عقد اس معاہدے اور شرط کی وجہ سے فاسد ہوگا، اور جدید اجارے میں پانچ ہزار سے زائد کرنے کا اختیار ہوگا، کوئی دوسرے پر جبر نہیں کرسکتا، البتہ معاہدہ پورا کرنے کے لئے جبر ہوگا کہ معاہدے کے مطابق جدید عقد کرلیا جائے۔

(۱۲) زید نے مکان ایک سال کے لئے کرایہ پر بکر کو اس طرح دیا کہ شروع کے تین ماہ کا کرایہ چار ہزار روپے ہوگا، پھر تین ماہ کا کرایہ ساڑھے چار ہزار ہوگا، پھر تین ماہ کا کرایہ پانچ ہزار ہوگا اور پھر آخر کے تین ماہ کا کرایہ چھ ہزار ہوگا۔

حکم: یہ صورت جائز ہے، اس لئے کہ ہر ایک مدت کا کرایہ پہلے سے متعین ہوگیا اور اس پر اتفاق کیا گیا ہے۔

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (استأجر عبدا شهرين: شهرا بأربعة، و شهرا بخمسة صح) على الترتيب المذكور، حتى لو عمل في الأول فقط فله أربعة و عكسه خمسة (الدر المختار ج۹ ص۴۸، رشیدیہ)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

﴿اجارہ منتہیہ کی صورتیں حضرت کی تحریرات کی روشنی میں﴾

(۱) شخص نے اپنی چیز پانچ سال کی مدت تک محل اجارہ کر کے اس طرح کرایہ پر دی کہ پہلے سال کا کرایہ مثلاً ایک لاکھ ہوگا، دوسرے سال کا کرایہ دو لاکھ ... ہر سال کا کرایہ طے کر دیا اور پانچویں سال کا تین لاکھ، اور مستاجر نے قبول کر لیا۔

اس صورت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"اب اس مقصد کے لیے دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ شروع ہی میں ہر سال کی اجرت طے کر لی جائے۔ یعنی پانچ سال کی اجرت متعین ہے" (غیر سودی بینکاری ص ۲۶۶)

اقول: یہ صورت جائز ہے اس میں اجارہ کے کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں۔

(۲) شخص نے اپنی چیز پانچ سال کی مدت تک محل اجارہ کر کے اس طرح کرایہ پر دی کہ پہلے سال کا کرایہ تو ایک لاکھ روپیہ متعین ہے لیکن اس کے بعد آنے والے سالوں میں بینک کو ہر سال فیصد یا کچھ زیادہ تک اضافے کا اختیار ہوگا۔ اس صورت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"دوسری صورت یہ ہے کہ ہر سال اجرت میں اس وقت کی ... فیصد اضافہ کا طے کر لیا جائے۔ بڑے تجارتی اداروں اور بینک سے کوئی شخص ... جو قرضے لیتے ہیں تو اس میں بنیادی طور پر یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے لیکن ... کے ساتھ ... اجارہ کا تعین تو ایک ... رقم سے ہو جاتا ہے اس کے بعد اجرت کا تعین معیار (benchmark) سے منسلک کیا جاتا ہے اور ... ہے کہ یہ معیار وہ شرح سود ہے ... جس پر بینک آپس میں لین دین کرتے ہیں ... کہا گیا ہے کہ ... اضافہ ... فیصد سے زیادہ نہیں ہوگا"

(غیر سودی بینکاری ص ۲۶۶)

اقول: یہ صورت ... (۸) کی طرح خلاف شرع ... اور فاسد ... ہے۔

﴿حضرت کی تاویل اور اس کا بطلان﴾

حضرت مولانا ... دوسری صورت کو ... (۷) جس میں اجرت متعین

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے اور بعد میں اپنے لئے اجرت میں اضافے کی شرط لگانا ہے۔ یہ قیاس کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ صورت مضاربہ والی صورتوں میں سے صورت نمبر (۸) کی طرح ہے جس میں اجرت متعین کرنے کے بعد موجر نے اپنے لئے اضافے کی شرط لگائی ہے اور یہ صورت قانون اجارہ کے خلاف اور باطل ہے۔ لہٰذا جامعہ علوم اسلامیہ والے حضرات کا اس پر اعتراض بالکل صحیح، درست اور حق ہے اور اس قسم کی شرط کی وجہ سے یہ تمام اجارے فاسد ہیں۔

مولانا کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

"اس طریق کار پر دو اعتراض کئے گئے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس طریق کار میں اجرت مجہول ہے، کیونکہ یہ طے نہیں ہے کہ اجرت کتنی ہوگی۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ہر سال کرائے میں چند روپے فی صد اضافہ ہوگا تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ (اقول: بالکل جائز ہے۔ کیونکہ اجرت متعین ہوگی اور مستاجر نے قبول بھی کیا ہے۔ محمد صادق) ظاہر ہے کہ اس سے اجرت مجہول نہیں ہوتی، اور یہ طریقہ بھی عرف میں جائز ہے بلکہ اکثر کرایہ داریوں میں فی صد اضافہ کا معاہدہ ہوتا ہے۔ جب یہ جائز ہے تو اس کے ساتھ یہ شرط لگانا کہ کسی خاص معیار کے مطابق یہ اضافہ ہوگا، وہ بھی مجہول نہیں ہے، لہٰذا یہ طریق کار بھی جائز ہوگا" (غیر سودی بینکاری ص ۲۲۶)

(اقول: یہ بات درست نہیں کیونکہ چند روپے فی صد سالانہ اضافہ کے ساتھ اجرت متعین کرکے مستاجر کو یہ بتلایا جائے کہ اس اجرت پر آپ کو یہ مکان ملے گا، وہ اس کو قبول کرے، پھر بینک اپنے لئے کسی کی شرط لگا دے جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ اجرت تعین کے وقت چند روپے فی صد اضافے کے مطابق متعین کے بجائے متعین ہوتی ہے، اور بینک اس تعین اجرت پر اپنے لئے اضافے کی شرط لگاتا ہے جو کہ قانون اجارہ کے خلاف اور اجرت کے مجہول ہونے کی وجہ سے ممنوع فاسد ہے۔

اس عبارت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جو مسئلہ تھا وہ مضاربہ ہی کا تھا اب ہم اس کو ختم کرتے ہیں، حالانکہ یہ بات خود آپ کی تحریر کے بھی خلاف ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:

"البتہ یہ بات صحیح نہیں کہ جو شخص اپنی جائیداد کرایہ پر دیتی ہیں اس میں اجارہ مدت کا کرایہ دوگنی رقم ہے ہی اجرت کی صورت میں متعین ہوتا ہے، اس کی مدت میں اس میں ایک خاص تناسب سے اضافہ ہوتا رہتا ہے" (غیر سودی بینکاری ص ۲۲۵)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لہٰذا حضرت کے ذمے یہ لازم ہے کہ اجرت میں اضافے کی شرط کے جواز کی کوئی عبارت اور دلیل بیان فرمائیں یہ بھی کہ جواز کی دلیل اور عبارت اس موقع پر منقول ہے تو سوچنا ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ محمد ممتاز)

﴿بعض دیگر لوگوں کی تاویل اور اس کا بطلان﴾

بعض لوگ اس کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو "تاویل القول بما لا یرضی به قائله" کے قبیل سے معلوم ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "اصل میں تو ڈالر میں ہوتی ہے جس کی قیمت کی کمی بیشی کا اثر پاکستانی کرنسی پر پڑتا ہے اس لیے اضافہ کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

اقول: یہ تاویل دو وجہ سے درست نہیں۔

(۱) حضرت نے خود تحریر فرمایا ہے کہ اضافہ چند روپے صد تک ہوگا (کما مر آنفاً)۔۔۔ اگر ڈالر پر معاملہ ہوتا تو اس میں چند روپے صد فیصد کی قید بے معنی ہوتی۔

(۲) ڈالر کی قیمت کم ہونے کی صورت میں اس کے مطابق پاکستانی روپے کم لئے جانے چاہئیں۔ جبکہ اس کی طرف حضرت کی تحریر میں اشارہ بھی ذکر نہیں اور دیکھنے میں آج تک نہ آیا ہے کہ بینکوں نے ڈالر کی قیمت میں کمی کی صورت میں اس کے مطابق کمی سے پاکستانی روپے وصول کئے ہوں۔

(۱۱) ﴿بوقت مرابحہ و اجارہ "لزوم التزام تصدق مال"﴾

اس سے متعلق تین باتیں قابل بحث ہیں۔

(۱) اصل مسئلہ

(۲) بعض حضرات کے اس مسئلہ کا قول اور اس کا مصداق اور متعلق جزئیات

(۳) اس پر مرتبہ تصدق مال کا حکم

(۱) اصل مسئلہ

مروجہ مرابحہ و اجارہ کے معاملے میں کلائنٹ کو التزام تصدق کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

مروجہ مرابحہ و اجارہ کے معاملے میں کلائنٹ کے ذمہ وقت پر ادا کرنے کے لئے شرعی طور پر دو چیزیں ہیں۔ (۱)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کی بابت تصریحات (۴۰) درج ہیں۔

اس کے علاوہ تیسری چیز یعنی اگر کسی بھی قسم یا جدا دائن کے حق کے تحفظ کی خاطر "لزوم التزام تصدق مال" کا طریقہ اختیار کرنا کتاب اللہ تعالیٰ، سنت رسول اللہ ﷺ اور مذاہب اربعہ کے خلاف ہے۔

دیکھئے، نزول وحی کے وقت بھی "مطل غنی" (غنی کا ٹال مٹول کرنا اور وقت پر قرض ادا نہ کرنا) کی صورت موجود تھی، پھر بھی قرآن کریم نے دائن یعنی قرض خواہ کے حق کو تحفظ دینے کے لئے دو چیزوں کو ہی کافی سمجھا ہے، ایک کتابت و شہادت، دوسری رہن، جیسے ﴿إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمى فاكتبوه الآية﴾ ﴿وإن كنتم على سفر ولم تجدوا كاتبا فرهان مقبوضة الآية﴾

آپ ﷺ نے بھی کتاب اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی قرار دے کر "مطل الغني ظلم" باوجود اس کے کہ حقیقی قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول ظلم ہے، بعض وعیدوں کے ذریعے مماطل کو ڈرایا ہے تاکہ دائن کا حق ادا ہو، لیکن التزام تصدق کا طریقہ نہیں دیا۔

کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں ان کے علاوہ کہیں بھی اس تیسری چیز کا ذکر نہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری میں "لزوم التزام تصدق مال" کے ذریعے بھی تحفظ دیا جا سکتا ہے۔ مذاہب اربعہ میں بھی کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہی کے ان ضوابط کو برقرار رکھا گیا ہے جس کی تفصیلات کتب فقہیہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان مذاہب میں بھی کسی کے ہاں دائن کے حق کو تحفظ دینے کی یہ تیسری صورت یعنی "لزوم التزام تصدق مال" نہیں اپنائی گئی ہے۔

البتہ مالکیہ کے ہاں مقروض اور مماطل کے بارے میں اور موجودہ کا اعتبار اور ... پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے لئے درج ذیل صورتیں بھی اختیار کی گئی ہیں:

(۱) مقروض یوں کہے کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر فلاں تاریخ تک ادا نہ کروں تو ... ادا کروں گا۔

(۲) مقروض یوں کہے کہ اگر میں فلاں تاریخ تک ادا نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق۔

(۳) مقروض یوں کہے کہ اگر میں فلاں وقت تک ادا نہ کروں تو میرے ذمہ ... کا صدقہ ہے، یہ صورت مالکیہ کے مذہب میں ہے۔

(۴) مقروض ... اپنی ... کو ... کرے کہ اگر مجھ پر اعتماد نہیں تو ...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا، یہ ہے کہ اگر قرضہ ادا نہ کروں تو جو رقم میں نے دو لاکھ دی ہے آپ اس سے وصول کریں۔

تنبیہ: البتہ بعض رہن کی صورت بطور تسلیم صحت رہن کی الزامات ہے۔ (ورنہ اصل مسئلہ عدم جواز رہن کی اقامت کا ہے جس کی تفصیل اس بحث میں "تعزیر بذریعہ اجارات" کے عنوان کے تحت گزر چکی ہے)

(۲) ﴿بعض مالکیہ کا قول﴾

حضرات مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی جس عبارت سے استدلال کرتے ہوئے مجوزین حضرات نے "التزام بالتصدق" کا قول کیا ہے، اس عبارت میں صراحۃً یا دلالۃً کہیں بھی عقود کے وقت دائن و مقروض کے دین و قرض کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں مقروض پر التزام تصدق کو لازم کرنے کا مطلقاً ذکر ہی نہیں، وہ صراحۃً اس صورت میں ہے، اس عبارت میں صرف اس کو بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص خود سے کسی کا حق ادا کرنے کے لئے اپنے اوپر کسی چیز کو لازم کر دے تو اس کو پورا کرنا دیانۃً تو واجب ہے، قضاءً واجب ہے یا نہیں؟ بعض کے نزدیک قضاءً بھی واجب ہے۔

چنانچہ علامہ حطاب فرماتے ہیں:

وقد تكلم الحطاب رحمه الله على هذه المسألة بسط في كتابه "تحرير الكلام في مسائل الالتزام" وقال فيه:

وأما إذا التزم المدعى عليه للمدعي أنه إن لم يوفه حقه في وقت كذا فله عليه كذا و كذا، فهذا لا يختلف في بطلانه، لأنه صريح الربا، و سواء كان الشيء الملتزم به من جنس الدين أو غيره، و سواء كان شيئا معينا أو منفعة ....

وأما إذا التزم أنه إن لم يوفه حقه في وقت كذا، فعليه كذا و كذا لفلان، أو صدقة للمساكين، فهذا هو محل الخلاف المعقود له هذا الباب، فالمشهور أنه لا يقضى به كما تقدم، وقال ابن دينار: يقضى به.

وقال قبل ذلك: و حكاية الباجي الاتفاق على عدم اللزوم فيما إذا كان على وجه اليمين غير مسلمة، لوجود الخلاف في ذلك كما تقدم، و كما سيأتي

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

وإن الحطاب رحمه الله وإن رجح عدم اللزوم، ولكنه قال في آخر الباب: «إذا قلنا: إن الالتزام المعلق على فعل الملتزم الذي على وجه اليمين لا يقضى به على المشهور، فاعلم أن هذا ما لم يحكم بصحة الالتزام المذكور حاكم، وأما إذا حكم حاكم بصحته أو بلزومه فقد تعين الحكم به لأن الحاكم إذا حكم بقول لزم العمل به وارتفع الخلاف» (بحوث في قضايا فقهية معاصرة ص ٣٦/٢)

چنانچہ علامہ حطاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "تحریر الکلام فی مسائل الالتزام" میں تفصیل سے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "اگر مدیون نے دائن کے لئے یہ التزام کر لیا کہ اگر اس نے اس کو دین فلاں وقت تک ادا نہیں کیا تو اس کے ذمہ فلاں چیز دائن کے لئے لازم ہو جائے گی، صریح ہونے کی وجہ سے یہ صورت باطل اور ناجائز ہے، جو چیز اس نے اپنے اوپر لازم کی ہے چاہے وہ دین کی جنس میں سے ہو یا غیر جنس سے، یہ صورت سود ہے جو کہ متفق علیہ طور پر حرام ہے۔

اور اگر مدیون نے یہ التزام کر لیا کہ اگر فلاں وقت پر تمہارا دین ادا نہیں کیا تو اس صورت میں فلاں چیز فلاں شخص کو دینی لازم ہوگی، یا فلاں چیز مساکین کو صدقہ کر دوں گا، یہ صورت فقہاء کے نزدیک محل اختلاف ہے، مشہور قول یہ ہے کہ اس کی ادائیگی قضاءً لازم نہیں ہوگی، البتہ علامہ ابن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قضاءً بھی لازم ہے۔

اس سے پہلے ایک جگہ علامہ حطاب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرما چکے ہیں: "علامہ باجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ نقل کیا ہے کہ "علی وجہ الیمین" التزام کی صورت میں قضاءً لازم نہیں ہوتا، مگر یہ نقل قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ قضاءً لازم ہونے یا نہ ہونے میں علماء کا اختلاف موجود ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا اور آئندہ بھی آرہا ہے۔

علامہ حطاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ قضاءً عدم لزوم کے قول کو ترجیح دی ہے، لیکن اس باب کے آخر میں وہ فرماتے ہیں کہ "اگر ہم نے یہ کہا کہ التزام جو اپنے کسی فعل پر "علی وجه اليمين" التزام کر لے وہ قضاءً لازم نہیں ہوتا، تو مشہور مذہب یہی ہے، مگر یہ بھی جان لینا چاہئے کہ یہ اس وقت ہے جب کسی حاکم نے اس التزام کو لازم قرار دینے کا فیصلہ جاری نہ کیا ہو، لیکن اگر کسی حاکم نے اس التزام کے صحیح ہونے یا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دین کے لازم ہونے پر فیصلہ دے دیا ہو تو اس صورت میں یہ التزام درست ہو جائے گا اس لئے کہ جب حاکم کسی روایت کا فیصلہ کر دے تو اس پر عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے اور اختلاف بھی ختم ہو جاتا ہے۔

(فقہی مقالات ج۱ ص۱۳۲،۱۳۱)

مالکیہ کے مذہب کے جوابات

(۱) مالکیہ کے قول راجح اور مشہور کے خلاف ہے۔

وأما إذا التزم أنه إن لم يوف حقه في وقت كذا فعليه كذا وكذا لفلان، أو صدقة للمساكين، فهذا هو محل الخلاف المعقود له هذا الباب، فالمشهور أنه لا يقضى به كما تقدم، وقال ابن دينار: يقضى به (بحوث في قضايا فقهية معاصرة ص ٣٥، ٤٠)

اور مرجوح قول پر عمل کرنا درست نہیں ہے اس پر علامہ باجی المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اجماع ذکر کیا ہے۔

قال الباجي رحمه الله تعالى: وهذا لا خلاف بين المسلمين ممن يعتد به في الإجماع أنه لا يجوز.

وقال المحقق العلامة قاسم ابن قطلوبغا في أول كتابه تصحيح القدوري: إني رأيت من يعمل في مذهب أئمتنا رضي الله تعالى عنهم بالتشهي حتى سمعت من لفظ بعض القضاة: هل ثم حجر؟ فقلت: نعم، اتباع الهوى حرام، والمرجوح في مقابلة الراجح بمنزلة العدم، والترجيح بغير مرجح في المتقابلات ممنوع (الترجيح والتصحيح ص ٢)

علامہ باجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ معتبر اہل اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ جائز نہیں۔

اور محقق علامہ قاسم بن قطلوبغا اپنی کتاب "تصحیح القدوری" کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے متبعین میں ایسے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں جو خواہشات پر عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ میں نے بعض قاضیوں کے منہ سے یہ بات سنی ہے کہ اس میں بھی کسی قول کو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لینے میں کیا حرج ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! خواہش کی پیروی حرام ہے اور راجح کے مقابلہ میں مرجوح کالعدم ہے اور کسی مرجح کے بغیر متعارض اقوال میں ترجیح ناجائز ہے۔

(۲) کسی مرجوح اور ضعیف قول پر فتویٰ دینا یا عمل کرنے کی گنجائش تو شاید ہو لیکن کسی ضعیف قول (اور وہ بھی مذہب غیر سے لیا ہو) کو مستقل قانون بنانا اور دوام اس پر عمل کرنا بظاہر اس کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی؟ کیونکہ قانون کے لئے مضبوط اور قوی بنیاد ضروری ہے جبکہ یہاں مذہب غیر کے ایک کمزور، ضعیف اور شاذ جزئیہ کو مدار بنایا گیا ہے۔ صاحب مقالہ حضرت مولانا کے جواب میں کسی ایسی روایت کو جو مستقل اصول تو ان ہی کے خلاف ہو معتدل نہیں بنایا جاسکتا تو مستقل کے جواب میں کسی ایسے قول سے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے جو مذہب غیر سے لیا گیا ہو اور ان کے مذہب میں بھی مرجوح اور ضعیف ہو۔

(۳) مالکیہ اور موجودہ بینکوں کے التزام میں تین وجوہ سے فرق ہے۔

(الف) مالکیہ کے نزدیک اس میں مقرض کی جانب سے عدم التزام کا کوئی ذکر نہیں ہے جبکہ موجودہ بینکوں میں التزام مع الالزام ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مقروض خود کہہ دے کہ یہ مجھ پر لازم ہے، اس کی بجائے مقروض سے لکھوا دیتے ہیں کہ مجھ پر لازم ہے تو یہ عرف الفاظ کی ہیر پھیری ہے حقیقت میں یہ التزام الزام ہی ہے۔

(ب) مالکیہ کے التزام میں طیب نفس اور رضا ہے تمام پہلو ہے جبکہ بینک کے التزام میں الزام اور دباؤ کی وجہ سے طیب نفس اور رضا کے تمام پہلو مفقود ہوجاتے ہیں اور طیب خاطر اور رضا کے بغیر کسی کا مال استعمال کرنا جائز نہیں جیسا کہ حدیث ہے یہاں التزام بھی حقیقت پر ہے جبکہ یہاں عرف الفاظ کی ہیر پھیر ہی ہے۔

عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرء الا بطیب نفس منہ رواہ البیہقی (المشکوۃ ۲۵۵)

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خبردار کسی پر ظلم مت کیا کرو خبردار کسی آدمی کا مال اس کے دل کی خوشی کے بغیر لینا حلال نہیں۔"

(ج) مالکیوں میں التزام کی مقدار متعین ہوتی ہے کہ فلاں شخص اتنی مقدار مثلاً ہزار روپیہ کا التزام کرے، فلاں صدقہ کرے گا بصورت عدم ادائیگی کے یہاں التزام تصدق مال میں کوئی مقدار متعین نہیں، اب پوچھنا یہ ہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیا اس پر تحقیق کی گئی ہے کہ مذکورہ بعض فقہاء کے التزام تصدق مال اور مالکیہ کے التزام تصدق مال کو ایک قرار دینے کی گنجائش ہے؟

(۴) بعض فقہاء کے التزام میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ وہ لوگ جو کسی ناگہانی مجبوری کی وجہ سے قرض ادا نہیں کر پاتے ان پر کیا التزام لاگو ہوتا ہے حالانکہ ان کے بارے میں قرآن کریم کا صریح فیصلہ موجود ہے کہ ان کو مہلت دی جائے۔ ﴿وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة﴾ جبکہ التزام کا قاعدہ سب کو گھیرتا ہے۔ اگرچہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: "جب یہ تجویز ہماری مجلس میں اس تجویز پر غور کیا گیا تو اس میں دو شرطیں عائد کی گئیں، ایک یہ کہ اگر ادائیگی میں تاخیر کی وجہ افلاس یا تنگدستی ہو تو اس صورت میں التزام میں شامل نہ ہوگی"
(اسلامی بینکاری ص ۲۰۷)

یہاں عرض یہ ہے کہ اس تحقیق کے لئے بینک نے کوئی کمیٹی بنائی ہے اور اس عذر کے بیان کا آج تک کس کو علم ہو سکا ہے؟

(۵) اس عبارت میں عقد مرابحہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ معاملہ کے بعد مدیون کے حق کو بروقت ادا کرنے کے لئے مدیون کی طرف سے صدقہ کرنے کو التزام کا بیان ہے "التزام تصدق مال" کا بیان ہے جس کو شریعت میں نذر کہا جاتا ہے اور یہ بالاتفاق دیانۃً واجب ہے اور بعض مالکی فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک حکم قاضی سے قضاءً بھی واجب ہوتا ہے۔ "التزام الالتزام تصدق مال" کا بیان نہیں۔

البتہ کتاب التزامات رسول اللہ ﷺ میں مدیون کے حق کے تحفظ کے لئے جس چیز کا ذکر ہے اس عبارت میں کتاب التزامات رسول اللہ ﷺ کے خلاف کرتے ہوئے کسی تیسری چیز یعنی "التزام التزام تصدق مال" کو مالی تحفظ کے طور پر اختیار کیا جائے گا کہ یہ تیسری چیز ان حضرات کی ایجاد ہے جو مذہب مالکیہ میں بھی موجود نہیں ہے۔

(۶) مالکیہ کے ہاں صدقہ میں ہوتا ہے، زیر بحث مسئلے کا حکم نہیں، کیونکہ زیر بحث مسئلے میں انعقاد یا معاملے کے وقت التزام ہوتا ہے جبکہ مالکیہ کے مسئلے میں کسی معاملے کے بعد اپنا اعتماد دلانے کے لئے مدیون کے حق کو بروقت ادا کرنے کے لئے التزام کیا جاتا ہے۔

(۷) بعض حضرات التزام کے لئے مشروط التزام تصدق مال والے کی ذمہ داری و مصارف کے بارے میں تفصیلات

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یعنی اگر کسی شخص نے مال حرام میں سے فقیر کو کچھ دیا تو کفر ہو جاتا ہے کیونکہ حرام آمدنی والے کا ثواب کی نیت سے صدقہ کرنا کفر ہے جو قربت کی نیت سے ہو کافر اس کا اہل ہی نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : واعلم أن اشتراط الإسلام إنما يناسب اليمين بالله تعالى و اليمين بالقرب نحو إن فعلت كذا فعلي صلوة و أما اليمين بغير القرب نحو إن فعلت كذا فأنت طالق فلا يشترط له الاسلام كما لا يخفى اهـ (الشامية ج۳ ص ۷۰۴ رشیدیہ) وقال أيضا رحمه الله تعالى : رجل دفع الى فقير من المال الحرام شيئا يرجو به الثواب يكفر، ولو علم الفقير بذلك فدعا له و أمن المعطي كفرا جميعا (الشامیہ ج۲ ص ۲۹۲ رشیدیہ)

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جان لینا چاہئے کہ اسلام کی شرط صرف دو صورتوں میں مناسب ہے ایک اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانے کی صورت میں اور دوسری کسی باعث قربت چیز کے ساتھ قسم کھانے کی صورت میں جیسا کہ یوں کہے "اگر میں نے فلاں کام کیا تو میرے اوپر نماز لازم ہے" البتہ باعث قربت چیز کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھانے کی صورت میں اسلام کی شرط نہیں ہے جیسا کہ اس سے مخفی نہیں ہے جیسا کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہے "اگر میں نے فلاں کام کیا تو تجھے طلاق ہے"۔

نیز علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "کسی آدمی نے فقیر کو ثواب کی امید سے مال حرام میں سے کچھ دیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر فقیر کو بھی اس کا علم ہو اور اس کے باوجود فقیر نے دینے والے کے لئے دعا کی اور دینے والے نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو جائیں گے"۔

قال في الهندية : ولو كان أحد الشركاء ذميا كتابيا أو غير كتابي وهو يريد اللحم أو يريد القربة في دينه لم يجزئهم عندنا لأن الكافر لا يتحقق منه القربة فكانت نيته ملحقة بالعدم فكأنه يريد اللحم والمسلم لو أراد اللحم لا يجوز عندنا و كذلك اذا كان أحدهم عبدا أو مدبرا ويريد الأضحية كذا في البدائع (الہندیہ ج۵ ص ۳۰۴)

اور ہندیہ میں ہے "اگر قربانی کے شرکاء میں سے کوئی ایک ذمی ہو یا کتابی نہ ہو لیکن اس کا مقصد

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

محض گوشت حاصل کرنے یا صرف اپنے گھر والوں کو کھلانے کا ارادہ رکھتا ہو تو ہمارے ہاں ان شرکاء میں سے کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی، اگر کافر ہے تو اس لئے کہ کافر سے ثواب کی نیت درست نہیں ہے لہٰذا اس کی نیت کا عدم ہے تو گویا کہ وہ محض گوشت کا ارادہ رکھتا ہے اور اگر مسلمان ہے تو اس لئے کہ مسلمان (قربانی میں) اگر صرف گوشت کا ارادہ رکھتا ہو تو ہمارے ہاں اس کی قربانی درست نہیں ہے اور اگر شرکاء میں سے کوئی ایک غلام یا مدبر ہو جو قربانی کرنا چاہتا ہو تو بھی یہی حکم ہے۔

﴿(۳) ”مروجہ التزام تصدق مال“ کا حکم﴾

تحریر فرماتے ہیں:

”تصدق کو محض معاوضہ کے طرز کی نذر ہے، اس لئے وہ خود حنفی اصول کے تحت لازم ہے۔ لیکن اگر یہ حرج ہو کہ اس معاہدے میں ... آ رہی ہے تو صاحب الخ کے قول کے مطابق محض تبرع ہو کر معتبر ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر حنفی اور مذہب سے کوئی قول لے لیا جائے تو اس کی گنجائش اس مذہب میں کسی کو بنا جائے گا۔“ (غیر سودی بینکاری ص ۲۹۳)

تجزیہ: اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حنفیہ کے نزدیک التزام تصدق کے منعقد ہونے کے وجوب کی دو وجہیں بیان کرتے ہیں:

(۱) نذر

(۲) التزام تبرع جو صاحب الخ مالکی مذہب سے لیا گیا ہے۔

تبصرہ: پہلی وجہ سے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ نذر کوئی خوشی سے ملنے یا ناخوشی سے ہر صورت میں لازم ہو جاتی ہے، اگر یہ خوشی کی صورت میں ملے اور زیادتی کرنے والا اسی وجہ میں گناہ گار ضرور ہوگا، یہاں تک کہ ... لیکن نذر کا یہ حکم جو حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے، بینک میں اس کے خلاف ہو رہا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ نذر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) نذر مطلق

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۲) نذر معلق پھر نذر معلق کی دو صورتیں ہیں: "نذر معلق بشرط یراد کونہ" اور "نذر معلق بشرط لا یراد کونہ"۔

نذر مطلق: اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص بغیر کسی شرط اور تعلیق کے کوئی چیز اپنے اوپر لازم کرلے۔

نذر معلق: اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی شرط اور تعلیق کے ساتھ اپنے اوپر کوئی چیز لازم کرلے۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ ہے۔

"نذر معلق بشرط یراد کونہ": یہ ہے جس میں نذر ماننے والا شرط کے وقوع اور ہونے کا ارادہ رکھتا ہے یعنی اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شرط اور تعلیق کے مطابق معاملہ فرمائیں، مثلاً اگر میرے مریض کو شفا ہوگئی تو اتنا صدقہ کروں گا، یہ مریض کی شفا چاہتا ہے، چنانچہ اگر شفا ہوگئی تو اس قدر صدقہ کرے گا۔

حکم: نذر مطلق اور نذر معلق بشرط یراد کونہ دونوں کا حکم ایک ہے کہ نذر ماننے والے کے ذمہ حسب نذر اس چیز کا ادا کرنا واجب ہے یعنی وجوب، ذمہ میں فی الفور واجب ہوتا ہے اور عدم ادا کی صورت میں اس کا ضمان بھی ... ہوسکتا ہے، دنیا میں کسی کو اس کے مطالبہ کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس حکم کا حاصل یہ ہے کہ ... کے بعد ... جب چاہے ادا کرے۔

"نذر معلق بشرط لا یراد کونہ": اس کا مطلب یہ ہے کہ نذر ماننے والا شرط کے وقوع اور ہونے کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ یہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو روکنے کے لئے نذر مانتا ہے یعنی جس چیز کو وہ معلق کرتا ہے اس کے ہونے کو نہیں چاہتا بلکہ نہ ہونے کو چاہتا ہے، مثلاً کوئی یوں کہے کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو مجھ پر اتنا صدقہ دینا لازم ہوگا۔

حکم: امام ... کے مطابق اس صورت میں نذر ماننے والے کو نذر اور کفارہ یمین میں اختیار ہے، چاہے نذر پوری کرے، چاہے قسم کا کفارہ ادا کرے۔

نذر کی اس تفصیل کے بعد بینک کے اس نظام پر غور کیا جائے کہ یہ نذر کس قسم میں داخل ہے، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بینک کا یہ التزام "نذر معلق بشرط لا یراد کونہ" میں داخل ہے کیونکہ ... ادائیگی میں تاخیر کو روکنے کی وجہ سے یہ التزام کرتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ایک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

شرط محض ہے جس کے تحقق ہونے پر ہونے کا وعدہ مختص نہیں ہے لہٰذا شرعاً مشتری یا مضاربہ (کمائیٹ) کے ذمے وعدہ یہ ضروری نہیں کہ وہ خریداری کرے بلکہ اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو ادا کرے اور چاہے تو قسم کا کفارہ دے کر بری الذمہ ہو جائے، جبکہ بینک اس کو خریداری پر مجبور کرتا ہے اور بینک کا یہ مجبور کرنا خلاف شرع ہو جاتا ہے۔

نیز اگر کوئی اس نذر معلق بغیر یراد کونہ میں داخل کرنے پر بضد ہے تو بالفرض تسلیم کرتے ہیں یہ ہے کہ بینک کی طرف سے اس قسم کے حکم کی بھی مخالفت ہو رہی ہے کیونکہ اس قسم میں مطالبہ صرف واجب ہے مخلوق میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس کا مطالبہ کرے نیز اس میں تعیین مکان اور وقت کی تعیین یا اگرچہ نذر کرنے والے نے کی ہو پھر بھی اس کے خلاف کر سکتا ہے بلکہ شریعت نے ان سب امور میں اس کو آزادی اور اختیار دیا ہے، جبکہ بینک نے ان تمام آزادی کو سلب کیا ہے، بینک کے پاس جمع نہ کرنے کی صورت میں بینک اس کا مواخذہ کرتا ہے اور اس کے معاہدہ کے تحت بینک اپنے معاہدہ پر عمل کرتا ہے، اور یہ دونوں باتیں شرعاً درست نہیں۔

ان کے دلائل اور حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

قال الإمام المرغيناني رحمه الله تعالى: (ومن نذر نذرا مطلقا فعليه الوفاء) لقوله ﷺ من نذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى.

(الہدایہ ج۲ص۴۸۰، رحمانیہ)

قال في التنوير وشرحه: ثم إن المعلق فيه تفصيل فإن (علقه بشرط يريده كأن قدم غائبي أو شفي مريضي (يوفي) وجوبا (إن وجد) الشرط (و) إن علقه (بما لم يرده كإن زنيت بفلانة) مثلا فحنث (وفى) بنذره (أو كفر) ليمينه (على المذهب) لأنه نذر بظاهره يمين بمعناه فيخير ضرورة.

وقال العلامة الشامي رحمه الله تعالى: (قوله ثم إن المعلق الخ) اعلم أن المذكور في كتب ظاهر الرواية أن المعلق يجب الوفاء به مطلقا أي سواء كان الشرط مما يراد كونه أي يطلب حصوله كإن شفى الله مريضي أو لا كإن كلمت زيدا أو دخلت الدار فكذا وهو المسمى عند الشافعية نذر اللجاج وروي عن أبي حنيفة التفصيل المذكور هنا وأنه رجع إليه قبل موته بسبعة أيام وفي الهداية أنه قول محمد وهو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

الصحيح كما مشى عليه أصحاب المتون كالمختار والمجمع ومختصر النقاية والملتقى وغيرها وهو مذهب الشافعي وذكر في الفتح أنه المروي في النوادر وأنه مختار المحققين

(الشامية ج۵ ص[illegible] [illegible] رشیدیہ)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (لزم الناذر) أي لزمه الوفاء به والمراد أنه يلزمه الوفاء بأصل القربة التي التزمها لا بكل وصف التزمه لأنه لو عين درهما أو فقيرا أو مكانا للتصدق أو للصلاة فالتعيين ليس بلازم. بحر. وتحقيقه في الفتح.

(الشامية ج۵ ص۵۳۱)

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نذر لازم ہے یعنی اس کو پورا کرنا لازم ہے اور مراد یہ ہے کہ اس کے ذمہ اس اصل نیکی (عبادت) کو پورا کرنا لازم ہے جس کو اس نے اپنے اوپر لازم کیا ہے نہ کہ ہر اس صفت کے ساتھ جس کا اس نے التزام کیا اس لئے کہ اگر اس نے صدقہ کرنے کے لئے کسی درہم یا کسی فقیر یا کسی جگہ کو صدقہ کرنے یا نماز پڑھنے کے لئے متعین کر دیا تو یہ تعیین اس پر لازم نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق فتح القدیر میں ہے۔

قال الإمام المرغيناني رحمه الله تعالى: والنذر لا يعمل فيه الإكراه لأنه لا يحتمل الفسخ ولا رجوع للمكره بما لزمه لأنه لا مطالب له في الدنيا فلا يطالب به فيها الخ

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نذر میں اکراہ یعنی زبردستی کا اعتبار نہیں ہوتا اس لئے کہ اس میں فسخ کا احتمال نہیں اور مکرہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ جو چیز اس پر لازم ہوئی اس کا مکرہ سے مطالبہ کرے اس لئے کہ دنیا میں اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں ہے لہٰذا دنیا میں اس کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

قال العلامة الخوارزمي رحمه الله تعالى: (قوله: والنذر لا يعمل فيه الإكراه) حتى لو أكره بوعيد تلف على أن يوجب على نفسه صدقة أو صوما أو حجا أو شيئا يتقرب به إلى الله تعالى ففعل لزمه ذلك وكذا إن أكرهه على اليمين بشيء من ذلك أو بغيره لأن النذر مما لا يلحقه الفسخ لأنه يمين لقوله عليه السلام ((النذر يمين)) وهي مما لا يحتمل الفسخ وما لا يؤثر فيه الفسخ بعد وقوعه لا يؤثر فيه الإكراه من

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

حيث الصحة كما في الطلاق و هذا لأن أثر الإكراه في فوات الرضا و أثره في عدم النفوذ و أثره في حق الفسخ فما لا يحتمل الفسخ لا يتأتى فيه أثر الإكراه فلا يؤثر فيه الإكراه. (قوله: لأنه لا مطالب له في الدنيا فلا يطالب به فيها) و ذلك لأنه لزمه حكما يطالب به في الآخرة و لا يظهر أثره في الدنيا من حيث الإلزام فلو أوجبنا عليه الضمان لأخذه الحاكم و حبسه فيه فيكون زائدا على ما أوجبه و هذا لا يجوز (الكفاية على هامش فتح القدير ج ٨ ص ١٨١، ١٨٢، و راجع له أيضا "المبسوط للسرخسي" ج ٢٤ ص ٥٩)

علامہ محمد البابرتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں صاحب ہدایہ کے اس قول کے بارے میں (کہ اور نذر میں اکراہ مؤثر نہیں ہوتا) یعنی جب کسی آدمی کو دھمکی دے کر مجبور کر دیا جائے کہ وہ اپنے اوپر کچھ صدقہ یا روزہ یا حج لازم کرے جن سے اللہ تعالیٰ کا تقرب مقصود ہو تو اس پر ایسا کرنا لازم ہے اور اگر کسی کو کسی ایسی چیز کے بارے میں قسم پر مجبور کر دیا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ یہ چیزیں ان میں سے ہیں جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتیں نبی کریم ﷺ کے اس قول "تین چیزیں ہیں" کے مطابق کہ ان کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتی اور جو اشیاء ایک بار واقع ہو جائیں وہ فسخ نہیں ہوتیں اس میں صحت کے اعتبار سے اکراہ بھی مؤثر نہیں ہوتا، جیسا کہ "کسی غلام کو آزاد کرنا" اور یہ اس لئے کہ اکراہ کا اثر رضا کے فوت ہونے میں ہے اور عدم رضا کا اثر لازم نہ ہونے میں ہے اور فسخ میں ہے تو جو اشیاء فسخ کا احتمال ہی نہیں رکھتیں ان میں اکراہ کا اثر بھی جاری نہیں ہوگا۔ جن میں اکراہ مؤثر نہیں ہوتا صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ دنیا میں کوئی اس کا مطالبہ نہیں تو دنیا میں اس کا مطالبہ بھی نہیں ہوگا یہ اس وجہ سے کہ نذر ماننے والے نے اپنے اوپر ایسے حکم کو واجب کیا ہے جس کا اس سے آخرت میں مطالبہ کیا جائے گا اور دنیا میں لازم کرنے کے اعتبار سے اس کا اثر ظاہر نہیں ہو سکتا لہٰذا اگر ہم اس پر ضمان کو لازم کر دیں تو حاکم اس سے ضمان لے گا اور اس کو قید بھی کرے گا تو نذر ماننے والے نے جو اپنے اوپر لازم کیا ہے یہ اس سے زائد ہو جائے گا، جو کہ جائز نہیں۔

اور مزید فرماتے ہیں:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"یعنی یہ بات کہ صدقہ اختیاری ہوتا ہے اور اسے لازم کر کے جبری بنا دیا گیا ہے تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ یہ نذر کو بھی شامل ہوتا ہے کہ اس سے اختیاری عبادت واجب اور لازم ہو جاتی ہے۔"

(تحریر سود کی بیکاری ص ۲۹۵)

اقول: ایک شخص اپنے اختیار سے مسجد کے لئے نذر مانتا ہے کہ میرے ذمہ فلاں مسجد کو دس ہزار روپیہ کا صدقہ دینا لازم ہے اور دوسرا شخص کسی معاملہ کی وجہ سے اس کے ڈر سے اور دھمکانے سے کسی مسجد کے لئے دس ہزار روپیہ صدقہ کی نذر مانتا ہے کیا ان دونوں میں کوئی فرق نہیں؟ پہلی قسم میں اختیاری صدقہ کو اپنے اختیار اور خوشی سے لازم کر رہا ہے اور دوسری صورت میں اختیاری صدقہ کو بہ معاملہ کے ڈر سے بدون خوشی و رضائے تام کے لازم کرتا ہے ۔۔۔ الحاصل نذر میں اختیاری عبادت خود رضائے تام اور خوشی سے لازم ہوتی ہے اور بینک میں اختیاری عبادت رضائے تام اور دلی خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے لازم ہوتی ہے، اگرچہ عبادت کے تحت بھی اختیاری طور پر لازم ہو جاتی ہے (کما مر فی عبارۃ الکفایۃ) لیکن کیا یہ صدقہ بھی اسی طرح لازم کیا جاتا ہے؟

دوسری وجہ: مجلہ تحقیق میں جس کا مذہب مالکی مذہب سے لیا گیا ہے اس سے متعلق درج ذیل گذارشات ہیں۔

قولہ: یہ بات درست ہے کہ یہ ان کے مذہب میں بھی نذر ہے، ان کے مذہب کی جو عبارت نقل فرمائی گئی ہے اس کے بعض الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

وأما النذر فإنه إن لم يوف حقه في وقت كذا، فعليه كذا وكذا لفلان، أو صدقة للمساكين، ۔۔۔ الخ فالحاصل: أن الالتزام المعلق على فعل الملتزم الذي على وجه اليمين لا يقضى به على المشهور.

مذکورہ عبارت میں تصریح ہے کہ نذر کی ایک صورت ہے، اور دوسری عبارت میں "علی وجہ الیمین" کی تصریح ہے کہ یمین و قسم بھی نذر ہی ہے۔

كما صرح به في الكفاية: وكذا إن أكرهه على اليمين بشيء من ذلك أو بغيره لأن النذر مما لا يلحقه الفسخ لأنه يمين لقوله عليه السلام ((النذر يمين))

(الکفایہ علی ہامش الفتح ج۸ ص ۱۸۱)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب اس کا مذہب حنفیہ میں ثابت ہوا تو اس پر مذہب کے احکام جاری ہوں گے اور مذہب کے احکام فقہ حنفی میں موجود ہیں، لہٰذا فقہ حنفی کو چھوڑ کر فقہ مالکی کی طرف جانا خروج عن المذہب نہیں تو اور کیا ہے؟

جواب: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ التزام تصدق کا معاہدہ فقہ حنفی اور مذہب مالکیہ میں بھی اس التزام کو نافذ نہیں کیا گیا تو بھی یہ خروج عن المذہب ہے، کیونکہ بینک نے ''التزام تصدق بالمال'' کو مشتری اور مستاجر پر جبراً لازم کیا ہے کہ ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں چندہ وقف میں چندہ دینا ضروری ہے اگرچہ اس کی طیب خاطر اور رضا نہ ہو، جب کہ چندہ وصول طیب خاطر اور رضا کے تابع ہی ہے، چندہ وصول کرنے کا حکم قرآن کریم واحادیث مبارکہ اور فقہ حنفی بلکہ دوسرے مذاہب میں بھی صراحۃً موجود ہے کہ اس طرح چندہ وصول کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی مدارس میں بغیر طیب خاطر چندہ وصول کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں:

"آج کل کئی مدارس میں دستور ہو گیا ہے کہ طلبہ کو کسی بہانے سے کہیں جمع کر کے ان سے رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے یہ طریقہ اگر ادائے فرض کے لیے کسی سے سوال کرنے کی صورت بھی ہو تو بھی قبیح ہے، اس صورت میں مجمع میں حاضرین سے شرمندگی کے لیے ناخواستہ چندہ دینا پڑتا ہے جو بالجبر ہے، اس لیے یہ طریقہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔" (رسالہ ''سیف الفقہاء'' احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۳)

قرآن کریم کی متعدد آیات میں کسی کا مال اس کی دلی رضا اور خوشی کے بغیر ناحق اور باطل طریقے پر کھانے کو سختی سے حرام قرار دیا ہے۔

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (البقرة: ۱۸۸)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ (سورۃ النساء: ۲۹)

اور حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۵) یعنی کسی کی دلی خوشی کے بغیر کسی کا مال حلال نہیں۔

اور فقہ حنفی کی متعدد عبارات ہیں جن میں صراحت کے ساتھ طیب نفس اور دلی رضا کو بنیاد بنایا ہے اور جہاں دلی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

خوشدلی نہیں ہوتی وہاں درست نہ ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ مثلاً عورت کے مہر کو اس کی اجازت سے والد کے لئے استعمال جائز ہے مگر جبر کی صورت میں جائز نہیں جب تک دل سے راضی نہ ہو۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: قوله: (وصح حطها) الحط: الإسقاط كما في المغرب، وقيد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة، ولو كبيرة توقف على إجازتها، ولا بد من رضاها.

ففي هبة الخلاصة: خوفها بضرب حتى وهبت مهرها لم يصح لو قادرا على الضرب اهـ (رد المحتار ج۲ ص۳۴۳)

یہاں دیکھ لیجئے کہ جبر کی صورت میں حط کو صحیح نہیں کہا گیا؟ اس لئے کہ جبر و اکراہ کی وجہ سے طیب نفس اور دلی رضامندی نہیں ہوتی۔

قال الإمام السرخسي رحمه الله تعالى: ولو أكره بوعيد قتل أو حبس حتى تزوج امرأة على عشرة آلاف درهم ومهر مثلها ألف درهم جاز النكاح لما بينا أن الجد والهزل في النكاح والطلاق والعتاق سواء فكذلك الإكراه والطواعية وللمرأة مقدار مهر مثلها لأن التزام المال يعتمد تمام الرضا ويختلف بالجد والهزل فيختلف أيضا بالإكراه والطوع فلا يصح من الزوج التزام المال مكرها إلا أن مقدار مهر المثل يجب لصحة النكاح لا محالة (المبسوط للسرخسي ج۲۴ ص۵۷، ونحوه في البدائع)

اس عبارت میں تصریح ہے کہ رضا کے تمام کے بغیر نکاح کے اندر بھی شوہر سے جتنے پیسے کا اقرار ہو اس التزام مال کو صحیح نہیں کہا گیا بلکہ صرف مہر مثل واجب ہوگا، اس کے علاوہ اس کی بیوی کے لئے یہ مال حلال نہیں۔ اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی طیب نفس کے بغیر جو مال لیا جائے وہ حلال نہیں، اور جو التزام تصدق کیا گیا وہ بھی رضا کے بغیر صحیح نہیں، لہٰذا یہ تصدق کا مال شرعاً لازم نہ ہوگا اور نہ ہی صدقہ کی مد میں جب تک خوشدلی سے نہ ہو اس کا لینا اور استعمال کرنا حلال اور جائز نہ ہوگا۔

دیکھئے علامہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے التزام مال کے لئے رضائے تام کی شرط لگائی کہ التزام مال کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ التزام مال جو رضائے تام کے ساتھ ہو جیسے مثلاً خوشی سے کوئی چیز دینے کا معاہدہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرے سود یا قرض سے بیوی کے لئے مہر مثل سے زیادہ مہر مقرر کر لے تو یہ جائز، لازم اور واجب الاداء ہے اور مہر کی قسم ہوتی ہے جس میں رضامندی کے نام پر ہو جیسے مثلاً زیادہ حق مہر زیادہ رکھوانا یا بینک کا مرابحہ و اجارہ میں التزام تصدق کی شرط لگانا چونکہ بینک یہ جانتا ہے کہ مدیون اس شرط کو تسلیم کرے گا جسے ادھار نہیں ملے گا، لہٰذا مدیون مجبوری کے عالم میں اس شرط کو قبول کرتا ہے اس لئے یہ ناجائز، غیر لازم اور حرام ہوگا اور اب تک بینکوں نے جتنے لوگوں سے اس عنوان کے تحت مال لیا ہے سب کو واپس کرنا واجب ہوگا۔

تنبیہ: "رضا کے عدم" کی نفی کرنے کے ساتھ قید نہیں، لہٰذا اس کی نفی کے دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں، جیسے بعض اہل علم رحمہم اللہ تعالیٰ نے کتاب سے چندہ کو اسی وجہ سے ممنوع قرار دیا ہے کہ اس صورت میں رضامندی کا عدم اور حیا کے طور پر چندہ بھی دینا پڑتا ہے، مانگنے والے کی وجاہت کی وجہ سے شرما شرمی میں ہونے والی رضامندی کا عدم متحقق ہے۔

فائدہ: جناب والا کے تیسرے بے بنیاد مقدمہ پر مبنی مسئلہ میں استدلال درست نہیں، جس کی تفصیل عنوان "التزام تصدق کے جوابات" کے تحت مذکور ہے۔

التزام تصدق کی نسبت عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

"تصدق کے التزام کی بحث کے ساتھ یہ گزارش کرتا ہوں کہ یہ اوکرام اس مسئلے پر مختلف زاویوں سے غور کرنے کی ضرورت ہے شروع میں جب غیر سودی بینکاری کا آغاز ہوا تو اس قسم کا کوئی التزام کا ایک حصہ نہیں تھا لیکن چونکہ مرابحہ میں جب ایک قیمت متعین ہو جاتی ہے تو بروقت ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں اس قیمت میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا، اس لئے لوگوں نے اس بات کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور ادائیگیاں جو واجب الاداء تھیں ان کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرکے ادائیگی میں غیر معمولی تاخیر شروع کردی جس سے نہ صرف بینک کو نقصان تھا بلکہ ان ڈپازیٹرز کو نقصان تھا جن کی رکھوائی ہوئی رقوں سے یہ معاملات کئے گئے تھے" ————— (غیر سودی بینکاری ص ۱۰۴)

اقول: اولاً: اس عبارت میں سارے مراحل اس کی صورت حاصل کرنے کے لئے ہیں جس کو ثابت کیا جا رہا ہے اس کی عبارت کے کس جزء میں دلیل بننے کی صلاحیت ہے؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تنبیہ: احسن الفتاویٰ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ التزام تصدق مال کی تجویز ابتداءً ضروری ہے مگر بعد میں تجربہ کے بعد سامنے آئی کہ اس پوری مجلس میں حضرت مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کا اس فنڈ کو بینک سے الگ کسی تیسرے فریق کے پاس رکھنے کی تجویز اور اسلامی بینک کا اس سے انکار اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ اصل تجویز میں کچھ شرعی حرج ہے، کیونکہ جو کسی دوسرے کے پاس رکھنے کے لئے تیار نہیں دوسرے سے اس کے خدمت حاصل کرنے کی کیسے توقع ہو سکتی ہے؟

احسن الفتاویٰ جلد ۷ صفحہ ۱۸ حاشیہ نمبر ۱ کے حاشیہ پر حضرت مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کی تحریر میں الفاظ بھی تحریر فرمائی ہے

"اصل تجویز یہ ہے کہ یہ رقم بینک کی بجائے کسی ثالث کی تحویل میں رہے مگر بینک اپنی ہی تحویل میں رکھنے پر مصر رہا ہے۔"

لہٰذا کتاب "مروجہ اسلامی بینکاری" میں جو اس کے خلاف لکھا ہے وہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے [illegible] جب اللہ تعالیٰ نے [illegible] ان کے حق کے تحفظ کے لئے صرف وہ [illegible] ان کے حق کا تحفظ ہو یا ان کے ذریعہ اس کے حق کو محفوظ بنا دے تو [illegible] چاہئے اور جہاں [illegible] شخص ہو گا بظاہر ان وجوہ سے قابو نہیں آتا تو اس سے بینک [illegible] نہیں کیا گیا ہے۔

خلاصہ: [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] چاہئے، اس کے خلاف مذاہب اربعہ سے خروج کر کے [illegible] چاہئے۔

﴿التزام تصدق مال اور مجلس تحقیق مسائل حاضرہ﴾

"التزام تصدق مال" کے اس حوالے سے کتاب "مروجہ اسلامی بینکاری" میں تنقید کی گئی ہے کہ مجلس تحقیق مسائل حاضرہ نے اسے قبول کیا ہے اور حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاویٰ میں اس کی تحقیق بھی فرمائی ہے۔

قول اول: پیش ہے کہ احسن الفتاویٰ میں جو مجلس تحقیق کی رپورٹ ہے جس میں [illegible] کی گنجائش

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔

حضرت مفتی اعظم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''چونکہ کچھ عرصہ سے بینک کے سود اور ''بلا سود تجارتی ادارہ'' قائم کرنے کے نظام پر غور کرنے کے لئے شعبان ۱۳۸۰ھ میں مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کا اجلاس دار العلوم کراچی میں ہوا جس میں حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے قوانین اسلام کے تحت بحث و تمحیص کے بعد دو نظر تجاویز تحریر کی گئیں''

(احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۱۱۲)

اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہو گئیں ایک یہ کہ بینک سود سے تب پاک ہو گا جب اس کو مستقل تجارتی ادارہ بنایا جائے۔

دوسری بات یہ کہ یہ صرف تجاویز ہیں ایسے حتمی فیصلے نہیں جن میں مزید غور کی گنجائش نہ ہو، اور غور کرنا اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تجویز کو ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے:

''بعض حضرات نے اس مسئلے کے حل کے لئے یہ تجویز پیش کی، ''شرکت'' سے عقد مرابحہ کرتے وقت یہ طے کیا جائے کہ اگر مدیون نے مقررہ وقت پر ادائیگی نہ کی تو وہ اپنے واجب الادا دین کا ایک معین حصہ کسی خیراتی فنڈ میں چندے کے طور پر ادا کرے گا'' اس غرض کے لئے بینک میں ایک خیراتی فنڈ قائم کیا جائے گا جو بینک کی ملکیت نہ ہوگا اور نہ اس کی رقوم بینک کی آمدنی میں شامل ہوں گی، بلکہ اس سے رفاہی اور فلاحی کاموں کو مالی امداد فراہم کرنے کا کام لیا جائے گا، بعض مالکی فقہاء کے قول پر اس التزام بالتصدق کی گنجائش معلوم ہوتی ہے'' (احسن الفتاوی ج ۷ ص ۱۲۰)

ان الفاظ سے بھی معلوم ہوا کہ یہ بطور تجویز اور کسی کے حوالے سے یہ بات پیش کی گئی ہے، ایسا نہیں کہ اس پر گفتگو ختم ہو چکی ہے اور یہ حتمی فیصلہ ہے۔ ہمارے خیال کے مطابق اس پوری عبارت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس کے حتمی فیصلہ ہونے پر صراحۃً یا اشارۃً دلالت کرے۔

یہ بات مسلم ہے کہ مجلس تحقیق میں یہ تجویز پیش ہوئی تھی مگر اس پر مزید حاصل گفتگو ہوئی اور ان اکابر رحمہم

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اللہ تعالیٰ کو یہ تجویز سودی معاملہ اور مروجہ معاملہ کے فرق کی طرف متوجہ ہوتی تو یقیناً اس فرق کا اعتبار کرتے اور اس تجویز کو رد فرما دیتے۔

بحمد اللہ تعالیٰ بندہ کو تقریباً دس سال حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں افتاء کے شعبہ میں کام کرنے کی سعادت حاصل ہے، کئی تحقیقی مسائل ایسے تھے جن کی تحقیق میں گو حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ متفرد تھے اور آپ کو پوری طرح شرح صدر تھا اور کسی کے اختلاف کرنے سے بدلنے کو تیار نہ تھے لیکن جب دوسری طرف کے دلائل کی طرف توجہ دلائی گئی تو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے مسائل سے رجوع فرمایا اور متعدد کتاب ہوئے اور مسئلہ۔

رابعاً: خود حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے سالہا سال کے شاگرد ہونے کے باوجود کئی مسائل میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اختلاف فرمایا ہے، اس کی کچھ مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بیع وفاء کے متعلق حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"اگر بیع کے انعقاد سے پہلے شرط لگائی گئی ہو یا پھر بھی اس عقد کو غیر لازم سمجھ رہے ہوں تو یہ بیع فاسد ہے" (احسن الفتاویٰ ج۶ ص۵۰۸)

جبکہ حضرت مدظلہ بیع وفاء کو مطلقاً فاسد نہیں مانتے، بلکہ لازم مانتے ہیں اور وعدہ بھی لازم:

(غیر سودی بینکاری ص۴۲۶)

(۲) حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ قرض سے حاصل ہونے والے فائدے کو سود قرار دیتے ہیں، بینک کے مسئلہ کے تحت فرماتے ہیں:

"اگر اس لئے دیا جاتا ہے کہ بینک قرض سے حقیقتاً نفع حاصل کر رہا ہے جو سود ہے"

(احسن الفتاویٰ ج۷ ص۱۴۹)

جبکہ حضرت مدظلہ کرنٹ اکاؤنٹ کو قرض بھی مانتے ہیں پھر بھی اکاؤنٹ ہولڈر کے نفع کو سود نہیں فرماتے بلکہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۳) کرنٹ اکاؤنٹ کو حضرت مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ناجائز فرماتے ہیں۔

سوال و جواب ملاحظہ فرمائیے:

سوال: بلا ضرورت شدیدہ بینک میں رقم جمع کرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

بینک میں رقم جمع کرانے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) سودی کھاتا (سیونگ اکاؤنٹ)

(۲) غیر سودی کھاتا (کرنٹ اکاؤنٹ)

(۳) لاکر

اول (قول رحمہ اللہ تعالیٰ) کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانا بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں اگرچہ سود لینے کا گناہ نہیں، مگر تعاون علی الاثم کا گناہ اس میں بھی ہے۔

لاکر میں جمع کرانا بھی جائز نہیں، کیونکہ اس میں سود لینے اور تعاون علی الاثم کا گناہ نہیں مگر بینک کے حرام پیسے سے بنے ہوئے مکان کے استعمال کا گناہ ہے، شدید مجبوری کے وقت اس میں رقم جمع کرانی پڑے تو اس میں دوسری صورتوں کی نسبت گناہ کم ہے لیکن پھر بھی استغفار لازم ہے۔

(احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۱۲، ۱۵)

نیز حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ بھی اس کو ناجائز فرماتے ہیں، لکھتے ہیں:

"اگر غیر سودی بینک میسر ہو تو کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم رکھوانے کو جائز نہ کہا جاتا"

(غیر سودی بینکاری ص ۱۹)

﴿"مروجہ اسلامی تصرف مال" کے تحت مجلس تحقیق کا فیصلہ﴾

احسن الفتاویٰ کی عبارت سے مولانا کی یہ عبارت لکھنے کے بعد فرمایا ہے:

"مجلس تحقیق مسائل حاضرہ میں اتفاق رائے سے طے ہوگیا تھا کہ اس مسئلہ میں ان علماء کی تحقیق پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے" (غیر سودی بینکاری ص ۲۰)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اقول: حسن اتفاق کی عبارت سے یہ معلوم کرنا کہ یہ اتفاق رائے سے طے ہوا تھا کسی بھی طرح درست معلوم نہیں ہے۔ پوری عبارت پر غور کرنے سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ ابتدائی تجویز کے طور پر لیا گیا تھا جس میں کلام ہوسکتا ہے اور ترمیم کی بھی گنجائش ہے۔ جیسے خود حضرت نے "محدود ذمہ داری" سے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ کوئی حتمی فیصلہ اور فتویٰ نہیں بلکہ ایک تجویز ہے جس پر بحث و مباحثہ کی گنجائش ہے۔

فرماتے ہیں:

"اس مسئلے کے بارے میں بندہ نے جو کچھ لکھا ہے اس میں یہ بات بھی صاف لکھی ہے کہ یہ بندہ کی رائے ہے کوئی حتمی فتویٰ نہیں ہے بلکہ یہ ایک سوچ ہے جو اہل علم کے غور کے لئے پیش کی جا رہی ہے۔"

(غیر سودی بینکاری ۲۳۹)

دیکھئے یہاں یہ موجودہ (اسلامی بینک کے اکثر حضرات اور دوسرے لوگوں) نے اس ابتدائی سوچ اور تجویز کو حتمی فیصلہ اور فتویٰ قرار دے کر بینکوں میں بطور قانون جاری بھی کر دیا جبکہ خود حضرت ابھی تک اس کو ایک ابتدائی سوچ قرار دے رہے ہیں۔

اسی طرح [illegible] تحقیق سے متعلق حضرت نے بندہ سے خود حضرت مولانا مفتی نعمت اللہ صاحب، مولانا محمد [illegible] صاحب، مولانا محمد [illegible] صاحب (یہ تینوں صاحبان دارالعلوم کراچی کے فضلاء اور حضرت مدظلہ کے [illegible] ہیں) اور [illegible] جامعہ [illegible] کے [illegible] کی موجودگی میں صراحۃً فرمایا کہ یہ بات حتمی فیصلہ اور فتویٰ نہیں ہے بلکہ ابتدائی سوچ اور تجویز ہے — لیکن لوگوں نے اس کو بھی دارالعلوم کا فتویٰ سمجھ لیا ہے جبکہ [illegible] تحقیق کی رو سے بھی یہ ہے کہ یہ تو صرف تجاویز ہیں جن میں بحث کی گنجائش ہے [illegible] حتمی اور قطعی فیصلہ نہیں کہ اس کے خلاف لکھنے اور کہنے والے کو [illegible] رحمہم اللہ [illegible] سمجھا جائے۔

(۴) [illegible] امانت کا قرض ضمان میں بدون تجدید تبدیل کرنا

اس بحث میں [illegible] پاکستان کے ایک معروف عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد زید [illegible] صاحب مدظلہ کا ایک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

متعلق سے مجلس میں انہوں نے تجزیہ سودی بینکوں میں مرابحہ پر بحث کی ہے، سے مفصل تحریر جو قبض سے متعلق ہے نقل فرمائی گئی ہے۔

پہلے یہ تحریر ملاحظہ فرمائیں:

بیع تجدید قبض کی بحث

البتہ مذکورہ صورت میں یہ بحث ہوتی رہ جاتی ہے کہ عمیل بالشراء نے جب سامان خریدا اور موکل (ادارہ) کی طرف سے بحیثیت قبضہ کر لیا تو ظاہر ہے کہ یہ قبضہ بطور وکالت موکل کی طرف سے ہوا۔ اور پھر موکل جب اس سامان کو ادارے سے خریدے گا تو مشتری ہوگا اور ادارے کی حیثیت بائع کی ہوگی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمیل بالشراء کو مبیع پر سابق قبضہ (جو بحیثیت وکیل تھا) حادث قبضہ کے لئے کافی ہوگا یا تجدید قبضہ بحیثیت مشتری کے ہوگا۔

﴿قبضہ کے اقسام﴾

اس سلسلے میں فقہائے کرام نے جو ضابطہ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں: قبضہ امانت، قبضہ ضمان، پھر قبضہ ضمان کی دو قسمیں ہیں: ضمان بنفسہ، ضمان بغیرہ۔ ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔

۱۔ مشتری کا اگر مبیع پر پہلے سے قبضہ حاصل ہے اور وہ قبضہ ضمان بنفسہ کا ہے، مثلاً غاصب کا قبضہ شئ مغصوب پر ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ مبیع موجود ہو یا نہیں، بہر حال سابق قبضہ جدید قبضہ کے لئے کافی ہوگا اور تجدید قبضہ کی ضرورت نہ ہوگی، کیونکہ غاصب کا قبضہ ضمان بنفسہ ہے اور مغصوب شئے ہر صورت مضمون بنفسہ ہے۔

۲۔ اور اگر مبیع پر مشتری کا قبضہ ضمان بغیرہ کا ہے، مثلاً شئ مرہون پر راہن کا قبضہ، کیونکہ وہ حقیقت رہن امانت ہوتی ہے لیکن مضمون بغیرہ (یعنی قرض کی وجہ سے) ہوتی ہے گویا یہ مضمون بنفسہ نہیں بلکہ بالغیر ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شئے مرہون مرتہن خریدے تو تجدید قبضہ کی طرف سے کافی ہوگا ورنہ نہیں۔

۳۔ اور اگر مبیع پر مشتری کا قبضہ، قبضہ امانت ہے مثلاً عاریت، ودیعت، وکالت یا اجارہ کا قبضہ، کہ یہ سارے قبضے قبضہ امانت کہلاتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ امانت والے قبضے ضمان والے قبضہ (یعنی بیع کے لئے) کافی نہیں ہوں گے بلکہ تجدید قبضہ ضروری ہے۔ یہ ساری تفصیل شرح مبسوط کے حوالہ سے بدائع الصنائع میں منقول ہے۔

وجملة الكلام فيه أن يد المشتري قبل الشراء إما أن كانت يد ضمان وإما أن كانت يد أمانة فإن كانت يد ضمان فإما أن كانت يد ضمان بنفسه وإما أن كانت يد ضمان بغيره ... إلى أن قال ... وإن كانت يد المشتري يد أمانة كيد الوديعة والعارية لا يصير قابضا

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۴۸)

مذکورہ بالا تفصیل کے پیش نظر جب وکیل بالشراء کا قبضہ کرنا قبضہ امانت ہے نہ کہ قبضہ ضمان، اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ قبضہ جو بحیثیت وکیل تھا اب یہ قبضہ کے لئے کافی نہ ہو جب بحیثیت مشتری ہوگا بلکہ تجدید قبضہ ضروری ہو جائے گا واللہ اعلم

اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ ادارہ کا آدمی مبیع پر قبضہ کرے اور دوبارہ پھر یہ مشتری ہو تو یہ معاملہ کرے بحیثیت مشتری قبضہ کرے۔ واللہ اعلم

یعنی اگر ایسی شکل ہو کہ وہ بحیثیت مشتری سابق قبضہ پر کفایت کرے تب تو یہ معاملہ درست ہوگا ورنہ اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

﴿قبضہ وتسلیم کی حقیقت﴾

عموماً قبضہ کا مطلب یہی ہے جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ ہاتھوں سے پکڑ لے یا مبیع کو منتقل کر کے اپنے پاس لے آئے۔

فقہ کی رو سے بعض صورتوں میں تخلیہ کو بھی قبضہ کہا جاتا ہے۔

وقال الشافعي رحمه الله: القبض في الدار والعقار والشجر بالتخلية، وأما في الدراهم والدنانير فبالبراجم، وفي الثياب بالنقل (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۴۴)

یعنی امام شافعی کے نزدیک شرعی قبضہ کا مفہوم وسیع ہے۔ ان کے نزدیک قبضہ کا حاصل عرف

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تخلیہ ہے اور تخلیہ کا حاصل یہ ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان باعتبار حقیقت یا باعتبار عرف و عادت کے ایسی کوئی مانع چیز موجود نہ ہو جو مشتری کو قبضہ اور تصرف کرنے سے مانع ہو بلکہ مبیع اس حال میں ہو کہ مشتری اگر اس میں تصرف کرنا چاہے تو آزادی کے ساتھ تصرف کر سکے خواہ مبیع ابھی بائع کے پاس ہی موجود ہو۔

وَمَعْنَى التَّسْلِيمِ وَالْقَبْضِ فَالتَّسْلِيمُ وَالْقَبْضُ عِنْدَنَا هُوَ التَّخْلِيَةُ وَالتَّخَلِّي وَهُوَ أَنْ يُخَلِّيَ الْبَائِعُ بَيْنَ الْمَبِيعِ وَبَيْنَ الْمُشْتَرِي بِرَفْعِ الْحَائِلِ بَيْنَهُمَا عَلَى وَجْهٍ يَتَمَكَّنُ الْمُشْتَرِي مِنَ التَّصَرُّفِ فِيهِ فَيَجْعَلُ الْبَائِعُ مُسَلِّمًا لِلْمَبِيعِ وَالْمُشْتَرِي قَابِضًا لَهُ

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۴۴)

لِأَنَّ مَعْنَى الْقَبْضِ هُوَ التَّمْكِينُ وَالتَّخَلِّي وَارْتِفَاعُ الْمَوَانِعِ عُرْفًا وَعَادَةً وَحَقِيقَةً

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۴۸)

وَلِهَذَا كَانَتِ التَّخْلِيَةُ تَسْلِيمًا وَقَبْضًا فِي بَيْعٍ لَا أَجَلَ لَهُ.

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۴۴)

تخلیہ اگرچہ صرف اور صرف ایک ایسا عمل ہے جس کا حاصل بائع کی جانب سے تسلیم اور مشتری کی جانب سے قدرت ہے لیکن ظاہر بات ہے کہ اس طرح کا قبضہ مذکورہ بالا صورت میں بھی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ کلئیرنگ ایجنٹ اصل میں مشتری ہی کا وکیل ہوتا ہے اور جس کے قبضہ میں مبیع موجود ہے (مفروضہ صورت مسئلہ میں) اس کی طرف سے تخلیہ ہو چکا ہے اور اسے قدرت بھی حاصل ہوتی ہے، اگر ارادہ ہو تو مبیع میں تصرف کرے اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس صورت میں ارادہ کا قبضہ متحقق ہو گیا، یعنی تخلیہ پایا گیا (کیونکہ مبیع کلئیرنگ ایجنٹ کے قبضہ میں ہے) اس کے بعد پھر اس کا قبضہ ہونا یہ قبضہ تام ہے جو مبیع مشتری کی ملک ہے۔ واللہ اعلم

مبیع کا بعینہ بائع کے پاس ہی موجود رہنا یا اس کے قبضہ کے منافی نہیں، بہت سی صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ مبیع بائع کے پاس موجود ہے لیکن معاملہ ہو جانے کے بعد مشتری کو اس پر قابض کیا جاتا ہے چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

وَلَوِ اشْتَرَى مِنْ إِنْسَانٍ شَيْئًا بِعَيْنِهِ وَدَفَعَ إِلَيْهِ الْغِرَارَةَ وَأَمَرَهُ بِأَنْ يَكِيلَ فِيهَا فَفَعَلَ صَارَ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فيصير قابضا سواء كان المشتري حاضرا أو غائبا لأن المعقود عليه معين وقد ملكه المشتري بنفس العقد فصح أمر المشتري لأنه تناول عينا هو ملكه فصح أمره وصار البائع وكيلا له وصارت يده يد المشتري وكذلك الطحن إذا طحنه البائع بأمر المشتري صار قابضا (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۴۴)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کی تصریح کے پیش نظر یہ گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ موکل وکیل بالشراء کے پاس موجود ہے لیکن تخلیہ کی وجہ سے ممکن ہے (یعنی) قبضہ پایا گیا اس لئے یہ صورت بھی جائز ہونا چاہئے۔

جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فقہاء نے قبضہ امانت کو وجود کے قبضہ ضمان کے لئے کافی سمجھا ہے اس کے علاوہ فقہاء نے اس قسم کی صورتوں کا استثناء بھی فرمایا ہے جن میں حسی قبضہ (قدرت تصرف) پایا جاتا ہے۔

لا يكون قابضا إلا إذا ذهب الزوج أو المستعير إلى العين وانتهى إلى مكان يتمكن من قبضها فيصير الآن قابضا بالتخلية

(البحر الرائق ج ۶ ص ۸۰، شامی ج ۴ ص ۱۱۴)

لا يصير قابضا إلا أن يكون بحضرته أو يذهب إلى حيث يتمكن من قبضه بالتخلي (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۴۸)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرف کے اعتبار کے ساتھ تحقق مرابحہ کا جواز قبضہ حکمی کے ساتھ اس صورت میں بھی دیا ہے جس میں مال لانے والے کی حیثیت اجیر کی ہوتی ہے اور قبضہ وکیل ہی کا ہوتا ہے (امداد الفتاویٰ)

عمرو نے زید کو دس روپے مال لانے کے واسطے دیئے اور تین روپے باربرداری کی اجرت دی۔ زید نے وہ مال لا کر عمرو کے مکان دکان پر پہنچا دیا۔ عمرو نے مال منگوانے کے لئے کہا تھا کہ جس وقت تم یہ مال خرید لو گے ہم کو قبضہ ہو گا تو وہ ہم کو پہلے اپنے مکان پر لے جا کر ... ہم کو دے دو ... بعد زید سے ... کیا ... مال ... اس طرح خرید سے ... کے واسطے ... ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

جواب: [illegible] ہے اور [illegible] سوال درست ہے۔

(امداد الفتاوی ج ۳ ص ۳۲، سوال ۳۹)

[illegible]

پہلی صورت جو مسئلہ میں [illegible] وکیل بالشراء [illegible] وکیل سے خرید لینے میں کوئی حرج نہیں اور ابتداءً اس کو قبضہ [illegible] وکالت [illegible] بحیثیت مشتری تھا، تو یہ قبضہ شرط ضرور ہے مگر [illegible] قبضہ کافی پایا جاتا ہے۔

اور جس طریقہ سے [illegible] وکیل بن سکتا ہے [illegible] قبضہ کے قائم مقام ہوتا ہے، [illegible] وکیل بالشراء کا مشتری بننا اور موکل کا بائع بننا بھی درست [illegible] وکالت اور [illegible] بغیر کسی فصل کے [illegible] تو یہ قبضہ کے [illegible] یہاں بھی وکالت اور [illegible] بغیر کسی فصل کے [illegible] تو یہ قبضہ کے [illegible] ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

(مجموعہ فقہی مباحث، بحث [illegible]، مقالہ [illegible] صاحب ج ۲ ص ۲۸۳ تا ۲۸۸، طبع: ادارۃ القرآن) (غیر سودی بینکاری ص ۲۳۹ تا ۲۴۳)

[illegible] وکیل بالشراء [illegible] قبضہ (جس نے پہلے اس چیز پر بحیثیت وکیل [illegible]) [illegible] ہے۔

اقول و باللہ التوفیق: [illegible] "[illegible] التعریف" کے عام مفہوم [illegible] یقین [illegible] نہیں ہوگی۔

[illegible] قبضہ [illegible] نہیں آئے گا۔

[illegible] حضرت [illegible] نقل فرمائی ہے اس میں [illegible] "[illegible] التعریف" کے عام مفہوم سے قبضہ ہو چکا، اگر [illegible] ہے [illegible] نقل فرمائیں گے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب ہدایہ کی عبارت نے ساتھ نہیں دیا تو آپ اس عبارت پر تفریع کرتے ہوئے یہ فرمانا "اس لئے [illegible] کے قبضہ [illegible] اگرچہ مبیع [illegible] کے پاس موجود ہے لیکن تسلیم و تسلیم کی حد سے نکل (کر) قبضہ ہو گیا اس لئے یہ صورت بھی جائز ہونی چاہئے" کسی طرح بھی درست نہ ہوگا۔

رابعاً: صاحب بحر اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارات سے بھی جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ بھی تسامح ہی تسامح ہے اور محض مغالطہ ہے کیونکہ ان حضرات میں سے کوئی بھی اس سے اتفاق نہیں فرمائیں گے۔ اگر صاحب بحر اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ان عبارات سے "قدرت تصرف" کا عام مفہوم مراد ہوتا تو "الا اذا ذهب المستعير الى العجز" اور "الخفي الى مكان" کی شرط لگانا [illegible] کیونکہ ان شرائط کے بغیر بھی تو "قدرت تصرف" بالمعنی [illegible] پایا جاتا ہے۔ [illegible] ابن نجیم اور علامہ شامی رحمہما اللہ تعالیٰ کی عبارات بھی ساتھ نہیں دے رہیں لہٰذا اس سے بھی یہ مطلب کہ نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں۔

خامساً: "[illegible]" بدائع کی عبارت بھی ان کے خلاف ہے کیونکہ "الا ان يكون بحضرته" اور "او يخف الى حيث يمكن من قبضه" کی شرائط [illegible] کو رد کر رہی ہے۔ کیونکہ قبض بمعنی "قدرت تصرف" ان شرائط کے بغیر بھی پایا جاتا ہے پھر صاحب بدائع نے ان شرائط کا ذکر کیوں کیا ہے؟ ان کے ذکر کا فائدہ کیا ہے؟

سادساً: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتویٰ کو جو استدلال کیا گیا ہے وہ بھی درست نہیں کیونکہ موکل نے جو [illegible] (غیر سودی بینکاری ص ۲۴۴)

[illegible] قبضہ ختم ہو گیا اب [illegible] کے بعد جو قبضہ ہوگا وہ دوسرا قبضہ ہوگا۔

[illegible] حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے [illegible] تمام [illegible] کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

سابعاً: [illegible] کے تحت جو نتیجہ نکالا ہے وہ بھی [illegible] ہے کیونکہ بائع کا [illegible] مشتری [illegible] سے اس میں [illegible] ہے کہ بائع کا قبضہ [illegible] ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ [illegible] کی حیثیت سے جب عمل کرے [illegible] قبضہ [illegible] کے لئے عمل کیا تو اس عمل کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوسکتے ہیں۔ اگر مصرف کی تعیین ہونے سے پہلے ہی ادا ہوتا تو شرط نہ لگاتے۔ جبکہ صورت زیر بحث میں پہلا قبضہ قبضہ امانت ہے جو کہ قبضہ ضمان اور دوسرا قبضہ ضمان ہے جو کہ پہلے سے قوی ہے اور ینوب الضعیف عن القوی کا قاعدہ بھی ہیں لہٰذا ینوب القوی عن الضعیف کو بھی درست کہنا شاید مشکل ہو۔

﴿ مبیع کا بینک کے ضمان میں آنا ﴾

"مبیع کا بینک کے ضمان میں آنا" کے عنوان کے تحت بینک اور خریدار کے مابین مرابحہ اگریمنٹ کی دو شقیں جن میں خریدار بینک سے مرابحہ کے تحت خریداری کا وعدہ کرتا ہے، کا ترجمہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم وہ چیزیں آپ سے خرید لیں گے اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہم ذمہ داری لیتے ہیں کہ آپ کے حقیقی نقصان کی ہم تلافی کریں گے" جو وہ چیز کسی تیسرے فریق کو بیچنے کے نتیجے میں آپ کو پہنچے گا۔ یعنی … مبیع کا نقصان … (غیر سودی بینکاری ص ۲۴۴)

أقول: یہ شرط کہ "ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ فوراً وہ چیزیں آپ سے خرید لیں گے اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہم ذمہ داری لیتے ہیں کہ آپ کے حقیقی نقصان کی ہم تلافی کریں گے" مقتضائے عقد ہے یا نہیں؟ فوراً کی مدت کیا ہے؟ یہ جہالت مفضی الی النزاع ہے یا نہیں؟ (اگر خریدار کوئی حق بات سننے کے لئے تیار ہو ورنہ ظالم کی کوئی شرط بھی مفضی الی النزاع نہیں کیونکہ مظلوم کو زبان ہلانے کی بھی اجازت نہیں)

آگے فرماتے ہیں: "مبیع کے بینک کے ضمان میں ہونے کا عملی مطلب کیا ہے؟ … اگر یہ چیز کلائنٹ کی تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے گی تو یہ بینک کی ہلاکت ہوگی، یہ نقصان بینک کا ہو۔" (غیر سودی بینکاری ص ۲۴۵)

أقول: فرماتے ہیں کہ … نقصان بینک کا ہو … ماشاءاللہ … عملی عبارت میں … شرط کا حیلہ … کہ نقصان سے بینک کو بچایا جائے۔

﴿ خریداری کے بعد ایجاب و قبول کے دستاویز کی شرعی حیثیت ﴾

حضرت مصنف … کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ کلائنٹ خریداری کے بعد باقاعدہ مشتری کی طرف سے ایجاب … بینک کے … جاتے ہیں … قبول کر کے دستخط کرتے ہیں اور دستخط …

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرتے ہیں اور تحریری معاہدات شریعہ بورڈ کی ہدایات کے مطابق تیار ہوتے ہیں (ملخصاً غیر سودی بینکاری ۳۴۲،۳۴۳)

اقول: اولاً: تو یہ پوچھنا ہے کہ یہ معاہدات کب ڈاک کیے جاتے ہیں یا واقع ہوتے ہیں؟

ثانیاً: ان معاہدوں کی تکمیل کے لئے کوئی مدت مقرر ہے یا نہیں؟

ثالثاً: اگر مقرر ہے تو کتنی؟ تاخیر کی صورت میں مبیع اور ثمن کے ضمان پر کچھ اثر پڑے گا یا نہیں؟

رابعاً: مثلاً بینک مشتری کے ایجاب کے دستاویز کے جانے اور قبول کے دستاویز کے واپس آنے کے زمانے میں مبیع کس کے قبضہ اور کس کے ضمان میں ہوتا ہے؟

خامساً: بینک نے جس ڈیلر سے بواسطہ وکیل مال خریدا ہے، بینک کے مالک بننے کے بعد یہ مال بائع اول کے گودام ہی میں رہتا ہے یا منتقل ہو جاتا ہے؟ ان تمام تفصیلات کے بعد ایجاب و قبول کے دستاویز کی شرعی حیثیت صحیح طور پر معلوم ہو سکے گی۔

﴿مرابحہ بنکیہ اور مرابحہ شرعیہ میں واضح فرق﴾

مرابحہ شرعیہ خرید و فروخت کا ایک معاملہ ہے جو انتہائی شرعی جواز سے آراستہ اور حقیقی تراضی جانبین پر مبنی ایک اسلامی معاملہ ہے۔ جبکہ مرابحہ بنکیہ خرید و فروخت کا معاملہ ہے لیکن وہ شرعی جواز سے محروم اور جبری تراضی پر مبنی ایک غیر اسلامی معاملہ ہے۔

"مروجہ اسلامی بینکاری" کے مصنفین لکھتے ہیں:

"چونکہ آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ بینک کے پاس کوئی سامان موجود نہیں ہوتا بلکہ اس کے پاس صرف رقم ہوتی ہے اس لئے وہ سامان خرید کر بیچنے پر قادر ہے کہ اگر وہ خرید کر اپنی ملکیت اور ضمان میں لا کر بیچے تو یہ بیع حقیقی شرعی بیع ہو سکتی ہے۔ اس بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت پہلے کسی نے سوال پوچھا گیا تھا، یہ سوال و جواب درج ذیل ہیں:

سوال (۵۳۵) موجودہ وقت میں تجارت کا یہ طریقہ عام ہو رہا ہے کہ لوگ اپنے گودام اٹھاتے ہیں اور کسی کو جگہ تجارت کی کر لیتے ہیں جن میں وہ گودام، دکان وغیرہ کچھ نہیں رکھتے جب کوئی فرمائش

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کسی شخص کی ضرورت ہے مجھ بازار سے مال خرید کر اس پر اپنا نفع قائم کر کے خریدار کو بیچ دیتے ہیں، کیا یہ منافع جائز ہے؟

جواب: اگر اس میں کوئی دھوکہ نہ کیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ یہاں کے بازار کا یہی نرخ ہے تو منافع جائز ہیں، البتہ بہت زیادہ نفع اس پر لگا کر بہت گراں فروخت کرنا مروت کے خلاف ہے اس لئے اچھا نہیں سمجھا گیا، چنانچہ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے زیادہ گراں فروخت کرنے کی کراہت نقل کی ہے۔ (امداد المفتین ۹۲۲، بحوالہ غیر سودی بینکاری ۲۰۹، ۲۱۰)

اقول: حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس سوال کا جواب دیا ہے اس سوال میں اور مرابحہ موجلہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے تعجب ہے کہ اتنے بڑے فرق کو کیسے نظر انداز کیا گیا؟ مرابحہ موجلہ کا جواب امداد الفتاویٰ میں ہے چنانچہ سوال و جواب درج ذیل ملاحظہ فرمائیں:

"سوال (۳۳۳) عمرو نے زید سے کہا تم مجھ کو ایک صد روپیہ کا مال جو فلاں جگہ ملتا ہے منگادو میں تم سے ... کا نفع دے کر خرید لوں گا، زید نے کہا کہ دس روپے نفع لوں گا جس قدر مدت کے واسطے تم دو گے اسی حساب سے ہوگی، عمرو نے کہا کہ ایک صد روپیہ کے مطابق ایک ماہ کے واسطے ہے جب مال آجاوے گا اس وقت مدت اور روپیہ کی تعیین ہو جاوے گی۔ اس کے جواب میں زید نے کہا کہ میں منگادوں گا مگر اطمینان کے لئے تم نے جو ایک صد کے روپیہ کا رقعہ لکھ دیا ہے وہ اگر تم خلاف عہدی کرو تو عمرو نے منظور کیا؟

الجواب: اس میں دو معاملے ہیں ایک یہ کہ زید عمرو میں جو گفتگو ہوئی وہ وعدہ ہے بیع کے نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اس کے منگانے کے بعد بھی عمرو انکار کر دے تو زید کو مجبور کرنے کا کوئی حق نہیں ... معاملہ حرام ہے اور رقعہ لکھنا الخ" (امداد الفتاویٰ ۳/۲۰)

اقول: مرابحہ موجلہ ... حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ لازم سمجھ کر ... حرام ہے ... قیمت میں کمی زیادتی کا اختیار ہوتا ہے ... حرام ہوتا ہے۔

تنبیہ: امداد المفتین کے حوالہ ... مرابحہ ...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ مماثلتیں قرض میں بھی موجود ہیں۔

﴿مرابحہ اور سودی قرض میں فرق﴾

مجوزین اس کے فرق بیان کرتے ہیں:

"دونوں میں چند فرق ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) سودی قرض میں بینک کو اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ قرض لینے والا اس قرض کو کہاں استعمال کرے گا یہ قرض کسی بھی مقصد کے لئے لیا جاسکتا ہے چنانچہ بسا اوقات یہ قرض اپنے واجب الاداء بلوں کی ادائیگی کے لئے بھی لیا جاتا ہے ملازمین کو تنخواہیں دینے کے لئے اور کبھی اپنی ذاتی ضروریات میں خرچ کرنے کے لئے حاصل کیا جاتا ہے اس کے برخلاف مرابحہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب بینک کے کلائنٹ کو کوئی چیز خریدنی ہو چنانچہ مرابحہ بلوں کی ادائیگی کے لئے استعمال ہوسکتا ہے نہ تنخواہیں دینے کے لئے نہ روزمرہ اخراجات کے لئے یہ اسی صورت میں استعمال ہوگا جب واقعی کوئی چیز خریدنی مقصود ہو۔"

(غیر سودی بینکاری ص ۲۳۵)

اقول: مرابحہ ان مقاصد کے لئے کیوں استعمال نہیں ہوسکتا؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ بینک سے کوئی چیز مرابحہ پر لے اور جس سے بینک کا قرض ہے یا جو قرض لیا تھا اسی کو واپس کرکے بینک کا ادا ہو جائے اگر ان مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی حاجت ہو ایسے کرتے ہیں بینک کو تنخواہ وغیرہ سے کوئی بھی تعلق نہیں بلکہ بینک کو تو مال کے کاغذات کے علاوہ کچھ بھی دیکھنا نہیں کیونکہ وہ اس سے کچھ بھی غرض نہیں رکھتا ہے۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ کسی فیکٹری میں مال پڑا ہو موجود ہو لیکن تنخواہوں کی رقم موجود نہ ہو اور اس کے کچھ شریک ایسے ہوں جن سے بعض کا تعلق بینک سے رقم حاصل کرنے کے لئے یہ فیکٹری کے مالک بن بیٹھے ہوں اور بعض مال کے مالک اسی طرح دو بینک سے پیسے نکلوا کر تنخواہوں وغیرہ دوسری ضرورتوں میں استعمال کریں۔۔۔

فرق یہ ہے کہ سودی بینک ان کاموں کے لئے براہ راست رقم دیتے ہیں اور یہ بالواسطہ۔۔۔ اور یہ فرق کوئی قابل ذکر فرق نہیں ہے کیونکہ ایک مستحق ربوا ہے اگر اس کو سود سے بچنے کا حیلہ کیا جائے تو جائز نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ حیلہ ہے جیسا کہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

"جس نے سود حاصل کرنے کے لئے کوئی حیلہ یا تدبیر اختیار کی ممنوع ہے، اور سود سے بچنے کے لئے تدبیر اختیار کرنا درست ہے۔"

(فقہی مجموعہ ص ۴۲۲، ۴۲۳ بحوالہ غیر سودی بینکاری ص ۲۰۶، ۲۰۷)

"(۲) مرابحہ میں چونکہ بینک کوئی چیز خرید کر بیچتا ہے، اس لئے وہ چیز پہلے اس کے ضمان میں آتی ہے، اور آگے بیچنے سے پہلے اگر وہ ہلاک ہو جائے تو نقصان بینک کو اٹھانا پڑتا ہے، جبکہ سودی قرضوں میں بینک اس قسم کا کوئی خطرہ مول نہیں لیتا، اگرچہ عام طور سے بینک کے قبضہ میں اس چیز کے رہنے کا دورانیہ بہت مختصر ہوتا ہے۔" (غیر سودی بینکاری ص ۲۲۶)

اقول: سفر میں ہلاکت کا خطرہ نہیں ہوتا صرف امکانی احتمال کے درجہ میں اسلامی بینک میں ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے کیونکہ یہ قبضہ اتنا مختصر ہوتا ہے جس میں عادۃً ہلاکت کا احتمال نہیں ہوتا، اور شاید شرعاً یہ معتبر بھی نہ ہو، جیسا کہ خود لکھتے ہیں:

"بعض صورتوں میں یہ وقت اتنا کم ہوتا ہے، اور ایسی صورتیں شاذ و نادر پیش آتی ہیں کہ بینک کو اس چیز کی ہلاکت کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہو۔" (حوالہ بالا)

اقول: پھر یہ خطرہ بھی بینک نے تکافل کے ذریعہ نقصان سے بچانے کے لئے جو تدابیر بتلائی ہیں ان کے پیش نظر خطرہ نہیں رہا، کیونکہ نقصان نہیں ہو سکتا — تب بھی نقصان سے بینک کو مکمل تحفظ دے چکے ہوئے نقصان سے تو شرعی طور پر محفوظ ہو گئے، بلکہ وہ بچے ہیں، اور وہ اس طرح کہ "تکافل" کے نام سے بیمہ کرا کر بینک "تکافل" کو ہر قسم کا خطرہ منتقل سود کا حکم بھی کے ذمہ ڈالتا ہے، اور ہلاکت کی صورت میں تکافل سے معاوضہ لے کر بینک کو نقصان کب ہوتا ہے؟

"(۳) سودی قرضوں میں اگر مقروض مقررہ مدت پر قرض ادا نہ کرے تو اس کا سود بڑھتا رہنے کی وجہ سے بینک کی آمدنی مسلسل بڑھتی رہتی ہے جبکہ غیر سودی بینکاری میں اگرچہ مقروض تنگ دستی کی وجہ سے بروقت ادائیگی نہ کر سکے تو بینک کو اس سے کوئی اضافی رقم وصول نہیں ہوتی، اگر مدیون جان بوجھ کر بروقت ادائیگی نہ کرے تو اس پر صدقہ کی رقم ادا کرنی پڑتی ہے مگر اس سے بینک کی آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتا ہے۔" (غیر سودی بینکاری، ص ۲۳۹)

اقول: یہ بھی درحقیقت دو مختلف چیزوں کا فرق ہے کیونکہ مذہب حنفی میں بوجہ التزام صفقۃ فی صفقۃ مرابحہ و اجارہ جائز نہیں۔ یہ غیب بینکار کے تحفظ صرف صورت کے کلام سے حاصل نہیں ہوتا کہ وہ الفاظ اور تعبیرات ان کے مال کو باطل طریقہ سے ہڑپ کرتا ہے تعبیر یہ کہ اس سے بینک کی آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا محض کلام ہے کیونکہ علماء نے جب بینک کو مشورہ دیا تھا کہ یہ رقم بینک کی بجائے کسی امانت کی تحویل میں رہے تو بینک نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا اور اپنی ہی تحویل میں رکھنے پر مصر رہا۔

علماء کی اس تجویز کی وجہ یہ ہے اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اس میں بینک کا نفع ضرور ہے ورنہ منع کرنے والے تجویز کو صحیح میں صرف کرنے کا یہ وجہ ہرگز نہ تھا ——— لہٰذا یہ فرق صرف زبانی جمع خرچ ہی لگتا ہے۔

"(۵) سودی بینکوں میں ایک شخص سودی قرض لے کر جو جائز اور حرام کام کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ سودی بینک کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا لیکن غیر سودی بینکاری میں مرابحہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب خریدی جانے والی چیز شرعاً حلال ہو چنانچہ کسی حرام چیز کی خرید و فروخت مرابحہ کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی [illegible] جائز ہے جیسے [illegible] کے علاوہ سودی اداروں کے حصص یا سودی بانڈ خریدنا۔" (غیر سودی بینکاری، ص ۲۴۰)

اقول: اولاً: پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا آپ حضرات مطلق [illegible] کے ان شرعیات کی وجہ سے گناہ ہو گا؟

ثانیاً: دوسرا سوال یہ ہے کہ [illegible] کے حصول کا ذریعہ بنا کر پھر ان تمام کو [illegible] میں استعمال کرنا جائز ہے؟ کون ادھر سے بچا دیا ادھر سے ———

"(۶) سودی بینکوں میں جو قرضے جاری کیے جاتے ہیں چونکہ ان کا تعلق اثاثوں سے براہ راست کوئی [illegible] نہیں ہوتا اس لیے وہ [illegible] مصنوعی زر پیدا کرنے کا بہت بڑا سبب ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں [illegible] [illegible] ہے اس لیے [illegible] حقیقی اثاثوں کی تمویل [illegible] ہے مرابحہ میں یہ خرابی نہیں ہے۔" (غیر سودی بینکاری، ص ۲۴۲)

اقول: یہ فرق ! لیکن اس مرابحہ میں ممکن تھیں جو سود کھانے کے لئے بطور حیلہ استعمال نہ ہوتا ہو اور جس مرابحہ کو سود کھانے کے لئے بطور حیلہ کے استعمال کیا جاتا ہو اس میں اور سودی قرضوں میں سارا کا سارا بوجھ گاہک کی گردن پر ہی پڑتا ہے۔

اگر کوئی اسلامی بینک مرابحہ سے ہٹ کر کوئی اور آسان صورت سود کھانے کی بتا دے تو یقیناً بینک فوراً بینک کے مروجہ مرابحہ کو ٹھوکر مار کر پھینک دے گا کیونکہ اس کا مقصد تجارت و مرابحہ اجارہ ہے ہی نہیں بلکہ بینک سے پیسہ کمانا ہی ہے مجبوری کی وجہ سے مرابحات و اجارات کے چکروں کے گھیرے میں گرفتار ہے۔

عملی طور پر مرابحہ اور سودی قرض میں تو زمین آسمان کا فرق ہے لیکن مرابحہ جو کہ بینک اور سودی قرض میں ہے اس میں کوئی فرق نہ تھا۔

"(۶) سودی قرضوں میں ہر وقت یہ بات ممکن ہے کہ بینک اپنے واجب الوصول قرضے کسی دوسرے کو بیچ دے اور سودی اداروں میں قرضوں کی خرید و فروخت کا عام چلن ہے لیکن مرابحہ میں جو رقم واجب الادا ہوتی ہے وہ قرض ہی ہے اور کو فروخت نہیں کی جاسکتی اور اس طرح قرضوں کی خرید و فروخت سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور جو موجودہ معاشی بحران کا بہت بڑا سبب ہیں مرابحہ کے عقود ان سے پوری طرح محفوظ ہیں" (غیر سودی بینکاری ص ۲۳۴)

اقول: مروجہ اسلامی بینک کے مرابحہ میں ہونے والی اشیاء اور ان کی اقساط کا بینک کے ناقص انتظام کی وجہ سے دوسرے کو فروخت کرنا یا اس کے دوسری طرف منتقل کرنا عام معمول ہے بلکہ اس کے سد باب کے لئے بینک کے ہاں کوئی انتظام موجود ہی نہیں ہے۔

"(۸) سودی قرضوں میں قرض لینے والے اگر بر وقت ادائیگی نہ کرسکے تو بینک سے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں کہ قرض کی میعاد بڑھا دیں اور قسطیں بدل کر ادائیگی سود میں بھی اور اضافہ کر دیا جاتا ہے Rescheduling کہا جاتا ہے مرابحہ میں جو قیمت ایک مرتبہ متعین ہو گئی وہ ہمیشہ کے لئے متعین رہتی ہے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا" .... (غیر سودی بینکاری ص ۲۳۶)

اقول: مروجہ مرابحہ میں جب پہلے ہی قیمت متعین ہو چکی ہے اس وجہ سے وہ اپنی قسطیں جلدی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تجویز کرتے ہیں ان کو جائز قرار دیا جاتا ہے اگر اس کے جواز کی کوئی صورت بھی مختصر کرکے واضح ہو جاتا ہے۔

معروضہ شخص قانونی

شخص قانونی کے تصور کی شرعی حیثیت کی بحث کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ نے اپنی کتاب "اسلام اور جدید معیشت و تجارت" میں چار نظائر پیش فرمائے ہیں، پہلے حضرت والا کے الفاظ میں وہ عبارت ملاحظہ کریں:

"پہلا مسئلہ یہ ہے کہ شرکت کا الگ سے کوئی قانونی وجود نہیں ہوتا مگر کمپنی کا اپنا مستقل قانونی وجود ہوتا ہے جس کو "شخص قانونی" کہا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ شخص قانونی کا تصور شرعاً درست ہے یا نہیں؟ ——— جہاں تک پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں تو "شخص قانونی" کی اصطلاح موجود نہیں لیکن اس کے نظائر موجود ہیں۔

"شخص قانونی" کے نظائر

۱۔ وقف: اس کے لئے اگرچہ شخص قانونی کی اصطلاح استعمال نہیں ہوئی مگر حقیقت میں یہ ایک شخص قانونی ہے۔ اس لئے کہ وقف مالک ہوتا ہے، مسجد وقف کو چندہ دیا جائے یا کوئی اور چیز دی جائے تو وہ چندہ واقف کی ملکیت نہیں ہوتے جب تک کہ اس کے وقف ہونے کی تصریح نہ کر دی جائے، بلکہ وقف کے مملوک ہوتے ہیں اور وقف مالک ہوتا ہے۔ وقف دائن بھی ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص وقف کی زمین کرایہ پر لے تو کرایہ وقف کا دین ہے اور وقف دائن ہے۔ ایسے ہی وقف مدیون بھی ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص وقف کا ملازم ہے تو اس کی تنخواہ وقف کے ذمہ دین ہے اور عدالت میں مقدمہ ہو تو وقف مدعی اور مدعا علیہ بھی ہو سکتا ہے، وہ حقوق اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں جو مالک ہوتا ہے، وہ اس کی طرف سے مدعی یا مدعا علیہ ہوتا ہے، وقف کے تصرف میں آتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وقف میں "شخص قانونی" کی خصوصیات تسلیم کی گئی ہیں، گو فقہاء نے یہ اصطلاح استعمال نہیں کی۔

۲۔ بیت المال: بیت المال کے مال سے پوری قوم کا حق متعلق ہے مگر ہر شخص اس مال میں ملک کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اس مال کا مالک بیت المال ہی ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ بیت المال بھی ایک "شخص قانونی"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے، ہمارے فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال کی ہر مد ایک مستقل "شخص قانونی" ہے۔ بیت المال کے کئی الگ الگ حصے ہیں، بیت مال الصدقہ، اور بیت مال الخراج، امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر ایک حصے میں مال نہ ہو تو بوقت ضرورت دوسرے حصے سے قرض لیا جا سکتا ہے، تو اس صورت میں جس حصے سے قرض لیا گیا وہ دائن اور جس حصے کے لئے قرض لیا گیا وہ مدیون ہوگا۔ دائن یا مدیون تو شخص ہی ہو سکتا ہے، معلوم ہوا کہ بیت المال کو بھی شخص متصور کر لیا گیا ہے۔

۳۔ ترکۃ مستغرقۃ بالدیون: کسی میت کا سارا ترکہ دیون سے مستغرق ہو تو اس صورت میں دائنین کا مدیون میت ہے۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد کوئی شخص مدیون نہیں ہوتا، اور نہ ورثہ مدیون ہیں، اس لئے کہ ان کو میراث ملی ہی نہیں، لہٰذا یہاں مدیون ترکہ ہوگا جو "شخص قانونی" ہے۔

۴۔ خلطۃ الشیوع: یہ چیز حنفیہ کے مذہب کے مطابق نہیں، بلکہ امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق ہے، ان کے ہاں مال زکوٰۃ میں [illegible] مشترک ہو تو زکوٰۃ انفرادی حصوں پر نہیں، بلکہ مجموعے پر ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے ہاں مجموعہ ایک "شخص قانونی" ہے ۔۔۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "خلطۃ الشیوع" اور کمپنی کے نظام میں یہ فرق ہے کہ "خلطۃ الشیوع" میں امام شافعیؒ کے ہاں مجموعے پر زکوٰۃ ہوتی ہے، جبکہ ہر شریک کی انفرادی ملکیت پر زکوٰۃ نہیں ہوتی، اور کمپنی پر الگ ٹیکس ہوتا ہے، اور حصص داروں پر الگ ٹیکس ہوتا ہے۔

ان نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ "شخص قانونی" کا تصور فی نفسہ کوئی ناجائز تصور نہیں ہے، اور نہ فقہ اسلامی کے لئے کوئی اجنبی تصور ہے، بلکہ اس کی اصطلاح نئی ہے۔

(اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص ۱۲۸۔۹۱، مکتبہ معارف القرآن کراچی)

اقول: یعنی کمپنی کے "شخص قانونی" کا فرضی وجود، بنیادی اور [illegible] عنوان کی حیثیت رکھتا ہے جس کے ذریعے کمپنی کی [illegible] کو ثابت کیا گیا ہے، حتیٰ کہ [illegible] اور [illegible] جیسے حرام کو بھی اس کی بنیاد پر جائز کہا گیا ہے، جبکہ اس فرضی شخص کی طرف منسوب تمام افعال و تصرفات جو [illegible] کے افعال و تصرفات ہیں، ان کی طرف منسوب کر کے [illegible] سے سبکدوش کیا گیا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

﴿شخص قانونی کے ثبوت کے نظائر کے جوابات﴾

شخص قانونی کے ثبوت پر جن نظائر سے استدلال کیا گیا ہے ان کا تفصیلی جواب ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

نظیر نمبر (۱،۲): وقف اور بیت المال

کہا گیا ہے کہ جس طرح وقف اور بیت المال کی طرف اخذ وعطاء اور دائن و مدیون بننے کی نسبت کی جاتی ہے حالانکہ یہ دونوں شخص نہیں اس لئے ان کو درست تسلیم کیا ہے اسی طرح شخص قانونی کو بھی تسلیم کیا جائے۔

جواب: وقف میں اور کمپنی میں بنیادی فرق موجود ہیں لہٰذا دونوں کو ایک حکم دینا درست نہیں۔

فرق نمبر (۱): وقف اور بیت المال میں اموال کسی انسان کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتے، جیسا کہ خود حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے، جبکہ بینک میں شرکاء بقدر رأس المال بینک کے املاک اور دوسرے اموال کے مالک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کمپنی کی تحلیل کی صورت میں ہوتے اور جملہ اموال ان شرکاء میں بقدر حصص تقسیم ہوتے ہیں، جبکہ ارباب وقف میں یہ حکم نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله: وعندهما هو حبسها على) حكم (ملك الله تعالى) قدر لفظ حكم ليفيد أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل إلى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالى الذي لا ملك فيه لأحد سواه وإلا فالكل ملك لله تعالى. (الشامية ج ۴ ص ۳۳۸، ایچ ایم سعید)

وقال رحمه الله تعالى أيضا: (قوله: ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني وبه يفتى وعاد إلى الملك) أي ملك الباني أو ورثته (عند محمد) ...... لكن فيه محمد إنما يعود إلى ملكه ما خرج عن الانتفاع المقصود للواقف بالكلية، كحانوت احترق ولا يستأجر بشيء ورباط وحوض محلة خرب، وليس له ما يعمر به، وأما ما كان معدا للغلة فلا يعود إلى الملك إلا قطعه و يبقى صاحبه وقفه لو يعمر، ولو بشيء قليل (الشامیۃ ج ۴ ص ۳۵۹، ایچ ایم سعید)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فرق نمبر (۲) : وقف جب ایسے لوگوں کے لئے ہو جن کا احصاء ممکن نہ ہو تو اس وقف میں کسی خاص مسکین کا حق نہیں ہے متولی کو اختیار ہے جس کو چاہے دے اور جتنا چاہے دے جبکہ وصیت میں متعین شخص کا حق ہوتا ہے [illegible] کو اختیار نہیں، البتہ اگر وقف محصورین کے لئے ہو جن کا احصاء ممکن ہو تو وقف بحکم وصیت ہے اور اس کو وصیت کی طرح نافذ کیا جائے گا۔

قال في الهندية : إن كان الواقف على الفقراء قرابته و قرابة فلان و هم لا يحصون أو يحصون أو أحد الفريقين يحصون و الآخر لا يحصون ففي الوجه الأول للقيم أن يجعل نصف الغلة لفقراء قرابته و نصفها لفقراء قرابة فلان ثم يعطي من كل فريق من شاء منهم و يفضل البعض كما يشاء لأن قصده الصدقة و في الصدقة الحكم كذلك و في الوجه الثاني يصرف الغلة إلى الفريقين بعددهم و ليس له أن يفضل البعض على البعض لأن قصده الوصية و في الوصية الحكم كذلك و في الثالث يجعل الغلة بين الفريقين ثم لا يصرف إلى الذين يحصون بعددهم و إلى الذين لا يحصون سهما واحدا ثم يعطي هذا السهم من الذين لا يحصون من شاء و يفضل البعض في هذا السهم كما بينا و هذا التفريع على قولهما و أما على قول محمد فلا يبقى كما في الوجيز. (الهندية ج۲ ص ۳۷۱، رشیدیہ)

فرق نمبر (۳) : وقف اور وصیت دونوں کے بعض شعبوں کا مقروض ہونا اور دائن و مقروض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں وقف اور وصیت دونوں کوئی حقیقی مالک نہیں جس کی طرف ان امور کی نسبت کی جائے اسی بنا پر ان کی طرف نسبت کی جاتی ہے، جبکہ حقیقی مالک موجود ہیں اپنا احتیاط اس میں وغیرہ [illegible] مالک ہیں اور حقیقی مالک کی طرف نسبت درست ہوتی ہے جیسا کہ آپ گاڑی کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ گاڑی خراب ہے حالانکہ وہ مالک کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ کار مقروض ہوگی، جیسا کہ ان [illegible] دونوں کو مقروض سمجھے ہوتے ہیں مجازاً نسبت کرتے ہوئے وقف وغیرہ کا نام لیتے ہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى : و على الإمام أن يجعل لكل نوع بيتا يخصه و له أن يستقرض من أحدها ليصرفه للآخر و يعطي بقدر الحاجة و الفقه و

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فتحصل فان قصر كان الله عليه حسيبا . زيلعي

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله: بيتا يخصه) فلا يخلط بعضه ببعض لأن لكل نوع حكما يختص به. زيلعي (قوله: ليصرفه للأحوج) أي لا لأهله قال الزيلعي رحمه الله تعالى ثم إذا حصل من ذلك النوع شيء رده في المستقرض منه إلا أن يكون المصروف من الصدقات أو من خمس الغنيمة على أهل الخراج وهم فقراء فإنه لا يرد فيه شيئا لأنهم مستحقون للصدقات بالفقر وكذا في غيره إذا صرفه إلى المستحق اهـ (الشامی ج ۲ ص ۳۱۹، ط ایچ ایم سعید)

علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام پر لازم ہے کہ وہ ہر قسم کے لئے ایک الگ مستقل بیت المال بنائے اور اس کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ ایک مد سے قرض لے کر دوسرے کے لئے صرف کرے، وہ ان کو ان کی حاجت، قابلیت اور فضیلت کے اعتبار سے دیا کرے، اگر اس نے اس میں کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ ہی اس سے حساب لیں گے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اس (بیت مخصوص) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض کو بعض کے ساتھ خلط نہ کرے، اس لئے کہ ہر ایک قسم کا حکم علیحدہ ہے جو صرف اسی کے ساتھ خاص ہے (زیلعی) دوسری مد کے مستحقین پر صرف کرے (علامہ زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر اگر اس دوسری مد میں کچھ آجائے تو جس مد سے قرض لیا ہے اس میں واپس کردے، ہاں اگر صدقات یا غنیمت کے خمس میں سے اہل خراج پر خرچ کیا ہو تو پھر واپس کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ یہ لوگ اپنے فقر کی وجہ سے صدقات لینے کے مستحق ہیں اور یہی حکم دوسری مد میں بھی ہے بشرطیکہ امام اس کو اس مد کے مستحقین پر خرچ کرے۔

نظیر نمبر (۳): وقف [illegible] کی تعمیر ہوتا ہے جیسے مسجد کا متولی وغیرہ، اگر ان کے لئے واقف نے کچھ [illegible] عرف و عادت کے مطابق وقف کی جن بعض اشیاء کے استعمال کی اجازت ہوتی ہے ان کو استعمال کر سکتے ہیں، چونکہ [illegible] مقصد ہوتی ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قال العلامة ظفر احمد العثماني رحمه الله تعالى : (قوله : وفيه حديث عمر أنه اشترط في وقفه أن يأكل من وليه ويؤكل صديقا غير متمول مالا) قال القرطبي : جرت العادة بأن العامل يأكل من ثمرة الوقف حتى لو اشترط الواقف أن العامل لا يأكل منه يستقبح منه ذلك وفي رواية لا جناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف و المراد بالمعروف القدر الذي جرت به العادة،

قلت : وهذا إذا لم يعين له الواقف قدرا معلوما فإن عين شيئا فهو له و إلا فله القدر الذي جرت به العادة (اعلاء السنن ج۱۳ ص۱۸۷)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں — علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بات عادت اور تعامل سے ثابت ہے کہ عامل وقف کے پھل سے کھاتا ہے یہاں تک کہ وقف کرنے والا اس عادت وتعامل کے خلاف یہ شرط لگادے کہ کام کرنے والا اس سے نہیں کھائے گا تو اس شرط کو قبیح سمجھا جاتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ وقف کے متولی کے لئے اس میں معروف اور اچھے طریقے سے کھانے میں کوئی گناہ نہیں اور المعروف سے مراد وہ مقدار کھانا ہے جس کی عادت ہو۔ قلت : یہ اس وقت ہے جب وقف کرنے والے نے کوئی مقدار متعین نہ کی ہو اگر کوئی چیز متعین کر دی تو وہ اس متولی کو ملے گی جو اس واقف نے متعین کی ہے اگر متعین نہیں کی تو پھر اس معروف اتنی مقدار کی اجازت ہوگی جس کی عادت چلی آرہی ہے۔

اس قرطبی کی عبارت سے واضح ہے کہ وقف اور بیت المال میں حقیقی مالک نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً ان کی طرف نسبت کی جاتی ہے، جو چیزیں حقیقی مالک ہیں ... وغیرہ ... ہے۔

نظریہ نمبر (۳) : ترکہ مستغرقہ بالدین

یہ بات بھی صحت تملیک کے حق میں ... کہ جب ... ترکہ ... کو ... اعتبار ... الموسوعة الفقهية میں ... اعتبار ... کیا گیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

عن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه : أن النبي ﷺ أتي بجنازة ليصلي عليها فقال : هل عليه من دين؟ قالوا : لا ، فصلى عليه ، ثم أتي بجنازة أخرى فقال : هل عليه من دين؟ قالوا : نعم ، قال : فصلوا على صاحبكم . قال أبو قتادة : علي دينه ، يا رسول الله ، فصلى عليه

(البخاری باب من تکفل عن میت دینا ج۱ ص۳۰۶)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کے پاس جنازہ لایا گیا کہ آپ ﷺ اس پر نماز پڑھیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس پر کوئی قرضہ ہے؟ حاضرین نے جواب دیا: نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی نماز پڑھائی۔ پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا آپ ﷺ نے فرمایا اس پر کوئی قرضہ ہے؟ حاضرین نے عرض کیا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کا قرضہ میرے ذمہ ہے، تب آپ ﷺ نے اس کی نماز پڑھائی۔

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال : من ترك مالا فلورثته ومن ترك كلا فإلينا

(البخاری ج۱ ص۳۲۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے اور جس نے بوجھ (قرضہ) چھوڑا اس کے ولی ہم ہیں۔

مطلب کا حاصل یہ ہے کہ وہ قرضہ جو دائن کا مدیون میت پر واجب تھا اور شرعاً اس کا اعتبار بھی کیا گیا ہے یعنی قرضہ دائن کے حق سے ساقط نہیں ہوا بلکہ باقی ہے اور شرعاً اس کا تعلق ورثہ یا کفیل یا دین کے ساتھ رہا، یہی اس کا تعلق ہی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ میت کو قرضہ کا دائن ہونا بھی کیا گیا ہے اور اس دین کا قضا بھی کیا گیا ہے۔

رہی یہ بات کہ اعتراض کی صورت میں اس کا دین ورثہ کی طرف منتقل کیوں نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے ورثہ کی طرف جو چیزیں منتقل ہوتی ہیں ان کا بیان فرما دیا ہے۔

نظیر نمبر (۳) لقطۃ الشیوع

پہلی دونوں نظیریں ملاحظہ ہوں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مال کو شخص حکمی قرار دینے کے بجائے خلطہ کی وجہ سے ہر ایک مالک کو الگ پورے نصاب کا مالک تصور کیا ہے، جبکہ شرکت ملک میں حضرات کے مسلک کے مطابق شریک اجر چونکہ اپنے حصے کو خلطہ کی وجہ سے پورے نصاب کا مالک نہیں سمجھتا اس لئے شریعت کا مستحق بھی نہیں ہوتا، اس لئے اس زکوٰۃ کا ثواب، اموال اور فرضی شخص کو نہیں ملتا، جبکہ شخص قانونی کو مالکوں سے الگ فرض کیا گیا ہے۔

(۲) حنفیہ کے ہاں اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ کی وجہ سے ان کا مال مسلمان کہلایا جاتا ہے، جبکہ زیر بحث مسئلہ میں شخص قانونی کے حقیقی ذات کی حیثیت سے ثابت نہیں؟

(۳) یہ حکم احتیاط پر مبنی معلوم ہوتا ہے، عبادات میں احتیاط پر عمل واجب ہو جاتا ہے جبکہ زیر بحث مسئلہ میں عقیدہ کے اعتبار سے مختلف ہے، کیونکہ جب شخص قانونی کو مستقل نہ سمجھا جائے تو مالکین کے اموال کی حفاظت ہوگی۔

(۴) وجوب زکوٰۃ عبادات اور معاملات کے قبیل سے ہے جبکہ شخص قانونی کی وضع معاملات میں دوسروں کے اموال اور حقوق کو تلف کرنے کے بچاؤ کرنے کے لئے کی گئی ہے۔

(۵) ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس خلطہ پر اتفاق، شخص قانونی کے تسلیم پر اتفاق کو مستلزم نہیں۔

قال العلامة العيني رحمه الله تعالى: فعلى قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى لا يجب على أحد من الشريكين أو الشركاء فيما يملك إلا مثل الذي كان يجب عليه لو لم يكن خلط، و ذكر في المبسوط و عامة كتب أصحابنا أن الخليطين يعتبر لكل واحد نصاب كامل كحال الانفراد و لا تأثير للخلطة فيها سواء كانت شركة ملك بالإرث، و الهبة، و الشراء، و نحوها أو شركة عقد كالعنان، و المفاوضة ذكره الزيري، و قال ابن المنذر: اختلفوا في رجلين بينهما ماشية نصاب واحد قالت الطائفة: لا زكوة عليهما قال: هذا قول مالك و الثوري و أبي ثور و أهل العراق و قال ابن حزم في (المحلى): وبه قال شريك بن عبدالله و الحسن بن حي و قال الشافعي و الليث و ابن حنبل و إسحاق تجب عليهما الزكوة و لو كانوا أربعين رجلا لكل واحد شاة

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تجب عليهم شاة و قال ابن المنذر: الأول أصح يعني عدم وجوب الزكوة و قال ابن حزم في المحلى: الخلطة لا تحيل حكم الزكوة و هو الصحيح و قال الطرطوشي: لا تصح الخلطة إلا أن يكون لكل واحد منهما نصاب كامل

(عمدة القاري ج٦ ص٢٣٢، بيروت)

"علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق دو یا دو سے زیادہ شریکوں میں سے ہر ایک پر مخلوط چیز میں اتفاقی واجب ہوگا یعنی کہ خلط ہونے سے پہلے اس پر واجب تھا اور ہمارے اصحاب کی عام کتابوں میں مذکور ہے کہ دو شریکوں میں سے ہر ایک کے لئے کامل نصاب کا ہونا ضروری ہے جس طرح بغیر شرکت کے انفرادی حالت میں ہوتا ہے اور اس میں شرکت کا کوئی اثر نہیں ہوتا خواہ شرکت ملک ہو جیسے وراثت، ہبہ، شراء وغیرہ سے حاصل ہو یا شرکت عقد ہو جیسا کہ شرکت عنان و شرکت مفاوضہ، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ذکر کیا ہے۔ اور ابن المنذر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ دو آدمیوں میں ایک ہی نصاب کے جانور مشترک تھے، ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں جب تک کہ ہر ایک کا نصاب پورا نہ ہو، یہی قول امام مالک، ثوری، ابو ثور اور اہل عراق رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ علامہ ابن حزم "المحلی" میں فرماتے ہیں یہی قول شریک بن عبد اللہ اور حسن بن حی کا بھی ہے، اور شافعی، لیث، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگرچہ چالیس آدمی ہوں اور ہر ایک کی ایک بکری ہو تو بھی ان پر ایک بکری واجب ہوگی۔ ابن منذر فرماتے ہیں کہ قول اول یعنی عدم وجوب زکوٰۃ اصح ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ "المحلی" میں فرماتے ہیں کہ خلطہ (شرکت) زکوٰۃ کے حکم کو تبدیل نہیں کرتا اور یہی صحیح قول ہے۔ اور طرطوشی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خلطہ (شرکت) اس وقت تک صحیح نہیں جب تک کہ ہر ایک کے لئے الگ نصاب نہ ہو یعنی ہر شریک ایک ہی نصاب کا مالک ہو۔"

و قال الحافظ رحمه الله تعالى: (قوله: و قال سفيان: لا تجب حتى يتم لهذا أربعون شاة و لهذا أربعون شاة) قال عبد الرزاق عن الثوري: "قولنا: لا يجب على الخليطين شيء إلا أن يتم لهذا أربعون و لهذا أربعون" انتهى و بهذا قال مالك، و

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قال الشافعی و احمد و أصحاب الحدیث: اذا بلغت ماشیتهما النصاب زکیا

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۰۲)

(حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مصنف کا یہ قول کہ (سفیان نے کہا ۔۔۔ زکوٰۃ واجب نہیں یہاں تک کہ ہر ایک کے لئے چالیس چالیس پورے ہو جائیں) عبد الرزاق ثوری کے حوالے سے کہتے ہیں ہمارا قول یہ ہے کہ "دونوں شریکوں پر کوئی چیز واجب نہیں یہاں تک کہ دونوں کے لئے چالیس چالیس پورے ہو جائیں" اور یہی مذہب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام شافعی، احمد اور اصحاب حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ان دونوں کی مویشی نصاب تک پہنچ جائیں تو دونوں زکوٰۃ دیں گے)

وقال فی المبسوط: و الاحتیاط فی العبادة لیؤدیها بکمالها واجب

(المبسوط سرخسی ج ۱۲ ص ۲۱۸)

"المبسوط میں فرمایا: عبادت میں یہ احتیاط کرنا کہ عبادت کامل طور پر ادا ہو جائے واجب ہے"

وقال المحدث السهارنفوری رحمه الله تعالی: فان لم تبلغ سائمة الرجل من الغنم أربعین فلیس فیها شیء و لا یجب من الزکوٰة الا ان شاء ربها أی مالکها فیتبرع متطوعا.

(بذل المجہود ج ۳ ص ۱۴)

"محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر کسی آدمی کی بکریاں چالیس تک نہیں پہنچیں تو اس میں کچھ واجب نہیں ہاں اگر ان کا مالک چاہے تو نفلی طور پر دے سکتا ہے"

وقال ملک العلماء الکاسانی رحمه الله تعالی: و قال الشافعی رحمه الله تعالی: اذا کانت أسباب الاسامة متحدة و هو أن یکون الراعی و المرعی و الماء و المراح و الکلب واحدا و الشریکان من أهل وجوب الزکوٰة علیهما یجعل مالهما کمال واحد و تجب علیهما الزکوٰة و ان کان کل واحد منهما لو انفرد لا تجب علیه (البدائع ج ۲ ص ۲۹)

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: الا أن أکثرهم قدموا الزکوٰة علیه اقتداء بکتاب الله تعالی و لأنها أفضل العبادات بعد الصلوٰة. قهستانی (الشامی ج ۳ ص ۲۰۲ رشیدیہ)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

«اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی تائید کن کو حاصل ہے!»

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بینک کے کتنے معاملات ایسے ہیں جن میں مجوزین حضرات کی تحقیق اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے خلاف ہے اور جمہور علماء جو اسلامی بینکوں کے معاملات کو غیر شرعی سمجھتے ہیں، ان کی تحقیق اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے موافق ہے۔

ذیل میں چند نمونے ملاحظہ فرمائیے:

(۱) مروجہ اسلامی بینک سے پہلے مضاربت کو مجوزین حضرات عرف و دیانۃً نہیں بلکہ قضاءً بھی لازم فرماتے ہیں اور پیدا ہونے والی صورت میں کہ بینک کا کلائنٹ کے نقصانات کا ضامن اور ذمہ دار بھی قرار دیتے ہیں

(اسلامی بینکاری ص ۱۵۸، ۱۵۹، ۲۴۲)

جبکہ اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو خلاف مقتضائے عقد اور ناجائز ہونے کو دراصل ظلم بتایا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

سوال (۱۵۹۰): عمرو نے زید کو پانچ سو روپیہ واسطے تجارت کے دیئے اور زید نے بجائے پانچ سو کے دو سو دیئے اور کوئی اجرت بطور محنت کے زید کو نہیں دی تھی لیکن معاہدہ میں اجرت کی بابت ذکر بھی نہیں آیا اور قبل خریداری مال اور وصولی قیمت کے کچھ نہیں ہوا اور یہ طے ہوا تھا کہ یہ مال سو روپے کے منافع سے بیچا جائے گا، بعد کو زید نے مال دکھلا کر بیچ دیا اور سامنے گھر لے آیا اور عمرو کو بلا کر مال دکھلا کر جوڑ دیا کہ تم کو اس قدر روپیہ ملے گا، یہ مال پانچ سو روپیہ کو بکا، اس کے بعد عمرو نے زید سے دریافت کیا کہ تم یہاں ہم سے کس قدر اجرت لو گے، واسطے خریداری مال کے، اور زید نے کہا کہ ایک ماہ کے واسطے جتنی محنت ہے اتنی اجرت دیا، بعد ختم ہونے مدت ایک ماہ کے عمرو نے زید سے اصل روپیہ مع منافع طلب کیا تو زید نے صرف منافع اصل سوا چار سو روپیہ عمرو کو دے کر اصل روپیہ کی نسبت عذر کیا کہ میرے پاس اس وقت موجود نہیں ہے، کیونکہ مال موجود ہے، بیچ کر دوں گا۔ بعد ازاں عمرو نے کہا کہ تم کو اصل روپیہ دینا ہوگا، جب تم اس کے عوض میں اس قدر مال ادا کرو گے اس وقت دوں گا اور اب اگر تم اس کو اسی طرح لو تو مبلغ سو روپیہ کا مال اپنے پاس رکھ لو اور عمرو کو دے کر جوڑ دیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

یہ وعدہ بیع ہے بیع نہیں ہے اور عمرو سے خریدنے کا وعدہ بھی ایک معاہدہ ہے جو طرفین سے قرار پاتی ہے اور بھی واجب ہے۔

الجواب: یہ صورت ہے جس کو بیع التعاقب کہتے ہیں، ایک صورت یہ کہ زید نے عمرو سے مال خریدا اس کا حکم یہ ہے کہ اگر زید عمرو کو اور عمرو زید کو بیچ دے اور پہلے سے معاہدہ سابقہ مجبور نہ کر سکے تو جائز ہے اور اگر مجبور کرے تو ناجائز ہے۔ دوسرے بیع وعدہ جو صورت ہے جس کے متعلق میں زید نے عمرو کو دیا اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں یہ شرط ٹھہری کہ عمرو سے زید اس کو خرید لے گا تو حرام ہے اور اگر یہ شرط نہ ٹھہری بلکہ اگر خرید لے تو آزادی سے جو چاہے کرے، تو بیع ہو سکتی جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۰۳)

ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

سوال (۳۰۳): عمرو نے زید سے کہا کہ تم مجھ کو ایک صد روپیہ کا مال جنس پاؤ تک منگا دو جس قدر تم سے ... کا منافع دے کر جتنا کہ ایک مدت معین کے لئے ادھار لوں گا جس قدر مدت گے اتنے تم ہو گے اسی حساب سے منافع دوں گا مثلاً فی صد ایک صد روپیہ کا منافع ایک ماہ کے واسطے ہے، جب مال آ جاوے گا اس وقت مدت ادھار اور منافع کی تعیین ہو جاوے گی اس کے جواب میں زید نے کہا کہ میں منگا دوں گا مگر تم ان کے واسطے بجائے ایک صد کے ایک صد دس ادا کرو گے خلاف معین تک، زید و عمرو نے منظور کیا؟

الجواب: اس میں دو مقام قابل جواب ہیں، ایک یہ کہ زید و عمرو میں جو گفتگو ہوئی یہ وعدہ محض ہے کسی کے ذمہ لازم نہیں، اگر زید کے منگانے کے بعد بھی عمرو انکار کر دے تو زید کو مجبور کرنے کا کوئی حق نہیں ہاں اگر عرف و عادت کی وجہ سے مجبور سمجھا جاتا ہو تو یہ معاملہ حرام ہے ورنہ حلال الخ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۰)

اسی طرح حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بیع الوفاء سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

سوال: کوئی چیز کسی سے اس شرط پر خریدی کہ جب وہ بائع قیمت واپس دے گا تو مشتری اس کو واپس دے دے گا یہ بیع شرعی کیسی ہے فاسد یا باطل ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر عقد کے اندر یا اس سے پہلے شرط واپسی کی ہو یا نہیں اس عقد کو غیر لازم سمجھتے ہوں تو یہ بیع فاسد ہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

صورت مسئولہ کے معاہدہ میں اگر وعدہ بیع ہو تو بیع صحیح ہے اور اس وعدہ کا ایفاء لازم ہے۔

قال في العلائية: وقيل بيع يفيد الانتفاع به، وفي اقالة شرح المجمع عن النهاية وعليه الفتوى، وقيل ان تلفظ البيع لم يكن رهنا ثم ان ذكرا الفسخ فيه او قبله او زعماه غير لازم كان بيعا فاسدا، ولو بعده على وجه الميعاد جاز ولزم الوفاء به (رد المحتار ج٤ ص٢٤٧) والله سبحانه وتعالى اعلم (احسن الفتاویٰ ج٧ ص٥٠٧)

(٣) سیونگ اکاؤنٹ میں کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانے کو یہ حضرات جائز فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''اگر یہ ضرورت ہو تو کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم رکھوانے کو جائز کہا جاتا ہے'' (غیر سودی بینکاری/١٦)

جبکہ اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ اس اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانے کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔

حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک سوال کے جواب میں اسے ناجائز لکھا ہے۔

سوال و جواب درج ذیل ملاحظہ فرمائیے:

سوال: حفاظت کی غرض سے بینک میں رقم جمع کرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملهم الصواب

بینک میں رقم جمع کرانے کی تین صورتیں ہیں:

(١) سودی کھاتہ (سیونگ اکاؤنٹ)

(٢) غیر سودی کھاتہ (کرنٹ اکاؤنٹ)

(٣) لاکر

(الف) رحمہ اللہ تعالیٰ (کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانا بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں اگرچہ سود لینا تو نہیں ہے مگر تعاون علی الاثم کا گناہ اس میں بھی ہے۔

لاکر میں رقم جمع کرانا بھی جائز نہیں، کیونکہ اس میں سود لینا و تعاون علی الاثم کا گناہ تو نہیں مگر بینک کے حرام پیسے سے حفاظت کے استعمال کا گناہ ہے، البتہ چوری کے وقت اس میں رقم جمع کرائی جا سکتی ہے کہ اس میں بھی بعض صورتوں میں حرام ہے، لیکن یہ بھی اضطرار ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج٧ ص١٥٠١٢)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اقول: دیکھئے حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کس صراحت سے اس کو تعاون علی الاثم قرار دے کر اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

(۳) بیع فاسد وعدہ کو حضرت تھانوی لازم فرماتے ہیں، جبکہ آپ کے والد محترم حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مگر محض وعدہ کو عدالت کے ذریعے جبراً پورا نہیں کرایا جا سکتا ہے، ہاں! بلا عذر شرعی کسی سے وعدہ کرکے خلاف ورزی کرے تو وہ گناہگار ہوگا، حدیث میں اس کو بھی نفاق قرار دیا گیا ہے۔

(معارف القرآن ج۵ ص ۴۶۸ بحوالہ تفسیر سورۃ بنی اسرائیل)

اسی طرح حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک فتویٰ ہے۔

سوال: معلوم ہوا وعدہ کی خلاف ورزی گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟

الجواب باسم ملہم الصواب

وعدہ پورا کرنا واجب ہے، اس کی خلاف ورزی کرنا گناہ کبیرہ ہے، وعدہ وفا کرنا واجب ہے۔ اس کے خلاف کرنے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وعدہ کرتے وقت ہی ایفاء کی نیت نہ ہو تو گناہ کبیرہ ہے اور اگر ایفاء کی نیت تھی، بعد میں بدل گئی تو بلا عذر خلاف کرنا مکروہ تحریمی ہے اور عذر کی وجہ سے ہو تو مباح ہے، بلکہ بعض صورتوں میں وعدہ پورا کرنا حرام ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج۹ ص ۳۰۳)

(۴) قسطوں پر بیع وغیرہ کی بعض صورتوں میں آپ کے دیگر حضرات نے "التزام التصدق بالمال" کا مشورہ دیتے ہوئے تصدق کو لازم قرار دیا ہے۔ جبکہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس "التزام التصدق بالمال" کے خلاف لکھا ہے۔

سوال و جواب ملاحظہ کیجئے:

سوال (۲۶۰): عمرو نے بیع سلم کے موافق ایک ماہ کے اندر زید کو روپیہ لیکر پچاس من غلہ بیچ کر رکھا ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ وہاں کا نرخ جو ہوگا وہ لیا جائے گا، بعد میعاد کے بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میعاد کے بعد جتنی مدت عہد سے زیادہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے تحقیق سے ثابت کر دیا ہے۔

الجواب: جب زیادہ وصول کر لیا جاوے تو زید پر کوئی گناہ نہیں، عمرو پر بوجہ دخل کا گناہ ہوگا"

(امداد الفتاوی ج ۳ ص ۱۶۱، ۱۶۲)

اقول: حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ "جب زیادہ وصول کر لیا جاتا تو زید پر کوئی گناہ نہیں" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دینا لینا بھی گناہ ہے مگر حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے محض تقی کے التزام کے عدم کا مشورہ بھی نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ عدم دخول کی گناہ ہوگا۔

﴿سودی نظام کا متبادل﴾

متبادل کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) شرعی متبادل (۲) غیر شرعی متبادل

﴿شرعی متبادل﴾ ایسا متبادل جس میں سودی نظام کا بنیادی تصور ختم کیا گیا ہو اور مضاربت اور شرکت کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہو جو ادارے دوسرے تاجروں کی طرح بازاروں میں ان کے پاس مال و سامان تجارت ہو اور ہر خاص و عام کے لئے ان میں رضامندی کے ساتھ خرید و فروخت ہو کہ یہ ایک تجارتی ادارہ ہے جس میں جس طرح نفع حاصل ہوتا ہے اسی طرح نقصان بھی ہو سکتا ہے اور نقصان ہونے کی صورت میں اس کو اٹھانا پڑے گا اور عقود و معاملات کے ساتھ شرکت عقود تجارتی ہوں۔ ایسے متبادل کے علماء مخالف بھی نہیں ہیں اور اس کا پیش کرنا ضروری بھی ہے اور ایسے ہی متبادل کی حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ نے آئندہ وصیت بھی کی اور ایسے کو علماء سے علاوہ ضروری اور حق سمجھتے ہیں۔ (یہ کہنا کہ بینکاری کے متبادل علماء کو حاصل ہے یہ شرعی متبادل کے فقدان کی وجہ سے ہی کی بات ہے)

علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ یہ ہیں: "بینک کا رائج نظام بغیر "ربا" کے چل نہیں سکتا اس لئے آپ کو بینک کے متبادل نظام مضاربت، وکالت اور شرکت پر غور کرنا ہوگا جو بلا سود کے چل سکے اور جس سے موجودہ سودی بینکوں کے جملہ مقاصد اور بینکاری کے مقاصد حاصل ہو سکیں" (عبقات ... ص ۱۶۲، ۱۶۴)

ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے مضاربت، وکالت اور شرکت کے نظام کو متبادل فرمایا ہے جس

www.iqbalkalmati.blogspot.com مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں :

میں نفع و نقصان دونوں کا تصور یا وقوع لازم ہے جبکہ موجودہ اسلامی بینکوں کے نفع کے ادوار اور خسارے میں عام طور نقصان کا تصور ہی نہیں جیسے سودی بینکوں کے نفع کے بغیر نہیں ہوتا، لہٰذا حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے جامعہ کے دار الافتاء اور دوسرے تمام علماء جو موجودہ اسلامی بینکوں کے مخالف ہیں سب اس تبادل کے قائل ہیں بلکہ اس کو ضروری سمجھتے ہیں اور موجودہ اسلامی بینکاری نظام کو غیر شرعی تبادل سمجھنے کی وجہ سے مخالف ہیں۔ یہی اصل حضرات اور شرکت میں مضاربت اور شرکت کا زیادہ تر نفع کا مدار تقویٰ پر ہوتا ہے نہ کہ مداہنت پر۔ اور مداہنت تقویٰ ہی ہے جس کی کوئی حقیقت و بنیاد نہیں، کیونکہ مجوزین حضرات نے اس کا پورا ڈھانچہ جو حیلے ضعیف اور غیر معتبر اقوال پر مشتمل ہے جس کی تفصیل گزر چکی اور مثالیں کسی کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا۔

اگر کوئی صاحب بھی شرعی تبادل پر اطمینان کرنے کی ہمت رکھتا ہے تو تشریف لائے مجوزین کے ہاں شرعی تبادل یہ ہے۔

﴿غیر شرعی تبادل﴾ وہ تبادل جس میں سودی نظام کے بنیادی تصور (جو حرام قطعی ہے اور ثواب سے محروم کرنے کے علاوہ یقینی نفع کے حصول پر مشتمل ہے اور جس میں نقصان کا بالکل تصور نہیں ہے) کا دارومدار ہو۔

چونکہ ایسے تبادل میں پورے طور پر اسلامی اصول پر عمل کرنا مشکل بلکہ ناممکن کے درجہ میں ہے اس لئے ایسے تبادل کے نام مختلف ہیں اور تحقیق ایسا تبادل جائز ہے (اس وقت اسلامی بینک ایسے ہی تبادل ہیں۔ اس لئے ان کو سمجھنے میں شبہ ہو رہا ہے)

چنانچہ حضرت مفتی صاحب رقم طراز ہیں:

> "آج جدید ... نے "اسلام اور جدید معیشت و تجارت" میں پوری تفصیل کے ساتھ عرض کیا ہے، ہم ... کرنے کے مختلف طریقے ہیں جو سودی بینک انجام دیتے ہیں مثلاً ... (derivatives) ... (futures) ... وغیرہ ان میں سے عرض کیا ہے۔ (۱) ———
>
> (۲) چونکہ سودی نظام کا ... پورے نظام پر پڑتا ہے اس لئے یہ توقع کرنا بھی غلط

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتا کہ سود کے شرعی متبادل کو بروئے کار لانے سے تمام متعلقہ فریقوں کے نفع کا تناسب وہی رہے گا جو اس وقت سودی نظام میں پایا جاتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر اسلامی احکام کو ٹھیک ٹھیک روبہ کار لایا جائے تو اس تناسب میں بڑی بنیادی تبدیلیاں آسکتی ہیں بلکہ یہ تبدیلیاں ایک مثالی اسلامی معیشت کے لئے ناگزیر ضروری اور مطلوب ہیں۔ (غیر سودی بینکاری ص ١٩)

اقول: سود کے حقیقی متبادل موجودہ دور کے اسلامی بینک شرعی متبادل نہیں۔

اولاً: یہی تناسب کو پایا جا رہا ہے بلکہ موجودہ اسلامی بینکوں کو دیکھئے اور فیصلہ کیجئے ——— کیا نفع کے تناسب میں کوئی بنیادی فرق ہے؟ کیا بنیادی تبدیلیاں آچکی ہیں؟ اس کا فیصلہ خود حضرت کی درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"اس جگہ میں نے اپنی کتاب میں متعدد جگہ گفتگو کی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ حلال منافع کے تعین کے لئے سود کی شرح کو استعمال پسندیدہ نہیں اور اس سے یہ معاملہ کم از کم ظاہری طور پر سودی قرضے کے مشابہ ہو جاتا ہے اور سود کی شدید حرمت کے پیش نظر اس ظاہری مشابہت سے بھی جہاں تک ہو سکے بچنا چاہئے" (اسلامی بینکاری کی بنیادیں بحوالہ غیر سودی بینکاری ص ٢٩٨)

معلوم ہوا کہ نفع میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں بلکہ ابھی تک وہی سود کی شرح استعمال ہو رہی ہے۔

ثانیاً: جس طرح سودی بینکوں کے متعلق تصور اور مسائل تجارت کے کام وغیرہ ختم ہوتے اسی طرح اسلامی نامی بینکوں کے بھی ختم ہیں۔ دونوں قسم کے بینکوں میں جائیے آپ کو کسی بھی قسم کی تجارت ہوتی نظر نہ آئے گی البتہ یہاں روپیہ پیسہ [illegible] جمع کئے جاتے ہیں ——— اور حیلہ مرابحہ و اجارہ میں چونکہ بینک کا کسی قسم کا نقصان نہیں ہے صرف کلائنٹ کو بینک کی ضمانت پر خریداری کرنی ہوتی ہے کہ وہ خریداری بھی خود کرے اور بینک کے پاس کاغذات لے جائے اور پہلے سے ہی حقیقت بھی نہیں [illegible] دونوں بینکوں کے درمیان صرف نام ہی کا فرق رہ گیا ہے بہرحال نتیجے کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

ثالثاً: آج تک کسی ایک کا بھی نتیجہ نہیں ملا جس نے کہا ہو کہ مرابحہ وغیرہ معاملوں میں مضاربت و تجارت پر قسم کا فائدہ ہوتا ہے۔ ایسے کئی کیس ہیں بینکوں سے متعلق کہ سودی بینک زیادہ نفع دیتا ہے مثلاً اگر ہم دیکھیں...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے معروضی طور پر اسلامی بینک کم نفع دیتا ہے مثلاً ... سودی بینک دیتا ہے لیکن اسلامی بینک دوسرے سودی بینکوں سے بھی ... زیادہ دیتے ہیں۔

واقعہ: اگر حضرت ... یہی فرق اکاؤنٹ ہولڈر کے ذہن میں ڈالنا چاہتے ہیں تو وہ کام بینک سے کروایا جاسکتا ہے۔

پہلا کام: حضرات ایک ... عنوان میں تحریر کردہ ہیں جس میں مضاربت سے متعلق چند ضروری امور ... واضح ہو سکتے ہوں۔

مثلاً (۱) نفع ... کرنے والا رب المال ہے اور بینک مضارب ہے یعنی کام کرنے والا۔

(۲) نفع کی تقسیم ... سے طے ہوگی ... بینک ... اور ... رب المال۔

(۳) اگر ... نفع ... ہو جائے ... تو وہ بینک کے ذمہ ہوگا بلکہ سارا کا سارا ... کرنا پڑے گا۔

دوسرا کام: ... تحریر ... کے ساتھ ... کریں کہ ... مسئلہ کو درست کرنے اور جائزہ ... مسلمان ... ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ کو نفع ہی ملتا رہے گا اور کبھی نقصان ہوا بھی تو بھی ... آپ ... کے کام سے آپ کو نفع ... ہی ملتا رہیں گے۔

کیونکہ ... کی حیثیت ختم ہو جائے گی اور ... معاملہ ... بن جانے کا ... اس طرح ... مشکل ہے کیونکہ ان دونوں کاموں کے لئے آمادہ ... جائے۔

تیسرا: ... تحریر ... ہیں:

(۳) ... بینک ... تجارت ... ہے ... ان کو ... تجارت میں مصروف کرنے کے لئے ... بینکوں نے ... کیا ہے ... قرض کا ... ہے چنانچہ ... سرمایہ ... کو ... تاکہ ... کے مال و وسائل کو اپنے منافع کے لئے اس طرح استعمال کریں ... سے ... دولت کا زیادہ حصہ ... کے پاس رہے اور سرمایہ کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۳) بینکوں کو سود سے بچانے کا عذر صحیح نہیں لگتا“

(اسلام اور جدید معیشت و تجارت بحوالہ غیر سودی بینکاری ص ۱۹)

اقول: جو جو علماء حضرات نے غیر سودی بینکوں کو (اوپر جن الفاظ میں) لکھا ہے اس سے بڑھ کر حال آنجناب کے ادارے کے بہت بڑے مفتی حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب زید مجدہم نے ان اسلامی بانی بینکوں کا لکھا ہے۔

فرماتے ہیں: ”اگر کوئی شخص مجھ سے ذاتی طور پر دریافت کرتا ہے کہ میں اسلامی بینکوں سے مالی معاملہ کروں یا نہیں تو میں اس سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا وہ سودی بینکوں سے معاملات کرتا ہے یا نہیں؟

(الف) ـــــ اگر وہ یہ بتاتا ہے کہ میں نے سودی بینکوں سے کبھی کوئی معاملہ نہیں کیا اور میں ان کے بغیر بھی کام چلا سکتا ہوں تو میں اسے یہی کہتا ہوں کہ وہ غیر سودی بینکوں سے بھی دور رہے اور ان سے معاملہ نہ کرے۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو غیر سودی بینکوں میں بھی تمویل کے جتنے معاہدے ہوتے ہیں وہ بہر صورت مشتبہ ہوا کرتے ہیں جن کو بلا ضرورت کے بغیر اختیار کرنا اچھا نہیں۔

دوسرے یہ کہ عوامی فلاح کے ادارے نہیں ہیں جن کے پیش نظر عوامی فلاح ہو یہ خالص تجارتی ادارے ہیں۔ ان کے مالکان اور منتظمین میں سے ایک تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جن کی نشوونما سرمایہ دارانہ سودی بینکاری کے ماحول میں ہوئی اور وہ اسلامی نظام معیشت سے کما حقہ واقف نہیں۔ تجارتی ادارے ہونے کی بنا پر ان کا مقصد منافع حاصل کرنا ہے۔ [illegible] غیر معمولی تنخواہوں اور دیگر غیر معمولی مراعات کی شکل میں [illegible] کے ذریعے عوام کے روپے سے منافع کا بڑا حصہ وصول کرتے ہیں۔

چنانچہ اس میں سے جو بینک مفتی اور مستند علماء کرام کی نگرانی میں چل رہے ہوں اگرچہ مذکورہ بالا کمزوریوں کے باوجود اتنی بات تو قابل تسلیم ہے کہ انہوں نے عوام اور تاجروں کو حرام سے بچنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ اور جو لوگ اپنی تجارت یا اپنے روپے کی حفاظت کے لئے بینکوں سے معاملہ کرنے پر مجبور ہیں ان کے لئے سود کے حرام معاملات میں پھنسنے کے بجائے ان غیر سودی بینکوں کے ذریعے حرام سے بچنے کا کچھ راستہ فراہم کیا ہے۔ علماء کرام نے ایک اچھی کوشش کی ہے ـــــ لیکن ان کو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسلامی بینک کسی کی اجازت نہیں ہوتی، کہیں جزیت قلم سے لکھ دیا ہو یا شہرت کی بناء پر کہہ دیا جاتا ہو تو اور بات ہے مگر حال انہوں نے اسلامی بینکاری کا عملی نمونہ ابھی تک پیش نہیں کیا۔"

(بحوالہ تحریر حضرت مولانا عبد الرحمن اشرف صاحب مدینہ مشمولہ رسالے ص ۲)

اقول: حضرت مفتی محمد شریف صاحب دامت برکاتہم کی پوری عبارت خصوصاً خط کشیدہ جملوں پر بار بار نظر ڈالئے اور فیصلہ کیجئے کہ جس مجلس کے حق میں یہ دو ضخیم جلدوں کی کتابیں لکھی جا رہی ہیں ان کے مقاصد اور مروجہ بینکوں کے مقاصد میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا مقصد صرف نفع کمانا ہے جو کہ یہ بھی نہیں سے دلائل کرنے پر مصر رہتے ہیں بلکہ یہ اسلامی نامی بینک ان سے بھی کئی قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔

علاوہ ازیں: غیر سودی بینکاری تحریر فرماتے ہیں:

"چونکہ موجودہ نظام بینکاری میں بینک کی حیثیت محض ایک ایسے ادارے کی ہے جو روپے کا لین دین کرتا ہے اس لئے اس بات سے سروکار نہیں ہے کہ جو روپیہ اس نے قرض دیا ہوا ہے اس کو منافع کتنا ہے؟ اور اس سے کس کو کتنا فائدہ اور کس کو نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے؟

اسلامی نظام کی رو سے بینک ایسے ادارے کی حیثیت میں باقی نہیں رہ سکتا جس کا کام صرف روپے کا لین دین ہو، اس کے بجائے اسے ایک تجارتی ادارہ بننا پڑے گا جو بہت سے لوگوں کی بچتوں کو اکٹھا کر کے ان کو براہ راست کاروبار میں لگائے اور وہ سارے لوگ جن کی بچتیں اس نے جمع کی ہیں براہ راست اس کاروبار میں حصہ دار ہوں اور ان کا نفع و نقصان اس کاروبار کے نفع و نقصان سے وابستہ ہو جو اس کے ذریعہ سے انجام دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ سودی بینکاری کے متبادل جو نظام تجویز کیا جاتا ہے اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ بینک نے اپنی سابقہ حیثیت ختم کر دی ہے اور بعض اوقات خود ایک تجارتی ادارہ بن گیا ہے لیکن اس کے لئے بہت زیادہ محنت درکار ہوگی جس کی وجہ سے متبادل نظام کی تلاش کی جا رہی ہے۔"

(اسلام اور جدید معیشت و تجارت بحوالہ غیر سودی بینکاری ص ۱۹، ۲۰)

اقول: مذکورہ عبارت خصوصاً خط کشیدہ جملوں پر غور کیجئے جس سے صاف و واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ متبادل اس وقت درست ہو سکتا ہے کہ جب بینک اپنی سابقہ حیثیت ختم کر دے اور عام تاجروں کی طرح مضاربت اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

شرکت کے تحت، کم از کم منافع یقینی ہو تو پھر تو وہ دینے سے کام چلائے۔ اور مارکیٹوں میں سامان تجارت رکھیں اور خرید و فروخت کریں۔

مرابحہ و اجارہ اصل تجارت یا حیلہ!

ہمیں اس ضمن میں دو اشکال تھے۔ جو بحمد اللہ تعالیٰ حضرت زید مجدہم کی کتاب "غیر سودی بینکاری" کے مطالعے سے حل ہوگئے۔

اشکال نمبر ۱: حضرت نے مختلف مجالس میں اس پر زور دیا کہ بینکوں کو مرابحہ اور اجارہ پر قناعت نہیں کرنا چاہیے بلکہ مضاربت اور شرکت کی طرف بڑھنا چاہیے۔

حضرت کے اس ارشاد سے ہمیں دو طرح اشکال تھا، ایک یہ کہ بینک جس سے رقم لیتا ہے، مضاربہ اور شرکت ہی پر لیتا ہے تو مضاربہ اور شرکت کی طرف نہ بڑھنے کا کیا مطلب؟ دوسرے یہ کہ اور مضاربین و شرکا بھی تو بازاروں میں مرابحہ بھی اور دیگر صورت میں تجارت کرتے ہیں تو اگر بینک بھی یہی کریں تو کونسا کمال کیا؟ اس میں بینک کی کیا خوبی اور کیا حیثیت رہ گئی؟

اشکال نمبر ۲: غیر سودی بینکاری سے شائع ہونے والی کتاب میں مرابحہ و اجارہ کو محض (سود کمانے کا) ایک حیلہ قرار دیا ہے۔

ہمیں ان عبارات میں یہ اشکال تھا کہ مرابحہ و اجارہ تو عام تاجر بھی کرتے ہیں اور یہ مال کمانے کے درست طریقے ہیں، پھر ان کو حیلہ کیوں کہا گیا ہے؟ کتاب "غیر سودی بینکاری" کے مطالعے سے بحمد اللہ تعالیٰ دونوں اشکال ختم ہوگئے کیونکہ حقیقت سامنے آگئی۔

اصل حقیقت کیا ہے؟ رفع اشکالات کیونکر؟ اور ہمارے تحفظات کیا ہیں؟

رفع اشکال نمبر ۱: اس کتاب سے حضرت کے ارشاد کی اصل حقیقت معلوم ہوئی کہ مرابحہ اور اجارہ بھی تجارت ہی کی ایک قسم ہے لیکن ان میں منافع کم حاصل ہوتے ہیں، اگر بینک لوگوں سے مضاربہ یا شرکت کے طور پر لی ہوئی رقم کو آگے مضاربہ یا شرکت پر کسی کو دے تو منافع زیادہ بنتے ہیں جس کی وجہ سے رقم جمع

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے والے بینک کے معاصر اسلامی بینکوں سے زیادہ منافع مل جاتا ہے۔ گویا عوام کو زیادہ منافع دلانے کی خاطر یہ مشورہ دیا جا رہا ہے کہ مرابحہ و اجارہ کے بجائے شرکت و مضاربت پر توجہ دی جائے تاکہ عوام الناس کو زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو اور بینک کی ایک نمایاں امتیازی حیثیت بھی سامنے آ سکے۔

توضیح اشکال نمبر۲: جامعہ بنوری ٹاؤن سے شائع ہونے والی کتاب کی عبارت کا مقصد یہ ہے کہ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ بینک کو مرابحہ سے سروکار ہے اور نہ ہی اجارہ سے۔ بینک کو تو نقد رقم کے عوض زیادہ رقم لینے کی طرح سود ہی مقصود ہے اس سود کے حاصل کرنے کے لئے یہ مجبوراً مرابحہ اور اجارہ کا سہارا لیتے ہیں۔ گویا بینک مرابحہ اجارہ وغیرہ تجارت کے طور پر نہیں کرتا بلکہ سود کمانے کے لئے بطور حیلہ کے مجبوراً کرتے ہیں۔ لہٰذا مرابحہ اجارہ وغیرہ کو عام تجارتی مرابحات و اجارات پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ بازاروں میں عوام بے تکلف مرابحہ اجارہ وغیرہ کرتے ہیں تجارت سمجھ کر کرتے ہیں جبکہ مرابحہ ہو کہ اجارہ ہو کہ ایسا نہیں۔

ہمارے تحفظات!

(۱) موجودہ بینکوں کی جو خصوصیات ہیں مجوزین حضرات نے اسلامی بینکوں میں ان کو برقرار رکھنے کی انتہائی کوشش فرمائی ہے حتیٰ کہ ان کو برقرار رکھنے کے لئے مرجوح اقوال پر عمل اور شذوذ عن الامۃ سب بلکہ خروج عن المذاہب اور جیسے امور سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

(۲) بینک کی خصوصیات کیا ہیں؟ ... سود سے بچ کر ... اس طور پر نفع ہی نفع حاصل کرنا جس میں نقصان کا خطرہ قطعی نہ ہو۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

"بینک ایک ایسا تجارتی ادارہ ہے جس کے پیش نظر مالی فلاح ہو، یہ خالصتاً تجارتی ادارے ہیں جن کے قیام کا مقصد ... ان میں سے ایک تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جن کی نظر و فکر اسلامی اقتصادی نظام کے ... اسلامی نظام معیشت سے کما حقہ واقف نہیں۔ تجارتی ادارے ہونے کی بنا پر ان کا مقصد منافع حاصل کرنا ہے ... یا قدر کی زندگی غیر معمولی تنخواہوں اور دیگر مصنوعی سہولیات کو "تحفظ" دینا ہے" اور ... تحفظ ... کے ذریعے یہ عوام ... کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ پہلے سے ان کو تخمینی کا معاہدہ دیتے ہیں اپنے نفع کا اس میں اہتمام کرتے ہیں۔

چنانچہ ان میں سے جو بینک "حضرت مولانا" علماء کرام کی نگرانی میں چل رہے ہوں ان کی مذکورہ بالا کوتاہیوں کے باوجود اتنی بات تو ممکن نہیں ہے کہ انہوں نے عوام اور دینداروں کو حرام سے بچنے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ ورنہ لوگ اپنی تجارت یا اپنے روپے کی حفاظت کے لئے بینکوں سے معاملہ کرنے پر مجبور تھے ان کے لئے سود کے حرام معاملات میں پھنسنے کے بجائے ان غیر سودی بینکوں کے ذریعے حرام سے بچنے کا ایک راستہ نکل گیا۔ علماء کرام نے ایک قابل قدر اور قابل ستائش کوشش کی ہے ——— لیکن ان کو اسلامی بینک کہنے کی بجائے محتاط ہوتی کہیں سبقت قلم سے لکھ دیا ہو یا شہرت کی بناء پر کہہ دیا جاتا ہو تو اور بات ہے مگر جناب انہوں نے اسلامی بینکاری کا مثالی نمونہ ابھی تک پیش نہیں کیا"۔

(جواب تحریر مولانا محمد خورشید صاحب مدینہ طیبہ والے ص ۳)

(۳) اگر آپ حضرات بینک کے اس تشخص کا انکار کرتے ہیں تو ہم "چھوٹا منہ بڑی بات" انتہائی ادب سے عرض کرتے ہیں کہ اس تشخص کا تقاضہ بہت کچھ ہے۔

بینک کے لوگ اس وقت تک آپ کے تشخص دیئے ہوئے نظام کو ماننے کے لئے تیار ہیں جب تک معاوضہ "تجربہ" ہم تو آپ "تسمیہ" کہہ دو [illegible] اور بقول حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب زید مجدہم ان کا اصل مقصد "تحریف" ہی ہے۔ چونکہ آپ کے تشخص دیئے ہوئے نظام سے ان کے "مقصد" کا کوئی نقصان نہیں بلکہ آپ کے نظام سے ان کا فائدہ ہی ہے [illegible] اس لئے آپ سے تعلق بنائے ہوئے ہیں اور آپ کے نظام کو قبول کئے ہوئے ہیں۔

خدانخواستہ اگر کبھی آپ کا نظام ان کے "مقصد" کے لئے رکاوٹ ہوا تو وہ ہرگز ہرگز قبول نہیں کریں گے اس لئے [illegible] بینک کے مخالف علماء کرام [illegible] آپ حضرات جناب [illegible] کا مشورہ دیتے رہیں [illegible] آجائے گی [illegible] بینک کے ساتھ [illegible] سود [illegible] کی بنیاد پر تجارت تبدیل کریں گے۔ کیونکہ اس صورت میں ان کے [illegible] کا کام [illegible] ہے [illegible] ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جس طرح آج مرجوح اور ضعیف اقوال کے سہارے سے مضاربہ و شرکت کی اصل صورت مسخ کر کے ان کو ایسی بے روح شکل و صورت دی جا رہی ہے جس سے ان کے "شرعاً" پر زد نہ پڑے اور نقصان کا معتد بہ حصہ ختم ہو رہا ہے تو پھر بینک اس کے لئے بھی تیار ہو جائے گا)

نقصان کے معتد بہ تصور کی وجہ سے بینک کا مضاربت و شرکت پر نہ آنا اور اس خطے میں حضرات مجوزین کے حیلوں پر عمل پیرا ہونا یہ واضح کرتا ہے کہ یہ کسی طرح بھی بینک کے تشخص اور "شرعاً" کے خلاف کرنے کو تیار نہیں ہے۔

اس وقت کل کے بعد آج ان بینک والوں کا تشخص بھی نفع ہی نفع اور "شرعاً ہی شرعاً" ہے، اسلام کا نام صرف تحفظ کے لئے ہے ۔۔۔ اور زیادہ وضاحت اور آسانی سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ہم مجوزین حضرات کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ بینک کے علاوہ کتنے ہی ادارے ہیں جن کے ہاں شرکت و مضاربت عوام اور معاشرے میں رائج ہے، ان کو کب مرجوح ضعیف اور خارج عن المذہب اقوال کے سہارے کی ضرورت پیش آئی؟ ــــ اگر حضرات ان بینک والوں کو بھی نفع ہی نفع کی پالیسی اور تشخص پر قائم نہیں رکھتے تو پھر یہ تشخص جس میں نفع اور نقصان دونوں کا مساوی یا نفع کا راجح اور نقصان کا مرجوح تصور لے کر قائم ہوتے ہیں، آپ حضرات ان کے نقصان کا اس پر تیار نہیں کہ دوسرے اداروں کی طرح مال تجارت کا ایک حصہ سمجھتے ہیں، اور تو ہم تو ہم ہیں، وہ شرعاً بھی کیا ہے؟ کہ المسراعید قد تکون لازمۃ، قدیما ئے تفصیل و تحقیق کے لئے بلا کسی ضرورت کے قدیم سے معروف اقوال کی وجہ سے عقد الربح و فی ملب العقد دونوں مقصد میں داخل ہو رہے ہیں۔

لیکن یہ حضرات کتنا ہی ان پر زور دیں، نہ بینک شرکت و مضاربت کو اختیار کرے گا اور نہ ہی دوسرے اموال پہلے سے تیار شدہ ہیں، جو بینک جانتا ہے کہ مہنگا سامان خرید کے اس کو اجارہ کرتا ہے تو اس کو حضرات بینک سے یہ کیوں نہیں کہہ سکتے؟ ــــ اس لئے کہ اس میں بینک کے تشخص اور "شرعاً" کے نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ جس تشخص کو بینک قائم کرنا چاہتے تھے، موجودہ بینکاری نظام میں اس تشخص کے ساتھ اس کو اسلامی بینک کہا جا سکتا ہے اور نہ سود وغیرہ دیگر غیر شرعیہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے بیع کیا جا سکتا ہے۔

الحمد للہ تعالیٰ اس بات پر دارالعلوم کے بڑے مفتی حضرت مفتی محمود اشرف صاحب زید مجدہم نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اسلامی بینک نہیں، لکھتے ہیں:

''ہمیں ان کو اسلامی بینک کہنے کی ہمت نہیں ہوتی ہمیں سبقت قلم سے لکھ دیا ہو یا شہرت کی بناء پر کہہ دیا ہو یہ حقیقت ہے کہ بہرحال انہوں نے اسلامی بینکاری کا مثالی نمونہ ابھی تک پیش نہیں کیا''

(جواب تحریر حضرت مولانا عبد الرحمن کوثر صاحب مدینہ منورہ سے لکھی ہے)

﴿بینکنگ کے مسئلہ پر اجتماعی غور وفکر کی کوشش ناکام کیوں ہوئی؟﴾

جس مجلس میں ملک کے مختلف اطراف سے آنے والے مفتیان کرام متفقہ فتویٰ دے رہے تھے اس مجلس میں بندہ خود بھی موجود تھا۔ اس مجلس میں یہ بات بھی زیر غور آئی کہ فتویٰ دینے سے قبل مجوزین حضرات خصوصاً مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کو مدعو کر کے ان کو بھی بلایا جائے یا نہیں؟ مجلس نے اتفاق رائے سے ان کے ساتھ اس مسئلے پر بحث کرنے کو قطعی غیر مفید قرار دیا اور وجہ جو بتلائی گئی وہ یہ تھی کہ ان سے بحث و مباحثہ میں کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ اجتماعی غور سے ان کا مقصد ایسے مسائل میں اغلب یہ ہوتا ہے کہ بحث کی وجہ سے اختلاف ختم ہو جائے، یقینی وجہ ہے کہ غور وفکر اور بحث و مباحثہ کے بعد ان کے فیصلے اکثر اصول کے خلاف ہوتے ہیں۔

علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اتفاقی مسائل میں غور اور بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ کرنے کے جو اصول تحریر فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اتفاقی مسائل میں غور وفکر کرنے کے لئے اکثریت کی رائے کو معتبر سمجھا جائے اور کسی کی انفرادی رائے ہو تو وہ اپنی ذات کی حد تک رکھے عوام کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے تاکہ عوام میں انتشار اور افتراق کا سبب نہ بنے۔

حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ یہ ہیں: ''شورائی اجتہاد کا اہتمام ہو شخصی رائے کی جگہ اجتماعی آراء سے فیصلہ کیا جائے حضور ﷺ نے جو مسائل میں انفرادی رائے کی بجائے خلفاء اور علماء دین سے مشورہ کا حکم دیا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت بھی اسی کا مصداق و مظہر تھی باوجودیکہ اس علم اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

فرد [illegible] نہ تھا" ـــــ ایک اور مقام پر فرمایا: "اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ مزایا اور خصوصیات جو فرد واحد علم عظیم تقویٰ، بصیرت، خشیت اللہ کے ساتھ سارے سلف صالحین کے اندر موجود تھیں اس دور میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت میں بھی جمع نہیں ہو سکتیں، لہٰذا اس کی تلافی اس طرح کی جائے کہ جہاں تک ہو سکے ایک فرد کی شخصی رائے پر اعتماد کر کے کوئی فیصلہ کرنے سے اجتناب کیا جائے خواہ وہ کتنا ہی وسیع النظر اور کثیر المعلومات عالم کیوں نہ ہو، بلکہ اس قسم کے امور کو طے کرنے کے لئے ایک جماعت سامنے آئے جس میں بحیثیت مجموعی وہ تمام امتیازات و خصائص موجود ہوں جن کا تذکرہ کیا گیا ہے" (مروجہ اسلامی بینکاری ص ۳۰)

ہم نے اس وقت اسی [illegible] زید مجدہم پر اعتماد کرتے ہوئے آپ کی ان باتوں کی جو اپنے تجربات کی روشنی [illegible] خصوصاً [illegible] کے مفتیان کرام زید مجدہم جو دارالعلوم کی تقریباً ہر مجلس تحقیق میں شریک ہوتے رہے [illegible] کی۔

[illegible] کے لئے اپنی بساط کے مطابق کوشش کی ہے کہ علماء حق کے مابین اختلاف [illegible] اس کو "تقابل" کرتے ہوئے "غیر سودی بینکاری" نامی کتاب کی تصنیف [illegible] دارالعلوم [illegible] اگرچہ اس سے قبل ایک [illegible] کے مسئلے کے [illegible] دارالعلوم کے مفتیان کرام اپنی رائے کو اکثریت کی مخالفت کے باوجود حق [illegible] ہوتے۔

[illegible] علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے احباب نے ملک بھر کے [illegible] اتفاق [illegible] کرتے ہوئے [illegible] اجماع [illegible] ہو گئے۔

اس [illegible] دارالعلوم [illegible] کے لئے روانہ کیا گیا، اس وقت میں دارالعلوم کے بھی ایک مفتی حضرت مولانا مفتی [illegible] احمد صاحب زید مجدہم شامل تھے لیکن دارالعلوم نے (اپنی [illegible] صاحب (مفتی [illegible] صاحب زید مجدہم) کو بھی [illegible] قبول کر لیا لیکن [illegible] اتفاق (بحمد اللہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تحقیق کے تحریری فیصلے جس میں ہم سب متفق ہو چکے ہیں، اسے اس پورے وفد کا سوائے مفتی تفضل علی صاحب کے رد کر دیا گیا۔

وفد میں [illegible] کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اپنے تمام تر احتیاط پر مبنی مشاہدات اور اتفاقی تحریری فیصلے سے منحرف ہو گئے [illegible] مفتی تفضل صاحب کو بہت دکھ ہوا اور وہ بھی [illegible] گئے۔

انہوں نے [illegible] دوبارہ مشاہدات کے لئے کہا لیکن وفد نے صاف کہہ دیا کہ چونکہ آپ وفد کے رکن نہیں [illegible] آپ کے ساتھ دوبارہ مشاہدات کے ہم مکلف نہیں۔ چونکہ مفتی حسین احمد صاحب دارالعلوم [illegible] ان کو اپنے ساتھ لیا اور دوبارہ مشاہدات کئے۔

مشاہدات کے بعد [illegible] انہوں نے [illegible] وہ وفد کی اتفاقی تحریر کے خلاف تھی۔

دارالعلوم کراچی کے [illegible] نے اتفاق اور پورے پاکستان اور [illegible] اجتماع میں شریک مفتیان کرام [illegible] کی متفقہ تحریر [illegible] کی رائے کے خلاف تھی [illegible] اور مفتی تفضل علی صاحب کی تحریر کو قبول کرتے ہوئے [illegible] پھر اسی سال حج پر تشریف لے جا کر منیٰ میں جمعہ بھی پڑھایا۔

حجاج کرام جانتے ہیں کہ [illegible] ہر خیمے میں کتنے جھگڑے اور اختلافات ہوتے ہیں، کوئی دو رکعات کی جماعت کرواتے ہیں اور کوئی چار کی۔ دو رکعات والے چار والوں پر اعتراض کرتے ہیں [illegible] کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے احباب کو جنہوں نے امت کو [illegible] کرنے کے لئے بھاری مصارف برداشت کئے [illegible] اجتماع [illegible] دارالعلوم [illegible] انہوں نے اپنی رائے [illegible] دیتے ہوئے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے احباب [illegible] کیا۔

نوٹ: [illegible] کے حوالے سے [illegible] علماء کرام کو ضرورت ہو وہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن [illegible] حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری [illegible] سے حصول کر سکتے ہیں۔

اس [illegible] کے بعد [illegible] حضرت مولانا مفتی [illegible] صاحب [illegible] کی خدمت میں [illegible] حضرت [illegible] نے [illegible] دعوت [illegible] آپ انہیں [illegible] دعوت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیکھئے ان باتوں پر قیاس سے ایک واقعہ بتا کر کہا کہ ذرا سوچئے! اس قسم کی باتیں کی گئی ہیں اگر وہ تحقیق کریں گے تو نہ معلوم کیا کیا باتیں بیان ہو جائیں گی۔ اس پر بندہ نے عرض کیا کہ جو باتیں آپ کو پہنچائی گئی ہیں خالص جھوٹ ہیں جن کی طرف یہ باتیں منسوب کی گئی ہیں ان سے ایسی باتوں کا صادر ہونا ناممکن ہے۔ درحقیقت ایسی باتیں شریر اور مفسد قسم کے لوگ دوریاں پیدا کرنے کے لئے پھیلایا کرتے ہیں۔

اس مجلس میں حضرت کو بعض ایسی قسم کی بناوٹی باتیں بتلائی گئیں جو حضرت زید مجدہم کی طرف منسوب تھیں جن کو سن کر ہم حیران رہ گئے۔

بندہ نے کہا کہ حضرت ان لوگوں کی جھوٹی باتوں پر توجہ نہ فرمائیں بلکہ ضرور انہیں دعوت دیجئے، حضرت سے تحریری گفتگو کے بجائے روبرو بیٹھ کر دونوں حضرات مل کر مسئلہ پر غور کریں۔ بندہ نے عرض کیا میں اس کے لئے تیار ہوں لیکن ہمیں یہ کہنا ہے کہ اختلاف مسائل میں دارالعلوم کے اسباب کے ساتھ چلنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ دارالعلوم سے متعلق ہوتے ہیں تحقیق و غور کرتے ہیں لیکن فیصلہ اصول کے خلاف کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث نے تحریر کے بارے میں بندہ سے عرض کیا اور فرماتے ہیں کہ علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اصول تحریر فرمائے ہیں ان میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ اتفاق غور و فکر کے بعد عوام کو اکثریت کی رائے بتائی جائے تاکہ وہ اپنے مسائل پر عمل کر سکیں، اس پر حضرت شیخ زید مجدہم نے فرمایا کہ کیا مجلس میں اپنی رائے کی تحقیق کا حق ہے؟ اس پر بندہ نے عرض کیا میں یہ تحقیق کرتا ہوں۔ کتاب ”مروجہ اسلامی بینکاری“ کے شروع میں حضرت علامہ بنوری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جو اصول لکھے ہوئے ہیں، ان میں یہ بات بھی ذکر کی گئی ہے کہ آپ کی کتاب کے جواب میں ہم بھی دلائل پیش کریں گے اور اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کی جو تحقیق ہے وہ بھی اس سلسلہ میں تحریر کی گئی ہیں سامنے رکھے اور دونوں کی روشنی میں ایک تحقیقی مجلس میں گفتگو کے لئے تیار ہوں تو غور و فکر کے بعد فیصلہ کے اصول پیش فرمائے جائیں۔ بندہ دوسری جانب کے حضرات سے بات چیت کرنے کے لئے بھی اصول طے ہو جائیں تو اجلاس بلایا جائے گا۔

اس کے بعد دوسرے سفر میں بندہ مع احباب جامعہ کے مرکز جامعۃ العلوم شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مغرب کے بعد اس موضوع پر تفصیل سے بات چیت ہوئی۔ حضرت دامت برکاتہم نے گفتگو سے فرمایا کہ یہی بات ہے جب اصول طے ہو جائیں تو بات کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ہونے سے حضرت کی رضا اور خوشی کے بعد بندہ نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کو بھی اور مفتی عبدالشکور صاحب کو بھی اس کی اطلاع کر دی کہ اصول اور ضابطہ اتفاق مرتب فرما لئے جائیں اور تمام حضرات کو بھیج کر مشورہ کے لئے تیار ہیں۔

بندہ کئی مجالس میں اس انتظار میں رہا کہ یہ آج کل میں اصول مرتب کرکے بندہ کو بلوایا جائیگا یا کسی کے ہاتھ سے تحریری اصول بھجوا دیئے جائیں گے لیکن کئی مہینے گزر گئے اور اصول کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ پھر ایک دن اس امید پر بندہ نے مناسب اور اختصار سمجھا کہ شاید وہ لکھ لکھا رکھے ہوں اس وقت میں اتفاق غور کی بات کچھ آگے بڑھے گی لیکن اس ملاقات سے بھی مایوسی ہی ہوئی جب حضرت کے سامنے تحریری مجلس اور اصول و ضوابط کی بات کی تو حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے جواب میں یہ شعر پڑھا —

مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید

باید کہ بر کلۂ خود زد

یعنی جو مُکّا جنگ کے بعد یاد آئے وہ اپنے ہی سر پر مارنا چاہئے۔ اور فرمایا کہ اب تو جوابی کتاب چھپ کر مارکیٹ میں آچکی ہے — بندہ اس سے پہلے کی مجلس میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک شخص ہو گئی اب دوسری نہیں ہوگی — بلکہ مفتی تفضل علی شاہ صاحب نے بھی فرمایا کہ حضرت تحریر کا جواب دینا چاہتے ہیں اور سب کو اجازت دیتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ حضرت جواب لکھنے میں لگے ہوئے تھے حضرت جواب کے لئے کیسے آمادہ ہوئے؟ واللہ تعالیٰ اعلم

اب آپ حضرات ہی اس تفصیل کو دیکھ کر خود فیصلہ فرمائیں کہ ہماری اس اتفاق کی غور و فکر کی کوشش کس کی وجہ سے ناکام ہوئی اب جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ اتمام تفہیم کا الزام ہم مانعین پر لازم آتا ہے یا مجوزین پر؟ آپ ہی بخوبی اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ جب بھی مجوزین حضرات کی طرف سے اس مسئلے پر اور کسی بھی مسئلے پر تحریر و تقریر ہو تو بعض حضرات جانتے ہیں کہ غور و فکر اور اتفاق کی مجلس مفید اور نتیجہ خیز ہو اور یہ اس مقصد کو سمجھیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سے متعلق ان کی تحریرات کی روشنی میں فیصلے کے اصول اتفاق سے طے کئے جا سکیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کتاب ''غیر سودی بینکاری'' کا خلاصہ

مولانا محمد تقی عثمانی کی یہ کتاب ''غیر سودی بینکاری'' تین اہم حصوں پر مشتمل ہے۔

(۱) دیگر حضرات کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل حصہ (جس میں کئی اعتراضات کا ذکر ہے)

(۲) ''اسلام اور جدید معیشت و تجارت'' پر مشتمل ایک بہت ہی ضخیم حصہ (جس میں مرابحہ، مؤجلہ وغیرہ کی تفصیلی بحث ہے)

(۳) اسلامی معیشت، تجارت اور بینکنگ سے متعلق مسائل کی تشریح

نمبر (۱) سے متعلق ہم حضرت والا کے اعلان ''بعض تحریروں میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے متعلقہ عقود کے کاغذات حاصل کرنے کی کوشش کی مگر وہ حاصل نہ ہو سکے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا کوشش تھی جو متعلقہ کاغذات حاصل کرنے کے لئے کی گئی، بہرحال اس کا آسان ترین راستہ یہ تھا کہ مجھے یا دارالعلوم کو اس خدمت کا موقع دیا جاتا'' (غیر سودی بینکاری ص ۵۵،۵۶) پر درج ذیل فہرست آنجناب سے طلب کی ہے۔

(۱) اسٹیٹ بینک کا غیر سودی بینکوں کو سودی قرضہ لینے دینے سے مستثنیٰ کرنے کی سند، جو اسٹیٹ بینک کی طرف سے جاری کی گئی ہو۔

(۲) اسٹیٹ بینک غیر سودی بینکوں کو شرکت و مضاربت کی بنیاد پر جو سرمایہ فراہم کرتا ہے اس شرکت میں اگر نقصان ہو جائے تو کیا اسٹیٹ بینک اس نقصان کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہے؟ اگر تیار ہے تو اسٹیٹ بینک کی طرف سے وہ تحریر مطلوب ہے جس میں نقصان کی ذمہ داری اٹھانے کا اقرار ہو۔

(۳) اسٹیٹ بینک نے غیر سودی بینکوں کے لئے سودی بینکوں سے علیحدہ جو قوانین مقرر کئے ہیں ان کی تفصیلی دستاویز مطلوب ہیں۔

(۴) غیر سودی بینکوں میں جو اجارہ کیا جاتا ہے اس کی تفصیلی دستاویز مطلوب ہے جس میں مکمل طریقہ کار ذکر ہو۔

(۵) بائع و مشتری کے درمیان ہونے والے معاہدے کی دستاویز

(۶) مضاربت و شرکت کے معاہدے کی دستاویز

(۷) وکالت نامے میں شرکت متناقصہ کی دستاویز

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۷) میمورنڈم [illegible] کے صفحہ پر [illegible] کی جانے والی رقم کو اسلامی بینک میں یا سودی میں جمع کرانے کا تحریری اور عملی ثبوت

نمبر (۲) پر جو سوالات [illegible] ہیں ان سے بالکلیہ احتراز اور صرف نظر کیا گیا ہے۔

نمبر (۳) میں جو سوالات کئے گئے تھے ان پر تبصرہ کر کے اپنے تحفظات نقل کر دیے ہیں، البتہ ایک بات بطور خاص بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اس کتاب سے بندہ کو کیا فائدہ ہوا؟

الحمد للہ اس کتاب "مروجہ اسلامی بینکاری" کے مطالعہ سے کافی ابہامات اور شکوک و شبہات دور ہو گئے اور اب بندہ اطمینان سے یہ کہہ سکتا ہے کہ جو موجودہ اسلامی بینکنگ [illegible] دوسرے خلاف شرع امور کا مجموعہ ہے، لہذا ان بینکوں میں [illegible] ناجائز و حرام اور بحکم سود ہے اور سود پر قرآن و حدیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، جن میں سے بعض ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

دعا ہے کہ [illegible] سے محفوظ رہے اور دیندار مسلمان کو [illegible] کا اہتمام کرنا چاہئے [illegible] آمین

سود پر وعیدیں

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں سود خوروں کے لئے سخت ترین وعیدیں بیان کی گئی ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) سود خوروں کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔

قال اللہ عز وجل: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (سورۃ البقرۃ ۲۷۸، ۲۷۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر ایمان والے ہو، پھر اگر تم نہ کرو گے تو اعلان سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۲) سود کھانا کبیرہ اور ہلاکت خیز گناہ ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: "اجتنبوا السبع الموبقات" قالوا: يا رسول الله وما هن؟ قال: "الشرك بالله والسحر وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق وأكل الربا وأكل مال اليتيم والتولي يوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات"

(متفق علیہ، المشکوۃ ج ۱ ص ۱۷)

"حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سات مہلک گناہوں سے بچو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، اس جان کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مگر جائز طور پر (بحکم شریعت)، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے گھمسان کی جنگ میں پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔"

(۳) سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس پر گواہ بننے والے سب ملعون ہیں۔

عن جابر رضي الله عنه قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء.

(مسلم ج ۲ ص ۲۷)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سود کی تحریر لکھنے والے اور سود پر گواہ بننے والوں پر لعنت بھیجی اور فرمایا یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔"

(۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لازم کر رکھا ہے کہ وہ سود خوروں کو جنت میں داخل نہ کرے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: أربعة حق على الله أن لا يدخلهم الجنة ولا يذيقهم نعيمها: مدمن الخمر، وآكل الربا، وآكل مال اليتيم بغير حق، والعاق لوالديه.

(المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۷)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چار شخصوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ لازم کر لیا ہے کہ انہیں جنت میں داخل نہ کریں گے اور نہ ہی اس کی نعمتیں چکھائیں گے۔

۱۔ شراب کا عادی ۲۔ سود خور ۳۔ ناحق یتیم کا مال کھانے والا ۴۔ والدین کا نافرمان"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(٥) سود میں ادنیٰ ترین گناہ ایسے ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔

عن عبد الله رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: الربا ثلاثة وسبعون بابا، أيسرها مثل أن ينكح الرجل أمه، وإن أربى الربا عرض الرجل المسلم

(المستدرک للحاکم ج ٢ ص ٣٣٨)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سود میں تہتر گناہ ہیں جن میں ادنیٰ ترین گناہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے بدکاری کرے، اور بدترین سود کسی مسلمان کی آبرو ریزی ہے۔

(٦) ایک درہم سود کھانا چھتیس بار زنا سے بدتر ہے۔

عن عبد الله بن حنظلة غسيل الملائكة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم، أشد من ستة وثلاثين زنية. (مسند الامام احمد ج ٦ ص ٢٩٦)

حضرت عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سود کا ایک درہم جسے کوئی جانتے ہوئے استعمال کرے چھتیس بار زنا سے بدتر ہے۔"

(٧) سود کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔

عن ابن مسعود رضي الله عنه عن النبي ﷺ أنه ذكر حديثا وقال فيه: ما ظهر في قوم الزنا والربا إلا أحلوا بأنفسهم عقاب الله. (مجمع الزوائد ج ٤ ص ٢١٣)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس قوم میں زنا اور سود کا ظہور ہوا اس قوم نے گویا اللہ تعالیٰ کا عذاب اپنے اوپر حلال کر لیا۔"

تحریر ام العلماء

احمد ممتاز

سوموار شعبان المعظم ١٤٢٢ھ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

دارالافتاء جامعۃ الرشید کی کتاب

"غیر سودی بینکاری فقہی تصور، ضرورت واہمیت اور اہم مسائل کی تحقیق"

اور

مولانا مختار الدین شاہ صاحب کی کتاب

"بلا سود بینکاری کے خلاف بعض علماء کے فتویٰ کی حقیقت

ان کا پس منظر و پیش منظر" پر مختصر تبصرہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب "غیر سودی بینکاری" پر تبصرہ یہاں تک مکمل ہو چکا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کے ارشاد پر جامعۃ الرشید کی کتاب کا بھی مطالعہ کیا کہ اس پر بھی تبصرہ لکھا جائے لیکن اس کی ترتیب ابھی باقی تھی، احباب نے یہ مشورہ دیا کہ اگر جامعۃ الرشید سے شائع ہونے والی کتاب اور حضرت مولانا مفتی مختار الدین شاہ صاحب مدظلہ کی کتاب، دونوں کا مختصر جواب بھی ساتھ شائع ہو جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

احباب کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے بندہ نے دونوں پر مختصر تبصرہ لکھ کر اس کتاب کا جزء بنا دیا اور یہ جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ بھی ان کے علمی الزامات کا جواب ہے۔

احقر [illegible]

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دارالافتاء جامعۃ الرشید کی کتاب ”غیر سودی بینکاری“ پر مختصر سرسری تبصرہ

”غیر سودی بینکاری“ کے نام سے ایک کتاب ”حضرات رفقاء دارالافتاء والارشاد کراچی“ کے حوالے سے ”جامعۃ الرشید کراچی“ سے شائع ہوئی ہے (معلوم نہیں جامعۃ الرشید کی بجائے دارالافتاء والارشاد کیوں لکھا گیا ہے جبکہ اب کافی عرصہ سے تحقیق کا سارا کام ہماری معلومات کے مطابق جامعۃ الرشید میں ہو رہا ہے) جس میں ایک منصوبہ کے تحت مجوزہ [illegible] کے علاوہ صحیح تر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور وہ مواد بھی [illegible] کیا گیا ہے کہ جو [illegible] حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی حیات ہی میں مجلس تحقیق نے [illegible] جس کی تصحیح [illegible] حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے احسن الفتاویٰ میں تحریر بھی فرمائی ہے۔ [illegible] حضرت مولانا مفتی سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے اس کتاب سے متعلق [illegible] تفصیل [illegible] یہ پوری کتاب پڑھی اور اپنے تحفظات لکھنا شروع کر دیئے۔ چنانچہ اس کتاب سے [illegible] متعلق [illegible] ارشادات پیش خدمت ہیں۔

(۱) اس کتاب میں [illegible] کی [illegible] لکھی گئی ہیں۔

(الف) ضرورت شدیدہ ہو [illegible] جب [illegible] پوری نہ ہو سکتی ہو۔

(غیر سودی بینکاری جامعۃ الرشید ص ۳۶)

(ب) [illegible] کا اہتمام کیا جائے۔

(غیر سودی بینکاری جامعۃ الرشید ص ۳۱، ۳۵)

(ج) [illegible] صلاحیت [illegible] کی [illegible] ہو۔

(غیر سودی بینکاری جامعۃ الرشید ص ۳۶)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اقول: شرح مجلہ سے معلوم ہوا کہ اس کے تحقق کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ "وہ ضرورت اپنے مذہب میں پیدا نہ ہوئی ہو" مجوزین حضرات کے نزدیک اپنے مذہب میں رہتے ہوئے سود کے شر سے بچنے کی ضرورت پیدا ہو چکی ہے لہٰذا ان کے لئے "ضرورت" کا لفظ اب [illegible] ہوگا اور یہ صرف [illegible] نہیں بلکہ امر واقعی ہے۔

دیکھئے [illegible] ان اسلامی بینکوں کے وجود میں آنے سے قبل بھی جاری تھے اور آج بھی بلاسودی بھی جاری ہیں لیکن مسلمان مجتہدوں نے اس التزام کی ضرورت نہیں سمجھی، اگر مجوزین حضرات اس کے خلاف سمجھتے ہیں تو ان حضرات کے [illegible] کا ثبوت پیش کرنا لازم ہے۔

کیونکہ [illegible] جب یہ بینک وجود میں نہیں آئے تھے اس وقت بھی تجارتی معاملات کے لئے التزام التصدق [illegible] جیسے طریقے [illegible] کر معاملات کیا کرتے تھے۔

ہماری بات یہ ہے کہ [illegible] بھی [illegible] کے جتنے معاملات ہو رہے ہیں وہ لوگ بھی ان خلاف شرع شرائط کے ساتھ کرتے ہیں۔

اگر مجوزین حضرات اس کا ثبوت پیش نہیں کر سکے (اور یقین ہے کہ پیش نہیں کر سکیں گے کیونکہ اس التزام کو ان مجوزین علماء کرام سے پہلے ضروری سمجھنا تو درکنار کوئی جانتا تک نہ تھا اور نہ ہی آج عام تاجر اس سے واقف ہیں) تو ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ان بینکوں کے وجود سے قبل بدون التزام کے لوگ تجارتی معاملات کیا کرتے تھے اور آج بھی کر رہے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے کی [illegible] شرط یہاں مفقود ہے لہٰذا "الاوقـــــات المصرفات الاسلامیۃ" [illegible] کے مطابق بینک کے لئے تجارتی معاملات میں مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل جائز نہیں [illegible] شرائط مفقود ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

مجوزین کے التزام [illegible] مالکیہ کے ساتھ [illegible] فرمائیے۔

شرح مجلہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

> [illegible] التزام التصدق وغیرہ میں ضرورۃً مالکیہ کا مذہب لیا گیا ہے۔" ([illegible])

اقول: [illegible] مالکیہ [illegible] مشہور مذہب یہ ہے کہ وعدہ کا پورا کرنا واجب نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلکہ مستحب ہے اور یہ کہ مروجہ اختلاف میں سے ہے بعض مالکیہ کا بھی یہی قول ہے۔ دیکھئے غیر سودی بینکاری ۱۳۸ اپنے حوالہ [illegible] ص ۱۵۳ [illegible] ص ۲۹۷ مذکور ہے۔

اب مذہب غیر پر عمل کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ تو خود مولانا نے [illegible] حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ [illegible] حرام اور ناجائز ہے۔

زیر نظر کتاب میں عنوان ”مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کس کے ساتھ ہیں“ کے تحت آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ [illegible] اگر ضرورت ہوتی تو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ جواز کا فتویٰ دیتے، اس کے خلاف حرام کا [illegible] ہے۔

مزید آگے لکھتے ہیں:

> ”ہمیں یہ [illegible] کی تحقیق و تفتیش اہل [illegible] اگر کسی جگہ حرج و ابتلاء شدید پیش آئے تو کسی بھی مذہب کے [illegible] ہے۔“ (ص ۳۹)

آخر اس مسئلہ پر [illegible]؟

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے حضرت مفتی عبد المجید دین پوری زید مجدہم، جامعہ فاروقیہ [illegible] کراچی کے [illegible] مفتی سمیع اللہ زید مجدہم (یہ وہ حضرات مفتیان کرام ہیں جن [illegible] دار العلوم کراچی [illegible] ہے) جامعہ اشرفیہ لاہور کے حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب زید مجدہم، [illegible] صاحب زید مجدہم، جامعہ خیر المدارس ملتان کے حضرت مفتی [illegible] صاحب زید مجدہم، جامعہ [illegible] کے حضرت مفتی عبد الغفار صاحب زید مجدہم، جامعہ اسلامیہ دار العلوم [illegible] کے مفتی [illegible] صاحب زید مجدہم [illegible] تعلیم القرآن دار الافتاء [illegible] کوئٹہ کے مفتی روزی خان صاحب زید مجدہم [illegible] وغیرہ حضرات [illegible] یا نہیں؟

[illegible]؟

[illegible]؟

[illegible] ہے یا نہیں؟

اگر کمیٹی ہے تو اختلاف کی صورت میں فیصلہ اکثریت کی بنیاد پر ہوگا یا دلائل پر؟

اکثریت کے فیصلے کی کیا دلیل ہے؟

دلائل پر فیصلہ کرنے کی صورت میں قوت دلیل کا فیصلہ کون کرے گا؟

﴿۲﴾ مجوزین حضرات کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں سودی نظام کے خاتمے کی اہمیت ہے جبکہ سود میں ابتلاء کے خطرات سے بچنے کی اہمیت بھی اس سے کچھ کم نہیں۔

لہٰذا سودی نظام کو حاجات الناس اور ضرورت الناس کے جاذب عنوانات کے ذریعے مذہب غیر اور قول مرجوح اختیار کرنے کے بجائے کسی زیادہ موزوں متبادل کی فکر ہونا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ عام لوگ مجوزین کی وجہ سے ساہوکاروں کے سود سے بچتے ہوئے الٹا اسلامی سود اور حرام کی لعنت میں مبتلا ہو جائیں۔

﴿۳﴾ مجوزین حضرات سود و مواعدت میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ کے متعلق لکھتے ہیں:

”بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف کے مواعدت کے متعلق قول کی ترجیح کو مطلق کہتے ہیں“

(غیر سودی بینکاری بحوالہ الرشید ۳۹)

اقول و باللہ التوفیق: حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو ترجیح دینے والے (بقول شما ”دیگر فقہاء“) حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں جو اپنی بعد ترجیحات سے خوب واقف تھے

﴿۴﴾ حضرت مجوزین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ضرورت و حاجات کے علاوہ نص کے ”عرف“ پر مبنی ہونے کو بیان کرکے پہلے نص کو عرف کی وجہ سے مخصوص کیا ہے اور نص کی مخالفت لازم آنے سے بچنے کو یوں لکھتے ہیں:

”اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ نص حدیث کے خلاف ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ نص کے خلاف نہیں، بلکہ نص کی تخصیص عرف سے ہے، کیونکہ نص خود بھی عرف پر مبنی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متعارف تھا اس لئے آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور اگر آج اس کے خلاف عرف ہوتا تو آپ یہ فرماتے“ (غیر سودی بینکاری بحوالہ الرشید ص ۴۲)

اس تخصیص کے بعد حاجت و ضرورت سے ترجیح دی۔

تخصیص نص کے بعد بھی سود جیسی قطعی حرمت کے لئے بھی ضرورت اور حاجات الناس کافی نہیں۔

”آج کل بعض مسلمان ایسے ہیں جن کی آنکھیں سودی بینکوں میں لگی ہوئی ہیں اور وہ سود جیسے حرام

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں مبتلا ہیں [illegible] اس کی وجہ سے یہ سارے کے سارے مسلمان حرام خور اور گمراہ ہو رہے ہیں...... دیکھئے یہاں محظور اور ضرورت ہے۔

اب میں ان حضرات سے یہ پوچھتا ہوں کہ ان کو اس فسق و گمراہی سے بچانے کے لئے یہ جائز ہوگا کہ سود کی دو قسمیں بنا دی جائیں ایک تجارتی سود اور غیر تجارتی سود، پھر تجارتی سود کو اس وجہ سے جائز کیا جائے کہ یہ سود [illegible] تجارت [illegible] ملازمین وغیرہ کی اجرت اور فیس ہے لہٰذا جائز ہے جیسے [illegible] حضرات نے [illegible] کی وجہ سے [illegible] سود سے نکال کر فیس میں داخل کر کے حلال کیا ہے، چونکہ یہاں ہزاروں مسلمانوں کو فسق و ضلالت میں پڑنے کا مسئلہ ہے لہٰذا ان لاکھوں کو فسق سے بچانے کے لئے [illegible] دی جاتی ہے۔

یہاں ضرورت نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تنہا محظورات کسی نص کی مخالفت کے لئے کافی نہیں [illegible] ورنہ [illegible] حرمت ربا تجارتی و غیر تجارتی دونوں قسموں کو شامل ہوگی۔

الغرض تنہا محظورات اور حاجات الناس کو [illegible] کے متعلق [illegible] ان کے ذریعے مرجوح قول کو ترجیح دینا [illegible] جائز نہیں۔

[illegible] رحمہ اللہ تعالیٰ جو مجتہد امام ہیں ان کے قول کے مطابق تو [illegible] سود [illegible] حلال [illegible] ہو سکتا ہے، کیونکہ ان کے ہاں [illegible] ہے لہٰذا [illegible] ان کے قول کے مطابق حلال ہے۔

محظورات [illegible] حرام خوری [illegible] امام [illegible] رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر محظورات اور حاجات الناس کی وجہ سے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

اس فتویٰ کا [illegible] فائدہ [illegible] ہوگا کہ سارے حرام خور حلال خور بن جائیں گے، ان کی نمازیں دوسری [illegible] قبول ہوں گی۔

[illegible] کا اہتمام کرنے والے [illegible] وارثوں کے ہاں اس وجہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے کچھ کھانے پینے سے منع کرنا ان کا مال حرام ہے اور اس مال حرام سے خریدا ہوا کھانا بھی حرام ہوتا ہے۔ اس فتوے کی وجہ سے یہ حرام بھی حلال ہو جائے گا اور یہ لوگ اپنے ان رشتہ داروں کے ہاں خوب کھائیں پئیں گے اور حرام سمجھنے سے جو شرمندگی ہوتی ہے جو احتیاط کی جاتی ہے اور جو دل میں کھٹک ہوتی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔

بعض مجوزین دیتے ہیں کہ یہ بھی پیش نظر رہے کہ اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان محظورات اور حاجات عامہ کی وجہ سے ان مسائل میں تخفیف کا یہ فتویٰ نہیں دیا۔

حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ بنام "حلال و حرام سے مخلوط مال کا حکم" میں مجوزین حضرات کی عبارات کا جواب دیا ہے جس سے تحریر واضح ہو جاتی ہے کہ یہ فتویٰ اکابر رحمہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے۔

جدید تحقیق کے حوالہ سے کہا گیا ہے کہ حاجات الناس کی وجہ سے حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف فتویٰ دیا گیا ہے، لیکن حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس فتویٰ کی وجہ سے کتنے لوگ حرام خور ہوتے ہوئے بچ رہے تھے۔ اب اس فتویٰ میں ان کے لیے آسانی پیدا ہو گئی اور جھگڑے جنم لے رہے ہیں۔

(۳) جدید مجوزین نے بیان کیا ہے کہ بینکنگ میں کئی خلاف شریعت امور ایسے ہیں جن کے ناجائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں، مجوزین حضرات ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذاہب میں سے کسی ایک کے مذہب کا کوئی منضبط اور اتفاقی قول موجود نہیں دکھا سکتے، اور کتنے ایسے امور ہیں جن کو اپنے مذہب کے راجح و قوی اقوال سے ثابت نہیں کر سکتے، ان امور میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) بینک کا مارکیٹ کی بنیاد پر نفع کی تعیین کا طریقہ کار۔

(۲) بینک کا کرنسی کی قیمت میں کمی بیشی کی بنیاد پر روپیہ یا دوسرا نفع حاصل کرنا۔

(۳) اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے شرعی نگرانی۔

(۴) قبضہ سے پہلے سامان کی بیع کرنے کے بعد شرعی طور پر استحقاق کا صحیح ہونا۔

(۵) بینک کی جانب سے نقصان کی صورت میں ضمان ہونا۔

(۶) قرض سے پہلے شرط کے طور پر مضاربہ میں رب المال کو لازم رکھنا۔

(۷) اجارہ میں قبضہ سے پہلے نقصان کی ذمہ داری اٹھانے کے بعد اجارہ کا صحیح ہونا۔

(۸) پہلے اجارہ کا معاہدہ کیا جائے اس کے مطابق اجارہ ہو، ایک مدت کے بعد عذر کی وجہ سے اجارہ فسخ کیا جاتا ہو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تصدیقات کے بغیر تسلیم نہیں کرسکتا، یہ کیسا مذہب حق ہے؟

جواب: مولانا لکھتے ہیں:

"احسن الفتاوی میں جو غیر سودی بینکاری کا خاکہ ہے، اس کی تصدیق اس وقت کے چوٹی کے علماء نے فرمائی ہے، اس زمانے کے کسی ایسے عالم سے اس بارے میں اختلاف ہوتے نہیں سنا جو فقہ و فتویٰ میں معروف ہو۔

لہٰذا بینکاری کے بارے میں مذہب حق پر فتویٰ دینے کے سلسلے میں جو اجماعیت کی شرط ہے وہ صحیح ہے [illegible] اس وقت اس [illegible] کے اجماع یا اکثریت کی واحد صورت یہی تھی۔"

(غیر سودی بینکاری، جامعۃ الرشید، ۲۰)

اقول: جامعۃ الرشید کے حضرات کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے احسن الفتاویٰ کے حوالے سے اس انداز میں بات پیش کی ہے گویا حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب نے جو نظام پیش کیا ہے وہ پورا خاکہ مع تفصیلات کے ساتھ حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی میں ان اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، اور آج کل جو بینکوں میں مروج ہے ان سب معاملات کی گویا ان اکابر نے منظوری دے کر اجازت دی ہے۔

عام مسلمان تو شاید جامعہ کی اس کتاب اور اس قسم کے جملوں سے بھی نا واقف رہیں گے لیکن جن حضرات نے احسن الفتاویٰ کو پڑھا ہے وہ کبھی یہ بات قبول نہیں کر سکتے۔

[illegible] یہ حضرات [illegible] فرماتے اور عوام کو بتلاتے کہ اس وقت ان اکابر کے سامنے [illegible] آنے والے ہیں، اور ان موجودہ بینکوں میں احسن الفتاویٰ کے خاکے میں [illegible] کے خلاف [illegible] ہے۔

نیز یہ بھی بتلاتے کہ [illegible] حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے پیش کیا ہے یہ احسن الفتاویٰ [illegible] کے سامنے پیش ہوا تھا۔

"[illegible] جامعۃ الرشید کے احباب سے گزارش کرتے ہیں کہ [illegible] حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے [illegible] دوسرے [illegible] آپ کے [illegible] ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دونوں خاکوں کا موازنہ

(۱) مجوزہ خاکے میں بینک کی پروڈکٹس کی بنیاد پر منافع کی تقسیم کا طریقہ کار مذکور ہے۔۔۔ یہ احسن الفتاویٰ کے خاکے میں کہاں ہے؟

(۲) مجوزہ خاکے میں وارثین کی تجویز کردہ شیئرز ان کرام نے قبول کیا ہے؟ —— اور احسن الفتاویٰ کے خاکے کے کس جملے میں اس کا ذکر ہے؟

(۳) عقد سے پہلے متعین ہونے کا مطلب عقد ہو جانا اور اس کے نتیجے دونوں طرف لازم ہونا اور خلاف کی صورت میں کسی صورت میں حصہ داری اور ضمانت کو ذمہ دار اور ضامن قرار دینا —— احسن الفتاویٰ کے خاکے میں کہاں ہے؟ بلکہ احسن الفتاویٰ میں تو بیع انعقاد سے پہلے تخمین میں ایسے وعدوں کے مفسد عقد ہونے کی تصریح ہے۔

(۴) مجوزہ خاکے میں بینک کے حق سے پہلے بینک کو ملکیت و وراثت کی شرط لگانا اور اجارے کی صورت میں پہلے بینک کو ذمہ دار ٹھہرانا —— احسن الفتاویٰ کے خاکے میں کہاں ہے؟ —— اس میں تو صراحت یہ ہے کہ:

"پہلے مشتری بینک سے تحریری شکل کو کرائے پر دینے کا وعدہ کرے اور عمل کرنے میں اس وقت کا لحاظ رکھا جائے کہ ایک متعین مدت میں کرائے کی رقم سے مشتری کی کل قیمت منافع کے ساتھ وصول ہو جائے، کرائے داری کی اس مدت میں مشتری بینک کی ملکیت میں ہوگی اور بینک پر ہی اس کی ذمہ داری ہوگی۔" (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۱۲۳)

اس عبارت میں مشتری کی ملکیت کا ذکر کہاں ہے؟ —— بلکہ اس کے مسئلے میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے (بقیہ) ذمہ داری بینک پر ہونا درج ہے۔

بلکہ اس عبارت میں صراحت ہے کہ کرائے داری کی اس مدت میں مشتری بینک کی ملکیت ہوگی اور بینک پر ہی اس کی ذمہ داری ہوگی، اس میں کہاں لکھا ہے کہ مدت کے بعد بیچنا جائز اور عمل یہ ہوگا؟

(۵) مجوزہ خاکے کے عنوان سے جو مشارکہ کے حالات ہوتے ہیں وہ احسن الفتاویٰ کے خاکے میں کہاں ہیں؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

احسن الفتاویٰ میں بھی جن دو صورتوں کا ذکر ہے ان میں بیع مرابحہ مؤجلہ ہے، ایک صورت میں کل مکان کا اور دوسری صورت میں بینک کے حصے کا، اس میں اجارے والی صورت کا ذکر ہی نہیں ——— حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"مکان کی تعمیر یا خریداری کے لئے جو قرضے دیئے جاتے ہیں ان کے بارے میں رپورٹ میں یہ تجویز کیا گیا ہے۔

۱۔ یہ بھی "مرابحہ مؤجلہ" کی بنیاد پر ہو سکتی ہے، مکان بینک خریدے اور اس غرض کے لئے تعمیر کی رقم بینک ادا کرے اس کے بعد جب مکان بینک کی ملکیت میں آجائے تو وہ گاہک پر مرابحہ کی بنیاد پر فروخت کر دے۔

۲۔ اگر مکان تعمیر کرنا ہے تو تعمیر کی تکمیل کے بعد مکان مکمل طور پر مرابحہ فروخت کیا جائے۔

۳۔ اگر تکمیل، خریداری یا تعمیر میں ابھی کوئی حصہ ادا کرنا رہتا ہے تو اس کی ادا کی ہوئی رقم کو شرکت کی بنیاد پر سمجھا جائے گا (احسن الفتاویٰ)

دوسری صورت یہ ہے:

۱۔ گاہک کو حصے کے طور پر شرکت کے ہو اور ملکیت مکان میں دونوں شریک ہو گئے بعد میں بینک اپنا حصہ گاہک کو "مرابحہ مؤجلہ" کے طور پر فروخت کر دے گا۔

۲۔ یہ صورت شرکت والی سمجھی ہوئی اور بیع پھر "مرابحہ مؤجلہ" ہوگی۔

۳۔ بینک میں مرابحہ کا تعلق وعدے کے ساتھ ہوگا۔" (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۱۴۳،۱۴۴)

تو اس میں شرکت متناقصہ کے وعدے کا ذکر ہے لیکن یہ بیان ہے کہ اس وعدہ کی بنیاد پر اسے مجبور بھی کیا جائے گا اور یہ وعدہ شرکت کے معاہدے میں مشروط ہوگا اور صفقۃ فی صفقۃ نہ ہوگا؟ اور مجبوری کی حالت میں اگر کوئی بینک کو حصہ خریدنے سے انکار کر دے تو کیا اس کو کسی حقیقی نقصان کا ضامن بھی بنایا جائے گا؟

(۶) جب یہ تجویز تھی اور ... "احسن الفتاویٰ" کے فتاویٰ کے بعد میں کس جگہ ہے؟

بلکہ اس میں تو اس کے خلاف کی تصریح ہے، صفحہ ۱۹ پر "مرابحہ مؤجلہ" کے عنوان کے تحت نمبر ۱۲ کی عبارت پر حاشیہ میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

[illegible] یہاں یہ [illegible] بصورت تحریر [illegible] گیا ہے:

"وکیل، مؤکل کے قبضے کی تصدیق کے لئے اپنا کوئی نمائندہ بھیجے گا، قبضہ ثابت ہونے پر اس کا [illegible] سے [illegible] رشید" (احسن الفتاوی ج۶ ص ۱۱۹)

چونکہ خریداری کے بعد وکیل کی طرف سے بینک کو تصرف کا مکمل اختیار ہوتا ہے کہ جب چاہے مبیع لے لے [illegible] کی صورت میں اسے یہ اختیار تصرف [illegible] کی وجہ سے حکماً قبضہ سمجھا جائے گا، کیونکہ اس صورت میں بینک اگر چاہے تو [illegible] اسی وقت اپنے قبضہ میں [illegible] لے سکتا ہے، لہذا یہ [illegible] اختیارات تصرف کے ذریعہ تخلیہ اور قبضہ ثابت کیا جا سکتا ہے جس کی تفصیل عنوان "قبض [illegible]" کے تحت لکھی جا چکی ہے۔

[illegible] کے بعد وکیل اور مؤکل کا بینک سے ہر صورت میں لینا ضروری ہے، اور اس کو [illegible] مؤکل کے قبضے میں جانے اور قبول کرنے کے بعد مؤکل کا عیب کی وجہ سے [illegible] کرنے کا حق ختم ہو جاتا ہے لیکن [illegible] حق حاصل ہے کہ اگر کسی عیب کی وجہ سے وہ [illegible] پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امداد الفتاوی میں صراحۃ فرمایا ہے۔

"سوال (۳۶) زید نے عمرو سے کہا کہ میں تم کو روپیہ دیتا ہوں اور تمہارے لانے کی اور [illegible] مال لادو [illegible] تم اس مال میں [illegible]

الجواب: [illegible] مال [illegible] کہ جس وقت عمرو [illegible] مال لاوے [illegible] مال لانے سے منع کر دیا [illegible] جب مال کو قبول [illegible] حاصل ہے۔"

(امداد الفتاوی ج ۳ ص ۷۱)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

مختصر عبارت یہ ہے کہ :

احسن الفتاویٰ کے فتویٰ میں تکمیل بیع سے پہلے قبل سے بیع کی تصحیح کا ذکر کہاں ہے؟ اس میں تو تکمیل بیع شرط ہی نہیں، تکمیل عیب کے بعد فسخ کی بات نہیں رہ گیا ..... اور شرط ابھی ثابت نہیں، لیکن تکمیل سے پہلے اس کے صحیح ہونے کا ذکر کہاں ہے؟ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے :

"صحیح یہ ہے کہ تکمیل سے بحیثیت وکیل خریدا ہے، اور اس کے تمام مطالبات و مصارف سے وہ قیمت الگ ہے اس لئے جب تک اس کو مقرر وقت پر ادا کرے گا تو اسے "جیسا ہے جہاں ہے" کی بنیاد پر فروخت کرے گا، جسے شرعی اصطلاح میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ "بیع بشرط البراءة من کل عیب" ہوگی یعنی تکمیل بیع کی تکمیل کے بعد کسی عیب کی بنیاد پر بیع کو وہ فسخ نہیں کر سکے گا۔" (احسن الفتاویٰ ج ۶ ص ۱۲۰)

(۸) احسن الفتاویٰ کے فتویٰ میں جو اشتہار کا مسئلہ ہے کہ تمشیری بیع وغیرہ کے اجارے کی صورت میں جو صفقہ فی صفقہ کا اعتراض وارد ہوتا ہے، وہ حل نہیں ہوا، اس لئے کہ اس میں کہیں تو صراحۃً اور کہیں عرفاً یہ بات مشروط ہوتی ہے کہ مستقبل میں بیع تکمیل و منتقلی کی ہوگی، خود بصورت ہبہ ہو یا قیمت کی ادائیگی کے عوض میں بصورت بیع، جبکہ احسن الفتاویٰ کے فتویٰ میں اس صورت کو کہیں بھی کوئی ذکر نہیں، وہاں جو صورت لکھی ہوئی ہے اس میں صفقہ فی صفقہ کا اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمایئے :

"ایسے معاملہ میں جب تک تمشیری بیع کی تکمیل ہو کر اپنی پوری قیمت ادا کر کے معتبر کرتے ہیں اس وقت کا طریقہ کار یہ ہے کہ ایک متعین مدت میں کرایہ کے ذریعہ تمشیری بیع کی کل قیمت ادا ہو جائے۔

کرایہ داری کی اس مدت میں تمشیری بیع کی ملکیت میں ہوگی اور ہلاک ہونے پر بھی اس کی ذمہ داری ہوگی۔" (احسن الفتاویٰ ج ۶ ص ۱۲۲)

(۹) بیع کے آخر میں اور اس کی بنیاد پر وقت سے پہلے قسط ادا کرنے والے کے حق میں وقت کے حساب سے کم قیمت کرنے کی تجویز کیا احسن الفتاویٰ کے فتویٰ میں کیا ہے؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۳) تمویلی معاہدے شرکت و مضاربت کے لئے اپنے راس المال کے تناسب سے نفع کا معلوم ہونا ضروری ہے اور معاہدے سے پہلے ہی پوری مدت میں استعمال ہونے والے سرمائے کے معلوم ہونے پر جبکہ بینکوں میں ہر دن گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔

ان حضرات کے غیر معلوم نفع سے مجہول سرمائے کا جواز احسن الفتاویٰ کے فتوے میں کہاں ہے؟

احسن الفتاویٰ کے فتوے میں کیا ہے؟

(۱) "کھاتہ متعلقہ مضاربہ" کے عنوان کے تحت تمام ملحقات پر مشتمل گیا ہو ان ملحقات میں بینک کا آگے شرکت و مضاربت پر کام ہونے والی صورتوں کا ذکر ہے۔

جبکہ مروجہ کے بارے میں کیا بینک نے اس پر آج تک عمل کیا ہے؟

(۲) احسن الفتاویٰ کے فتوے میں صراحت ہے تجویز ہذا میں صراحت یہ لکھا ہوا ہے کہ عمل مضاربہ کھاتہ کے وقت جو تمویلی طریقہ کار ہے جو صرف یقینی وصولی کرانے کے لئے کرتا ہے۔ یہ صورت شرط کے تحت نہیں ہوتا جیسے آج کل ملکی سطح پر عمل ہوتا ہے۔

آپ حضرات کی تجاویز کے مطابق صورتوں میں فرق ہے یا نہیں؟

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبارت یہ ہے:

> "کھاتہ بند ہونے کے وقت تمام منافع ادا ہو جائیں گے اور اس بات کی یقینی وصولی کرائے گا کہ جب تک ملک کی حکومت اور قانون میں آجائے گا تو وہ بغیر کسی کھاتہ کے پہلے سے طے شدہ قیمت پر فروخت ہو سکے گا۔" (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۱۳۰)

(۳) احسن الفتاویٰ کے فتوے میں یہ ہے:

> "اس صورت میں عمل کے لئے "دارالافتاء" کا شعبہ قائم کرنا ضروری ہے اس کے بغیر شرعی مسائل میں رعایت ممکن نہیں کہ ایسا شعبہ جو ماہرین شریعت پر مشتمل ہو گا جن کو تمام [illegible] کی قیمت پر بینک کے تمام معاملات معاملات کا فقہی نقطہ نظر سے تحقیق کر کے اس کے حساب سے تمام معاملات کا اسلوب کر لیا۔" (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۱۳۱)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس عبارت میں حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''رقابہ شرعیہ'' کے لئے ایسے ماہرین شریعت کی شرط لگائی ہے جن کی فقہ پر بھی دسترس ہو اور علم و تقویٰ میں بھی ممتاز ہوں۔

اب ہم آپ حضرات سے دریافت کرتے ہیں کہ اس وقت ان بینکوں میں ''رقابہ شرعیہ'' کے ارکان اس معیار پر ہیں؟

کتنے شرعی نگران ایسے ہیں جن کو تفقہ کا تجربہ حاصل ہے؟

(۳) احسن الفتاویٰ میں ہے کہ عمیل کا قبضہ بینک کا قبضہ مانا گیا ہے تو اگر بینک تاخیر کرے گا تو نقصان کا ضامن ہوگا ---- یا احسن الفتاویٰ کے حوالے سے کیا لکھا ہے؟ احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ:

''بینک کے لئے خود تمام اشیاء کی خریداری اور ادائیگی مشکل ہے، اس لئے وہ مطلوبہ چیز کی خریداری کے لئے خود عمیل کو اپنا وکیل بنا دے گا اور یہ عمیل پہلے وہ چیز مثلاً ٹریکٹر بینک کے وکیل کی حیثیت سے خرید کر قبضہ میں لے لے گا اور خریداری کی تکمیل پر بینک کو مطلع کرے گا کہ میں نے وکالت کی ذمہ داری پوری کر دی اب آپ کے لئے ٹریکٹر خرید کر اپنے قبضے میں لے لیا ہے اب میں وہ ٹریکٹر آپ سے اپنے لئے خریدنا چاہتا ہوں۔

بینک اس کی پیشکش کو منظور کر کے فروخت کرے گا۔

عمیل کے ٹریکٹر پر قبضہ کر لینے سے لے کر بینک سے اپنے لئے خریدنے تک کا جو درمیانی وقفہ ہوگا اس میں یہ ٹریکٹر بینک کی ملکیت اور ضمان میں رہے گا اور عمیل کے قبضہ میں امانت رہے گا اور بینک کے ضمان میں ہوگا۔ جب عمیل اور بینک کے درمیان بیع منعقد ہو جائے گی اس وقت ضمان بھی عمیل کی طرف منتقل ہو جائے گا۔'' (احسن الفتاویٰ ج۷ ص۱۲۰)

تو اس عبارت میں عمیل کے لئے وکیل کا لفظ ہے، اور یہ ضروری ہے کہ مرابحہ کی صورت میں کسی حد تک نقصان کا ضامن ہو؟

(۴) حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ میں ''الاقتداء بمذہب الغیر فی حالۃ الضرورۃ'' کے تحت تین چار صفحات میں مذہب غیر پر فتویٰ دینے کی شرائط حضرت نے تحریر فرمائی ہیں لیکن وہ جگہ جگہ ضرورت اور ابتلاء عام اور ضرورت کی قید کا ذکر ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ضرورت ہو جس کے لئے دوسرے مذہب کو جائز کیا جائے، کیونکہ یہ ضرورت اور ابتلاء عام ان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بینکوں کی یہ حالت ہے ان بینکوں کے بڑے حصے کو بلکہ آج بھی موجودہ دور میں تقریباً سارے تجارتی معاملات کرتے ہیں جو ہم بیان نہیں کر سکتے ہیں، اور سب کی تجارتیں بحمد اللہ تعالیٰ اس کے بغیر چل بھی رہی ہیں... معلوم ہوا کہ یہ انتظام ضرورت بینکوں کی جس کی بنا پر خروج عن المذہب ناگزیر ہو۔

(۵) اس اعتراض کہ "ارباب الاموال کی طرف سے مال بینک کو مکمل حوالے نہیں ہوتا، کیونکہ وہ جب چاہتے ہیں اپنے اموال کو واپس نکال سکتا ہے الخ" کے جواب میں فرماتے ہیں:

"قال في البدائع تحت فصل في شرائط ركن المضاربة: ومنها تسليم رأس المال إلى المضارب لأنه أمانة فلا يصح إلا بالتسليم وهو التخلية ولا يصح مع بقاء يد الدافع على المال. (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۹۷)

اس عبارت میں "ولا يصح مع بقاء يد الدافع" دراصل تسلیم کی تفسیر ہے جس سے معلوم ہوا کہ "تسلیم" جس کا تحقق تخلیہ سے ہوتا ہے اس تسلیم کے تحقق کے لئے جس قسم کے تخلیہ کی ضرورت ہے وہ تخلیہ بقاء ید الدافع کے منافی ہے۔ بینکوں میں ارباب الاموال جب رقم جمع کراتے ہیں تو اس بات کا تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ "تخلیہ" کا تحقق بہر حال ہو جاتا ہے کیونکہ بینک جب چاہے اس رقم کو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے، البتہ ارباب الاموال کو "جب چاہے رقم نکلوانے کی اجازت" کو ان کے ید کے بقاء کی علامت قرار دینا درست نہیں، کیونکہ یہ مقصود ہی بقاء ید نہیں۔ سو ارباب الاموال کے "جب چاہیں رقم نکلوانے کی اجازت" کو تخلیہ و تسلیم کے منافی قرار دینے کے بجائے "جب چاہیں شرکت ختم کرنے کی اجازت" پر محمول کیا جائے گا، اور یہ شرط بھی معروف ہے جو شرط فاسد نہیں بلکہ مطلق مضاربت اور مطلق عقد شرکت کا یہی مقتضی ہے، کیونکہ مطلق مضاربت، مطلق شرکت میں ہر فریق جب چاہے عقد ختم کر سکتا ہے۔"

(تبصرہ بر کتاب اسلامی بینکاری، بحوالہ الرشید ص ۱۴۳، ۱۴۵)

اقول:

(۱) حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم بینک کے نفع کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"(۷) معاہدہ کے آخر تک مضاربت کا مال نقد رقم کی شکل میں ہو۔"

جبکہ بینک میں جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے مشارکہ مثلاً پیچھے کے دوران وہ مجموعی طور پر نقد

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قیمت شرکاء کی بنیاد پر تمویل کو فراہم کریگا جس سے تمویل کو یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ طے شدہ مدت کے دوران مخصوص شدہ رقم کی حد تک وقتاً فوقتاً مشارکہ کی بنیاد پر نکالتا رہے۔

تمویل کے اس حق کا آغاز اس وقت سے ہوگا جس وقت معاہدہ کی دستاویزات تیار ہو گئیں۔

البتہ تمویل شدہ رقم کی تقسیم کے اعتبار سے شراکت داری کا آغاز اس وقت سے ہوگا جب پہلی بار وہ عملاً مشارکہ کی بنیاد پر رقم بینک سے نکلوا لیگا۔" (احسن الفتاوی ج ۷ ص ۱۱۶)

اس عبارت میں مشارکہ کی کل مدت کا ذکر بھی ہے اور مجموعی رقم یعنی کل سرمایہ کی مقدار کا ذکر بھی ہے (جتنی بھی مدت کے لئے شرکت ہے وہ کل سرمایہ یکمشت ادا کرے گا) گویا ان تمام ادوار کا مجموعہ ہے جتنا مجمع ہوگا وہ کل راس المال بینک کے حساب سے تقسیم ہوگا نیز اس عبارت میں اس کا ذکر بھی ہے کہ کل سرمایہ بینک میں ہوگا اور تمویل شریک کو معاہدہ کی دستاویزات مکمل ہونے کے بعد مدت شرکت میں وقتاً فوقتاً نکلوانے کا حق ہوگا، اور پہلی بار نکلوانے سے شرکت کی مدت شروع ہوگی۔

یہ بات معلوم ہے کہ جتنی رقم بینک جمع کرتا ہے اس کے پاس دوسرے شرکاء کا مال بطور مضاربت ہوتا ہے۔

یہاں بینک گویا رب المال ہے اور تمویل مضارب ہے، اور بینک نے تمویل اور رب المال کے درمیان تخلیہ کر دیا ہے کہ مدت مشارکہ میں جب چاہے راس المال کی مقدار جتنا اموال وقتاً فوقتاً نکال سکتا ہے، البتہ باقی ماندہ رقم بینک کا جو باقی ہے جو تمویل نے ایک ہی بار راس المال میں سے جتنی رقم وہ نکال لے، یعنی باقی ہوتے تاہم بینک رب المال کے قبضہ میں ہے جتنی تمویل نے نکلوا لی تو ایک کاروبار سرمایہ کے تناسب سے کاروبار شروع ہو گیا۔

چونکہ مشارکہ کے جواب کے متعلق جب جانتے ہیں اور تخلیہ میں منافات ہے تو ان اکابر مفتیان کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مختلف پہلوؤں کو مد نظر رکھا ہو؟

(۲) جدید دور کے مشارکہ کا احتراز کی اجازت میں اتفاق سے دیا جو تجربہ کا وقت میں ہوتا ہے اور جسے مقروض شخص سے جب چاہے اپنا قرض طلب کرنے کا حق ہوتا ہے، یہ حقیقی شرکت و مضاربت کی طرح نہیں ہے کیونکہ حقیقی شرکت و مضاربت میں راس المال اور مضارب کو حوالہ اور تسلیم کیا جاتا ہے اس میں صاحب مال کو یہ حق نہیں ہوتا کہ جب چاہے اپنا راس المال نقد کی صورت میں لے لے۔

(۳) یہ کہنا کہ "جب چاہیں رقم نکلوانے کی اجازت" کو "جب چاہیں شرکت ختم کرنے کی اجازت" پر محمول کیا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوئے مجبور ہوتے تھے۔ کیونکہ شرکت ختم کرنے کا حق اگرچہ شرعاً ہر شریک اور رب المال کو ہے لیکن شریعت نے یہ حق تو ان کو نہیں دیا کہ وہ حصہ نقد کی صورت میں جب چاہیں لے سکتے ہیں۔

شرکت ختم کرنے کے بعد جب تک کل مشترک سامان کو فروخت کر کے سارے اموال کو نقد میں تبدیل نہیں کرتے تب تک نقد روپے کا مطالبہ جائز نہیں۔

باقی یہ بات کہ یہ بینک حصہ حصہ سے شرکا کا موجود اسباب کو فروخت کر رہا ہے اس لئے نقد روپیہ لیتا ہے تو اس کی تفصیل عنوان "شرکت ختم ہونے کے بعد بعض شرکاء کو بعض پر کیوں قیمت لگانا" کے تحت ملاحظہ فرمایا ہے۔

عنوان: "شرکت ختم کرتے وقت شریک کو کسی خاص قیمت پر اپنا حصہ بیچنے پر مجبور کرنا"

اس عنوان کے تحت ایک اشکال کا جواب دیا گیا ہے۔ پہلے وہ پوری عبارت ملاحظہ فرمایئے پھر ہمارا تبصرہ دیکھئے:

"بعض حضرات کی طرف سے اسلامی بینکوں میں رائج اس شرط کو شرط فاسد میں شمار کر کے بینکوں کے معاملات کو ناجائز قرار دیا گیا ہے جو وہ شرط یہ کہ شرکت ختم کرنے والے کو اس کی مملوکہ اثاثوں میں سے حصہ بیچنے کے بجائے اسے اپنا اثاثوں کا حصہ بیچنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بجائے حصص کے بیچنے پر مجبور والی شرط کو شرط فاسد تسلیم کر بھی لیا جائے تو آگے تحقیق آ رہی ہے کہ شرکت میں شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتی لہذا یہ شرط ہی لغو ہوگی یعنی شریک شرکت ختم کر کے نکلنا چاہے گا تو اسے اختیار حاصل ہوگا کہ وہ چاہے تو اپنا اثاثوں کا حصہ بیچ جائے اور نہ بیچے۔ لیکن اگر وہ اپنا حصہ نہیں بیچ کر نقدی میں ہی لینے پر اصرار کرے تو بینک کو فروخت کرنا اپنے لئے لازم نہیں سمجھے اور بینک بھی اس پر راضی نہ ہو تو اب کوئی بھی شخص ان اثاثوں میں سے اپنا حصہ لینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

اور اگر غور کیا جائے تو ارباب الاموال کے لئے سہولت بھی اسی میں ہے ورنہ ارباب المال ان مشاع حصوں سے جو مال وقتی قبضہ نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں ہزاروں لوگ شریک ہیں نیز اثاثوں کے مشاع حصے کو مستقل طور پر فروخت کرنا ان کے لئے بہت مشکل ہے لہذا اسے یہ حصہ ایسے شخص کے ہاتھوں ہی فروخت کرنا پڑے گا جو ان اثاثوں میں دیگر شرکاء کے ساتھ شریک ہو کر اس کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتا ہو۔ اگر بینک یہ حصہ قیمت پر فروخت کرے گا تو خریدار کہاں سے ملیں گے کیونکہ ان سے شرکاء کے ساتھ شرکت کی شرط ان اثاثوں کی بجائے مشاع حصہ میں شرکت اس لئے قیمت سے کم میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں ہوتی ہے کیونکہ بینک کی طرف سے ہر ایک کو اجازت ہے کہ جو چاہے جب چاہے اکاؤنٹ کھولکر ان یونٹس میں اپنے سرمایہ کے ذریعے شریک ہو جائے۔

دوسرے یہ کہ کسی دوسرے شخص کو ان یونٹس میں قطعاً رغبت نہ ہوگی، لہٰذا شرکت ختم کرنے والا شخص اپنے یونٹس صرف بینک ہی کے ہاتھوں ہی فروخت کر سکے گا جو اس کاروبار کا حصہ دار رہنا چاہتا ہو کیونکہ عملی طور پر سہولت کا راستہ اس میں متعین ہے اور اس کام کے لئے سب سے آسان راستہ اس کے لئے بینک ہی ہے کہ وہ اسے بینک کو فروخت کر دے کیونکہ بینک ہی باآسانی یہ حصہ خرید کر اپنے پاس ہولڈ کر سکتا ہے وہ یونٹس میں شریک ہونے والے کسی دوسرے شخص کو فروخت کر سکتا ہے۔

لہٰذا شرکت ختم کرتے وقت یونٹس بیچنے کی شرط کو اگر شرط فاسد نہ بھی لیا جائے تو اولاً تو شرکت / مضاربت کے معاہدے میں اس شرط سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ شرکت / مضاربت ایسی شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتی ہے ثانیاً یہ شرط نقصان دہ ہے شرکت ختم کرنے والے شریک کو اس سے بیچنے اور نہ بیچنے دونوں کا اختیار دینے کے نتیجے میں اس کو عملی طور پر یہ ہوگا بہرحال وہی جو اس شرط کو معتبر ماننے کے نتیجے میں ہوتا یعنی شرکت ختم کرنے والے شخص کے لئے ان یونٹس سے نکلنے کا عملی طور پر سہولت والا راستہ متعین وہ یہ ہے کہ اسے بینک کی مقرر کردہ قیمت پر بینک کے ہاتھوں فروخت کر دے، نتیجتاً اس شرط کو بہت زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں، یہ بینکوں کے معاملات کو جائز اور حرام ایسے معاملے کے قطعاً منافی ہے۔

علاوہ ازیں تنضیض کی صورت میں وہ اکاؤنٹ ہولڈر جو شرکت ختم کر رہا ہے، رب المال کا بھی نقصان ہے جو شرکت ختم کر رہا ہوتا ہے کیونکہ تنضیض کے بعد پتا چلتا ہے کہ مارکیٹ میں اونچے بھاؤ دام نیلام ہوں گے وغیرہ کے مصرف ہو اس پر حقائق سے ایک تجزیہ سے کا علم ہوا اور پھر نیا ان کے انتقالات کی حالت جب معلوم ہو سکی ہے کہ شریک سے بینک جب حصہ خریدتا ہے

۱۔ وہ کیپیٹل (Book Value) سے خریدتا ہے۔

۲۔ بینک اس وقت تک کے نفع کو بھی رب المال کو اس کی قیمت میں شامل کر کے دیتا ہے اس صورت میں نفع ہونے والے شریک کی طرف سے تنضیض کا مطالبہ اقرار / نفع وغیرہ اس الشرکہ کے سوا کچھ نہیں۔ خیرہ ہے کہ کسی ایسی صورت میں تقسیم کے مطالبہ کو یا مجبوراً رکھنا ہے جب شریک کا مقصد افتراق / تنضیض

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

غیر ہو گئے ہوں، یعنی جیسے کسی چیز کی تقسیم کے بعد اگر انتفاع ممکن نہ ہو تو شریک کا ایسے مشترک مال کے حصے میں اپنے حصے کو الگ کرنے کا مطالبہ فقہاء کے نزدیک باطل ہے جیسے کسی چھوٹے سے کمرے میں تین آدمی شریک ہوں اور ان میں سے ایک اپنا حصہ الگ کرنا چاہے، جبکہ سب کو معلوم ہے کہ تقسیم کی کے بعد وہ کسی کام کا نہیں رہے گا، سب شرکاء کا بھی نقصان ہے اور تقسیم کا مطالبہ کرنے والے خود اس شریک کا بھی"

(غیر سودی بینکاری بجواب الرشید ۱۳۶ تا ۱۳۸)

الجواب: حضرت ... نے مضاربت شروع ہونے کے بعد بعض شرکاء کا بعض یا کل رقم نکلوانا" اور عنوان "بیع" کے تحت ... بحث کرتے ہیں کہ بینک کا یہ شرط لگانا اپنے نفع اور رکاوٹ کو نقصان دینے کے لئے ہے، لیکن یہ عجیب مصلحت ہے جس کی وجہ سے ... اور ... والی بات وقتی نہ ہو سکی۔

یہاں ... سے کوئی چیز ... سوال ہے یا حرام ہے؟ قرآن کریم نے "إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ" (سورۃ النساء آیت ۲۹) ... کی شرط و قید کیوں لگائی؟ تمام حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیع کی تعریف میں ... مال کے ساتھ ... کی قید لگائی ہے، اس کا کوئی فائدہ ہے یا نہیں؟ یہ مصلحت عجیب ہے۔ ... یہ ... ان ... اسلامی بینکوں میں کتنی ہوتی ہیں؟ اور یہ ... سے مسلمانوں کو ... الزام ... ہیں؟ اور ... کی صورت کیا ہے؟ ... حرام ہے ... !!!

... :

"... شریک سے بینک اپنا حصہ خریدتا ہے۔

۱۔ ... (Book Value) ... پر خریدتا ہے۔

۲۔ بینک اس وقت تک کا نفع بھی ... مال کو اس کی قیمت میں شامل کرکے دیتا ہے الخ"

(غیر سودی بینکاری بجواب الرشید ۱۶۱)

یہ کیسا عجیب بات ہے ... آپ ... کے لئے تیار نہ ہوں گے، کیونکہ روزانہ ... کے ... تقسیم کرتے ہیں ... ہوتے ہیں، کیا ایسی صورت میں روزانہ ... کا حساب کر کے ... ممکن ہے؟ ... کسی ایک شریک کو یہ بتلایا گیا ہے کہ آپ کے حصے کی مارکیٹ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

میعاد کے حساب سے اتنی قیمت بنتی ہے جس کی وجہ سے آپ کو اصل سرمایہ کے ساتھ ساتھ اتنا نفع بھی دیا جا رہا ہے؟

ایک سوال یہ بھی ہے کہ بینک مجوزین نے توجہ دی کہ جو زیادہ مدت والا اگر جلدی رقم نکلواتا ہے تو ہم تکمیل مدت کے حساب سے نفع تقسیم کریں گے زیادہ مدت کے حساب سے جو زیادہ نفع اب تک لے چکا ہے وہ بھی واپس لیتے ہیں۔ اگرچہ حضرات اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ نفع تقسیم نہیں ہوتے تھے بلکہ اس کے حساب سے اس کا حصہ کم قیمت میں خریدتے ہیں۔ یہ حال وطبعی جو دونوں باتیں صرف ہوائی باتیں ہیں، ان پر بینک کے لئے عمل ممکن ہی نہیں۔

یہ مسئلہ بھی دیکھنے سے خالی نہیں ہے اور اصل کو قوی ہونے کے لئے کافی ہے۔

اس پر بعض فقہاء مجوزین حضرات ان بینکوں سے یہ باور شرط ختم کروائیں، کیونکہ عام لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ شرط درست ہے اور جو ادارے کوئی اپنا معاہدہ کرتے ہیں، اس لئے اس شرط کے ہوتے ہوئے کام اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہوئے چلتے ہیں اور جن کو علم بھی ہے وہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ شرط شرعاً لغو ہے اور بینک تو شریعت کو نہیں مانتا اور وہ شرعی بات جس میں بینک کا نقصان ہو جائے کا ذمہ دار ہے۔ (ورنہ رفقاء دار الافتاء بینک کو پاک کرنے کی اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے بینک کو یہ مشورہ دیتے کہ یہ شرط لغو ہے یا نہیں؟) اس لئے یہ لوگ بھی اپنے حصے کو بینک کے پاس محفوظ سمجھتے ہیں۔

بینک اس شرط کو ختم کر کے اپنا نقصان نہیں کر سکتا، وہ جانتا ہے کہ اس شرط کے لاگو کرنے کی صورت میں حضرات کی ... (بینک) تو خوب سمجھتا ہے کہ اس شرط سے محروم ہونے کی صورت میں اس کا بہت بڑا نقصان ہے، کیونکہ مثلاً وہ شخص جس نے دس لاکھ روپے دس سال مدت کے لئے جمع کرائے ہیں پانچ سال تک نفع لیا ہے، اگر پانچ سال کے بعد کسی دوسرے پانچ سال تک دس لاکھ روپے رکھنے کے بجائے اپنا حصہ فروخت کرے گا تو اس کو دس سالہ ڈیپازٹ کے حساب سے زیادہ نفع ملے گا، بینک اس شرط کی وجہ سے اس کو اپنا حصہ فروخت کرنے سے بھی زیادہ دیا ہوا نفع واپس کر کے خود لے لیتا ہے اور دوسرے کے لئے پانچ سالہ مدت کے حساب سے نفع تقسیم کر کے دس سالہ ڈیپازٹ کے حساب سے زیادہ نفع سے محروم کر کے بینک کو زیادہ نفع ملے گا، اس طرح اس شرط کے ذریعے

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سے دوری تقویٰ کے قریب تر ہے۔

تنبیہ: معروف اس کو کہتے ہیں کہ یہ شرط شرعاً لغو اور فاسد ہے اور اس سے شرکت و مضاربت پر کوئی اثر نہیں پڑتا (اگرچہ بینک اس کے ساتھ شرعی طریقے کا معاملہ کرتے ہوں) حضرات مجوزین علماء کرام بری الذمہ ہوجائیں گے؟ اور کیا اس قسم کی شرط والا عقد مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟

حضرات مجوزین علماء کرام کے ذمہ لازم ہے کہ بینک کو اس لغو اور فاسد شرط والا بینک کو مشورہ دیں اور اگر بینک ایسی شرط لگانے پر مصر ہو تو پھر یہ حضرات اپنی شرعی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے اس کی شرائط کے لغو اور بے جوڑ ہونے کا واضح کریں ورنہ ایسے بینکوں سے برأت کا اعلان کردیں تاکہ ان کے وقار پر حرف آنے سے بچ سکیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حضرت مولانا مفتی مختار الدین شاہ صاحب کی کتاب

"بلا سود بینکاری" پر تبصرہ

حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین صاحب مدظلہ کی کتاب "بلا سود بینکاری" میں کیا ہے؟ اور حقیقت کیا ہے؟

اس سلسلے میں گزارش ہے کہ درج ذیل امور پر غور کیجئے اور خود حضرت مفتی صاحب کی دیانت، تحقیق اور اصول تحریر کی پاسداری کا اندازہ لگائیے اور فیصلہ کیجئے کہ یہ کتاب دیانت پر مبنی ہے یا نہیں؟ اس میں تحقیق اور استدلال کا معیار ہے یا اس کے خلاف؟ اس میں اصول تحریر کو ملحوظ رکھا گیا ہے یا ان کو پامال کیا گیا ہے؟

(۱) کتاب "بلا سود بینکاری" میں جو بنیادی بات جگہ جگہ غیر مصدقہ ہوتے ہیں اس سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ اسلامی بینکاری کا جو خاکہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے تیار کیا ہے یہود و نصاریٰ اس کو قطعاً قابل عمل نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے مقاصد کے خلاف ہے کیونکہ اسلامی بینکاری کے خاتمے اور احیاء کا موجب کیوں ہے؟

ذیل میں اس کا جواب مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب (یہ مجیب ہیں) کی تحریر سے ظاہر ہے کہ وہ یہودی ہے۔

اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کیوں ہوئی کہ یہ مغربی دنیا اس سے ناراض کیوں ہو گئے؟

اگر موجودہ اسلامی بینکاری نظام ان کے مقاصد سے متصادم ہوتا تو یہود و نصاریٰ کے ممالک میں اس کی اجازت نہ ہوتی، یہود و نصاریٰ اپنے بینکوں میں اس کے شعبے نہ کھلواتے، اپنے ملکوں میں ان بینکوں کو اجازت نہ دیتے۔

"یہود و نصاریٰ اسلامی بینکاری" سے متعلق ہونے والی کتاب میں لکھا ہوا ہے:

آج مغرب اسلامی بینکاری و اسلامی معاشیات کو یونیورسٹیوں و تحقیقاتی اداروں میں فروغ دے رہے ہیں، وہ اپنے بینکوں میں بھی اسلامی ونڈو (Islamic Windows) کھول رہے ہیں، خود حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ اسلامی طریقہ ہائے تمویل (Modes of Financing) پر آج کل مغربی ممالک میں "اسلامی بینکنگ" کے عنوان سے بھی قابل قدر ریسرچ ہو رہی ہے اور ان میں سے بعض کی تائید میں مغربی مصنفین کے مقالات بھی آ رہے ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سوال یہ ہے کہ اہل مغرب کو پورے اسلام میں صرف مروجہ طریق تمویل (Financing Modes) ہی کیوں اچھے لگتے ہیں؟ کیا اسے اسلامی بینکاری کی نمایاں کامیابی کہنا چاہئے کہ اسے مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم بھرپور دلچسپی کے ساتھ قبول کر رہے ہیں جو سرمایہ دارانہ نظام کی حامل بینکاری؟

حیرت کی بات یہ ہے کہ غیر مسلم ملک "سنگاپور" کراچی شہر جتنا ملک بھی نہیں ہے اور "انڈونیشیا" مسلمانوں کا سب سے بڑا ملک ہے مگر مروجہ اسلامی بینکاری سنگاپور میں زیادہ اور انڈونیشیا میں کم ہیں۔

(مروجہ اسلامی بینکاری ۸۸، ۸۹)

یہ اعتراض تو مروجہ بینکاری پر حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب سے بہت خوش ہے کہ ہمارا مرتب کیا ہوا وہ نظام جس کو دوسرے اہل علم نے رد کیا ہے آپ نے اس کو غضب یہ ان پے چلایا۔

حقیقت کیا ہے؟

اصل حقیقت کے علماء کرام کی بیرون ملک کی روداد، جو اردو ترجمہ تحریر میں ملاحظہ فرمایئے۔ یہ تحریر برطانیہ کے محقق اور تحریر یہ متعدد علماء نے حضرت مفتی حبیب اللہ صاحب کو ارسال کی ہے۔

﴿برطانیہ سے متعدد علماء کرام کی تحریر بنام مفتی حبیب اللہ صاحب﴾

از یعقوب احمد مفتاحی، لندن

باسمہ تعالیٰ!

محترم جناب حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد سلام مسنون خیریت طرفین مطلوب ہے۔ ہم لوگ عرصہ دراز سے "اسلامک فائنانس" کے حوالے سے یہ سنتے آ رہے تھے کہ مفتی تقی عثمانی صاحب کی رائے کے بالمقابل "متفرق رائے و فیصلہ" کا اظہار دوسرے علماء نے کیا ہے لیکن محسوس ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کی ذاتی رائے سے علماء پاکستان کی رائے تحریر میں مخصوص ہے جس میں ... کر کے سودی کاروبار کو "اسلامک حلال فائنانس" کا نام دے کر مشتہر کیا جا رہا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

الحمد للہ کہ پچھلے دنوں میرے دوست جناب الحاج کے حضرت مولانا موسیٰ کرماڈی صاحب نے مجھے آپ کی تحقیقی کتاب "تفسیر" ارسال کی۔ ——— "علاوہ قرآنی بصیرت کے آپ کی محنت، جانفشانی اور دل کی گہرائیوں سے حضرت کے بیان کی تشریحات کو بھی سمجھنے کی کوشش کی کہ آپ نے قرآن و نبی اکرم ﷺ و تعلیماتِ امت کا حق ادا کر دیا۔

فجزاک اللہ خیر الجزاء واحسن الجزاء عنہم وعن امۃ المسلمین خصوصاً من علماء الدین

ہمدردی "اسوۂ حسنہ قرآن" کے حوالے سے پریکٹس کی ہے کے متعلق دو واقعات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں۔

کچھ سال قبل سے یہاں یورپ میں خصوصاً برطانیہ میں "حلال چیکنگ" کے نام سے نہ صرف متدین مسلمانوں نے بلکہ غیر مسلموں نے بھی اس مہم کو ... معلوم نہیں اس کے پیچھے کیا محرکات تھے؟ وہ مجھے اس وقت یاد نہیں تھے مگر اس وقت اس حوالے سے یہاں کی دینی شخصیات خصوصاً علماء جو کلی طور پر تنظیمی طور پر متحرک تھے اس حوالے سے ان کی محنت سے ... پاک ... ہے، مطمئن نہ تھے اور نہ اب ہیں۔

یہاں بھی ایک واقعہ مجھے پیش آیا ... "دعوۃ الفقر" مرکز کے حوالے سے ایک گروہ کے نمائندہ نے برطانیہ میں مختلف مجلسوں کے بعد ... کے غیر مسلم نمائندوں سے ملاقات کی جس میں وہ مجھے بھی ساتھ لے گئے ... اس کے بعد ہماری ملاقات و سوال جواب ہوئے، یہ اجلاس انگلینڈ کے ایک شاندار ضلع کی ... میں ہوا۔ اس اجلاس کے حوالے سے یہ بات بڑی عجیب تھی کہ "اسلامک ..." ... غیر مسلم نمائندہ "مسلمانوں" سے مخاطب تھا وہ خود کو اسلامیات میں ... اس وقت ... اتفاقی ... جب ایک متدین شخص نے جرأت و مباحثہ کے دوران اس سے کہا کہ جب آپ اسلام کے حوالے سے ... حلال اور حرام کی بات کرتا ہے تو ...

اس اجلاس کے بعد ... کے غیر مسلم نمائندے نے بار بار مجھ سے رابطہ کیا ... برطانیہ میں ... کی تحریک ... پارٹی کو قسمت ... غیر مسلم نمائندوں کو برطانوی ... میں ... اس کے مسائل ...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہو گئے۔

قرآن کورس میں [illegible] کے اجلاس [illegible] "تحفظ ختم نبوت" کا دو گھنٹے کا وقت بھی موجود تھا اس نے جب مجھے پیچھے بیٹھے ہوئے دوسرے ساتھیوں کے سامنے بخوشی میرا تعارف کراتے ہوئے کہا تھا کہ یہ شخص سخت جان ہے اس نے مجھے بہت سی کوششوں کے باوجود ملنے کا وقت نہ دیا" اس پر میں نے ساتھیوں کے سامنے ہی کہہ دیا کہ "آپ جیسے حلال سود کے قائل حضرات کے ساتھ مجھ سے کیا گفتگو ہو سکتی تھی؟ اسے میں خود یقین کی حد تک حلال نہیں جانتا تو آخر کیسے میں آپ سے ملوں اور گفتگو کا وقت دوں؟ اور دوسروں کو بھی دعوت کروں؟"

[illegible] کے [illegible] سے اپنے اربوں کھربوں کی دولت کو باہر نکالنے کے حوالے سے [illegible] نہ صرف [illegible] بلکہ خود حکومت بھی اس میدان میں کود پڑی تھی کہ [illegible] حلال [illegible] کے قابل میں ہے اس ضمن میں یہ ہوا کہ اچانک حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے [illegible] کے تحت میں [illegible] سے شروع ہوئے اور آپ نے "مضاربہ کو حلال [illegible] شروع کر دی اور اس پر پورا زور لگا دیا۔

ہم نے [illegible] سے مفتی صاحب کو [illegible] کے طور پر اس غیر اسلامی حرکت اور سود کو حلال کرنے کی مہم جوئی سے [illegible] سے [illegible] کے [illegible] سے وہ سال پہلے تا ۲۰۰۳ء کے فروری میں مفتی صاحب [illegible] ——— [illegible] میں ایک ہوٹل میں مقیم تھے [illegible] کی شان کر خود ان کی طرف سے [illegible] حضرت مولانا موسیٰ [illegible] صاحب [illegible] ہوٹل چلے گئے جہاں تقریباً دو گھنٹوں سے زیادہ ملاقات رہی۔

یہاں یہ بھی [illegible] کہ یہ ملاقات [illegible] مفتی صاحب کی طرف سے ہمارے [illegible] اور [illegible] کے ساتھ [illegible] مطالبات اور ان کی تفصیلات کے متعلق دو ٹوک [illegible] کے حوالے سے تھی [illegible] حضرات نے مفتی صاحب کو [illegible] ایک اجلاس میں فیصلے کے لئے [illegible] ——— اور [illegible] کے [illegible] فیصلہ کر دیں گے مگر اللہ کا کرنا کہ اس دوران [illegible] کتاب [illegible] "[illegible]" کا پہلے ہی مطالعہ کر چکے تھے [illegible] کہ موصوف نے مجھے اس ملاقات میں [illegible] کہ میں نے آپ کی کتاب [illegible]؟" [illegible] بہر حال [illegible] کے حوالے سے آج تک آپ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

نے آپ سے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ جب ہم نے اپنی دوسری انگلش کتاب (فجر اور عشاء کے اوقات برطانیہ میں) کا حوالہ بھی دیا اور بتایا تھا جو ہمارے کتاب سے مختلف اندازے غیر مسلم ماہرین کے حوالوں سے درجات کے اوقات اور حقیقی اوقات میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے صرف ان اوقات کو غلط بتانے سے گریز ہے

بہرحال اوقات کے حوالے سے جب بات پوری ہوگئی تو میں نے اس حوالے سے اسلامک اکیڈمی کے متعلق وضاحت کر دی اور بتایا کہ ان کا موقف اور ان تمام طریقوں پر عدم اطمینان کا کھل کر اظہار کیا، کیونکہ مفتی صاحب مطالعہ پر بھی یقین رکھتے ہیں (شاید) اس لئے قائدانہ طور پر مختلف تھے، آپ نے محسوس کر لیا اور حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے جو جواب آپ نے دیا وہ قابل اعتراف ہے اور وہ جس نام اور تجارت کے طریقوں سے اسلامک حوالوں کو پیش کرتے ہیں وہ بھی قابل اعتراض ہیں بلکہ اب تو اسلامک بینک بھی مفتی صاحب کی کاوشوں کے نتیجے میں وجود میں آ رہے ہیں اب ان کی شاخوں کے ملک بھر میں کھلنے کے دن قریب ہیں اور ساتھ ہی بہت سارے بینک بھی اسلامک بینکنگ کے نام سے اپنے شعبوں میں کام کر چکے ہیں، زیادہ تر آپ ہی کے مریدوں میں اور شاگرد بھی ہیں، بہرحال آپ نے جو ارشاد فرمایا کہ یہاں اسلامک اکیڈمی کی بات کر کے بھی ناممکن تھا چونکہ حکومت نے ــــــــــ قوانین بھی بنا رکھے ہیں (اس سے ثابت ہوا کہ موصوف خود بھی مطمئن نہیں تھے) اس پر بھی مزید بحث کا موقع نہیں تھا، آپ نے اپنی کتاب میں کافی تفصیل سے ان کے اس قسم کے مختصر جوابات تحریر کیے ہیں۔

بہرحال مصنف نے معروف اسلامک اکیڈمی میں اپنی ذاتی رائے کو داخل کیا اور اب یہاں مرتب حد پانے کے بعد اس میں سے ابھی تک کوئی حتمی شکل نہیں بن سکی تاہم وہ جس طرح اسلامی نصوص و قواعد کی روشنی میں تحقیق کر رہے ہیں اور اب مفتی صاحب کے اس کی طرح ان کے بیان کی راہیں خود موصوف کے قبل کے بعد بھی ممکن ہو سکیں گی۔ انشاء اللہ ان شاء اللہ تعالیٰ

دوسرا اسلامک اکیڈمی کا مسئلہ ہے جس میں اوقات نماز کے علاوہ رؤیت ہلال کا مسئلہ بھی ہے کہ موصوف سے ملے تو معلوم ہوا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بھی برخلاف اسلامی فقہ و چودہ سو سال سے قائم مسلک رؤیت ہلال کے بارے میں مولانا کی رائے کے مطابق بات کرتے چلے آ رہے تھے، میری اس ملاقات میں حضرت نے اس مسئلے میں بھی تحقیق پر زور دیا اور اوقات کے مشاہدات کی طرح آج بھی رؤیت ہلال کے رصد گاہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

حصولِ وقت کے مختلف اوقات کی اور خود میں نے اپنے ذاتی مشاہدہ رویت ہلال بموقع حج مدینہ منورہ میں مسجد نبوی سے ہوئے کئی تجربات کا ذکر بھی شامل تھا جس کی مکمل تفصیل ایک خط کی شکل میں کئی صفحات پر مشتمل میں نے موقعت سے ایک مادہ محمد دستی بھی کر دی تھی جیسے کہ آپ کی چاہت تھی الحمدللہ ابھی وہ مادہ ہونے کا اسلوکے مسائل کے جواب میں ایک تحریری رویت ہلال کے سلسلے میں موصوف نے دیا ہے جس میں انہے نجومیوں سے مشروط کرنے کا ناجائز اور شہادت کو قبول کرنے کا جواز کہ ہے جس سے جدید سائنسی ترقیات سے مرعوب لوگوں کے لئے واضح پیغام دیا ہے کہ موصوف نے افسوس کہ اس کے جواب میں لکھا ہے کہ نجومیوں سے مشروط کیے ہوئے سوالات کا جواب ہے رویت ہلال کا مستحق ایک مستقبل ہے الحمدللہ یہ تو اداہ واضح ہے۔

نجومیوں سے مشروط کرنا کوئی نئی بات تو نہیں؟ کیونکہ آپ ﷺ کے زمانے میں بھی تو یہ علوم تھے اور یہود ان پر عمل کرتے تھے اور ان سے لیتے تھے آپ ﷺ نے ان کے خلاف کرتے ہوئے تو امت کے لئے فرمایا کہ نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب (الحدیث) تو اب یہ اجتہادی مسئلہ کیسے بن گیا؟ جبکہ ۱۴ سو سالوں تک اس پر امت نے اجماعی طور پر اس سے اجتناب کیا اور دور اول کے بعد خصوصاً عباسی دور میں جب یونانی و ہندی فلسفہ کی کتابوں کے تراجم عربی میں ہونے لگے تو فلکیات خصوصاً رویت ہلال اور اوقات نماز پر بحث و مباحثہ کا غیر ضروری سلسلہ اسلامی معاشرے میں شروع ہو کر اب تک چلا آ رہا ہے جس میں خصوصاً علماء امت نے اس پر عمل کو رد کر دیا ہے اس لئے موصوف کی ضروری تحقیق کو نیوں کے حوالے سے ہیں اور کچھ نئی تحقیق پر مبنی ہیں لہٰذا خصوصاً یہ مسائل۔

ہم نے الحمدللہ آپ کی کوششوں پر جائزہ لینے کے حوالے سے یہ چند باتیں لکھی گئی ہیں جو تحقیقی کو مخاطب بھی ہے کوئی بھی ہو یہ اگرچہ ابھی تک کتابت ہے اگرچہ اس کی ذیل پر ہے اگر ضرورت ہو تو روانہ کر دوں کا تعلق ان سے ہو تو بھی ان ساللہ تعالیٰ مفتی تقی صاحب کو ہمت عطا فرمائے کہ وہ ان مسائل کو مکمل کر کے حق بیان کر دیں کہ امت کی اس مسئلے میں مکمل رہنمائی ہو سکے۔ فقط

والسلام مجیب احمد صدیقی

جامعہ العلوم الاسلامیہ کے مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے ممبر (جمعیۃ العلماء و حزب العلماء یو کے)

مورخہ ۲۵ رجب ۱۴۱۹ھ ۱۵ نومبر ۱۹۹۸ء بروز اتوار

نوٹ: اس تحریر سے متفق ہیں محترم حضرات شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب زید مجدہم

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے وہ بچ ہی نہ سکے ہیں۔

(۲) کتاب "دیوبندی بریلوی" میں علماء حق کے کئی اقوال اور متقدمین محققین کرام رحمہم اللہ پر بہت بڑا الزام لگایا گیا ہے اور ان کے خلاف دو آیتیں اور ایک حدیث پیش کر کے ان کا مصداق ان پاکیزہ نفوس کو ٹھہرا دیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"نہ جانے معلوم نہیں کیوں یہ بات ہماری جماعت کے بعض بااثر افراد کو کیا نظر آگئی کہ ان کی طرف سے ایک بڑی تعداد میں بغیر تحقیق الزامات دیکھنے میں آ رہا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک تو یہ حضرات قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (سورۂ اسراء آیت ۳۶)

اور جس بات کی تجھے تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑ (بلکہ آنکھوں کانوں اور عقل سے کام لے کر تحقیق کر لیا کرو) بے شک کان آنکھ اور دل ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (سورۂ حجرات آیت ۶)

اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لو۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع

"آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بلا تحقیق کے بیان کرے۔"

(حدیث)

ان واضح تعلیمات کے باوجود محض سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے علماء و مشائخ کی تحقیر و تذلیل جیسے بدترین گناہ کا ارتکاب ان سے ہوتے رہتے ہیں۔

دوسری نظر آنے والی بات یہ ہے کہ یہ حضرات صرف اختلافی مسائل ہی میں حد سے تجاوز نہیں کرتے بلکہ عموماً توحید کے اثبات میں بھی ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ شرک و بدعت جیسے سنگین مسئلہ بنا دیتے ہیں پھر ان کے پردہ میں اپنے مسلک کے ان علماء و مشائخ کو بھی جن سے اللہ تعالیٰ کوئی دینی کام لے رہا ہے تحقیر و

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

[illegible] کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خصوصی اور عوامی تقریبات اور اجتماعات میں ان کو نشانہ بناتے ہیں اور جس مسئلے میں کوئی شخص ان سے اختلاف کرتے ہیں تو وہ [illegible] والے کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ گویا ان کی بات اور رد سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات اور حکم ہے اور جو اس کو قبول نہ کرے وہ گویا اسلام سے خارج ہے۔ اس کے بارے میں ہمارے پاس کافی شواہد موجود ہیں جن کا ذکر کرنے میں ہم مناسب نہیں۔" ([illegible])

تجزیہ: اس عبارت میں یہ الزام لگائے گئے ہیں۔

ایک الزام یہ کہ ان علماء و مفتیان کے نزدیک [illegible] قرار دیا ہے۔

دوسرا الزام یہ کہ اختلافی مسائل میں یہ علماء اپنی حد سے تجاوز کرتے ہیں اور معمولی نوعیت کے مسائل کو بھی [illegible] کی خاطر [illegible] کرتے ہیں۔

حقیقت کیا ہے؟

موجودہ [illegible] کے خلاف فتویٰ دینے والوں میں ایسے جید اور پاک طینت علمائے کرام [illegible] کو اس فیصلے پر مجبور کرتا ہے [illegible] لکھنے والا محقق [illegible] کا شکار ہو گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ [illegible] کے سلسلے میں [illegible] ان کے دوران [illegible] کی روشنی میں موجودہ [illegible] نظام کو خلاف شرع سمجھتے ہیں۔

لہٰذا [illegible] کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ایسے ہی اسلام کے نام پر [illegible] (خواہ [illegible] اور اجتماعی طور پر ہی کیوں نہ ہو) ابھی کوئی معمولی مسئلہ نہیں [illegible] اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف میدان جنگ میں آ کھڑا ہونا ہے۔ ایسے [illegible] قطعیہ سے [illegible] جن میں [illegible] الزام [illegible] ہو گئی ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حضرت مفتی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: ہمیں معلوم نہیں کہ اس پالیسی کی وجہ معاملات الخ

جب معلوم نہیں تو الزام کیوں لگایا؟ فتویٰ دینے والے اسی ملک میں رہتے ہیں ان سے جا کر معلوم کر لیتے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ولا تقف ما لیس لک به علم کا الزام دیا جا رہا ہے کہ وہ بدون علم اور تحقیق کے فتویٰ دیتے ہیں جبکہ خود اقرار کر رہے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں تو بدون علم و تحقیق کے رسالہ کیوں لکھا گیا؟ کیا یہ بدون علم کے لکھنا نہیں تھا؟

(۴) اس کتاب میں کئی جگہ مختلف پیرایوں میں علماء کرام اور اہل امت کے اہل علم کے اخلاص پر حملہ کیا گیا ہے ۔۔۔۔ لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ فقہی مسائل میں فقہی بصیرت رکھنے والوں کا اختلاف فطری بھی ہے اور یہ کوئی نئی بات بھی نہیں بلکہ ہر دور میں اختلافات پیدا ہوتے رہے ہیں اور یہ اختلاف کوئی نقصان دہ بھی نہیں بلکہ اگر یہ اختلاف دیانت اور اخلاص پر مبنی ہو اور اعتدال میں ہو تو یقیناً امت کے لئے باعث خیر و رحمت ہے۔ لیکن جب اختلاف کا مقصد حق کی تلاش کے بجائے دوسرے کی تنقید و تحقیر ہو یا اس اختلاف کا مقصد اس فانی دنیا کی مال و دولت کا حصول ہو یا دیانت اور اخلاص کے بجائے ضد سے زیادہ اصرار اور منوانے اور دوسروں کی بات نہ ماننے کا جذبہ کارفرما ہو تو یہ اختلاف یقیناً شر و فساد اور افتراق و انتشار کا سبب بنتا ہے۔

اسلاف امت نے اختلاف رائے کو اپنی حدود میں رکھا، ان میں اخلاص و للہیت تھی اور ان کا مقصد تحقیق حق اور طلب ثواب تھا، ان کے اختلاف سے امت کے لئے خیر کے پہلو پیدا ہوئے، ان پر حدیث کی روشنی میں ثواب ملتا ہے۔ (جدید معاملات کے شرعی احکام ص ۴۴)"

اقول: اس عبارت میں بالواسطہ کئے گئے ایسے علماء کرام (جن کی دیانت، اخلاص اور علم پر لوگوں کو شاید کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے بھی زیادہ اعتماد ہو) پر عدم دیانت اور عدم اخلاص کی تہمت لگائی گئی ہے اور ایسے لوگوں پر عدم دیانت اور عدم اخلاص کی تہمت لگانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ پھر ان کے دل کس نے دیکھ لئے اور وہ کیسے معلوم ہو گئے کہ وہ دیانت اور اخلاص سے خالی ہیں؟

حقیقت کیا ہے؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ ان بعض حضرات میں سے کئی حضرات جو اخلاص و دیانت میں اور جنہوں نے "تحفظ بالظن حسن ظن" کے تحت جن سے حسن ظن کا حکم ہے، انہوں نے بینک کے خلاف فتویٰ دیا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جائے کہ پورے فتوے کے بعد ہم پر کیسے کیسے الزامات لگائے اور کہاں کہاں سے اور کن کن جملوں سے اعتراضات کی بوچھاڑ کی گئی ہے۔ ان حضرات نے تحقیق کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو مدنظر رکھتے ہوئے پوری دیانتداری کے ساتھ ان حضرات سے فتویٰ لیا ہے۔

(۲) مروجہ اسلامی بینکاری میں لکھا گیا ہے:

"جب متفقہ فتویٰ یعنی فتویٰ کو دیکھتے کہ وہ کس قدر غیر متوازن اور غیر معتدل ہے اور اس فتویٰ کے بعض حصوں کو پڑھ کر ایک خالص مسلمان کی تشویش، افسوس اور دکھ بڑھ جاتا ہے۔

کیونکہ اسلامی بینکاری کا مسئلہ ایک علمی مسئلہ ہے، اس میں اخباری اور صحافیانہ انداز میں گفتگو سے بچنا چاہئے" (مروجہ اسلامی بینکاری ص ۳۰)

اقول: جناب نے ایک فتویٰ کی تحریر اور ساخت پر اس طرح تبصرہ کیا، کاش کہ آپ فتویٰ دینے والوں کے بھی اس بات پر اطمینان کر لیتے جو کہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے شائع ہونے والی کتاب "مروجہ اسلامی بینکاری" کو انصاف سے دیکھتے تو اس فتویٰ کو بھی غیر متوازن اور غیر معتدل نہ کہتے۔

کیا آپ کی نظر میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے مفتی حضرت مولانا حمید اللہ جان صاحب، جامعہ خیر المدارس ملتان کے مفتی حضرت مولانا عبد اللہ صاحب، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مفتی حضرت مولانا عبد المجید دین پوری صاحب، جامعہ اشرفیہ سکھر کے مفتی حضرت مولانا عبد الستار صاحب، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم کبیر والا کے مفتی محمد حسین صاحب، ... دارالافتاء ربانیہ کوئٹہ کے مفتی ... صاحب وغیرہم دامت برکاتہم اس فتویٰ میں یہ صلاحیت نہیں رکھتے، ایک زمانے سے ان حضرات کے اکثر اوقات فتویٰ نویسی اور تحقیقات میں صرف ہوتے ہیں۔

تعجب ہے کہ آپ بھائی کے ساتھ ان اکابر کے فتویٰ کو غیر معتدل، غیر متوازن، اخباری اور صحافیانہ انداز کیوں کر کہہ گئے؟ کیا کسی فتویٰ کو ... ہوں کہ یہ اس فتویٰ کے مطابق اخبار کی خبر ہو سکے؟ بعینہٖ مثل اخبار غیر مصدقہ ہوتے ہیں؟

حقیقت کیا ہے؟

الحمد للہ اس فتویٰ کے پیچھے دلائل کا انبار ہے جس کو علامہ بنوری ٹاؤن سے شائع ہونے والی کتاب میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیکھا جا سکتا ہے۔ زیر نظر کتاب میں بھی ان دلائل کی تھوڑی سی جھلک ان شاء اللہ تعالیٰ ملاحظہ فرمائیں گے۔ نیز "غیر سودی بینکاری" کی اس تحریر کو صحافیانہ اور اخباری انداز کی تحریر کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں اخباری تحریر کی طرح بے جا دعوے اور سطحی باتیں پائی گئی ہیں۔

(۵) آگے لکھتے ہیں:

"ان سب کے باوجود میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ سکالر اپنی حیثیت سے بڑھ کر کچھ عرض کرنے کی جسارت پر معذرت خواہانہ معذرت کے ساتھ ان علماء و مشائخ سے درخواست کرتا ہوں جنہوں نے بلا سود بینکاری کے بارے میں تمام انداز اختلاف کا اظہار کیا ہے اور جنہوں نے اس پر دستخط کئے ہیں کہ وہ اس فتویٰ پر نظر ثانی فرمائیں۔" (غیر سودی بینکاری ۲۲)

الجواب: یہ درخواست بے محل ہے کیونکہ آپ ان متعین حضرات پر جمہوری اور مشتمل دلائل قوی کی بے رخی سے کبھی ان حضرات کی خدمت میں تشریف لے جاتے، حقائق معلوم کرتے، اور مل بیٹھ کر غور و فکر کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کرتے تو کیا اتفاق کی صورت سامنے آتی جیسے ہو سکے اس زیر نظر کتاب کی طباعت سے پہلے ہی تمام علماء کو جمع کرنے کی کوشش کی، جس کی روئیداد بعنوان "بینکنگ کے مسئلہ پر اجتماعی غور و فکر کی کوشش کا کام کیوں ہوئی؟" کے تحت شائع ہو چکی ہے۔ اخباری تحریر میں سطحی اور نامناسب تبصرے کا اظہار کرنے کے بعد "درخواست" کرنے کا کیا حق ہے؟ یہ تو زیادتی معلوم ہوتی ہے۔

﴿"کیپ لیب ایشیا" کمپنی کی شرعی حیثیت﴾

اس کمپنی کے کچھ ممبران کی تحریریں ہیں جن میں سے مولانا ابوالحکم صاحب، مفتی اسامہ صاحب اور مولانا عبداللہ کوہاٹی صاحب کے نام بھی ہیں، جو کہ ادارہ کے ممبر ہیں۔

مجھ سے پہلے مفتی عبدالرؤف صاحب کی موجودگی میں اس کمپنی کے بارے میں بعض خلاف شرع امور کی شکایت موصول ہوئی تھی، جن پر مولانا صاحب نے اصلاح کا عہد بھی کیا تھا لیکن آج تک عملاً اصلاح کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کوئی صورت ہمارے سامنے نہیں آئی۔

اس تحریر کے ذریعے ہم دعوت اسلامی [illegible] حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو حرام کھلانے کے بجائے حلال کھلانے کا اہتمام کیا جائے اور اپنے کاروبار کو تمام خلاف شرع امور سے پاک کیا جائے اور عوام کا علماء پر جو اعتماد ہے اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے ورنہ مستقبل میں شدید نقصان کا اندیشہ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ متعلقہ [illegible] گزارش قبول کی جائے گی اور [illegible] سے متعلق مفاسد اور خلاف شرع امور کو آئندہ پیش نہیں ہونے دینے کی ضرورت پیش نظر رکھی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جنوبی افریقہ سے شائع ہونے والے مشہور اخبار ''THE MAJLIS'' کی تحریر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

MUAMLAAT

The Alternatives To The Riba System Exists

مشہور زمانہ مسلم شیخ عمر ابراہیم ویڈیلو جن کا تعلق ہسپانیہ سے ہے، نے اس مسئلے پر کہا کیا موجودہ نظام بینکاری کو اسلامی نام دیا جاتا ہے۔ کیا یہ اسلام کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے؟ کیا ان بینکوں میں جو اسلامی اصطلاحات استعمال کی جا رہی ہیں وہ اصول فقہ سے ہم آہنگ ہیں؟

اسی موضوع پر بحث کا نتیجہ انہوں نے اپنے ایک طویل مقالے میں جو کہ ڈاکٹر حمیرا انیس حمید کا مرتب کردہ ہے اور ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے، تحریر کیا ہے، جس کی روشنی میں انہوں نے یہ بات بغیر کسی شک و شبہ کے درست کی ہے کہ یہ محض ایک سود کو پروان چڑھانے کی کوشش ہے اور اس سے نہ تو وہ بینک اسلامی ہیں اور موجودہ دور کے اسلامی بینک اور عام بینک کے تمام معاملات ایک ہی اصول و قواعد کے تحت چل رہے ہیں۔

ہم نے ان کے اس مسودے میں سے اہم جزئیات کا عکس لے کر شائع کیا ہے مکمل مسودہ انگریزی زبان میں موجود ہے اگر کوئی مراجعت کرنا چاہے گا تو اس کو وہ مسودہ مکمل حوالہ کر دیا جائے گا۔ (محمد ہمایوں مغل)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تصویر کے حرمت قطعی ہونے پر تحقیقی مقالے

میری ذاتی دونوں حصے میں تصویر کی حرمت پر مدلل تحقیقات پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ چند علماء کرام بغیر کسی عذر کے ٹیلی ویژن پر مختلف قسم کے پروگرام میں آتے ہیں۔

مجھے اس بات کو دیکھتے ہوئے اس مسئلہ کو بھی علماء کرام نے مشاورت کے ذریعے حل کیا اور ہر قسم کی تصویر خواہ کیمرے کی ہو یا ہاتھ کی بنائی ہوئی ہو، ٹی وی کی ہو یا ویڈیو کی، ان تمام کو متفقہ طور پر حرام اور ناجائز قرار دیا۔

اس حصے میں ٹیلی ویژن کی بھی ہر طرح کی تصویر خواہ وہ رنگین ہو یا سادہ یا متحرک ہو یا ساکن سب کو شرعی طور پر حرام قرار دی گئی۔

اس حصہ میں کوشش کی گئی ہے کہ ہر قسم کے مضامین شامل کیا گیا ہے کہ اسلامی ویڈیو کی اور تصویر کی حرمت کا فیصلہ ایک ہی مجلس میں ہوا تھا اور دونوں قرار داد ایک ہی مجلس میں منظور کی گئی ہیں اس سے بہتر ہے کہ تصویر کی حرمت کو بھی نام نہاد اسلامی ویڈیو کے ساتھ ہی ختم کیا جائے۔

محمد ہمایوں مغل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقہی اور فنی دونوں اعتبار سے ڈیجیٹل کیمرہ اور اسکرین پر آنے والے منظر کے شرعی محرم اور تصویر ہونے کے دلائل اور اشبہ بالعکس ہونے کے شبہات کا مدلل رد

از

حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب دامت برکاتہم

رئیس دار الافتاء و مدیر

جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

مدنی کالونی گریکس ماڑی پور، کراچی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

انگریزی پڑھانے والے منتظم کا شرعی حکم

اس کے حکم سے قبل چند قواعد ذکر کئے جاتے ہیں تا کہ اس کا حکم بآسانی سمجھ میں آ سکے

قاعدہ نمبر (۱) :

وہ وصف جس میں کسی کے متصف ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی، جس میں عدالت اور صلاح دونوں ہوں تب وہ وصف متحقق ہوتا ہے

قال الصلاحيون رحمه الله تعالى: ثم شرع في بيان ما يعلم به أن هذا الوصف وصف دون غيره فقال: ودلالة كون الوصف علة صلاحه وعدالته، الخ

(نور الانوار، ص ۲۳۵)

قاعدہ نمبر (۲) :

حرام اور مباح جمع ہوں تو حکم حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: "إذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام" ومعناها إذا اجتمع محرم و مبيح ...... إلا غلب المحرم

(الاشباه والنظائر، ۱/۳۰۸)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قاعدہ نمبر (۳):

حکم اپنی علت حقیقی معنی پر موقوف نہیں ہوتا بلکہ حکم مجرد اسمی علت کے سبب پایا جاتا ہے۔

والسابع علة اسما وحكما لا معنى كالسفر والنوم للرخصة والحدث فإن السفر علة للرخصة اسما لأنها تضاف إليه في الشرع يقال القصر رخصة للمسافر وحكما لأنها تثبت بنفس السفر متصلة به لا معنى لأن المؤثر في ثبوتها ليس نفس السفر بل المشقة وهي تقديرية وكذا النوم الناقض للوضوء علة للحدث اسما لأن الحدث يضاف إليها وحكما لأن الحدث يثبت عنده لا معنى لأنه ليس بمؤثر فيه وإنما المؤثر خروج النجس، ولكن لما كان الاطلاع على حقيقته متعذرا وكان النوم المخصوص سببا لخروجه غالبا أقيم مقامه ودار الحكم عليه اهـ (نور الانوار: ۲۸۶)

قاعدہ نمبر (۴):

عدم قائل بالفصل بھی اجماع کی ایک صورت ہے۔

قال الملا جیون رحمه الله تعالى: والأمة إذا اختلفوا في مسألة في أي عصر كان على أقوال كان إجماعا منهم على أن ما عداها باطل ..... وهو أقسام، قسم منها يسمى بعدم القائل بالفصل (نور الانوار: ۲۲۳)

قاعدہ نمبر (۵):

حالت سابقہ اپنی حالت پر باقی رہتی ہے جب تک اس کے خلاف دوسری حالت پر صحیح دلیل سے ثابت نہ ہو۔

الأصل بقاء ما كان على ما كان (الاشباہ والنظائر ج اص ۱۸۷)

اليقين لا يزول إلا باليقين (الاشباہ والنظائر ... ج اص ۴۲)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قاعدہ نمبر (۲) :

احکام شرعیہ میں عرف اور عادت کا بھی شریعت میں اعتبار ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: والعرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قد يدار. وقال في المستصفى: العرف والعادة ما استقر في النفوس من جهة العقول وتلقته الطباع السليمة بالقبول، انتهى. وفي شرح التحرير: العادة هي الأمر المتكرر من غير علاقة عقلية انتهى

(شرح عقود رسم المفتی: ۳۷)

قاعدہ نمبر (۱) کی وضاحت :

اصول فقہ کی بعض کتب میں یہ بات صراحۃ موجود ہے کہ معلل بالنص کے حکم کی علت اس کے اندر پائے جانے والے تمام اوصاف میں سے صرف وہ وصف ہے جس میں دو (۲) باتیں ہوں، ایک عدالت اور دوسری اصالت۔

عدالت کا مطلب یہ ہے کہ بعینہ یہ وصف یا اس کی جنس بعینہ اس حکم نص یا اس کی جنس کے لئے قیاس سے پہلے ثابت ہو چکا ہو۔ (و تفصیلہ فی الکتب مذکورة)

اور اصالت کا مطلب یہ ہے کہ یہ علت آپ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام ؓ کی نقل منقولہ کے مطابق ہو۔

لہٰذا حکم منصوص کی علت صرف وہ وصف ہے جو ان دو باتوں پر مشتمل ہو، اس کے سوا دوسرے اوصاف تو علت نہیں بلکہ ان پر مدار حکم نہیں ہے۔

پس اگر کوئی فرع دیگر اوصاف میں اصل کے ساتھ شریک ہے لیکن صرف اس ایک وصف میں شریک نہیں جس پر حکم کا مدار ہے تو ایسی صورت میں اصل کا حکم اس فرع میں ثابت نہ ہوگا۔

اور اگر کوئی فرع صرف اس ایک وصف میں تو شریک ہے جس پر مدار حکم ہے باقی کسی بھی وصف

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

تصویر کی تعریف تو اس صورت میں اصل کا حکم اس فرق ذات میں ثابت ہوگا۔

اس لئے زیر بحث مسئلہ میں پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پر غور کیا جائے کہ جاندار کی شبیہ کی حرمت کی علت کیا ہے؟ اس حرمت کا مدار کس وصف پر ہے؟ پھر اسکرین کے منظر میں اس کو تلاش کیا جائے اگر ہے تو حرمت کا حکم ثابت ہوگا ورنہ نہیں۔

جاندار کی شبیہ کی حرمت کی علت اور اسکرین کے منظر کا حکم :

ماضی میں جاندار کی شبیہ کی چار قسمیں معروف جانی جاتی ہیں۔

(۱) مصوری اور مجسمہ (۲) تصویر (۳) عکس (۴) ظل اور سایہ

اب ان معروف شبیہوں کی ایک اور قسم، جو اسکرین پر ظاہر ہوتی ہے، وجود میں آئی ہے، اور ممکن ہے کہ مستقبل میں شبیہ کی کچھ اور اقسام بھی وجود میں آئیں جو اجسام لطیفہ جیسے ہوا وغیرہ پر ظاہر ہوں۔

لہذا اگر یہیں پر غور کر کے فیصلہ کیا جائے کہ شبیہ حرام کی علت کیا ہے؟ تو امید ہے کہ رہتی دنیا تک شبیہ کی جتنی بھی قسمیں پیدا ہوتی رہیں گی سب کا حکم معلوم ہو جائے گا۔

جاندار کی شبیہ سے متعلق احادیث مبارکہ اور ان کی شروح کے مطالعہ اور ان پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علت حرمت "مضاہاۃ" ہے۔ حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

تصویر سازی حق تعالیٰ کی صفت خاص کی نقالی ہے، مصور حق تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور صورت گری درحقیقت اسی کے لئے سزاوار اور اسی کی قدرت میں ہے کہ مخلوقات کی ہزاروں اجناس اور انواع اور ہر نوع میں اس کے بے شمار افراد ہوتے ہیں، ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، انسان ہی کو لے لو، مردوں عورتوں کی صورت میں نمایاں امتیاز، پھر عورتوں اور مردوں کے کروڑوں افراد میں ہر ایک کی شکل کی یہ شان نہیں ہوتی، اپنے کھلے ہوئے امتیازات ہوتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو کسی تامل اور غور و فکر کے بغیر ہی امتیاز واضح ہو جاتا ہے، یہ صورت گری اللہ رب العزت کے سوا کس کی قدرت میں ہے، جو انسان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کسی جاندار کا مجسمہ یا نقش اور عکس سے اس کی تصویر بناتا ہے وہ گویا عملی طور پر اس کا مدعی ہے کہ وہ بھی صورت گری کر سکتا ہے۔ اسی لئے صحیح بخاری وغیرہ کی احادیث میں ہے کہ قیامت کے روز تصویریں بنانے والوں کو کہا جائے گا کہ جب تم نے ہماری تخلیق کی نقالی کی تو اس کو مکمل کر کے دکھاؤ، اگر تمہارے بس میں ہو کہ ہم نے تو صرف صورت ہی نہیں بنائی اس میں روح بھی ڈالی ہے، اگر تمہیں اس تخلیق کا دعویٰ ہے تو اپنی بنائی ہوئی صورت میں روح بھی ڈال کر دکھاؤ۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۲۷۰)

عن عائشة رضي الله تعالى عنها عن النبي ﷺ قال: أشد الناس عذابا يوم القيمة الذين يضاهون بخلق الله. متفق عليه

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالى: يضاهون ..... و المعنى يشابهون بخلق الله أي يشابهون عملهم التصوير بخلق الله، قال القاضي: أي يفعلون ما يضاهي خلق الله أي مخلوقه، أو يشبهون فعلهم بفعله أي في التصوير و التخليق (المرقاة ج ۸ ص ۲۷۱)

و قال رحمه الله تعالى تحت حديث ابن مسعود رضي الله عنه أشد الناس عذابا عند الله المصورون متفق عليه (بعد ذكر الاختلاف بين الجمهور و الامام مجاهد) ...... قال (أي مجاهد) و بالمضاهاة بخلق الله، قلت: العلة مشتركة. (المرقاة ج ۸ ص ۲۷۲)

اہم اعتراض:

اب صرف یہ بات توجہ طلب باقی رہتی ہے کہ یہ "مضاہاۃ" جس طرح مجسمہ اور تصویر میں ہے اسی طرح غیر جاندار اشیاء میں بھی ہے جیسے شجر و حجر کو کسی نے ناجائز نہیں کہا، تو حکم میں فرق کیوں؟

جواب:

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف ان امور کا مکلف بنایا ہے جو اس کے اختیار میں ہوں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

چونکہ عکس اور ظل میں انسان کی صنعت اور اختیار کو کچھ بھی دخل نہیں، کوئی شخص جب بھی پانی یا کسی شیشہ وغیرہ کے مقابل جاتا ہے تو خود بخود اس کا عکس بن جاتا ہے۔

اس وجہ سے یہ تشبیہ محرم سے خارج ہیں۔ اور مجسمہ اور تصویر دونوں امور اختیاریہ میں سے ہیں ان میں انسان کی صنعت کا دخل ہے، اس وجہ سے یہ دونوں تشبیہ محرم میں داخل ہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ وہ مصنوع جس میں انسان کی صنعت و اختیار کا دخل ہے وہ تشبیہ محرم کی علت ہے، لہٰذا جہاں یہ علت موجود ہوگی وہاں حرمت کا حکم ہوگا ورنہ نہیں۔

چونکہ روایات میں غیر جاندار کی شبیہ کو تشبیہ محرم سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اس وجہ سے اس کی صنعت کو بھی جائز رکھا ہے، غیر جاندار کی شبیہ کی صنعت کو کسی نے ناجائز نہیں کہا۔

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالى: ثم الشجر و نحوه مما لا روح له فلا تحرم صنعته ولا التكسب به، هذا مذهب العلماء الا مجاهدا فانه جعل الشجرة المثمرة من المكروه (المرقاۃ ج۸ ص۲۴۷)

اور یہی وجہ ہے کہ اصطلاح شریعت میں مجسمہ، تصویر اور عکس و ظل کی تعریفوں میں انسانی صنعت و اختیار کے معنے موجود ہونے کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ تمثال کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والتمثال اسم للشيء المصنوع مشبها بخلق من خلق الله تعالى
(تفسیر قرطبی ج۱۴ ص۲۵۹)

اس میں "المصنوع" کی صراحت ہے لہٰذا یہ وہ مصنوع ہے جو انسان کی صنعت و اختیار کے بعد وجود میں آتا ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ مصور کی تعریف میں فرماتے ہیں:

المصور هو الذي يصور اشكال الحيوان (الکرمانی ج۸ ص۱۳۸/۲۱)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تصویر" کا یہی انسان کی صنعت و اختیار کی طرف اشارہ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقوله: "كخلقي" التشبيه في فعل الصورة وحدها لا من كل وجه (فتح الباري ج ۱۰ ص ۳۸۵)

اور حدیث:

(لم يكن يترك في بيته شيئا فيه تصاليب ﷺ ... (وفي رواية تصاوير) ... قوله: (إلا نقضه)

کے تحت لکھتے ہیں:

قال ابن بطال: وفي هذا الحديث دلالة على أنه ﷺ كان ينقض الصورة سواء كانت مما له ظل أم لا، وسواء كانت مما توطأ أم لا، سواء في الثياب وفي الحيطان وفي الفرش والأوراق وغيرها. (فتح الباري ج ۱۰ ص ۳۸۵)

قال النووي رحمه الله تعالى: قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر، لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال، لأن فيه مضاهاة بخلق الله تعالى وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس أو إناء أو حائط أو غيرها.

(شرح صحیح مسلم للنووی ج ۲ ص ۱۹۹، رد المحتار الشامیہ ج ۱ ص ۶۴۷، فتح الملہم)

تنبیہ:

بعض حضرات نے تصویر کی تعریف میں آنے والے لفظ (نحوها) سے نکتہ کو دیکھ کر اس پر استدلال کیا ہے کہ یہاں جو "نحوها" کہا گیا ہے اور "نحوه" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تصویر جب کہیں گے جب وہ کسی ٹھوس جسم پر منقش ہو جائے۔

حالانکہ: المعجم الوسيط کی تعریف مذکورہ میں "على لوح أو حائط أو نحوها" کہا اور "و نحوها" کو "لوح" اور "حائط" تک محدود سمجھنے والے جو تعریف سے خارج ہو جائیں کیونکہ اس میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

عکس بھی تصویر نہیں ہے۔ لہٰذا کسی جاندار کی اصل صورت و شبیہ و عکس کو جب تک کسی چیز پر نقش و منقش نہیں کرلیا جائے گا یعنی قائم و پائیدار نہیں بنا دیا جائے گا اس وقت تک اس پر تصویر محرم کا اطلاق نہیں ہوگا خواہ دیکھنے میں وہ قائم و ثابت ہو اور عکس تصویر ہی کی طرح کیوں نہ نظر آرہا ہو۔

ان صاحب کی بات سے مندرجہ ذیل نکتے سامنے آتے ہیں۔

(۱) اگر "عکس" پر اتفاق ہو جائے تو یہ شرط متحقق ہوگی۔ کہ ٹھوس اجسام کے سوا دوسرے لطیف اجسام پر بنی ہوئی شبیہ تصویر نہیں

(۲) اگر عکس "تصویر" ہی ہو تو پھر تصویر باطل ہو جائے گی۔

چونکہ علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم رحمہما اللہ تعالیٰ سے صراحۃً بجائے "تصویر" کے "عکس" دکھا دیا گیا ہے، لہٰذا اب عکس یا عکسی تصویر بھی ہو یہ بات ہوگئی کہ ٹھوس اجسام کے علاوہ اجسام لطیفہ پر بھی جاندار کی شبیہ و تصویر بنتی ہے۔

عکس کی تعریف شیخ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ويعبرون عنه بالانطباع وهو ان المقابل للصقيل تنطبع صورته و مثاله فيه لا عينه. ويدل عليه تعبير قاضيخان بقوله: لانه لم ير فرجها و انما رأى عكس فرجها. فافهم (الشامی ج ۳ ص ۱۱۲، ۱۱۱)

اس عبارت میں انطباع اور عکس دونوں کا مطلب یہ ہے کہ عکس میں انسان کی صنعت اور اختیار کا کوئی دخل نہیں۔

اسکرین پر آنے والے منظر کا حکم:

قصد ثانی (۲) ٹی وی تصویر اور عکس میں فرق کی وضاحت کے بعد اب اس کا حکم ظاہر ہوگیا کہ چونکہ یہ وہ شبیہ ہے جس میں انسان کی صنعت پائی جاتی ہے لہٰذا یہ بھی مجسمہ اور تصویر کی طرح شبیہ محرم میں داخل اور ناجائز ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کچھ شبہات اور ان کے جوابات

شبہ نمبر (۱) :

(۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ عکس میں بھی صنعت ہے کیونکہ آئینے کی صنعت اس مقصد کے لیے ہوتی ہے، نیز وہ شخص آئینے کے قریب جاتا ہے یا وہ عکس کو جاتا اور آئینے کے مقابل آتا یہ بھی صنعت ہے۔ لہٰذا اگر تصویر صنعت کی وجہ سے حرام ہوتی ہے تو عکس کو بھی تصویر حرام کہنا چاہیے۔

جواب :

عکس میں انسان کی صنعت اور اختیار کو دخل ہے یا نہیں؟ یہ بات کسی ذی فہم پر مخفی نہیں ہے، اجمالی تعجب کی بات ہے کیونکہ عکس میں انسان کی صنعت و اختیار کا کچھ بھی دخل نہ ہونا اظہر من الشمس ہے۔

تو عکس یہ ہوتا ہے کہ یہاں تین چیزیں ہیں۔

(۱) ذی عکس (۲) پانی اور شیشہ وغیرہ جس میں ذی عکس کا عکس نظر آتا ہے (۳) روشنی کی شعاعیں

پوچھنا یہ ہے کہ ان تینوں میں سے عکس کیا ہے؟ اور خود عکس کیا ہے؟ اگر عکس روشنی کی شعاعیں ہیں جیسے بعض حضرات نے لکھا ہے: "عکس اپنی ماہیت کے اعتبار سے روشنی کے شعاعی ذرات اور ان کی ترتیب ہیں"

تو شیشہ صنعت ہے تو وہ عکس ہوتا جس کے اندر کوئی مصنوعی مشین لگی ہوتی کہ جیسے ہی وہ پانی یا شیشہ وغیرہ کے سامنے آیا اس مشین نے فوراً عکس بنانے کا کام شروع کر دیا۔ جبکہ ظاہر ہے کہ وہ عکس میں کوئی مصنوعی مشین نہیں ہے کہ پانی وغیرہ دیکھتے ہی حرکت میں آجائے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پھر آئینہ صنعت ہو یا پانی اور چمکدار شے، ہر وہ جسم جس میں ذوالعکس کا عکس نظر آتا ہے، اور اس میں ایسی مخصوص صفتیں بھی ہوں کہ ذوالعکس کا سامنے آتے ہی عکس بنانا شروع کرتی ہوگی جبکہ یہ بھی ظاہر ہے کہ پانی اور چمکدار اجسام کے اندر کوئی ایسی صفتیں نہیں۔

لہٰذا عکس میں صنعت اور اختیار کا دخل نہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے جس کا انکار کسی طرح بھی درست نہیں۔

اس میں صنعت و اختیار کو ثابت کرنے کے لئے یہ کہنا کہ شیشہ اور آئینہ صنعت کے بعد وجود میں آتے ہیں اور اسی طرح تو ذوالعکس بھی اپنے اختیار سے اس آئینہ کے قریب جاتا ہے، لہٰذا صنعت ثابت ہوگئی، درست نہیں۔ اور اس کا بھی بطلان بہت واضح ہے۔ کیونکہ صنعت آئینہ کو صنعت عکس کہنا کون ذی فہم تسلیم کر سکتا ہے؟ اور ذوالعکس کا آئینہ کے قریب جانے کو شاید جب تو یہ کہیں، لیکن اس کو صنعت عکس اور علت عکس کہنا بہت کمزور بات ہے۔ اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ جو چیز جائز ہوتی ہے اس کے اسباب بھی جائز ہوتے ہیں، لہٰذا ذوالعکس کا آئینہ یا پانی کے قریب جانا بلاشبہ جائز ہے۔

تو صنعت آئینہ اور ذوالعکس کا آئینہ کے قریب جانے کو صنعت عکس اس وجہ سے بھی نہیں کہا جا سکتا کہ صنعت میں اختیار ہوتا ہے، جیسے کوئی آئینہ بنانا نہ چاہے تو نہیں بنے گا، ذوالعکس آئینہ کے قریب نہ جانا چاہے تو قریب نہ ہوگا۔ جبکہ عکس ہونے میں اختیار نہیں، کوئی عکس بنانا چاہے یا نہ چاہے ہر صورت میں، جب پانی اور چمکدار شے کے سامنے آئے گا عکس ضرور نظر آئے گا۔

ہاں یہ بات درست ہے کہ آئینہ کی بہتر صنعت سے عکس واضح اور بہتر طور پر اس میں نظر آئے گا، لیکن اس کو یہ کہنا کہ عکس کا عکس ہی صنعت آئینہ کی مرہون منت ہے، درست نہیں، کیونکہ ...... پانی اور پہاڑوں سے نکلنے والے مختلف قسم کے چمکدار پتھر اور دوسرے مختلف قسم کے چمکدار دھات جن کی ساخت وغیرہ میں انسان کی صنعت اور اختیار کا کوئی دخل نہیں، ان میں بھی عکس نظر آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ عکس غیر اختیاری ہے جس میں صنعت کا کوئی بھی دخل نہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

شبہ نمبر (۴):

تصویر اور عکس میں اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرق یہ بتایا ہے کہ تصویر پائیدار ہوتی ہے، جبکہ عکس میں پائیداری نہیں۔ بلکہ وہ عکس کے ہٹ جانے سے ختم ہو جاتا ہے۔ ان حضرات نے صنعت کا فرق نہیں بتایا، یہی وجہ ہے کہ جن حضرات نے تصویر کی تعریف کی ہے، انہوں نے مثال یہ دی ہے کہ جیسے دیوار، کپڑے وغیرہ ٹھوس جسم پر نقش کیا جائے۔

اس مثال سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل فرق پائیداری کے ہونے اور نہ ہونے کا ہے نہ کہ صنعت کا۔ اسی وجہ سے مثال میں ان ٹھوس اجسام کا ذکر کیا گیا ہے جن پر تصویر قائم و پائیدار رہ سکتی ہے۔

جواب شبہ نمبر (۴):

حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبارت یہ ہے جو اقتباس یہ ہے کہ عکس و سایہ قائم و پائیدار نہیں ہوتا بلکہ صاحب عکس کے تابع ہوتا ہے۔ جب تک وہ آئینہ کے مقابل کھڑا ہے تو یہ عکس بھی کھڑا ہے جب وہ یہاں سے الگ ہوا تو یہ عکس بھی غائب اور فنا ہو گیا۔ فوٹو کے آئینہ پر جو کسی انسان کا عکس آیا اس کو عکس اسی وقت تک کہہ سکتے ہیں جب تک اس کو رنگ، روغن اور مسالے کے ذریعہ قائم اور پائیدار نہ بنا دیا جائے اور جس وقت اس عکس کو قائم اور پائیدار بنا دیا اسی وقت یہ عکس تصویر بن گئی۔ (تصویر کے شرعی احکام ۱۵۲)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ عکس اور تصویر میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
تصویر و عکس دونوں کی حقیقت مختلف ہے، تصویر کسی چیز کا پائیدار اور محفوظ نقش ہوتا ہے، عکس ناپائیدار اور غیر محفوظ ہوتا ہے، اصل کے غائب ہوتے ہی اس کا عکس بھی غائب ہو جاتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳۰۴،۸)

ان حضرات کی تحریرات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے اور ہمارے بتائے ہوئے فرق میں صرف تعبیر و الفاظ کا فرق ہے، حقیقۃً کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ:

(۱) مسالہ لگنے کے بعد یہ عکس جب پائیدار بنا دیا گیا تو انسانی صنعت آگئی اور یہ شبیہ محرم میں داخل ہو گیا اور جب تک رنگ و مسالہ سے پائیدار نہیں بنایا گیا تو اس وقت تک انسانی صنعت و اختیار کا کوئی دخل نہیں، لہٰذا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

عکس ہی رہا تصویر بھی نہیں رہا۔

(۲) عکس یا اصل کے تابع اور اس کے غائب ہونے کے ساتھ اس کا غائب ہو جانے کا اتفاق بھی اس پر دال ہیں کہ جب تک انسانی صنعت اور اختیار کا دخل نہیں ہوتا یا اصل کے تابع رہتا ہے اور جہاں تابعیت ختم ہوئی کہ تصویر ہو کر انسانی صنعت اور اختیار اس میں داخل ہو گیا اور یہ شبیہ محرم میں داخل ہو گیا۔

تنبیہ:

جو حضرات عکسی فرق کے قائل ہیں ان کے ذمہ لازم ہے کہ ایسی امثلہ پیش کریں جن میں "پائیداری" اور "آزاد حیثیت" بدون انسانی صنعت کے پائی جائیں۔ جبکہ بظاہر ایسی مثال ناممکن ہی معلوم ہوتی ہے۔

چونکہ یہ مسلّم حقیقت ہے کہ آئینہ پر ظاہر ہونے والی شبیہ کی "پائیداری" اور "اصل سے استغناء" انسانی صنعت اور اختیار کے تابع ہے۔ لہٰذا یہ شبیہ محرم میں داخل اور حرام ہے۔

رہی یہ بات کہ عکس کی تعریف میں دریا وغیرہ شفاف اجسام کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ نیز پائیدار ہونے کے مفہوم میں دھوپ اور سایہ کی شرط کیوں لگائی گئی ہے؟

جواب:

ان حضرات کے زمانے میں انسانی صنعت اور اختیار اس حد تک تھا کہ ٹھوس چیزوں پر روغن وغیرہ کے ذریعہ شبیہ منتقل ہو سکتی تھی۔ آلات اس زمانے میں ایجاد نہیں ہوئے تھے جن کے ذریعہ اجسام لطیفہ پر دھوپ چھاؤں وغیرہ حالات کے شبیہ کو محفوظ کر کے رکھا جا سکے۔ لہٰذا ان حضرات کی تعریفات اپنے زمانے کی شبیہ محرم کے قیود و اوصاف ہونے کے اعتبار سے بیان کی گئی ہیں۔ نہ کہ قیامت تک آنے والی تمام شبیہات محرمہ کے قیود ہیں۔

اگر موجودہ ایجادات ان اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے زمانے میں ہوتیں تو یقیناً یہ حضرات یوں فرماتے کہ شبیہ محرم میں وہ شبیہ بھی داخل ہے جس کو انسان اپنے اختیار اور صنعت سے ٹھہرا کر پائیدار بنا دے اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ذہن کے تابع ہونے سے نکال کر مختلف رنگوں میں دکھا دے، خواہ کسی آلہ کی قوت سے یہ کام کیا جائے یا محض مسالہ کے ذریعہ سے۔

جدید آلات کے ذریعہ صرف شیء محرم کی تعریف نہیں بدلی بلکہ کئی احکام اور بھی ایسے ہیں جن کو محض جدید آلات کے سامنے آنے پر قدیم فیصلہ کے خلاف کیا گیا ہے۔ مثلاً

(۱) حضرات متکلمین کرام "وزن اعمال" کی بحث میں یہ اشکال اٹھاتے تھے کہ اعمال اعراض ہیں جن کا وزن ممکن نہیں، وزن صرف جوہر کا ہوا کرتا ہے۔ پھر اس کے متعدد جوابات دیتے تھے۔ لیکن جب ایسے آلات ایجاد ہو گئے جن کے ذریعہ اعراض سردی، گرمی وغیرہ ناپے تولے جاتے ہیں تو اب وہ اشکال ختم ہو کر یہ کہا جاتا ہے کہ اعراض بھی موزونات کے قبیل سے ہیں۔

دیکھئے یہاں جب تک ہمارے مشاہدہ میں اعراض تولنے والا آلہ نہیں تھا تو موزون کی تعریف اس طرح کی جاتی تھی جس سے اعراض نکل جائیں۔ اب آلہ آنے کے بعد ظاہر ہے کہ اس موزون کی تعریف کو عام کیا جائے گا جس میں اعراض بھی داخل ہوں۔

(۲) ہوائی جہاز میں نماز کے جواز کا فتویٰ بھی جدید آلات کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب تک ہوا میں بدون حیوان کی پشت وغیرہ کو بیچ کر اس کے اوپر کھڑے ہونے کے آلات نہیں تھے تو مسئلہ یہ تھا کہ ہوا پر نماز پڑھنا جائز نہیں، مثلاً دو درختوں کے درمیان چٹائی باندھ کر اس پر ہوا میں نماز پڑھی نہیں جا سکتی تھی۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله: و ان يجد حجم الأرض) تفسيره أن الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه أبلغ من ذلك، فصح على طنفسة و حصير و حنطة و شعير و سرير و عجلة ان كانت على الأرض لا على ظهر حيوان كبساط مشدود بين الأشجار، و لا على أرز أو ذرة الا في جوالق أو ثلج ان لم يلبده و كان يغيب فيه وجهه و لا يجد حجمه أو حشيش الا ان وجد حجمه و من

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فما يعلم الجواز على الطراحة القطن فان وجد الحجم جاز و الا فلا يجوز

(الشامیہ ج ۱ ص ۵۰۰)

جب ایسے آلات ایجاد ہو گئے جنہوں نے بغیر ستونوں کے فرش بچھا کر دکھا دیا جیسے ہوائی جہاز تو اب بغیر چھت کے لمبے عرصے تک نماز پڑھنے پر سب کا اتفاق ہے اگرچہ تفصیلات میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ بہر حال ہوائی جہاز کی جہت کے ذریعے سے ہوائی جہاز کے استقرار کی وجہ میں اعتبار کیا گیا ہے۔

منکرین کے معجزے کے اشتباہ بالعکس ہونے کے دلائل کے جوابات

دلیل نمبر (۱):

عکس یعنی بیرونی سطح کے اعتبار سے روشنی کے شعاعی ذرات اولاس کی کرنیں ہیں اور منکرین پر محسوس ہونے والے معجزہ بھی روشنی کے شعاعی ذرات ہیں۔

جواب:

اولاً: یہ بات بغیر دلیل کے ہے اور محسوس ہونا ثابت نہیں۔

ثانیاً: ... عکس کی روشنی کے شعاعی ذرات غیر اختیاری اور غیر معنوی ہیں جبکہ منکرین کی روشنی کے شعاعی ذرات اختیاری اور معنوی ہیں۔ معجزے کے ... ہونے کے ... کسی طرح بھی درست نہیں۔

دلیل نمبر (۲):

... منکرین کے انکار ... سے ... آیا ہے ... میں ہوتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جواب :

پہلی وجہ: اس مشابہت کا مدار حرمت و اثبات نہیں۔

دوسری وجہ: یہاں بھی وہی مسبوق و غیر مسبوق کا فرق ہے جس کو بالعمد نظر انداز کیا جاتا ہے۔ عکس میں یہ اتحاد بھی انسان کی صنعت اور اختیار کے بغیر آئینہ اور پانی پر وجود میں آتا ہے جبکہ اسکرین پر یہ عمل پورے کا پورا انسان کی صنعت اور اختیار کے تابع ہے۔

تیسری وجہ: پائیداری کے ہونے اور نہ ہونے کا مدار تابعیت پر ہے۔ جب تک اصل کے تابع ہے پائیدار نہیں کہا جا سکتا اگرچہ ایک لمحہ تک آئینہ اور پانی وغیرہ پر نظر آ رہا ہو۔ دیکھئے! جب ذوالعکس آئینہ کے سامنے … ایک لمحہ تک ہو … ہے تو بظاہر آئینہ میں اس کا منظر ٹھہرا ہوا پائیدار نظر آتا ہے حالانکہ اس کو کوئی بھی پائیدار نہیں کہتا کیوں؟ اس لئے کہ اصل کے تابع ہے۔ اور جہاں تابعیت ختم ہوئی وہاں ذوالعکس کے سامنے ہوتے ہوئے بھی اس منظر کو پائیدار کہا جائے گا۔

چوتھی وجہ: پائیدار ہونے اور نہ ہونے میں فیصلہ کن فرق یہ ہے کہ اصل کا تابع ہے یا نہیں۔ جہاں یہ ہے وہ پائیدار نہیں اور جہاں نہیں وہاں پائیدار ہے۔ اس کی پوری تفصیل شبہ نمبر (۲) کے جواب میں گزر چکی ہے جس کا اعادہ لازمی ہے۔

پانچویں وجہ: … پائیدار … ثابت کرنا مشکل … ہے۔

دلیل نمبر (۳) :

جس طرح آئینہ میں صرف عکس ظاہر ہوتا ہے منقش و مجسم نہیں ہوتا۔ اسی طرح اسکرین پر بھی صرف ظاہر ہوتا ہے منقش و مجسم نہیں ہوتا۔

جواب :

شبہ نمبر (۲) کے جواب میں تفصیل سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ نقش و قیام کے لئے روشنی وغیرہ کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

ذکر کردہ تحریم اور حرمت کی علت بھی شرائط کے وجود میں نہیں بلکہ اس زمانے کی مروج تصویر اور شبیہ محرم کے اختیار سے ہے لہٰذا اگر ایسا تسلیم کیا جائے تو موجودہ روشنی اور تصویر نقوش و خطوط کے منظر اور شبیہ کو دکھا کر ختم ہو جاتے ہیں تصویر اصل کے حکم میں ہیں تو اس کو بھی منقش اور قائم کیا جائے گا۔ لہٰذا دونوں کو ایک قرار دینا جہالت کا کام ہے۔

دلیل نمبر (۳):

متحرک روشنی کی شعاعیں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ مسلسل سفر کرتی ہیں۔

جواب:

(اول) تیز شعاعوں کی تیزی اور حرکت کا حکم بالکل درست نہیں۔

(دوم) یہاں بھی صنعت اور اختیار کا فرق ہے۔ عکس میں یہ تیز رفتاری انسان کی صنعت و اختیار سے خارج ہے جبکہ تصویر میں انسان کی صنعت و اختیار سے ایک خاص تناسب سے ترتیب اور تیز رفتاری سے روشنی کی شعاعیں پیدا کی جاتی ہیں۔

لہٰذا عکس اور تصویر کو ایک قرار دے کر عکس کا حکم ثابت کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

اگر کوئی مجوزین کی دلیل پیش کرکے بیان کرے کہ عکس ہونے کا دعویٰ کرکے عکس کا حکم ثابت کر دے تو کیا جواب ہوگا؟

۱۔ فی الحال ہونے میں ۲۔ عکس وجود میں ۳۔ نظر آنے میں

۴۔ دوام نہ ہونے میں ۵۔ عکس الگ روشنی میں ۶۔ جاندار کی شبیہ ہونے میں

وغیرہ وغیرہ

جواب ظاہر ہے کہ ان پر عکس کا حکم نہیں لہٰذا ان کا ذکر ہی بے محل ہے۔ بعینہٖ اسی طرح مندرجہ بالا وجوہات بھی ہیں کہ ان پر تصویر کا کوئی مدار نہیں، مدار حکم دو باتوں پر ہے

(۱) صنعت و اختیار (۲) پائیداری

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور یہاں کے بیان کردہ وجوہ دونوں میں بعینہ پائی جاتی ہیں ۔

قاعدہ نمبر (۲) :

محرم و مبیح میں جب تعارض ہو تو ترجیح محرم کو ہوتی ہے۔

اس کی امثلہ کتب معتبرہ میں ہیں۔ لہٰذا بجائے امثلہ، زیر بحث مسئلہ میں یہ قاعدہ کس طرح جاری ہوتا ہے صرف اسی کو بیان کیا جاتا ہے۔

اس قاعدہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسکرین پر ظاہر ہونے والا منظر حرام ہو۔ کیونکہ عالم عکس کے قائلین حضرات کے نزدیک بھی یہ منظر یقینی عکس ہے اور نہ ہی تصویر۔ بلکہ دونوں کا احتمال ہے۔

جب فی نفسہ اس میں دونوں احتمال ہیں اور ظاہر ہے کہ جانب تصویر محرم ہے اور جانب عکس مبیح۔ اور محرم کو ترجیح ہوتی ہے لہٰذا فی نفسہ جانب تصویر راجح ہوگا اور یہ منظر تصاویر کی طرح حرام ہوگا۔

رہی شبہ عکس ہونے کی بات تو اس کا بطلان قاعدہ نمبر (۱) کے تحت تفصیلات کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔

اعتراض :

یہاں یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں تعارض متحقق نہیں۔۔۔۔ مگر یہ منظر کا عکس کے ساتھ مشابہ ہونا یقینی اور مشاہدہ ہونے کی وجہ سے ظن غالب قریب بہ یقین کے درجے میں ہے اور تصویر کے ساتھ مشابہ ہونا صرف شبہ کے درجے میں ہے۔

جواب :

وجہ اول : دلائل اربعہ پر گفتگو ہو چکی ہے ان میں سے کوئی ایک بھی مثبت عکس نہیں، لہٰذا جب دلائل ختم ہو گئے تو ظن غالب اور یقین بھی ختم۔

وجہ دوم : اس منظر میں کئی حضرات نے ذاتی تحقیق و تجربہ اور دوسری وجوہ سے تصویر قرار دے کر اپنے مرحوم باقیات کو قرآن

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

وصورت اور اشتباہ کی وجہ سے مجتہد کے دلائل کی طرح سمجھ کر ظن غالب قریب بہ یقین کا قول کرنا اور دوسرے علماء کرام کی تحقیقات سے صرف نظر کرنا ایک رائے تو ہو سکتی ہے لیکن اس سے مشابہت وجہ ظن غالب میں قوت ہو جانے کے بعد درجہ ثبوت تک نہیں۔

وجہ نمبر ۶: اگر انصاف سے غور کیا جائے تو یہاں تعارض اشتباہ ظن غالب اور شبہ کا نہیں بلکہ شبہ اور یقین کا ہے سو احتیاط کے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت اس منظر کو یقینی طور پر تصویر اور شبیہ محرم سمجھ کر حرام فرماتی ہے۔

لہذا جہاں اباحت کی جانب صرف بعض حضرات کا ظن غالب ہے اور محرم کی جانب دوسرے حضرات کا یقین ہے تو اب ہر منصف دونوں آراء کو سامنے رکھ کر کیا فیصلہ کرے گا؟ فیصلہ ظاہر ہے یا تو یہ کہا جائے گا کہ یہاں تعارض ہی نہیں ہے کیونکہ جانب حرمت یقینی ہے اور جانب اباحت ظنی، اور عمل یقین پر ہوتا ہے۔

اگر تعارض مان بھی لیا جائے تو بھی قاعدہ کی رو سے محرم کو ترجیح ہوگی اور اس منظر کو بحکم تصویر قرار دے کر حرام سمجھا جائے گا۔

قاعدہ نمبر (۳):

اس کا حاصل یہ ہے کہ جہاں حکم کی علت پر اطلاع پانا دشوار ہو وہاں اس کے سبب پر حکم کا مدار ہوتا ہے۔ جیسے:

مثال نمبر (۱): سفر میں رخصت کی علت مشقت ہے لیکن چونکہ اس پر اطلاع پانا دشوار تھا کہ کس سفر میں اس درجہ کی مشقت ہے جو باعث رخصت ہے اور کس میں نہیں اس لئے شریعت مطہرہ نے سفر شرعی کو اس کو مشقت کے قائم مقام قرار دے کر رخصت کے وجود و عدم کا مدار اس پر رکھ دیا ہے۔

مثال نمبر (۲): نوم بذات خود ناقض وضو نہیں ہے بلکہ علت استرخاء مفاصل اور خروج ریح و نجاست ہے لیکن چونکہ اس علت پر اطلاع پانا مشکل تھا اس لئے اس کے سبب پر حکم کا مدار رکھ دیا ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ کیمرہ خواہ ڈیجیٹل ہو یا غیر ڈیجیٹل، تصویر کشی اور عکس کشی کا آلہ ہے یہاں تک کہ جب یہ آلہ سامنے آیا تو ظاہر ہے کہ اس آلہ نے جو تصویر سازی کا عمل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیونکہ یہ تو اس نے جو تصویر بنائی ہے جس پر حرمت کا مدار ہے یا نہیں بنائی؟ یہ معاملہ مخفی اور نظری ہے۔ اس کی تحقیق پر اطلاع پانا ہر ایک کے لئے آسان نہیں بلکہ بہت سارے حضرات کے لئے تو ناممکن بھی ہے۔

چنانچہ جس طرح رخصت کے حکم کا مدار اس کی اصل علت مشقت کو چھوڑ کر اس کے آلہ اور ذریعہ پر رکھا گیا ہے، اسی طرح یہاں بھی حکم کا مدار آلہ پر ہونا چاہیے اور چونکہ آلہ تصویر سازی کا استعمال ہوا ہے لہٰذا یہ منظر تصویر کے حکم میں داخل ہو کر حرام ہوگا۔

قاعدہ نمبر (۳) :

اس کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ جب ایک مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے چند اقوال (مثلاً تین اقوال) پر تحقیق ہو جائے تو اس مسئلہ میں چوتھا قول خلاف اجماع ہوگا۔

جیسے دادا کے بارے میں اختلاف ہے جن کے نزدیک ثابت ہے تو وہ باپ اور دادا دونوں کے لئے ثابت مانتے ہیں اور جن کے نزدیک ولایت نہیں تو دونوں کے لئے ثابت نہیں مانتے۔ اب اس صورت میں کسی کا یہ قول کہ باپ کے لئے ثابت ہے اور دادا کے لئے ثابت نہیں خلاف اجماع ہوگا۔

زیر نظر مسئلہ میں اگرچہ یہ قاعدہ من و عن پوری طرح جاری نہیں لیکن اس سے ان حضرات کی تائید ضرور ہوتی ہے جو اس کے قائل ہیں کہ منظر کو تصویر اور شبیہ محرم قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ شبیہ کی اسلاف میں چار قسمیں معلوم و متحقق ہیں یعنی مجسمہ، تصویر، عکس اور ظل۔

اسلاف میں ان کے علاوہ کسی پانچویں قسم کا کوئی قائل نہیں تو گویا ان کا اس بات پر اجماع ہوا ہے کہ دنیا میں جتنی بھی شبیہ ہوگی وہ ان چاروں قسموں میں سے ہوگی۔ چونکہ شبیہ بالعکس کہنے والے حضرات یہاں کہتے ہیں کہ سکرین پر ظاہر ہونے والا منظر نہ تو عکس ہے اور نہ ہی ظل۔ لہٰذا اب اس قاعدہ کی رو سے یہ کہنا لازم ہے کہ یہ منظر یا تو مجسمہ میں داخل ہوگا یا تصویر میں، جیسے بہت سارے اکابر و اصاغر اس کو تصویر میں داخل قرار دیتے ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قاعدہ نمبر (۵) :

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی جو حالت درجہ یقین میں ثابت ہو جائے اب جب تک اس سے آگے دوسری حالت میں ہونے کا یقین نہ ہو پچھلی حالت برقرار رکھی جائے گی، اور اسی کے پیش نظر اس پر حکم لگایا جائے گا۔

جیسے کوئی شخص یقینی طور پر وضو کی حالت میں تھا، اب اس کو شک ہوا کہ یہ حالت ختم ہو کر میں بے وضو کی حالت میں چلا گیا ہوں یا نہیں؟ تو اس شک کی وجہ سے پچھلی حالت کے خلاف اس کو بے وضو نہیں کہا جائے گا۔

اس قاعدہ کی روشنی میں اگر زیر نظر مسئلہ پر غور کیا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ اسکرین پر آنے والا منظر تصویر ہی ہے جس پر ہر ایک کا تصویر ہونے کے حکم میں جو کہ حرام ہے۔ کیونکہ ڈیجیٹل کیمرہ سے تصویر لینے کے طریق کار اور واضح صورت میں ایک درجہ تک اتفاق اور یقین ہے۔ اس کے بعد شک کے مراحل و درجات ہیں۔ لہذا الیقین کے درجہ میں جو چیز ہے اسی کو اصل کہتے ہوئے حکم کا مدار بنایا جائے گا اور اس کے بعد شک کے کسی درجہ پر حکم کا مدار نہیں ہوگا۔ اب یقینی اور اتفاقی درجہ ملاحظہ فرمائیے، فرماتے ہیں: ڈیجیٹل کیمرے میں بھی شٹر کھلنے پر کیمرے کے لینز سے ہو کر روشنی اسی طرح گزرتی ہے جس طرح عام فلم کیمرہ کے لینز سے گزر کر فلم پر الٹا عکس بنتی ہے، اور یہاں بھی عمل انعکاس کے ذریعہ پہلے عکس وجود میں آتا ہے، یہاں تک دونوں میں مماثلت ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ ڈیجیٹل کیمرہ پہلے عکس کو حاصل کرتا ہے، معلوم ہوا کہ مکمل عکس بننے اور وجود میں آنے کے درجہ تک تو سب متفق ہیں، اس کے بعد اس عکس کو اسی حالت میں کسی دوسری جگہ منتقل کر کے محفوظ کیا جاتا ہے یا اس کی حالت تبدیل ہو کر کسی دوسری الیکٹرانک حالت میں چلا جاتا ہے جہاں اس کا نام و نشان باقی نہیں رہتا، اس میں اب تک مختلف آراء ہیں اور اختلاف و دلیل سے شک و شبہ کی، لہذا اس مشتبہ حالت کو سامنے رکھ کر عدم حرمت کا حکم نہیں دیا جائے گا، بلکہ اتفاقی اور یقینی حالت کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ ہوگا، اور کہا جائے گا کہ اسکرین کا منظر اس محفوظ عکس کی شبیہ حرام ہے جو پہلے وجود میں آ چکا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قاعدہ نمبر (۴) :

عرف و عادت

مانعین کے نزدیک عرف و عادت میں تصویر سمجھا اور بولا جاتا ہے لہٰذا اس قاعدہ کی رو سے بھی یہ ڈیجیٹل تصویر کے حکم میں داخل ہو کر حرام ہوگی۔

اعتراض :

عرف کے معتبر ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ عرف کسی مغالطہ کی وجہ سے نہ ہو اگر مغالطہ کی وجہ سے ہے تو اس عرف کا بھی شریعت میں اعتبار نہیں ہوگا۔ مثلاً (۱) [illegible] (۲) پرائیویٹ [illegible] (۳) [illegible] ۔۔۔۔ زیر بحث مسئلہ میں اولاً تو یہ مفروضہ کہ اس منظر کو عرف عام میں تصویر بولا اور سمجھا جاتا ہے درست نہیں۔ کیونکہ اگرچہ کچھ لوگ اس پر تصویر کا اطلاق کرتے ہیں لیکن محققین سے تصویر نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو [IMAGE] کا نام دیتے ہیں۔۔۔۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ عرف عوام میں اس منظر کو تصویر سمجھا اور بولا جاتا ہے تو یہ سمجھنا اور بولنا ان کے مغالطہ کی بنیاد پر ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔۔۔۔ اس بول چال کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ عکس کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔

الجواب :

جواب اول : جن مثالوں میں مغالطہ کی بنیاد پر عرف کو چھوڑ دیا ہے ان مثالوں میں اور زیر بحث مسئلہ میں تطبیق درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان مثالوں میں یہ عرف قرآن و شریعت [illegible] کے خلاف ہے جبکہ زیر بحث مسئلہ میں یہ قاعدہ شریعت کے خلاف نہیں بلکہ جمہور علماء اور کئی ماہرین کی تحقیق کے مطابق ہے۔ لہٰذا اس عرف کا [illegible] کی وجہ سے [illegible] معلوم ہوتی ہے۔

جواب دوم : اس کو مغالطہ قرار دینا بداہت کے خلاف ہے۔ جس کی گواہی ہر ذی عقل و فہم کا دل ضرور

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

وجہ سے ہوتی ہے جو ان مناظر کو شرائط کے تحت جائز سمجھ کر دیکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ دیکھنے کے بعد دل سے یہ آواز آتی ہے کہ تو نے کوئی اچھا کام نہیں کیا اور ایک نحوست سی محسوس ہوتی ہے جبکہ اصل کی طرح جاندار تصویر کے مناظر کو دیکھنے میں بھی عبادت ہونا چاہیے اسی طرح علماء اور طلبہ کے عکوس دیکھنا اصل کی طرح کار ثواب ہونا چاہیے اور عبادات کا ثواب ملنے سے دل میں نور پیدا ہونا چاہیے نہ کہ ظلمت۔

چوتھا شبہ : یہ کہ محققین اسے تصویر کی بجائے عکس کہتے ہیں اور (مارشل بریبن) نے اس کو امیج (Image) کا نام دیا ہے لہٰذا یہ بات کوئی خاص وزن نہیں رکھتی، کیونکہ (مارشل بریبن) کوئی محققین کا مجموعہ نہیں ہے جنہیں ہم محققین سمجھیں محفوظ کرنے والی سی ڈی کو ویڈیو سی ڈی کا نام دیتے ہیں نہ کہ امیج سی ڈی کا۔ اگر یہ محققین ہوتے تو ان سی ڈی کا نام امیج سی ڈی ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ امیج کا معنی صرف عکس کرنا انگریزی لغت کے اعتبار سے درست نہیں۔ یہ لفظ خصوصاً صورت میں استعمال ہوتا ہے اس کا حقیقی معنی (کاپی کرنا، نقل کرنا) ہے اور مستعمل فیہا معانی یہ بھی ہیں خیالی تصویر، شبیہ۔

Image : Copy : Likeness : Picture in the imagination

(Popular Oxford Dictionary : page : 391)

پانچواں شبہ : یہ خیال کرنا کہ عرف میں لفظ تصویر عکس کی جگہ استعمال ہوتا ہے یہ بھی باطل ہے اور عبارت کے خلاف ہے کیونکہ جو اس کو دیکھتا ہے وہ عکس ہی کی طرح نہیں سمجھتا اس لئے کبھی کسی نے دیکھنے کے لئے یہ نہیں کہا کہ عکس دیکھ لیا بلکہ کہتا ہے کہ عکس کی طرح ہے جبکہ اس کے سوا مختلف قسم کے ڈرامے پیش کئے جاتے ہیں کہ فلاں سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ بچے باہر جاتے ہیں محفوظ ہو جاتے ہیں اور غلط ماحول سے واقف ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ نیز آج کل ٹی وی گھر میں ہو اگر کسی نے کہا کہ یہ بات نہیں آتی ہوگی کہ میں نے ٹیلی ویژن میں عکس کا دیکھا ہے۔ اگر محققین اور مغرب میں مناظر کو عکس سمجھتے تو ٹیلی ویژن کا نام ٹیلی عکوس ہوتا اور انگریزی میں اس کا نام ٹیلی امیجز (Tele images) ہوتا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سائنس کیا کہتی ہے؟

جواب نمبر۲ : تو اس مسئلہ کا مدار سائنسی تدقیقات پر نہیں بلکہ عرف و عادت پر ہے۔ اور عرف و عادت کے اعتبار سے یہ بات پہلے تفصیل سے گزر چکی ہے کہ عرف میں اس کو تصویر ہی سمجھا جاتا ہے۔

حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تصویر ہونے نہ ہونے کا اعتبار عرف پر ہوتا ہے نہ کہ سائنسی وفنی تدقیقات پر اور عرف عام میں اسے تصویر ہی سمجھا جاتا ہے۔ جیسے شریعت نے صبح صادق اور طلوع و غروب آفتاب کا حکم کسی دقیق علم و فن پر موقوف نہیں رکھا بلکہ ظاہری و سہل علامات پر رکھا ہے۔

(احسن الفتاویٰ ج ۹ ص ۸۹)

اشکال :

کسی حکم شرعی کو کسی سائنسی تحقیق پر رکھنا اور بات ہے اور کسی سائنسی ایجاد کے بارے میں اس کے ماہرین سے اس ایجاد کی حقیقت معلوم کر کے اس کا حکم شرعی معلوم کرنا اور بات ہے اگر سوال کا مقصد پہلی صورت ہے تو اس سے انکار نہیں اور اگر دوسری صورت ہے تو یہ تسلیم نہیں۔

جواب :

جو چیز عرف و عادت سے ثابت اور متعین ہو جائے اس کے خلاف کسی مضبوط اور واضح تحقیق ہی کے بعد فیصلہ کرنا درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو اہل فارس اور اہل روم کے ہاں غیلہ کا عام عرف و عادت کا پتہ معلوم ہو گیا تو آپ ﷺ نے اپنا ارادہ اور فیصلہ جو وحی پر مبنی نہیں تھا کو چھوڑ دیا اور غیلہ کی اجازت دے دی۔ اسی طرح تابیر النخل کی صورت میں جب عام عادت و عرف سے پتہ چل گیا کہ یہ سب کرتے ہیں اور اس کا فائدہ بھی ہے تو آپ ﷺ نے اپنی رائے جو وحی پر مبنی نہ تھی چھوڑ دی اور تابیر النخل کی اجازت دے دی۔

نیز اس مسئلہ میں جب ہم اس پہلو سے غور کرتے ہیں کہ جاندار کی وہ شبیہ جو انسانی صنعت و تصرف کے بعد وجود میں آتی ہے جیسے تصویر وہ حرام ہے۔ اور اسکرین پر آنے والا منظر بھی انسان کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

صنعت و تصویر کے بعد وجود میں آتا ہے لہٰذا یہ اس قدیم ایجاد کا ایک حصہ ہے اور شبیہ محرم میں داخل اور حرام ہے۔ اس کو کسی ایجاد جیسے عکس الصوت، ٹیلیفون، وائرلیس وغیرہ کی طرح سمجھ کر وہ شقیں بنانا اور پھر اس منظر کو اس کے تحت جدید ایجاد میں داخل کرنا ہرگز درست نہیں۔

ہاں اگر وہ جدید ایجاد جو عرف و عادت کے فیصلے اور قدیم ایجاد کا حصہ ہونے سے آزاد ہوتی اس کے بارے میں یہ بات بجا ہے کہ ماہرین سے اس کی حقیقت معلوم کر لی جائے، اگر وہ کسی حقیقت پر متفق ہو جائیں تو اس کو مان لے کر اس کا حکم بتا دیا جائے گا اور اگر خود ماہرین کا اس میں اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں تحقیق بات یہی ہوگی کہ احتیاط کے پہلو کو سامنے رکھ کر اس کا حکم بتایا جائے۔

لیکن اسکرین پر آنے والا منظر عرف و عادت کے فیصلوں اور قدیم ایجاد کے حصہ ہونے سے آزاد نہیں ہے کیونکہ تحقیق لہٰذا اس میں تحقیق بے جا ہے اور وقت کا ضیاع ہے۔ بالفرض محال اگر ہم اس کو آزاد تصور کر بھی لیں تو اس میں ماہرین کا شدید اختلاف ہے۔ جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ اور جامعہ الرشید وغیرہ جیسے اداروں نے ماہرین سے جو تحقیق کروائی ہے اس کا حاصل ان حضرات کی نظر میں یہ ہے کہ یہ شبیہ محرم اور تصویر ہے۔ نیز امریکی فیڈرل کورٹ نے ایک مقدمہ میں جو فیصلہ دیا ہے اس میں بھی اسکرین پر برقی شعاعوں کے ذریعہ سے نمودار ہونے والے منظر کو تصویر قرار دیا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ بعض حضرات کا اس منظر کو محض سائنسی تحقیق کی بنیاد پر تصویر ہونے سے انکار کرنا تو یہ انکار صنعت و تصویر کی بنیاد کو نظر انداز کرنے پر مبنی ہے اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

دوسری بات:- اگر اس کا مدار سائنسی تحقیق پر بھی رکھا جائے تو درج ذیل دو وجوہ کی بناء پر وہ بھی پوری طرح تصویر کے حکم سے خارج نہیں ہوتا۔

(۱) متعدد اداروں کا کہنا ہے کہ ہم نے ماہرین سے جو تحقیق کروائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اسکرین پر آنے والا منظر شبیہ محرم اور تصویر ہے۔ تفصیل ان ماہرین کی تحقیق رپورٹ پر مبنی تفصیلات جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شعبے سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

(۴) تصویر محرم اور تصویر مباح میں بنیادی فرق صنعت و اختیار اور تصرف کے ہونے نہ ہونے کا ہے۔ منکرین تصویر منظر اس بنیادی وجہ میں جس کے ساتھ شریک ہوگا اسی کا حکم دیا جائے گا۔ اب ہم سائنس سے پوچھتے ہیں کہ منکرین تصویر نے والا منظر اس بنیادی فرق میں کس کے ساتھ شریک ہے؟؟ تو سائنس کہتی ہے کہ یہ تصویر کے ساتھ شریک ہے کیونکہ جس طرح تصویر اور شبیہ محرم انسانی صنعت و اختیار کے بعد وجود میں آکر انسانی تصرفات سے آزاد نہیں ہوتی اسی طرح یہ منظر بھی ہے کہ انسانی صنعت و اختیار کے بعد وجود میں آتا ہے اور انسانی تصرفات کے تابع ہوتا ہے کیونکہ تصاویر کے رنگ و روشنی میں اور منظر کو مزید خوشنما بنانے میں انسان اس میں تصرف کرتا رہتا ہے۔ کما لا یخفی

(دلیل نمبر ۵): اگر ان حضرات کی سائنسی تحقیق کو بھی مان لیا جائے تو سائنس کا جواب یہ ہوگا کہ جس طرح ایک شخص [illegible] سے تصویر سازی اور منظر کشی کی تعلیم حاصل کر کے اس تعلیمی قابلیت کی بنیاد پر کسی منظر کو جس طرح چاہے بنانے کی قدرت رکھتا ہے اسی طرح میں (سائنس، سائنسی آلات) بھی منظر و شبیہ کشی کی صلاحیت و قابلیت حاصل کر لیتی ہوں کہ جب چاہوں اس قابلیت کی بنیاد پر جس منظر کو چاہوں اس میں کچھ کمی بیشی کر کے منکرین کے لئے پیدا کر سکتی ہوں۔ البتہ اس تصویر سازی کا گناہ مجھ کو نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں ایک بے اختیار آلات کا مجموعہ ہوں۔ گناہ اس حسب حق رضا صاحب کو ہوگا جس نے مجھے چلایا ہے۔ جبکہ پہلی صورت میں کیونکہ بٹن دبانے والا خود بااختیار ہے جس کی طرف براہ راست تصویر سازی کی یہ نسبت درست ہے۔ جو گناہ بھی اسی کو ہوگا۔

رہی یہ بات کہ یہ آلات ایک سیکنڈ میں درجنوں بار تصویر بناتے اور مٹاتے ہیں تو وہ وجہ سے یہ کوئی ایسی مضبوط دلیل نہیں جس کی بنیاد پر یہ عمل تصویر سازی سے خارج ہو جائے۔

(۶) تصویر کے لئے کسی کتاب میں ایک مدت کی کوئی مقدار کا شرط ہونا مذکور نہیں (یعنی یہ شرط نہیں کہ اتنی دیر تک باقی رہے تو تصویر ہے ورنہ نہیں) بلکہ تصویر سازی کے لئے تصویر کا اس طور پر بنانا کہ جس سے [illegible] کافی ہے جیسا کہ [illegible] '' [illegible]

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ مطلب ہے کہ اس وقت کوئی واقعی تصویر نہیں ہے کیونکہ تو سب مانتے ہیں اور ایسی صورت میں ایک منٹ کے اندر ایک تصویر بنانے کے بجائے ہزاروں تصاویر بنانے کا گناہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت اقدس مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہ نے فرمایا: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ مٹ جاتی ہے پھر بنتی ہے یہی عمل ہر لحظہ جاری رہتا ہے اس صورت میں تو یہ زیادہ قباحت ہے کہ بار بار تصویر بنانے کا گناہ ہوتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۹/۸۴)

(۲) اگر کثرت سے بنائی گئی یا وہ منظر جس میں وہ مسلسل تصویر کی طرح نظر آ رہا ہو، تو بھی حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصویر قرار دیا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله: أو ممحوة عضو لا تعيش بدونه) تعميم بعد تخصيص، وهل مثل ذلك ما لو كانت مثقوبة البطن مثلاً، والظاهر أنه لو كان الثقب كبيراً يظهر به نقصها فنعم وإلا فلا، كما لو كان الثقب لوضع عصا تمسك بها كمثل صور الخيال التي يلعب بها لأنها تبقى معه صورة تامة تأمل (الشامية، كتاب الصلوة ج ۲ ص ۵۰۲)

اب ایک بات رہ جاتی ہے کہ یہ تو بتایا جائے کہ آپ نے اس کو مٹایا یا بلکہ خود بخود مٹتا چلا جاتا ہے۔ تو یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اس میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ اگر کوئی قلم کے ذریعے سے ایسی سیاہی کی مدد سے تصویر بنا دے جو تھوڑی دیر میں خود بخود سیاہی اڑ کر ختم ہو جائے تو کیا ایسی سیاہی سے تصویر بنانا جائز ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اس کو کوئی بھی جائز نہیں کہے گا، وہ حضرات جن میں عادی اور عالم ہے ہم نے کسی کو ایسا حکم نہیں بتلایا جا سکتا۔

مفتی اعظم حضرت مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہ کا جواب

اور اس پر بعض اعتراضات کے جوابات

ویڈیو کیمرہ کی مدد سے بننے والی تصویر کے بارے میں کئے گئے ایک سوال کے جواب میں حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ’’یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ دلائل اور قابل غور ہیں۔

(۱) ویڈیو کیمرہ سے لی گئی تصویر بھی کسی حد تک ہی سہی تصویر سازی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے جیسے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قدیم زمانے میں تصویر ہاتھ سے بنائی جاتی تھی پھر کیمرے کی ایجاد نے اس قدیم طریقہ میں ترقی کی اور تصویر ہاتھ کی بجائے مشین سے بننے لگی جو زیادہ اصل اور دیرپا ہوتی ہے۔ اب اس عمل میں نئی سائنسی ایجادات نے مزید ترقی اور جدت پیدا کی اور جادو سا کی طرح اب چلتی پھرتی دوڑتی بھاگتی صورت کو بھی محفوظ کیا جانے لگا۔

یہ بات صحیح نہیں کہ اس کو محفوظ نہیں کیا جاتا۔ اگر اس کو محفوظ نہیں کیا جاتا تو ٹیلی ویژن اسکرین پر چلتی پھرتی اچھلتی کودتی تصویر آنے والی چیز کیا ہوتی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ وہی تصویر ہے جو کسی وقت لے کر محفوظ کر لی گئی تھی صرف اتنی بات ہے کہ کیسٹ کی پٹی میں اتنی باریک جدت سے کام لیا گیا کہ دیکھنے میں پٹی خالی نظر آتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ تصویر جب تک محفوظ نہیں ہوگی وہ ٹی وی پر دوبارہ کیسے ظاہر ہو سکتی؟

(۲) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ محفوظ نہیں ہوتی ہے اور ہر وقت نئی بنتی ہے، یہی عمل ہر لحظہ جاری رہتا ہے تو اس میں تو اور زیادہ قباحت ہے کہ بار بار تصویر بنانے کو کہا جاتا ہے۔

(۳) اس کو عکس کہنا بھی صحیح نہیں اس لیے کہ عکس اصل کے تابع ہوتا ہے اور یہاں اصل کی موت کے بعد بھی اس کی تصویر باقی رہتی ہے۔

(۴) اگر بعد چند منٹ کے لیے عکس ہونا تسلیم کر لیا جائے تو عوام اس دقیق فرق کو نہیں سمجھتے، اس کی گنجائش دینے سے ان میں تصویر سازی کی لعنت کے جواز کی اشاعت اور قریب تر خطرہ ہوگی، اور واقعی و حقیقی تصویر کو بھی جائز سمجھنے کا خطرہ پیدا ہوگا۔

(۵) تصویر ہونے نہ ہونے کا مدار عرف پر ہونا چاہیے نہ کہ سائنسی و فنی تدقیقات پر، اور عرف عام میں اسے تصویر ہی سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ ہر بات سے صحیح صادق اور طلوع و غروب کا علم کسی دقیق علم و فن پر موقوف نہیں بلکہ عام مشاہدہ پر ہوتا ہے۔

(۶) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ علماء اس پر دو ٹوک اعلان کرنے سے جھجکتے ہیں یا جھجک جائیں، تب بھی اس میں تصویر سے بڑھ کر مفاسد پائے جاتے ہیں، جن میں سے چند ایک اہم بیان کیے گئے ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ظاہر ہے کہ کسی چیز کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ اس کے عام استعمال و انتفاع کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے نہ کہ محض امکانِ عدم استعمال کے پیشِ نظر۔

ماضی قریب کے بعض جدید مفکرین نے سینما دیکھنے کو یہ کہہ کر جائز قرار دیا تھا کہ یہ سینما ہال میں اسکرین پر ظاہر ہونے والی صورت تصویر نہیں عکس ہے، اس سے نوجوان نسل کو عریاں و فحش فلمیں دیکھنے کی جو ترغیب و تشویق ہوئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، وہ ہوا یہ کہ جائز و حرام فعل کو جائز سمجھ کر بے محابا کرنے لگے۔ اب ٹیلی ویژن بعض علماء کی اس تحقیق کو ہے کہ ویڈیو تصویر کو چونکہ قرار دیا نہیں اس لئے یہ تصویر نہیں، اس سے وہ عوام جو ٹی وی وغیرہ کو ناجائز سمجھ کر اس سے گریزاں و ترساں تھے، ان کو اس گنجائش سے کھلی چھٹی مل گئی اور وہ جائز و منکرات سے پاک مناظر کو دیکھنے کے بہانے رفتہ رفتہ ہر غلط پروگرام، رقص و سرود اور عریانی و فحاشی کے مناظر دیکھنے میں مشغول ہو رہے ہیں، اس کا مشاہدہ معمولی کوشش سے کیا جا سکتا ہے کہ بعض بظاہر دیندار لوگوں نے مسجدوں میں جمعہ وغیرہ کے مناظر دیکھنے دکھانے کے بہانے ٹی وی اور ویڈیو لا کر رکھ دیا اور پھر ہر فحش و بے ہودہ فلم دیکھنے کے عادی ہو گئے، اس طرح نوجوان نسل دین و آخرت کی تباہی کا شکار ہو رہی ہے اور بعض مخلص دینی جماعتوں اور جہادی تنظیموں سے منسلک نوجوان اپنے اندر دین و جہاد کا جذبہ پیدا کرنے کی بجائے بے ہودہ فلموں اور گانوں کا شکار ہو رہے ہیں، جس سے دین و جہاد کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔

اللھم انا نعوذ بک من شرور الفتن ما ظھر منھا وما بطن، انت العاصم ولا ملجأ ولا منجا منک الا الیک، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(احسن الفتاوی ج ۹ ص ۸۸)

اعتراض :

تصویر میں اصل حقیقت نہ تصویر کی ہے بلکہ ڈیجیٹل تصویر تو پرنٹ تصویر سے بھی ایک قدم آگے ہے کہ کوئی واضح صورت بھی نہیں اور کوئی حقیقت کی دوسری حقیقت سے مختلف ہو تو صرف ظاہری اعتبار سے ان کی طرح ہوتے ہوئے اس حقیقت سے ظاہری اعتبار سے ایک قدم آگے ہو گئی ہے تو ایک دوسرے کا حکم الگ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ حکم بھی ہو گا تصویر میں؟ تو جواب یہ ہے کہ صرف ظاہری مشابہت کی وجہ سے ایک پر دوسرے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا بلکہ شریعت ...... اصل حقیقت کے اعتبار سے ہی حکم لگاتی ہے۔

جواب:

جواب اول: یہ تفصیل درج بالا صورت میں تو چل ہی نہیں سکتی کیونکہ یہاں صرف ظاہری مشابہت نہیں بلکہ تصویر اور عکس دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ تصویر کی حقیقت دو چیزوں پر مبنی ہے (۱) صورت (۲) پائیداری یعنی عکس کے تابع ہوئے بغیر نظر آنا اور اس بنیادی حقیقت میں یہ عکس بھی پائیدار نظر آنے والا عکس بھی تصویر کے ساتھ پورے طور پر شریک ہے۔ البتہ بیان کردہ یہ تفصیل اشیاء کے عکس ہونے کی صورتوں میں چل سکتی ہے کیونکہ ان تمام صورتوں میں صرف ظاہری مشابہت ثابت ہو رہی ہے۔ حقیقت میں دونوں مختلف ہیں جبکہ ان میں سے کسی ایک چیز میں بھی مشابہت نہیں لہٰذا اس کو عکس کا حکم دیا جائے گا۔ جبکہ یہاں حقیقت ایک ہی ہے اس لیے فیصلہ یہ ہو گا کہ یہ شرعاً حرام اور تصویر ہے اس کا بنانا اور دیکھنا دونوں حرام ہے۔

جواب دوم: معاملہ صرف عبادات ہی کا نہیں بلکہ معاملات سے بھی ہے اس میں ظاہری مشابہت کو بالکلیہ نظر انداز کرنا بھی درست نہیں۔

حدیث میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اعتکاف کے دنوں میں ملاقات کے لئے ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائی تھیں، واپسی پر جب آنحضرت ﷺ ان کو گھر تک چھوڑنے کے لئے ساتھ روانہ ہوئے تو مسجد کے دروازے کے پاس ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے دروازے کے قریب جب آپ ﷺ ان کے ساتھ کھڑے ہو کر گفتگو فرما رہے تھے کہ دو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہاں سے گزرے، انہوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور آگے بڑھ گئے، آپ ﷺ نے انہیں آواز دے کر واپس بلایا اور فرمایا کہ یہ صفیہ بنت حیی ہیں، تاکہ وہ یہ گمان نہ کریں کہ آپ ﷺ اپنی زوجہ مطہرہ کے سوا کسی عورت سے باتیں فرما رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ سبحان اللہ یا رسول اللہ (ﷺ)! بھلا آپ کے بارے میں بھی کوئی بدگمانی ہو سکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک شیطان تو انسان کی رگوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تمہیں خون کی طرح دوڑتا ہے مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ ڈال دے۔

(بخاری ج ا ص ۲۷۲، ۲۷۳ قدیمی کتب خانہ)

اس قصہ میں اجنبی عورت سے گفتگو کے ساتھ صرف ظاہری مشابہت تھی، حقیقت میں کوئی مشابہت نہ تھی جس سے بچنے کا آپ ﷺ نے اس قدر اہتمام فرمایا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مشہور قصہ فضل الباری میں فتح الباری کے حوالے سے منقول ہے کہ امام بخاری ایک دفعہ طلب حدیث کی خاطر دریا کا سفر کر رہے تھے امام کے پاس ایک ہزار اشرفیاں تھیں دوران سفر ایک شخص بڑی عقیدت سے پیش آیا اور روز بروز تقرب بڑھاتا رہا امام نے اس سے اپنی اشرفیوں کا ذکر کر دیا ایک دن صبح کو اس شخص نے شور وغل مچانا شروع کر دیا لوگوں نے متعجب ہو کر اس آہ و بکا کا سبب دریافت کیا تو بولا میرے پاس ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی تھی آج وہ میرے سامان میں نہیں ہے تفتیش کے لئے جہاز والوں کی تلاشی لی جانے لگی امام نے یہ دیکھ کر تھیلی سمندر میں ڈال دی امام کی تلاشی بھی لی گئی جب کسی مسافر کے سامان سے وہ تھیلی نہ ملی تو لوگوں نے اس شخص کو اس حرکت پر شرمندہ کیا جب سفر ختم ہو گیا اور جہاز کے تمام مسافر اتر گئے تو تنہائی میں وہ شخص امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملا اور اشرفیوں کے بارے کہنے لگا کہ آپ نے اشرفیوں کی جس تھیلی کا مجھ سے ذکر کیا تھا وہ کہاں ہے؟ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے سمندر میں پھینک دی تھی اس نے کہا کہ اتنی بڑی رقم کو برباد کرنے کے لئے آپ کیسے آمادہ ہوئے اور اس تھیلی کی خاطر یہ برداشت کیا؟ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری پوری زندگی سید الکونین ﷺ کی احادیث کے جمع و ترتیب میں گزر گئی اور سب میری ثقاہت اور دیانت اور پاکیزگی ضرب المثل بن گئی ہے چند اشرفیوں کے لئے زندگی کی کمائی اور عمر عزیز کے گراں قدر متاع کو گنوا کر حاصل کی ہے چوری کا شبہ اپنے اوپر لے کر کیسے ضائع ہونے دیتا۔ (فضل الباری ج ا ص ۵۵)

اسی اصول حدیث میں ہے کہ اصل ہے کہ متہم بالکذب وغیرہ کی حدیث بھی مقبول نہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قال ابن الحجر: إما أن يكون لكذب الراوي أو تهمته بذلك

(شرح نخبۃ الفکر ص ۳۳ قدیمی کتب خانہ)

اسی طرح ایک قولی حدیث "اتقوا مواضع التهم" کہ یہ حدیث اگرچہ لفظاً ثابت نہیں لیکن معنی صحیح ہے۔ اور معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر مروی ہے:

من سلك مسالك الظن اتهم، رواه الخرائطي في مكارم الأخلاق مرفوعا

(کشف الخفاء ج۱ ص ۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

سے پتہ چلا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس کا ظاہر کسی کے ظاہر سے مشابہ ہو اور اس کے اختیار کرنے سے تہمت لگنے کا خطرہ ہو تو اس سے بھی بچنا چاہیے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان عتبة بن أبي وقاص عهد إلى أخيه سعد بن أبي وقاص أن ابن وليدة زمعة مني فاقبضه إليك، فلما كان عام الفتح أخذه سعد فقال: إنه ابن أخي، وقال عبد بن زمعة: أخي، فتساوقا إلى رسول الله ﷺ فقال سعد: يا رسول الله! إن أخي كان عهد إلي فيه، وقال عبد بن زمعة: أخي وابن وليدة أبي ولد على فراشه، فقال رسول الله ﷺ: هو لك يا عبد بن زمعة، الولد للفراش وللعاهر الحجر، ثم قال لسودة بنت زمعة: احتجبي منه لما رأى من شبهه بعتبة فما رآها حتى لقي الله. متفق عليه (المشکوۃ ص ۲۸۷)

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پردہ کا حکم دینا یہ بھی صرف ظاہری مشابہت کی بناء پر تھا ورنہ حقیقت میں الولد للفراش وللعاهر الحجر کے قانون کے مطابق ان کا بھائی تھا۔

وضاحت: بعض حضرات نے اسلامی بینکنگ کی بعض صورتوں کا ذکر کیا ہے کہ صورۃً سودی بینکنگ کے مشابہ ہیں اور حقیقۃً فرق ہے۔ یہ بھی قابل غور بات ہے۔ کیونکہ متعدد علماء کرام فرماتے ہیں کہ ان کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

صرف الفاظ تو شرعی ہیں معنی اور حقیقت میں سود ہے۔ اور اس کی مثال بعینہ اس طرح ہے جیسے گدھے کو حلال جانوروں کے ناموں سے حلال کرنے کی کوشش کی جائے ظاہر ہے کہ ناموں سے حلال نہیں ہوگا جب تک نمک کی کان میں جا کر بکھر کے نمک بن کر اپنی حقیقت سے دست بردار نہ ہو جائے۔

حقیقۃ یہ سود الترام کے الفاظ استعمال کر کے یہ کوشش ضرور کی ہے کہ الزام کو کسی طرح التزام میں داخل کر کے حلال کر دیا جائے۔ حقیقۃً تو ان الفاظ سے وہ اس میں داخل ہوا ہے اور نہ ہی کوئی اس کو داخل سمجھتا ہے۔

التزام کی حقیقت دیانات میں تو مسلم ہے کہ ایک آدمی یہ کہہ دے کہ میں نماز میں کوتاہی یا غیبت کرنے پر میں صدقہ کروں گا لیکن معاملات میں جہاں انسان اپنے آپ کو ادا کرنے پر کسی قانون کے دباؤ میں مجبور سمجھتا ہو وہاں التزام کا لفظ تو ہوگا مگر اس کی حقیقت نہ ہوگی۔ لہٰذا بقول بعض کے ظاہری الفاظ اور تحریر پر حکم لگانے کے بجائے حقیقت پر حکم لگایا ہے۔

کیونکہ یہ عقود بیع یا معاملات میں سے ہے لہٰذا دین کی شریعت نے جو معانی اور مصداقات مقرر کئے ہیں حکم بھی انہی پر ہوگا۔

اسی طرح جو سود یہ ہو وہ تو محض نام کی تبدیلی سمجھی جائے لیکن چونکہ یہ معاملات میں سے ہیں لہٰذا امر ایک پر اس کے مطابق حکم لگے گا۔

نیت بدلنے سے ملکیت جو ہوتی ہے تو اس میں ظاہر و باطن کا جھگڑا کہاں ہے؟ کتنے ہی لوگ ہیں کہ بیچنے کی نیت سے مکان خرید لیتے ہیں بعد میں بیچنے کی نیت بدل کر رہائش اختیار کر کے رہائشی مکان بنا لیتے ہیں۔ یہ بھی کچھ ایسا ہی ہوا کہ اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ بہرحال حضرات محققین کرام سے مسئلہ دریافت کر کے اس پر عمل کیا جائے۔

تنبیہ: حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب کی جس دوسری شق پر بعض نے اعتراضات کئے تھے ان کے جوابات تفصیل سے گذشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بعض تسامحات کی نشاندہی

نمبر (۱) :

سود جیسی چیز ہے اس کے باوجود اس کی مشابہت سے بچنا شرعاً فرض و واجب نہیں صرف افضل و اولیٰ ہے۔

جواب :

یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ شبہ ربو کی ممانعت ربو ہی کی طرح ہے۔

لتحقق شبهة الربوا وهي مانعة كالحقيقة (الہدایہ ج ۳ ص ۸۳، رحمانیہ لاہور)

البتہ شبہۃ شبہۃ ربو کا حکم حقیقت ربو کی طرح نہیں۔

فيكون الشبهة فيه في شبهة الشبهة وهي غير معتبرة (الہدایہ ج ۳ ص ۸۲، رحمانیہ لاہور)

اسی طرح بہت سی صورتیں جو ذریعہ شرک ہے عوام کے سامنے ان کو شرک سے بچانے کے لئے اس کا ترک کرنا ضروری ہے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: البتہ عوام کا سا اعتقاد ہو جیسا کہ اس کو حاضر و ناظر و متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں، یہ صریح ضلالت ہے اگر اس کی صورت بھی ہو تو اس کو بھی ترک کرنا چاہئے کیونکہ اس میں تشبہ ہے۔

(التکشف عن مہمات التصوف: ۲۹۹، کتب خانہ مظہری)

نمبر (۲) :

ذریعہ کا حکم یہ ہے کہ جو ذریعہ حرام کا ہو وہ بھی حرام ہے ... حرام ہونا ضروری ہے ... البتہ جو ذریعہ بعید ہو وہ حرام نہیں کیونکہ یہ ذریعہ کا ذریعہ ہے اور ذریعہ کا ذریعہ جب بعید ہے اس لئے ناجائز نہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جواب :

یہ بھی ایک تسامح ہے کیونکہ جو ذریعہ کسی ذریعہ کو سبب بعید کہہ کر اس کے جائز ہونے کا فتویٰ، نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”باب من اطلع فی بیت قوم ففقؤا عینہ فلا دیۃ لہ“ (بخاری ج۲ ص۱۰۲۰) قائم کر کے اس مضمون کی کئی احادیث کو ذکر فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے گھر میں جھانکنا بہت بڑی معصیت ہے حالانکہ یہ بدنظری کا ذریعہ ہے۔

اسی طرح بدنظری کے سلسلے میں یا کہہ رہا تھا کہ دوبارہ دیکھنا بدنظری کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ حدیث:

عن علی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا تتبع النظرۃ النظرۃ فان الاولی لک و الآخرۃ علیک (سنن ابی داؤد ج۱: ۲۹۲، دار المعرفۃ بیروت)

اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جہاں آپ کو ظن غالب یہ ہو کہ کوئی نامحرم نہیں ہے اس وقت اگر یکدم کوئی خاتون سامنے آ جائے اور نظر پڑ گئی تو معاف ہے اور جہاں آنے کا ظن ہو وہاں نظر اٹھا کر دیکھنا ہی جائز نہیں رہے گا۔ پہلی نظر بھی معاف نہیں۔ اسی طرح شرعی پردہ فرض ہے، بے پردگی حرام ہے جو ذریعہ ہے فحش کو پھیلانے کا۔

ماہرین فن کی آراء کی روشنی میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے علماء کرام کی تحقیقی کاوش

جب یہ دعویٰ کیا گیا کہ ڈیجیٹل کیمرے سے تصویر سازی کا طریقہ جب رائج ہوا تو اس کے تکنیکی اور فنی پہلو کو سمجھنے کے لئے ماہرین سے مشورہ کرنا ضروری تھا، لہٰذا تحقیق کی گئی اور تحقیق کے بعد جوابات واضح صورت میں دئیے جا رہے ہیں۔

کیمرے کے ذریعے تصویر بنانے والی تکنیک کے مختلف طریقے اقسام ہیں:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۱) قدیم نظام جس کو اینالاگ سسٹم (غیر عددی نظام) کہتے ہیں۔

(۲) جدید نظام جس کو ڈیجیٹل سسٹم (عددی نظام) کہتے ہیں۔

(۱) اینالاگ سسٹم (غیر عددی نظام) :

اینالاگ سسٹم میں تصویر سازی کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ کسی واقعی منظر کے عکس کا ایک پائیدار نقش کسی کیمرہ کی ریل کے ذریعے کسی پلاسٹک پر منعکس ہونے والی ساخت کی سطح پر محفوظ کرلیا جاتا ہے، جس کو صرف نیگیٹیو میں دیکھا جاسکتا ہے اور اس کے بعد مخصوص کیمیائی عمل سے گزار کر مخصوص کاغذ پر اصل منظر کے عکس کی تصویر کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ جن کیمروں میں ریل استعمال کی جاتی ہے ان سے حاصل کردہ تصاویر اسی نظام کے تحت بنائی جاتی ہیں۔

(۲) ڈیجیٹل سسٹم (عددی نظام) :

(۱) ڈیجیٹل سسٹم میں تصویر سازی کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جس منظر کو محفوظ کرنا یا دکھایا جانا مقصود ہوتا ہے منظر کو وصول کرنے والا اس منظر کے اندر موجود رنگوں کی روشنی کی لہروں کو برقی لہروں میں تبدیل کرتے ہوئے وصول کرنے والے آلے کی طرف ارسال کرتا ہے۔

(۲) یہ وصول کرنے والا آلہ (ریسیور) ان برقی لہروں کا ترجمہ ان کی قوت کی نمائندگی کرنے والے ایک عدد کے ذریعے مختلف اعداد کی صورت میں ایک مسلسل ترتیب کے ساتھ کرتا ہے۔

(۳) اعدادی صورت میں بھیجے گئے منظر کا ترجمہ کرنے کے بعد کیمرہ میں موجود میکنزم (تقسیم کرنے والا آلہ) اس منظر پر دلالت کرنے والے اعداد کے مسلسل ترتیب کے چھوٹے ٹکڑوں یا ذروں میں مختلف خانوں میں تقسیم کرتا ہے، یہ تقسیم جب تک کیمرہ کے اندر موجود ہوتی ہے یہ غیر حسی ہوتی ہے۔ (البتہ ایک عقلی اور معنوی تقسیم ضرور ہوتی ہے)

(۴) اب مرحلے میں موجود ایک ایک منظر کے ٹکڑوں پر مشتمل اعداد اور اصل روشنی کی اس قوت پر دلالت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرتے ہیں جس سے رنگوں کی روشنی کی لہریں پیدا ہوتی ہیں جو کہ اصل منظر کے اس حصہ میں تھیں جس حصہ کی تصویری معلومات یہ برقی خانہ ظاہر کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس چوکور خانے میں مطلوبہ رنگوں کے موافق بجلی کی لہروں پر ہدایت کرنے والے الیکٹرون شعاعوں (ایک اور منظر کے جوڑوں) کے ساتھ یہ ہدایت بھی محفوظ ہوتی ہے کہ اس برقی خانے کے الیکٹرون کے موافق قوت کی برقی لہروں سے روشنی کے رنگوں کی لہروں کو اسکرین کے پیچھے موجود تصویری حصہ کی جو مخصوص جگہ ہے کس حصہ پر ڈالا جائے تاکہ اس حصہ پر اصل منظر کے اس حصہ کا عکس ظاہر ہو جس حصہ کے متعلق معلومات پر یہ برقی خانہ مشتمل ہے۔

وہ برقی خانہ جس میں منظر کے متعلقہ حصہ کے رنگوں کے بارے میں معلومات اور منظر کے متعلقہ حصہ کے لئے اسکرین پر متعین مقام کی ہدایت ہوتی ہے فنی اصطلاح میں پکسل (Pixel) کہلاتا ہے۔

جب منظر ہوا میں اس کے ذریعہ کیمرے میں منظر کی روشنی کے رنگوں کی لہروں کے تمام مجموعے پر مشتمل ایک اور منظر کے جوڑوں کے الیکٹرون کے مرتب سلسلوں میں بکھری ہوئی معلومات کے اشاروں کو سکینر (تقطیع کرنے والے آلے) کے ذریعہ مخصوص بہت سے برقی خانوں (پکسل) کی صورت میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تو اس طرح اس منظر کی ایک صورتی و معنوی نقل تیار ہو جاتی ہے۔ جو اس منظر کے ہر رنگ و روپ (اور آواز پر مشتمل ہونے کی صورت میں آواز) کے تمام اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے۔

اب جو یہ ایک عکس صورتی اور معنوی نقل تیار ہو گئی ہے جو کیمرہ کے صورتی محفوظ کرنے کے مقام (ڈیجیٹل اسٹوریج Digital storage) میں محفوظ ہے۔ اس کو کسی بھی دوسرے صورتی محفوظ کرنے کے مقام میں منتقل کر کے اس سے متعلق آلے کے ذریعہ دیکھا جانا ممکن ہے۔

محفوظ کرنے کے آلے مختلف قسم کے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً فلاپی، سی ڈی، ڈی وی ڈی وغیرہ۔

وضاحت :

جب کسی منظر کو کسی اسکرین پر ظاہر کیا جانا مقصود ہوتا ہے تو اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ کیمرے یا ٹی وی میں موجود ایک چپ (جس میں منظر کے ذریعہ کروڑہا بجلی کی قوت کی معلومات کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

موافق روشنی کی لہریں گزر رہی ہوتی ہیں۔ ان مقررہ اور منفی قوت کی بجلی کے متعلق ہدایات کے موافق بجلی گزرنے سے موتی آن یا آف ہوتے رہتے ہیں۔ ایک اور صفر کے اشاروں کے موافق قوت کی بجلی اس چپ میں سے گزرنے سے موتیوں کے آن یا آف ہونے سے مطلوبہ رنگوں والی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ جن لہروں کو عددی ترجمہ میں دی گئی ہدایات کے موافق اسکرین کے پیچھے موجود ٹرانسسٹروں کی ہولی شیٹ (جس میں لاکھوں سوراخ ہوتے ہیں) کے مخصوص مقام پر ڈالا جاتا ہے۔ جب ٹرانسسٹروں کی ہولی شیٹ (چپ) پر مطلوبہ رنگوں کے موافق روشنی کی لہریں ڈالی جاتی ہیں تو اسکرین کا وہ حصہ چمکنے لگتا ہے۔ اور اس طرح اسکرین پر ہمیں اصل منظر جیسا منظر نظر آنے لگتا ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ڈیجیٹل نظام میں جس محفوظ شدہ منظر کا ترجمہ ایک اور صفر کی جوڑیوں پر مشتمل اعداد کے مجموعے میں کیا گیا ہوتا ہے اس کو دوبارہ ظاہر کرنے کے لیے بھی عددی ترجمہ کو سمجھنے والا آلہ درکار ہوتا ہے۔ جو اس عددی ترجمہ کے اعداد کی ہدایات کے موافق قوت کی بجلی کو چپ میں سے گزار کر موتیوں کے آن اور آف ہونے کے ذریعے مطلوبہ رنگوں کی روشنی کی لہروں کو اسکرین کے پیچھے موجود چپ پر ڈال کر اصل منظر کے مثل منظر دوبارہ ظاہر کر سکے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ڈیجیٹل نظام میں محفوظ شدہ منظر کی حفاظت کا نظام، اینالوگ سسٹم (غیر عددی نظام) کی نسبت نہایت بہتر ہوتا ہے۔ یعنی وقت گزرنے، دھوپ اور گرمی کی شدت اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ جبکہ اینالوگ سسٹم میں منظر کے عکس کو جس پلاسٹک کی شیٹ پر منعکس ہونے والی ساخت پر محفوظ کیا جاتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ اس میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ چنانچہ یہ کہنا درست ہے کہ عددی نظام (ڈیجیٹل سسٹم) کی حفاظت غیر عددی نظام (اینالوگ سسٹم) سے بہت زیادہ قابل اعتماد ہے۔ اور یہی خصوصیت ڈیجیٹل نظام کی بے پناہ مقبولیت اور ترقی کا راز ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

براہ راست نشر کیے جانے والے اور پہلے سے محفوظ شدہ پروگرام میں فرق

دونوں طریقوں میں اس کے علاوہ دوسرا کوئی بنیادی اور اساسی فرق نہیں ہے کہ: کسی ریڈیو یا ٹی وی کے ذریعے محفوظ شدہ پروگرام کو نشر کرتے وقت اصل منظر مثلاً کسی دوسرے مقام پر موجود نہیں ہوتا، جبکہ براہ راست نشر کیے جانے والے پروگرام میں اسی لمحے اصل منظر عملاً کسی دوسرے مقام پر ہوتا ہے۔

نیز نشر کرتے وقت جو ترتیب اختیار کی جاتی ہے، وہ ہر دو صورت یکساں ہوتی ہے یعنی اصل منظر کے عکس سے پڑنے والی روشنی کی لہروں کو برقی لہروں میں تبدیل کر کے وصول کرنے والے آلے کو ارسال کرنا، پھر وصول کرنے والے آلے کا ان لہروں کی قوت کا ترجمہ ایک اور صفر کی جوڑیوں پر مشتمل اعداد کی صورت میں کرنا، اور پھر ان اعداد کی ہدایت کے مطابق قوت کی بجلی کو ٹیوب میں سے گزار کر نقطوں کے ان اوقات میں جلنے کے ذریعے مطلوبہ نقطوں کی روشنی کی لہروں اور اسکرین کے پیچھے موجود فاسفورس لگی ہوئی شیٹ (جن میں کروڑ ہا مسامات ہوتے ہیں) پر ڈالنا تاکہ اس شیٹ کے چمکنے سے مطلوبہ منظر نظر آئے۔ یہ فرق صرف اتنا ہے کہ براہ راست نشر کیے جانے والے پروگرام میں یہ تمام مراحل تقریباً ایک سیکنڈ کے اندر طے ہوتے ہیں، جبکہ محفوظ شدہ پروگرام میں اصل منظر کی معلومات کو ایک اور صفر کے اعداد کے سلسلوں میں محفوظ کرنے کی صورت میں درمیانی عمل موقوف ہوتی ہے اور دیکھنے کے وقت صرف محفوظ شدہ معلومات کے مطابق بجلی کی لہروں سے نقطوں کی لہریں پیدا کر کے مطلوبہ منظر دوبارہ پیدا کیا جاتا ہے۔

(۱) چنانچہ براہ راست پروگرام میں اصل منظر عملاً اسی لمحے کسی دوسرے مقام پر ہوتا ہے، اور اسی لمحے وہی منظر اسکرین پر دیکھا جا سکتا ہے۔

(۲) اور یہ منظر اسکرین پر ایک سیکنڈ میں ۲۵ سے ۳۰ مرتبہ تبدیل ہوتا رہتا ہے، لہٰذا بظاہر کوئی شبہ ان دونوں باتوں سے نہیں ہوتا کہ براہ راست نشر کیا جانے والا پروگرام عکس ہے یا عکس کے حکم میں ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

واقعہ کا عکس ہے جو آپ کا عکس ہے۔

اگرچہ بظاہر یہ بہت فرق ہے لیکن دقت نظر سے دیکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان دونوں میں فرق کے باوجود بھی یہ دو براہ راست نشر کئے جانے والے پروگرام بھی تصویر سازی اور انتقال تصویر داخل ہیں کیونکہ عکس تصویر ہی ہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ براہ راست نشر کئے جانے والے پروگرام میں بھی اصل منظر کی روشنی کے رنگوں کی لہروں کو جیسے کا تیسا نقل نہیں کیا جاتا۔ دوسرے لفظوں میں براہ راست نشر کئے جانے والے پروگرام میں بھی اسی طرح تصویر کشی کیمرہ میں اور ریکارڈنگ کیمرہ میں بھی۔ جو منظر ہم دیکھتے ہیں وہ روشنی کے رنگوں کی جن لہروں سے ظاہر کیا جاتا ہے وہ لہریں اصل منظر کی روشنی کے رنگوں کی لہریں نہیں ہوتیں جن کو منعکس کیا گیا ہو جیسا کہ آئینہ میں ہو یا منظر کو اگر دور بین یا شیشوں ، آئینوں کے ذریعہ دیکھا جائے تو ایسی صورت میں اصل منظر ہی کی لہریں ان شیشوں میں سے نفوذ کر کے پار ہوتی ہوئی ہماری نگاہوں کو نظر آتی ہیں اگرچہ ان کے انعکاس یا نفوذ کو نقل کہا جاتا ہے تصویر سازی نہیں کہا جاتا۔

جبکہ براہ راست نشر کئے جانے والے پروگرام میں اصل منظر کی روشنی کی لہروں کو جیسا کا تیسا نقل نہیں کیا جاتا بلکہ ان لہروں کو برقی لہروں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے اور اس تبدیلی سے ان لہروں کی ماہیت ہی تبدیل ہو جاتی ہے۔ یعنی اب وہ رنگوں کی لہریں نہیں رہیں بلکہ بجلی کی لہریں بن گئی ہیں۔ اس کے بعد کیمرہ سے ریسیور (وصول کرنے والا آلہ) ان برقی لہروں کی قوت کا ترجمہ ایک اور منظر کے جوڑوں پر مشتمل اعداد کی صورت میں کرتا ہے پھر اس ایک اور منظر کے جوڑوں پر مشتمل اعداد کی ہدایت کے موافق بجلی کی لہروں کو چپ میں سے گزار کر رنگوں کے آپس اور اتفاق ہونے سے منظر پر رنگوں کی روشنی کی شعاعیں دوبارہ پیدا کی جاتی ہیں جن کو ناظرین کے سامنے موجود شیشے کی ہوئی شیشہ پر ڈال کر اصل منظر کے مثل منظر کا نقش بنایا جاتا ہے۔ اور جب یہ بات ظاہر ہے کہ اصل منظر کی روشنی کے رنگوں کی شعاعوں کو نقل نہیں کیا گیا، بلکہ ان شعاعوں کو بجلی کی لہروں میں تبدیل کر کے کیمرہ سے ریسیور (وصول کرنے والے آلے) کی طرف

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ارسال کیا گیا ہے۔ اور پھر ان بجلی لہروں کی قوت کا ترجمہ ایک اور منظر میں کرنے کے بعد وہ مرسلہ بجلی کی لہریں جو بھیجی گئیں، اور پھر اس ترجمے کی مدد سے دوبارہ اسی قوت کی بجلی پیدا کر کے اس سے اصل منظر کی روشنی کے رنگوں سے مشابہ رنگوں کی روشنی کا منظر اس لگی ہوئی اسکرین پر ڈالی گئی ہے تو یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ ترجمہ صرف شخص یا کسی منظر کے عکس کا نقل نہیں ہے بلکہ اس منظر کے مثل منظر کا اختراع ہے۔ جو یقینی طور پر تصویر سازی کے زمرے میں داخل ہے۔

اس کی ایک تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ براہ راست دکھائے جانے والے پروگرام میں دکھایا جانے والا منظر اصل منظر سے کسی قدر متفاوت ہوتا ہے، اگرچہ یہ تفاوت اتنا معمولی ہوتا ہے کہ آسانی سے محسوس نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اصل منظر کے رنگ و روپ کے ترجمہ پر مشتمل ایک اور منظر کی جزئیوں کے ملنے کی بنا پر جو بجلی کی لہروں سے رنگوں کی جھلکیں پیدا کی جاتی ہیں ان میں قدرتی اور اصل رنگ سے قدرے تفاوت ہوتا ہے۔

نیز کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اصل منظر کی 100% نقل اور مثل اسکرین پر دکھائی نہیں جاتی بلکہ غیر ضروری اور غیر اہم حصوں کو چھوڑ کر بھی پیش کیا جاتا ہے۔

جب کہ اس کے برعکس آئینہ میں دیکھے جانے والے عکس میں جو منظر ہوتا ہے وہ بعینہ اصل منظر کی روشنی کی لہروں کا ہی عکس ہوتا ہے جو آئینہ کی سطح پر منعکس ہو کر نظر آتا ہے۔

اور یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ براہ راست نشر کیے جانے والے پروگرام میں اصل منظر اسی مقام پر موجود ہوتا ہے تو یہ بات براہ راست نشر کیے جانے والے پروگرام کو عکس ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں کیونکہ عکسی تصویر سازی میں بھی جب اصل منظر موجود ہوتا ہے تب بھی وہ تصویر سازی ہی رہتی ہے۔ ہاں یہ بات ہو سکتی ہے کہ اگر اصل منظر ہٹ جائے تو براہ راست پروگرام میں بھی مزید مناظر پیش نہیں کیے جا سکتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب براہ راست پروگرام میں اسی عملی منظر کو دکھایا جانا مقصود ہے جو کہ موجود ہوتا ہے تو اس منظر کی عکاسی روک دینے سے وہ منظر کس طرح دکھایا جانا ممکن ہوگا؟ نیز براہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

راست پروگرام میں اگرچہ اصل منظر موجود ہوتا ہے لیکن نشر کیا جانے والا منظر اس اصل منظر کے تابع نہیں ہوتا بلکہ اس ایک دوسری معلومات کے تابع ہوتا ہے جو کیمرہ میں محفوظ ہوتی ہیں، اگر متحرک منظر دکھانا مقصود ہوتا ہے تو دو طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس منظر کی مختلف اوضاع اور حالتوں پر مشتمل مختلف تصاویر کو مناسب رفتار اور ترتیب کے ساتھ اسکرین پر سے گزارا جاتا ہے جس سے وہ منظر متحرک محسوس ہوتا ہے، لیکن یہ طریقہ ان تصاویر میں ہوتا ہے جو کیمیکل کے ذریعے بنی ہوئی ہوں، جیسا کہ قدیم نظام اینالوگ سسٹم میں ہوتا تھا۔

جو تصاویر ذرات میں خانوں میں تقسیم ہو کر بنی ہوں جیسا کہ ڈیجیٹل سسٹم میں ہوتا ہے ان میں متحرک منظر دکھانے کے لئے مستقل تصاویر کو مخصوص رفتار اور ترتیب کے ساتھ اسکرین پر ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ تصویر کے جس حصہ میں حرکت دکھائی جانی مقصود ہوتی ہے اس حصہ کے مقام پر مختلف رنگوں میں حسب ضرورت تبدیلی لائی جاتی ہے اور باقی منظر اپنی جگہ برقرار رہتا ہے، گذشتہ سطور میں ذکر کردہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگرچہ براہ راست نشریات میں اصل منظر عملاً کسی دوسرے مقام پر ہوتا ہے، اصل منظر کے سامنے سے کیمرہ کے رخ کو ہٹانے سے اصل منظر نظر آنے سے رہ جاتا ہے، تاہم اس سے براہ راست نشریات کو عکس ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ جب مقصود ہی اس اصل منظر کی تصویر ہی ہے جو عملاً اس وقت موجود ہے تو اس منظر سے ان تصویر سازی کے ہٹ جانے سے اصل منظر کی تصویر کیونکر بن سکے گی؟ جس طرح آئینہ ہے جس منظر کو دیکھنا مقصود ہو آئینہ کو اس کے سامنے سے ہٹا لینے سے وہ منظر بھی نظر نہیں آتا ہے۔ کیمرہ سے یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ ٹی وی یا انٹرنیٹ کی اسکرین پر متحرک نظر آنے والا منظر جس میں ایک سیکنڈ ۳۰ / ۴۰ مرتبہ تبدیلی ہوتی ہے وہ بھی استقرار سے خالی نہیں ہے، اگرچہ یہ استقرار بہت معمولی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عدم استقرار ذاتی نہیں ہے بلکہ یہ عدم استقرار درحقیقت اس کیمرہ کے خود کار نظام کی طرف منسوب ہے جس میں ایک سیکنڈ میں ۳۰ / ۴۰ مرتبہ منظر تبدیل کرنے کی ہدایت موجود ہے اور اس خود کار نظام کو چلانے والے نے جب چاہا تو اس کی ہدایت کے موافق

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

منظر آتا ہے اور متحرک ہوتا ہے اور متحرک ہونے والے مقام پر اس کا اثر ذہنوں کے اندر سے زائل ہونے سے پہلے دوسرا منظر آجاتا ہے اس طرح درحقیقت ایک ٹھہرا ہوا منظر ہمیں اس طرح متحرک نظر آتا ہے کہ سابقہ منظر کا خیال ذہن سے زائل ہونے سے پہلے ہی دوسرا منظر آتا ہے (ایک منظر ذہن میں غائب ہونے کے بعد بھی) دوسرا کچھ وقت رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر پروگرام کو پیش کرنے والا اسکرین کے مختلف حصوں پر روشنی کی بوچھاڑ میں تبدیلی کرنے والے مقام کو روک دے تو یہ تصویر ساکن ہو جائے گی۔

براہ راست نشر کئے جانے والے پروگرام کے متعلق یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اصل منظر کے مقام پر موجود متحرک کیمرہ کے ذریعہ حاصل کی گئی روشنی کے رنگوں کی لہروں کو برقی ذرات میں تبدیل کر کے ایک مصنوعی مواصلاتی سیارے پر بھیجا جاتا ہے جس میں ان معلومات کی ایک نقل محفوظ کر کے ان کو دوبارہ اصل منظر کے مقام پر موجود کیمرہ کے ارسال کرنے والے آلے کی طرف بھیجا جاتا ہے اس تصدیق کے لئے کہ کیا یہی وہ معلومات ہیں جو اس آلے نے مواصلاتی سیارے کو ارسال کی ہیں؟ اور کیا اس میں فضا میں بکھری ہوئی دیگر چیزوں یا لہروں میں سے کسی لہر کی آمیزش تو نہیں؟ اس کے بعد جب معلومات کے درست ہونے کی صورت میں کیمرہ کا آلہ وہ معلومات مواصلاتی سیارے کو تصدیق کر کے دوبارہ بھیجتا ہے تو مواصلاتی سیارہ برقی ذرات کی شکل میں ان معلومات کو متعلقہ مرکز نشریات کی طرف ارسال کر دیتا ہے۔ چنانچہ مرکز نشریات ان کو دوبارہ تصویری شکل میں منتقل کرنے کے طریقہ کار سے گزار کر اس منظر کو نشر کر دیتا ہے۔ بعض اوقات مواصلاتی سیارے اور کیمرے کے ارسال کرنے والے آلے کے درمیان تصدیق کے لئے معلومات کا یہ اخذ و ارسال ہر حرکت کے لئے بھی ہوتا ہے اور بسا اوقات اس کا دورانیہ ایک سیکنڈ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مرکز نشریات میں پروگرام کے دوران ٹی وی پر دکھائے جانے والے منظر کو زیادہ صحیح اور خوبصورت بنانے کی غرض سے ایک پروگرام انجینئر ہر وقت موجود رہتا ہے جو ارسال کی گئی تصویری معلومات میں تبدیلی حسب منشاء اور حسب ضرورت کرتا رہتا ہے، جس میں رنگوں کو بدل لیا جانا بھی شامل ہوتا ہے اور کبھی وہ نشریات کے دوران اپنی طرف سے بھی چند مناظر داخل کرتا رہتا ہے جو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

عام تصویر ہو یا متحرک تصاویر ہوتے ہیں مثلاً تجارتی اشتہارات وغیرہ۔ اس کی انتہا تک کے ذریعے میں یہ واضح ہوتا ہے کہ براہ راست نشر کیا جانے والا پروگرام بھی تصویر سازی کے دائرے سے باہر نہیں بلکہ وہ بھی اسی سلسلے کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے جس کا مظاہرہ یہ ہے کہ ٹی وی اور مانیٹر کی اسکرین ہو یا کلوز سرکٹ کیمرہ یا کوئی بھی ویڈیو کیمرہ ہو تو مسلسل اس میں تصویر سازی کا عمل ہوتا ہے۔ باقی اس کا عدم استقرار تصویر سازی ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ عدم استقرار اس مصور کی طرف منسوب ہے۔ جس نے تصویر کو متحرک ظاہر کرنے کے لئے اور حقیقت سے قریب تر ظاہر کرنے کے لئے تصویر سازی کے اس نظام کو چلا دیا ہے، جس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ لمحے میں کئی مرتبہ تصویریں ہو کر متحرک نظر آئے۔

اس کی مثال خودکار اسلحہ چلانے والے کی سی ہے کہ وہ ایک گھوڑے (ٹریگر) کو دبا کر اسلحہ کو رکھ دے اور وہ اس سے بے نیاز ہو گیا ہو کہ مسلسل ترتیب کے ساتھ ہلاکت خیز مواد جاری ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ قسم ہتھیاروں کی ایک مرتبہ گھوڑا دبانے سے ہوتی ہے اور جو گولیاں اور بارود نکل کر مسلسل موجود ہے جس نے اس ٹریگر کو دبایا ہے جس کے دبانے سے خودکار نظام کے تحت تسلسل کے ساتھ ہلاکت خیز مواد پھیلا ہے۔

گویا ٹی وی اور سی ڈی اور دیگر آلات کے ذریعہ تصویر سازی کرنے والے مصور کا عمل اس مصور کی طرح ہے جو ایک سیکنڈ میں ... مرتبہ تصویر بنائے اور ہر تیج تصویر بنا کر اس کو باقی رکھنے کے عمل سے زیادہ سخت گناہ ہے کیونکہ اس مصور نے ... مرتبہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق میں ہمسری اور مشابہت کی کوشش کی ہے۔ یہ مشکل ... کے تحت بنائی گئی متحرک تصویر اور ہاتھ سے بنائی گئی غیر متحرک تصویر میں فرق صرف اتنا باقی رہ جاتا ہے۔

ہاتھ سے بنائی گئی تصویر میں مادی رنگ اور سیاہی استعمال کی جاتی ہے جبکہ اسکرین پر نظر آنے والی تصویر کے بنانے میں برقی لہروں کے ذریعہ روشنی کے رنگوں کی لہریں استعمال کی جاتی ہیں جن کو کروڑہا مسافت والی ... تصویر کی ... وہاں کے منظر پر منظر دکھایا جاتا ہے۔ جو ایک حقیقی منظر کے (نسبت ہاتھ کے ذریعہ بنائی گئی تصویر کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ تاہم یہ منظر بھی اصل مصور کا عکس ہوتا ہے جو ٹی وی یا

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

تصویر بھی بنے جیسا کہ سابقہ صفحات میں مفصلاً گزر چکا ہے۔

بہرحال اسی حکم کی وجہ سے ٹی وی، وی سی آر اور کمپیوٹر کی تصویر بھی حرام ہی ہے۔ ...." (مسودہ: ۱۳۴۳)

امریکی عدالت کا فیصلہ

آج ایک وفاقی عدالت نے قرار دیا ہے کہ کمپیوٹر سے تیار کردہ بچوں کی فحش گرافک تصاویر اتنی ہی غیر قانونی ہیں جتنی کہ [illegible] بچوں کی تصویر، غیر مطبوعہ شدہ فلمیں یا ویڈیو۔

یہ فیصلہ اس وقت سامنے آیا جب [illegible] نے خود اپنے ہی اعتراف جرم کی سزا کے خلاف اپیل دائر کی [illegible] کہ اس کے قبضہ میں کمپیوٹر سے تیار کردہ بچوں کی آٹھ فحش تصاویر ہیں۔ اس کے وکیل [illegible] تصاویر [illegible] کمپیوٹر اکاؤنٹ پر [illegible] کی ہیں، کم عمر بچوں کی جنسی تصویریں G.I.F (GRAPHIIC INTERCHANIC FORMAT) فائل کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ جیسے کہ [illegible] تصویریں بنی ہوئی ہیں۔

آج 9th سرکٹ یو ایس کورٹ آف اپیل نے [illegible] G.I.F فائلز بچوں کی فحش [illegible] کے وفاقی قانون کے دائرہ میں نہیں آتی۔

1996ء میں قانون کی تشریح [illegible] کمپیوٹر [illegible] میں [illegible] مواد (ڈیٹا) یا وہ [illegible] ان کو قانون کی تشریح میں شامل کر دیا گیا۔

عدالتی فیصلہ میں کہا گیا: "[illegible] کمپیوٹر [illegible] بچوں کی فحش تصاویر [illegible] G.I.F [illegible] ایک [illegible] ہے۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے حوالے سے تحریر فرمایا: "C.I.F کا مقصد ان بصری تصاویر کو جمع کرنے اور ان کی ترسیل کا ذریعہ ہی ہیں"

عدالت کے دوران سان فرانسسکو میں ایک وفاقی جج نے بچوں کی جنسی فحاشی کے حوالے سے ایک ایسے قانون کی حمایت کی جو کمپیوٹر تصاویر سے متعلق ہو۔

یو ایس ڈسٹرکٹ جج سیموئل کونٹی نے CHILD PORNOGRAPHY PREVENTION ACT کو برقرار رکھا جس کی رو سے کمپیوٹر کے ذریعہ ایسی تصاویر بنانا سنگین جرم قرار دیا۔

کونٹی نے اپنے موقف میں کہا کہ کانگریس کو یہ آئینی اختیار حاصل ہے کہ وہ بچوں کی ایسی "جعلی جنسی" تصاویر پر پابندی عائد کرے۔ درخواست گزاروں نے یعنی THE FREE SPEECH COALITION نے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کی۔

عدالتی فیصلے کی نقل

کیس نمبر: ....

آرادمولوے۔ ڈسٹرکٹ جج

حقائق مقدمہ (۱)

مدعا علیہ پر الزام ہے کہ اس کے پاس ۲ تصویروں کی کمپیوٹر فائلیں کہ جن میں بچوں کی فحش بصری تصاویر تھیں جو کہ مبینہ طور پر 18 U.S.C. Section 2252(a)(4)(B) کی خلاف ورزی ہے۔ ایک دوسرا الزام بچوں کی فحش فلمیں بین الریاستی تجارت میں بھیجنے کا تھا جو کہ امریکی مجموعہ قوانین کے 18 U.S.C. Section 2252(a)(1) کے خلاف ہے۔ ابتدائی تفتیش کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تصاویر سے متعلق الزامات میں مجرم پایا گیا۔ اپیل میں اس نے دعویٰ کیا کہ وہ کمپیوٹر G.I.F. files فائلز جن سے یہ تصاویر ڈاؤن لوڈ کی جا سکتی ہیں، وہ بصری تصویریں نہیں۔ جیسا کہ الزام سے متعلق قانون (statute) کی تحریر میں ہے۔ اس کے علاوہ اس کی دلیل تھی کہ الزام سے متعلق قانون میں وضع کردہ طریقہ کار سے متعلق معقول وضاحت نہیں دی ہے۔ ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

کسی قانون (statute) کی تحریر کی تشکیل کے لئے ملاحظہ ہو فلاں فلاں نمبر۔

بحث۔(II)

واضح رہے جب کانگریس 2252(a)(1) & (4)(B) کے تحت "تمام الیکٹرانک" منتقلی میں ان بصری تصویروں کو کسی بھی ذریعے سے جس میں کمپیوٹر بھی شامل ہیں، جس میں نابالغ بچوں کو واضح طور پر جنسی عمل میں مشغول کیا ہو، جرم قرار دیا گیا ہے۔ حوالہ 18 U.S.C. Section 2252(a)(1) (emphasis added) (اس پر زور دیا گیا ہے) اس کی رو سے تین یا اس سے زیادہ "میڈیا" جس میں ایسی بصری تصویریں ہوں، کا جان بوجھ کر قبضہ میں ہونا بھی غیر قانونی ہے۔ حوالہ

18 U.S.C. Section 2252(a)(4)(B)

جس وقت یہ مقدمہ ہوا اس وقت قانون میں تھا کہ: "بصری تصویروں میں غیر ڈویلپ شدہ فلم اور ویڈیو ٹیپ شامل ہیں" حوالہ 18 U.S.C Section 2256(5) (Law. Co-op. 1991)

مذکورہ بالا تعریف کے مطابق ڈسک میں جمع شدہ چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ 1996 میں کانگریس نے تعریف کو وسعت دے کر اس میں کمپیوٹر ڈسک میں جمع شدہ ڈیٹا (مواد) کو وہ [illegible] جو ان کو بصری تصویروں میں بدلنے کے قابل ہوں کو شامل کر دیا گیا ہے۔ حوالہ 18 U.S.C. Section 2256(5) (Law. Co-op. 1991 & supp. 1997)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

"کسی قانون کی تشریح کے وقت ہم سب سے پہلے قانون کی سادہ سیدھی زبان کو دیکھتے ہیں، جس سے اس قانون کی تمام وضاحت (Provision) تشکیل دی گئی ہوں۔ جس میں اس کا مقصد اور پالیسی بھی شامل ہوں تاکہ اس سے کانگریس کی نیت (ارادے) کا علم ہو سکے" (حوالہ Northwest Forest Rwsource Council v.Glickman, 82 F.3d 825,830 (9th Cir. 1996)۔

اگر قانون واضح نہیں ہے تو پھر ہم قانون سازی کی تاریخ کو دیکھتے ہیں (حوالہ Id. at 830-31.

(۱) بہ تشریح یہ ہے کہ اس مقصد (Condent) اس قانون کے دائرہ کار میں نہیں آتا، کیونکہ "بصری تصویر" کی جو تعریف دی گئی ہے (2256(5) کے سابقہ الفاظ میں شامل ہے اس میں (اگرچہ غیر ڈیولپ شدہ فلم اور ویڈیو ٹیپ شامل ہیں) مگر اس میں کمپیوٹر ڈیٹا کا ذکر نہیں ہے۔ تاہم سیکشن 2252 کے دفعات جس کے تحت ملزم پر جرم عائد کیا گیا ہے، کمپیوٹر کے ذریعے ایسی بصری تصویروں کی ترسیل پر قدغن لگاتی ہیں جن میں نابالغ بچوں کو واضح طور پر جنسی فعل میں مبتلا دکھایا گیا ہو۔ یہ سب (ملزم کی باتوں کا حاصل) اس عدالت کا نتیجہ ہے کہ یہ معلوم کیا جانا چاہیے کہ آیا کانگریس کمپیوٹر کے ذریعے بچوں کے جنسی افعال کی ترسیل کو غیر قانونی قرار دینے کی نیت رکھتی تھی یا نہیں؟ اس ابہام کے باوجود یہ نتیجہ نکالنا کانگریس کا ارادہ GIF کو کمپیوٹر بصری تصاویر کی تعریف میں شامل کرنے کا نہیں تھا (یہ نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟)۔

(۲) بصری تصاویر کی سابقہ تعریف غیر ڈیولپ شدہ فلم اور ویڈیو ٹیپ تک محدود نہیں۔ اس میں وہ ڈیٹا بھی شامل ہیں، جنہیں ان کو اسی طرح تبدیل نہیں کیا گیا ہے کہ جس میں ان تمام ایکشنوں کی مکمل ترسیل ہو سکے جو بصری فلم کی تشکیل کے لئے ضروری ہیں۔ (حوالہ 18 U.S.C. Section 2256(5)(1991) اس بارے کی دلیل United States v. Smith, 795 F.2d 841 (9th Cir. 1986) سے لی گئی ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسمتھ (Smith) نے کہا تھا کہ بچوں کی فحاشی سے متعلق قانون کی 1986ء سے پہلے والی تعریف میں بصری تصویری تعریف شامل نہیں۔ اسمتھ نے تین کمسن لڑکیوں کی مختلف انداز کے فوٹوگراف لئے اور فلم کو ڈیویلپنگ کے لئے بھیج دیا۔ فلم کی دھلائی کے بعد فوٹو کمپنی نے یو ایس پوسٹل انسپکٹرز کو اس کی اطلاع دے دی۔ اسمتھ پر بچوں میں فحاشی سے متعلق قوانین کے تحت مقدمہ قائم کر کے اس پر تمام الزامات عائد کئے گئے۔ (حوالہ Id. at 844-45)

اپیل دائر کرتے ہوئے اپیل کنندہ نے اسمتھ کی اس دلیل کو رد کر دیا کہ "پراسس نہ شدہ اور ڈیولپ نہ شدہ فلم" متعلقہ قانون کی رو سے بصری تصویری تعریف میں نہیں آتی۔ (حوالہ Id. at 846) اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے کہ "کسی بھی بصری نقل (Image) کی رنگین فلم کو انسانی آنکھ کی مدد سے دیکھنے کے لئے لازم ہے کہ پہلے اسے ایک کیمیکل پراسس سے گزارا جائے" عدالت نے حتمی رائے دی۔

متعلقہ قانون کے مقاصد کی رو سے پراسس نہ شدہ فلم کو شامل نہ کرنا بچوں کی ان جنسی فحاشی کے قوانین کی رو میں دخل ہوگا جو بچوں سے جنسی افعال کی تشہیر کے انسداد کو روکنے کے ایک ضروری اقدام کے طور پر تجویز ہوا ہے۔ اسمتھ نے حتمی طور پر زور دیا ہے کہ وہ بچوں کی جنسی فحاشی کی بین الریاستی تجارت کو بلا روک ٹوک جاری رکھنے کی حد تک آزادی ہوگی اگر تعریف میں غیر ڈیولپ شدہ فلم کو شامل نہیں کیا جاتا۔

اس طرح کا حتمی تجزیہ قانون کے مقصد سے متضاد ہے۔ فلم کی غیر ڈیولپ شدہ حالت متاثرہ بچے پر فلم بندی یا فلم سازی کی ترتیب دینے کی غیر قانونی تذلیل کا باعث ہونے والے نقصان کو ختم نہیں کرتی۔ اس لئے عدالت کا فیصلہ ہے کہ غیر ڈیولپ شدہ فلم "بصری تصویر" ہے۔ (حوالہ Id. at 846-47)

(۳) کمپیوٹر [illegible] G.I.F فارمیٹ پر لاگو ہوگی جو امریکی قانون کی اپیل 1996ء جس کی رو سے [illegible] G.I.F فائلز بچوں کی جنسی فحاشی کے مواد کو جمع کرنے اور ان کی ترسیل کا ذریعہ تھیں۔ [illegible] G.I.F فائلز کو تبدیل کرنے کے لئے ایک سافٹ ویئر پروگرام کی ضرورت ہے تاکہ G.I.F فائل کی تصویر کو کمپیوٹر سکرین پر دیکھا جا سکتا ہے یا وہ ہے تو اس کی تصویری کاپی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

بنائی جا سکتی ہے۔

(ج) مخصوص قانون میں 1996ء میں ترمیم ہوئی جس کی رو سے اس میں کمپیوٹرائزڈ ڈیٹا (مواد) کو بالخصوص شامل کر لیا گیا جیسا کہ G.I.F فائلز (''بصری تصویر بشمول وہ مواد جو کمپیوٹر ڈسک میں جمع ہوں یا وہ الیکٹرانک ذرائع، جو کہ تصویر میں تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں'') حوالہ 18 U.S.C.A. Section 2256 (West Supp. 1997) بالغرض یہ ترمیم اس کی اس دلیل کی حمایت میں ہے کہ 1996ء کا قانون G.I.F فائلز کا احاطہ نہیں کرتا تھا۔ تاہم، کانگریس کو چاہئے کہ قانون میں ایسی ترمیم کرے جو محض موجودہ قانون کی وضاحت کرتا ہو، کسی غلط تشریح کی اصلاح کرتا ہو یا عدالتوں کے متضاد فیصلوں کو دور کرتا ہو۔

چنانچہ کسی قانون میں ترمیم لازماً اس بات کی غمازی نہیں کرتی کہ غیر ترمیم شدہ قانون اس کے برعکس ہے۔

حوالہ United States v. Hawkins, 30 F.3d 1077, 1082 (9th Cir. 1994)

ہماری رائے یہ ہے کہ ترمیم ہونے سے پہلے والے قانون کی رو سے کمپیوٹرائزڈ G.I.F. Files بصری تصویر کی تعریف میں آتی ہیں۔ دونوں کی ذات اقدام (binary form) میں جاری کردہ بصری تصویر کی ترسیل کے معاملے پر صاف طور پر کانگریس کا فعل مکمل ہے۔

جواب

(د) ملزم بحیثیت مجموعی یہ موقف پیش کرتے ہیں جو اس نے قانون پر یہ کہتے ہوئے کیا ہے کہ ابہام کے ضابطے کو قانون پر لاگو کیا جائے۔ سپریم کورٹ نے United States v. Lanier, 137 L.Ed. 2d 432 (1997) میں فیصلہ دیتے ہوئے کہا کہ فوجداری مقدمات میں قانون کے ابہام کے ضابطے کا اطلاق صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب عدالت یہ قرار دے کہ وہ قانون (ابہام) نہیں ہو سکتا جسے عام سمجھ بوجھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دے تو ان سے کے معنی کو نمایاں تو کریں لیکن اس کے اطلاق پر اختلاف کریں (حوالہ Id. at 442)

دوم: تعبیری قاعدہ ـــ (the rule of lenity) کا اطلاق سختی سے جرائم سے متعلق ان قوانین تک محدود کیا جائے جن کی تعبیرات کو صحیح طور پر چلائے جا سکیں جو ان کے دائرہ اثر میں ہوں۔ (حوالہ Id.)

سوم: عدالت کو واضح بیان کی ضرورت ہے تاکہ قانون کی تعریف (تشریح) کرنی چاہیے۔ لیکن ہر ایسی تعریف تو "صحیح" نہیں ہوگی جس میں کوئی ایسی چیز ہو جسے کسی قانون یا کسی گزشتہ عدالتی فیصلے نے معقول طریقے سے اس کے دائرے میں نہ شامل کیا ہو۔

یہ تجزیاتی تکنیک کہ جس قانون کے تحت الزام عائد کیا ہے وہ آئینی طور پر جرم ہے کیونکہ ایسی C.I.F. files کی ترسیل اور قبضہ کو جو حقیقت میں واضح طور پر بصری تصویریں نہیں، یہ قانون اس بنیاد پر جرم بناتی ہے کہ یہ بصری تصویریں ہیں۔ اس قانون کو یہ بطور عام آدمی کی عام سمجھ اور ادراک سے بالاتر ہے جو اس کے مطالعہ کے وقت اس کے ذہن میں آتے ہیں۔

تصویریں سے اتفاق نہیں کرتے، بلکہ یہ قانون بنیادی اصطلاح (کہ جنسی) کو مطمئن کرتا ہے۔

(۲) جیسے کہ اوپر واضح کیا گیا کہ G.I.F. files بطور بصری تصاویر کو جمع کرنے اور ان کی ترسیل اور محفوظ کرنے کا ذریعہ ہیں۔ یہ قانون ایسے نابالغ بچوں کی بصری تصاویر کو جرم قرار دیتی ہے جنہیں فحش جنسی فعل میں مشغول دکھایا گیا ہو، خواہ کوئی بھی طریقہ رہے، اگرچہ یہ ذریعہ کمپیوٹر ہی کیوں نہ ہوں۔ حوالہ 18 U.S.C. Section 2252(a)(1)(4)(B)

اگر اس کے بعد بھی یہ مانا جائے کہ چاہے قانون کی مذکورہ تشریح اس بات کا تقاضا کرتی ہو کہ C.I.F. files کو بصری تصاویر کے دائرے میں لایا جائے تو اس طرح کی توضیح کوئی نئی بات نہیں جیسا کہ دیگر کئی مقدمات میں قرار دیا ہے۔ (دیکھئے Smith supra; اور مزید دیکھئے United State v. Thomas, 74 F. 3d 701, 707 (6th Cir. 1996) جس میں قرار دیا گیا ہے کہ G.I.F. files قانون کے دائرے میں آتے ہیں، اگرچہ یہ حتمی طور پر اس جرم کی ترجیح

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

متحرک تصاویر (ویڈیو) بھی، کیونکہ یہ دونوں ایک ہی طریقہ جس کے تحت یہ تصاویر حرکت کرتی ہیں، ان کی کمپیوٹر اسکرین پر قابل دید ہونے کی صلاحیت پر اثر انداز نہیں ہوتی جب انہیں کمپیوٹر اسکرین پر چلایا جائے (خواہ بہت دور ہونے والے تھوڑی دیر کے واسطے تحلیل کے طور پر) یا ان کی اس صلاحیت پر کہ (مثلاً) اس بہت دور ہونے والے قوسی حرکت کو بھی پر ثبت کیا جائے۔

چنانچہ انگلینڈ کے پاس موجود سب تصویریں اور رنگ موجود تھیں کہ G.I.F. files کے ذریعہ ان بصری تصاویر کے تحفظ میں یہ تصویری خلاف ورزی ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مولانا مفتی عبدالغفار صاحب مدظلہ
سکھر صوبہ سندھ

التنویر فی مسئلة التصویر

الحمد لله الذي صور في الارحام كيف شاء ولعن من صور ذوي الارواح وبين ماهية الصورة على لسان نبيه على كل انسان حتى البله والصبيان ووضع عدة احكام على العرف العام وصلى على من قلع اصول الكفر والشرك حتى المضاهاة بخلق الله وعلى من اتبع سبيله ببيان الحق والصواب

آج کل تصویر کے متعلق جو پیچیدہ مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ ڈیجیٹل کیمرہ کے ذریعے مناظر کے رنگوں کی لہروں کو برقی ذرات میں تبدیل کر کے کوڈ کی صورت میں کیمرہ میں محفوظ کیا جاتا ہے اور پھر ان معلومات کو بجلی کی لہروں کے ذریعے سکرین پر ایک شبیہ ظاہر ہوتی ہے اور یہ معلومات اتنی تیزی سے چلتی ہیں کہ پہلی تصویر ختم ہونے سے پہلے ہی دوسری آ جاتی ہیں تو سکرین پر جو ظاہر ہوتی ہے وہ تصویر نہیں اور جو تصویر ہے وہ مرئی نہیں کیونکہ اس میں حفظ و بقا نہیں جیسا کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں۔

ولكن هل يجري فيها حكم التصوير بحيث اذا كان التلفزيون (ٹیلی وژن) او الفيديو خاليا من هذه المنكرات باسرها فهل يحرم بالنظر الى كونه تصويرا قال لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه فيه وقفة وذلك لان الصورة المحرمة ما كانت منقوشة او منحوتة بحيث يصح لها صفة الاستقرار على شئ وهي

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

التصویرة التی تکون للکفار یستعملونها للعبادة الخ (تکملہ ج ۲ ص ۱۹۴)

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا کا موقف ہے کہ صورت ہے نہ عکس اور وہ مثال یہ دی کہ صورت کی تعریف یہ ہے کہ جس کو عکس کیا جائے یا تراشا جائے اور اس میں استقرار ہو اور تصویر کی حرمت کی علت عبادت اور تعظیم غیر اللہ کو قرار دیا یعنی چونکہ عبادت ان کی ہوتی تھی جن کو قرار ہوتا تھا تو اس لئے حرام بھی وہی ہیں اور جن کو قرار نہیں تو ان میں عبادت اور تعظیم غیر اللہ کی علت نہیں اس لئے یہ تصویریں بھی نہیں اور حرام بھی نہیں۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں کیونکہ تصویر اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کو دیکھ کر کوئی چیز تصور میں آجائے اور وہ کسی چیز کا پورا عکس ہے اور ہو بہو اس کی ہیئت و نقل کرے۔

الصورة عام فی ذی الروح وغیرہ والتمثال خاص بمثال ذی الروح (شامی ج ۱ ص ۴۳۷)

اس سے معلوم ہوا کہ تمثال وہ ہے جو کہ ذی روح کی شکل ہے خواہ اور استقرار ہو یا نہ ہو اور استقرار تصویر کی حقیقت کا تقاضا نہیں ہے نہ لازم ذات ہے اور نہ لازم بین بمعنی الاخص اور نہ لازم بین بمعنی الاعم ہے اگر یہ دلائل تصویر سے تجرید و مثال کے تصویریں گزر بھی ہو جاتے ہوں تو بھی ان کے دیکھنے سے پوری تصویر ذہن میں آتی ہے اور اس کا عکس ہو رہا ہے اگرچہ فی الواقع ایک سیکنڈ میں لاکھوں شکلیں بن رہی ہوتی ہیں جن میں سے ہر ایک تصویر ہوگی سب کا مجموعہ ایک تصویر ہوگی کیونکہ بظاہر ہمیں ایک ہی دکھائی دے رہی ہے اور ہماری نگاہ اس کو ایک ہی تصویر سمجھ رہی ہے رہی یہ بات کہ ہمارے علماء متاخرین بالخصوص ابن عابدین وغیرہ نے حضرات تعریف میں استقرار کو ذکر کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت چونکہ تصویر کو سخت وغیرہ سے محفوظ کیا جاتا تھا تو اس لئے لوگوں کو تصویر اور عکس کا فرق سمجھانے کے لئے ان حضرات نے استقرار کا ذکر کیا کہ یہ بات کا نقش معمول ہے جبکہ تصویر کی آج کل سائنس کی ترقی کے دور نے ثابت کر دیا کہ استقرار تصویر کی حقیقت سے خارج اور عرض مفارق ہے کیونکہ تصویر میں ہے کہ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ استقرار بھی مختلف ہے جیسے کہ کاغذ کی نقش اور دیر تک پائیدار رہے گا اور بعض پر کم اب اگر اتنا قرار ہو کہ ایک چیز پوری طرح محفوظ ہو جائے تو استقرار کے لئے اتنا کافی ہے اگرچہ وہ ایک سیکنڈ ہی رہے ہاں اگر پوری تصویر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بچنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے جیسا کہ پانی پر خط کہ ابھی آخر تک پہنچے گا ہی نہیں کہ اول ختم ہو جائے گا تو البتہ استقرار کی بجائے حرمت استقرار کی جزئیت اور تعریف تصویر کو دلالۃ تطبیقی سے ثابت کرتا ہوگا بلکہ اس کے بالکل برعکس لغت کی کتابوں کو اگر دیکھا جائے تو کوئی لفظ ایسا نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہو کہ استقرار ماہیت تصویر میں داخل ہے یا استقرار شرط ہے۔

صورة الشيء ما يؤخذ منه عند حذف المشخصات ويقال صورة الشيء ما به يحصل الشيء بالفعل (التعریفات ج ۱ ص ۱۳۱ مادۃ الصورۃ ولسان العرب ج ۴ ص ۴۷۳)

مادة صور الصورة الشكل (القاموس المحیط ج ۱ ص ۵۲۸)

الشكل الشبه والمثل وصورة الشيء المحسوسة والمتوهمة

(القاموس المحیط ج ۱ ص ۱۳۱)

التمثال: الصورة والجمع التماثيل (مختار الصحاح) قال ابن الاثير الصورة ترد في كلام العرب على ظاهرها وعلى معنى حقيقة الشيء وهيئته وعلى معنى صفته (لسان العرب ج ۴ ص ۴۷۳)

ہو اس طرح تصویر کی حرمت کی علت عبادت یا تعظیم غیر اللہ یا تعبد بالکلیہ نہیں بلکہ مشابہت بخلق اللہ ہے اور مطابقت بصورت میں حاصل ہے خواہ بڑی ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ دور سے دیکھنے میں بھی نہ آتی ہو اور استقرار بھی ہو یا نہ ہو جیسا کہ حدیث میں اللہ رب العزت نے مخلوق کے ساتھ تشبیہ ہو رہی ہے اور وہ حرام ہے جیسا کہ تعظیم غیر اللہ یا کراہت صلوٰۃ کے لئے علت ہے کہ بڑی ہو یا اتنی ہو کہ نمایاں ہو تو نماز مکروہ ہو جائے گی اور اس طرح سامنے ہو اور ان سب صورتوں میں تصویر دور سے دیکھنے میں آئے اگر نہیں تو نماز مکروہ نہیں یا کراہت صلوٰۃ کے لئے علت ہے کہ تعظیم کے بعد اس کو باقی رکھنا یا رکھنا جب وہ تصویر بڑی ہو اگر چھوٹی ہو تو بعد ازاں اس کو بھی حرام نہیں اگر بڑی ہو تو اس کو باقی رکھا جا سکتا ہے تصویر بنانے کی علت تو اصل میں بنانے کی علت مشابہت بخلق اللہ ہے تو ہر صورت میں موجود ہے بڑی ہو یا چھوٹی ہو دور سے دیکھنے میں آتی ہو یا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

قریب سے دیکھنے میں آتی ہو اتنی حقیر نہ ہو تو اس لئے بنانا سب کا حرام ہے

(۱) قلت لكن مراد الخلاصة التي المصرح في المتون بدليل قوله في الخلاصة بعده ضم الما اذا كان في يده وهو يصلي لا يكره وكلام النووي في فعل التصوير ولا يلزم من حرمته حرمة الصلاة فيه بدليل ان التصوير يحرم ولو كانت الصورة صغيرة كالتي على الدرهم او كانت في اليد او مستترة او مهانة مع ان الصلاة بذلك لا تكره بل ولا تكره لان حرمة التصوير لمضاهاة لخلق الله وهي موجودة في كل ما ذكر وعلة كراهة الصلاة بها التشبه وهي مفقودة فيما ذكر

(ردالمحتار ج۱ ص۶۴۸)

(۲) فان ظاهره ان ما لا يؤثر كراهة في الصلاة لا يكره ابقاؤه وقد صرح في الفتح وغيره بان الصورة الصغيرة لا تكره في البيت قال ونقل انه كان على خاتم ابي هريرة ذبابتان ولو كانت تمنع دخول الملائكة كره ابقاؤها في البيت لانه يكون شر البقاع وكذا المهانة كما مر ....

تنبيه: هذا كله في اقتناء الصورة واما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقا لانه مضاهاة لخلق الله (ردالمحتار ج۱ ص۶۵۰)

خلاصہ یہ کہ جو صورت رد المحتار میں ہے وہ محفوظ رکھنے کی ہے تصویر بنانے کی نہیں ہے بلکہ یہ تصویر کا بنانا منع کرتا ہے اور ویڈیو ہو یا فوٹو ہے یہ تصویر ہے بعینہٖ تصویر کے حکم میں ہے اور متقدمین اکثر حرام ہی کہتے ہیں اور ٹی وی، ویڈیو میں جیسے تصویر کو محفوظ رکھنا بھی تصویر ہی کے حکم میں ہے بلکہ وہ تصویریں ہیں جو عرف میں مخصوص ہیں حرام ہیں کیونکہ اس لئے ان کا لینا دینا بھی حرام ہے اگر ان کی ویڈیو میں جو تصویر بنا کر اور محفوظ کرنے کا اگر امکان نہ ہو یعنی دوسری جگہ منتقل نہ ہو سکتی ہو اور ٹی وی کا شیشہ پر عکس ڈال دیا جانے والا یہ مصور ہے اور جو سکرین پر آیا ہے وہ تصویر ہے تو یہ وہ چیز ہے جس کی اشیاء کے عکس کی طرح ہیں جو جسم اجزاء اور الوان سے قائم ہیں اب کیمرے سے لی گئی تصاویر ہیں اور ٹی وی پر جو موجود ہے وہ موضوع ہوتا ہے اور اس کو فی الحال کوئی حد بھی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ وقت میں محل مجھی ان رنگتی تھی جس سے وہ قائم ہوا اور بذات خود قائم نہیں ہو سکتا تھا اور جس وقت وہ اسے جیسے وہ اسکرین پر آ گئیں تو اسکرین چونکہ کثافت والا شیشہ ہے اس پر سے رنگتیں پرلی طرف متجاوز نہیں ہو سکتی تھیں تو وہ صورتیں دیکھنے میں آنا شروع ہو گئیں جو پہلے کیمرہ میں آنے سے پہلے اپنے اجسام سے قائم تھیں۔

جس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ رویت کی حقیقت میں اگرچہ اختلاف ہے کہ آیا رویت مرئی کے عکس کے حدقہ میں انطباق سے ہوتی ہے یا آنکھ سے نوری شعاعوں کے نکل کر مرئی سے ٹکرانے کے ساتھ ہوتی ہے لیکن اس حد تک سب کا اتفاق ہے کہ کوئی چیز دیکھنے میں تب آئے گی جب نظر کے سامنے ہو اب دیکھا جائے گا کہ واسطہ پانی یا شیشہ جیسی شفاف ہے یا نہیں شفاف کا مطلب یہ ہے کہ نگاہ اس واسطہ پر نہ رکے اور پار ہو کر مرئی تک پہنچ جائے اس صورت میں بھی مرئی اصل چیز ہوگی جیسا کہ عینک سے یا پانی سے (جبکہ پانی کی صورت میں جانب ثانی میں کثیف چیز نہ ہو) دیکھنا اگر رائی اور مرئی کے درمیان جو واسطہ ہے وہ شفاف نہیں یعنی نگاہیں اس واسطہ پر رکتی ہیں اور آگے اصل چیز کی طرف سرایت نہیں کرتیں تو پھر دیکھا جائے گا کہ رائی اور واسطہ کی آپس میں مواجہت ہے یا نہیں اگر مواجہت ہے تو اس واسطہ کا نام عکس ہوگا جیسے پانی میں دیکھنا یا شیشہ میں دیکھنا تو اس وقت واسطہ کی جانب مخالف کوئی کثیف چیز ہوتی ہے جس کی وجہ سے نظر اس واسطے سے پار دوسری طرف نفوذ نہیں ہوتی کہ اصل چیز دیکھنے میں آئے لیکن رائی اور واسطہ کی مواجہت کی وجہ سے سامنے والا عکس ہوتی ہے اس لئے یہ عکس ہوگا صورت نہیں جس کے احکام الگ ہیں چنانچہ فقہ میں اس کے الگ سے احکام بیان کئے گئے ہیں [illegible] سامنے گفتگو کے دوران جو تصویر سامنے ہوتی ہے اس کو عکس کہہ سکتے ہیں یہ تصویر کا تابع [illegible] منشاء کی وجہ سے منع کا حکم کیا جا سکتا ہے یہ صورت ہے اور اگر رائی اور مرئی کے درمیان واسطہ صاف و شفاف نہ ہو اور کسی اسکرین جیسے ہو سے نظر شیشے کی شعاعوں کی حیثیت سے [illegible] جاتا ہو اگرچہ ایک آن سے بھی کم وقت نہیں صرف اس واسطہ پر لگائی ہیں اور واسطہ سے آگے مرئی حقیقی ذی صورت کی جانب نگاہیں متجاوز نہ ہوتی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوں اور دائیں اور عرفی کے درمیان مناسبت نہ ہونے کے باوجود بھی یہ واسطہ قائم ہوتا ہو تو یہ واسطہ تصویر ہے اور اس کو تصویر یا ہوائی شکل یا پانی میں یا ویڈیو چلانے والا اسکرین پر آکر مصور بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والا بن جاتا ہے اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کیمرہ کے ذریعے سی ڈی یا ویڈیو میں جو صورتیں کمپیوٹر میں محفوظ ہو کر جب اسکرین پر پہنچتے ہیں اور اس کو بھرتے ہیں اگرچہ ایک آن سے بھی کم وقت ہو تو یہ تصویر ہے اور تصویر کی حقیقت ثابت ہونے کے لئے اتنا کافی ہے اور پھر شریعت میں بے شمار مسائل میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے اور یہاں پوری دنیا کے لوگ چھوٹے بڑے مرد و عورت بوڑھے جوان کمزور قوی جسمانی و غیرہ جسمانی سب کہہ رہے ہیں کہ تصویر ہے سوائے چند معدودے پاکستانی سائنسدانوں کے جو ان چیزوں کے علمی ماہر بھی نہیں اور اگر موجودہ سائنسدان بھی مان لئے جائیں تو بھی وہ کچھ بنا تو سکتے ہیں مگر یہ چیزیں جن سے کس طرح حقائق کو وہ بھی نہیں سمجھ سکتے وہ بھی اپنا ظن غالب پیش کر سکتے ہیں تو ان کی باتوں پر ایک محقق یقین کر لیں یا توقف اس کے شایان شان نہیں۔ اور الحمد للہ ہم نہ دلائل عقلیہ نہ عطائیہ نقلیہ نہ تجربہ و مشاہدہ بلکہ ہم مکلف ہیں جو ظاہر پر چلنے کا حکم دیتی ہے۔ اور شکوک و شبہات ہمارے اوپر عقلی دلیلوں پر چلنے سے روکتی ہے تو ہمیں ایک صاف واضح مسئلہ میں لیت و لعل کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اس سلسلے میں ایک بات پیش کی جاتی کہ چلتی پھرتی متحرک ہیں تو یہ تصویر کیسے ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو تصویر کی حقیقت کے لئے مطلوب ہے وہ موجود ہے جو سکون یا استقرار مقصود ہے وہ مطلوب نہیں جیسا کہ درج ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

(۱) اور جب عکس اپنی حد سے گذر کر تصویر کی صورت اختیار کرے گا خواہ وہ مسالہ کے ذریعہ سے ہو خواہ خطوط کے ذریعہ سے ہو خواہ فوٹو کے شیشہ پر ہو یا آئینہ وغیرہ مختلف چیزوں پر ہو اس کے سارے احکام وہی ہوں گے جو تصویر کے متعلق ہیں۔ (آلات جدیدہ ص ۱۳۲)

اگر تصویر پر کلام ہونے والی اشکال کی تصویر ہونے سے صرف نظر بھی کی جائے تب بھی دیگر مفاسد کی وجہ سے اس کو مسائل شرعیہ کی بنا پر ناجائز کہتے ہیں اشتباہ و شبہ پیش کرنا چاہیے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

صاحب معارف السنن حضرت علامہ محمد یوسف بنوری (ج ۱ ص ۳۰۰) میں فرماتے ہیں

"أما التلفزيون (ٹیلیوژن) والفيديو (ویڈیو) فلا شك في حرمة استعمالهما بالنظر إلى ما يشتملان عليه من المنكرات الكثيرة من الخلاعة والمجون والكشف عن النساء المتبرجات والعاريات وما إلى ذلك من أسباب الفسوق"

اور فی زمانہ ان کو بھی کیسٹ کی چیزیں ہیں گھروں میں نہیں رکھنی چاہئیں کیونکہ حدیث میں آتا ہے

"من حام حول الحمى يوشك أن يقع فيه"

لہٰذا جس کو یہ اعتماد ہے اور ظن غالب ہے کہ ان شاء اللہ ان چیزوں سے جائز کام ہی لوں گا تو ان کے لئے گنجائش ہے آگر تصاویر کے بارے میں حدیث قدسی پیش کرتا ہوں جس میں سخت وعید ہے ممکن ہے اس کو دیکھ کر صاحب المدرب العمرت کو کوئی صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق مل جائے۔ فرماتے ہیں "قال الله عز وجل ومن أظلم ممن" ہو تخلیق کی طرح تخلیق کرنے لگے تو یہ بد عقیدہ ہو کر مخلوق کے آئینہ میں نمودار ہونے کی جو نئی صورت المدرب العمرت نے حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ کے قلم سے نکالی ہے آج وہ صورت دنیا دیکھ رہی ہے کہ صورتیں مخلوق کی کے سامنے ہیں یہ تو تجزیہ تحقیق کے کھلنے اہل دین کے تحفظ پر قائم کر سکتے ہیں۔ جس کو مفتی صاحب رحمۃ اللہ تصویر فرما رہے ہیں اس کے بعد ان کی تصویر ہونے میں کیا شبہ رہتا ہے اگر مفتی صاحب رحمۃ اللہ زندہ ہوتے تو ان کا فتویٰ کیا ہوتا۔

(۴) اسی طرح یہ فرماتے ہیں کہ مدارس دینیہ و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر بالکل پہلے کے پردہ پر خلفاء اسلام شخصیات اسلام اور انبیاء علیہم السلام کی تصویریں متحرک بنا کر دکھائی اور سنائی دکھائی جائیں اور خواتین اسلام کو بے پردہ دکھایا جائے تو کیا شریعت اسلامی اس فعل کو جائز قرار دیتی ہے جو شریعت اسلامیہ کے نزدیک یہ فعل ناجائز ہے اور کیا حکم رکھتی ہے شریعت اسلامیہ ان حضرات کے واسطے جو اس فعل کے مرتکب اور حمایت میں پروپیگنڈہ کرتے ہیں؟ اور مسلمانوں کو متحرک تصاویر اور بعض

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تصویروں کی حرمت پر حدیث لاتے ہیں پھر اس کو چھوڑا۔

الجواب: شریعت اسلامیہ میں جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً معصیت ہے۔ خواہ کسی کی تصویر ہو یا مجسمہ ہو یا غیر مجسمہ (دیکھئے ... جدید ص ۱۷۸) مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ دیکھیں یہاں بھی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بولتی تصاویر کو تصویر قرار دے رہے ہیں۔

(۳) سوال: سینما جس میں ... ایسی تصویریں مشین کے ذریعہ دکھائی جاتی ہیں) دیکھنے کا بھی کوئی حرج ہے ... تصویروں کے دیکھنے سے یہ ہوتا ہے کہ چونکہ تصاویر یورپ و امریکہ کے مکانات اور اشخاص وغیرہ کی دکھائی جاتی ہیں اس لئے ان تصاویر سے یورپ اور امریکہ کے حالات کا پتہ چلے اور معلوم ہو کہ وہ لوگ کس طرح ... کرتے ہیں ... کیا میں سینما دیکھ سکتا ہوں

الجواب ——————

سوال: سینما ... تصاویر متحرک کا تماشہ ہے اس سے پہلے ایک قسم کا باجا بجایا جاتا ہے۔ اس کے بعد ... کے ذریعہ سے تصاویر متحرک کی جاتی ہیں۔

الجواب: سینما میں جو تصاویر ... موجود ہیں ... سے اشتغال ... ناجائز ہونا معلوم ہے پھر سوال کی کیا گنجائش ہے (امداد الفتاویٰ جلد ۴ ص ۲۴۴) یہاں بھی تصاویر متحرک کو تصویر فرمایا۔

(۴) سوال: ٹی وی کی قسم ... کے ذریعہ ... جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ٹی وی کی ... جس میں جاندار کی تصویریں بھی ... ہیں جائز نہیں حرام ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۹۵)

(۵) الجواب: ... ٹی وی ... کا آلہ ہے اس میں جاندار تصویروں کی بھرمار ہوتی ہے۔ مردوں کی نظر ... عورتوں کی تصویر پر ... نامحرم مردوں کی تصویر پر پڑتی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ... ص ...)

(۶) سوال: ... تصویر ... جب ... سے جلا دیا جاتا ہے ... جل کر ...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ترد ساخت کے مجسمہ شروع ہوتا ہے اور دیکھنے میں وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بل سے سانپ نکلتا آرہا ہے حالانکہ سانپ بھی نہیں ہوتی، یہ موقعی ہے ایسی کھلونا کو فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب : یہ کھلونا جو سانپ ہونے کے اور کسی کام میں آسکتی ہے اگر ایسا ہے تو اس کا فروخت کرنا جائز ہے کہ تصویر بنانے کے کام میں لانا یہ شخص کا فعل مختار ہے جس کی طرف اس کی نسبت نہ ہوگی اگرچہ خلاف تحریری اس صورت میں بھی ہے اور اگر صرف اس کام میں آتی ہے تو اعانت علی المعصیت کی وجہ سے فروخت کرنا حرام ہے اور وہ معصیت صاحب کی تصویر بنانا ہے اور تصویر کا سامان کرنا بحکم تصویر ہی ہے جیسے فوٹو تصویر ہے تو حکم ہے کہ تصویر خود اتر آتی ہے یہ سامان مہیا کرتا ہے فوٹوگرافر (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۵۱)

اس حوالہ سے تصویر کا جو مادہ ہوتا ہے جس میں یہ مادہ محفوظ ہے اس کی خرید و فروخت کرنا اور اس کا مرمت پر اس سے بغیر اضطرار کے صورت وغیرہ کو استعمال کرنا سب کا عدم جواز روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے واضح ہے۔

(۸) کفایت المفتی ج ۹ ص ۲۴۵ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی

(۹) کیمرے کی تصویر ہو یا ہاتھ کی تصویر جو کھیل کود کے طور پر ہوتا ہے تصویر سازی حرام ہے اور تصویر کشی اور تصویر کی فروخت بھی حرام ہے اس لئے تصویر خواہ کسی کے منظر کی ہو یا کسی اور کی سب ناجائز ہے۔

(۱۰) تصویر بنانے کا حکم جداگانہ ہے اور تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کا حکم جداگانہ ہے تصویر بنانے اور بنوانے کا حکم تو یہ ہے کہ وہ مطلقاً حرام ہے خواہ تصویر چھوٹی بنائی جائے یا بڑی کیونکہ علت مضاہات دونوں صورتوں میں پائی جاتی ہے اور علت مضاہات بخلق اللہ ہے اور تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر تصویر چھوٹی ہو اور غیر مستبین الاعضاء ہو تو اس کو ایسے طور پر رکھنا کہ تعظیم کا شبہ نہ ہو جائز ہے جبکہ ضرورت کی وجہ سے استعمال کی جائے جیسے ٹکٹ کی تصویر تو جائز ہے باقی بڑی تصویریں بلا ضرورت استعمال کرنا کسی صورت سے جس سے تعظیم کا شبہ ہو ناجائز ہے

"اما فعل التصوير فهو غير جائز لانه مضاهاة لخلق الله تعالى (رد المحتار)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فصنعته حرام بكل حال لانه مضاهاة لخلق الله تعالى وسواء كان في ثوب او بساط او درهم او دينار او فلس او اناء او حائط او غيرها (رد المحتار) وقد صرح في الفتح بان الصورة الصغيرة لا تكره في البيت (رد المحتار)

(۳) تصویر کھینچنا اور کھنچوانا ناجائز ہے خواہ دستی ہو یا عکسی دونوں تصویریں ہیں اور تصویر کا حکم رکھتی ہیں تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے خواہ انسان ہو یا حیوان مقدسات کے نقشے، درختوں کی تصویریں ناجائز نہیں ہیں تحقیقات جدیدہ سے درختوں میں جس قسم کی حیات ثابت ہوتی ہے وہ انسان وحیوان کی حیات سے مختلف ہے دونوں زندگیوں کا تفاوت بدیہی اور مشہور ہے پس حکم کا اختلاف کچھ مستبعد نہیں ہے۔

(۴) تصویر یعنی تمثال اور صورت اور شبیہ اور مجسمہ سب ایک معنی رکھتے ہیں اور اس سے مراد اس قدر حصہ ہے جس سے پہچان اور تعارف حاصل ہو جاتا ہے یعنی چہرہ اور سر ہے اور تصویر کشی سے مراد چہرہ اور سر کا منقوش کرنا ہے پس نصف تصویر کا حکم اسی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور بعض علماء نے جو نصف تصویر بنانے کا جائز قرار دیا ہے اس کے لئے کوئی معتبر اور قابل اعتماد دلیل نہیں ہے مطلقاً تصویر کشی خواہ نصف تصویر ہو یا پوری جاندار کی ہو حرام ہے۔

(۵) فوٹو اور تصویریں قصداً مکان میں رکھنا حرام ہے اور بلا قصد کسی اخبار یا کتاب میں رہ جائے تو یہ حرام نہیں مگر مکروہ بھی ہے۔

(۶) جاندار کی تصویر کے متعلق آنحضرت ﷺ نے بہ سختی سے ممانعت فرمائی ہے صحیح حدیثیں موجود ہیں اس میں کوئی تفریق نہیں کی گئی کہ دستی تصویر ہو یا عکسی یہ خیال غلط ہے کہ حدیث متعلقہ حرمت تصویر موضوع یا ضعیف ہیں جاندار کی تصویر بنانا اور بنوانا یا پاس رکھنا حرام ہے۔

(۷) تصویر بنانے اور بنوانے کی ممانعت ہے وہ ہاتھ سے تصویر بنانے اور بنوانے یا فوٹو کے ذریعے سے تصویر اتروانے اور اتارنے کو شامل ہے جاندار کی تصویر خواہ کسی طریقے سے بنائی جائے تصویر کا حکم رکھتی ہے جس کا حکم پہلے لکھا گیا ہے تصویر سے مراد چہرہ یعنی سر کی تصویر ہے خواہ باقی (نصف بدن کی ہو یا پورے ساتھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی ہو یا صرف چہرہ ہو تو بھی ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے۔

(۸) مسلمان مصنف ہو یا غیر مسلم ہو، جو تصویریں ہیں ان میں دار الحرب اور دار الاسلام کا بھی کوئی فرق نہیں۔

(۹) فوٹو گرافی کے ذریعے سے جانداروں کی تصویریں بنانا ہو تو اس کا پیشہ کرنا ناجائز ہے کیونکہ فوٹو گراف کی تصویر بھی تصویر ہے بلکہ یہ بھی جاندار کی کامل تصویر ہے اس لیے تصویر کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔

(۱۰) کیمرے کی تصویر کا حکم:

جہاں تک تعلق ہے آج کل کے کیمرے کی تصویر کا تو اگرچہ عصر کے بعض علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے لیکن جمہور اہل فتویٰ کا فتویٰ اس کے عدم جواز کا ہے البتہ ضرورت کے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے شناختی کارڈ، پاسپورٹ وغیرہ کے لیے تصویر ایسی ضرورت بن گئی ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ سیر کبیر میں فرماتے ہیں

"وان تحققت الحاجة الى استعمال السلاح الذي فيه تمثال فلا بأس باستعماله"

(یعنی اگر ایسے ہتھیار کی ضرورت ہو جس میں تصویر ہے تو اسے استعمال کر سکتے ہیں)

علامہ سرخسی رحمہ اللہ اس کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"لان مواضع الضرورة مستثناة من الحرمة كما في تناول الميتة

(یعنی ضرورت کے مواقع حرمت سے مستثنیٰ ہوتے ہیں جیسا کہ ضرورت کے وقت مردار کھانے کی اجازت ہے)

ٹی وی، ویڈیو اور کمپیوٹر کی تصویر کا حکم

اب رہ گئی یہ بات کہ ٹیلی ویژن، ویڈیو اور کمپیوٹر کی تصویر کی، اس کے بارے میں جمہور اہل فتویٰ کا فتویٰ عدم جواز کا ہے جو کہتے ہیں کہ ٹی وی پر آنے والی تصویر کا وہی حکم ہے جو دوسری عام تصویر کا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

البتہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ تصویر کے حکم میں نہیں بلکہ یہ عکس ہے جو شعاعوں اور لہروں کے ذریعے جدید تکنیک سے محفوظ کر دیا جاتا ہے لہٰذا اس پر تصویر کی وعیدیں داخل نہیں ہوں گی (حاشیہ ۱۹) لیکن اس پر اشکال کیا گیا ہے کہ پردہ پر آنے والی تصویر اگرچہ عکس ہی ہے لیکن اس کا نگیٹو Negative تصویر ہے اس لئے کہ وہ اس بات کا ذریعہ بنتا ہے کہ اس کو کاغذ پر ایک حقیقی ہوئی تصویر کی شکل میں لے آیا جائے اور ذریعہ کا حکم وہی ہوتا ہے جو اس سے حاصل ہونے والے مقصود کا ہو

"ما كان سببا لمحظور فهو محظور"

(رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ ج ۶ ص ۳۵۰)

یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب ٹی وی، ویڈیو اور کمپیوٹر وغیرہ میں آنے والی اور محفوظ کی ہونے والی تصویر میں کوئی اور شرعی قباحت نہ ہو جمہور اس کے عدم جواز اور بعض علماء جواز کے قائل ہیں لیکن اگر اس میں محرمات ہوں اور دوسرے شرعی حدود کا خیال نہ رکھا گیا ہو تو وہ بالاتفاق ناجائز اور حرام ہے آج کل ٹیلی ویژن ٹی وی کے جتنے چینل ہیں ان میں ہمارے علم کے مطابق ایک بھی ایسا نہیں جس میں کوئی شرعی قباحت نہ پائی جاتی ہو غیر محرم کی تصویر سے تو کوئی چینل خالی نہیں اس لئے وہ بہر حال بالاتفاق ناجائز ہیں البتہ کمپیوٹر سی ڈی وغیرہ میں اصلاحی اور دوسری تبلیغی چیزوں سے پاک پروگرام مرتب کئے جاتے ہیں بعض علماء کے نزدیک اس کے جواز کی گنجائش ہے (کشف الباری کتاب اللباس ص ۳۷۴)

(۹) ویڈیو کیسٹ:

یہی تفصیل ویڈیو سی ڈی ٹی وی سے بھی سمجھ میں آگئی ہے، اس میں تو ہوتی ہی محفوظ تصویر ہے۔ بعض لوگ یہاں بھی وہی تقریر پیش کر دیتے ہیں کہ اس کی تصویر بھی پانی یا آئینہ میں دیکھنے والے عکس جیسی ہے لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں اس لئے کہ پانی یا آئینہ کے عکس اور اس تصویر میں واضح فرق ہے، تصویر کسی چیز کا پائیدار اور محفوظ عکس ہوتا ہے جبکہ پانی یا آئینہ کا عکس عارضی ہوتا ہے، اصل کے غائب ہوتے ہی اس کا عکس بھی غائب ہو جاتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ویڈیو کے فیتے میں تصویر محفوظ ہوتی ہے، جب چاہیں جتنی بار چاہیں ٹی وی کی اسکرین پر اس کا نظارہ کرلیں۔ اور یہ تصویر ہی نہیں اصل نہیں بلکہ اس سے بالکل لاتعلق اور بے نیاز ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو مر کھپ گئے، ان کا نام و نشان تک نہیں مگر ان کی متحرک تصویریں ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہیں۔ ایسی تصویر کو عکس یا ظل بھی نہیں کہا جاسکتا، صرف اتنی سی بات کہ ویڈیو کے فیتے میں ہمیں تصویر نظر نہیں آتی تصویر کے وجود کا انکار کرنے کو کافی نہیں ہے۔

اگر یہ منطق تسلیم کرلی جائے کہ فیتے میں تصویر محفوظ نہیں بلکہ معدوم ہے اور ویڈیو کیسٹ میں محفوظ تصویر ٹی وی اسکرین پر پیدا کر کے تصویر بناتے ہیں تو اس لا حاصل تقریر سے اصل حکم پر کیا اثر پڑا؟ تصویر محفوظ رہنے کی تصویر ٹی وی ہو یا صرف تصویر سازی کو آلہ تصویر سازی کا آلہ بھی قرار دیا۔

کیونکہ صرف تصویر بنانا بھی جائز نہیں ہے تو اس کی قباحت دوچند ہوگی یک نہ شد دو شد

مختصر یہ کہ ٹی وی، ویڈیو کیسٹ کی تصویر کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سائنس کی ترقی نے بھی تصویر سازی کو ترقی دی اور اس میں مزید جدت پیدا کردی اور تصویر سازی کا ایک نیا طریقہ ایجاد کر لیا گیا، ویسے تصویر خواہ کسی قسم کی ہو آنحضرت ﷺ کی اس وعید سے خارج نہیں

"اشد الناس عذابا یوم القیامۃ المصورون"

روز قیامت تصویر سازوں کو سب سے سخت عذاب ہوگا

لعن النبی ﷺ المصور — آپ ﷺ نے تصویر ساز پر لعنت بھیجی

یہ چند سطریں ہم نے ان لوگوں کی تردید میں لکھ دی جن کی ٹی وی اور ٹیلی وژن کی اباحت کے لئے بوالعجبی کے دعویدار نکل کھڑے ہوئے ہیں ورنہ یہ شرعی تحقیق نہیں ہم لکھ چکے ہیں کہ ٹی وی کی حرمت و شناعت اس بحث پر موقوف نہیں۔

ایک سوال

ہم یہاں ان لوگوں سے جو ٹی وی کو جائز کہتے ہیں ایک سوال ہے کہ اگر آپ کی اپنی بہو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ٹیلی ویژن پر ہی تقریریں بھی اسی طرح جھومتی رہیں اور انجیل کو بھی ساری دنیا کو دعوت نظارہ پیش کریں تو خدا لگتی کہئے کیا آپ بھی اس بے حیائی سے مطمئن ہو جائیں گے کہ "یہ ایک فن ہی تو ہے" یا غیرت و حمیت سے زمین میں گڑ جائیں گے؟" "جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کرتے دوسروں کے لئے کیسے پسند کرتے ہو"

بعض حضرات ٹی وی پر تقریر جیسی چیزوں کے حامی اس قسم کے لوگ علماء کرام پر طعن کرتے ہیں کہ یہ جو حضرات قدامت پسند اور تنگ نظر ہیں انہیں معلوم نہیں کہ آج ٹی وی تمدن زندگی کا ایک لازمی جزو بن چکا ہے علم و ادب فلسفہ و سائنس بلکہ دین کی تبلیغ و اشاعت کا ایک بہترین ذریعہ ہے مگر علماء چاہتے ہیں کہ ٹی وی سے نیکی کا یہ عنصر ختم کر کے اسے بالکل گناہ ہی کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علم و ادب یا دین کی اشاعت سے کوئی مسلمان منع نہیں کرتا بالخصوص علماء کرام کی تو پوری زندگیاں ہی علم و دین کی اشاعت کے لئے وقف ہیں، ان پر یہ تہمت تھوپنا تو حقیقت کا منہ چڑانا ہے مگر دین میں تحصیل علم کے کچھ آداب و اصول ہیں، ٹی وی تحصیل علم کا آلہ نہیں بلکہ مغنیہ عورتوں، گویوں، سازندوں اور رقاصوں کا ذریعہ ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس جوہڑ میں بیٹھ کر دین کی تبلیغ کرنا دینی خدمت نہیں بلکہ دین کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔ کسی کے ضمیر میں انصاف و دیانت کی رمق ہو تو وہی بتائے کہ ٹی وی دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے ہے یا ایکٹرسوں اور نیم عریاں گلوکاروں کے لئے وقف ہے، ان کے مقابلے میں ذرا بتائیے کوئی مرد مجاہد مولوی یا صالح شاعر و نعت خواں کو یا ریاکاری کا موقع دینا ٹی وی کی خدمت ہے یا بیت الخلاء کو عبادت گاہ بنانے کی منافقت ہے؟ کوئی ٹی وی کا دلدادہ بتا سکتا ہے کہ ٹی وی کے پروگرام جو سالہا سال سے چل رہے ہیں انھوں نے آج تک کتنے کافر مشرف با اسلام ہوئے؟ کتنے بے نمازی نمازی بن گئے اور کتنے بے دین دیندار ہو گئے؟ (احسن الفتاویٰ ج ۸ ص ۳۰۲)

(۱۰) تصویر کشی (یعنی تصویر بنانا)

تصویر کشی سے مراد کسی ذی روح کی تصویر کھینچنا یا ہاتھ سے تصویر بنانا یا پتھر وغیرہ کا بت تراشا جائے آج کل تصویر کشی تین قسم کی ہیں جن کے ذریعہ تصویریں لی جاتی ہیں خواہ وہ آلات قدیمہ کے ذریعہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حرام ہو، آلات جدیدہ فوٹو گرافی اور طباعت اور ویڈیو وغیرہ سے ہوں کیونکہ آلات و ذرائع کی تخصیص ظاہر ہے کہ کسی بھی زمانہ میں مقصود نہیں ہوتیں، بلکہ حرمت کا تعلق اصل مقصد سے ہوتا ہے تصویر تصویر ہے خواہ کسی بھی ذریعہ سے ہو، ویڈیو (Video) کے بارے میں بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ تصویر نہیں کیونکہ اس کی ٹیپ میں جو عکس محفوظ ہوتے ہیں تصویر بذات خود نہیں ہوتیں اور جب اس کو آلہ یعنی (Player) سے چلاتے ہیں تو ٹی وی کی اسکرین پر عکس آتا ہے۔ جو گذر جاتا ہے ان لوگوں کی یہ بات غلط ہے کیونکہ کسی چیز کا عکس پانی، آئینہ میں اور دوسری جگہ جب وہ چیز سامنے سے ہٹ جائے تو عکس جاتا رہتا ہے باقی اور محفوظ نہیں رہتا جبکہ ویڈیو میں عکس کو ٹیپ کی شکل میں محفوظ کرلیا جاتا ہے اور جب چاہو جتنی دیر کے لئے چاہو اس کی تصویر سامنے دیکھی جا سکتی ہے چاہے وہ شخص جس کی تصویر ہے وہ سامنے موجود نہیں ہے وہ عکس جو محفوظ کرلیا جائے تصویر ہی ہوتی ہے جبکہ ویڈیو ٹیپ پر تصویر کشی کے احکام جاری ہوں گے۔ (مسائل بہشتی زیور ج ۲ ص ۴۴۳)

جدید آلات (ٹی وی، وی سی آر) کا حکم

(۵) سوال: آلات جدیدہ مثلاً ٹیلیویژن، ٹیپ ریکارڈ، وی سی آر وغیرہ رکھنا اور دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: آلات جدیدہ کا استعمال بذات خود محرم نہیں ہے لیکن ٹی وی اور وی سی آر میں چونکہ تصویر بھی کے علاوہ فحش گانے اور عورتوں کی نمائش بھی ہوتی ہے جس کو دیکھنا ایک شریف آدمی کے لئے بہت مشکل ہے لہٰذا ٹی وی اور وی سی آر وغیرہ کے دیکھنے سے اجتناب لازم ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ ج ۲ ص ۴۴۲) مزید حوالہ جات کے لئے صحیح اور مختصر دیئے جاتے ہیں فوٹو کا حکم ملاحظہ ہوں

(۱) تصویر کے شرعی احکام [illegible] امداد الفتاویٰ ج ۴ ص [illegible]

(۲) جواہر الفقہ ج ۳ ص ۲۴۶

(۳) ٹی وی کی تصویر کا بھی یہی حکم ہے

(۴) تصویر کھینچنے اور کھنچوانے کا جدید طریقہ فوٹو گرافی ہے [illegible] ج ۱ ص ۹۵

(۵) [illegible] امداد المفتین ص ۸۳۶

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر یہ تصویر نہیں بلکہ ظاہر ہونے والی اشکال کی تصویر ہونے سے صرف نظر بھی کی جائے تب بھی دیگر مفاسد کی وجہ سے ان کو مفسد اور ممنوع و ناجائز کہنے میں شک و شبہ نہیں کرنا چاہیے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ تکملہ فتح الملہم ج ۴ ص ۱۶۴ میں فرماتے ہیں۔

"اما التلفزيون (ٹیلی ویژن) والفيديو (ویڈیو) فلا شك في حرمة استعمالهما بالنظر الى ما يشتملان عليه من المنكرات الكثيرة من الخلاعة والمجون والكشف عن النساء المتبرجات او العاريات وما الى ذلك من اسباب الفسوق"

اور اس حدیث کو بھی ان چیزوں کی حرمت میں شامل کیا جاسکتا ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ

"من حام حول الحمى يوشك ان يقع فيه"

امید ہے کہ یہ کافی ہے اور یقین غالب ہے کہ ان شاء اللہ ان چیزوں سے جائز کام ہی لوں گا تو ان کے لئے گنجائش ہے۔ آخر میں تصویر کے بارے میں ایک حدیث قدسی پیش کرتا ہوں جس میں سخت وعید ہے مجھے یقین ہے کہ اللہ رب العزت آپ کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دیں

قال الله عز وجل ومن اظلم ممن ذهب يخلق خلقا كخلقي فليخلقوا ذرة وليخلقوا حبة وليخلقوا شعيرة (بخاری شریف باب نقض الصور)

وما علينا الا البلاغ المبين والله تعالى اعلم بالصواب

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

علماء افغانستان کا تحریر کردہ مکتوب بنام

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

اتحاد علماء افغانستان جس میں افغانستان کے مشہور علماء کرام شامل ہیں انہوں نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کو چند خطوط تحریر کئے ہیں جن میں انہوں نے حضرت والا سے یہ گزارش کی ہے کہ انہوں نے جو تصاویر اور اسلامی بینکنگ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے وہ بوجوہ غلط ثابت ہوا ہے، ازراہ کرم ان وجوہ کی روشنی سے اعلانِ حق کا اعلان فرمائیں۔

یہ خط انہوں نے ماہنامہ الاحسن کے لئے بھی روانہ کیا ہم نے مناسب سمجھا کہ اس خط کو "جمہور علماء اور مروجہ اسلامی بینکاری" میں شامل کر لیا جائے تاکہ قارئین کرام کو اس بات کی بھی اطلاع ہو جائے کہ افغانستان کے علماء کرام بھی مروجہ اسلامی بینکاری کے خلاف ہیں۔ (محمد ہمایوں مغل)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

انجمن علماء افغانستان

محترم مولانا شیخ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

نائب مہتمم دار العلوم کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدہ جناب محترم آپ کو جوابی کتب اور دو رسالہ فقہ کا مسودہ بھیج گیا۔

شیخ کریمی صاحب کی قیادت میں انجمن علماء افغانستان کے اراکین چاہتے ہیں کہ آپ کی رائے اور وہ فقہی تحقیق کے بارے میں درج ذیل کہ ارشادات پیش کریں۔ امید ہے کہ آپ اسے اچھی طرح مطالعہ فرمائیں گے۔

تمہید

یہود و نصاریٰ کے مذہبی اور سیاسی قائدین نے امت مسلمہ کی تباہی کے لئے دوسرے حربوں کے ساتھ ساتھ تقسیم جدید بھی استعمال کیا کہ امت مسلمہ اور خاص طور پر جزیرۃ العرب میں منکرین اور وہابیت کو تقویت دیا۔ اور ان کے ذریعے انہوں نے سب سے پہلے مرکز کے رہنے والوں کو سواد اعظم (مذہب اہل سنت والجماعت) کے ساتھ ساتھ مجتہدین اور تقلید کی توہین کی اور اجماعیت توڑ دی، اور تعصب و فتنے کی آگ بھڑکا دی، پھر انہی منکرین اور دوسروں کو مجتہدین کا درجہ دیا، جو آج بھی ہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجتہدین دین کی نئی تعبیرات پیش کرتے ہیں۔

(۱) وہ کبھی یہ حکم دیتے ہیں کہ جزیرۃ العرب کے مقامات مقدسہ حتیٰ کہ حجاز مقدس کو امریکی فوجیوں کا ٹھکانہ بنانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ لازمی ہے جب سنہ ۱۹۹۱ میں روس کو شکست ہوئی تو امریکہ نے صدام اور کویت کی مصنوعی جنگ بنا کر سعودی حکومت کو یہ بات کہی کہ امریکہ آپ لوگوں کی حفاظت کے لئے افواج بھیجنا چاہتا ہے۔ سعودی علما نے ابن باز کی زیر صدارت میں امریکی فوج کو حجاز مقدس میں آنے کا فتویٰ صادر فرمایا۔ امریکہ نے ۵ لاکھ افواج حجاز مقدس میں داخل کر دیے اور انہوں نے ۳۴ اڈے بنائے۔ ابھی تک خلیج عربی ریاستوں اور تقریبا آدھے ایشیا پر ان کا قبضہ ہے۔ اس کے برخلاف اتحاد علماء افغانستان نے فتویٰ صادر کیا جو آپ کو مجموعہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) کبھی یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ عورتوں کے لیے پردہ کرنا (چہرے پر نقاب) واجب نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی شرعی حکم نہیں بلکہ ایک عربی رسم و رواج ہے بعد میں پھر شرقی اور مصری تحریک شامل ہوگئی اور حقیقت میں اس بات کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جامعہ ازہر کے شیخ سید طنطاوی نے یہ فتویٰ شوال ۱۴۲۳ھ کو صادر فرمایا۔

(۳) کبھی یہ علماء امریکی وزارت خارجہ کی رہنمائی کے تحت عالمی وحدت ادیان پر کام کر رہے ہیں جبکہ اتحاد علماء افغانستان نے اس وحدت ادیان کے خلاف بھی ایک متفقہ فیصلہ صادر کیا ہے جو آپ دیکھ سکتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں

(۴) کبھی یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ داڑھی منڈوانا یا چھوٹی کرنے والے کے لئے امامت کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ (...) تقریبا چھ مہینے پہلے یہی فتویٰ جامعہ ازہر سے ... اخبارات میں نشر ہوگیا۔ اسی طرح اور بہت کام کرتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com :مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سب ٹی وی، ویڈیو کیمرہ، ڈی وی ڈی، سی ڈی، کمپیوٹر وغیرہ کی اسکرین پر ڈیجیٹل نظام کی جو شکل ظاہر ہوتی ہے اس کے بارے میں یہ بات کہ یہ حقیقت میں تصاویر نہیں بلکہ عکس ہے اور یہ جائز ہے اور یہ تصویر ہونے کے باوجود جائز ہے تو یہ بھی تحقیق انہیں متعزین مجتہدین کا ایک تحفہ ہے لیکن (إن الله لا يجمع أمتي على ضلالة، ويد الله على الجماعة، ومن شذ شذ في النار) کی تعبیر پر اللہ تعالیٰ اہل حق کا سلسلہ منقطع نہیں کرتے ہیں، ان شاء اللہ ہمیشہ اس طرح کے علماء حق ہر عصر میں موجود رہیں گے جو دین اسلام کی حفاظت کریں ۔۔۔۔ ما متحللین ۔۔۔۔ الحمد للہ ۔۔۔ تو الحمد للہ امت مسلمہ کے سواد اعظم کے محققین اور حقانی علماء بشمول علماء دیوبند کی تصویر کے بارے میں متفقہ فیصلہ حرمت کا ہے۔ اب گذارش یہ ہے کہ علماء کرام کے ہر اختلاف کو (خاص طور پر اس عصر اور دجالیت کے دور میں) اسلامی اجتہادی اختلاف کی حیثیت نہ دی جائے بلکہ جب بھی علماء کے درمیان حق اور باطل کا اختلاف یا علماء حق اور علماء سوء یا حزب اللہ اور حزب الشیطان کا مقابلہ ہو اگر اس مقابلے میں طرفین کے افراد اور ہر طرف کی رائے کے قائلین پر اور پھر ان کی آراء اور دلائل کے جواب پر نظر رکھیں تو حق اور باطل کی معرفت میں کوئی پیچیدگی نہیں رہے گی۔ یعنی علماء کرام کے اختلاف کے دوران عام اور خاص علماء کرام کو خاموش نہیں رہنا چاہیے بلکہ قوم کی صحیح رہنمائی یہ ہے کہ وہ حق کی تائید اور تصدیق اور باطل کی تردید کریں جو کہ ہر مسلمان پر ضروری ہے۔

(الزام)

اس منظر کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلے کے شرعی بحث اور تحقیق کی بنیاد یہ نہیں ہوتی ہے کہ کیا ٹی وی اور اسکرین پر آنے والے مناظر حقیقت کی بنیاد پر تصویر ہیں یا یہ عکس ہے لیکن بحث کی بنیاد اس بات پر ہوتی ہے کہ ٹی وی اور ویڈیو میں صورت کی حرمت کے علل اور اسباب پر مشتمل اور حرام ہے اور اگر یہ حرمت کے سبب سے پاک ہے اور یہ صرف عکس ہے تو پھر اس بحث اور تحقیق کے ضمن میں اس بات پر بھی بحث

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کی جا چکی ہے کہ بے حرمتی کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ٹی وی تصویر پر مشتمل ہے اور وہ منظر یا شخص جو اس میں دکھائی دیتے ہیں وہ تصویر ہے۔ حرمت کے اسباب کے سلسلے میں نیچے دیے گئے امور مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

(۱) فلم میں موجود حرام چیزیں جو گانے اور رقص پر مشتمل ہوں۔

(۲) نامحرم عورتوں کی شکل کو دیکھنا (اگر بالفرض کوئی یہ بات کہے کہ اسکرین کا منظر عکس ہے تو نامحرم عورتوں کی عکس کو دیکھنا بھی ناجائز اور حرام ہے) کیا نامحرم عورتوں کو دیکھنا کسی نے بھی جائز قرار دیا ہے؟

(۳) عالمی فحاشی اور جنسیات کی دکھائی اور انسانوں کی جنسی اور شہوانی قوت کی تربیت کرنا اور ان کے استعمال کے لئے مختلف قسم کے نتیجے اور طریقے سکھانا اور ان کے بارے میں ترغیبی پروگراموں کو منعقد اور پیش کرنا۔

(۴) اس طرح کے فحش پروگراموں کے نتیجے میں مسلمانوں کے مردوں سے غیرت ختم ہونا، عورتوں سے حیا ختم ہونا [illegible] ہے۔ جو غیر اسلامی فیشن کی تقلید کرنا اور پھر اس پر فخر کرنا، خاندانوں میں بے حرمتی [illegible] کے ساتھ [illegible] کی حد تک بات پہنچنا اور یہ بھی ٹی وی وغیرہ دیکھنے کا [illegible] کہ [illegible] کے مسلمان [illegible] اور [illegible] لباس و صورت سے شرماتے ہیں، غرض یہ کہ مسلمانوں کی [illegible] الاخلاق اور [illegible] وغیرہ کا پیدا ہونا اور اسلامی حدود کو چھوڑ کر [illegible] کی طرف [illegible] ہے۔

(۵) ٹی وی اسلام کے خلاف دشمنی سازی اور اسلام کی بدنامی کے لئے ایسے پروگرام جو کہ اسلام کی [illegible] کرتے ہیں [illegible] اسلام کے دشمن یہود و نصاریٰ، قادیانی اور پرویزی وغیرہ اسلام کے خلاف دشمنی کی [illegible] کو چلاتے ہیں اب اگر علماء کرام کے دینی تحقیق کے لئے ٹی وی، کیبل اور انٹرنیٹ وغیرہ [illegible] یہ ممکن ہے کہ [illegible] ریڈیو اور انٹرنیٹ کے پروگراموں سے [illegible] دیں [illegible] کے دوران [illegible] ہے اور عام مسلمانوں کی یہ کوشش ہے کہ تقابل ادیان کا مطالعہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے کی کسی حالت میں نجات کی راہ یہی ہے کہ مسلمانوں کو بالکل ٹی وی وغیرہ استعمال کرنے سے بند کیا جائے جیسے آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تورات کے مطالعے سے منع فرمایا اور یہ وہ فاروق اعظم ہیں جو آنحضرت ﷺ خود ان کے بارے میں فرمایا " ان الشیطن لیفر من ظل عمر " او کما قال علیہ السلام۔ اور یہ بلند رتبہ صحابی کا مسلمان اگر غیر کی تحریر وغیرہ دیکھے لے تو قریب ہے کہ مسلمان اپنے اسلامی عقیدہ سے منحرف اور گمراہ ہو جائے۔ جو لوگ جو ٹی وی استعمال کرنے کے عادی ہیں اگر علماء کرام کے حرمت کے فتوے سے بند نہیں ہوتے اور ٹی وی استعمال کرنے سے باز نہیں آتے تو کم از کم نئی نسل کو ان کی وجہ سے اس آفت میں مبتلا ہونے سے روکا جا سکے گا اور اس میں علماء کرام کے تشہیر شدہ پیغام ان لوگوں کے پیچھے اور گمراہ ہونے کا باعث اور ذریعہ نہیں بنیں گے۔

(۴) اگر چہ علماء کرام ٹی وی پر پروگرام شروع کرلیں اور عام علماء متدین عوام ان کا مطالعہ اور استعمال شروع کریں، اگرچہ ظاہری طور پر یہ مفید ہو تو پھر بھی اسلامی علم کی وجہ سے مذکورہ تمام مضرات وخطرات پر مشتمل ہونے کے باوجود عام لوگ ٹی وی کو ایک جائز بلکہ ضروری چیز قرار دیں گے تو بات تحلیل الحرام تک پہنچ جائے گی ایسی صورت میں یہ کہ اس طرح کے لوگ بھی ہوں گے کہ ٹی وی کو بالکل جائز اور ضروری چیز مانتے ہیں (العیاذ باللہ) تو اس سے بڑا خطرہ کیا ہوگا؟ اگر اس میں کچھ نہ کچھ دینی منافع تسلیم کیا جائے تو اس عظیم خطرات ومفاسد ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اگر علماء کرام مخلوق خدا پر بار بار ٹی وی وغیرہ کی حرمت کے فتوے اور تصنیف کریں اور عوام کی خلاف ورزی کا غم اور درد دلوں میں ہو اور اس کی حفاظت کے لئے موثر طریقے بتائے جائیں تو امید ہے کہ لوگ محفوظ ہوں گے۔ اور جو لوگ پھر بھی یہ چیزیں استعمال کرتے ہیں، اگر وہ مستحق بھی ہوں تو کم از کم اپنے آپ کو مجرم اور گنہگار تسلیم کریں گے۔

(۵) تصویر کشی حرام ہونا ایک واضح مسئلہ اور یقینی تسلیم شدہ ہے کہ ٹی وی کی اسکرین پر جو شکل اور منظر دکھائی دیتی ہے وہ عکس ہے اور صورت میں تصویر ہے جو اس شکل ریل وغیرہ پر محفوظ ہو تو عکس تصویر پر مشتمل ہونا مسلم ہے اور اسی قدر بات حرمت کے لئے کافی ہے اور بعض ناموں کا اختلاف صورت ہے کہ تا یا محفوظ ہونے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے چھپنے والی تصویر ہے جو تھمی نہیں ہوتی اس کے بارے میں سواد اعظم کے علمائے کرام کی تحقیق یہ ہے کہ تصویر ہے کیونکہ عرف اور عادت اور لغت میں اسے تصویر کہا جاتا ہے اور شریعت مقدسہ میں مسائل کا دارومدار عرف اور عادت پر ہے نہ کہ سائنسی تحقیقات پر جیسے طلوع اور غروب کے اوقات اور اس کے ساتھ ساتھ اس عرف اور عادت کی تائید بعض سائنسدانوں نے بھی کی ہے اور اگر قبول کیا جائے کہ ذاتاً تصویر نہیں ہے تو حکماً تصویر ہے یعنی یہ منظر تصویر کے حکم میں ہے اور تصویر حرام ہے اس لئے کہ تصویر کی حرمت کے سبب (مضاھاۃ لخلق اللہ بطریق الصنع والاختیار) اور تعظیم وغیرہ ہے اور یہ امور سکرین کے منظر پر موجود ہیں معبود ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر استعمال کرنے والا اس کی عبادت کرے اس لئے ہر استعمال کرنے والا شخص تصویر کی بھی عبادت نہیں کرتا ہے بلکہ صرف قرب عبادت حرمت کے لئے کافی ہے اور یہ بات ثابت شدہ ہے اور ہندوستان کے علمائے کرام کا مشاہدہ اور رپورٹ ہے کہ ہم نے دیکھا کہ ٹی وی کے منظر کی عبادت ہوتی رہی ہے اور اگر اس میں تحریک کی جائے کہ یہ سکرین والا منظر دیکھنے والے کا مقتدا اور لیڈر رہے یا اس کا محبوب شخص ہے تو یہ دیکھنے والا اس کی تصویر کی تعظیم کرتا ہے اور یہ بھی سبب ہے کہ منظر کو حکماً تصویر کا حکم دیا جائے اور حرام کہا جائے اور مقابل جانب کہ وہ تصویر ہونے کے قائل نہیں ہیں تو انہوں نے صرف سائنسی تحقیق پر اعتماد کیا ہے اور وہ بھی پوری ہے اور اطمینان سے یہ نہیں جا سکتے کہ تصویر ہے یا نہیں بلکہ اس میں حرج ہے اور اس کو عدم تصویر کا فیصلہ نہیں کر سکتے بلکہ دونوں جانبین کو مساوات کا درجہ دیتے ہیں اور یہ ترجیح کا قانون ہے کہ (اذا تعارض المانع والمقتضی یقدم المانع) اور پھر وہ سائنسی تحقیق جو تصویر نہ ہونے والوں نے پیش کی ہے اس کے مقابلے میں بعض ماہرین سائنسدانوں کی یہ نظر ہے کہ یہ تصویر ہے اور مقدمہ ماہرین کا یہ قول ہے کہ ہم نے فنی ماہرین سے تحقیق کروایا اس کا حاصل یہ ہوا کہ سکرین پر معلوم ہونے والے منظر یہ اصلی شعاعوں کی صورت نہیں بلکہ اصلی شعاعوں کے ذروں کو برقی لہروں میں تبدیل کرنے کے بعد منظر کی صورت میں محفوظ ہو جاتی ہے اور یہ قاعدہ قائم اور باقی رہتی ہے حتی کہ وہ منتقل نظام کے محفوظ شدہ منظر بالکل اسی قسم کی تصویر ہے لہٰذا وہ مقیدہ مستحکم اور منظر ہے کیونکہ یہ گرمی اور سورج (دھوپ)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے متاثر نہیں ہوتے، اور یہ چیز ایک خوف سسٹم کی منظر ہے اور وہی کسی چیز پر محفوظ ہو (وہ مذکورہ مواد سے متاثر ہوتے ہیں) اور یہ اسٹیم ڈیجیٹل نظام کی ترقی کا راز ہے اور اسی طرح ایک امریکی فیڈرل کورٹ نے ایک مقدمے میں جو فیصلہ دیا ہے تو اس میں اسکرین پر برقی اشاروں کے ذریعے دیکھتے ہوئے منظر کو بھی تصویر کہا گیا ہے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کی تحقیق جس کو مفتی احمد ممتاز صاحب نے اپنے رسالہ ڈیجیٹل تصویر و ویڈیو کی شرعی حیثیت کے ذریعے تحقیقی رسالے میں نقل کیا ہے بہر حال اگر ٹی وی کی اسکرین پر نظر آنے والا منظر کسی ویڈیو (جاندار اشیاء) کی ہو تو یہ تصویر حقیقتاً تصویر ہے یا کم از کم حکماً تصویر ہے اور حرام ہے جو ٹی وی اور اس کے ہم مثل کمپیوٹر، موبائل کی حرمت کی ایک اور علت ہے۔

(خلاصہ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ٹی وی مجموعہ محرمات و منکرات کا مجموعہ ہے اور اس کا استعمال مطلقاً حرام ہے اور اس کی حرمت اسکرین کے منظر کے حقیقی تصویر ہونے پر موقوف نہیں اگر بالفرض وہ منظر تصویر نہ ہو تب بھی ٹی وی دیکھنا حرام ہے لیکن صرف منظر کی ذات پر بحث کرنا (کہ تصویر ہے یا مثل آئینہ کے عکس ہے) اور پھر اس پر ایک شرعی حکم بنا کرنا ایک اشتباہ اور دھوکہ ہے جس کی وجہ سے موضوع (جس کو تمہید میں ذکر کیا گیا ہے) اسی پر منحصر کرنا چاہیے، کہ ٹی وی کا استعمال حرام ہے یا نہیں اگر جواز کے لیے موجودہ مفاسد اور خطرات کے باوجود شریعت مقدسہ میں کوئی گنجائش کسی کے پاس ہے اس پر دلائل ہیں تو علماء کے سامنے پیش کر دیں۔ (وهو نعم خير القصد) اگر جواز کے شرعی دلائل نہیں ہیں تو اس مسئلے میں ایسی بحث کرنا کہ یہ حرام ہو تو جو غیر محقق علماء کے ذہنوں میں ٹی وی اور اس کے استعمال کی تجویز (استحسان) پیدا کرتے ہیں اور جدید لوگوں کے لیے اس میں دلائل پیدا کرتے ہیں تو اس کے عواقب بہت خطرناک ہیں ان سے پرہیز اور احتراز کرنا چاہیے۔ (والا تكن فتنة في الأرض وفساد كبير) امید ہے محترم قارئین کی رائے میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

لہٰذا جیسے یہ مستقل تصویر ہونے کے باوجود ٹی وی کا محدود استعمال اور دینی پروگرام کے لئے استعمال جائز ہے اس کے رد میں یہ کافی ہے جو وقتاً بوقتاً آپ نے نشر کیا ہے (جیسے پچھلے دنوں ماہ رمضان میں پہلے (فخر الاسلام) اور (محمد رسول اللہ) وغیرہ کے نام پر جو فلمیں دکھائی جاتی تھیں وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان فلموں کے ذریعے اسلام کی اشاعت وتبلیغ کی خدمت کی جاتی ہے جبکہ آپ نے اس وقت جامعہ دارالعلوم کراچی ماہنامہ البلاغ میں ان فلموں کے رد میں جو تفصیل لکھی ہے وہ کافی ہے۔

۳۔ آپ نے علامہ بنوری رحمہ اللہ کی وہ تقریر جو ٹی وی کے ذریعے تبلیغ کرنے کے بارے میں ایک موقع پر ہو چکی تھی نقل کی ہے وہ بھی کافی ہے اور دینی تبلیغ کے بارے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ غیر جائز ہونے کے باوجود (غیرو کہنا) ہے اور یہ کہ دین کی اشاعت کا متبادل راستہ کیا ہے؟ تو یہ ہمارے پچھلے مکتوب میں موجود ہے۔

آخر میں آپ محترم کے حضور یہ گذارش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت عظیم مرتبہ اور حیثیت بخشی ہے تو ایک منکر کے متعلق آپ کا ایک معمولی اور ادنیٰ مسامحہ ایک عظیم فساد اور فتنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

تکمیل کے طور پر جیسے آپ نے اسلامی بینکاری کے نام سے جواز کی ایک شکل نشر کی ہے، اگرچہ یہ بہت سارے علماء کرام کی رائے کے خلاف ہے پھر بھی اس کے نتیجے میں کراچی اور ملک کے دیگر شہروں میں بینک کے قریب ہمارے شمار بینک کے نام پر ناجائز کاروبار میں مصروف ہیں، ایک (کوئی) بھی جو دارالعلوم سے منافع بنا دیتے ہیں، یہاں بلوچستان میں تو علماء کے نام سے مختلف کمپنیاں منظر پر ہیں علماء اور تبلیغی والوں سے اس مضاربت کے لئے رابطہ کرتے ہیں اور علماء کے سامنے آپ صاحب کا حوالہ دیتے ہیں تو آپ نے خود محسوس کیا ہوگا کہ اس بات کا انکار نہیں کہ منکر الشہرہ بالعکس ہے اور اس راستے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کو ختم کرنے اور کتاب بھی لکھنے سے جو فساد آج کل قوم میں متوقع ہے اب اس فساد کا تدارک بھی ہو سکتا ہے۔"

لیکن جو اصحاب اور کچھ قومیں بھی اس رائے کی بنیاد پر ٹی وی اور اس کے مثل دوسری چیزیں بے جا صرف استعمال کرتے ہیں بلکہ انہیں جائز سمجھتے ہیں۔ اگر اب آپ یہ فتویٰ جاری کر دیں یا اسی طرح فتویٰ کی تائید کر دیں جو کہ کہ یہ تصویر نہیں ہے بلکہ ٹی وی باطل کے مقابلے کے لئے اپنی حدود میں استعمال کیا جا سکتا ہے تو ہمارے خیال سے آپ کا یہ عمل آگ جلانا ہے اور عظیم فتنے کا دروازہ کھولنا اور اللہ تعالیٰ کے عام عذاب کو دعوت دینا ہے۔

تو ہم بحیثیت دعوت آپ محترم سے محبت آمیز اور شفقت کے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ مجوزین کی جماعت کی جانب سے دو کام کریں۔

"پہلا یہ کہ آپ صراحتاً تحریراً اپنی وہ پرانی رائے ظاہر اور بیان کریں کہ ٹی وی کا استعمال مطلقاً حتیٰ کہ کسی تبلیغی اور دینی پروگرام کے لئے بھی حرام ہے، سخت جرم ہے اور حدود اللہ پر تعدی ہے۔"

"اور دوسرا یہ کہ اس فتویٰ و تحسین والی رائے سے رجوع اور رجوع کا بار بار اظہار اور اعلان کریں کیونکہ جو رائے کسی فرد کو مقتضی ہو وہ امت تو درکنار خواص امت کے لئے بھی تو وہ رائے بھی اس تحریری فتوے سے مستحق نہیں ہوگی۔

(المفضی الی الحرام حرام)"

فقط والسلام

آپ کے تحریری جواب کا انتظار رہے گا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

[illegible] کے دارالافتاء کی جوابی کاپی بھی منسلک ہے ملاحظہ فرمائیے

تصدیقات علماء کرام

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نام نہاد اسلامی بینکاری

اور

اس سے متعلق کوائف واحوال

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و کرم ہے کہ اسلام کے نام سے جو بعض کرم فرما یا قلمی لغزش کی وجہ سے ضمن سودی نظام کو تحفظ دے رہے تھے اور دے رہے ہیں اسلام کا لبادہ اوڑھا کر سادہ لوح لوگوں کے حلقوم سے اتارا جا رہا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے علماء حق کو توفیق عطا فرمائی اور انہوں نے واشگاف الفاظ میں اور مختلف تحریروں میں اس کی تمام اقسام اور انواع کو حرام اور دیگر سودی نظام کو منافع تجارت ثابت کر کے فتوی کی شکل میں منظر عام پر واضح کر دیا اس کے بعد دوسری طرف سے جواب و جواب الجواب کی ضرورت نہیں تھی بلکہ حق کی اتباع اور رجوع کی ضرورت تھی جیسا کہ پہلی مجلس میں نام نہاد اسلامی بینکاری کے حامی علماء نے کیا تھا اگرچہ بعد میں وہ اس پر قائم نہیں رہے اور اب ان کی طرف سے رفع القلق کے طور پر بعض علماء نے عجلت میں جواب کے طور پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں

"ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً"

(سورۃ بقرۃ آیت ۷۴)

اس سلسلے میں چند گزارشات سمجھنے کی ہیں

(۱) علماء کی جس تحریر کو متفق فتوی کہا گیا ہے اس کے سمجھنے سے بھی بہتر ہے کہ باوجود اہل علم ہونے کے ہم نے اس کو بھی کہتے ہیں کہ علماء تو اور بھی ہیں یا اتفاق کیا ہے وہ ذرا تحریرات میں جا کر دیکھیں اور مختلف علماء سے غور کریں اور ابن حزم کی الاجماع اور ابن المنذر کی الاجماع میں دیکھیں کہ اس وقت کے تمام علماء کا احصاء کیا گیا تھا یا اس قسم کے اجماع کو کوئی ثبوت نقل اور عقل میں ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جنوں میں بک رہا ہوں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

(۴) اس تحریر سے پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم جو ان کے حدیث اور اسانید کے استاذ ہیں اور اس مجلس کے بہت سارے علماء پر یہ حضرات حجت قائم کر چکے ہیں۔ کیا اس تحریر کے واضح ہونے کے بعد متفق فتویٰ کی زد میں اب یہ حضرات کیوں بے قرار نہیں رہا۔

(۳) کسی تحریر کے منہ کا جواب کیا علم کی روشنی میں قابل کفایت نہیں، امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی فیض الباری کے جواب میں غیر مقلدوں کی "[illegible]" کتاب شائع ہوئی ہے کیا یہ جواب ہے؟

(۲) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ختم نبوت کامل کے جواب میں [illegible] کی تحریر کیا یہ کوئی جواب ہے؟

(۵) [illegible] کی طرف سے بعض اخبارات میں جو کتاب مشتہر جس انداز سے ہرزہ سرائی کر رہے ہیں کیا علم اور حقائق کے دفاع کا یہی انداز ہے؟

(۶) آخر وہ کونسا مسئلہ ہے جس میں مخالفین کی طرف سے برائے نام جواب دہی نہیں ہوئی ہے۔

(۷) اگر حق تعالیٰ توفیق دے اور عرض مطلب بتا فرمائے تو شیخ الاسلام اس زمانے کے بڑے بڑے مولویوں سے زیادہ وسعت علم کے باوجود جماعت کے لئے مثال مشعل دنیا سے کم نہ ہو۔

(۸) چند معروضات [illegible] میں آج الامین مولانا [illegible] کے صدور کے تحت [illegible] تحقیقی [illegible] نہیں ملی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(۹) مفتی تقی صاحب کی تحریر میں علت اور حرمت کا جائزہ ہے اور ایسی صورت میں حرمت کو ترجیح دینا اصول کے پیش نظر راجح ہے بجائے بینک اور اس کے انواع و اقسام کا دفاع دینی کی کونسی خدمت ہے۔

(۱۰) حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ نے جو لکھا ہے کہ حضرات مجوزین رہنے والے نہ اپنی رضاء الٰہی اور دفاع دین کے لئے کوشاں ہیں جبکہ ان کے چھوڑنے والے یا اسلام کا نام ہوتے حرام کو حلال کرنے والے کسی نہ کسی طرح ان کے مخلصین سے معذرت ہیں۔

تلک عشرۃ کاملۃ

حال ہی میں مولانا محمد تقی صاحب مدظلہ کی طرف سے ایک کتاب بنام "غیر سودی بینکاری متعلقہ فقہی مسائل کی تحقیق اور اشکالات کا جائزہ" کے نام سے آئی ہے۔ اس کی علمی شان و شوکت اور تحقیق کا اندازہ ایک جائزہ سے لگائیے۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے تنہا اس بات پر ہی اس قدر مسرت اور تحریک کا اظہار فرمایا تھا کہ ایک غیر سودی بینک کے قیام کی طرف ابتدائی قدم اٹھائی گئی ہے۔ مدد اور تعاون صاحب کی جس کتاب کا حضرت نے حوالہ دیا ہے وہ سے پہلے موجود ہے اور اس میں مضمون مروجہ کی اختیارات سے قابل اعتراض ہیں۔"

(غیر سودی بینکاری ص ۴۷)

مزید لکھتے ہیں کہ:

"دوسری طرف حضرت مولانا سعید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بینک کی ہمت افزائی فرمائی تھی اس کے بارے میں کوئی اعلان کرنے سے پہلے دوسرے علماء سے مشورہ کرنا مناسب سمجھا۔" (کتاب مذکور ص ۴۷)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ان حوالوں کی موجودگی میں مزید کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر سر دست صرف ایک بات عرض کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مولانا محمد تقی صاحب مدظلہ نے ایک سودی نظام کو چند حیلوں کے ساتھ اپنے چند مداحوں کے بل بوتے پر جو یہ اقدام کر کے بغیر کسی فقیہ یا صاحب علم یا کسی قاعدہ و دارالافتاء سے مشاورت کیے بغیر یہ اقدام فرمایا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے استاذ گرامی قدر شارح الترمذی والبخاری حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلنا اختیار فرمایا یا اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی احتیاط کو کن وجوہ سے نظر انداز فرمایا۔ مولانا نے اس کتاب کے مقدمے میں غیر معمولی عاجزی، فروتنی اور گریہ وزاری کے ساتھ اپنے آپ کو "بوڑھا طالب علم" کہہ کر آخر میں مروجہ اسلامی بینکاری کے لئے دعا مانگی یہ دعا فرمائی ہے۔

مولانا محمد تقی کے الفاظ ملاحظہ ہوں

"بعض یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ تمام اگر پاکستان میں جتنے غیر سودی بینک ہیں (مولانا کے خیال میں) وہ سب میری نگرانی اور میرے مشورے کے تحت چل رہے ہیں۔ یہ بات بھی صحیح نہیں ہے میرا براہ راست تعلق اب تک پاکستان میں صرف تین بینکوں سے رہا ہے میزان بینک، بینک اسلامی اور [illegible] بینک۔

مولانا مزید لکھتے ہیں کہ

"بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان بینکوں کا بانی یا مالک یا شیئر ہولڈر یا حصہ دار ہوں، یہ بات بھی درست نہیں ہے۔ نہ میں ان کا بانی ہوں، نہ میرا ان اداروں سے کوئی انتظامی تعلق ہے، نہ میں ان کا مالک یا شیئر ہولڈر ہوں، نہ ان کی ملکیت میں میرا کوئی حصہ ہے اور افسوس ہے کہ بعض اخبارات کی وجہ سے مجھے اس بات کی بھی وضاحت کرنی پڑ رہی ہے کہ ان بینکوں میں سے کسی سے میرا کوئی مالی مفاد بھی وابستہ نہیں ہے۔ (غیر سودی بینکاری ص ۳۲، ۳۳)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

یہاں چند گزارشات قابل ملاحظہ ہیں

(۱) اگر اس بینکاری کو اسلامی بینکاری کا نام کسی کی رہنمائی اور سفارش اور محنت سے دیا ہے تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ وہ حضرت مولانا اور انہی کا قول ہے ان کے علاوہ پاکستان کے ارباب دار الافتاء میں کوئی ان کا شریک و سہیم نہیں ہے۔

(۲) اپنی مقاومت بجانب ایک مبہم مقولہ ہے کیا مدارس کے مولویوں کو ایک کورس کرانے کے بعد بینک کی چوکھٹوں پر لاکھوں روپوں کی تنخواہوں اور مفادات کے ساتھ بٹھا دینا اپنی مقاومت کو یہ بتانا کہ ترقی نہیں ہے؟۔

(۳) اپنی مقاومت کو بجانب ہونا خیر ممنانہ توفیق ہے اور اس سے ہمارے لئے جو موجودہ ترقی میں کتب والوں کے پاس کوئی سامان مہیا نہیں۔

(۴) اپنی کتابوں کو اپنے پاس جماعتوں کی تصنیفات پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کرنا تو درست بھی کیونکہ کتابوں میں فقہی اصطلاحات جیسے مضاربہ، مشارکہ، مرابحہ اور شرکت وغیرہ کے الفاظ معنی اجارہ وغیرہ سے استعمال کئے گئے ہیں مگر بینکوں میں یہ تمام اصطلاحات فقہی معنی میں نہیں ہیں۔

انطباق کسی طرح ممکن نہیں الا یہ کہ ملک میں یا عالمی بینکاری پر اسلامی نظام نافذ ہو جائے۔

(۵) بعض حضرات اس دھوکہ کا بھی شکار ہیں کہ اسٹیٹ بینک State Bank نے ان کو نفع و نقصان کی بنیاد پر معاملات کرنے کی اجازت دی ہے مگر یہ خیال بھی غلط ہے اسٹیٹ بینک کا نظام مالی اصطلاحات کے زیر اثر ہے علاوہ اس کی اجازت سے کس کے یہاں تحلیل و تحریم کیسے واقع ہو سکتی ہے۔

(۶) یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تمام نہاد اسلامی بینکاری کے حاملین

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حصول کا ذریعہ بینکوں ہی سے کراتے ہیں اور اس سود کو دو یا تین حصے کر کے بقیہ Holders اور Donors کے نام نہاد متعلقہ مستحقان کے نام سے تقسیم کرتے ہیں۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
کس قدر ہوئے فقیہان حرم بے توفیق

آخری گذارش یا ایک عمومی مغالطے کا جواب

(۱) بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایسے کچھ اہل علم جو دینی علوم کے ساتھ دنیاوی علوم کے بھی ماہر ہیں اس لئے ان پر اعتماد کر کے نئے سودی نظام سے یا نئے سودی بینکوں سے مروجہ اسلامی بینک بہتر ہوں گے۔ یہ ایک شدید اور نامناسب قسم کا مغالطہ ہے اول اس لئے کہ اتنے بڑے حرام جسے خدا اور رسول سے جنگ کرنے سود کی حرمت سے بڑھ کر کرنے کے مترادف قرار دے دیا گیا ہے اور بقول محققین کے کہ سود خور کے لئے کافر والی سزا آیت ربا میں تجویز کی گئی ہے، اتنی شدید وعید کے ہوتے ہوئے بھی حلت و جواز کا خیال خالص دھوکہ اور فریب شیطانی ہے۔

(۲) جب ان کی تحقیق کی غرض آخر علماء پر واضح ہو چکی ہے تو ان کی مہارت بھی زیادہ قابل قبول نہیں ہے۔ علاوہ جس دین اور فقہ کو وہ ساری زندگی پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں اس میں ان کی تحقیق اور عمل غیر معتدل شدہ بالکل واضح ہو چکی ہے تو دنیاوی علوم و اقتصادیات کے بارے میں ان کی رائے بھی ہوائی باتوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ فقہاء اور محدثین کے یہاں یہ اصول مسلم ہے کہ بوقت مجبوری جب حالت اضطرار ہو اور کوئی جائز صورت ممکن نہ ہو تو حرام کا ارتکاب کیا جاتا ہے جیسے مضطر کے لئے اکل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مختصر یہ کہ مسئلہ ہے مگر کسی ایسے نظام کو آلۂ کار بنانا جس سے اسلام پر افترا اور بحیثیت دینی کے ہو جو کوئی اور مطلب نہ ہو اس کا ارتکاب مطلقاً ناجائز اور حرام ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ علی التحقیق زد سے سودی بینکوں کی طرف بوجہ مجبوری اور غلط نظام کے تحت معاملہ تو کچھ کر جاتا ہے کچھ گنجائش رکھتا ہے لیکن جس نظام میں اسلام کا پیوند لگا ہوا اس نظام کے تحت معاملہ کرنا درست نہیں ہوگا۔

وبهذا القدر نكتفي اليوم وسنعود إلى مزيد التفصيل والتدليل

بعدين إن شاء الله تعالى